بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر

روح البیان

مفسر

حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ

مترجم

شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی

رضوی کتاب گھر دہلی

For More Books Click On
Ghulam Safdar
Muhammadi Saifi
Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ

فیوض الرحمٰن اُردو ترجمہ تفسیر

روح البیان

پارہ

۱۲/۱۳

مفسر

حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ

مترجم

شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

رضوی کتاب گھر

۴۲۵، اُردو مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

فون: 011-23264524

For More Books Click On
Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ
نیو ایڈیشن ۲۰۰۹ء ★ کوئی صاحب بلا اجازت عکس نہ لیں

نام کتاب : فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان
مصنف : علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم : شیخ التفسیر علامہ محمد فیض احمد اُویسی مدظلہ العالی
باہتمام : حافظ محمد قمر الدین رضوی
ناشر : رضوی کتاب گھر دہلی
پارہ : (۱۴+۱۳)
صفحات : ۸۱۶
تعداد اشاعت : ۱۱۰۰
مطبع : رضوی پریس ایجنسی، دہلی
ہدیہ مکمل سیٹ :

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

RAZVI KITAB GHAR
425, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph:.011-23264524 Email:razvikitabghar@yahoo.co.in

مہاراشٹر میں اہلسنت کا مرکزی کتب خانہ

رضوی کتاب گھر ۱۱۴
غیبی نگر، بھیونڈی ضلع تھانہ
Ph :. 02522-220609

نیو رضوی کتاب گھر
نزد مجیدیہ ہائی اسکول، غیبی پیر روڈ، بھیونڈی ضلع تھانہ
Mob:. 09823625741

Scanned with CamScanner

پارہ ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ
رَّحِیْمٌ ○ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ
الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ○ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ
عَلِیْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ
بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○

ترجمہ: اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔ بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دیتا ہے مگر جس پر میرا رب تعالیٰ رحم فرمائے۔ بے شک میرا رب غفور رحیم ہے۔ اور بادشہ نے کہا یوسف علیہ السلام کو میرے ہاں لے آؤ میں انھیں خاص اپنے لیے منتخب کر لوں۔ پھر جب بادشہ نے یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی بادشہ نے کہا بیشک آج سے آپ ہمارے معزز و معتمد ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنے ملکی خزانوں پر مقرر کر دو بیشک میں حفاظت کرنے والا اور ملکی معاملات سے واقف کار ہوں اور یونہی ہم نے یوسف علیہ السلام کو اس ملک میں با اختیار بنا دیا اس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں اور ہم نیکوں کا نیک عمل ضائع نہیں کرتے اور بیشک آخرت کا ثواب ان کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ یہ یوسف علیہ السلام کا کلام ہے یعنی میں اپنے نفس کی برائی سے برأت کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی بالکل اس کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ واقعی وہ ہر برائی سے پاک ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کو تزکیۂ نفس حاصل نہ تھا۔

Scanned with CamScanner

مذکورہ بالا قول حضرت یوسف علیہ السلام نے تواضعاً اور اپنے نفس کی سرکوبی کے لیے فرمایا ہے —— اگر

ازالہ وہم انبیاء علیہم السلام میں تزکیہ نہ ہو تو پھر کس میں ہوگا۔ دراصل یوسف علیہ السلام کا مذکورہ کارنامہ ایسا بے نظیر ہے کہ جسے ایک سنجیدہ انسان سُن کر حیران ہو جاتا ہے اور اس سے بظاہر نفس کو عُجب آتا ہے لیکن یہ بھی یوسف علیہ السلام کا کمال ہے کہ آپ نے پہلے کارنامے کے بعد دُوسرا کارنامہ کر دکھایا اور سبق دیا کہ نفس من حیث ھی ھی وہ ہے کہ اس کی برائی سے برأت نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی ایسی فضیلت اس کی طرف منسوب کی جائے جب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو اس کا برائی سے بچنا محال ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لام جنس کی ہے یعنی جملہ نفوس جن میں بحیثیت نفس ہونے کے میرا نفس بھی **لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ** قبائح ومعاصی کا حکم دیتا ہے کیونکہ باطل اور شہوات کی لذت کا عاشق اور انواع منکرات کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اکثر نفوس حیلے اور مکر و فریب کر کے شہوات و منکرات کے تقاضے پُورے نہ کرتے اور نہ ہی ان سے بکثرت شر اور فساد ظاہر ہوتا۔

فائدہ صوفیانہ: اس سے معلوم ہُوا کہ جو عقیل ترین اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہوتا ہے اُسے نفس کی شرارتوں اور اس کے عیوب کا زیادہ علم ہوتا ہے بلکہ اُسے نفس کی خرابیوں کی مہارت حاصل ہوتی ہے اور وُہ اپنی ہر نیکی کے عجب سے محفوظ ہوتا ہے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مگر جن نفوس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہوتا ہے تو انھیں ہلاکتوں کے وقوع سے بچا لیتا ہے اور جن نفوس پر اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم ہوتا ہے ان میں ایک میرا نفس اور جملہ انبیاء عظام و ملائکہ کرام علیہم السلام کے نفوس طیبہ ہیں۔

مسئلہ: ملائکہ کرام علیہم السلام ابتداءً ہی معصوم پیدا ہوتے ہیں اگرچہ انبیاء علیہم السلام میں شہوات و خواہشات ہوتی ہیں لیکن انھیں تائیدِ ایزدی و توفیقِ خداوندی سے عصمت حاصل ہوتی ہے۔ ما موصولہ بمعنے مَن ہے۔

ف: آیت سے معلوم ہُوا کہ نفس من حیث ھی ھی بہائم کی طرح ہے۔ اِلَّا کا استثناء نفس سے ہے۔ یا امّارۃٌ کی ضمیر ھی سے اب عبارت یوں ہوگی:

اِنَّ النَّفْسَ اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ ھِیَ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔

اس لیے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے وہ نفس کی شرارتوں سے بچ جاتا ہے بلکہ اسے نفس بُرائی کا حکم دیتا ہی نہیں یا ما بمعنے وقت ہے۔ یعنی ہر وقت بُرائی کا حکم دیتا ہے مگر اس وقت جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عصمت نصیب ہو جائے امّارۃ کا صیغہ مبالغہ کا ہے۔

Scanned with CamScanner

جب نفس اس سے کچھ زائد امر کرے تو کہتے ہیں امّارۃ۔

اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ بیشک میرا رب تعالیٰ عظیم المغفرۃ ہے کہ نفوس کی خرابیوں کے باوجود بندوں کو دامنِ مغفرت میں ڈھانپتا ہے رَّحِیْمٌ ○ یعنی رحمت فرما کر نفوس کی خرابی کے تقاضوں پر حکم کا اجرا نہیں فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ نفس کو طبعاً امّاریت بالسوء کی جبلّت پر پیدا کیا گیا اس لیے کہ اگر اسے بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ سوائے برائیوں کے اور کچھ نہیں کرتا اس سے شر و فساد کے سوا اور کوئی شے صادر ہوتی ہی نہیں اور یہ برائی کا ہی حکم دیتا ہے ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جائے اور جسے اللہ تعالیٰ نظرِ عنایت سے نوازے تو وہ اپنی طبیعت سے نکل کر نیکی کی طرف اور اپنے صفات کو خیرباد کہہ کر روحانیت کی طرف اور امّاریت کو ترک کر کے ماموریت کی طرف اور شرارت سے روگردانی کر کے خیر کی طرف آ جاتا ہے جب کسی بشریت کی شب میں ہدایت کی صبح چمکتی ہے اور آسمانِ قلب کے کنارے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ نفس لوّامہ بن جاتا ہے۔ یعنی برائی کے ارتکاب پر انسان کو خود نفس ملامت کرتا ہے بلکہ امّاریت کے دوران اس سے جو کچھ صادر ہوا اس سے نادم ہو کر سابق غلطیوں سے تائب ہوتا ہے۔ اور ندامت سے توبہ مراد ہے پھر جب افقِ ہدایت سے عنایت کا شمس طلوع ہوتا ہے تو اس وقت وہ نفس ملہمہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ شمسِ عنایت کے انوار سے چمکتا ہے اسے فجور و تقویٰ کا الہام ہوتا ہے اسی لیے اسے ملہمہ کہا جاتا ہے جب شمسِ عنایت سماءِ ہدایت کے درمیان میں پہنچتا ہے اور بشریت کی زمین رب تعالیٰ کے نور سے منوّر ہو جاتی ہے تو یہ نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ یہی نفس ارجعی الیٰ ربک کے جذبات کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کے خطاب کا مستعد ہوتا ہے۔ ایسے نفس کو راضیہ مرضیہ کہا جاتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق

انبیاء علیہم السلام کا سلوک اگرچہ نفس مطمئنہ سے راضیہ مرضیہ صافیہ تک ہوتا ہے مگر مطلقاً نفوس طبعی طور امّاریۃ پر پیدا کیے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے نفوس ہوں یا ان کے غیروں کے اور نفوس کے امّارہ ہونے سے ضروری نہیں کہ ان میں مادیت کے علامات کا ظہور انبیاء علیہم السلام کے نفوسِ مقدسہ میں ہو اسی لیے یوسف علیہ السلام نفسی لامّارۃ کے بجائے ان النفس لامّارۃ مطلقاً فرمایا۔ اس کے بعد معصوم نفوسِ مقدسہ کا استثناء فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اگر نفس کو عصمتِ ربانی حاصل نہ ہو تو وہ اپنی طبع کی وجہ سے برائیوں کا ارتکاب کیے بغیر نہیں رہ سکتا اسی لیے حضور علیہ السلام دعا فرماتے تھے:

ربِّ لا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عینٍ۔ اے اللہ مجھے آنکھ جھپکنے کی مقدار میں بھی نفس کے سپرد نہ کرنا۔

اگر نفس کی طبعی شرارت نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام دعا میں ایسے کلمات نہ فرماتے۔ خلاصہ یہ کہ آیت ہذا نفس کی امّاریت کی دلیل ہے۔ نیز ابن الشیخ نے اسی سورۃ میں ولمّا بلغ اشدّہٗ اٰتینٰہ حکماً وعلماً کے تحت فرمایا کہ حکم سے مراد یہ ہے کہ

Scanned with CamScanner

یوسف علیہ السلام کا نفس مطمئنہ جب ان کے نفس امارہ پر حاکم اور غالب و ظاہر ہو گیا۔ اس سے ابن الشیخ نے یوسف علیہ السلام کے نفس کے لیے اماریت کا ثبوت دیا۔ سعدی مفتی نے بھی اسی سورۃ کے اَصْبُ الیھن میں قاضی بیضاوی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا کہ اصب بمعنے اَمِیْلُ الی اجابتھن او الی انفسھن بطبعی و مقتضی شھوتی۔ اس میں طبعی و مقتضی شھوتی کا ترجمہ بسبب طبعی و نفسی لامارۃ بالسوء فرمایا ہے۔

حضرت الشیخ نجم الدین وایہ قدس سرہٗ نے سورۃ الانعام میں وکذلک جعلنا لکل نبی شیاطین الانس والجن کے تحت لکھا ہے کہ شیاطین الانس سے نفس امارہ بالسوء مراد ہے اس لیے کہ یہ اعدی الاعداء ہے نیز انھوں نے کئی مقامات پر اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے نفس امارہ کا ثبوت دیا ہے۔

خلاصہ: فطرت انسانی کے لحاظ سے انھیں بھی نفس امارہ پیدا کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے نفوس اماریت سے مطمئنیت میں تبدیل ہو گئے۔

سبق: اس مقام کو غور سے پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے اس لیے کہ یہاں بہت سے بڑے بڑے لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میں نے اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے علامہ فہامہ (بلکہ اس کے لیے کشف و کرامات بھی مشہور کیے جاتے) کو دیکھا کہ اس مسئلہ میں بہت بڑے مضطرب تھے اور ایسے پریشان کہ انھیں افہام تفہیم سے بھی اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ نفس امارہ کو ایسا تابع بنائے کہ وہ نفس مطمئنہ ہو جائے اس کے بعد اس کے مکر و فریب سے محفوظ ہو جائے گا اور نفس کو مطمئنہ بنانے کا سبب سب سے قوی تر توحید ہے اس لیے کہ اس میں تزکیہ و تطہیر نفس بہت بڑی تاثیر ہے اس کے دامن کو پکڑنے سے سالک شرک جلی و خفی سے بچ جاتا ہے۔

ف: نفائس المجالس میں لکھا ہے کہ نفس منبع العناد والخیانۃ و معدن الشر والجنایۃ ہے۔ یہی انفس و آفاق میں فتنوں کا مرکز ہے بلکہ علی الاطلاق ظلم کا سرچشمہ یہی نفس ہے۔ اگر روح بادشاہ اور عقل وزیر اور مفتی قلب باہم متفق ہو جائیں تو قوائے نفسانیہ و طبعیہ کا خلاف و شقاق درمیان سے بالکل اٹھ جائے۔

حکایت منقول ہے کہ تین بیل زرد، نیلا، سیاہ ایک جگہ پر رہتے تھے تینوں نے اتفاق کر لیا کہ اس فلاں پہاڑ پر کسی کو نہیں آنے دیں گے۔ وہاں اچھی چراگاہ تھی۔ جب ان تینوں نے جانوروں پر رعب جمایا تو تمام جانوروں نے مشورہ کیا کہ ان کا رعب ختم کیا جائے۔ شیر نے کہا میں ان کا تدارک کرتا ہوں۔ شیر ایک دن ان بیلوں کے ہاں پہنچا لیکن تینوں کے اتفاق نے شیر کو مغلوب کر دیا۔ شیر نے کہا: بھائیو! مجھے اپنی رفاقت میں لے لو میری رفاقت سے تمہارا رعب اور بڑھ جائے گا۔ تمام بیلوں نے مان لیا۔ اس کے بعد شیر ان کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک دن شیر نے زرد اور نیلے بیلوں سے کہا کہ یارو! کالے بیل کو ہمارے ساتھ کوئی مناسبت نہیں اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اسے

Scanned with CamScanner

اپنی صحبت سے دُور کیا جائے۔ دونوں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں لیکن وُہ دُور کیسے ہوگا۔ شیر نے کہا یہ میرے لیے آسان ہے صرف تم میری رائے کو منظور کر لو۔ انہوں نے کہا ہمیں منظور ہے۔ شیر نے کہا، میں اس سے جو کچھ کروں تم اس کو چھڑانے کے لیے نہ آنا۔ انہوں نے کہا ہم نہیں آئیں گے۔ شیر نے کالے بیل پر حملہ کر کے اسے کھا لیا۔ اگرچہ کالے بیل نے زرد رنگ والے بیل سے مدد چاہی لیکن اس نے ایک نہ سُنی۔ چند روز گزرے تھے کہ زرد رنگ والے بیل کو کہا بھائی! میری تیری شکل ایک ہے، نیلے بیل کو ہم سے کیا تعلق، اگر تیری اجازت ہو تو اس کا بھی کام تمام کر دُوں، پھر میں اور آپ آرام کی زندگی بسر کریں گے۔ زرد بیل نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔ جب نیلے بیل کو بھی شیر نے کھا لیا تو زرد پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ زرد بیل نے بہت منت سماجت کی لیکن شیر نے ایک نہ مانی۔ بیل نے کہا، مجھے پہلے سے یہی خیال تھا کہ جب تم نے کالے اور پھر زرد بیل کو کھایا تھا تو مجھے بھی ضرور کھائے گا۔

سبق: نفس اسی شیر کی طرح ہے جب جبلی وجود میں آتا ہے تو قوائے نفسانیہ پر حملہ کر کے انہیں کھا جاتا ہے۔ ایسے اقعات میں بے شمار نصائح ہیں وہی سمجھتا ہے جسے عقل ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

بیت من بیت نیست اقلیمست
ہزل من ہزل نیست تعلیمست

ترجمہ: میرا گھر ایک مستقل اقلیم ہے میری مزاحیہ کہانیاں مزاح نہیں بلکہ ان میں تعلیم ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ مروی ہے کہ جب یُوسف علیہ السلام کا جواب بادشاہ کو سنایا گیا تو بادشاہ کو یُوسف علیہ السلام کے دیدار کا اشتیاق ہوا اسی لیے کہا ائْتُونِي بِهِ یُوسف علیہ السلام کو میرے ہاں لے آؤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي میں انہیں اپنا خاص اور مقرب مقرر کروں گا۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ بادشاہ نے پہلے یُوسف علیہ السلام کو اپنے علم تعبیر کی وجہ سے بلایا تو صرف یہ کہا ائتونی بہ۔ جب یُوسف علیہ السلام نے استغنا دکھایا اور بادشاہ کو ان کی امانت و صبر و ہمت اور جودتِ نظر اور اس کی اوّل طلب پر عجلت نہ کرتے ہوئے حوصلہ فرمایا تو بادشاہ کی نظروں میں ان کی عظمت و ہمت بڑھ گئی اسی لیے دوبارہ بلاوے پر کہا ائتونی بہ استخلصہ لنفسی۔

فَلَمَّا كَلَّمَهُ پس جبکہ اس سے گفتگو کی یعنی یُوسف علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے عرض کی اور آپ کے اندر رُشد اور احسن رائے دیکھی تو قَالَ یُوسف علیہ السلام سے کہا کہ اے سچے بزرگ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا آپ آج کے بعد ہمارے ہاں مَكِينٌ ذو مرتبہ اور صاحب علو شان ہو کر رہیں گے اَمِينٌ ۝ ہم نے آپ کو اپنے ہر معاملہ پر امین مقرر کر دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

ف : اَلْیَوْمَ سے حاضری کا وقت یہاں معنی مراد ہے کہ آمنے سامنے گفتگو کا یہی وقت تھا۔ نہ یوسف علیہ السلام تو
ان کی نظروں میں پہلے سے ہی ذو مرتبت و صاحبِ علوشان سمجھے گئے تھے۔ اس سے وہ احتمال اُٹھ گیا کہ بادشاہ کی نظروں میں
تو یوسف علیہ السلام پہلے ہی ذومرتبت سمجھے گئے۔ پھر قرآن مجید میں اَلْیَوْمَ کی قید کیوں۔

ف : مروی ہے کہ بادشاہ کا خادم ساقی جب یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا تو عرض کی کہ آپ کو بادشاہ بلاتا ہے۔
فلہٰذا تشریف لے چلئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ماہ کنعانی من مسند مصر آن تو شد
گاہ آنست کہ پدرود کنی زندان را

ترجمہ : اے میرے ماہ کنعانی! مصر کی مسند آپ کے لیے تیار کی گئی ہے اب وقت آگیا ہے
کہ آپ قید خانہ کو الوداع فرمائیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

شب یوسف بگذشت از درازی
طلوع صبح گردش کارسازی
چوں شد کوہ گراں بر جانش اندوہ
برآمد آفتابش از پس کوہ

ترجمہ : یوسف علیہ السلام کی درازیٔ شب ختم ہوئی صبح نے آتے ہی ان کا کام بنا دیا کوہ اندوہ
نے ان کی جان کو مغموم کر رکھا تھا اب سورج نے کوہِ غم کے پیچھے سے طلوع کیا۔

ف : یوسف علیہ السلام قید خانہ سے نکلے اور قیدیوں سے الوداع فرماتے ہوئے ان کے لیے دعا فرمائی اور وعدہ کیا میں
تمہارے لیے نیک لوگوں کو سفارش کروں گا اور تمہارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ جو امر شاہِ مصر کے
ہاں سے پاتا تو سب سے پہلے اہلِ سجن کو معلوم ہوتا پھر دوسروں کو خبر ہوتی۔

ف : یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے جاتے ہی یہ عبارت لکھوا دی :

هٰذِهٖ مَنَازِلُ الْبَلْوٰی وَقُبُوْرُ الْاَحْیَاءِ وَشَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ وَتَجْرِبَةُ الْاَصْدِقَاءِ۔

ترجمہ : یہ آزمائش کا گھر اور زندوں کی قبر اور دشمنوں کی گالی اور دوستوں کی تنقید ہے۔

ف : الوداع کے بعد آپ نے غسل فرمایا اور جیل خانہ کی گرد و غبار اتاری اور نئے کپڑے پہنے۔ تفسیر تیسیر میں ہے کہ بادشاہ
نے یوسف علیہ السلام کے اعزاز میں ستر غلام ستر سواریوں کو آراستہ کر کے تاج اور لباس شاہانہ دے کر قید خانہ

Scanned with CamScanner

یوں بجواسنے ؎

چو یوسف شد سوئے خسرو روانہ
بجلعتہائے خاص خسروانہ
فراز مرکبے از پائے تا فرق
چوں کوہے گشتہ در درو گہر غرق
بہر جا طبلہائے مُشک و عنبر
ز ہر سو بدرہائے زر و گوہر
براہ مرکب او می فشاندند
گدا را از گدائی مے رہاندند

ترجمہ : جب یوسف علیہ السلام بادشاہ کی طرف روانہ ہوئے تو شاہانہ ٹھاٹھ سے تشریف لے چلے ایسی سواری پر سوار ہوئے پہاڑ کی طرح سر سے پاؤں تک زیورات سے لدی ہوئی تھی ہر جگہ مشک و عنبر کے گھڑے چھڑکے گئے۔ ہر طرف سے زر و گوہر کی تھیلیاں نچھاور کی جا رہی تھیں۔ یوسف علیہ السلام کی سواری کے آگے نچھاور کرتے تھے گدا کو گدائی سے نجات دینے والے تھے۔

جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کے تشریف لانے کا علم ہوا تو بادشاہ استقبال کے لیے آگے بڑھا ؎

ز قرب مقدمش شاہ چوں خبر یافت
باستقبال او چوں بخت بشتافت
کشیدش در کنار خویشتن تنگ
چوں سرو گلرخ و شمشاد گلرنگ
بہ پہلوے خودش بر تخت بنشاند
بہ پرسشہائے خوش با او سخن راند

ترجمہ : جب یوسف علیہ السلام کی تشریف آوری کا وقت قریب ہوا تو بادشاہ ان کے استقبال کے لیے بخت کی طرح آگے آیا انھیں بادشاہ نے گلے لگایا گل سرخ سرو اور شمشاد گلرنگ کی طرح اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھایا اور حالات پوچھے اور خوش ہو کر گفتگو کی۔

ف : مروی ہے کہ جب بادشاہ کے ہاں یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو یہ دعا پڑھی :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِخَیْرِكَ مِنْ خَیْرِہٖ وَ اے اللہ ! میں تیری خیر کے صدقے بادشاہ سے

اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ وَقُدْرَتِكَ مِنْ شَرِّہٖ۔ بھلائی کا طالب ہوں اور تیری عزت و قدرت کے طفیل بادشاہ کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو السلام علیکم کہا اور عبرانی میں اس کے لیے دُعا مانگی۔

ف: یوسف علیہ السلام بہتّر زبانیں جانتے تھے اور بادشاہ کو ستّر زبانیں معلوم تھیں۔ جب عبرانی زبان میں یوسف علیہ السلام نے گفتگو فرمائی تو بادشاہ نہ کر سکا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کون سی زبان ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے دادا ابراہیم و اسحاق اور میرے والد یعقوب علیہم السلام کی بولی ہے۔ اس کے بعد آپ نے عربی میں گفتگو فرمائی تو بادشاہ نے کہا یہ کیسی بولی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے چچا اسماعیل علیہ السلام کی بولی ہے۔ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے ستّر بولیوں میں گفتگو کی تو یوسف علیہ السلام نے تمام کا اسی بولی میں جواب دیا جس بولی میں بادشاہ سوال کرتا تھا۔ مختلف بولیوں کو سمجھنے پر بادشاہ یوسف علیہ السلام پر متعجب ہوا۔

فائدہ صوفیانہ: اس میں اہلِ کشف مع اہلِ حجاب کی طرف اشارہ ہے کہ اہلِ حقیقت ہر مرتبہ شریعت و طریقت و معرفت و حقیقت میں گفتگو کرتے ہیں اور اہلِ ظواہر صرف شریعت میں گفتگو کرنا جانتے ہیں اور اہلِ تصوف کے نزدیک دونوں یعنی شریعت و طریقت کے علوم بہتر ہیں۔

ف: جب بادشاہ کے ہاں یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو بادشاہ نے کہا کہ آپ مجھے میرے خواب کی تعبیر خود بیان کریں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ پوچھتے جائیں میں بتاتا جاؤں جونہی بادشاہ سوال کرتا یوسف علیہ السلام بہترین اسلوب سے جواب دیتے جس سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ ؎

جوابے دلکش و مطبوع گفتش
چناں کاندراں گفتن شگفتش

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو پیارا اور دلکش جواب دیا۔ ایسا بے نظیر جواب کہ بادشاہ متعجب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو اشارے ہیں:

۱۔ رُوح چاہتا ہے کہ قلب صفاتِ بشریہ سے نجات پائے تاکہ حقائق اشیا کے کشف میں قلب خالص روح کے ساتھ ہو جائے اگرچہ اسے معلوم نہیں کہ اس کی نجات میں تمام مملکت اور رعایا کی بھلائی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلب ابن آدم کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست رہے تو تمام جسم فاسد ہو گا وہ گوشت کا ٹکڑا قلب ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو ایمان کی دولت سے نوازا یہ اس کا بدلہ دیا جو کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ

Scanned with CamScanner

احسان کیا کہ انھیں قید خانہ سے نکالا جیسے اس نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے نکالا اللہ تعالیٰ نے اُسے کفر اور جہل کی قید سے نکالا اس نے یُوسف علیہ السلام کو اپنا مقرب بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عبودیت بخش کر اپنا خاص بنایا اور اسے دُنیا اور اس کی رونقوں سے نجات بخشی اور اسے آخرت اور اس کے درجات کا طالب بنایا۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ وُہ بادشاہ حضرت یُوسف علیہ السلام کے ہاں دینِ حق قبول کر کے مسلمان ہوگیا اس کے ساتھ بے شمار لوگوں نے دینِ حق (اسلام) قبول کیا اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ان لوگوں کے ہاں نبی بنا کر بھیجے گئے۔

ایمانِ ابوطالب

جب یُوسف علیہ السلام کے احسان سے اللہ تعالیٰ بادشاہ مصر کو دینِ حق کی دولت سے نوازا بلکہ اس کا احسان ایمان و عرفان کا سبب بنا تو پھر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ صرف احسان بلکہ ہزاروں مصائب جھیلنے پر ابُوطالب کو ایمان کی دولت سے کیسے محروم رکھا گیا۔[1] صحیح تر یہ ہے کہ ابُوطالب کو اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کیا پھر دولتِ اسلام سے نوازا۔ لیکن یہ روایت کہیں نہیں ملتی۔ اس کی تفصیل صاحبِ روح البیان نے جلد اول میں بیان کی ہے اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے حاشیہ پر اہلسنّت کا نظریہ لکھ دیا ہے۔

ف: لطف و کرم اور احسان و مروّت سعادت ازلیہ کی علامات ہیں۔ اگر یہ کسی کافر سے ظاہر ہوں تو اس کے لیے ایمانُ توحید کا موجب بنتی ہیں۔ اور اس کافر کا انجام بخیر و صلاح و فلاح پر ہوتا ہے اگر یہ امور اہل انکار سے صادر ہوں تو توفیقِ خاص کی سعادت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ اہلِ مشاہدہ کو بخوبی علم ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ یوسف علیہ السلام نے فرمایا اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ لام عہدی ہے اس سے مصر کا علاقہ مراد ہے یعنی مجھے مصر کے امور کا متولی مقرر کرے اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ بیشک میں جملہ امور کی نگرانی کروں گا اور ان کے تصرف کے وجوہ سے بخوبی واقف ہوں۔

ف: واقعہ یوں ہُوا کہ جب یُوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ کو اس سے تشویش ہُوئی کہ پہلے خوشحال سالوں میں غلہ تمام اہل مصر بلکہ دُوسرے ممالک کو کفایت کرے گا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوگا۔

ف: بحرالعلوم میں ہے کہ یُوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام کسانوں اور کھیتی باڑی کرنے والوں کو حکم جاری کر دو کہ اپنی ضروریات پُوری کر کے بقایا غلہ بالیں سمیت شاہی خزانہ میں جمع کریں پھر جب قحط کے سال آئیں گے تو وُہ غلہ نہ صرف اہلِ مصر بلکہ اس کے گردو نواح کے لیے کام آسکے گا۔ بادشاہ یُوسف علیہ السلام کی گفتگو سے متاثر ہُوا۔ پوچھا کہ اس کام کو کون سرانجام دے گا۔ یُوسف علیہ السلام نے فرمایا: اجعلنی الآیہ

---

[1] یہ صاحب روح البیان کا اپنا قیاس ہے جسے جمہور امت نے قبول نہیں کیا۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

ولے ہر کار را باید کفیلے
کہ از دانش بود یا وے دلیلے
بدانش غایت آں کار داند
چوں داند کار را کردن تواند
ز ہر چیزے کہ در عالم تواں یافت
چو من دانا کفیلے کم تواں یافت
بمن تفویض کن تدبیر ایں کار
کہ ناید دیگرے چوں من بدیدار

ترجمہ: ہر کام کے لیے اس کا اہل ضروری ہے کہ اسے سمجھنے کی اس کے ہاں دلیل ہو۔ اپنی دانش سے وہ کام جانتا ہو اور نہ صرف جانتا بلکہ اسے کر بھی دکھلاتا ہو۔ لیکن تمام جہان میں میرے جیسا کوئی کفیل نہ ہوگا جو میری طرح ہر کام سے واقف ہو مجھے اس کام کی سپردگی کر دو اس لیے کہ میری طرح اور کسی کو اس کا تجربہ نہ ہوگا۔

ف: جب یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ قحط سالی لازماً آئیگی تو اسے دُور کرنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ شاہی خزانے کی نگرانی کریں تاکہ بوقتِ ضرورت ان کی مدد کر سکیں۔ یہ بھی خلقِ خدا پر شفقت کے پیش نظر تھا اور یہی بادشاہوں (خلیفوں) کی بہترین سیرت سمجھی جاتی ہے۔

معجزۂ یُوسف علیہ السلام دراصل یہ بھی یُوسف علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا کہ آپ نے خداداد علمِ غیب کے ذریعہ سے خزانۂ مصر کی خدمت سرانجام دی اس لیے آپ کے ہزماں فرعون نے جب غلے کا گودام تیار کیا اور جب وہ قحط کے سالوں میں تمام اہلِ مصر اور دیگر لوگوں کی کفالت کر رہا تھا اس سے لوگوں نے پُوچھا یہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ملکوت السماء کا غیبی خزانہ ہے۔

ف: اسی بادشاہ نے سب سے پہلے دفاتر قائم کیے اور علوم حساب و ہندسہ کو اقلام و حروف کے ذریعے مقرر کیا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر اعتماد رکھتا ہو کہ وہ عدل و انصاف قائم کر سکے گا اور احکامِ شرعیہ کا اجراء بھی، تو اسے حکومت کا کوئی عہدہ مانگنا جائز ہے۔

مسئلہ: علماءِ کرام نے فرمایا کہ اوقاف کے کسی عہدے کا سوال کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح حکومت کا کوئی اور عہدہ مثلاً قضا اور کسی کام کا متولی ہونا وغیرہ وغیرہ۔ (لیکن ہمارے دَور میں تو یہ جملہ امور شیر مادر سے بھی لذیذ تر سمجھے جا رہے ہیں)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت حاضر ہُوئی اور عرض کیا کہ ہمیں فلاں

عہدہ کا متولی بنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی شخص کو ایسے امور کا ہرگز متولی نہیں بناؤں گا جو اس کا خود خواہشمند ہے۔

ف : جسے بلا طلب کسی عہدۂ حکومت پر متعین کیا جائے اسے شرعاً مجبور و معذور سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے خوش قسمت انسان کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے اور ان امور میں اس کی خود رہبری کرتا ہے۔ اور جو ایسے امور کو مانگ کر حاصل کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کے نفس کے ہاتھ گرفتار فرماتا ہے پھر وہ سیکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے۔

ف : امورِ حکومت وغیرہ دنیا کے جملہ معاملات سے سخت ترین معاملہ ہے ان کے کل حقوق کی ادائیگی انسان کے بس سے باہر ہے۔

مسئلہ : اگر کسی کو بے مانگے حکومت کا کوئی عہدہ مل جائے۔ اگر اس کے نبھانے پر قادر ہے اور دوسرا بھی اس کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ عہدہ قبول کرے اور یہ فرض کفایہ ہے۔ ہاں جب کوئی بھی اس کی صلاحیت اور اہلیت نہیں رکھتا تو پھر وہ عہدہ سنبھالنا ضروری اور لازمی ہے چونکہ یوسف علیہ السلام کے وقت میں کوئی بھی اہل نہیں تھا اسی لیے وہ عہدہ آپ کو سنبھالنا ضروری ہوا بلکہ مانگ کر بادشاہ سے وہ عہدہ سنبھالا کیونکہ اس وقت خلقِ خدا کا بھلا اسی میں تھا۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ بادشاہ کافر یا ظالم کی حکومت میں ملازمت کرنا جائز ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اس کے سوا چارہ کار نہ ہو اگرچہ کافر یا ظالم کے احکام کو دفع نہ کر سکے بلکہ اس کے جور و ستم کے امور میں چشم پوشی سے کام لے جب طاقت و قوت حاصل نہ ہو چنانچہ ہمارے اسلاف صالحین باغیوں و دیگر ظالم بادشاہوں کے ملازم رہے۔

حکایت تیمور لنگ

حضرت الشیخ ابن الشحنہ نے لکھا کہ تیمور لنگ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ علماءِ کرام پر ظلم کرتا تھا اور اس کی عادت تھی کہ پہلے وہ چند سوالات کرتا اگر جوابات اس کی طبیعت کے ناموافق دیئے جاتے تو جواب دہندہ علماء کرام کو شہید کرا دیتا یا ظلم کا نشانہ بناتا۔ گویا یہ حجاج ثانی تھا۔ جب تیمور نے حلب کو فتح کیا اور اس میں بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہت سے لوگوں کو قید کرایا۔ پھر قلعہ حلب میں ایک مسند سجائی جس میں شہر کے رؤساء امراء و علماء کرام کو دعوت دی۔ شیخ ابن شحنہ نے کہا جب ہم سب علماء حاضر ہوئے کچھ دیر تو اس نے ہمیں اپنے سامنے کھڑا کیے رکھا بعد ازاں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ہم سب بیٹھ گئے۔ مولانا عبد الجبار بن العلامہ نعمان الدین حنفی مرحوم اس کے ہاں اکابر علماء سے شمار ہوتے تھے اس نے انہیں فرمایا کہ ان آنے ہوئے علماء سے فرمائیے کہ مجھے ایک مسئلہ میں اشکال ہے اور میں نے سمرقند، بخارا، ہرات و دیگر بڑے بڑے شہروں کے سرکردہ علماءِ کرام سے سوال کیا کسی نے حل نہیں فرمایا۔ تم ان کی طرح نہ کرنا اور اس کا جواب بھی وہ بیان کرے جو تم میں افضل و اعلم ہو اور وہ میرے ساتھ گفتگو کا سلیقہ بھی جانتا ہو۔ شیخ ابن الشحنہ نے فرمایا کہ کل مجھے بادشاہ نے فرمایا تھا، قُتِلَ مِنَّا وَمِنْكُمْ فمن الشهيد قتيلنا و قتيلكم۔

ابن الشحنہ فرماتے ہیں اس کا جواب فوراً میرے ذہن میں آگیا اور بڑا عجیب و غریب ثابت ہوا۔ میں نے

کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا اس نے کہا کہ ایک جنگ کرتا ہے حصولِ غنیمت کے لیے۔ دوسرا جنگ کرتا ہے اپنی شہرت کے لیے، تیسرا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو اور مرنے کے بعد اس کی جگہ بہشت میں ہو۔ اس پر اس نے کہا تھا کہ:

من قتل منا و منکم لاعلاء کلمۃ اللہ فھو الشہید۔

(جو ہمارا یا تمہارا اس لیے جنگ میں مارا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو وہ شہید ہے)

جب تیمور لنگ نے میری تقریر سنی تو کہا خوب خوب۔ مولانا عبدالجبار نے فرمایا آپ نے بہترین تقریر فرمائی اس طریقہ سے ہمارے اور بادشاہ کے درمیان گفتگو کرنے کی سہولت ہو گئی ہم اس سے مانوس ہو گئے وہ ہم سے۔ اس پر سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہوا اس نے بہت سے سوالات کیے ہم نے بہتر طریق سے جوابات دیے۔ آخر میں اس نے کہا بتاؤ تم لوگ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور یزید کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ حق پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ نہیں تھے۔ تیمور لنگ نے کہا یوں کہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم اور یزید فاسق تھا میں نے کہا کہ صاحب ہدایہ نے لکھا کہ ظالم حکام کی ملازمت کرنا جائز ہے اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ملازمت کی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دور میں حق پر تھے۔ اس جواب سے تیمور لنگ بہت خوش ہوا۔ میرے اور میرے ساتھیوں بلکہ تمام شہر کے علماءِ کرام کے ساتھ نیک سلوک کیا۔

ف: جب بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو امورِ مملکت سپرد کیے تو انہی ایام میں عزیز (قطفیر شوہر زلیخا) فوت ہو گیا۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ چو یوسف را خدا داد ایں بلندی
بقدر ایں بلندی ارجمندی

۲ عزیز مصر را دولت زبوں گشت
لوائے حشمت او سرنگوں گشت

۳ دلش طاقت نیاورد ایں خلل را
بزودی شد ہدف تیر اجل را

لہ یہ جواب وقت کی نزاکت کے لحاظ سے صحیح تھا اس لیے کہ خلافت کے دور میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے۔ جب ان کے وصال کے بعد حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کو خلعت سپرد کر دی تو اب وہ بحیثیت ایک خلیفہ ہونے کے حق پر تھے۔

Scanned with CamScanner

۴ زلیخا روی در دیوار غم کرد
ز بار ہجر یوسف پشت خم کرد

۵ نہ از جاے عزیزش خانہ آباد
نہ از اندوہ یوسف خاطر آزاد

۶ فلک کو دیر مہر و تیزکین است
درین حرمان سراکاروی این است

۷ یکے را برکشد چوں خور بافلاک
یکے را افگند چوں سایہ بر خاک

۸ خوش آں دانا بہرکاری و باری
کہ از کارش بگیرد اعتباری

۹ نہ از اقبال او گردن فرازد
نہ از ادبار او جانش گدازد

ترجمہ: ۱۔جب اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بلندی بخشی اور ان کی شان کے لائق بزرگی عطا فرمائی۔
۲۔عزیز مصر کی دولت کمزور پڑگئی ان کی حشمت کا جھنڈا سرنگوں ہوگیا
۳۔اس کا دل اس نقصان کی تاب نہ لاسکا جلدی سے اجل کے تیر کا نشانہ بن گیا۔
۴۔زلیخا نے اپنا منہ غم کی دیوار میں کیا یوسف علیہ السلام کے ہجر و فراق سے پیٹھ ٹیڑھی ہوگئی۔
۵۔نہ عزیز کی وجہ سے گھر آباد نہ یوسف علیہ السلام کے غم سے دل شاد۔
۶۔فلک تو ویسے بھی دیر سے شفقت کرنے اور بہت سخت کینے والا ہے اس دنیا میں تو اس کا کام بھی یہی ہے۔
۷۔ایک کو سورج کی طرح اونچا دوسرے کو سایہ کی طرح مٹی پر ڈالتا ہے۔
۸۔خوش قسمت انسان وہ ہے جو اپنے ہر معاملہ میں اس سے اعتبار اٹھا لیتا ہے۔
۹۔نہ بخت سے سر اٹھاتا ہے نہ بدبختی سے جان گھٹاتا ہے۔

زلیخا نے یوسف علیہ السلام کے نام پر سب کچھ لٹا دیا

منقول ہے کہ جب قطفیر فوت ہوا تو زلیخا نے شاہی بنگلوں کو چھوڑ کر ایک جنگل میں جھونپڑا ڈال دیا اور دنیوی امور کو بالکل خیرباد کہہ کر یوسف علیہ السلام کی یاد میں وقت بسر کرنے لگی۔ اسی طرح اس سے

Scanned with CamScanner

مصر کے جنگل میں عرصۂ دراز بسر کیا۔ اس کی وہ پونجی جو اس نے قطفیر کے دورِ اقتدار میں جواہرات وغیرہ جمع کیے تھے وہ سب یوسف علیہ السلام کے نام پر قربان کر دی جب کوئی بھی یوسف علیہ السلام کا ذکرِ خیر اس کے سامنے چھیڑتا تو اسے یوسف علیہ السلام کے عشق میں جواہر و موتی سے مالا مال کر دیتی یہاں تک کہ اس کے ہاں کوئی شے بھی باقی نہ رہی سب کچھ یوسف علیہ السلام کے نام پر لٹا دیا۔

ف: مروی ہے کہ جیسے دوسرے لوگ قحط میں مبتلا ہوئے زلیخا بھی قحط کے تھپیڑوں سے نہ بچ سکی اس نے عوام کی خدمت کے لیے تمام قیمتی جوڑے اور انمول موتی بلکہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں تھا قحط زدہ لوگوں پر خرچ کر دیا اور تمام پونجی غرباء و مساکین پر خرچ کر ڈالی اور یوسف علیہ السلام کے عشق و محبت سے خستہ حال اور بوڑھوں کی طرح کمزور اور نڈھال ہو گئی ؎

جوانی تیرہ گشت از خرچ پیرش
برنگ شیر شد موئے چو قیرش

برآمد صبح و شب ہنگامہ برچید
بشکستان او کافور بارید

بر پشت خم آزاں بودی سرش پیش
کہ جستی گم شدہ سرمایۂ خویش

زلیخا کا جھونپڑا

جب یوسف علیہ السلام کے عشق نے اسے نڈھال کر دیا اور ادھر فاقہ اور افلاس کی مار سے کمزور پڑ گئی تو یوسف علیہ السلام کی آمد و رفت والی سڑک پر جھونپڑا ڈال دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کبھی کبھی اس راستے سے گزر جاتے تھے۔ آپ شاہی گھوڑے پہ سوار ہوتے تھے اور گھوڑے کی عادت تھی کہ یوسف علیہ السلام سوار ہوتے تھے تو وہ ہنہناتا تھا اور اس کی یہ آواز دو میلوں سے سنائی دیتی تھی۔ جب وہ ہنہناتا تھا تو لوگ سمجھتے کہ اب یوسف علیہ السلام اس پر سوار ہو کر کہیں باہر تشریف لے جانے والے ہیں۔ زلیخا کو جب گھوڑے کی یہ عادت معلوم ہوئی تو وہ بھی گھوڑے کی آواز سن کر جھونپڑے سے نکل کر یوسف علیہ السلام کے راستے پر بیٹھ جاتی۔ جب یوسف علیہ السلام وہاں سے گزرتے تو زور سے پکارتی: اے یوسف علیہ السلام ایک نگاہِ کرم مجھ غریب پر بھی فرمائیے لیکن یوسف علیہ السلام کثرتِ خدام و حشم اور ان کی سواریوں کے شور سے اس کی آواز نہیں سنتے تھے۔

زلیخا کا کفر ٹوٹا

منقول ہے کہ جب زلیخا تنگ آ گئی تو اپنے بت (جس کی پرستش کرتی اور اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتی تھی) سے کہا تو بڑا ذلیل ہے اور ساتھ وہ بھی جو تیری پرستش کرتا ہے تجھے میرے بڑھاپے اور اندھے پن اور فقر و ضعف پر رحم نہیں آتا اور نہ ہی تو نے کبھی میرے ساتھ الفت کی اب میں تجھے

2 بیزار ہوں۔ سے

۱ ز بر گوشش ہا میزد ز ہر جا
صہیل مرکبان باد پیما

۲ زبس بر آسمان میشد ز ہر سُے
نفیر چاؤ شان طرقوا گوے

۳ کس از غوغا بحال او نیفتاد
بحالے شد کہ او را کس مبیناد

۴ چو کردی گوشش آں حیران و مہجور
ز چاؤ شان صدائے دور شو دور

۵ زدی افغان کہ من عمریست دورم
بصد محنت دران دوری صبورم

۶ ز جانان تابکے مہجور باشم
ہماں بہتر از خود دور باشم

۷ بگفتی این و بیہوش او فتادی
ز خود کردہ فراموش او فتادی

ترجمہ:۱۔ ہرطرف سے کانوں میں آواز پڑتی تھی جب اس کے گھوڑے تیز رفتار ہنہناتے۔

۲۔ ہرطرف سے آسمان تک ان کے نوکروں کی آواز جاتی جب وہ کہتے راستہ دو۔

۳۔ شوروغل سے زلیخا کی آواز کسی نے نہ سُنی اور وُہ ایسی زبوں حال تھی کہ اسے کسی نے نہ دیکھا۔

۴۔ اس مہجور و حیران کے کان میں جب نوکروں کی آواز پہنچتی کہ دور ہو جا دُور ہو جا۔

۵۔ تو زور سے دھاڑیں مارتی کہ کیا میں عمر بھر مہجور رہوں گی بڑے درد اور دُکھ سر پر ہیں لیکن صبر کر رہی ہوں۔

۶۔ اور محبوب سے کب تک مہجور رہوں گی بہتر یہ ہے کہ اپنے سے ہی دور ہو جاؤں یعنی مر جاؤں۔

۷۔ یہ کہہ کر بیہوش ہو کر گر پڑتی اور اپنے جلا امور کو بھول کر پڑی رہتی۔

زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا

بُت سے بیزار ہو کر زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا
اور کہا میں اس رب تعالیٰ پر ایمان لائی ہوں جو یوسف

Scanned with CamScanner

علیہ السلام کا فدا ہے اس کے بعد صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو گئی۔

زلیخا کی کرامت

مروی ہے کہ جب حسبِ دستور حضرت یوسف علیہ السلام شاہی گھوڑے پر سوار ہوئے تو گھوڑا ہنہنایا۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب یوسف علیہ السلام اس پر سوار ہو کر تشریف لا رہے ہیں یوسف علیہ السلام کا جلوہ دیکھنے کے لیے لوگ دُور دُور سے آپ کے راستے پر کھڑے ہو گئے۔ زلیخا بھی راستے پر کھڑی ہو گئی۔ جونہی یُوسف علیہ السلام کا گزر ہُوا زلیخا نے کہا پیارے ذرا اس بے نوا زلیخا کی طرف بھی توجہ فرمائیے۔ اور یہ کلمات پڑھے،

سبحان من جعل الملوک عبیدا بالمعصیۃ وجعل العبید ملوکاً بالطاعۃ۔

پاک ہے وہ ذات جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی شامت سے غلام اور غلاموں کو عبادت و طاعت کی برکت سے بادشاہ بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ لہ نے ہوا کو حکم فرمایا کہ زلیخا کے یہ کلمات یوسف علیہ السلام کے کانوں میں ڈال دے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کے کان مبارک میں یہی کلمات پہنچے تو ایسے مؤثر ثابت ہوئے کہ بے ساختہ آپ کی چشمان مبارکہ سے آنسو بہہ نکلے۔ زلیخا کی بات سن کر آپ نے ایک غلام کو حکم فرمایا کہ اس بڑھیا کا مقصد پُورا کیجیے۔ غلام نے زلیخا سے کہا آپ کیا چاہتی ہیں؟ زلیخا نے فرمایا: میرا کام صرف یوسف علیہ السلام سے ہے۔ بڑھیا کو غلام نے یوسف علیہ السلام کے قصرِ شاہی میں پہنچا دیا۔ جب یوسف علیہ السلام گھر لوٹے اور شاہی پوشاک اتار کر درویشانہ کپڑے پہن کر عبادت خانہ میں ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپ کو بڑھیا یاد آ گئی آپ نے غلام کو بلا کر فرمایا کہ بڑھیا کا کام پُورا کیا تھا یا نہ۔ غلام نے کہا کہ بڑھیا کہتی تھی میرا کام صرف یُوسف علیہ السلام پُورا کر سکتے ہیں اسی لیے میں نے اسے آپ کے محل شاہی میں بٹھایا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اسے لائیے۔ بڑھیا نے حاضر ہو کر کہا: السلام علیکم۔ لیکن یُوسف علیہ السلام سر جھکا کر بیٹھے تھے زلیخا کا سلام ایسا دردناک لہجے سے تھا کہ اس سے یُوسف علیہ السلام پر رقت طاری ہو گئی اور وعلیکم السلام کہہ کر فرمایا اے بڑھیا! مجھے وہی کلمہ دوبارہ سنائیے جو تو مجھے پہلے سنا چکی ہے۔ زلیخا نے کہا میں نے عرض کیا تھا سبحان من جعل العبید ملوکا بالطاعۃ و جعل الملوک عبیداً بالمعصیۃ۔ یُوسف علیہ السلام نے فرمایا کیا خوب تُو نے جو کچھ فرمایا سچ ہی سچ ہے لیکن اب بتائیے تیرا کام کیا ہے۔ زلیخا نے عرض کیا: حضرت! آپ نے مجھے اتنی جلدی بُھلا دیا۔ آپ نے فرمایا تو کون ہے میں نے تجھے نہیں پہچانا۔

لہ افسوس کہ ایسی باکرامت زلیخا کو دیوبندیوں مودودیوں نے کافرہ خبیثہ لکھ دیا۔ تفصیل فقیر کے رسالہ فتح الناسف فی نکاح زلیخا یوسف یعنی نکاح زلیخا میں ہے۔

Scanned with CamScanner

ے

بگفت آنم چوں روے تو دیدم
ترا از جملۂ عالم برگزیدم
فشاندم گنج و گوہر در بہایت
دل و جاں وقف کردم در ہوایت
جوانم در غمت برباد دارم
بدیں پیری کہ می بینی فتادم
گرفتی شاہ ملک اندر آغوش
مرا یکبار تو کردی فراموش

ترجمہ: زلیخا نے کہا میں وہی انسان ہُوں جس نے آپ کا دیدار کیا تو آپ کے سوا جملہ عالم کو بھلا کر صرف آپ کو چُن لیا۔ آپ کے لیے میں نے اپنا تمام خزانہ لٹا دیا۔ آپ کی محبت میں میں نے دل وجان وقف کر دیے تیرے غم میں میں نے جوانی کو برباد کیا بالآخر یہ بڑھاپا نصیب ہُوا جسے آپ دیکھ رہے ہیں آپ نے شاہی ملتے ہی مجھے یکسر بُھلا دیا۔

زلیخا کو جوانی ملنا اور یُوسف علیہ السلام کے معجزات

زلیخا نے یُوسف علیہ السلام سے عرض کی ہیں وہی زلیخا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے وہی ہمیشہ زندہ ہے اور اسے فنا نہیں۔ اور اے زلیخا! تو تا حال دنیا میں ہے تُو فتنوں کی جڑ اور مصائب وبلایا کی بنیاد ہے۔ زلیخا نے عرض کی، آپ کی جدائی سے تو میرے لیے دُنیا مصیبت کا گھر بن گئی۔ زلیخا کا خستہ حال دیکھ کر یوسف علیہ السلام رو پڑے اور فرمایا اے زلیخا! تیرے حُسن وجمال کو کیا ہوگیا ہے اور تیری شاہی اور جاہ وحشمت کہاں گئی۔ زلیخا نے کہا مجھ سے اسی ذات نے یہ سب کچھ چھین لیا جس نے آپ کو قید خانہ سے نکال کر اس بہت بڑی شاہی کا مالک بنایا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، اپنی ضرورت بتایئے۔ عرض کی کیا آپ پُوری کریں گے۔ آپ نے فرمایا، ان شاء اللہ تعالیٰ مجھے اپنے دادا کے رب کعبہ کی قسم ضرور پُوری کروں گا۔ زلیخا نے عرض کی میری تین آرزوئیں ہیں،

۱۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے میری آنکھیں واپس آجائیں۔

۲۔ میرا سابق حُسن وجمال لوٹ آئے۔

۳۔ مجھے از سرِ نو جوانی مل جائے۔

Scanned with CamScanner

کیونکہ آپ کی جدائی سے میں اندھی ہوگئی اور آپ کے فراق سے میرا جسم پگھل گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی تو زلیخا کی آنکھیں بحال اور از سرِ نو جوانی نصیب ہوگئی اور وہی حسن و جمال لوٹ آیا ؎

سفیدی شد ز مشکیں مہرہ اش دور
درآمد در سواد نرگسش دُور

جوانی پیشش را گشت حالہ
پس از چل سالگی شد ہژدہ سالہ

ترجمہ: بال سفید دُور ہو کر سیاہ بال اُگ آئے اور نرگس کی آنکھ پھر بحال ہوگئی۔
بڑھاپا گیا جوانی آئی چالیس سال کے بعد اٹھارہ سال کی نوجوان ہوگئی۔

بعض مفسرین نے فرمایا اُس وقت زلیخا کی عمر نوے سال تھی۔

نکاحِ یوسف علیہ السلام بہ زلیخا [لہ]

زلیخا نے عرض کی: میری ایک آرزو یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ نکاح کر لیں اس پر یوسف علیہ السلام خاموش ہو کر تھوڑی دیر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ اے یوسف علیہ السلام! اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ زلیخا کی یہ آرزو بھی پوری کیجیے ؎

کہ ما عجزِ زلیخا را چو دیدیم
بتو عرضِ نیازش را شنیدیم

دلش از تیغِ نومیدی نخستیم
بتو بالائے عرشش عقد بستیم

ترجمہ: میں نے زلیخا کا عجز دیکھا اس کی نیازمندانہ عرض بھی سنی اب ہم اس کا دل نہیں توڑتے۔ عرش بریں پر ہم نے اس کا عقد نکاح کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ اس سے نکاح کیجیے اس لیے کہ وہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہے۔

لہ دیوبندی اور مودودی نے صرف نکاح کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ زلیخا پر رکیک حملے بھی کیے۔ ان کے دلائل اور فقیر کی تحقیق رفع التأسف میں ملاحظہ فرمائیے۔

اویسی غفرلہٗ

چو فرمان یافت یوسف از خداوند
کہ بندد با زلیخا عقد و پیوند

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنا کہ وہ زلیخا کے ساتھ عقد نکاح کریں۔

یہ حکم سن کر یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر اور تمام ارکانِ دولت و اساطین سلطنت کو دعوت دی اور ضیافت سے نوازا۔

بقانونِ خلیل و دین یعقوب
بر آئین جمیل و صورت خوب
زلیخا را بعقد خود در آورد
بعقد خویش یکتا گوہر آورد

ترجمہ: خلیل علیہ السلام کے قانون اور یعقوب علیہ السلام کے دین پر بخیر و خوبی زلیخا کا اپنے ساتھ نکاح کیا گویا اس موتی کو اپنی لڑی میں پرویا۔ یعنی اپنے ساتھ ملایا۔

دست ولیمہ پر ملائکہ کرام کا نزول ہوا اور وہ دولہا دلہن کے بہشتی جوڑے لائے اور عرض کی اللہ تعالیٰ نے یہ جوڑے بھیجے ہیں اور شادی کی مبارکباد بھی دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اسی وعدہ کا ایفاء ہے جو ہم نے آپ سے کنوئیں میں کیا تھا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا:

الحمد للہ الذی انعم علی و احسن الی وھو ارحم الراحمین۔	سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے انعامات سے نوازا اور احسان و کرم بخشا وہی ارحم الراحمین ہے۔

یوسف علیہ السلام کی التجا

یوسف علیہ السلام نے دعا مانگی، اے الٰہ العالمین! میری التجا یہ ہے کہ مجھ پر اس نعمت کی تکمیل فرما اور مجھے یعقوب علیہ السلام کا دیدار نصیب فرما اور میرے بھائیوں کے لیے ایسا سبب بنا کہ وہ میری ملاقات کے لیے آئیں۔ تو دعا کا سننے والا اور ہر شے پر قادر ہے۔

عزیزِ مصر (زلیخا کا پہلا شوہر) نامرد تھا

زلیخا کو یوسف علیہ السلام نے خلوت خانہ میں بھیجا تو زنانِ مصر زلیخا کے لیے بہترین پوشاکیں اور زیورات لائیں بعد بی بی کو سنگارا۔ جب رات کو یوسف علیہ السلام زلیخا کے ہاں تشریف لائے تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا بتائیے زلیخا! وہ بدکاری اچھی تھی یا آج کا نکاح۔ زلیخا نے کہا اے میرے پیارے! دراصل وجہ یوں تھی کہ میرا

شوہر سابق نامرد تھا۔ ادھر آپ کے حسن و جمال پر میرا دل بک گیا اس سے میں نے مجبوراً غلطی کی اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اب مجھے ملامت نہ کیجیے ؎

شکیبائی نبود از توحمد من
بخش دامان عفوے از بد من
وجہ کز کمال عشق خیزد
کجا معشوق با عاشق ستیزد

ترجمہ: تجھ بغیر مجھے صبر نہ تھا اب مجھے معاف فرمائیے۔ اس جرم سے عشق سے ہو اس سے معشوق عاشق سے نہیں لڑتے۔

یوسف علیہ السلام جب زلیخا کے پاس پہلی شب کو تشریف لائے تو زلیخا کو باکرہ پایا۔ زلیخا کی بکارت یوسف علیہ السلام کے لیے باقی رکھی گئی تھی ؎

کلید حقہ از یاقوت تر ساخت
کشادش قفل در وی گوہر انداخت

ترجمہ: چابی یاقوت کی ڈبیہ کو لگائی جس سے تالا کھول کر خزانہ میں موتی امانت رکھا۔

یوسف علیہ السلام کی اولاد از زلیخا

زلیخا سے یوسف علیہ السلام کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے:

۱۔ افرائیم
۲۔ میشا

دونوں حسن و جمال میں شمس و قمر کو شرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے حسن و جمال کا ذکر ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے سامنے فخر و مباہات سے بیان فرماتا ہے۔

یوسف علیہ السلام پر زلیخا کے عشق کا غلبہ

اب یوسف علیہ السلام کی زلیخا سے ایسی محبت ہو گئی کہ اس کے بغیر آپ کو سکون و قرار نہیں آتا تھا ؎

چو نقش بود بیروں از نہایت
در آخر کرد بر یوسف سرایت

زلیخا رحمہا اللہ تعالیٰ کا عشق مجازی عشق حقیقی سے بدل گیا اب اسے طاعت و عبادت کے سوا چین نہیں آتا تھا اس سے یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنی طرف بلایا تو وہ عبادت و طاعت کی طرف جانے لگی تو یوسف علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے تو زلیخا رحمہا اللہ تعالیٰ کا قمیص مبارک پیچھے سے پھٹ گیا۔ زلیخا نے کہا اگر میں نے آپ کا قمیص پھاڑا تھا

Scanned with CamScanner

تو آج آپ نے میرا قمیص پھاڑا ہے اس کا بدلہ پورا ہو گیا ہے

دریں کار از تفاوت بے ہراسیم
بہ پیراہن دری راستے براسیم
چو یوسف روئے او در بندگی دید
وزاں نیت دلش را زندگی دید
بنام او ز زر کاشانہ ساخت
نہ کاشانہ عبادت خانہ ساخت

ترجمہ:۔ اس کام (عشق) میں ہم بے خوف ہیں پیراہن پھاڑنے میں ہم دونوں برابر ہیں۔ جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو عبادت میں مشغول دیکھا اور اس کے دل کی نیت عبادت میں زندگی بسر کرنے کو ملاحظہ فرمایا اس کا ایک علیحدہ سنہری مکان بنایا وہ مکان نہ تھا بلکہ عبادتخانہ تھا۔

یوسف علیہ السلام نے خلوت خانہ خاص میں ایک پلنگ (جو جواہرات سے مرصع تھا) پر زلیخا کو بٹھا کر یوں کہا:۔

۱ دور بنشیں پے شکر خدائے
کز و داری بہر مولیٰ عطائے
۲ توانگر ساختست بعد از فقیری
جوانی داد بعد از ضعف پیری
۳ بچشم نور رفتہ نور داوت
وزاں بر رو در رحمت کشادت
۴ پس از عمرے کہ زہر غم چشاندت
بتریاک وصال من رساندت
۵ زلیخا ہم بتوفیق الٰہی
نشستہ بر سریر پادشاہی
۶ دراں خلوت سرا می بود خورسند
بوصل یوسف و فضل خداوند

ترجمہ:۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کی ادائیگی میں دور بیٹھ جو تجھ پر مولیٰ تعالیٰ کی عطا ہوئی۔
۲۔ کہ فقیری کے بعد تجھے دولتمند بنایا ضعیف اور بڑھاپے کے بعد جوانی بخشی۔

Scanned with CamScanner

۳- آنکھ کا گیا ہوا نور واپس لوٹایا اس کے بعد تجھ پر رحمت کا دروازہ کھولا۔

۴- بڑی مشقت کے بعد تجھے غم سے آزادی بخشی بالخصوص میرے وصال کا تریاک عطا فرمایا۔

۵- زلیخا بھی بتوفیق الٰہی بادشاہی کے تخت پر بیٹھی ۔

۶- اسی خلوت خانہ میں خوش تھی۔ یوسف علیہ السلام کے وصال اور فضلِ الٰہی سے شاد تھی۔

ف : ان دونوں یعنی یوسف و زلیخا رحمہا اللہ کی وفات کا ذکر ہم سورۃ کے آخر میں بیان کریں گے۔

سبق : اے بھائی یاد کیجئے کہ انہوں نے اپنے اعضاء و جوارح کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کس مرتبہ علیا پر پہنچایا۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ یوسف (قلب) نے بادشاہ (روح) سے کہا کہ اجعلنی علیٰ خزائن الارض مجھے زمین (جسد) کے خزانوں پر مقرر فرما دے اس لیے کہ ہر شے اور جسم کے ہر عضو کے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار قہر و لطف کے خزانے ہیں مثلاً آنکھ میں دیکھنے کی ایک نعمت ہے اگر اسے نوریۃ آیات و صنائع پر صرف کیا جائے تو لطف آئے گا اور اس سے نفع بھی پائے گا اور اگر اسے لذات و شہوات نفس پر صرف کیا جائے تو نفس اسے محفوظ رکھ سکے گا اسی لیے وہ قہر و غضب پائے گا اور نقصان اٹھائے گا۔ اسی طرح باقی اعضاء کا قیاس کیجئے اسی لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا انی حفیظ علیم میں نفس کو ضرر سے بچاتا اور اس کے نفع و نقصان کو خوب جانتا ہوں اور ان کے نفع و نقصان کے استعمالات کا مجھے علم ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَكَذٰلِكَ کاف مکّنّا کی وجہ سے منصوب ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ ان نعمتوں کی طرف ہے جو یوسف علیہ السلام کو نصیب ہوئیں۔ مثلاً قید کی تکالیف سے نجات اور بادشاہ کے ہاں بہت بڑے مراتب حاصل کرنا مَكَّنَّا لِيُوسُفَ ہم نے یوسف علیہ السلام کا مرتبہ بلند بنایا فِي الْأَرْضِ مصر کے علاقے میں۔

ف : مصر کا علاقہ ۴۰ میل لمبا اور ۱۲۰ میل چوڑا تھا۔ (کذا فی الارشاد)

اور مدارک میں ہے کہ التمکین بمعنے اِقدار یعنی قدرت دینا۔

اور تاج المصادر میں ہے مَكَّنَّهُ فِي الْأَرْضِ بمعنے بوّاہ آیا ہا۔ یہ نفحت کی طرح متعدی بنفسہٖ مستعمل ہے اور لام کے ساتھ بھی۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

نفحتہ و نصحت لہٗ۔

اور بو علی نے کہا کہ ردف لکم کی طرح اس میں لام محذوف ہے جیسے پڑھا گیا ردفکم۔

يَتَبَوَّأُ مِنْهَا یوسف سے حال ہے یعنی درانحالیکہ ملک مصر کے شہروں میں وہ جہاں چاہیں نزول اجلال فرمائیں حَيْثُ يَشَاءُ جہاں نزول اجلال اور رہائش اور بود و باش چاہیں۔ اس سے یوسف علیہ السلام کی

Scanned with CamScanner

کمال قدرت اور شاہی کے جملہ تصرفات اور سلطنت پر قبضہ وقدرت کا بیان ہے گویا تمام ملک مصر ان کا ایک گھر تھا جیسے گھر والا اپنے گھر میں جس طرح کا تصرف چاہے کر سکتا ہے ایسے ہی یوسف علیہ السلام مصر کے مالک تھے جس طرح چاہتے تصرف فرماتے۔

حدیث شریف بھائی یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اگر وہ اجعلنی خزائن الارض نہ فرماتے تو بادشاہ انہیں اسی وقت ملک کے خزائن سپرد کر دیتا لیکن جونہی یوسف علیہ السلام نے مذکورہ کلمات کہے تو بادشاہ نے ایک سال کے بعد خزانوں کی سپردگی کی۔

یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سال سے ایک دن زائد ہوا تو یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو یاد دہانی کرائی بادشاہ نے ایک جشنِ شاہانہ منایا اس میں یوسف علیہ السلام کو بلا کر سر پر شاہی تاج رکھا اور انھیں اپنی مُہر پیش کی اور تلوار گلے میں لٹکائی اور سونے کا تخت بچھایا جس پر جواہر و موتی جڑے ہوئے تھے۔ اس تخت کی لمبائی تیس اور چوڑائی دس ہاتھ تھی اس پر تیس بہترین قالین بچھائے۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کو فرمایا تخت سے آپ کی شاہی مضبوط ہوتی اور مُہر کے عطیہ سے آپ کے جملہ معاملات حُسنِ تدبیر سے سرانجام پائیں گے لیکن تاج واپس کر لیجئے اس لیے کہ یہ نہ میرا لباس ہے نہ میرے آباؤ اجداد کا۔ بادشاہ نے عرض کی آپ حضور پہنیں اس لیے کہ میں نے اسے آپ کی عزت افزائی اور جلال و اکرام کے طور پیش کیا ہے۔ یوسف علیہ السلام تخت نشین ہوئے تو بادشاہ نے نیاز مندی اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہو کر تمام شاہی کی کنجیاں پیش کر دیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چوں شاہ از شے بدید ایں کارسازی
بملک مصر داوش سرفرازی
سپاہ را بندۂ فرمان او کرد
زمیں را عرصہ میداں او کرد

ترجمہ: جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی یہ کارروائی دیکھی مصر کے ملک میں آپ کو سرفرازی بخشی۔ تمام سپاہ کو ان کے تابع فرمان کیا زمین کو آپ کے تصرف میں دے دیا۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا: ؎

پیر ست چرخ و اختر بخت تو نوجوان
آں بہ کہ پیر نوبت خود با جوان دہد

ترجمہ: بوڑھے آسمان اور ستارے تیرے نوجوان بخت کے تابع ہیں۔ یہی بہتر ہوتا ہے کہ بوڑھا اپنے جملہ امور نوجوان کے سپرد کر دے۔

Scanned with CamScanner

ف: یوسف علیہ السلام نے جب شاہی امور سنبھالے تو اس وقت آپ کی عمر مبارک تیس سال تھی۔ (کذا فی التبیان)

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں ایک مثالی عادلانہ نظام قائم فرمایا اسی وجہ سے آپ سے مصر کا ہر مرد اور عورت پیار کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیہاتیوں کو حکم جاری فرمایا کہ زمین کا ایک ایک ٹکڑا بھی کھیتی سے خالی نہ رہ جائے یہاں تک کہ وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں سات سال مسلسل کھیتی باڑی کا کام جاری رہے اور ساتھ ہی ضرورت پوری کر کے بقایا غلہ بالیوں میں محفوظ رہے اس میں پانچواں حصہ حکومت کے سپرد کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جتنا غلہ علاقوں سے حاصل ہو اس کے لیے ایک گودام میں محفوظ کر لیا جائے اسی طرح شاہی جاگیروں کی بلاواسطہ جتنی کاشت ہو وہ بھی سرکاری گوداموں میں رکھی جائے اسی طرح سات سال خوشحالی کے گزر گئے تو قحط سالی کے سات سال شروع ہو گئے۔ پہلے سال تو آپ نے غلہ قیمتاً دینے کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ پہلے سال اہل مصر نے حکومت سے قیمتاً غلہ خریدا یعنی دراہم و دنانیر کے عوض دوسرے سال زیورات کے عوض غلہ بیچا گیا۔ تیسرے سال جانوروں کے عوض۔ چوتھے سال غلاموں اور کنیزوں کے عوض۔ پانچویں سال زمین اور جاگیروں کے عوض۔ چھٹے سال اولاد کے عوض۔ ساتویں سال ان کی اپنی گردنیں یعنی حکومت کی غلامی اختیار کرنے کے بعد غلہ ملتا تھا جب تمام لوگ یوسف علیہ السلام کے غلام اور کنیزیں بن گئے تو سب کے عقول و فہوم متحیر تھے اس لیے کہ ایسی کارروائی نہ دوسرے ممالک کے شاہان سابق سے سنی گئی نہ مصریوں میں ایسا پایا گیا بلکہ جملہ ملوک و شاہان زمان بھی معترف تھے کہ یوسف علیہ السلام جیسا بڑا بزرگ عقیل و فہیم اور دانا زکی بادشاہ نہ دیکھا نہ سنا جب مکمل سات سالہ قحط کے ختم ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا اب آپ کیا چاہتے ہیں؟ بادشاہ نے عرض کی میں وہی چاہتا ہوں جو آپ چاہتے ہیں یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ نے میرے رب تعالیٰ کی حکمت کو دیکھا اور اس کی صنعت کو بھی کہ اس نے مجھ جیسے سے اتنا بہت بڑا اہم اور دشوار کام بخیر و خوبی سرانجام کرایا اب میں چاہتا ہوں کہ تمام رعایا کو آزاد کر کے ان کے جمیع اموال و اسباب و زیورات وغیرہ واپس کر دوں۔ بادشاہ نے کہا بسر و چشم آپ کی مرضی مولیٰ ہمارا ولی۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ بوقت خرید و فروخت ان سب کو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے قبضۂ غلامی میں دے دیا تاکہ ان سے کوئی کلمہ بے ادبی اور گستاخی کا نہ نکلے تاکہ نبوت کی توہین نہ ہو (اس نکتے کو دورِ حاضرہ کے معتزلہ وہابیہ دیوبندیہ غور سے پڑھیں)

ف: یوسف علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ باہر سے آنے والے ہر خریدار کو صرف ایک اونٹ کے وزن کا غلہ دیتے تاکہ امیر و غریب کے درمیان مساوات ہو سکے۔

ف: حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے دوران پیٹ بھر کر نہیں کھاتے تھے تاکہ آپ بھوکوں کو نہ بھلا دیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

Scanned with CamScanner

آنکہ در راحت و تنعم زیست
او چہ داند کہ حال گرسنہ چیست
حال درماندگی کسے داند
کہ باحوال خود فرو ماند

ترجمہ: جو راحت و نعمت میں زندگی بسر کرے اسے بھوکے کے حال کا کیا پتہ۔ عاجزی کا حال وہی جانتا ہے جس نے زندگی میں عاجزی کا منہ دیکھا ہو۔

نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا یہ باء تعدیہ کی ہے یعنی ہم اپنی رحمت کے ساتھ دینی و دنیوی ظاہری باطنی نعمت سے سرفراز فرمائیں **مَنْ نَّشَآءُ** جسے چاہتے ہیں یعنی جس کے لیے ہم عطیہ رحمت کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمیں کوئی نہیں روک سکتا **وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝** اور نیک عمل کرنے والوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتے یعنی انہیں ہم دنیا و آخرت میں پوری جزا دیتے ہیں۔

ف: مروی ہے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کو دنیا و آخرت کا ثواب عطا فرما دیا جاتا ہے اور فاسق و فاجر یعنی کافر کو صرف دنیا میں اجر ملتا ہے لیکن وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ اس کی تائید میں آپ نے یہی آیت پڑھی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محسنین کے لیے بہشت میں بہت بڑے مراتب ہیں، یہاں تک کہ جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ احسان کرتا ہے اسے بھی اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ احسان کا مفہوم اگرچہ کثیر معانی پر آتا ہے۔ لیکن صوفیاء کرام نے فرمایا کہ احسان مشاہدہ و عیان کو کہا جاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں اور مشاہدہ و عیان ایک حالت کا نام ہے جو ماسوی اللہ کے مکمل طور اعراض کے بعد نصیب ہوتی ہے اسے مشاہدہ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو بصیرت سے دیکھنا نصیب ہوتا ہے جیسا کہ اسی طرف بعض عارفین نے ایک شعر میں اشارہ فرمایا۔

؎

خَيَالُكَ فِي عَيْنِيْ وَذِكْرُكَ فِي فَمِيْ
وَحُبُّكَ فِي قَلْبِيْ فَاَيْنَ تَغِيْبُ

ترجمہ: تیرا خیال میری آنکھ میں اور تیرا ذکر میرے منہ میں اور تیری محبت میرے قلب میں نہ معلوم تم کہاں چھپے ہوئے ہو۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اور ان کے لیے آخرت میں اجر۔ یہ اضافت معمولی ملابست کی وجہ سے ہے اس سے مراد یہ ہے کہ

Scanned with CamScanner

انھیں دائمی اور غیر منقطع نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا کہ وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ خَیْرٌ بہتر ہے اس لیے کہ وہ فی نفسہٖ افضل و اعظم و دوام ہے۔ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لیے جو کفر اور خواہش نفسانی سے بچتے تھے جیسے یوسف علیہ السلام نے احسان و تقویٰ کی وجہ سے کنویں کی گہرائیوں سے نکل کر تخت شاہی اور جاہ و جلال پایا۔

سہ

دنیا و عقبیٰ کے قدر یافت
کہ او جانب صبر و تقویٰ شتافت

ترجمہ: دنیا و عقبیٰ میں اسے قدر و منزلت نصیب ہوئی جو صبر و تقویٰ کی طرف دوڑا۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ غیر متقی مومن کو وہی مذکورہ بالا نعمت آخرت میں نصیب نہ ہوگی بعض عارفین نے فرمایا کہ دنیا کی مثال فانی سونے جیسی ہے اور آخرت کی مثال باقی رہنے والی ٹھیکری کی ہے۔ اس بقا کے لحاظ سے آخرت دنیا سے بہتر ہے اگرچہ اسے مثال کے طور آخرت کو ٹھیکری کہا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا ٹھیکری اور آخرت سونا ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بہشت کس چیز سے پیدا کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی سے۔ ہم نے عرض کی: اس کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ آپ نے فرمایا، سونے اور چاندی کی اینٹوں پر اور اس کا گارہ مشک خالص اور اس کی مٹی زعفران اور اس کے میدان پر جواہرات اور موتی ہیں۔ جو اس میں داخل ہوگا اسے دائمی نعمتوں سے نوازا جائے گا اسے موت نہیں آئے گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، نہ اس کے کپڑے پھٹیں گے نہ اس کا شباب بڑھاپے میں بدلے گا بلکہ بہشتی حسن و جمال میں ہر روز اضافہ ہوگا جیسے دنیا میں انسان روزانہ بڑھاپے کی طرف ڈھلتا ہے، ایسے ہی بہشت میں حسن و جمال کی طرف اضافے ہوں گے۔

مسئلہ: بہشت کے حصول کے لیے نیکیاں لازمی اور ضروری ہیں اس لیے کہ نیکیاں بہشت کے علیٰ درجات کا بیج اور بہشت کے باغات کی اجرت ہیں۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن حمام میں داخل ہونے تو حمامی نے داخل نہ ہونے دیا اور کہا کہ پیسے ہوں تو آؤ ورنہ جاؤ۔ حمامی کی بات سن کر حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے اور فرمایا کہ جب مجھے شیطان کے گھر میں اجرت کے بغیر داخل نہیں ہونے دیتے نبیوں صدیقوں کے گھر میں کیسے داخل ہونے دیں گے۔

ف: نبیوں صدیقوں کے گھر سے اگر بہشت مراد ہے تو اجرت سے اعمال اگر قلب مراد ہے تو اجرت سے صدق الاحوال مراد ہیں بہرحال جو بھی ہو ان کو عبودیت لازمی ہے اسی لیے کہ تقاضائے حکمت یہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: للذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کی عبودیت نہیں اس کی آخرت دنیا سے بہتر نہیں اس لیے

(باقی صفحہ ۳۰ پر)

Scanned with CamScanner

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ
بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ○ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ○ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ
اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا
الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ
اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ وَلَمَّا فَتَحُوْا
مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ
اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ○ قَالَ لَنْ
اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ
مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ○ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا
مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ
يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا
عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: اور یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے تو اس کے ہاں حاضری دی تو اس نے انھیں پہچان لیا اور وہ اس سے انجان رہے اور جب ان کا سامان تیار کر دیا فرمایا اپنے سوتیلے بھائی کو میرے ہاں لے آؤ کیا نہیں دیکھ رہے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں اگر تم اسے میرے پاس لے کر نہ آئے تو تمہارے لیے میرے ہاں کوئی ناپ نہیں اور نہ ہی تم میرے قریب آنا انہوں نے کہا ہم اس کے باپ سے اس کی خواہش کریں گے اور یہ کام ہم ضرور کریں گے اور یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے فرمایا کہ ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو۔ شاید وہ اسے پہچانیں جب وہ اپنے گھر کو لوٹ کر جائیں شاید واپس آئیں پھر جب وہ باپ کی طرف لوٹے۔ عرض کی: اباجی! ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور یقیناً ہم اس کی حفاظت کریں گے فرمایا کیا اس کے متعلق ویسا ہی اعتبار کر لوں جیسا پہلے اس کے

Scanned with CamScanner

بھائی کے بارے کیا تھا تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑا نگہبان ہے اور وہی ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان ہے۔ اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی پونجی پائی کہ انھیں واپس کر دی گئی ہے۔ عرض کی ابا جی! اور ہمیں کیا چاہیے۔ تو یہ ہے ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ مزید حاصل کریں گے۔ یہ غلہ تو معمولی ہے۔ فرمایا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کا عہد دے کر میرے ساتھ یہ معاہدہ نہ کرو گے کہ تم اسے ضرور واپس لاؤ گے مگر یہ کہ تم (قدرتی حادثہ میں) گھر جاؤ جب انھوں نے یعقوب علیہ السلام کو اعتماد دے دیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے ان باتوں کا جو ہم کہہ رہے ہیں اور فرمایا اے میرے بچو! ایک دروازہ سے نہ جانا بلکہ متفرق دروازوں سے جانا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا حکم تو سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور کوئی شے انھیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔ ہاں یعقوب علیہ السلام کے دل میں ایک خواہش تھی جو اس نے پوری کر لی بیشک وُہ بہت بڑے علم والے ہیں جو ہم نے انھیں سکھایا۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۲۸)

اگر وُہ آخرت کو بہتر سمجھتا تو اس کے لیے تیاری کرتا۔ عبودیت اور امتثال یا وامر اللہ اور اجتناب عن النواہی میں شان ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ملک وملکوت میں تصرف کرنے کی طاقت بخشی ہے بشرطیکہ وہ شرع شریف کے مطابق عمل کریں اور طبع کے خلاف رہیں اس لیے کہ نفس کو جب تک مکارہ برداشت کرنے اور ترک شہوات کا مجاہدہ نصیب نہ ہو وہ اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ مثلاً یوسف علیہ السلام نے جب طبع اور اس کے تقاضوں کے خلاف کیا اور نفس کو خواہشات سے روکا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہوئے اور کنویں اور قیدخانے کے مصائب اور عبودیت کی تکالیف سر پر رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے ارضِ مصر کا مالک بنا دیا اور ایسی وسعت بخشی کہ کسی دُوسرے بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی اور آپ کا زلیخا کے ساتھ نکاح کرا دیا۔ یہ سب نفس کے مقتضیات کے خلاف کرنے کی وجہ سے ہُوا۔

ف: اہلِ نعمت و اہل محنت کو تقویٰ ضروری ہے۔ اہلِ نعمت کا تقویٰ شکر میں ہے اسی لیے کہ وہ اہلِ محنت یعنی مصائب زدہ کو جزع و فزع اور اضطراب سے بچاتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ تقویٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑے اس۔ لیے کہ تقویٰ کی رسّی ٹوٹتی نہیں اور اس کا انجام بھی بخیر ہے اور اس کے سوا یعنی تقویٰ کا خلاف ایسی مضبوطی سے فارغ اور جلد ٹوٹنے والے اور ان کا انجام بھی اتنا اچھا نہیں جیسے ہم

Scanned with CamScanner

نے بارہا تجربہ کیا۔ اے اللہ! ہمیں طریقۂ ہدایت سے پھسلنے سے بچا اور نفس و ہوا کی اتباع سے محفوظ فرما اور ہمیں اپنے عارفین کی جماعت میں داخل فرما اس لیے کہ وہ تیرے محرم اسرار ہیں اور ہر وقت تیری طرف متوجہ رہتے اور ماسوی اللہ کی محبت سے فارغ ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ مروی ہے کہ اس قحط کے اثرات دور دور تک پہنچے یہاں تک کہ مصر کے علاوہ بلادِ شام اور کنعان بھی اسی کی لپیٹ میں آ گئے اور اولادِ یعقوب علیہ السلام خصوصیت سے قحط سے متاثر ہوئی اور تنگ ہو کر والد گرامی سے عرض کی کہ مصر کے ملک میں ایک بادشاہ ہے جو تمام قحط زدگان کی امداد کرتا ہے اور غرباء و مساکین اور مسافرین کے ساتھ نوازش فرماتا ہے ؎

ز احسانش آسودہ برنا و پیر
وزو گشتہ خوش دل غریب و فقیر
بخشش ز ابر بہاری فزوں
صفات کمالش ز غایت بروں

ترجمہ: ہر شخص بوڑھا جوان اس کے احسان سے آسودہ ہے اس سے ہر غریب و فقیر خوش ہے ابر بہاری سے بخشش کے لحاظ سے بہت زیادہ ہے اس کی صفات کمالیہ غایت سے زیادہ۔

اگر اجازت ہو تو ہم وہاں جائیں تاکہ کنعان کی بھوک و افلاس کو دور کر سکیں۔ آپ نے تمام بھائیوں کو اجازت بخشی اور بنیامین کو اپنی خدمت کے لیے اپنے پاس رکھ لیا۔ دس بھائی گیارہ اونٹ لے کر مصر کے ملک کو روانہ ہوئے، اور تھوڑی سی پونجی بھی ساتھ لی اس ارادہ پر کہ غلہ کی قیمت ادا کریں گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب قحط کے حملے شام کے علاقوں پر ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو بلا کر فرمایا کہ بیٹے! دیکھ رہے ہو کہ قحط کا کیا حال ہو رہا ہے ہم تنگ ہیں۔ صاحبزادوں نے عرض کی تو پھر اس کا کیا علاج ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: عزیزِ مصر کے ہاں جاؤ اور وہاں سے غلہ خرید کر لاؤ۔ صاحبزادوں نے عرض کی: اباجی! آپ کو معلوم ہے کہ اہلِ مصر ہمارے وہاں جانے کو کب پسند کر سکتے ہیں فراعنہ تو ہمارے خون کے پیاسے ہیں اور اس کا آپ کو علم ہے پھر جان بوجھ کر ہمیں کیوں بھیج رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مصر ظلم و ستم کا گھر تھا اور مصر ارض الجبابرہ کے نام سے مشہور تھا اس لیے کہ وہاں اس دور میں ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کا موجودہ منتظم عزیزِ مصر اہلِ دل اور عادل ہے تم وہاں جا کر اسے میرا سلام کہہ دینا

Scanned with CamScanner

امید ہے تمہاری عزت افزائی ہوگی ۔ یہ فرما کر اونٹ ان کے لیے تیار کرائے اور انھیں مصر کی طرف روانہ فرمایا ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وجاء اخوۃ یوسف یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ خریدنے کے لیے مصر میں حاضر ہوئے۔

ف : مفسرین نے فرمایا کہ جب یعقوب و یوسف علیہما السلام کی ملاقات کا وقت قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سال فرقت کو وصلت سے اور دوام کو راحت سے تبدیل فرمایا لیکن اس سے قبل اپنی تمام مخلوق کو قحط میں مبتلا کر دیا تاکہ وہی قحط یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے مصر جانے کا سبب بنے اور وہاں سے غلہ حاصل کرنے کے لیے جائیں تو ان کی معرفت و مواصلت ہو۔ مصر و کنعان کا درمیانی فاصلہ صرف آٹھ میل کا مراحل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام کا معاملہ اوجھل رکھا اور نہ ہی یوسف علیہ السلام کو اس کے متعلق توجہ ہوئی یہاں تک کہ وہی وقت آگیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ملاقات کے لیے مقرر فرمایا۔ کما قال :

فَدَخَلُوا عَلَيْهِ پس وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور وہ اس وقت مسند شاہی پر نہایت آراستہ و پیراستہ جلوس آرا تھے فَعَرَفَهُمْ انھیں یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا یعنی پہلی نظر اور بلا تامل اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام کے فہم کی قوت تیز اور بھائیوں کے ہیئات چنداں متبدل بھی نہیں ہونے تھے اگرچہ وہ آپ بچپن میں جدا ہو گئے تھے لیکن سن شعور تھا اور جوان اگرچہ بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھے تب بھی اس کی ہیئت میں ایسا تغیر و تبدل نہیں آجاتا کہ جسے پہچانا بھی نہ جا سکے ۔ علاوہ ازیں یوسف علیہ السلام کے دل میں ان کے تصورات اب تازہ ہو گئے اس قرینہ سے کہ قحط کا حملہ دور کے علاقوں پر ہو چکا ہے اور اس کی لپیٹ سے کنعان بھی نہیں بچ سکا ۔ اب آپ کو انتظار تھا کہ بھائی آئیں گے ان قرائن کے علاوہ نص قرآنی میں واضح ثبوت موجود ہے ۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا جب وہ کنویں میں تھے کہ لَتُنَبِّئَنَّهُم بامرهم هذا وهم لا يشعرون ۔ اس وعدۂ ربانیہ پر یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ بھائی آئیں گے اور قرآن مجید کی آیت سے معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کا جاننا محض قرائن کی بنا پر نہیں بلکہ وحی حق سے تھا اسی لیے جب آپ کے بھائی آپ کے ہاں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں پہچان لیا وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ○ حالانکہ وہ یوسف علیہ السلام کے حال سے بے خبر تھے اس لیے کہ عرصہ کثیر گزر چکا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھائیوں کے نہ پہچاننے کے وجوہ لکھتے ہیں کہ ان کا نہ پہچاننا حق تھا کہ انھیں یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالے ہوئے چالیس سال گزر چکے تھے۔ اس وقت یوسف علیہ السلام کا بچپن تھا اور اب وہ شباب کی آخری منزل سے گزر رہے تھے ان کا پہلے سے اعتقاد تھا کہ یوسف علیہ السلام فوت ہو چکے ہوں گے اور اس وقت ان کے تصورات سے یوسف علیہ السلام کا خیال بھی ختم ہو چکا تھا اس لیے کہ انھیں یوسف علیہ السلام کی فکر ہی کیا تھی پھر وہ مصر کی شاہی تک پہنچنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے کہ اتنی بڑی شاہی اور یوسف علیہ السلام جبکہ انھوں نے کنویں میں ڈالا پھر ایک قافلہ سے کوڑیاں لے کر مفت دے دیا ۔ ان کے خیالات کی دنیا یہاں پہنچتی کیسے

Scanned with CamScanner

3 جبکہ یوسف علیہ السلام سریرِ سلطنت پر تزک و احتشام کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔

علم غیب نبی

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عرفھم بنور المعرفۃ والنبوۃ بھائیوں کو یوسف علیہ السلام نے معرفت و نبوت کے علم سے پہچانا وھم لہٗ منکرون اور چونکہ ان کے اندر معاصی کی ظلمت باقی تھی اور نور توبہ و استغفار سے بھی محروم تھے اسی لیے یوسف علیہ السلام کی حقیقت کو نہ پہچان سکے اگر وہ یوسف علیہ السلام کی معرفت سے بہرہ ور ہوتے تو انھیں چند ٹکوں کے عوض نہ دیتے۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ اور جب ان کے سفر کا سامان تیار فرمایا یعنی وہ اشیاء جن کی مسافر کو سفر میں ضرورت پڑتی ہے کھانے پینے و دیگر ضرورت کی اشیاء اور ان کے اونٹوں کے پالان اور غلہ کی بوریاں اونٹوں پر رکھوائیں۔

ف: المیرۃ بکسر المیم و سکون الیاء یعنی وہ غلہ جو ایک شہر سے خرید کر دوسرے شہر میں لایا جائے۔

قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ یوسف علیہ السلام نے فرمایا اپنے علاتی بھائی کو بھی میرے ہاں لاؤ العلۃ بمعنے الفرۃ اور علاتی اولاد یعنی مختلف ماؤں کی اولاد یعنی جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں انھیں علاتی اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے باپ نے پہلے کسی عورت سے نکاح کیا ہوا ہے اس سے بھی اولاد تھی اب اس عورت کے ساتھ تازہ نکاح ہوا اس سے بھی اولاد ہوئی اب ان دونوں کی اولاد (ایک باپ سے) آپس میں علاتی اخوۃ کہلائیں گے۔ ایک ماں باپ کی اولاد کو عینی اخوۃ۔ اور اگر ماں ایک اور باپ مختلف ہوں تو وہ خیفی اخوت کہلاتے ہیں۔ (تفصیل علم المیراث میں ہے)

علم کے باوجود اظہارِ لاعلمی

یہ کلیہ ہم اہلسنت وہابیوں دیوبندیوں کے سامنے بارہا پیش کر چکے ہیں لیکن وہ غریب نہ ماننے کے مریض ہیں اسی لیے ان کے نہ ماننے سے قاعدہ پر کوئی حرج واقع نہیں ہوتا ہم اہلسنت کی تائید میں صاحبِ روح البیان نے یہ قاعدہ یوں لکھا:

وَلَمْ يَقُلْ بِأَخِيكُمْ مُبَالَغَةً فِي إِظْهَارِ عَدَمِ مَعْرِفَتِهِ لَهُمْ۔

یوسف علیہ السلام نے بِأَخٍ لَّكُمْ فرمایا حالانکہ انھیں بِأَخِيكُمْ فرمانا تھا صرف اسی لیے کہ وہ سمجھیں کہ یوسف علیہ السلام نے انھیں نہیں پہچانا۔ حالانکہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں اور نص قطعی سے ثبوت دیا جا چکا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو آتے ہی پہچان لیا تھا۔ اب جاننا اور نہ جاننا دو متضاد باتیں کیوں۔ ہم اہلسنت نے قاعدہ عرض کیا کہ اسرارِ نبوت و الوہیت میں انگشت نمائی کے بجائے سرِ تسلیم خم کرنے میں نجات ہے۔ (فافہم ولاتکن من الوہابیین)

قاعدہ: مَرَرْتُ بِغُلَامٍ لَكَ اور مَرَرْتُ بِغُلَامِكَ تک میں بھی قانون ہے کہ اگر غلام کو معرفہ کر کے لایا جائے تو اس سے اہلِ عرب سمجھتے ہیں کہ وہ غلام کو جانتا ہے اگر نکرہ کر کے لایا جائے تو اس سے انھیں یقین ہوگا کہ وہ غلام کو

نہیں جانتا۔

سوال و یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی کا علم کیسے ہوا۔ قطع نظر اس کے کہ نبی علیہ السلام کو خدا سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن یہاں تو یوسف علیہ السلام کو استعمال نہیں کرنا تھا۔

جواب و یوسف علیہ السلام سے انھوں نے اپنے گیارھویں بھائی کے لیے غلہ مانگا تو آپ اپنی عادت کے خلاف نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ آپ ہر آنے والے کو ایک اونٹ کی مقدار غلہ دیتے تھے۔ جب انھوں نے بھائی کے لیے مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں خلافِ عادت آپ لوگوں کے بھائی کے لیے غلہ دے رہا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ دوسری بار تشریف لاؤ تو اسے ساتھ لانا تاکہ تمھاری صداقت معلوم ہو۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ان کے پاس گیارہ اونٹ تھے جب دس اونٹوں کے مطابق غلہ دے دیا گیا تو انھوں نے کہا کہ گیارھواں اونٹ کا غلہ بھی عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اونٹوں کے مطابق نہیں بلکہ آنے والوں کی شمار کے مطابق غلہ دیا جاتا ہے اگر تم سچے ہو تو بھائی کو لاؤ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ پہلے انھوں نے بلا تکلف کوئی باتیں کی ہوں گی اسی لیے اب انھیں صاف جواب دیا کہ غلہ نہیں ملتا جب تک بھائی کو نہ لاؤ گے۔

علم کے باوجود لاعلمی کا دوسرا ثبوت

مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو دیکھا تو ان سے پوچھا تم کون[1] ہو اور کہاں سے آئے ہو اور تمھارا کیا مشغلہ زندگی ہے اس لیے کہ میں تمھیں نہیں پہچانتا۔ انھوں نے کہا ہم اہلِ شام سے ہیں اور بکریوں کے چرواہے ہیں۔ ہمیں قحط نے ستایا ہے ہم آپ کے ہاں غلہ لینے آئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تم مصری عورتوں کو دیکھنے آئے ہو۔ ہمیں تمھارے اس طور طریق سے خطرہ ہے انھوں نے کہا معاذ اللہ ہم ایسی غلطی کب کر سکتے ہیں ہم سب ایک باپ کے بیٹے ہیں اور ہمارا والد بڑا بزرگ اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے ان کا اسم گرامی یعقوب علیہ السلام ہے۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا: تم کتنے بھائی ہو؟ انھوں نے کہا ہم بارہ بھائی تھے ان میں سے ایک مر گیا ہے آپ نے فرمایا اب کتنے ہو؟ انھوں نے کہا دس آئے ہیں آپ نے پوچھا: تو گیارھواں؟ انھوں نے کہا وہ اپنے والدِ گرامی کے پاس ہے۔ اور جو مر گیا ہے اس کی وجہ سے والدِ گرامی اسے دیکھ کر دل بہلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

---

[1] حالانکہ قرآن مجید میں پہلے تصریح گزر چکی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا لیکن اب لاعلم بنے بیٹھے ہیں۔ اسے کہتے ہیں علم کے باوجود لاعلمی۔ یہی ہمارا دعویٰ ہے اور اس میں راز ہوتا ہے جسے خدا جانتا ہے یا اس کے انبیاء علیہم السلام۔ (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)۔ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

تم صفائی کا گواہ لاؤ جو مجھے یقین دلائے کہ واقعی تم اشراف ہو اور جو کچھ تم نے حالات سنائے ہیں وہ حق ہیں[1]۔ انہوں نے کہا یہاں ہمارا کوئی واقف نہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے سے ایک بھائی کو میرے ہاں رہن کے طور چھوڑ جاؤ اور جیسے تم کہتے ہو کہ ہمارا ایک اور بھائی ہے اسے لاؤ اور وہی بھائی اپنے والد گرامی کا پیغام مجھے آکر سنائے جب تک وہ بھائی نہ آئے گا میں تمہاری تصدیق نہیں کروں گا پس میں قرعہ اندازی کی (جس کا نام قرعہ میں نکلے وہی یوسف علیہ السلام کے ہاں رہن کے طور رہ جائے) چنانچہ قرعہ بنام شمعون نکلا اُسے یوسف علیہ السلام کے ہاں چھوڑ کر واپس کنعان چلے گئے۔

اَلَا تَرَوْنَ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اَنِّیْٓ اُوْفِی الْکَیْلَ میں تمہارا غلہ پورا دے رہا ہوں۔ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ○ حالانکہ میں انتہائی محسن اور اعلیٰ قسم کا مہمان نواز ہوں۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میں غلہ پورا دیتا ہوں کسی کے حق میں کمی نہیں کرتا۔ بلا مبالغہ یوسف علیہ السلام نے جیسے فرمایا تھا ویسے ہی تھے اس لیے کہ مہمان نوازی میں کسی قسم کی کسر نہ چھوڑتے تھے

سوال: کسی پر احسان جتلانا اچھا نہیں بالخصوص یوسف علیہ السلام کی شان کے تو بالکل خلاف ہے۔ پھر ایسا کیوں۔

جواب: یہ اظہار احسان ومنت کے طور نہیں بلکہ تعمیل کار پر برانگیختہ کرنا مطلوب تھا تاکہ وہ واپس پہنچ کر سستی اور غفلت نہ کریں۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ اگر تم اپنے بھائی کو میرے ہاں نہ لائے تو پھر تمہیں بھی غلہ نہ ملے گا۔ یعنی بھائی نہ آیا تو پھر مجھ سے غلہ کی امید نہ رکھنا وَلَا تَقْرَبُوْنِ ○ اور نہ ہی میرے پاس آنے کی کوشش کرنا۔

اظہارِ علم قرآن سے یعقوب و یوسف علیہما السلام پر لاعلمی کی تہمت لگانے والی قوم سوچے کہ ان حضرات کے علوم کی تصریحات کے باوجود لاعلمی ثابت کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے پھر بھی ہم انہیں سمجھانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علوم سے ایک دوسرے کے حالات سے باخبر تھے لیکن اسے اظہار کے ماذون من اللہ نہ تھے اور اس عدم اظہار میں بھی ہزاروں حکمتیں مضمر تھیں یہاں بھی یہی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اے یوسف (علیہ السلام)! اپنے بھائی بنیامین کو بلا لیجئے تاکہ آپ کے والد گرامی کے امتحان کی تکمیل ہو۔

چنانچہ صاحب روح البیان نے تصریح کی ہے کہ:

قالوا اللہ امر بطلب اخیہ لیعظم اجرابیہ علی فراقہ۔

مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ بھائی کو بلائیے تاکہ تمہارے والد اس کے فراق سے مزید غم زدہ ہوں اور اس طرح سے ان کے اجر میں اضافہ ہوگا۔

---

[1] دیکھیے یوسف علیہ السلام تمام واقعات کے لاعلم بنے بیٹھے ہیں حالانکہ سب کچھ جانتے تھے آخر ایسا کیوں۔ وہی بات بنے گی جو ہم کہتے ہیں کہ اظہار لاعلمی سے واقعی لاعلمی نہیں ہوتی۔ اویسی غفرلہ

ف : وَلَا تَقْرَبُوْنَ ۔ لا نہی کا ہے اور نون وقایہ کا ہے یا لا نافیہ ہے اور اس کا عطف جزا پر ہے گویا یوسف علیہ السلام نے انہیں فرمایا اگر بھائی کو نہ لاؤ گے تو میرے احسانات و انعامات سے محروم اور میرے قُرب سے دُور ہو جاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ نہی ہو یا نفی یہ اپنے معطوف علیہ یعنی جزا کے حکم میں داخل ہے اور اس کا مجزوم ہونا لا ناہیہ سے ہے یا بوجہ عطف علی الاول کے اور اس کا محل مجزوم ہوتا ہے۔

الارشاد میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کا سارا حال معلوم تھا صرف انہیں بار بار عوام میں مستاذ کرنا مطلوب تھا کہ آئندہ عوام کے سامنے ان کا معاملہ پوشیدہ نہ رہے بلکہ ان کے ہر معاملہ کی امتیازی شان کو دیکھ کر دل میں متاثر ہوں گے کہ یہ حضرات ممتاز شخصیتیں ہیں۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ ہم بھائی کو لانے کے لیے والدِ گرامی سے حیلہ بہانہ کریں گے اور حتی المقدور جدوجہد کریں گے۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ حصولِ مقصد کے لیے انسان کو جدوجہد لازمی ہے۔

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفَاعِلُوْنَ ○ اور ہم یہ کام کر کے چھوڑیں گے یعنی اس معاملہ میں نہ حد سے تجاوز کریں گے نہ سُستی کریں گے۔ اس میں انہوں نے اپنی چارہ سازی کی پُوری ضمانت دی بلکہ یقین دلایا کہ یہ کام ضرور ہوگا۔ یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَوَاقِعٌ ۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہُوا کہ جائز کام کے حصول کے لیے حیلہ[1] کرنا جائز ہے۔ ایسا حیلہ نہ صرف عوام کے لیے بلکہ خواص کے لیے بھی جائز ہے جبکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہو۔

حکایت

منقول ہے کہ چار شخص مالک کی اجازت کے بغیر باغ میں چلے گئے اور انہوں نے باغ کے میوہ جات خُوب کھائے۔ وہ چار اشخاص یہ تھے :

۱ ۔ عالمِ دین

۲ ۔ علوی

۳ ۔ فوجی

۴ ۔ بازاری

جب باغ کا مالک باغ میں پہنچا تو دیکھا کہ باغ کستیاناس کر دیا گیا ہے۔ سوچا کہ چاروں کو بیک وقت گرفتار کرنا مشکل ہے

---

[1] یہی ہم کہتے ہیں مسئلہ حیلہ اسقاط میں لیکن وہابی دیوبندی اسکے خلاف ہیں۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "حیلۂ اسقاط" میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

کیونکہ وہ چار ہیں اور مَیں اکیلا۔ اب سوائے حیلہ گری کے کام نہ چلے گا۔ چنانچہ یوں حیلہ کیا کہ ان کے پاس پہنچ کر عالمِ دین سے عرض کی: حضرت! آپ ہمارے پیشوا ہیں بلکہ ہمارے معاش و معاد کے جملہ امور آپ کے دم قدم اور مبارک قلم کے زیرِ قلم ہیں آپ کی ذرہ نوازی کہ آپ میرے باغ میں تشریف لائے۔ آپ کا نہایت ممنون ہوں۔ پھر علوی سے عرض کی: حضرت! آپ خاندانِ نبوت و اہلبیت کرام سے ہیں ہم لوگ آپکے دروازے کے بھکاری اور گدا ہیں اور آپ کے خاندان کی محبت و عقیدت ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ آپ کا لطف و کرم کہ آپ نے باغ میں قدم رنجہ فرمایا آپ کی بڑی مہربانی۔ پھر لشکری (فوجی) سے مخاطب ہو کر کہا بھائی! آپ لوگ ہماری جان و مال کے محافظ ہیں آپ حضرات نہ ہوتے تو نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا آپ باغ میں تشریف لائے زہے کرم۔ آپ لوگوں پر تو ہماری جان فدا ہے یہ باغ کیا شے ہے۔ آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ لیکن یہ بدبخت بازاری کون ہے میرے باغ میں آنے والا۔ اس کمبخت کو کس نے کہا ہے میرے باغ میں آنے کا یہ کہہ کر اسے گرفتار کر لیا اور اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے باندھ کر ایک درخت کے نیچے بٹھا دیا۔ پھر فوجی کو کہا کہ علماء کرام و ساداتِ عظام تو ہمارے سر کے تاج ہیں۔ لیکن تمہارا افسوس ہے کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اس باغ کا بادشاہ کو ٹھیکہ ادا کرتا ہوں۔ سادات کرام و علماء کرام تو ہمارے باغ کیا ہماری جان و مال کے بھی مالک ہیں اور تم بدبخت کون ہو میرے باغ کا نقصان کرنے والے۔ یہ کہہ کر فوجی کو بھی گرفتار کر کے درخت سے لٹکا دیا۔ پھر عالمِ دین سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ سادات کرام کی تمام دنیا نیاز مند اور اپنی تمام ملکیت کا انہیں مالک سمجھتی ہے اور مَیں بھی منجملہ ان کے جان نثاروں سے ہوں لیکن افسوس تمہارا ہے کہ تم عالمِ دین ہو کر بیگانے مال پر ہاتھ صاف کر رہے ہو آپ کو علم ہے کہ غصب کا مال حرام ہوتا ہے سادات کرام پر ہر شے حلال ہے کیونکہ ہم تہِ دل سے ان پر اپنا مال اور جان قربان کرتے ہیں اور تو عالمِ دین کون ہے کہ پرایا مال کھاتا ہے تجھ سے تو وہ جاہل اچھا ہے جو سارا دن مزدوری کر کے حلال کھاتا ہے۔ یہ کہہ کر عالمِ دین کو بھی گرفتار کر لیا۔ اب علوی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے مکار و غدار! تم نے غیروں کے مال کو شیرِ مادر سمجھا ہوا ہے تم اپنی قوم کو بھی بدنام کر رہے ہو تمہیں شرم ضرور اور لازمی ہے باغ میں کیوں قدم رکھا کس حیثیت سے تمہیں ایسی جرأت ہوئی۔ کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرائے مال سے نہیں روکا تم نے بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ یہ کہہ کر علوی کو بھی گرفتار کر لیا اور حیلہ گری سے کامیاب ہوا۔ اب ان سے اپنے مال کا خرچہ لے کر لوگوں کی منت سماجت کے بعد ان سب کو چھوڑ دیا۔

ف: اگر شرعاً حیلہ جائز نہ ہوتا تو وہ اکیلا ان چاروں کو کیسے گرفتار کر سکتا تھا بلکہ بری طرح ان سے مار کھاتا اور نقصان سر پر رہتا۔

مسئلہ: اگر حیلہ گری سے کام نہ چلے تو سختی سے کام لے۔ اگر سختی سے کام نہ چلے تو خاموشی بہتر ہے۔

چو دست از ہمہ حیلتی درگسست ‏ ‏ ‏ حلال است بردن بشمشیر دست

ترجمہ: جب حیلے سے کام نہ بنے تو تلوار سے کام لینا جائز ہے۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ یوسف علیہ السلام نے اپنے ان ملازموں کو فرمایا جو غلہ کی بھرتول پر مقرر تھے۔ فتیان، فتی کی جمع ہے بمعنے غلام، نوجوان ہو یا بوڑھا۔ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ دبادو ان کی پونجی ان کی بوریوں میں۔ یہ اس وقت فرمایا جب ان سے غلہ کی قیمت کھری کر لی تھی۔ البضاعۃ البضع سے ہے بمعنے الشق و القطع۔ اور پونجی کو بضاعۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مجموعہ مال کا ایک حصہ ہوتی ہے اور الرحل برتن کو کہا جاتا ہے۔ انسان کی منزل اور ٹھکانے کو بھی رحل کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے فقہا کی وہ عبارت جو عموماً فتاویٰ و متون فقہ میں لکھی ہوتی ہے۔ ونسی الماء فی رحلہ۔ یہاں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ جس پونجی کے بدلے وہ غلہ لے کر جا رہے ہیں اسے ان کی بوریوں میں ڈال دو۔

ف: وہ پونجی چند جوتے وغیرہ تھے۔ بعض نے کہا کہ چند درہم تھے جیسا کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام الاحاد بالاحاد کا متقضی ہے۔

حکمت: ان کی پونجی یوسف علیہ السلام نے اس لیے لوٹائی کہ ان پر فضل و احسان ہو جائے۔ یا اس ارادہ پر کہ ممکن ہے والد گرامی کے ہاں قحط سالی کی وجہ سے سوائے اسی پونجی کے اور کچھ نہ ہو تو پھر وہ مال کے بغیر غلہ خریدنے کے لیے نہ آسکیں۔ اب اس پونجی کو واپس لوٹانے یا اس کے عوض اور غلہ حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ امید ہے پہچانیں گے اس کے رد کرنے کا حق یا یوسف علیہ السلام کا احسان و کرم کہ غلہ بھی دیا اور رقم بھی واپس کر دی اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ جب لوٹیں گے اپنے گھر والوں کے ہاں اور اپنے سامان کھولیں گے۔ معرفۃ کا تعلق گھر لوٹنے اور اپنے سامان کھولنے سے ہے لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ممکن ہے اس وجہ سے میرے ہاں لوٹ آئیں یعنی ان کو معرفت مذکور میرے ہاں لوٹنے کے لیے مجبور کر دے گی۔ اسی طرح سے میرا بھائی بنیامین مجھے مل سکے گا انھیں میرا فضل و کرم اور احسان یاد آئے گا اور مجبور ہو جائیں گے کہ جس بادشاہ نے ہماری میزبانی کا حق ادا کیا پھر غلہ بھی پورا عنایت فرمایا اور ہماری پونجی بھی لوٹا دی۔ اس لیے لازم ہے کہ اس کے ہاں واپس جایا جائے۔ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ جب وہ مصر سے اپنے والد گرامی کی طرف کنعان لوٹے قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ سامان کھولنے سے پہلے کہا ابا جی! ہم سے اناج روکا گیا ہے۔ الکیل، رِكْلتُ الطَّعَامُ کا مصدر ہے بمعنی اعطیتہ کیلاً اور اس سے مکیل مراد لینا بھی جائز ہے اس لیے کہ محل بول کر حال مراد لینا بھی جائز ہے یعنی آئندہ کے لیے ہم سے اناج روک دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بار بار اناج دینے کا بھائیوں کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا معاہدہ ہو چکا تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مصر کے بادشاہ نے حکم دیا کہ اگر ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے گئے تو اناج نہیں ملے گا۔ یہ کہہ کر

Scanned with CamScanner

والدگرامی کو مصر کے بادشاہ کے احسانات اور ان کی مہمان نوازی کا بیان کیا کہ ہم اس کے ہاں حاضر ہوئے تو اس نے ہمارے ساتھ بہت بڑے احسانات کیے اور اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمارے خاندان کا فرد ہے کیونکہ ایسے احسانات آلِ یعقوبؑ کا کوئی فرد ہی کر سکتا ہے۔ اور اس نے بنیامین کے لیے شمعون کو رہن رکھ لیا ہے۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا پس ہمارے بھائی بنیامین کو ہمارے ساتھ مصر بھیجئے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ غلہ رہ جانے کا اصل سبب بنیامین کا نہ ہونا ہے نَكْتَلْ ہم جو چاہیں گے غلہ لائیں گے۔ یہ اِكْتِيَالٌ سے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: اکتلتُ علیہ (اَیْ اَخَذْتُ مِنْهُ كَيْلًا) یعنی میں نے اس سے غلہ لیا وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ اور ہم اس کی حفاظت کریں گے یعنی اسے کوئی تکلیف پہنچنے نہیں دیں گے اور اسے بسلامت یہاں واپس لائیں گے

قَالَ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے اور آمن فعل مضارع ہے اَمن و اِئتمانٌ کا ایک معنی ہے کسی کو امین رکھنا اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ اس کا منصوب ہونا مصدر منصوب کی صفت ہے دراصل عبارت یوں ہے:

اِلَّا اَمْنًا كَاَمْنِيْ اِيَّاكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ۔

مِنْ قَبْلُ یعنی مجھے تمہارے اوپر کوئی اعتماد نہیں جیسے اس سے قبل تم نے اس کے بھائی یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسے کہا تھا لیکن اس کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے مجھے تم پر اعتماد نہیں اور نہ ہی تمہاری نگرانی کا کوئی بھروسہ ہے۔ ہاں مجھے بھروسہ ہے تو صرف اللہ تعالیٰ پر ہے اسی کی سپردگی میں بھیجوں گا۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ حافظاً تمیز یا للہ درّہٗ فارساً کی طرح حال ہے۔ اللہ سب سے بہتر حفاظت فرماتا ہے اور وہی ارحم الراحمین ہے۔ یعنی اہلِ سماء اور اہلِ ارض سے وہی بڑا رحیم ہے اسی لیے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کر کے بنیامین کو محفوظ فرمائے اور مجھے دو مصیبتوں میں مبتلا نہ فرمائے۔

ف: اس سے بنیامین کے بھیجنے کا میلان ظاہر ہوتا ہے جبکہ اس کے بھیجنے میں مصلحت بھی تھی۔

ف: جب یعقوب علیہ السلام نے فاللہ خیر حافظا الخ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اے یعقوب تیرے توکل کی وجہ سے میں تجھے تیرے دونوں صاحبزادے واپس کروں گا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اسی کی حفاظت پر اعتماد کرے۔ اس کے سوا دیگر کسی کی حفاظت و نگرانی کو خیال میں نہ لائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر ایک اسباب و آلات کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ جملہ امور میں جملہ حالات میں جملہ وسائط و وسائل و اسباب سے مستغنی بالذات ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی کنویں میں حفاظت فرمائی۔

معجزہ دانیال علیہ السلام

دانیال علیہ السلام کو بخت نصر نے کنویں میں ڈال کر اس کے

Scanned with CamScanner

اندر وہ شیر چھوڑ دیے۔ شیر دانیال علیہ السلام کو گزند پہنچانے کے بجائے انھیں چاٹنے لگے اور دُم ہلا کر اپنی نیازمندی کا اظہار کرنے لگے۔ حضرت دانیال کے پاس اللہ تعالیٰ کا قاصد حاضر ہوا۔ دانیال علیہ السلام نے پوچھا، آپ کون ہیں؟ انھوں نے کہا میں تمہارے رب تعالیٰ کا قاصد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں طعام بھیجا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے کہا جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے ذکر کرنے والے کو نہیں بھلایا۔

حضور علیہ السلام کا معجزہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ السلام کی ہر طرح کی حفاظت فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے دُور تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے اور آپ نے اپنے دونوں موزے مبارک اتارے۔ بعد فراغت ایک پہن کر دوسرے کے پہننے کا ارادہ فرمایا تو ایک پرندے نے اسے اٹھالیا اور آسمان پر جا کر اُلٹ دیا تو اس سے ایک بہت زہریلا کالا سانپ گرا۔

ف: اسود سالخ سیاہ سانپ کو کہتے ہیں اور اسے سالخ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر سال اپنی کھال اتارتا ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ایک اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے دونوں پاؤں پر چلنے والوں اور چار پایوں اور پیٹ کے بل رینگنے والوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

نیک عورت کی کہانی انیس الوحدۃ فارسی میں لطائف الاخبار سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ایک مرد کی نیک بخت عورت حسن و جمال میں پری پیکر تھی۔ مرد بوجہ غیرت کے (کہ محبت کا لازمہ ہے) عورت کے لیے نہیں چاہتا تھا کہ اس کی زلف پر ہوا کا گزر ہو اور اس کے چہرہ پر سورج کی روشنی پڑے ؎

باد را اگر خبر از غیرت عاشق بودے

بر سر سنبل زلفش نگزشتے از بیم

ترجمہ: اگر ہوا کو عاشق کی غیرت کا علم ہوتا تو وہ اس کے محبوب کی زلف سے کبھی نہ گزرتی۔

اس شخص نے غیرت سے اپنے گھر کو ایسا محفوظ و مضبوط کیا کہ انسان تو انسان حیوان کو بھی وہاں سے گزرنا مشکل تھا۔ عورت نے چند روز تو اس تنگی و تلخی کو نبھایا لیکن تنگ آمد بجنگ آمد کے طور مرد سے کہا مجھے ایسی مصیبت اور مشقت میں کیوں پھنسا دیا۔ ع

در قفس طلبد ہر کجا گرفتاریست

مجھے اتنا تنگ اور پریشان مت کر اس لیے کہ اگر عورت نالائق اور بدکارہ ہو تو اس کی کوئی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اگر نیک اور پاکدامن ہو تو اسے کوئی بھی بُرائی سے دوچار نہیں کر سکتا فلہٰذا میری گزارش ہے کہ مجھے مزید تنگ نہ کر اور دہری قید میں رکھو۔ مرد نے ایک نہ مانی بلکہ اس کی تنگی اور قید میں اضافہ کر دیا۔ عورت نے اپنے پڑوس کی ایک بڑھیا سے

Scanned with CamScanner

گٹھ جوڑ کیا جو اس سے کبھی کبھار ایک سوراخ سے گفتگو کر کے دل بہلاتی تھی۔ اس عورت نے اسے کہا کہ اپنے ہمسایہ فلاں نوجوان کو میرا پیغام پہنچا دے کہ میں تیرے اوپر سَو جان سے فدا ہوں اور تیرے عشق میں عرصے سے گرفتار ہوں، اور چاہتی ہوں کہ کبھی تیرا دیدار اور پُر ذوق وصال نصیب ہو۔ بڑھیا نے اس نوجوان کو پیغام پہنچا دیا۔ اس نے بھی اس عورت کے حُسن و جمال کا شہرہ سُنا ہوا تھا۔ جونہی اسے پیغام محبت ملا، خوشی سے اُچھلا کُودا اور فوراً بڑھیا سے کہنے لگا کہ میری گزارش بھی اسے پہنچا دیجئے کہ : ؎

جاناں بزبانِ من سخن میگوئی
با خود سخن از زبان تو میگوئی

ترجمہ : اے محبوب میری آرزو یہی تھی جو تُو اپنی زبان سے کہہ رہی ہے جیسے تیری زبان سے نکلا ہے وہی میرا مدعا ہے۔

میں بھی تو تیرا نادیدہ عاشق ہوں تجھے سَو جان سے چاہتا ہوں لیکن تیرا شوہر غیور ہے وہ کس طرح تیرا میرا ملاپ جائز رکھ سکتا ہے۔ عورت نے کہا : ؎

راہ وصل ما بپایے عاشقاں
گر ترا رغبت بود گامے بود

ترجمہ : تیرا میرا وصال عاشقانہ ہے اگر تجھے رغبت ہو تو یہ ایک مرحلہ قدم سے بھی کم ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تُو مشہور کر دے کہ میں سفر کو کہیں جا رہا ہوں۔ ایک بہت بڑا صندوق تیار کر کے میرے شوہر کے ہاں بھیج دے اور اسے کہہ دے کہ یہ صندوق پُر از ساز و سامان ہے میں سفر پہ جا رہا ہوں واپسی پر وصول کروں گا۔ چونکہ مجھے تجھ پر اعتماد ہے اس لیے تمہارے پاس رکھ کر باہر جا رہا ہوں۔ جب وہ مان جائے تو اس صندوق میں خود داخل ہو جانا اور اپنے نوکر سے کہہ دینا کہ کسی طریق سے صندوق کو میرے گھر میں لے آئے جب میرا شوہر باہر جائے گا تو : ؎

تو از صندوق خویش بیروں آسے
وز جمالم ہمیشہ می آسا سے

ترجمہ : صندوق سے باہر نکل کر آ جانا اور میرے حسن و جمال سے بہرہ ور ہونا۔

نوجوان کو یہ مشورہ پسند آیا۔ اس نے صندوق تیار کرا کے حسبِ مشورہ اس میں داخل ہو کر نوکر کے ذریعہ اس صندوق کو اس شخص کے گھر پہنچا دیا۔ عورت نے گھر میں پڑا ہوا وہ بڑا صندوق دیکھ کر شوہر سے کہا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ فلاں ہمسایہ نے چند روز بطور امانت رکھا ہے اور وہ خود باہر چلا گیا ہے۔ عورت نے کہا عقل سے کام لے اگر وہ

Scanned with CamScanner

واپسی پر کہے کہ اس کے اندر میرے قیمتی جواہرات اور موتی تھے اور تو اس کے برعکس جواب دے تو پھر کیا بنے گا۔ بہتر ہے کہ اس کے گھر کے کسی معتمد اور محلہ کے کثیر التعداد لوگوں کو بلا کر تالا توڑ کر اندر کے سامان کو دیکھ لے اور اس پر گواہ بنا لے تاکہ بعد کو اختلاف و مخاصمت نہ ہو۔ اگر ہو تو محلہ والے اور اس کے رشتہ دار خود جواب دے سکیں۔ چنانچہ عورت کے کہنے پر محلے کے لوگوں کو اور اس کے معتمد علیہ کو جمع کیا اور اس کے نوکر خاص کو بھی۔ جونہی صندوق کھولا گیا تو اسی شخص کو اس صندوق کے اندر پایا۔ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ جواب دے تو کیا دے۔ عورت نے شوہر سے کہا یہ اس کی غلطی نہیں' یہ ساری کی ساری میری اپنی کارروائی ہے وہ اس لیے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ عورت کو مقید نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس میں شرم و حیا کا مادہ ہو تو اسے کوئی نہیں چھیڑ سکتا۔ اگر اس کے اندر بدکاری ہو تو اسے کوئی قید و بند نہیں روک سکتی۔ میں نے تجھے مشاہدہ کرایا ہے کہ ہم عورتیں ایسی محیر العقول کارروائیاں کر سکتی ہیں۔ اگر میرا اس کے ساتھ قلبی یارانہ ہوتا تو تم میرا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ لیکن چونکہ میں فطرۃً عصمت و عزت اور شرم و حیا رکھتی ہوں اسی لیے کوئی برائی نہیں کی اور نہ اس کا ارادہ تھا۔ اسی لیے پھر بھی گزارش قبول کرلے کہ مجھے ایسی قید سے بچا اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ چنانچہ مرد نے اپنی عورت کا جب یہ معاملہ دیکھا تو اسے قید سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے حوالے کر دیا۔

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ جب انہوں نے وہ سامان غلہ وغیرہ کی بوریاں جو مصر سے لائے تھے' کھولیں۔ دراصل متاع 'متّع' کا اسم ہے جیسے کلام' کلّم اور سلام 'سلّم' کا اسم ہے۔ عرب والے جس شے سے متمتع ہوں اسے متاع کہتے ہیں۔ یہاں پر مجازاً کھانے کی بہترین اشیاء مراد ہیں اس لیے کہ کل کا اطلاق اس کے بعض مسمیات پر آتا ہے۔ بعض اہلِ فن نے ایسے مجاز کا حقیقۃ قاصرہ نام رکھا ہے وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ اپنی پونجی کو انہوں نے پایا یعنی غلہ کا عوض جو بادشاہ کو دیا تھا اسے اپنے سامان میں پڑا ہوا پایا رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ان پر فضل و احسان کر کے انھیں واپس کیا گیا ہے۔ انھوں نے بہ قرائن سے سمجھا اور خود آنکھوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی مہمان نوازی اور جود و سخا دیکھ چکے تھے اسی لیے اب اسی پر محمول کیا کہ بادشاہِ مصر نے پونجی واپس کی ہے محض فضل و کرم کے طور۔ قَالُوا سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ انھیں پونجی کی واپسی کے وقت کیا جواب دیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد گرامی سے عرض کی ممکن ہے کہ سامانِ سفر کھولنے کے وقت یعقوب علیہ السلام موجود تھے اسی لیے ہم نے والد گرامی سے عرض کیا۔ (کذا فی الارشاد) ہمارے اس قول کی تائید القصص (کتاب) سے بھی ہوتی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو فرمایا کہ بیٹو! سامان میرے سامنے لاؤ تاکہ میں تمہارے لیے برکت کی دعا کروں۔ والد گرامی کے حکم سے سامان ان کے سامنے لائے اور کھول کر دیکھا تو پونجی تمام سامان کے اوپر رکھی ہوئی پائی۔ اسے دیکھ کر کہا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي یہ ما استفہامیہ منصوبہ ہے۔ اس کا ناصب نبغی ہے اور وہ بغی سے ہے بمعنی الطلب' یعنی اے ابا جی! ہم کو اور کیا چاہیے هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا یہی ہماری پونجی ہے

بچے دے کر ہم نے غلہ خریدا تھا۔ رُدَّتۡ اِلَیۡنَا ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ یعنی درانحالیکہ ہمارے اوپر فضل و احسان کے طور واپس کر دی گئی ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اور بادشاہِ مصر نے تو ہمارے ساتھ مہمان نوازی اور دیگر احسان و کرم میں کمال کر دیا تھا۔ یہ بھی اسی کے اسی جُود و احسان کی علامت ہے۔ اس سے مزید اور کیا چاہیے۔ اس سے ان کا مقصد یہی تھا کہ اس نے ہمارے ساتھ احسان و مروت کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہم بھی اس کے ساتھ اور مروت کر سکیں تو کم از کم ایفائے عہد تو ہمارے بس کی بات ہے اسی لیے ان کے حکم کی تعمیل ہوگی وَنَمِیۡرُ اَہۡلَنَا اور اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ بھی لائیں گے۔ اس کا عطف اس کی مقدار پر ہے۔ یعنی وہ پونجی ہمیں مل گئی اور پھر اسی کے عوض اور غلہ خرید لائیں گے۔ اور بادشاہِ مصر کے ساتھ ایفاءِ عہد ہوگا تو اس سے مزید احسان و مروت ہوگی نمیر، ھماد یمیر میرا آئے ہے بمعنے غلہ وغیرہ لانا المیرۃ ہر وہ طعام وغلہ وغیرہ جو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لیجایا جائے۔ اسی طرح امتاز یمتاز کا معنیٰ ہوگا۔ وَنَحۡفَظُ اَخَانَا اور ہم اپنے بھائی بنیامین کی بھوک پیاس اور دیگر تکالیف سے نگرانی کریں گے وَنَزۡدَادُ اور بھائی کی وجہ سے زیادہ حاصل کریں گے کَیۡلَ بَعِیۡرٍ ایک اونٹ کا بوجھ غلہ یعنی ہمارے بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ حاصل ہوگا اس لیے کہ بادشاہِ مصر ہر ایک کو ایک اونٹ کا بوجھ غلہ دیتا ہے ذٰلِکَ کَیۡلٌ یَّسِیۡرٌ ۝ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب صاحبزادوں نے باپ سے بھائی کی رخصت چاہی اور دلائل دیے تو پھر والد نے فرمایا کہ اور غلہ لانے کی کیا ضرورت ہے۔ تو اس کے جواب میں عرض کیا کہ یہ غلہ جو ہمارے اونٹ لائے ہیں بہت تھوڑا ہے اس لیے کہ ہم عیالدار ہیں اور غلہ بہت خرچ آتا ہے قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا کہ میں پہلے تمہارا احوال دیکھ چکا ہوں اس لیے میں بنیامین تمہارے ہمراہ ہرگز نہیں بھیجوں گا حَتّٰی تُؤۡتُوۡنِ یہاں تک کہ دو گے مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر پختہ وعدہ کہ جس پر اعتماد کیا جا سکے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر مؤکد کرنے سے ہوگا۔ مَوۡثِقًا بمعنے ثقۃ اور یہاں پر بمعنے اسم مفعول ہے یعنی اَلۡمَوۡثُوۡقُ بِهٖ۔

نکتہ: یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ اس معاہدہ کو اس لیے پختہ کر رہے ہیں کہ جو وعدہ اللہ تعالیٰ کے نام سے پختہ کرایا جائے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے اذن سے رہے۔

لَتَاۡتُنَّنِیۡ بِهٖۤ تم اسے ضرور لے آؤ گے۔ یہ قسم کا جواب ہے۔ یعنی قسمیں کھاؤ کہ تم بنیامین کو واپسی پر ضرور لاؤ گے اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِكُمۡ مگر یہ کہ تمہیں محیط ہو جائے اور تم اس کے گھیرے میں آ جاؤ یعنی تمہارے بس سے معاملہ باہر ہو جائے۔ اس سے ان کی بے بسی یا ان کی ہلاکت اور موت کنایہ ہے اور یہ صورت اس وقت پیش آتی ہے جب دشمن غالب ہو جائے اور اس سے جان چھڑانا ناممکن ہو جائے یا جب کلی طور پر ہلاکت اور تباہی کا سامنا ہو۔ یعقوب علیہ السلام کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا وہی انجام ہوا جس سے انھیں خطرہ تھا اسی سے اہلِ عرب نے مثال لی ہے۔ اَلۡبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالۡمَنۡطِقِ ۔ بلاء کا نزول بولنے کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے ہی یعقوب علیہ السلام نے

Scanned with CamScanner

یوسف علیہ السلام کے بیے فرمایا اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ ۔ تو جیسے فرمایا ویسے ہی ہوا۔ چنانچہ ان کے متعلق وہی ہوا جو بھائیوں نے واپس آکر کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور یہاں بھی یہی فرمایا لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ ۔ تو بنیامین بھی ایک (ظاہری) مصیبت میں مبتلا ہونے کہ ان کو مصر میں بادشاہ کے قبضہ میں رہنا پڑا۔ چنانچہ تفصیل آگے آئے گی۔

کملی والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا بات ہے

کاشفی میں لکھا ہے کہ تبیان میں مرقوم ہے کہ میں بنیامین کو تمہارے ہمراہ اس وقت بھیجوں گا جب قسم میں کہو بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و سید المرسلین ۔ انہوں نے اپنی قسم میں یہی الفاظ کہے اور وعدہ کیا کہ ہم رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ کی قسم کی وجہ سے بنیامین کے حق میں دھوکا نہیں کریں گے۔

فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ جب انہوں نے یعقوب علیہ السلام کے حسبِ ارادہ قسمیں کھا کر وعدہ کیا قَالَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ○ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا (جو بات ہم کہہ رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے یعنی وہ جو ہم قسمیں لے کر ایک دوسرے سے معاہدہ کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے وہی تمام حالات کو جانتا ہے اور وہی سب کی نگہبانی کرتا ہے۔ اس سے یعقوب علیہ السلام کی مراد یہی ہے کہ میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ اس میں بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم سے وعدہ دینے پر ایفاءِ عہد کی ترغیب دلائی۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ امور میں تاکید کے بعد بھی توکل علی اللہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ۔

مسئلہ: الکواشی میں ہے کہ فعل کو اسبابِ ظاہرہ سے متعلق کر کے توکل علی اللہ کرنا جائز ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کے قول لَنْ اُرْسِلَهٗ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ سے معلوم ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر توکل میکنی در کار کن
کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

ترجمہ: ہر کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر، کھیتی کر کے سہارا اللہ تعالیٰ پر کر۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ اس عالمِ دُنیا میں اسبابِ معتبرہ و غیر معتبرہ کو نگاہ میں رکھے۔ اور یہ بھی محض عبادت کے طور پر ہو بلکہ اپنا دل صرف اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر سے متعلق رکھے اور صرف اُسی پر اور اس کی تدبیر پر اعتماد کرے ماسوی اللہ کی ہر شے سے ارادے توڑ دے اسباب کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے اپنی ہمت بلند کر کے نہ

Scanned with CamScanner

بلکہ اس لیے کہ تجرید والا ہر معاملہ کی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت حاصل کرتا ہے۔ ایسے تجرید والے کا حال یہ ہوتا ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا باقی تعلقات اپنی گردن سے توڑ دیتا ہے۔ اس کی حالت اس جانور کی سی ہوجاتی ہے جو اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ متجرد اور مسبب کی مثال ان دو غلاموں کی ہے کہ ایک سے فرمائے کہ جاؤ کاروبار کرکے اپنا پیٹ پالو، دوسرے سے فرمائے کہ تم میرے پاس بیٹھے رہو تیرے جملہ امور کی میں خود کفالت کروں گا ان میں جو بھی اپنے مالک کی حکم کے خلاف کرے گا وہ نافرمان اور بے ادب سمجھا جائے گا۔ وہ تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں پڑے گا۔

ف: جو ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں طعام وغیرہ کا حصول مشکل ہو تو وہ اسم صمد کا ورد کرے تو اسم صمد کی برکت سے اس کا مقصد پُورا ہوگا اور صمدیت' استغناء عن الاکل والشرب کو کہتے ہیں۔

حکایت ایک شخص حج کے ارادہ پر روانہ ہُوا لیکن دل میں معاہدہ کیا کہ کسی سے سوال نہ کرے گا۔ اس کے راستہ میں ایک مقام آیا جہاں ضروریات کی تمام چیزیں ختم ہوگئیں اور اسے کہیں سے حاصل کرنا بھی مشکل ہوگیا۔ ایک عرصہ تک تو ہمت نہ ہاری لیکن تنگی نے سخت ستایا تو ہمت ہار بیٹھا اور سوچا کہ اگر اسباب حاصل نہ کروں گا تو مر جاؤں گا۔ اور یہ حرام ہے۔ لیکن پھر سنبھل گیا کہ جب عزم بالجزم کر چکا ہُوں تو پھر مرنے کا خوف کیوں جس قافلہ کے ساتھ تھا وُہ بھی اسے چھوڑ کر چل بسا اب قبلہ رُو ہوکر سوگیا کہ اب موت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ سرہانے پر ایک گھوڑ سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں کھانے کی چیزیں اور پانی کا لوٹا تھا اور فرمایا اسے کھا پی لے۔ جب کھانے پینے سے فارغ ہوا تو سوار نے فرمایا: کیا قافلے کے ساتھ چلو گے۔ اس نے کہا اب قافلہ کہاں وُہ تو کہیں دُور نکل گیا۔ سوار نے فرمایا، اُٹھیے۔ وہ اٹھ کر ان کے ساتھ چند قدم چلا تھا کہ سوار نے فرمایا، اب ٹھہر جائیے قافلہ پیچھے آرہا ہے۔

سبق: بقا فنا کے بعد نصیب ہوتی ہے جب تک انسان فناء عن الوجود نہیں پاتا۔ بقا کا حصول مشکل ہوجاتا ہے۔

ے

یکجو از خرمن ہستی نتواند برداشت
ہرکہ در کوے فنا در رہ حق دانہ نکشت

ترجمہ: خرمنِ ہستی سے ایک دانہ بھی نصیب نہ ہوگا جس نے راہِ حق میں فنا کا بیج نہیں بویا۔

وَقَالَ جب یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو مصر کی طرف روانہ کرنے کا عزم فرمایا تو انہیں نصیحت کے طور فرمایا یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا اے میرے بیٹو! مصر میں داخل نہ ہونا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ایک دروازے سے نہیں بلکہ مختلف دروازوں، مختلف راستوں اور مختلف گلی کوچوں سے پھر پھرا کر شہر میں داخل ہونا۔

Scanned with CamScanner

نظرِ بد کی تفصیل یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو نظرِ بد سے بچنے کے لیے فرمایا اس لیے کہ بدنظر اور جادو ہر دو کی ضرر رسانی حق ہے۔ یعنی جسے بدنظر اور جادو چل جائے تو اسے ضرور ضرر پہنچتا ہے۔

نکتہ: دُوسری دفعہ مصر کو روانہ کرتے وقت بدنظر سے بچنے کی وصیت اس لیے فرمائی کہ یہ حضرات بہت حسین و جمیل تھے اور ان کے حُسن و جمال کا شہرہ سارے مصر میں پھیل گیا تھا۔ اور تمام نے سمجھا کہ یہ لوگ بادشاہ کے مقرب ہوئے ہیں تو صرف حُسن و جمال کی وجہ سے۔ اس لیے باپ کو خطرہ ہُوا کہ اب اکٹھے جائیں گے تو بدنظر کا شکار ہو جائیں گے۔

سوال: پہلی دفعہ بھی تو ان کا حسن و جمال تھا، تو پہلی دفعہ یعقوب علیہ السلام کو بدنظر کا خطرہ کیوں محسوس ہوا۔

جوابِ ۱: پہلی دفعہ عوام کی نظروں میں مجہول یعنی غیر معروف تھے عوام کو معلوم نہیں تھا کہ یہ ایک باپ کے بیٹے ہیں اسی لیے ان کی طرف عوام کی نظریں سرسری طور پڑیں اب دُوسری بار تو معروف و مشہور ہو چکے تھے کہ یہ ایک باپ کے بیٹے ہیں خصوصیت سے لوگوں کو دیکھنا ہو گا اس سے نظر بد کا خطرہ تھا اسی لیے وصیت فرمائی۔

جوابِ ۲: چونکہ یعقوب علیہ السلام کو منجانب اللہ علم حاصل تھا کہ پہلی دفعہ کسی حادثہ کا شکار نہیں ہوں گے اب کی بار حادثہ درپیش تھا۔ اسی لیے آپ نے قبل از وقت آگاہ فرمایا۔ چنانچہ ویسے ہوا جیسے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا[۱] دراصل یہ خوف بنیامین کی وجہ سے تھا۔

ف: لطائف میں لکھا ہے کہ پہلے یعقوب علیہ السلام نے شفقتِ پدری سے وصیت فرمائی پھر اپنی بندگی اور عجز و نیاز کا اظہار فرمایا۔ کما قال:

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ اور میری تدبیر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے نہیں بچا سکے گی۔ یعنی نفع دے سکے گی نہ نقصان۔ **مِنْ** زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لیے۔ **شَیْءٍ** کسی شے سے۔ اس لیے کہ خطرات کا احساس تقدیرِ ربانی سے نہیں بچا سکتا۔

من جہد ہمی کنم قضا میگوید
بیروں ز کفایت تو کارِ دگر ست

ترجمہ: میں جدوجہد کرتا ہوں تو تقدیر کہتی ہے تیری تدبیر کسی کام نہیں بلکہ معاملہ برعکس ہو گا۔

---

[۱] اسی طرح وہابیہ دیوبندیہ اعتراض کرتے ہیں اس کا جواب صاحبِ رُوح البیان پہلے بیان فرما گئے۔
اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

سوال[1]: اگر یعقوب علیہ السلام کو علم تھا تو بیٹوں کو عمداً ہلاکت کے منہ میں کیوں دیا اور یہ ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔

اور فرمایا:

خُذُوْا حِذْرَكُمْ۔

جواب: ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تقدیر ربانی سے ڈرتے ہیں بلکہ اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اور پھر تدبیر اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح مامور من اللہ ہیں کیونکہ یہ دنیا اسباب کی ہے اور اسباب کے مطابق کام کرنا لاعلمی کی دلیل نہیں ہوتی اور وہ تدبیر کرکے اُمت کو خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کا طریقہ سکھاتے ہیں ورنہ ان کا عقیدہ ہم جیسوں سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہی ہوگا جو منظورِ خدا ہوگا اور تدبیر کرکے وہ تقدیر کو ٹھکراتے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے اور اسی کی طرف رجوع کرنے کا درس دیتے ہیں۔ (فافہم ولا تکن من الوہابیۃ)

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط نہیں ہے حکم مطلقاً سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اجرائے حکم سے اُسے کوئی مانع ہے اس کے سوا اور کسی کا حکم نہیں چلتا بُرا ہو یا اچھا عَلَيْهِ صرف اللہ تعالیٰ پر اس کے سوا اور کسی پر نہیں تَوَكَّلْتُ میں نے توکل کیا جو کام بھی کرتا ہوں یا چھوڑتا ہوں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کی ترتیب توکل کے منافی نہیں۔

وَعَلَيْهِ صرف اسی پر اس کے سوا کسی اور پر نہیں فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ توکل کرنے والے توکل کریں۔

قاعدہ: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کا ہر قول و فعل امت کے لیے اقتداء کا موجب ہے۔ اس سے ان کے علم یا عدم علم اختیار یا عدم اختیار کا کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہابی دیوبندی لوگ اس قاعدہ کو چھوڑ کر ان کے علوم و اختیار کی نفی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان نے اس قاعدہ کا اظہار یوں فرمایا ہے:

اَلْفَاءُ لِاِفَادَةِ السَّبَبِ فان فعل الانبياء سبب لان يقتدى بهم۔

فاء سببیہ ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا ہر فعل سبب ہے اس کا کہ ان کی اقتداء کی جائے۔

ف: حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندوں کی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم میں تین چیزیں لازم ہیں:

---

[1] یہ سوال اور جواب فقیر اویسی نے لکھا ہے۔ تفصیل فقیر اویسی میں ملاحظہ ہو۔

۱۔ مکلف بنانا

۲۔ اجل دینا

۳۔ ان کے امور طے کرنا

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندوں پر تین امور ضروری ہیں؛

۱۔ اس پر توکل کرنا

۲۔ اس کے نبی علیہ السلام کی تابعداری کرنا۔

۳۔ اس پر تادمِ زیست صبر کرنا۔

ف : پہلے تین امور اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم واجب کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے یہ امور عطا فرماتا ہے تاکہ وُہ اس کی عبادت کرنے کے لائق ہوں ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی شے کے وجوب کا کیا معنیٰ اور تیسرے تین امور کا مطلب بھی یہی ہے کہ بندوں پر لازم ہے کہ وہ ان امور کو بجا لائیں تاکہ اس کے فضل وکرم کے مستحق ہوں۔

ف : بدنظر کی تاثیر حق اور اس کا بارہا علماء کرام اور عوام نے تجربہ کیا ہے اور ایسے ہی تمام انبیاء عظام علیہم السلام تجربہ کرتے چلے آئے ہیں۔ اور فرمایا ؛

العین حق۔ یعنی نظر بد کی تاثیر حق ہے۔

کمال خجندی نے فرمایا : ؎

عقل باطل شمرد چشم تو ہر خون کہ کند
ظاہراً بے خبر از نکتہ العین حقست

ترجمہ : عقل اسے غلط کہتی ہے کہ آنکھ تو کوئی نقصان کرتی ہے اس سے تم بے خبر ہو جبکہ واضح قاعدہ ہے کہ العین حق ہے۔

حدیث شریف بدنظر انسان کو قبر میں لے جاتی ہے اور اُونٹ کو ہنڈیا میں۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بدنظر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلطان الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ آج مغموم معلوم ہوتے ہیں آپ نے فرمایا حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نظر بد لگی ہے ان کی وجہ سے ملال ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی، آپ سچ فرماتے ہیں اس لیے کہ العین حق۔ وُہ اس لیے کہ ہر شے جب اپنے کمال کو پہنچتی ہے تو اس وقت اسے نظر بد لگتی ہے ناقص کو کبھی بدنظر کا اثر نہیں ہوتا۔ ہر کامل کو قضاء قدر آ کر

Scanned with CamScanner

گستاخی ہے۔ 4

نکتہ : دراصل نقصان تو قضاء و قدر سے پہنچتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا سبب آنکھ بنتی ہے اس لیے فعل اسی طرف منسوب ہوتا ہے۔

قاعدہ : اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اپنے فعل کے صدور کے لیے پہلے کسی شئے کو سبب بناتا ہے اور وہ فعل اسی سبب سے بصادر ہوتا ہے[1]۔ یہی ہم اہلسنت کا مذہب ہے اس لیے کہ عین میں ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ وہ ایک سبب ہے۔

قاعدہ : ضروری نہیں کہ موثر کی تاثیر قوائے جسمانیہ کی طرف منسوب ہو اور ان کے سوا باقی کسی شے کی طرف منسوب کبھی ہو بلکہ کبھی تاثیر محض نفسانی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً تختہ کہ جس کا عرض قلیل ہے اسے زمین پر سیدھا ڈالا جائے تو اس پر گزرنے سے کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں ہوتی اگر اسے بڑی اونچی دو دیواروں پر رکھ کر کسی کو کہا جائے کہ اس پر گزرو تو ڈر کے مارے اس پر کوئی نہیں گزر سکے گا۔ پھر دیکھنے والا شخص اس تختہ کو دیکھ کر ہی خوفزدہ ہوجائیگا۔ اس مثال میں تختہ سے ڈرنا محض اسی اونچی دیوار سے گرنے کے خوف سے ہے نہ کہ تختہ کی ذات سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تاثیرات نفسانیہ فی نفسہٖ موجود ہیں ان میں قوائے جسمانیہ کو دخیل ماننے کی ضرورت نہیں۔ اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں انسان اس کے ایذا دینے کے درپے ہے تو اس شخص کے متعلق اس کا دل غیظ و غضب سے بھر جاتا ہے۔ اسی غیظ و غضب کی وجہ سے اس کا مزاج اسی کے لیے حد اعتدال سے ہٹ کر سخت ہوجاتا ہے اور اس کے مزاج کی سختی کا سبب وہی تصور نفسانی ہے اور حرکات بدنیہ کا مبدا وہی تصورات نفسانیہ ہیں۔

نتیجہ : اس قاعدہ اور امثلہ سے معلوم ہوا کہ جب نفس کا تصور بدن خاص کے تغیر کا سبب ہے تو بعید از قیاس نہیں کہ بعض نفوس کی تاثیر بدن کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عقلاً بعید نہیں کہ بعض نفوس تمام ابدان میں اثر انداز ہوتے ہیں نیز سب کو معلوم ہے کہ بدن کے ہر عضو کی اپنی اپنی تاثیر اور ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ ماہیت ہے۔ جب وہ نفوس اپنے ابدان میں بھی اثر ڈال سکتے ہیں بشرطیکہ وہ نفوس (مثلاً عین) ابدان کو دیکھ سکیں اور انہیں تعجب بھی لاحق ہو سکے۔

نکتہ : بعض نے فرمایا کہ بدنظر اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی کہ دیکھنے والا شئی کو جب دیکھتا ہے تو اسے وہ شئے اچھی لگتی ہے تو اسے نہ اللہ تعالیٰ کی صفت کا خیال آتا ہے نہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ منظور الیہ (جس کی طرف دیکھا گیا) میں ایک بیماری پیدا کرتا ہے اس کی اچانک نظر کی جنایت بنا کر۔

---

[1] اس قاعدہ کو تاحال وہابیہ نے نہ مانا اگر مانتے تو اولیاءؒ و انبیاءؑ کے وسیلہ کو شرک نہ کہتے۔

Scanned with CamScanner

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی آزمائش ہوتی ہے جو ایسے بندوں سے بطور امتحان کے نازل فرماتا ہے تاکہ حق والا کہہ سکے کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس کا غیر کہے کہ اس کے غیر سے ہے ایسی نظر بد لگانے سے مواخذہ ہوتا ہے (جبکہ وہ عمداً نظر بد لگاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ جب کسی بہتر شے کو دیکھے تو کہے ماشآء اللہ یا سبحان اللہ وغیرہ۔ اس نظر بد لگانے والے کو سزا اس لیے ہوگی کہ اس تکلیف کا وہی سبب بنا ہے۔

ف: بعض نے فرمایا کہ جب نظر بد لگانے والا کسی شے پر نظر ڈالتا ہے اور وہ شے اسے اچھی محسوس ہوتی ہے تو مصلحت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شے کو بدل دے تاکہ بندے کا قلب اس شے کے حسن وجمال میں معلق نہ رہے۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی آنکھوں میں جواہر لطیفہ پیدا فرماتا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتے وہی جواہر لطیفہ معین (جسے دیکھا جائے) پر پڑتے ہیں تو وہ ضرر پاتا بلکہ بسا اوقات ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ بعض ایسے زہریلے سانپ ہوتے ہیں کہ جس انسان پر ان کی نگاہ پڑ جائے تو وہ انسان فوراً مر جاتا ہے۔

ف: ایسے ضرر اور نقصانات کے لیے ضروری نہیں کہ اتصال جسمانی بھی ہو یعنی ان کا ایک دوسرے کا بالمقابل ہونا ضروری ہے نہ ایک دوسرے کو دیکھنا لازمی۔ بلکہ بسا اوقات ایک شے کی دوسری شے کا خیال اور تصور بھی کافی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاسدین کے حسد وغیرہ سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے یہاں تک کہ بعض نے فرمایا ہے کہ بعض نظر بد والے ایسے بدبلا ہوتے ہیں کہ وہ دیکھے بغیر ہی نقصان پہنچا لیتے ہیں۔ جیسے نابینا کی نظر بد اسی قبیل سے ہے کہ اسے کسی شے کی تعریف سنائی جائے تو اس کے منہ سے یا اس کے قلب میں اس شے کا عجیب ہونا تصور میں آجائے تو بھی اس کا یہ تصور بدنظر کا سبب بن جاتا ہے۔

اعجوبہ: بعض نفوس فطری طور ایسے عجیب امر پیدا کیے جاتے ہیں جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ مثلاً مشہور ہے کہ اقلیمِ ہند میں ایک ایسی قوم ہے جو کہ جب کسی شے کو اپنے مقصد کے مطابق کرنا چاہتے ہیں تو گوشۂ تنہائی میں اس کا تصور باندھتے ہیں تو وہ شے ان کے تصور کے مطابق ہو جاتی ہے۔ (کذا قال القزوینی)

حکایت منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بلادِ ہند میں کسی علاقہ پر حملہ کیا تو فتحیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ جونہی اس شہر کا محاصرہ کرتے تو بیمار پڑ جاتے آپ نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا یہاں ایک قوم ہے کہ وہ جس پر مرض ڈالنا چاہیں تو گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کا تصور کر کے اسے مریض کر ڈالتے ہیں۔ بادشاہ محمود مرحوم نے اپنے لشکریوں کو ڈھول بجانے اور دیگر شور وفغاں کا حکم فرمایا تاکہ ان کے قلوب مشوش ہوں چنانچہ ایسے کیا گیا تو وہ لوگ بادشاہ کو بیمار نہ کر سکے۔ اس طرح سے بادشاہ ان پر فتحیاب ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے تصور کے اندر بہت بڑی تاثیر ہے۔ ف: تاثیر المحبۃ[1] اس سے چند قدم آگے ہے۔

---

[1] اہلسنت کے نزدیک تصورِ شیخ کے قاعدے کا دوسرا نام تصور المحبۃ ہے جسے وہابی دیوبندی شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔

حکایت کوئی شخص بدر الدین نامی ایک شخص کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ اس کا محبوب بدر الدین فوت ہو گیا، اتفاقاً اس کی وفات چودھویں شب کو ہوئی۔ جونہی اس عاشق نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو نام کی مناسبت سے اپنا محبوب بدر الدین یاد آگیا۔ شدتِ غم اور حزن و ملال سے درج ذیل شعر پڑھا ؎

شقيقك غيب في لحده
وتطلع يا بدر من بعده
فهلا خفت وكان الخسوف
لباس الحداد على فقده

ترجمہ: تیرا ہم نام قبر میں پوشیدہ ہے اور تو دور سے چمک رہا ہے تو بے نور ہو جاتا تو اچھا تھا اس لیے کہ محبوب کی جدائی کا سوگ ایسے ہونا چاہیے۔

عاشق کا طعنہ سن کر چاند بے نور ہو گیا۔

سبق: سچی محبت کا اثر یہ ہوا کہ چاند بے نور ہو گیا۔ اسی لیے مشہور ہے:

المحبة مقناطيس القلوب۔

اور ارواح کی اجسام میں تاثیر مشہور بلکہ محسوس مشاہد ہے بدنظر کی تاثیر اسی ارتباط الارواح بالاجساد کے قبیل سے ہے چونکہ اسے آنکھ سے قوی رابطہ ہے اسی لیے بدنظر کو عین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

ف: بعض حکماء نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ ڈسنے کے بعد زہریلے جانوروں کو قتل کر دیا جائے ورنہ ان کے ڈسنے سے ڈرنا چاہیے اس لیے کہ ان کے اجسام زہر سے بھرپور ہیں۔ جب تک وہ زندہ رہتے ہیں زہر ان کے اجسام میں گردش کرتی رہتی ہے۔ ان کے اجسام کا اثر ڈسنے کی جگہ پر بھی پڑتا رہے گا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کے مارنے سے زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ یہ کلیہ نہیں بلکہ اس کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہی ہے جو ہمیں تجربے سے حاصل ہوا ہے خلاصہ یہ کہ زہریلے جانور نے کسی کو ڈسا ہے تو اس جانور کو مار دینے سے زہر کا اثر من وجہ زائل ہوتا ہے اگر اسے نہ مارا جائے تو زہر کا اثر بڑھتا رہتا ہے۔ ایسے ہی بدنظر کی حقیقت ہے کہ جب وہ کسی پر اثر انداز ہوتی ہے تو نظر لگانے والے کے نفس کی خباثت سے نظر کا اثر بڑھتا رہتا ہے۔

ف: کبھی انسان کو اپنی بدنظر بھی اثر ڈالتی ہے اور یہ دوسروں کی بدنظر سے زیادہ مہلک ہوتی ہے۔

ف: انسان کی بدنظری سے جنات کی بدنظری سخت تر ہوتی ہے یہاں تک کہ تیر سے بھی اس کی شدت زیادہ ہوتی ہے۔

بدنظری کے علاج کا ثبوت از حدیث شریف بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

Scanned with CamScanner

حضور علیہ السلام نے ایک گوشہ میں ایک لڑکی کو دیکھا کہ جس کا بیماری سے چہرہ زرد تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جھاڑ پھونک سے علاج کراؤ اس لیے کہ اس پر جن کی بد نظر کا اثر ہے۔

مسئلہ: جس کے متعلق یقین ہو کہ اس کی نظر بد اثر کر جاتی ہے تو حاکم وقت پر لازم ہے کہ اسے جیل خانے میں بند کر دے اور مرتے دم تک اسے قید میں رکھے اور اس کا نان و نفقہ حکومت ادا کرے۔ اسی میں اس کا اور خلق خدا کا بھلا ہے۔

سیاہ داغ لگانے کا ثبوت

عوام میں عادت ہے کہ جن بچے وغیرہ پر نظر بد کا اندیشہ ہوتا ہے انکے جسم کے کسی حصہ خصوصاً چہرہ پر کوئلہ کا سیاہ داغ لگاتے ہیں اس کا ثبوت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت میں ہے۔ وُہ یہ کہ انہوں نے ایک ملیح (حسین) لڑکے کو دیکھا کہ اسکے رشتہ داروں نے اُسے ٹھوڑی پر کوئلے کا سیاہ داغ لگایا ہوا ہے۔ آپ نے سبب پُوچھا تو عرض کیا گیا اس لیے کہ اس پر نظر بد کا اثر نہ ہو۔ (سکوتِ صحابی جواز کی دلیل ہے)

کھیتوں میں ہڈیاں اور سیاہ کپڑے ٹانگنے کا ثبوت

اسی قبیل سے ہے جو عوام کھیتوں میں ہڈیاں اور سیاہ جھنڈے ٹانگتے ہیں تا کہ کھیتوں باغوں پر نظر بد کا اثر نہ ہو۔ صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اس کا از رُوئے شرع جواز ثابت ہوتا ہے وہ اس طرح کہ نظر بد اپنی شوم نگاہ سے حملہ کرتی ہے تو اس کا اثر پہلے اسی ہڈی اور سیاہی پر پڑتا ہے تو اس کا جوش ختم ہو جاتا ہے۔ پھر دُوسری شے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر بیماری کا علاج اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے اور ہر شے کی ضد پیدا فرمائی ہے۔

وہابیہ کا رد

ایسے علاج کو وہابیہ دیوبندیہ اور ان کے ہمنوا دوسرے مذاہب شرک و بدعت اور ناجائز و حرام کہتے ہیں۔ جیسے ان کی عادت ہے لیکن ہم اہلسنت ایسے علاج کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہی ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارک تھا۔ (صاحبِ رُوح البیان اُوپر کی صُورتیں لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں کہ:)

فالدعوات والانفاس الطیبۃ تقابل الاثر الذی حصل من النفوس الخبیثۃ والحواس الفاسدۃ۔

نیک لوگوں فقیروں درویشوں اور اولیائے کرام کے دم درود اور جھاڑ پھُونک ان اثرات کو زائل کر دیتے ہیں جو نفوس خبیثہ اور حواس فاسدہ سے پیدا ہُوئے۔

(اس کے بعد صاحب رُوح البیان مندرجہ ذیل احادیث دلائل کے طور لکھتے ہیں:)

جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی بیماری کا ایک دُعا سے علاج کیا

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے

Scanned with CamScanner

مروی ہے کہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح کو حاضر ہوا تو آپ بیمار تھے۔ پھر اسی شام کو حاضر ہوا تو آپ کو تندرست پایا۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے آکر مجھ پر چند الفاظ پڑھ کر دم کیا۔ وہ الفاظ یہ ہیں :

بسم اللہ ارقیك من کل شیء یؤذیك ومن کل عین وحاسد اللہ یشفیك۔

اللہ تعالیٰ کا نام پڑھ کر میں آپ کو دم کرتا ہوں آپ کو ہر ایذا دینے والی شے اور ہر بدنظر اور ہر حاسد سے اللہ تعالیٰ آپ کو شفا دے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام کے دم کرنے سے مجھے آرام ہو گیا۔

مسئلہ : اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جھاڑ پھونک شرعاً جائز ہے۔ یہی اکثر علماء کرام کا مذہب ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جھاڑ پھونک قرآنی آیات اور اذکارِ معروفہ سے ہو۔ جن الفاظ کے معانی غیر معلوم ہوں انھیں جھاڑ پھونک میں پڑھنا مکروہ ہے۔ (یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں)

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے جھاڑ پھونک کا جواز

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا :

ھل تنشرت۔ کیا تو نے نشو سیکھا ہے؟

عربی میں نشرہ جھاڑ پھونک کو کہا جاتا ہے۔

ف : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ جھاڑ پھونک کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ اگر جھاڑ پھونک ناجائز ہوتی تو آپ اس کے استعمال کی اجازت نہ بخشتے۔

سوال : اگر جھاڑ پھونک جائز ہوتی تو حضور علیہ السلام نے اس سے کیوں روکا۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں مرفوعاً مروی ہے کہ :

النشرۃ من عمل الشیطان۔

جھاڑ پھونک شیطانی عمل ہے۔

جواب ۱ : یہ ایسے جھاڑ پھونک کے متعلق ہے جس کے معانی معلوم نہ ہوں۔

جواب ۲ : یہ ممانعت ایسی جھاڑ پھونک کے متعلق ہے جو غیر عربی میں ہو اور اس کے معانی معلوم نہ ہوں اس لیے کہ ممکن ہے اس میں کفریہ یا جادو کے الفاظ ہوں۔ جن کے الفاظ قرآن یا ادعیہ مذکورہ معلومۃ المعانی ہوں وہ جائز ہے۔

تعویذات کا جواز

تعویذ لٹکانا جائز ہے جبکہ وہ قرآنی آیات اور بعض اسماءِ الٰہیہ ہوں، جن سے تجربہ کیا جا چکا ہو کہ دفعِ بلا کے لیے ان کے لٹکانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ ایسے تعویذات شرعاً جائز ہیں۔

Scanned with CamScanner

لیکن شرط لگائی جائے کہ بیت الخلاء اور جماع کے وقت اتار دیے جائیں۔ اور یہی اولیٰ ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اگر انہیں کسی محفوظ شے سے چھپایا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ انہیں بیت الخلاء یا جماع کے وقت نہ اتارا جائے۔ آجکل کے غفلت کے دور میں اسی پر عمل ہو رہا ہے خواص کو پہلے پر عوام کو دوسرے طریقہ پر عمل کرایا جائے۔

تعویذات کے جواز کی دلیل

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے لیے مندرجہ ذیل عبارت تعویذ کے طور پڑھتے،

اعیذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان و ہامۃ و من کل عین لامۃ۔

میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی برکت سے شیطان و ہامہ اور ہر عین لامہ سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف: کلمات تامہ وہامہ و لامہ کی تشریح آتی ہے۔ مذکورہ بالا کلمات کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے اہل ایمان سے فرمایا کہ تم بھی ان کلمات کی برکت سے اپنی اولاد کے لیے پناہ طلب کیا کرو اس لیے کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق علیہم السلام اپنی اولاد کے لیے ان کلمات سے پناہ مانگتے تھے۔

ف: مذکورہ بالا کلمات لکھ کر بچوں کے گلے میں تعویذ کے طور لٹکائے جائیں۔ فقیر اویسی کا آزمودہ تعویذ ہے۔ اس سے بچے بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ حدیث شریف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت فرمائی۔

حل لغات: کلمات اللہ سے اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتابیں یا اللہ تعالیٰ کی صفات مراد ہیں جیسے عزت و قدرت وغیرہا۔ وہ تام اس لیے ہیں کہ وہ ہر نقص وعیب سے پاک ہیں۔

ف: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کلمات اللہ التامہ سے ثابت فرمایا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق سے استعاذہ نہیں فرماتے تھے اور مخلوق کا ہر کلام نقص وعیب سے خالی نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر عیب و نقص سے پاک صرف کلام الٰہی ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہی کامل و اکمل اور تام بلکہ اتم ہے۔

صاحب روح البیان کی تحقیق

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ مخلوق سے استعاذہ ثابت نہیں۔ یہ دعویٰ محل نظر ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کلام مخلوق سے استعاذہ ثابت ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہے۔

درندوں سے بچنے کا وظیفہ اور محبوبان خدا کا تصرف

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر درندوں اور موذیوں سے خطرہ ہو تو یہ الفاظ پڑھو،

اعوذ بدانیال و بالجب من شر الاسد۔

میں شیر کے شر سے دانیال اور ان کے کنویں کی برکت سے پناہ مانگتا ہوں۔

دانیال اور کنویں کا قصہ فاللہ خیر حفظا و ھو ارحم الرحمین کے تحت ہم لکھ آئے ہیں اس استعاذ

Scanned with CamScanner

میں برکت رکھی ہے کہ انسان کسی زبردست دشمن اور موذی کے شر میں پھنسا ہو اُن کلمات کو پڑھے تو کامیابی ہوگی۔[1] (کذا فی حیٰوۃ الحیوان)

مسئلہ: یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہے ورنہ جو حضرات بحرِ توحید میں مستغرق ہیں کہ انھیں اپنی بھی خبر نہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی پناہ تلاش کریں۔ انھیں غیر اللہ کی طرف پناہ ڈھونڈ نانا جائز ہے اور چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حبیب بحرِ توحید میں غوطہ زن ہوتے تو فرماتے: اعوذ بك منك۔

الہامہ: ہوام کی جمع ہے جمع حشرات الارض کو کہا جاتا ہے۔ اور خطابی نے فرمایا ہر زہریلے جانور یعنی سانپ بچھو وغیرہ کو ھامہ کہا جاتا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں قمل کو ھامہ کہا گیا ہے حالانکہ وہ زہریلی نہیں۔

جواب: مجازاً و استعارۃً اسے ھامہ کہا گیا ہے۔

اللامۃ بمعنے الملمہ المت بمعنے نزلت ہے۔

سوال: اگر یہ بمعنے مفعول ہے تو پھر اسے الملمہ کہا جاتا۔

جواب ۱: الہامۃ کی مناسبت سے اسے فاعل کے صیغہ پر لایا گیا ہے۔

جواب ۲: فاعل کے معنے پر ہے بمعنے جامعۃ للشر علی المعیون۔ یعنی جس پر نظر بد کا اثر ہو اس کے لیے کوئی شر کی جمع یہ لمہ یلمہ بمعنے جمعہ۔ مثلاً کہا جاتا ہے: دارك تلم الناس بمعنے تجمعھم یعنی تیرا گھر انھیں جمع کرتا ہے۔

ف: الفتوحات المکیہ میں ہے کہ حروف و اسماء کی تاثیر کا علم بھی ایک کرامت ہے یعنی کرامت کے طور خواص بندگانِ خدا کو ان کی تاثیر معلوم کرائی جاتی ہے ہر ایک کو خواص الاسماء والصفات کا علم نہیں دیا جاتا۔ بحمدہٖ تعالےٰ ہم اہلسنت خواص میں داخل ہیں کہ ہمیں آیاتِ قرآنی و احادیث نبوی و اذکار ماثورہ و اقوال اولیاء کے خواص معلوم ہیں۔

التجربہ

بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بدنظر والے کے وضو کے پانی سے جس پر بدنظر کا اثر ہو نہائے تو بدنظر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

مجرب وظیفہ وتعویذ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بدنظر کا اثر زائل کرنے کے لیے آیت وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِھِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ پڑھی جائے۔ بدنظر کا اثر زائل کرنے کے لیے

---

[1] عجبا بی خدا کی شان بھی نرالی ہے کہ دانیال کے واقعہ کو ہزاروں سال گزرے لیکن تاثیر اور برکت تا قیامت باقی ہے۔ (دلکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔

Scanned with CamScanner

اس آیت سے اور کوئی آیت زیادہ نافع نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہ یہ آیت لکھ کر گلے میں تعویذ کا تجربہ رکھتا ہے نظر لگے تو جلد زائل ہو جاتی ہے۔ اگر خطرہ ہو تو پہلے لکھ کر دی جاتی ہے۔ فقیر ہر سنی مسلمان پابند صوم و صلوٰۃ کو اس کی عام اجازت دیتا ہے۔

نبوی وظیفہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے سے پہلے سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر دم کرکے اپنے تمام جسم مبارک پر ہاتھ پھیرتے تھے جہاں ہاتھ پہنچ سکے اس کا آغاز سر اور چہرۂ مبارک سے فرماتے۔ اسی طرح ہر رات تین دفعہ کرتے یہ عمل دفع سحر و بد نظر و زہریلے جانوروں اور جملہ امراض و جراحات کے لیے مفید ہے۔

بدنظر سے بچنے اور بچانے کا طریقہ جب کوئی کسی اچھی شے کو دیکھے اور وہ اس کے دل میں پسند آئے اور خطرہ ہو کہ اس پر بدنظر کا اثر ہوگا تو سنت ہے کہ کہے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔ پھر اس کے لیے برکت کی دعا مانگے۔ مثلاً کہے بارک اللہ فیك وعلیك۔

اعجوبہ عالم دنیا میں تین چیزیں عجیب ترین ہیں:

۱۔ بوم یہ اپنے آپ کو حسین ترین سمجھ کر دن کو باہر نہیں نکلتا اس خطرہ سے کہ اسے کسی کی بدنظر کا اثر نہ ہو۔

۲۔ کوکی یہ زمین پر صرف ایک پاؤں پر چلتی ہے اگر دوسرا پاؤں رکھتی بھی ہے تو آہستہ آہستہ اس خطرہ سے کہ زمین میں نہ دھنس جائے۔

۳۔ ایک جانور ہے جو نہروں میں پنڈلیوں کے ذریعے چلتا ہے وہ کوکی کے مشابہ ہوتا ہے وہ "مالک حزین" کے نام سے معروف ہے۔ وہ سیر ہو کر پانی نہیں پیتا اس خطرہ سے کہ پانی ختم نہ ہو جائے۔

ف: طبرستان میں ایک کیڑا ہے جو ایک مثقال یا زیادہ سے زیادہ تین مثقال کے برابر ہوتا ہے وہ تین دن میں ہوتا ہے اور رات کو جگنو کی طرح چمکتا ہے اور دن کو اڑتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے پر بھی نظر آتے ہیں۔ یہ سبز رنگ کا نہایت نرم اور صاف شفاف ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کے پر نہیں ہوتے لیکن دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اس کے پر ہیں۔ اس کی غذا مٹی ہے لیکن وہ اسے سیر ہو کر نہیں کھاتا اس خطرہ سے کہ مٹی ختم نہ ہو جائے۔ اسی طرح وہ بھوک سے ہی مرتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اسی دور کے کیڑے سے دنیا دار حریص و بخیل انسان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کسی طعام بلکہ روٹی سے سیر نہیں ہوتے اس خطرے سے کہ ان کا مال ختم نہ ہو جائے حالانکہ ان کے ہاں بہت سا مال ہوتا ہے۔

ف: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ جملہ فوائد مذکورہ میں نے مندرجہ ذیل کتب سے لیے ہیں:

Scanned with CamScanner

① انسان العیون ② شرح المشارق لابن الملک
③ شرح الشرعۃ لابن السید علی انوار المشارق ④ شرح الطریقۃ المحمدیہ للکردی
⑤ اسرار المحمدیہ ⑥ لغۃ المغرب
⑦ حیوۃ الحیوان ⑧ شرح الحکم
⑨ حواشی ابن الشیخ ⑩ حواشی سعد المفتی

وَلَمَّا دَخَلُوْا اور جب یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے مصر میں آئے مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوْهُمْ شہر کے ان متفرق دروازوں سے جہاں سے ان کے والد گرامی نے حکم فرمایا تھا۔ یہ جار مجرور محلاً حال ہے اب عبارت یوں ہوگی :

دَخَلُوْا مُتَفَرِّقِيْنَ۔

مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ انہیں یعقوب علیہ السلام کی رائے اور متفرق ہونے نے نہ بچایا مِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی مِنْ شَيْءٍ اس شے سے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا و قدر میں لکھا تھا۔ یہ جملہ لمّا کا جواب ہے۔ إِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا حاجۃً، اِلّا کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ الّا بمعنے لکن اور قضٰھا بمعنے اظہرھا ووصّی بھا اور لکن کی خبر ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام کی رائے تھی کہ ان کے صاحبزادے ایک دروازے سے داخل نہ ہوں باوجودیکہ انہوں نے والد گرامی کی رائے پر عمل کیا لیکن ان سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہ ٹل سکی۔ لیکن یعقوب علیہ السلام نے ان پر شفقت کے طور اپنی رائے ظاہر کر دی تاکہ وہ بدنظر سے بچ جائیں اور خصوصیت سے وصیت فرمائی تدبیر کا کوئی معتدبہ فائدہ نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ صرف دل کو تسلی دیجاتی ہے۔ اس سے یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ تدبیر تقدیر کو ٹالتی ہے۔ البتہ وہ نظر بد سے بچ گئے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے لیے بدنظر تقدیر میں لکھی جا چکی تھی لیکن یعقوب علیہ السلام کی تدبیر سے یہ ٹالی گئی۔ تقدیر وہ تھی جو بنیامین کو مصر کے بادشاہ کے ہاں چھوڑنا پڑا۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

گر شود ذرات عالم جملہ پیچ
با قضائے آسماں ہیچست و ہیچ
ہرچہ آید از آسماں سوئے زمین
نے مفر دارد نہ چارہ نہ کمین
حیلہ ہا و چارہ ہا گز اژدہا ست
پیش الا اللہ انہا جملہ لا ست

(باقی ص۵۹ پر)

Scanned with CamScanner

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ
مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ۝
قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ
لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن
كُنتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الظَّالِمِينَ ۝ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ
كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ
نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ قَالُوا إِن
يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا
لَهُمْ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ
لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ
أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ۝

ترجمہ : اور جب وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی فرمایا یقین کیجئے میں ہی تیرا بھائی ہوں تو یہ جو کچھ کرتے ہیں اس کا غم نہ کھائیے۔ پھر جب ان کا سامان تیار کر دیا تو پیالہ اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا پھر اک منادی نے پکارا اے قافلہ والو! بے شک تم چور ہو ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم کیا گم پاتے ہو کہا کہ بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا اور جو اسے لائے گا اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ انعام ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں کہنے لگے خدا کی قسم تمہیں بخوبی علم ہے کہ ہم زمین مصر میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چوری پیشہ ہیں انہوں نے کہا تو پھر تمہارے ہاں چوری کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہوئے کہا کہ جس کے سامان میں چوری دستیاب ہو وہی اس کے بدلے میں اس کا غلام ہوگا۔ ہمارے ہاں ظالم چوروں کی یہی سزا ہے تو سب سے پہلے ان کے سامان سے تلاشی کا آغاز کیا اپنے بھائی کے سامان سے پہلے پھر اسے اپنے بھائی کے سامان سے نکال لیا۔ یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر ہم نے بتائی بادشاہی قانون میں اسے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ چاہے ہم جس کے لیے چاہتے ہیں اس کے بہت بڑے درجات بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر

Scanned with CamScanner

علم والا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ چوری کرے تو اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کی یہ بات دل میں مخفی رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی (بلکہ) فرمایا تم بدترین جگہ ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تو باتیں تم بنا رہے ہو کہنے لگے اے عزیز! اس کے والد گرامی بہت بوڑھے بڑی عمر کے ہیں تو اسکے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو لے لو۔ بیشک ہم آپ کو اپنا بڑا محسن مانتے ہیں۔ فرمایا پناہ بخدا کہ ہم لیں مگر اسے جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا بے شک ہم اس وقت ظالم ہوں گے۔ (تفسیر صفحہ ٦٠ پر)

(بقیہ صفحہ ٥٨)

ترجمہ: اگر تمام ذرات عالم حیلہ کریں تو قضائے آسمانی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

جو کچھ بھی آسمان سے زمین پر آتا ہے وہ مفر نہیں نہ اسے ٹالنے کا کوئی چارہ ہے نہ اس سے بچ کر رکھا جا سکتا ہے۔

تمام حیلے چارے نقصان دہ ہیں الا اللہ کے سامنے سب کچھ معدوم ہے۔

وَاِنَّهٗ اور یعقوب علیہ السلام لَذُوْ عِلْمٍ بہت بڑے علم والے تھے لِّمَا عَلَّمْنٰهُ اس لیے کہ انھیں ہم نے بذریعہ وحی اور دلائل علم عطا فرمایا اسی لیے تو قبل از وقت فرمایا وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تقدیر میں بدنظر لکھی بھی نہیں تھی ورنہ انھیں بدنظر کا اثر ضرور پہنچتا وہ متفرق دروازوں سے جاتے یا ایک سے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝ لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی تقدیر نہیں جانتے اور ان کا گمان ہوتا ہے کہ تدبیر سے تقدیر ٹل جاتی ہے ٹلہ

تدبیر کند بندہ و تدبیر نداند

تقدیر خداوند بتدبیر نماند

ترجمہ: بندہ تدبیر کرتا ہے لیکن اسے پتا نہیں کہ تقدیر کے سامنے تدبیر کچھ نہیں کر سکتی۔

تفسیر صوفیانہ

ولکن اکثر الناس سے ظاہر بین لوگ مراد ہیں لا یعلمون کہ جو کچھ ہمارے خواص بندگان (انبیاء و اولیاء) پر جاری ہوتا ہے وہ رب تعالیٰ کی وحی و الہام و تعلیم سے ہوتا ہے انھیں ہماری تقدیر کے اجراء کا علم ہوتا ہے جس کا ہم حکم دیتے ہیں انھیں خبر ہوتی ہے اور انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں بے شمار حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

لہ اس تصریح کے باوجود وہابیہ دیوبندیہ یعقوب علیہ السلام پر لاعلمی کی تہمت لگاتے ہیں اسے کہتے ہیں نبوت دشمنی۔

ٹلہ اگر وہ بندیوں وہابیوں کو ان میں شامل کر دیں تو بھی لاباس بہ کما سیجئ۔

Scanned with CamScanner

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۵۸)

تفسیر عالمانہ

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے۔ یوسف علیہ السلام تخت پر نقاب اوڑھے ہوئے رونق افروز تھے۔ آپ نے پُوچھا کون لوگ ہیں؟ عرض کی ہم کنعانی ہیں۔ آپ کے حسب الحکم ہم اپنے بھائی (بنیامین) کے لیے والد گرامی کی منت سماجت کی اور بڑے عہد و پیمان کے بعد انہیں لے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا بہت خوب۔ فرمایا جیسے تم نے وعدہ کو نبھایا مجھے بھی اپنے عہد میں بہتر پاؤ گے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا کہ دو دو سگے بھائی اکٹھے بیٹھیں۔ بہت اعزاز و اکرام سے انہیں بٹھایا۔

تبیان میں ہے کہ طعام خانے میں ایک دسترخوان پر بٹھائے گئے۔

کاشفی میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو دو سگے بھائی اکٹھے دسترخوان پر کھانا کھائیں۔ جب دو دو سگے بھائی اکٹھے بیٹھ گئے بنیامین اکیلے رہ گئے تو گریہ زاری شروع کر دی یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر گلاب چھڑکو۔ جب ہوش میں آئے پوچھا اے نوجوان! تم روتے روتے بیہوش کیوں ہوئے۔ بنیامین نے فرمایا کہ آپ کا فرمان ہوا کہ دو سگے بھائی اکٹھے مل کر کھائیں۔ میرا بھی ایک سگا بھائی یوسف نامی تھا۔ مجھے یاد آ گیا ہے اور دل میں خیال گزرا ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ بٹھاتے ان کی یاد میں بے تاب ہو گیا ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا آئیے آج میں آپ کا بھائی بنتا ہوں۔ حکم فرمایا کہ دسترخوان قریب لایا جائے اور ہم دونوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں۔ دسترخوان لایا گیا۔ اس طرح دو بچھڑے بھائی مل گئے۔ کما قال اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ اپنے بھائی بنیامین کو طعام میں ساتھ ملایا۔ اسی طرح دونوں کا یکجا اٹھنا بیٹھنا ہو گیا اور اکیلے ایک گھر میں راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ ایک دن یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پُوچھا کیا آپ نے شادی کی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ پُوچھا بچے کتنے ہیں؟ عرض کی: دس۔ بنیامین نے ان کے نام بتائے اور کہا کہ ایک کا نام اپنے مرحوم بھائی یوسف علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔

ف: القصص میں ہے کہ بنیامین نے کہا کہ تین بچے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک کا نام ذئب (بھیڑیا) ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: نبی علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہوئے تم نے درندے کے نام پر اپنے بچے کا نام کیسے تجویز کیا۔ عرض کی سنا ہے میرے بھائی کو بھیڑیا کھا گیا تھا اب بچے کا نام اسی لیے ذئب رکھا ہے کہ اس لفظ سے بھائی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ کہہ کر بنیامین خوب رویا اور یوسف علیہ السلام بھی رو پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: دوسرے کا کیا نام ہے؟ عرض کی: دم (خون)۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیسے؟ عرض کی کہ میرے بھائی یوسف کے مرنے کے بعد ان کا خون آلود قمیص لایا گیا۔ اب میں نے بیٹے کا نام یہی رکھا ہے کہ اس سے یوسف علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس سے وہ خود بھی روئے اور یوسف علیہ السلام کو بھی رُلایا۔ تیسرے کا نام کیا ہے؟ عرض کی: یوسف۔ اس سے بھی اپنے بھائی کی یاد تازہ کرتا ہوں۔ اس سے بنیامین اور یوسف علیہ السلام خوب روئے۔ یوسف علیہ السلام نے دل میں کہا کہ اے

الظّٰلمین! جب حزن و غم سے میرے نوجوان بھائی کی یہ حالت ہے تو میرے بوڑھے باپ کا کیا حال ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں موت سے پہلے گلے ملا دے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم چاہتے ہو کہ میں تیرے فوت شدہ بھائی کے قائم مقام ہو جاؤں! بنیامین نے عرض کی، آپ جیسا محسن تو ہمیں دنیا میں نہیں ملے گا۔ لیکن آپ یعقوب اور راحیل کے بیٹے تو نہیں ہو سکتے۔ اس سے یوسف علیہ السلام خوب روئے اور اٹھ کر بنیامین کو گلے لگایا اور کہا بھائی! تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں تیرا بھائی یوسف ہوں۔

کاشفی نے لکھا کہ جب کھانا کھانے کے لیے یوسف علیہ السلام نے نقاب کے اندر سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بنیامین کی نظر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر پڑی تو رو پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے رونے کا سبب پوچھا تو بنیامین نے عرض کی، یہ ہاتھ میرے بھائی یوسف علیہ السلام سے ملتا جلتا ہے۔ یوسف علیہ السلام بنیامین کی دردبھری آواز سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ نقاب اٹھا کر کہا: اے بنیامین! میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔

القصص میں ہے کہ جب دونوں اکٹھے کھانا کھانے بیٹھے تو یوسف علیہ السلام نے نقاب ہٹا دیا۔ بنیامین لقمہ اٹھاتے اور گھور گھور کر یوسف علیہ السلام کو دیکھتے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیوں؟ عرض کی، میرا بھائی یوسف (علیہ السلام) آپ کا ہمشکل تھا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔

فَلَا تَبْتَئِسْ غم نہ کھائیے۔

تہذیب المصادر میں ہے کہ الابتئاس بمعنے اندوہگین ہونا۔

بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ بھائیوں کے ان گندے کرتوتوں سے جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر عظیم احسان فرما کر ہم بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔ لیکن فی الحال آپ انھیں بتائیں نہیں اس راز کو بالکل مخفی رکھنا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض مقامات پر راز چھپانا مستحب ہے۔ یعنی ایسے مقامات پر جہاں راز مخفی رکھنے سے مقاصد کا حصول آسان ہو۔

حدیث شریف اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے راز کو چھپاؤ۔

مسئلہ: ضیافت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مہمان نوازی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے مہمان نواز تھے یہاں تک کہ مہمان کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

حدیث شریف حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں بہشت کے بالاخانوں کی تمہیں خبر دوں؟ ہم سب نے عرض کی: آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت کے بالاخانے جواہر موتی سے ہیں جنہیں اندر باہر برابر طور پہ

Scanned with CamScanner

دیکھا جا سکتا ہے۔ اس میں نعمتیں اور لذتیں اور سرور ایسے بے نظیر ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آ سکتا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یہ بالاخانے کن لوگوں کے لیے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ان لوگوں کے لیے جو اپنے بھائیوں کو السلام علیکم کہتے اور طعام کھلاتے اور نفل روزہ رکھتے اور رات کو اس وقت نماز پڑھتے ہیں جس وقت لوگ محوِ خواب ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خسارہ والوں کو راہ نہیں دکھاتا بلکہ نصرتِ الٰہی و تائیدِ ایزدی صالحین کو نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔

اور خسارے والے یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے کہ جنہوں نے یوسف علیہ السلام پر حسد کی وجہ سے انہیں سخت اذیتیں پہنچائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دو بھائیوں یوسف علیہ السلام و بنیامین اور باپ یعقوب علیہ السلام اور بیٹے یوسف علیہ السلام کو ملایا اگرچہ بہت بڑی مدت کے بعد۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ الجھاز بمعنی المتاع وھو کل ما ینتفع بہ یعنی ان کا اناج تیار کرا کر ہر ایک کو اونٹ کا بوجھ غلہ دے دیا اور زادِ راہ کے لیے مزید بہت سی چیزیں بھی عنایت کیں۔

ف: القصص میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا کیا تم لوگ جلد واپس جانا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ان قافلے والوں کو تیار کرو اور غلہ بھر کر اونٹوں پر لادو اور ایک زائد اونٹ کا غلہ دے دو۔ اپنے سامنے سامان اچھی طرح تیار کر کے بڑی عزت و احترام کے ساتھ روانہ کیا۔

ف: مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنا تعارف کرایا تو بنیامین بے ہوش ہو کر یوسف علیہ السلام کے گلے لگے اور زبانِ حال سے کہہ رہے تھے: ؎

اینکہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب
خویشتن را در چنیں راحت پس از چندیں عذاب

ترجمہ: یا اللہ! یہ خواب ہے یا بیداری کہ میں اپنے آپ کو بہت بڑے عذاب سے نکل کر خوشی و راحت میں پاتا ہوں۔

پھر یوسف علیہ السلام کا دامن پکڑ کر بنیامین نے کہا کہ میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

Scanned with CamScanner

ابا جی پہلے ہی میری جدائی سے بہت تکلیف اٹھا چکے ہیں اب آپ یہاں رہیں گے تو انہیں مزید رنج پہنچے گا۔ جب بنیامین نے اصرار کیا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا، اس کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ میں آپ کو کسی معاملہ میں گرفتار کر لوں۔ اگر منظور ہو تو۔ بنیامین نے عرض کی، مجھے منظور ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ شاہی پیالہ آپ کے سامان میں چھپا دیتے ہیں جب آپ لوگ روانہ ہوں گے تو بلالیں گے۔ بنیامین نے مان لیا۔ جب قافلہ سامان لے کر روانہ ہوا تو جَعَلَ السِّقَايَةَ استقایۃ یعنی المشربہ بکسر المیم یعنی وہ برتن جس میں پانی پیا جاتا ہے پیالہ اور غلہ کا پیمانہ چھپایا گیا اور پیمانہ سونے کا تھا اور پیالہ چاندی کا۔

مسئلہ: پہلی شریعتوں میں چاندی کے پیالوں میں پانی پینا جائز تھا یا وہ پیالہ بلوری یا سبز زمرد یا سرخ یاقوت کا تھا جس کی قیمت دو سو دینار تھی۔ اسی میں یوسف علیہ السلام پانی پیتے تھے۔

ف: کواشی میں ہے بادشاہ مصر جس پیالے سے پانی پیتا تھا وہ چاندی کا تھا اور اس پر موتیوں کا جڑاؤ تھا بھائیوں کے اعزاز میں اسی کے ساتھ ان کا غلہ بھرا تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ پہلے اس پیالے میں بادشاہ پانی پیتا تھا پھر اسے طعام کی نفاست اور بھائیوں کی عزت احترام کے پیش نظر پیمانہ کے طور استعمال کیا۔

فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ اپنے بھائی بنیامین کے کجاوے میں۔

جب وہ صاحبان مصر سے شام کی طرف روانہ ہونے تو یوسف علیہ السلام نے ایک خاص آدمی ساتھ بھیجا تاکہ انہیں شام کو جانے والے راستے پر پہنچا دے۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ یوسف علیہ السلام کے نوکروں میں کسی ایک نے اعلان کیا اس کا نام افرائیم تھا۔

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ قافلے والو۔ دراصل عیر اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس پر بوجھ لادا جائے اور اسے عیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آتا جاتا ہے اس سے اصحاب العیر مراد ہیں۔ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ بے شک تم چور ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب یوسف علیہ السلام کے حکم سے کیا گیا وہ اس لیے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو باپ سے چرایا تھا۔

سوال: بنیامین بھی ان میں تھا وہ تو یوسف علیہ السلام کی چوری کرنے میں شامل نہیں تھے۔

جواب: تغلیباً کہا گیا ہے۔

سوال: وہ یوسف علیہ السلام کو والد گرامی کی اجازت سے لے گئے تھے پھر وہ چور کیسے۔

جواب: چونکہ انہوں نے والد گرامی کو دھوکہ دے کر یوسف علیہ السلام کو لیا تھا۔ دھوکہ کی مشابہت کی وجہ سے انہیں چور کہا گیا۔

ردِ شیعہ شیعہ اس مثال کو تقیہ کے دلائل میں شامل کرتے ہیں حالانکہ اس مثال کو تقیہ سے دور کا واسطہ

بھی نہیں اسے توریۃ و تعریض کہا جاتا ہے۔ توریۃ و تعریض اور تقیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے[1] اس لیے انبیا علیہم السلام سے توریۃ و تعریض تو ثابت ہے لیکن تقیہ جیسی لعنت سے انھیں ملوث نہیں کیا جا سکتا۔

ف: توریۃ یہ ہے کہ ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو ذو معنی ہو جس سے مخاطب کی مراد کچھ ہو اور متکلم کی کچھ۔ اور تقیہ تو کھلم کھلا جھوٹ ہوتا ہے۔

توریۃ کے دلائل

۱۔ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے قریب نزول اجلال فرمایا تو آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر ابو سفیان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس سے قریش اور اپنے لیے اور آپ کے اصحاب کے بارے میں رائے پوچھی۔ اس نے کہا آپ کون ہیں۔ ابو سفیان کو جتنی معلومات تھیں سب بتا دیں۔ پھر پوچھا آپ دونوں کون ہیں۔ آپ نے فرمایا:

نحن من ماء دافق۔

(ہم ٹپکنے والے پانی سے ہیں)

آپ نے اس سے وہی معنی مراد لیا کہ جس سے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اس سے ابو سفیان نے سمجھا کہ یہ کوئی عراقی ہیں۔ اہل عراق کو پانی کی طرف اس لیے منسوب کیا جاتا ہے کہ وہاں پانی بکثرت ہوتا ہے۔

۲۔ مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بموقعہ ہجرت غار سے باہر نکل کر مدینہ طیبہ کی طرف جا رہے تھے آپ کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی کافر نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ میرے رہبر ہیں۔ (اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رہبر دین مراد لیا اور سامع نے دنیوی راستہ دکھانے والا سمجھا) (کذا فی انسان العیون)

مسئلہ: کذب مصلحت آمیز بوقت شدید ضرورت جائز ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

ترجمہ: مصلحت آمیز دروغ راستی فتنہ انگیز سے بہتر ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے از خود انھیں چور کہا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام نے وہ راز سوائے بنیامین کے اور کسی کو نہ بتایا تھا ادھر پیمانہ واقعی گم ہو گیا تھا تو نوکروں کو خطرہ محسوس ہوا کہ اس سے ہم یوسف علیہ السلام کے عتاب میں نہ آ جائیں اس لیے جلدی سے انھیں کہا تم چور ہو۔

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب "چشمۂ نور افزا شرح آئینہ شیعہ نما" میں ہے۔

Scanned with CamScanner

ف : القصص میں ہے کہ یہ بلانے والے یوسف علیہ السلام کے صاحبزادے تھے اور یوسف علیہ السلام کے حکم سے 5
پچاؤں کو بلایا۔ لیکن یوسف علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے بھی اس خبر کو مخفی رکھا ادھر یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے سامان کی پڑتال کی تو پیمانہ نہ ملا اور وہاں پر سوائے یوسف علیہ السلام کے ان بھائیوں کے اور کوئی نہ تھا۔ جب روانہ ہوئے تو نوکروں کو ان پر غالب گمان ہوا کہ یہی چوری کے مرتکب ہوئے ہیں اسی لیے اپنی بدگمانی کے تحت پکارا کہ تم چور ہو۔

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ واقبلوا 'قالوا کی ضمیر سے حال ہے اور یہ اس لیے کہ وہ اعلان سن کر اور اپنے لیے چوروں کا لقب سن کر گھبرا گئے کیونکہ یہ امر ان سے کوسوں دور اور ان کی فطرت اور عادت سے بعید تھا اسی لیے اعلان کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ○ کیا شے گم ہوگئی ہے۔ یہ فقدت الشئ بمعنی عدمۃ ہے۔ جب کسی شے کو گم کر بیٹھے تو کہتا ہے، ففقدتہ یعنی میں نے اسے گم پایا بلکہ جو شے کسی سے بلا ارادہ گم ہو جائے اس کے لیے یہی فعل استعمال کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ تم سے کیا شے گم ہوگئی۔ قَالُوْا اعلان کنندگان نے کہا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ شاہی پیمانے گم ہو گئے ہیں۔ دونوں مقامات پر ماضی کے بجائے مضارع استعمال کرنے میں پیمانے کی گمشدگی کو قریب لانے کے لیے ہے۔ پھر اعلان کنندگان نے اپنی جانب سے اخوۃ یوسف علیہ السلام کو تلقین کی کہ وہ سمجھیں کہ وہ انھیں یقیناً چور نہیں سمجھ رہے بلکہ محض اس تصور سے کہ لاشعوری سے پیمانہ سامان میں چلا گیا ہو۔ چنانچہ کہا وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ اور جو اس پیمانے کو سامان کی تلاشی سے پہلے خود بخود ظاہر کر دے، تو مجرم نہیں ورنہ تم مجرم ہو۔ خلاصہ یہ کہ اعلان کنندگان نے کہا کہ جو تم میں چور کی نشان دہی کر دے یا اس کے سامان سے نکال دے تو اسے ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ انعام میں ملے گا اور وہ انعام بطور احسان ہوگا۔ وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ○ اور اس کی ادائیگی کا میں ضامن ہوں اگر پیمانہ نہ ملا تو بادشاہ مجھے متہم کریگا۔ یہ اعلان کنندہ کا اپنا قول ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو جانوروں کے بوجھ اٹھانے کا اہل ہو وہ بادشاہوں کے پیالوں کا کب مستحق ہو سکتا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ اخوۃ یوسف علیہ السلام نے کہا بخدا تمھیں معلوم ہے کہ ہم تمہاری زمین مصر میں فساد پھیلانے نہیں آئے تھے۔

ف : قسم میں تعجب کا معنیٰ ہے انھیں اس لیے تعجب لاحق ہوا کہ وہ اس کام سے فطرۃً نفرت رکھتے تھے لیکن یہاں انھیں ایسے برے فعل کی طرف کیوں منسوب کیا گیا۔

ف : تا واؤ قسمیہ کے عوض ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے اس لیے کہ 'تا' قسمیہ صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے لوگو! تم بھی عجیب ہو تم پہلے متعدد بار آ چکے ہو اور ہماری دیانت سے بخوبی واقف ہو اور پھر امانت کی حفاظت ہماری فطری عادت ہے۔ تمھیں پورے طور معلوم ہے اور جس گندے فعل کی ہم پر تہمت باندھ رہے ہو اس سے ہم بالکل

پڑا ہیں۔ جب یہ بات ہو تو پھر تم ہمیں کیوں کہتے ہو تم چور ہو۔

ف : لنفسد بمعنے لنسرق ہے۔ اس لیے فساد کے سبب سے گویا فعل سوقۃ ہے۔

وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ ○ اور ہم نہ چور ہیں اور نہ کبھی چوری جیسی لعنت ہمارے نام منسوب ہوئی ہے۔

سوال : شام کے علاقوں میں تو واقعی ان کا یہی ریکارڈ تھا لیکن مصر میں اس غیبی دلیل کو کیسے یہاں چسپاں کر رہے ہیں۔

جواب : چونکہ ان کے حالات کا مشاہدہ اہل مصر نے کیا اور وہ ایسا واضح اور روشن ہوگیا کہ سب کو اس کا اعتراف تھا ایسے موقع پر غیبی دلائل موجودہ صورت پر استعمال کرنا جائز ہیں۔

قَالُوْا یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے کہا فَمَا جَزَآؤُهٗ یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت فماجزا سرقۃ الصواع عندکم الخ یعنی تمہاری شریعت میں پیمانہ کی چوری کی سزا کیا ہے اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ○ اگر تم اپنے انکار میں جھوٹے ثابت ہوئے تو قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ انہوں نے کہا اس کی جزا وہی ہے جس کے ہاں پیمانہ پایا گیا فِیْ رَحْلِهٖ اس کے سامان میں یعنی چور کو سامان کے مالک کا غلام بنایا جائے گا۔

مسئلہ : حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا کہ چور کو سامان کے مالک کا غلام بنایا جاتا جیسے ہماری شریعت میں چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔

فَهُوَ جَزَآؤُهٗ : اسی حکم کی تقریر ہے یعنی اس کی جزا یہی ہے کہ ہم چور تمہارے حوالے کر دیں گے كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ہم ظالم چور کو سزا دیں گے۔ یہ حکم مذکور کی تاکید ثانیہ تاکید اور سرقہ کی قباحت کا اظہار ہے۔

ف : یہ انہوں نے اپنی برأت پر پورے بھروسہ کے طور کہا۔ یعنی انہیں یقین تھا کہ نہ ہم نے چوری کی ہے نہ ہم چور کو ان کے حوالے کریں گے حالانکہ اندرونی معاملہ سے وہ بالکل بےخبر تھے۔

فَبَدَاَ جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹائے گئے تو یوسف علیہ السلام نے سامان کی تلاشی شروع کی بِاَوْعِيَتِهِمْ اپنے دوسرے دس بھائیوں کے سامان کی قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ اپنے بھائی بنیامین کے سامان کی تلاش سے پہلے تاکہ یوسف علیہ السلام پر تہمت نہ ہو کہ انہوں نے عمداً ایسا کیا ہے۔

ف : مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے نوکروں نے کہا کہ اپنے اونٹ بٹھلا کر سامان اتارو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سامان جلد تر اتارے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ہم اس معاملہ میں بے قصور ہیں۔ چنانچہ پہلے بڑے بھائی کا سامان دیکھا پھر اس سے چھوٹے کا پھر اس سے چھوٹے کا، یہاں تک کہ بنیامین کی باری آئی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا : اس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ اس نے ایسی غلطی نہیں کی ہوگی۔ بھائیوں نے کہا، نہیں اس کا سامان بھی کھولو۔ کیونکہ آپ کو اس سے زیادہ پیار تھا اور اسے آپ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب بنیامین کا سامان کھولا۔ کما قال :

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا پھر نکال لیا اس پیمانہ کو۔ یہ ضمیر صواع کی طرف راجع ہے اس لیے کہ مذکر و مونث

Scanned with CamScanner

دونوں طرح مستعمل ہے۔ مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ط اپنے بھائی کے سامان سے جب گمشدہ پیمانہ بنیامین کے سامان سے ملا تو شرمساری سے سب کے سر جھک گئے اور زبانیں گنگ ہوگئیں۔ پھر بنیامین سے ہر شے چھین کر یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دی گئی۔ بھائی لے عبرانی میں گالیاں دینے لگے اور کہتے تھے کہ اے چور! تجھے کونسی بھوک تھی کہ تُو نے بادشاہ کا پیمانہ چرایا اور تیری وجہ سے اب ہم ہمیشہ تکلیف میں مبتلا رہیں گے جیسے تیرے بھائی ابن راحیل (یوسف علیہ السلام) سے ہم شدائد و مصائب میں مبتلا رہے۔ بنیامین نے جواب دیا، بلکہ راحیل کے دونوں بیٹوں کو تم نے مصائب و مشکلات میں مبتلا رکھا۔ یوسف علیہ السلام پر ظلم و ستم کیا اور مجھے تمہی نے چور بنایا حالانکہ پیمانہ تمہارے سامان سے نکلا ہے۔ بنیامین نے کہا اگر پہلی بار تم اپنی پونجی اپنے سامان میں چرا کر لے گئے ہو تو میں نے بھی چوری کی ہے۔ یعنی جیسے پہلی بار پونجی لیجانے سے تم بے خبر ہو ایسے ہی میں اس چوری سے بے خبر ہوں۔ اس پر روبیل نے کہا کہ واقعی بنیامین سچا ہے یہاں پر بنیامین کو خیال گزرا بتا دوں کہ یہی مصری محسن یوسف علیہ السلام ہیں لیکن انھیں یوسف علیہ السلام کی وصیت یاد آگئی خاموش ہوگئے کَذٰلِكَ اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ اور کاف زائدہ ہے تاکہ مشارٌ الیہ کی عظمت شان پر دلالت کرے اسی طرح اس کے اسم اشارہ کا مابعد بھی عظمت پر دلالت کرتا ہے یعنی اسی حیلہ عجیب کی طرح۔ یعنی بھائیوں کا یعقوب علیہ السلام کی شریعت کا قانون۔ اس سے انھیں گمان تک نہ تھا کہ اس افتاد کے بعد ہم خود اس کی زد میں آجائیں گے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کِدْنَا لِیُوْسُفَ یعنی ہم نے تدبیر بنائی تاکہ یوسف علیہ السلام کا مقصد حاصل ہو اسی لیے اس کے حصول کے لیے چند تجویزیں بنائی گئیں۔ مثلاً پیمانہ چھپانا اور پھر اسے تلاش کرنا اور تلاشی میں بنیامین کا سامان بعد میں کھولنا۔ یہ لام فَیَکِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا کی لام کی طرح نہیں اس لیے کہ وہ لام ضرر کی ہے جیسا کہ وہ عام طور پر نفع کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

ف: الکید بمعنے مکر و دھوکہ۔ یعنی دل کے ارادے کے خلاف کسی کو وہم میں ڈالنا۔

مَاكَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ یہ جملہ مستانفہ اور تدبیر مذکور کی تعلیل اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے تدبیر مذکور عمل میں کیوں لائی۔ جواب میں فرمایا مَاكَانَ الخ یعنی یوسف علیہ السلام کے لیے لائق نہیں تھا کہ اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق بھائیوں سے لیتے اس لیے کہ بادشاہ مصر کا قانون چور کو مارنا اور چوری کا دوہرا مال وصول کرنا تھا چور کو غلام بنانا اس کے قانون میں داخل نہ تھا اگر بادشاہ کے قانون پر عمل ہوتا تو یوسف علیہ السلام کا مقصد پورا نہ ہوتا اور یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی اپنی طرف سے نہیں تھی اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ط مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے مطابق یعنی مذکورہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت سے ہوئی۔

ف: اکواشی میں ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے قانون پر عمل نہ کرتے تو بنیامین کو اپنے پاس رکھنے پر قدرت نہ پاتے۔

Scanned with CamScanner

بحر العلوم میں ہے کہ حیلۂ شرعیہ (جس سے مصالح دنیویہ اور منافع دینیہ کا حصول مطلوب ہے) کا ثبوت اسی آیت سے ہے

ردِّ وہابیہ اس کی دُوسری دلیل ایوب علیہ السلام کے واقعہ سے مشتق ہے۔ کما قال (لایوب علیہ السلام)

وخُذ بیدك ضِغثاً۔

تاکہ ایوب علیہ السلام زوجہ کو دُرّے بھی نہ ماریں اور اپنی قسم میں حانث بھی نہ ہوں۔

اس کی تیسری دلیل ابراہیم علیہ السلام کا قول کہ اپنی زوجہ کے لیے فرمایا:

ھیَ اختی۔ یہ میری بہن ہے۔

تاکہ بادشاہ کافر کے ظلم سے نجات ہو۔

عقلی دلیل: جملہ شرائع میں مصلحتیں ہی مصلحتیں ہوتی ہیں اور حیلے صرف اسی لیے ہوتے ہیں کہ انسان وقوعِ مفاسد سے بچنے کی راہیں حاصل کرکے مفاسد سے بچ سکے۔[۲]

ف: یوسف علیہ السلام کے متعلق اسی حیلہ شرعیہ میں بہت بڑے منافع و فوائد مضمر تھے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے اسی حیلۂ شرعیہ کی تلقین فرمائی ہے تاکہ اسے استعمال کرکے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ سکیں اسی لیے یہ حیلہ احسن اور بہتر سمجھا گیا اور جو لوگ حیلہ کو ناجائز سمجھتے ہیں ان کے ذہن سے اس کے قبائح کا تصور ختم ہو۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ ہم درجات بلند کرتے ہیں مثلاً علم کے بہت بڑے بلند مراتب۔ اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ یا علی الظرفیۃ ہے یا نزع الخافض سے ہے دراصل الیٰ درجات تھا اور نرفع کا مفعول **مَّنْ نَّشَآءُ** تقاضائے حکمت اور داعی مصلحت کے مطابق ہم رتبہ بلند کرنا چاہتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے مراتب بلند کیے گئے **وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ** ○ اور مخلوق میں ہر صاحبِ علم کے اُوپر علم میں بہت بڑے مراتب والا یعنی ہر صاحب علم سے اور بڑا علم والا ہوتا ہے یہاں تک کہ سب سے بڑا علم والا اللہ تعالیٰ ہے۔ سه

دست شد بالائے دست این تا کجا
تا کہ بیزدان کہ الیہ المنتہیٰ
کان یکے دریاست بے غور و کراں
جملہ دریا ہا چو سیلے پیش آں

ترجمہ: ہر صاحب قدرت کے اوپر بڑی قدرت والا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے

---

[۱] اس کی تفصیل سورۂ صٓ میں آئیگی انشاءاللہ

[۲] یہی وہ راز ہے جس سے وہابیہ محروم ہیں اور ہم اہل سنت حیلۂ اسقاط میں یہی دلائل پیش کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

کہ اس کے اوپر اور کوئی قدرت والا نہیں ۔ ایک وہ دریا ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں تمام دریا اس کے آگے سیلاب کی طرح بہہ جاتے ہیں ۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے مسئلہ پوچھا ۔ آپ نے جب اسے مسئلہ بتایا تو اس نے کہا اس میں فلاں غلطی ہے ۔ آپ نے فرمایا تو صحیح کہتا ہے میں غلطی پر ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا وفوق کل ذی علم علیم ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نرفع درجٰت من نشاء ہم اپنے میں جس کے لیے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں یعنی ہم اسے علم عطا فرماتے ہیں کہ وہ بشریت کے گڑھوں سے نکل کر توفیق ایزدی سے محبوبت کی بلندیوں تک پہنچے وفوق کل ذی علم علیم جسے ہم ترقی کا علم دیتے ہیں اس کے اوپر اور صاحب علم ہوتا ہے جو علم مخلوق سے جہاں پہنچتا ہے اسے اور علم قدیم عطا ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ سے ایسی بلندی پر پہنچتا ہے کہ اس کے آگے جانا مشکل ہے یعنی اس خوش بخت کو سیر الی اللہ باللہ فی اللہ نصیب ہو جاتی ہے اور یہ وہ پیمانے ہیں جو انسانیت کے برتن میں نہیں سما سکتے بلکہ اس کے لیے وہ قلب وسعت رکھتا ہے جو عرش الٰہ ہے ۔

تفسیر عالمانہ قالوا جب پیمانہ بنیامین کے سامان سے نکلا تو مارے شرم کے تمام بھائیوں کے سر جھک گئے اور سخت رسوائی ہوئی تو اب اپنی بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے کہا ان یسرق اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں فقد سرق اخ لہ من قبل اس لیے کہ اس سے قبل اس کے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے بھی چوری کی تھی ۔

ف : یوسف علیہ السلام کی اس چوری کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں صحیح تر یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے حران (بفتح الحاء المہملہ وتشدید الراء) ایک بستی کا نام ہے جو دمشق میں واقع تھی میں اپنے نانے کا بت چرایا تھا ۔ جب انہیں والدہ بی بی راحیل نے اپنے بیٹے (حضرت یوسف علیہ السلام) کو فرمایا کہ اس بت کو اٹھا کر توڑ دے تاکہ تیرا نانا بت پرستی چھوڑ دے ۔ یوسف علیہ السلام نے والدہ کے حکم سے وہ بت اٹھا کر توڑ دیا پھر اسے گندگی میں پھینک دیا ۔ اس قول کی تائید حدیث ذیل سے ہوتی ہے :

الفردوس میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانے کا بت (سونے چاندی سے بنا ہوا) چرایا اور اسے توڑ کر راستے میں پھینک دیا ۔ بھائیوں نے اسی چوری کی عار دلائی ۔

فائدہ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ابتداء امر میں انسان کامل تہمت کو قبول کرتا ہے اور اس دور میں اس پر شہوات دنیویہ نفسانیہ کی چوری کا الزام لگتا ہے اور انتہائے امر میں امور اخرویہ روحانیہ کے لیے مختص ہو جاتا ہے ۔ ان دونوں مراتب میں بہت بڑا فرق ہے ۔

Scanned with CamScanner

یوسف علیہ السلام کی چوری کا دوسرا قول

مروی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا ایک کمر بند تھا جو آپ کی اولاد میں سب سے بڑے کو وراثۃً ملتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بعد اسحاق علیہ السلام کو ملا ان کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی کو اور یوسف علیہ السلام کو اسی پھوپھی نے پالا اور اسے آپ کے ساتھ بہت محبت تھی یہاں تک کہ اسے یوسف علیہ السلام کے بغیر ایک لمحہ قرار نہ آتا تھا۔ جب یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو گھر لیجانا چاہا تو آپ کی پھوپھی نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام اس کے گھر رہیں۔ اسی لیے حیلہ بنایا کہ وہی کمر بند یوسف علیہ السلام کو ایسے طریقے سے دیں کہ چور ثابت ہو جائیں اور کمر بند کا یوسف علیہ السلام کو علم بھی نہ ہو ——————— چنانچہ جب رات ہوئی تو بی بی نے اس کے کپڑوں کے اندر کر بندھ دیا۔ جب صبح کو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو لیجانا چاہا تو بی بی نے اعلان کیا کہ کمر بند گم ہے تمام موجودہ لوگوں کی تلاشی لی گئی ان میں یوسف علیہ السلام کی تلاشی کرنے پر یوسف علیہ السلام کے کپڑوں کے اندرونی حصہ سے ملا۔ بی بی نے کہا بھائی یعقوب آپ کے قانون شرع کے مطابق اب یوسف میرے قبضہ میں رہے گا۔ چنانچہ بی بی کی وفات تک یوسف علیہ السلام اس کے پاس رہے۔ اسی چوری کے بارے میں کہا کہ اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو پہلے اس کے بھائی یوسف (علیہ السلام) نے بھی چوری کی تھی۔

فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ یوسف علیہ السلام نے اس دلسوز طعنہ کو دل میں چھپایا۔

ف: غیظ و غضب سے دل کے درد کو الحزازۃ کہا جاتا ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: الحواشی میں ہے کہ فاسرّھا کی ضمیر کلمہ انہ سرق کی طرف راجع ہے۔

فِیْ نَفْسِهٖ اپنے دل میں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اسے اپنے اصحاب میں چھپایا جائے۔ جیسے و اسروت نہم اسرار آ میں ہے۔ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ اور نہ انھیں قولاً ظاہر کیا نہ فعلاً۔ ان سے درگزر کے طور یا حوصلہ کی وجہ سے قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا یہ سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اخوۃ یوسف علیہ السلام اس قول کو بار بار دُہراتے تو آپ نے انھیں کیا کہا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو فرمایا کہ تم ہی مرتبے کے لحاظ سے بہت بُرے ہو اس لیے کہ تم نے اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کو اپنے والد گرامی سے چرایا اب اس پاکدامن پر افترا کرتے ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو تین مقامات پر اپنے کیے کی فوراً جزا ملی:

۱۔ جب زلیخا کے ہاں طبعی ارادہ فرمایا تو قید خانہ میں بھیجے گئے۔

۲۔ جب بادشاہ کے شرابی خادم سے فرمایا اذکرنی عند ربک تو کئی سال قید خانے میں گزارنے۔

Scanned with CamScanner

۳۔ جب اپنے بھائیوں کو ایسا کہا انکو لساسر قوت فرمایا تو بھائیوں نے فوراً کہا ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۞ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس لئے کہ اس کے علم کا کوئی انتہا نہیں لیکن تم جو کچھ کہہ رہے ہو سراسر غلط اور جھوٹ ہے کیونکہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی تم بُرے طریق سے ہمارے اوپر افترا کر رہے ہو۔

ف: اَعْلَمُ افعل التفضیل کے معنی میں نہیں بلکہ یہاں مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ اس میں بھائیوں کے علم کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں لا کر اللہ تعالیٰ کے علم کے لیے افضلیت کا اظہار نہیں فرما رہے ہیں اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تو لاشئے تھا۔

بحر العلوم میں ہے کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اس لیے کہ وہی حقائق الامور کو خوب جانتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ تم میرے بھائی بنیامین پر چوری کا الزام لگا رہے ہو حالانکہ وہ اس قباحت سے کوسوں دُور ہے۔

سوال: اگر اعلم کو اپنے معنی تفضیلی میں رکھا جائے تو اس میں ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ شرکت ہے کیونکہ افعل کا صیغہ شرکت کا مقتضی ہے۔

جواب: یہ شرکت ان کے گمان کے مطابق ہے کہ انہوں نے اپنے لیے علم کا دعویٰ کیا کہ سرق اخ لہ من قبل اور یہ دعویٰ علی سبیل الجزم کیا۔ (کذا فی الحواشی السعدیہ)

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ

مروی ہے کہ اخوۃ یوسف نے عزیز مصر سے کہا کہ بنیامین کو چھوڑ دو۔ پھر روبیل نے کہا بادشاہ بنیامین واپس کر دو ورنہ میں ایسی چیخ ماروں گا کہ اس سے مصر کی حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا دیں گی۔ یہ کہہ کر جوش سے اس کے جسم کے بال کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ کپڑوں سے باہر نکلنے لگے۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا قاعدہ تھا کہ جب وہ غضب ناک ہوتے تو ان کے غضب کی کوئی تاب نہ لا سکتا یہاں تک کہ جب تک ان کی اپنی نسل کا کوئی آدمی ان کے جسم پر ہاتھ نہ پھیرتا۔ یوسف علیہ السلام نے جب بھائی کی یہ کیفیت دیکھی تو اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اٹھ کر اسکے جسم پر ہاتھ پھیر دے۔ جب صاحبزادے نے ہاتھ پھیرا تو اس کا غصہ ختم ہو گیا۔ پھر دوبارہ جوش کیا تو یوسف علیہ السلام نے خود اُٹھ کر پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ پھر گلے سے پکڑ کر زمین پر لٹا دیا اور فرمایا کہ اے عبرانیو! تم سمجھتے ہو کہ تمہارے سے بڑی طاقت والا اور کوئی نہیں۔

ف: جب روبیل کو یوسف علیہ السلام کے صاحبزادے نے ہاتھ لگا کر اس کا غصہ کم کیا تو اس نے کہا یہاں یعقوب

Scanned with CamScanner

علیہ السلام کی اولاد کے یہاں کی بُو آتی ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، یعقوب کون؟

؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید

زبردست ہر دست آفرید

ترجمہ: جس رب تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا وُہ زبردست ہے اس نے ہر طاقت والے پر اور بڑی طاقت والا پیدا فرمایا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

گرچہ شاطر بود خروس بجنگ

چہ زند پیش باز روئین چنگ

گربہ شیراست در گرفتن موش

لیک موشست در مصاف پلنگ

ترجمہ: اگرچہ مُرغا لڑائی میں بڑا چالاک ہے لیکن لوہے کے ہاتھ والے سے اسے مقابلہ کی کیا تاب۔

اگرچہ بلی چوہے کو پکڑنے میں شیر ہے لیکن شیر کے سامنے تو چوہے کی طرح کمزور ہے۔

قَالُوْا جب بھائی کو چھڑانے کا ہر حربہ ناکام دیکھا تو عاجزی کے طور عرض کیا یٰۤاَیُّھَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا اے عزیز اس لڑکے کا باپ بوڑھا ہے اس کے سن کا تقاضا ہے کہ وُہ اپنے بیٹے کے فراق کی تاب نہیں لا سکے گا اس لیے کہ یوسف علیہ السلام کے فوت ہونے کے بعد اب اسی بنیامین سے اس کی محبت کا سہارا ہے فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اس کے بدلے رہن کے طور ہمارے میں سے کسی ایک کو لے تو خواہ اسی کو ہی اپنا غلام بنا لے اس لیے کہ ہمارے ساتھ تو اسی کی محبت و اُلفت نہیں ہے اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ ہم آپ کو اپنے لیے بہت بڑا مہربان پاتے ہیں۔ آپ نے ہماری خوب مہمان نوازی فرمائی ہے اس سے ہمیں امید ہے کہ اب ہمارے اوپر احسان فرمائیں گے۔ قَالَ یوسف علیہ السلام نے فرمایا مَعَاذَ اللّٰهِ اس میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، اس سے کہ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ[1] کہ گرفتار کریں مگر ہم تو اسے گرفتار کریں گے جس کے سامان میں ہمارا پیمانہ پایا گیا ہے اور یہ تمہارا فتویٰ ہے ہم تمہارے فتویٰ کے خلاف عمل نہیں

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ علم کے ہوتے اظہار لاعلمی جائز ہے اور انبیاء علیہم السلام سے ایسے سرزد ہوئے۔ (ولکن الوہابیہ لایعقلون)

کر سکتے اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۞ جب ہم اسے گرفتار کریں جو ہمارے پیمانہ کا چور نہیں اگرچہ وہ اس پر راضی ہو تو ہم تمہارے مذہب کے مطابق ظالموں سے ہوں گے اور یہ ہمیں گوارہ نہیں۔

ف: بحر العلوم میں کہ اذًا ان کو جواب میں فرمایا اور وہ دراصل شرط محذوف کی جزا ہے۔ یعنی اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالم متصور ہوں گے۔

وہابی گُش تفسیر مذکورہ بالا ظاہری معنیٰ پر محمول ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ فرمایا ہے کہ میں بوبنائے مصلحت بنیامین کو اپنے ہاں ٹھہراؤں۔ اگر میں اس کے خلاف کروں تو میں ظالم متصور ہوں گا اس لیے کہ وحی الٰہی کے خلاف عمل ہوگا اور وہ ہمارے لیے بڑا ظلم ہے اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے خلاف عمل بھی ظلم ہے کیونکہ الہام واردات ربانی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر وارد فرماتا ہے اسی لیے اولیاء و انبیاء علیہم السلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ جو کام کریں وہ وحی و الہام کے مطابق ہو اس کے خلاف عمل کرنے میں ظلم اسی لیے ہوگا کہ حکم الٰہی کا عمل موقع و محل کے خلاف ہوگا اسی لیے انبیاء و اولیاء ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہوتے ہیں جب تک انہیں اللہ تعالیٰ سے امر یا خبر نہ ہو تو نہ وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں نہ اس کی اتباع کرتے ہیں۔

ولیہ کاملہ کی کرامت حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مریدنی تھی اس کا ایک لڑکا تھا وہ کسی استاد کے ہاں پڑھنے جاتا تھا ایک روز اسے ایک استاد صاحب نے چکی کی طرف کام بھیجا۔ وہ لڑکا پانی میں ڈوب گیا۔ استاد نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اس کی ماں کو مطلع کر کے تعزیت بھی کریں۔ جب اس بی بی کے ہاں پہنچے تو بی بی کو پہلے صبر کی تلقین کی پھر رضا و تسلیم کا سبق دیا۔ بی بی نے کہا: مرشد! آج اتنی بڑی تقریریں کیوں؟ مرشد (سری سقطی) نے فرمایا: تیرا بیٹا نہر میں ڈوب کر مر گیا ہے۔ بی بی نے کہا: میرا بیٹا؟ سری سقطی نے کہا: ہاں تیرا بیٹا۔ پھر سری سقطی نے صبر اور تسلیم و رضا کی تلقین کی۔ لیکن بی بی نے مانا اور کہا کہ میرے رب نے ایسے نہیں کیا۔ سری سقطی نے کہا: بی بی! صبر کیجئے اور رضا کے سامنے سر جھکائیے۔ بی بی نے کہا: مجھے موقعہ پر لے چلو۔ جب سری سقطی اور بی بی اور دوسرے لوگ نہر پر پہنچے تو بی بی نے کہا: میرا بیٹا کہاں اور کس جگہ غرق ہوا ہے۔ نشان دہی کی گئی تو بی بی نے آواز دی: اے بیٹے محمد۔ (اس لڑکے کا نام محمد تھا) لڑکے نے نہر کے اندر سے کہا: لبیک اماں۔ بی بی نے آواز سن کر نہر کے اندر جا کر بیٹے کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر نہر سے باہر نکالا اور اسے زندہ گھر لے گئی۔ سری سقطی دیکھ کر حیران ہو گئے اور واقعہ حضرت جنیدؒ کو سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ بی بی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کر چکی تھی کہ اسے اپنے متعلق ہر معاملہ سے باخبر رکھا جائے چونکہ اس معاملہ کی اسے خبر نہیں دی گئی تھی اس لیے انکار کر دیا اور کہا میرے رب تعالیٰ نے ایسے نہیں کیا۔ چنانچہ اسی معاہدے پر پہنچنے کو

(باقی ص ۷۵ پر)

Scanned with CamScanner

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ
مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ
يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا
شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ
اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ
اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ
وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ
حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا
يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ
عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ
اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ
اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ
لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٔيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ
اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ
عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

ترجمہ : پھر جب اس سے مایوس ہوئے تو تنہائی میں جا کر سرگوشی کرنے لگے ان کے بڑے نے کہا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بیشک تمہارے باپ نے تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد لیا تھا اور اس سے قبل تم نے یوسف (علیہ السلام) کے بارے میں کیسی کوتاہی کی تھی میں تو یہاں سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مجھے میرے والد گرامی اجازت دیں یا مجھے اللہ تعالیٰ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے۔ اپنے والد گرامی کے پاس جا کر عرض کرو ابا جی آپ کے صاحبزادے نے چوری کی اور ہم نے گواہی نہیں دی مگر اس بات کی جس کا ہمیں علم تھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں تھے اور اس بستی والوں سے پوچھ لیجئے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں۔ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ فرمایا بلکہ تمہارے نفس نے تمہیں کوئی حیلہ بنا دیا ہے۔ پس صبر اچھا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ

Scanned with CamScanner

ان سب کو میرے ہاں لائے گا بیشک وہی علیم اور حکمت والا ہے اور ان سے منہ پھیر کر کہا ہائے افسوس یوسف (علیہ السلام) کی جدائی پر۔ اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں تو وہ غصہ کھاتا رہا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف (علیہ السلام) کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ مرنے کے قریب یا ہلاک ہونے والوں سے ہو جائیں۔ فرمایا میں اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ تعالیٰ سے ہی کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے وہ معلوم جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور میرے بیٹو جا کر یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کا پتا کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ پھر وہ جب یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے عرض کی اے عزیز! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے ہم تھوڑا سا سرمایہ لے کر آئے ہیں تو آپ ہمیں پورا ناپ دیجیے اور ہم پر خیرات کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ خیرات والوں کو نیک بدلہ دیتا ہے۔ فرمایا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تم نے یوسف (علیہ السلام) اور اس کے ساتھ کیا کیا تھا جب جاہل تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہی یوسف (علیہ السلام) ہیں۔ فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا بیشک جو کوئی تقویٰ اور صبر کرتا ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم خطا کار تھے۔ فرمایا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے یہ میری قمیص لے کر جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈالو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنا تمام کنبہ میرے ہاں لے آؤ۔

(بقیہ ص ۷۴)

زندہ واپس لے آئی۔[۱]

ف: ظلم تین قسم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف حکم دینا۔

۲۔ ظلم کی طلب کرنا۔

۳۔ غیروں کی مجالس میں بیٹھنا۔

سبق: جس سے ظلم یا کسی اور صغیرہ و کبیرہ کا ارتکاب ہو تو اسے فوراً توبہ واستغفار کرنی چاہیے۔

ف: جس بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے تو اس کی نظروں میں گناہ ایک بہت بڑا صدمہ بنا دیتا ہے۔ اسی لیے وہ اس

---

[۱] یہی واقعہ دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے بھی "الافاضات الیومیہ" میں نقل کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

گناہ سے ہر وقت توبہ و استغفار کرتا رہتا ہے۔ اگر کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو اس کی نظروں میں گناہ کی وقعت گھٹا دیتا ہے سزا سے کوئی نصیحت دیتا ہے۔ (کذا قال السہل رحمہ اللہ تعالیٰ)

ہم اللہ تعالیٰ سے توبہ کی توفیق کی عرض کرتے ہیں۔

(تفسیر آیات ص ۷۷)

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ پس جب وہ ہر طرح سے بالکل مایوس ہوئے۔ باب استفعال مبالغہ کی وجہ سے ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے پس جب وہ یوسف علیہ السلام سے ناامید ہوئے اور انھیں یقین ہو اکہ بنیامین کو واپس لیجانے کی اجازت نہیں ملے گی۔

خَلَصُوا علیحدہ بیٹھ گئے ان میں اور کوئی نہ تھا خالص بھائیوں کی جماعت تھی۔ نَجِيًّا درا نحالیکہ وُہ اپنے معاملہ میں ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ والد گرامی کو کیا مُنہ دکھائیں گے۔ وہ اب کی بار ہمارے متعلق کیا تصور فرمائیں گے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ ایک جماعت رازو نیاز کی گفتگو کرنے والی کو نجی کہا جاتا ہے کیونکہ نجی راز دان کو کہتے ہیں۔ دراصل یہ مصدر ہے جو مفرد و جمع اور مذکر و مونث تمام کو شامل ہے۔

قَالَ كَبِيرُهُمْ ان میں سب سے بڑے سِن والے نے کہا۔ یعنی روبیل نے۔ بعض نے کہا یہاں بڑے سے عقل والا یعنی یہود امراد ہے۔ بعض نے کہا ان کا رئیس (سردار) یعنی شمعون مراد ہے۔ اور شمعون ان کا رئیس اس لیے تھا کہ اس کا تمام بھائیوں پر رعب تھا۔ اس مشورہ میں تمام بھائی چاہتے تھے کہ بنیامین کے لیے بادشاہ مصر پر یکبارگی حملہ کر دیا جائے۔ لیکن بڑے نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ أَلَمْ تَعْلَمُوا کیا تمہیں معلوم نہیں یعنی ہم سب کو یقین ہے کہ أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ بے شک تمہارے والد گرامی نے تم سے ایک پختہ اور مضبوط عہد لیا اور تم نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تھی۔ من اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ والد گرامی نے فرمایا اگر تم محمد آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھاؤ کہ بنیامین کے بارے میں تم دھوکہ نہیں کرو گے۔

لیکن اب یہ واقعہ درپیش آیا ہے وَمِن قَبْلُ اس سے قبل اور یہ آنے والے فعل سے متعلق ہے مَا یہ زائدہ ہے۔ فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ تم نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کوتاہی کی اور تم نے والد گرامی سے کیے ہوئے معاہدے کی حفاظت نہیں کی حالانکہ تم نے والد گرامی کو بار بار یقین دلایا وانا لنا صحون اور وانا لہ محافظون اس کے باوجود

ہم یوسف علیہ السلام کے بارے میں متہم ہیں۔ اور واقعی ہم یوسف علیہ السلام کے متعلق مخلص بھی نہیں فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ یہ مفارقت کے معنی کو متضمن ہے اسی لیے یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے یعنی لن افارق الارض مصر میں مصر کی زمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اس معنی پر لن ابرح اگرچہ افعال ناقصہ سے ہے لیکن یہاں تامہ ہے اس لیے کہ الارض متکلم پر محمول نہیں ہو سکتی حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ یہاں تک کہ مجھے والد گرامی ملک شام کی طرف لوٹنے کی اجازت بخشیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شام کی طرف لوٹنا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اجازت پر موقوف تھا اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ یا اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی فیصلہ فرمائے کہ میں شام کی طرف جاؤں تو اس سے نقض معاہدہ کا الزام نہ ہو یا کسی وجہ سے بنیامین کا چھٹکارا ہو جائے وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اسی لیے کہ وہ حق و عدل کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں فرمائے گا۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں مداہنۃ اور میل الی الباطل نہیں اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ تم ابا جی سے جا کر عرض کرو کہ تمہارے بیٹے بنیامین نے چوری کی ہے وَمَا شَهِدْنَآ اور ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ واقعی اس نے چوری کی ہے اس لیے ہم اس پر چوری کی گواہی نہیں دیتے اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہو وہ یہی کہ شاہی پیمانہ اس کے سامان سے نکلا تھا جسے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وَمَا كُنَّا لِلْغَیْبِ اور وہ حال جو ہم سے مخفی ہے حٰفِظِیْنَ ۝ اس کے ہم نگران نہیں یعنی ہمیں حقیقۃ الامر کی کوئی خبر نہیں کہ حق وہ ہے جو ہم نے دیکھا یا اس کے برعکس اگرچہ ہم نے آنکھوں سے دیکھا کہ چوری کا مال بنیامین کے سامان سے نکلا لیکن حقیقۃ الامر سے ہم یکسر بے خبر ہیں نہ معلوم انہوں نے بنیامین کے سامان میں شاہی پیمانہ عمداً رکھ کر اسے چور بنایا یا واقعی اس نے چوری کا ارتکاب کیا وَسْئَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا (ربط:) چونکہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں انہیں پہلے تہمت لگ چکی تھی اسی لیے بڑے بھائی نے انہیں بار بار سمجھایا اور ایک اور طریقہ بتایا کہ جس سے ان پر تہمت کا وہم و گمان نہ رہے۔ چنانچہ انہیں سمجھایا کہ والد گرامی سے کہنا اور آدمی بھیج کر مصر والوں سے پوچھیے کہ حقیقت حال کیا ہے تاکہ ہماری صداقت اظہر من الشمس ہو جائے وَالْعِیْرَ الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ اور اس قافلہ سے پوچھ لیجیے جو ہمارے ساتھ مصر سے اناج لے آئے ہیں اس سے یعقوب علیہ السلام کے کنعانی ہمسائیگان مراد ہیں وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ اور بے شک ہم اس واقعہ میں سچے ہیں۔ یہ وصیت کر کے وہ یوسف علیہ السلام کے پاس چلا گیا یوسف علیہ السلام نے فرمایا آپ کیوں واپس آ گئے۔ اس نے کہا میرے بھائی کو غلام بنا لیا مجھے اس کے ساتھ ملا لیجیے اور ہمارے ساتھ حسب دستور احسان و کرم فرمائیے۔ قَالَ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ یعقوب علیہ السلام کے ہاں پہنچے تو انہوں نے کیا کہا؟ جواب دیا کہ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بَلْ سابق مضمون سے اعراض ہے یعنی ان کے کلام میں دعویٰ متضمن ہے کہ ہم بنیامین کے معاملہ میں بالکل بری ہیں اور جو کچھ بنیامین کے ساتھ ہوا اس میں ہمارا فعلاً و قولاً کسی قسم کا دخل نہیں۔ گویا یعقوب علیہ السلام نے ان کے دعویٰ سے اعراض کر کے فرمایا جو کچھ تم بیان کر رہے ہو معاملہ یوں نہیں بلکہ در اصل بات یہ ہے کہ سَوَّلَتْ

Scanned with CamScanner

لکُمْ تمہارے لیے سنگار اور آسان کیا ہے اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا تمہارے نفسوں نے معاملہ کو یعنی تمہارے وہ امور جن کا تمہیں ارادہ تھا اسے تم نے کر لیا یعنی نہ تم فتویٰ سناتے (کہ چور کی سزا غلام بنانا ہے) نہ وہ بنیامین کو گرفتار کرتا ورنہ بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ ہماری شریعت کا قانون اسی طرح ہے کیونکہ یہ فتویٰ دینِ یعقوب علیہ السلام کے مطابق تھا ورنہ بادشاہ کا قانون تو اور تھا۔ خلاصہ یہ کہ نہ تم فتویٰ دیتے نہ بادشاہ بنیامین کو گرفتار کرتا اسے اتفاقی امر سمجھیے کہ وہاں یعقوب علیہ السلام نے تحکیم سے صاحبزادوں پر الزام لگایا تو صحیح نکلا لیکن یہاں واقعہ کے خلاف ہوا۔ یہ دراصل صاحبِ روح البیان کا خیال ہے ورنہ یہاں بھی یعقوب علیہ السلام نے واقعہ کے عین مطابق فرمایا ہے اس لیے کہ بنیامین نے چوری کی ہی نہیں تھی۔

ف: شیخ سعدی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انسان ایک دفعہ جھوٹ بولے تو بعد میں ہزار بار سچی بات کہنے سے بھی اس کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ مثلاً ابنائے یعقوب علیہ السلام نے پہلے جھوٹ کہا تو اب اگرچہ سچ کہہ رہے ہیں لیکن یعقوب علیہ السلام نہ مانے بلکہ فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ ۵

کسے را کہ عادت بود راستی
خطا گر کند در گزارند ازو
وگر نامور شد بنا راستی
وگر راست باور ندارند ازو

ترجمہ: کسی کی عادت سچ بولنے کی ہو تو اس کی خطا سے درگزر کیا جاتا ہے اگر جھوٹی بات کرنے میں اس کی شہرت ہو جائے تو بار ہا سچ بولے تب بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ پس میرا معاملہ صبر جمیل ہے۔ صبر جمیل یہ ہے کہ انسان اپنی تکلیف کا شکوہ بندوں سے نہ کرے۔

حکایت حضرت ابوالحسن نے فرمایا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ میری نگاہ ایک حسینہ و جمیلہ عورت پر پڑی۔ میں نے چپکے سے کہا کہ ایسا حسین اور پُر رونق چہرہ قبل ازیں کبھی نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت غم و حزن سے فارغ ہے۔ اس عورت نے میری بات سُن لی اور کہا بھائی جان! آپ نے غلط سمجھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں سراپا حزن و ملال ہوں اور مصائب و تکالیف سے میرا دل زخمی ہے بلکہ میں سمجھتی ہوں میرے جیسا دکھی کوئی اور نہ ہوگا۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ کہا کہ ایک دفعہ میرے شوہر نے میرے دو بچوں کے سامنے بکری کا بچہ ذبح کیا اور تیسرا بیٹا شیر خوار میری گود میں تھا ان دونوں نے بکری کے بچے کو ذبح ہوتے اچھلتا کودتا دیکھا تو تماشہ کے طور ایک نے دوسرے کو ذبح کر دیا۔ میں طعام پکانے میں مصروف تھی۔ بڑے بچے نے چھوٹے کو ذبح کر ڈالا۔ پھر ڈر کے مارے پہاڑ کی جانب بھاگا تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔ میرا شوہر اس کی تلاش میں نکلا تو اسے پیاس نے گھیر لیا تو وہ اس کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ ذبح شدہ بچے کو اور بھیڑیے کے کھانے ہوئے کو اور شوہر کو دیکھنے چلی تو شیر خوار بچہ جل کر مر گیا۔ وہ ہانڈی کے پاس

Scanned with CamScanner

بیٹھا تھا اس نے رینگ کر ہانڈی پر ہاتھ ڈالا۔ ہانڈی اُلٹ گئی تو اس کے گرم پانی اور بوٹیوں نے شیر خوار بچے کا چمڑا جلادیا۔ میری نوجوان شادی شدہ لڑکی کو پتہ چلا تو وہ اس صدمے کی تاب نہ لاسکی، بیہوش ہوکر زمین پر گری اور ڈھیر ہوگئی۔ اب اس تمام خاندان سے میں تنہا رہ گئی ہوں۔ حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا میں اس کی درد بھری کہانی سن کر حیران و ششدر رہ گیا۔ کہا: بی بی! اتنے بڑے حادثے سے کیسے جان بچائے پھر رہی ہو۔ بی بی نے کہا: بھائی! صبر اور جزع کا فرق جسے معلوم ہوتا ہے وہ کبھی غلطی نہیں کرتا سوائے اس کے کہ وہ صبر کرے کہ صبر کا حسن ظاہر اور اس کا انجام بہتر ہے اور جزع فزع کرنے والے کو کسی قسم کا اجر و ثواب نہیں بلکہ سخت سزا۔ مجھے اس کے بیان سے حیرانی ہوئی۔ وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھتی ہوئی چلی گئی ؎

صبرت وکان الصبر خیر معول
وھل جزع یجدی علی فاجزع
صبرت علی ما لو تحمل بعضہ
جبال غرور اصبحت تتصدع
ملکت دموع العین حتی رددتھا
الی ناظری فالعین فی القلب تدمع

ترجمہ: میں نے صبر کیا اور صبر اچھا عمل ہے مجھے جزع کچھ فائدہ دیتا تو میں ضرور جزع فزع کرتی۔
میں نے صبر کیا اگر یہ بوجھ پہاڑوں پر ڈالا جاتا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجاتے۔
میں نے اپنے آنسوؤں کو قابو کرکے انہیں واپس کردیا البتہ دل کی آنکھ آنسو بہا رہی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ط شاید اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے ہاں لے آئے۔ یعنی یوسف علیہ السلام اور بنیامین اور تیسرا جو مصر میں خود بخود ٹھہر گیا تھا۔ پہلی دفعہ جب یوسف علیہ السلام کو بھائی جنگل میں لے گئے وہ بارہ تھے۔ یوسف علیہ السلام گم ہوئے تو گیارہ باقی رہ گئے۔ پھر بنیامین اور تیسرے کو مصر میں چھوڑ آئے تو باقی نو رہ گئے تھے۔ اسی بنا پر یوسف علیہ السلام نے صیغہ جمع فرمایا۔ اس سے یعقوب علیہ السلام کے علم کا ثبوت ہے کہ انہیں علم تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ تھے ورنہ جمع کا صیغہ لانے کا کیا معنیٰ۔ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ بیشک وہی اللہ تعالیٰ حزن و ملال کو خوب جانتا ہے الْحَكِيمُ ۞ بڑی حکمت والا ہے۔ اس نے جس مصیبت میں مبتلا فرمایا اس کی کوئی حکمت ہوگی۔

ف: آزمائش و امتحان تین قسم ہے:

۱۔ بندوں کو کسی عمل کی سزا پر فوراً مصیبت میں مبتلا فرمانا۔

۲۔ آزمائش میں اس لیے مبتلا کرنا تاکہ وہ اپنا ما فی الضمیر ظاہر نہ کرے جس سے مخلوق کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے

Scanned with CamScanner

نزدیک اس کا کھنا ترہے۔

۲۔ محض بندے کی کرامت اور قربت الٰہی کے اضافہ کے لیے جیسے یوسفؑ صرف ارادۂ زلیخا سے اور بادشاہ کے شرابی نوکر اذکرنی عند ربک الخ کہنے سے کئی سال جیل میں رہے۔

دوسری مثال یعقوب علیہ السلام کی ہے۔ مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ایک گائے کے بچھڑے کو اسکی ماں کے سامنے ذبح کیا اور بچھڑے کی ماں شور مچاتی رہی۔ اور جب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اسے پیارے! میں نے آپ کو کئی سال مغموم رکھا اور اسی سال یوسف علیہ السلام کو تجھ سے کیوں جدا رکھا۔ یعقوب علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! تو بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: اس لیے کہ آپ نے ایک دن بکری کا بچہ ذبح کر کے گھر میں کھانا پکایا لیکن اپنے ہمسایہ کو کچھ نہ دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام سے آزمائش کا سبب ایک لونڈی کے بچے کی خرید تھی اس لیے کہ آپ نے بچے کو خرید لیا اور اس کی ماں کو نہ خریدا۔ اس کی ماں اپنے بچے کے فراق میں روتی رہی یہاں تک کہ وہ اندھی ہو گئی۔

بعض مواقع صرف آزمائش کے لیے ہوتے ہیں جیسے ایوب علیہ السلام کی آزمائش کر کے ان کے لیے خود فرمایا:
اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔

تیسری قسم یعنی آزمائش صرف قرب و کرامت کی وجہ سے ہو۔ جیسے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام نے کوئی خلاف اولیٰ عمل نہ کیا اور نہ ہی اس کا ارادہ فرمایا لیکن تاہم انھیں مصیبت میں مبتلا کیا گیا یہاں تک کہ انھیں ذبح کر کے ان کا سر مبارک ہدیہ کے طور بنی اسرائیل کی ایک زانی عورت کے ہاں بھیجا گیا۔

مسئلہ: جتنی اقسام ہم نے بیان کیں سب میں بوجہ صبر و عدم اضطراب اجر و ثواب برابر ہے۔

حکایت ایک شخص رات کو نفل دوگانہ و دیگر اوراد پڑھنے کے لیے اٹھا تو اسے سردی سے سخت تکلیف ہوئی۔ اس وجہ سے وہ رو پڑا۔ اسی اثنا میں اسے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ اس بندے کی کیا سزا ہے جسے ہم اپنی عبادت کے لیے اٹھنے کی توفیق بخشیں اور دوسروں کو غفلت کی نیند میں سلائے رکھیں اس پر بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی مانگی اور استغفار کی۔

حکایت حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے استاد ابو علی دقاق کو آخری عمر میں کہتے سنا کہ ہر حالت میں حفظ توحید کی حفاظت کی وجہ سے بیماری بڑھ گئی اس کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ اگر تجھے احکام الٰہی میں معترض سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو صبر سے کام لینا لازمی ہے یہاں تک کہ جسم کا کوئی حصہ بھی حرکت نہ کرے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

Scanned with CamScanner

6

عاشقاں را اگر در آتش می پسند د لطف یار
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عاشقوں کو لطفِ محبوب اگر آگ میں ڈالنا پسند کرتا ہے تو پھر وُہ عاشق بڑا بدبخت ہے جو چشمۂ کوثر کو دیکھے۔

وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ جب یعقوب علیہ السلام نے ان سے مکروہ اور اندوہناک خبر سُنی تو اس سے روگردانی فرمائی۔

کاشفی نے لکھا کہ جب یعقوب علیہ السلام نے ازغایت ملال اپنی توجہ بیت الاحزان کی جانب مبذول فرمائی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رواے ہمدم تو در بزم طرب با دوستاں خوش زی
مرا بگزار تا تنہا دریں بیت الحزن می روم

ترجمہ: اے میرے ساتھی! تم خوش وخرم ہو کر بزم طرب میں جا کر دوستوں کے ساتھ زندگی بسر فرمائیے۔ مجھے اکیلا بیت الحزن میں چھوڑ دے میں وہیں جانا پسند کرتا ہوں۔

وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ الاسف بمعنے اشد الحزن والحسرة یعنی سخت ترین حزن و حسرت کو اَسَفٌ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دراصل یا اَسَفِیْ تھا۔ یائے متکلم کی طرف مضاف ہو کر پھر یاء تخفیفاً الف سے تبدیل کی گئی ہے اس لیے کہ فتحہ اور الف کسرہ اور یاء سے زیادہ خفیف ہیں۔ اسی اسف کو ندا دیتے ہُوئے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اے حسرت اور حزن! آجا، حاضر ہو جا، یہی تیری حاضری کا وقت ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گرچہ یُوسف زما شوی غائب
ہمچو یعقوب ما و یا اسفا

ترجمہ: اگر تم مجھ سے یُوسف علیہ السلام کی طرح غائب ہو جاؤ گے تو ہم یعقوب علیہ السلام کی طرح کہیں گے یا اسفا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

یوسف عزیزم رفعت اے برادران رحمی
کز غمش عجب دیدہ ام حال پیر کنعانی

ترجمہ: اے میرے یُوسف عزیز! تیری بلندی کا کیا کہنا۔ اے بھائیو! رحم کرو اس کے غم سے پیر کنعانی کا حال عجیب وغریب دیکھا ہے۔

Scanned with CamScanner

سوال: یعقوب علیہ السلام نے تو اس وقت بنیامین اور اس کے ساتھ رہنے والے یہودا وغیرہ کا نام لینے تھے اس لیے اس وقت تازہ زخم انہی کی جدائی و فراق سے ہوا تھا اس وقت یوسف علیہ السلام کو درد بھری آواز سے یاد کرنا کیا معنیٰ؟

جواب ۱: تاکہ معلوم ہو کہ یعقوب علیہ السلام کو سب سے بڑا صدمہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا تھا اسی لیے اس موجودہ درد کے وقت پرانا درد تازہ ہو گیا اسی لیے انہیں یاد فرمایا تاکہ انہیں یقین ہو کہ یوسف علیہ السلام کی جدائی کا زخم دل پر تا حال مزید گھاؤ لگا رہا ہے۔

جواب ۲: تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ان تمام مصائب کا اصل سبب یوسف علیہ السلام ہیں۔ نہ ان سے پیار ہوتا نہ یوں صدمے ہوتے۔

جواب ۳ وہابی کش: دراصل یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی زندگی کا علم تھا اور ان کے تمام حالات سے باخبر تھے لیکن عدم اظہار پر مامور من اللہ تھے اب چونکہ اس کے اظہار کا وقت قریب آگیا اسی لیے اب قرآن سے بتایا پھر اسے مراحل[1] بتائیں گے۔ صاحب روح البیان نے اسی طرف اشارہ فرمایا:

ولانہ واثقاً بحیاتھما عالماً بمکانھما طامعاً فی ایابھما۔	یعقوب علیہ السلام کو ان کی حیات کا علم تھا اور ان کے رہنے سہنے کو جانتے اور ان کے لوٹنے کی امید رکھتے تھے۔

سوال: یوسف علیہ السلام پر فرض تھا کہ وہ والدگرامی کو مطلع کرتے تاکہ ان کی پریشانی دور ہوتی۔[2]

جواب: یوسف علیہ السلام والدگرامی کی طرح مامور من اللہ تھے اسی لیے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ملی انہوں نے اطلاع دینے کی جرأت نہ فرمائی۔ یہ راز ہوتے ہیں۔ (ما بین الانبیاء والاولیاء ومعبودھم الا لہ جل جلالہ ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون)

حدیث شریف انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا بوقت مصیبت، یہ صرف حضور علیہ السلام کی امت کا خاصہ ہے۔ اس سے قبل کسی امت کو بوقتِ مصیبت اس کلمے کے کہنے کی اجازت نہیں تھی۔

ف: یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس قدر بڑے مصائب میں مبتلا ہونے کے باوجود کبھی انا للہ وانا الیہ راجعون نہ پڑھا بلکہ یا اسفیٰ علیٰ یوسف فرمایا۔

---

[1] دفع الاتاسف عن علم ابی یوسف میں اس کی تفصیل پڑھیے۔

[2] یہ سوال وجواب دورِ حاضرہ کے معتزلہ وہابیہ کے اعتراضات میں بڑا کام دیتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ابو میسرہ نے کہا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہشت میں داخل فرمایا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھوں گا کہ جناب نے

اعجوبہ اپنے والدگرامی کو اتنے سال کیوں پریشان رکھا تھا۔ نہ آپ نے انہیں خط لکھا نہ انہیں اپنے حالات سے آگاہ فرمایا تاکہ وہ غم والم سے تسکین پاتے۔

صاحبِ روح البیان کا ابو میسرہ کو جواب اور وہابیوں دیوبندیوں کا ردِّ بلیغ

(صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ ابو میسرہ کی جرأت بیجا ہے اور انہیں صحیح حدیث شریف کا مضمون یاد نہ رہا ورنہ یوسف علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ آپ نے والدگرامی کو نہ خط لکھنا ہے نہ اطلاع دینی ہے ورنہ[1] انبیاء علیہم السلام کی شان سے بعید ہے کہ اپنے والدین سے ایسا ناروا سلوک رکھیں۔ ہم عام آدمی ایسے نہیں کرسکتے اور ایسے اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام اس طرح کیسے کرسکتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے والدگرامی سے صرف آٹھ مراحل کے فاصلے کی دوری پر تھے۔

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ اور یعقوب علیہ السلام کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئیں اور ان کے سفید ہونیکا موجب یوسف علیہ السلام کی جدائی سے گریہ اور آنسو بہانا تھا۔ اس لیے کہ طبی اصول ہے کہ جب آنکھوں سے آنسو بکثرت نکلیں تو آنکھیں سفید ہوجاتی ہیں جیسے شعیب علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اتنا روئے کہ نابینا ہوگئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کی بینائی لوٹادی۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام خوب روئے یہاں تک کہ بصارت چلی گئی۔ یہی قول صحیح تر ہے[2] جیسے فَارْتَدَّ بَصِيْرًا سے معلوم ہوتا ہے ؎

ز گریہ بر سر مردم یقین کہ خانۂ چشم
فرو رود شبِ ہجراں ازبس کہ باراں ست

ترجمہ: لوگوں کا بہت رونا آنکھوں کی بینائی کے چلے جانے کا سبب ہے۔ پھر اس کا کیا حال ہوگا جو محبوب کے فراق میں ہر وقت آنسوؤں کا مینہ برساتا ہے۔

ف: مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے فراق سے اسی سال مسلسل روتے تھے تھوڑے سے لمحے میں بھی آپ کی چشم ہائے مبارک سے آنسو نہیں رکے اور روئے زمین پر یعقوب علیہ السلام جیسا اور کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم ترین نہیں تھا۔

سوال: یعقوب علیہ السلام کی چشمان مبارک کی بینائی یوسف علیہ السلام کے فراق واشتیاق سے کیوں چلی گئی؟

---

[1] یہی حال یعقوب علیہ السلام کا تھا لیکن وہابی یعقوب علیہ السلام کی لاعلمی کی رٹ لگائے جارہے ہیں۔

[2] یعنی اس توجیہ پر جسے روح البیان نے فرمایا ورنہ انہیں عام نابینا کہنا ناجائز ہے ایسے ہی حضرت شعیب علیہ السلام۔

Scanned with CamScanner

جواب : تاکہ اولاد کو دیکھ کر مزید حزن و ملال کا اضافہ نہ ہو ۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ ایک شئے کو دیکھنے سے دُوسری شئے یاد آجاتی ہے ۔ یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ایک قسم کی شفقت اور رحمت تھی ۔

جواب۲ : صرف یعقوب علیہ السلام کے اظہار رفعت کے پیش نظر ، اس لیے کہ شہود جمال الٰہی کا مظہر حضرت یوسف علیہ السلام تھے جب وہ اوجھل ہوگئے تو غیروں کو دیکھنا گوارہ نہ تھا اسلئے بینائی کو بھی روپوش کرلیا گیا ۔ جب یوسف علیہ السلام مل گئے تو بینائی بھی لوٹا دی گئی ۔

اس جواب کی دلیل حدیث مندرج ذیل سے ہے :

حدیث قدسی ۱ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے روایت کرکے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل ! اس بندے کی جزا کیا ہونی چاہیے جس کی آنکھیں چھین لی جائیں ۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ ! ہمیں کیا معلوم ہم تو اسی قدر جانتے ہیں جس قدر تو نے ہمیں علم عنایت فرمایا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اس کی جزا یہ ہے کہ یہ شخص ہمیشہ میرے گھر میں رہ کر میرے چہرۂ اقدس کو دیکھتا رہے ۔ یعنی وہ دیدار الٰہی سے سرفراز ہو ۔

حدیث شریف ۲ اللہ تعالیٰ کا دیدار قیامت میں سب سے پہلے نابینا کو نصیب ہوگا ۔

مزید تائید بعض مشائخ نے فرمایا کہ جمال یُوسفی جمال مطلق کا ایک مظہر تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی خاص سے یُوسف علیہ السلام کو نوازا ۔ اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام اور تمام اہلِ مصر وغیرہ ان کی محبت میں مبتلا ہوگئے تھے ۔ جب یوسف علیہ السلام جدا ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی بینائی بند کر دی گئی تاکہ جمال مطلق کے مظہر کے سوا کسی غیر کو نہ دیکھیں ۔

سبق : اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب تک اپنی ظاہری بینائی کو فنا نہیں کرتا اس وقت تک اُسے جمال مطلق کا مشاہدہ نہیں ہوتا ۔ ؎

ہر مشقت مقدمہ راحتے بود
شد ہزباں حق چوں زباں کلیم سوخت

ترجمہ : ہر محنت و مشقت راحت کا مقدمہ بنتی ہے موسیٰ علیہ السلام زبان جلا کر ہی کلیم اللہ بنے ۔

فائدہ صوفیانہ عارف جمال مطلق کا عین الیسر سے مصر یعنی وجودِ انسانی میں مشاہدہ کرتا ہے اور قویٰ و حواس تمام اس کے زیر فرمان ہوتے ہیں ۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ تکالیف و مصائب کے وقت افسوس کرنا اور طبعی[1] رونا جائز ہے اس لیے کہ

---

[1] ہم نے طبعی رونے کی قید اس لیے لگائی ہے کہ شیعہ پارٹی ماتم حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے مذہب میں ایک اعلیٰ مقام (باقی صفحہ آئندہ)

Scanned with CamScanner

اضطراری آنسو بہانے کو نہیں روکا جا سکتا اور نہ ہم ایسے رونے سے روکا جا سکتا ہے اور نہ ہم رشنے کے روکنے کے مکلف ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیتے ہیں حالانکہ ان کا یہ تمام ماتم اختیاری ہونے کے علاوہ ایک مستقل فن کاری پر مشتمل ہوتا ہے جسے بجائے شرعی اہمیت حاصل کرنے کے ایک تماشہ اور کھیل بن چکا ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۷۶ء میں موجودہ دور کے ماتم کی صورت بیان کی گئی ہے ناظرین مضمون کو دیکھ کر اندازہ لگائیں کہ ماتم ایک شرعی مسئلہ ہے یا فنکاری۔ جن بزرگوں نے بنی نوع انسان کو صبر کی پیہم تلقین کی۔ صبر کے فوائد سے آگاہ کیا اور صبر کو شرف انسانیت تسلیم کیا اور کرایا انہوں نے بھی غم کی شدت میں ایسی اضطراری حرکات کیں جنھیں مختصراً ماتم کا نام دیا جا سکتا ہے اس طرح شدتِ غم میں ہاتھوں کی اضطراری حرکت ہی ماتم کہلائی۔ غمِ حسین کی نوعیت و کیفیت کا صحیح اندازہ کون لگا سکتا ہے اور اس غم کے اظہار کے لیے ماتم میں جو فرق ہے اس پر بات ہو سکتی ہے کہ اضطرار جب اختیار کی صورت میں ظاہر ہو تو ماتم آہستہ آہستہ فن کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور جب مقررہ دنوں میں مقررہ راستوں سے ماتم جلوس گزرنے اور گزارنے کا اہتمام ہو تو اس فن میں جزئیات بھی کمالات کی متقضی ہوتی ہیں۔ عشرہ محرم سوگ کے ساتھ ساتھ ماتم کا عشرہ بھی ہے۔ سوگ کی صورتوں میں فن کا لحاظ کم رکھا جاتا ہے صرف سوگ کی علامتوں پر زور دیا جاتا ہے مثلاً سیاہ پوشی، بارگاہوں کا عزاداراہ دروبست، علم و نشان کی تزئین و تنصیب، مجالس عزا کا انعقاد جن میں اہلبیت رسالت کے فضائل و مصائب اور مناقب و نوائب کا بیان ہوتا ہے۔ مرثیہ خوانی اور سلام کی پیشکش بلاشبہ مجالسِ عزا اور محافلِ غم میں بھی پڑھنے والوں کو کسی قدر فنِ تقریر یا فنِ ادائیگی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے لیکن یہاں غم اس فن پر حاوی رہتا ہے جن لوگوں نے لاہور میں میر عوض علی کو سوز پڑھتے سُنا ہے وہ اس امر کی تصدیق کریں گے کہ ان کی سوز خوانی میں فنِ موسیقی کا کتنا لحاظ رکھا جاتا تھا تاہم سوز کی رقت آفرینی فن پر غالب آجاتی تھی لیکن ماتم کا معاملہ فن کے لحاظ سے کچھ یوں ہے کہ فن ماتم پر غالب آجاتا ہے ماتم کا ایک طریقہ تو بہت سادہ ہے کہ مجلس کے اختتام پر عزادارانِ حسین قیام کرتے ہیں اور نوحہ خوانی کے ساتھ ماتم کرتے ہیں یہ ماتم اکثر ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور نوحے یا مرثیے کی لَے میں تیزی آجائے تو دو ہتھڑ بھی مارے جاتے ہیں اور ماتم دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے لیکن ماتم میں فن زیادہ تر اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب ماتمی جلوس نکلتے ہیں ان جلوسوں میں نشان عزا تو محض علم ہوتے ہیں کہیں مزارِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شبیہہ تعزیے کی صورت میں ہوتی ہے۔

اور کہیں ذوالجناح نشانِ عزا ہوتا ہے یہ ماتم عموماً عزاداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ ان کی رفتار سے بھی متعلق ہوتا ہے۔ یعنی ماتم دار حلقہ بنا کر اور ایک مقام پر رُک کر ماتم بھی کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ جلوس کو آگے بھی بڑھاتے جاتے ہیں۔ جلوس کے ماتم میں سینہ زنی ہوتی ہے تو اس کا رنگ اضطراری نہیں اختیاری ہوتا ہے بلاشبہ بنیاد تو اس ماتم کی بھی غمِ حسین ہوتا ہے لیکن سینہ زنی میں ہم آہنگی اور اس آہنگ کی سست اور تیز صورتیں ماتم پر فن کو غالب کر دیتی ہیں۔ سینہ زنی کے علاوہ ماتمی جلوس میں زنجیروں کا ماتم بھی ایک مخصوص انداز و آہنگ کے ساتھ ہوتا ہے ان زنجیروں کے پھل تلوار کی دھار (باقی برصفحہ آئندہ)

Scanned with CamScanner

اس لیے کر بہت تھوڑے لوگ ہیں جو شدائد کے وقت اضطراری آنسو بہانے کو روک سکیں۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو السیف القین کے گھر گئے یہ وہ صاحب ہیں جن کے گھر حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہو رہی تھی آپ نے حضرت ابراہیم کو گود میں لے کر انھیں چوما اور سونگھا۔ پھر دوسری دفعہ ہم ابو السیف کے گھر گئے تو حضرت ابراہیم پر سکرات طاری تھی انھیں دیکھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ مبارکہ سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی بچے کی وفات پر آنسو بہا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اے ابنِ عوف! یہ رحمت کی علامت ہے۔ یہی کلمات طیبہ منہ مبارک سے نکلے تو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) کی طرح تیز ہوتے ہیں اور زنجیر کی زد چونکہ کاندھے اور کمر پر پڑتی ہے اس لیے چند لمحوں کے ماتم میں ہی ماتم دار خون میں تربتر ہو جاتا ہے۔ ماتمی جلوس میں تلواروں کے ماتم کا دستور بھی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ماتم دار تلوار کو پیشانی پر مارتا ہے بسا اوقات شدید جذبات میں تلوار کا گھاؤ گہرا بھی ہوتا ہے اس لیے تلوار کے ماتم میں یہ اہتمام بھی ہوتا ہے کہ ماتم کرنے والے کے پیچھے ایک صاحب چوبی دستہ اس طرح لے کر کھڑے ہوتے ہیں کہ تلوار کا زیادہ دباؤ اس دستے پر سہارا لیتا ہے اور ماتم دار کی پیشانی پر تلوار کی زد اتنی ہی پڑتی ہے کہ مہلک ثابت نہ ہو۔ اختیاری ماتم کی ایک صورت انگاروں پر ماتم کرنا کہ لکڑیوں کا بھاری الاؤ جلا کر انگارے زمین پر پھیلا دیے جاتے ہیں اور اس سے پہلے کہ وہ کجلائیں ماتم دار برہنہ پا ان انگاروں پر سے ماتم کرتے ہوئے گزرتے ہیں اس طرح ماتم کی ان اختیاری صورتوں میں غم کی شدت پر فن کی مہارت غالب رہتی ہے اور ماتم داروں کو زیادہ گزند نہیں پہنچتا اس وقت سوال ماتم کے جواز یا عدم جواز کا نہیں بلکہ بات صرف اضطراری ماتم اور اختیاری ماتم میں غم کے ساتھ اگر دوسری باتوں کا لحاظ نہ رکھا جائے تو ماتمی جلوس میں بے لطفی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ سینہ زنی میں تو صرف آہنگِ ماتم ہی کا خیال رکھا جاتا ہے لیکن تلوار کے ماتم میں پاؤں کی حرکات بھی ایک خاص ضابطے کی پابند ہوتی ہیں۔ اور اس طرح اس میں بھی فن اپنی جھلک دکھاتا رہتا ہے۔ ایک سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ماتم داروں نے ماتم کی مختلف صورتیں اختیار کر کے اسے فن تک پہنچایا ہے یا غمِ حسین کی تاثیر ہے کہ اس نے انسانی خون فولادی زنجیر اور تلوار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے کہ یہ چیزیں بھی عزاداری میں شامل ہو گئی ہیں۔ یہاں بات فن کی نہیں رہتی بلکہ محبت و عقیدت کے دائرے میں آجاتی ہے اور یہ فیصلہ سوگوارانِ حسین ہی کر سکتے ہیں کہ اضطراری ماتم اور اختیاری ماتم میں کونسی چیز عزاداریٔ حسین کے شایانِ شان ہے۔ بینوا توجروا۔ ——— ان کرائف کو پڑھ کر منصف مزاج خود جواب دے کیا یہ ماتم شرعی ہو سکتا ہے۔ سنجیدہ طبقہ تو ایسے ماتم کو دیکھ کر مارے شرم کے سر جھکا دیتا ہے اور غیر سنجیدہ اور بے عقل کو زہر بھا سکتے ہیں انکے اپنے مذہب بلکہ جن شیعہ علماء کرام نے انھیں اس گندی رسم سے روکا تو ان لوگوں کو وہابی شیعہ کا ذلیل خطاب ملا۔

آنسو پاک چشمان مبارک سے گرے اور فرمایا کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور قلب کو غم اور حزن لاحق ہوتا ہے۔ لیکن ہم زبان سے صرف وہی بات کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی رضا پر مشتمل ہو گی پھر حضرت ابراہیم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے بیٹے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے اس وقت وہ ڈیڑھ سال کے تھے۔

شیعوں اور عوام جہال کا رد شیعہ روافض اور عوام جہال کا چیخنا چلانا، بین کرنا، طمانچے مارنا، سینہ کوبی کرنا اور گریبان چیرنا اور کپڑے پھاڑنا ناجائز ہے اور یہ جاہلوں کا کام ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی صاحبزادی کے بیٹے کی فوتیدگی کے وقت گریہ فرمایا تو عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ گریہ فرماتے ہیں حالانکہ ہمیں آپ نے رونے سے بار بار روکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اضطراری رونے سے نہیں روکا البتہ دو احمق آوازوں سے منع کیا ہے:

۱۔ فرح (خوشی) کے وقت

۲۔ ترح (غم) کے وقت

نکتہ: المغرب[1] میں ہے کہ الحمق بمعنے نقصان العقل اور بین یعنی ترنم فی اللعب کی آواز کو حماقت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کے مرتکب (ہر دو) عقل سے محروم اور احمق ہیں۔

ف: رونا تین قسم ہے:

۱۔ من اللہ ——— یعنی اللہ تعالیٰ کی توبیخ و تہدید سے۔

۲۔ الی اللہ ——— یعنی اللہ تعالیٰ کے شوق و محبت میں۔

۳۔ علی اللہ ——— یعنی ذوق فراق سے۔

ف: یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے درمیان اس لیے فراق روا رکھا گیا کہ یعقوب علیہ السلام کی محبت ۲ و ۳ کی قسم سے تھی اس لیے کہ محبوب اپنے محب کو محنت و مشقت میں ڈالتا ہے۔

عجوبہ انبیاء علیہم السلام میں سے تین حضرات نابینا ہوئے،

۱۔ اسحٰق علیہ السلام

۲۔ یعقوب علیہ السلام

۳۔ شعیب علیہ السلام

---

[1] نام کتاب لغت

اور اشرافِ اقوام سے مندرجہ ذیل حضرات نابینا ہوئے۔

۱۔ عبدالمطلب بن ہاشم

۲۔ امیہ بن عبدشمس

۳۔ زہرہ بن کلاب

۴۔ مطعم بن عدی

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مندرجہ ذیل حضرات نابینا ہوئے۔ ان میں بعض حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں بعض آپ کے وصال کے بعد نابینا ہوئے۔

۱۔ البراء بن عازب — ۲۔ جابر بن عبداللہ

۳۔ حسان بن ثابت — ۴۔ الحکم بن ابی العاص

۵۔ سعد بن ابی وقاص — ۶۔ سعید بن یربوع

۷۔ صخر بن حرب ابو سفیان — ۸۔ عباس بن عبدالمطلب

۹۔ عبداللہ بن الارقم — ۱۰۔ عبداللہ بن عمر

۱۱۔ عبداللہ بن عباس — ۱۲۔ عبداللہ بن عمیر

۱۳۔ عبداللہ بن اوفی — ۱۴۔ عتبان بن مالک

۱۵۔ عتبہ بن مسعود الہذلی — ۱۶۔ عثمان بن عامر ابو قحافہ

۱۷۔ عقیل بن ابی طالب — ۱۸۔ عمرو بن ام مکتوم المؤذن

۱۹۔ قتادہ بن نعمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

فَهُوَ كَظِيمٌ[۱] ○ اپنی اولاد پر غصہ سے بھر گئے لیکن اسے دل میں چھپائے ہوئے تھے۔ ع

دردیست دریں سینہ کہ گفتن نتوانیم

(سینہ میں بہت زیادہ درد ہے جسے ہم بیان نہیں کرسکتے)

---

[۱] اس آیتِ کریمہ سے شیعہ (روافض) نے ماتمِ حسین علیہ السلام پر استدلال کیا ہے۔ فقیر ان کے جوابات قارئین کی نذر کرتا ہے:

۱۔ قاعدۂ اسلامی ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی شرائع منسوخ العمل ہیں۔ قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کے ہوتے ہوئے ہم کسی پہلی شریعت پر عمل کرنے کی مکلف نہیں ہیں۔ (باقی صفحہ ۸۹ پر)

Scanned with CamScanner

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُ یہ دراصل لَا تَفْتَؤُ تھا۔ لا کو حذف کیا گیا ہے بوجہ عدم التباس کے۔ کیونکہ اگر اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸)

۲۔ یعقوب علیہ السلام کے رونے کو ماتم حسینی سے کیا تعلق جبکہ اس میں ہزارہا بدعات اور بے شمار خرافات ہیں۔

۳۔ مصیبت پر آنسو تو بہائے جاتے ہیں لیکن ماتم حسینی کی کیفیت میں کیا ہوتا ہے۔ وہ سب کو معلوم ہے اور پھر یعقوب علیہ السلام کو دیکھیے کہ انہوں نے باوجود رونے کے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور دل ہی دل میں کڑھے اور نوحہ ماتم ان سے سرزد نہ ہوا۔

۴۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اصل واقعہ سامنے رکھیے اور ان کے غم و حزن کا نتیجہ بھی سنیئے۔ تفسیر میں آپ نے پڑھا کہ جب بنیامین کو مصر میں ٹھہرایا گیا تو اس سے یعقوب علیہ السلام کا غم از سر نو تازہ ہوگیا تھا کہ مصیبت پر مصیبت آگئی تو آپ نے ماجرا سن کر کہا فصبرٌ جمیلٌ یعنی میں بہتر صبر کروں گا۔ جب آپ پر صدمہ کی شدت ہوگئی تو آپ علیحدگی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گئے کما قال تعالیٰ،

وَ تَوَلّٰی عَنْهُمْ۔

پھر فرمایا:

یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ۔ (یعنی آہ یوسف)

لیکن اس صدمے کو ایسا دبایا، اور دل ہی دل میں ایسے کڑھے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں۔ کما قال تعالیٰ؛

وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ۔

اور لغت میں اَسَفٌ بمعنے شدت حزن و حسرت ہے نہ کہ شیعوں کا چلانا اور شور مچانا۔ کَظْمٌ بمعنے غصہ کو روکنا اور اسے ظاہر نہ ہونے دینا۔

اس تقریر سے واضح ہے کہ شیعوں کے نوحہ و ماتم بالخصوص شیعوں کے مصنوعی حسینی ماتم کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ غور و فکر اور انصاف سے دیکھا جائے تو مصنوعی ماتم حسینی حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم کی نقیض اور اس کے متضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ یعقوب علیہ السلام تو گوشہ تنہائی میں کڑھتے رہے اور یہ ماتمی بہادر گلی کوچوں میں مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں اور پھر یعقوب علیہ السلام کو دیکھیے کہ حقیقی غم سے آنکھیں سفید ہوگئیں اور یہ لوگ ماتم سے فراغت پاتے ہیں تو غم سے نڈھال ہونے کے بجائے مزید موٹے تازے اور پٹھے کٹے بن جاتے ہیں کیونکہ کہ حلوا کا حلوہ اور دیگر مرغن اشیاء مل جاتی ہیں۔ نفس کی شرارت کا یہ عالم کہ غیر محرم عورتوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا ان کا معمول بن جاتا ہے۔ منصف مزاج تو اسے ماتم نہیں کہے گا متعصب شخص کے ہم ذمہ دار نہیں۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

اثبات ہو تو لام و نون یا ان کا ایک ہونا لازم ہوتا ہے۔ تَذْکُرُ یُوْسُفَ بیٹوں نے کہا، ابا جی! آپ یوسف علیہ السلام کو غم و حزن سے ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا یہاں تک کہ آپ مریض اور قریب المرگ ہو چکے ہیں اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ○ یا جان سے فارغ ہونے والے ہیں۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ محب (عاشق) کے لیے خلقِ خدا کی ملامت ضروری ہے۔ عالمِ دُنیا میں پہلے ملامتی حضرت آدم علیہ السلام ہیں جنہوں فرشتوں نے طعنہ مارا اتجعل فیھا من یفسد فیھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت یہ ملامت سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ہوئی اس لیے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کو اتجعل فیھا الخ خطاب کرکے گویا ملامت کی، وہ اس لیے کہ حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

کما قال: یحبھم اسی لیے عوام محبین کو ہمیشہ ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ سچے عاشق کی علامت یہ ہے کہ وہ ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا ؎

ملامت کن کہ مرا چندانکہ خواہی
کہ نتواں شستن از زنگی سیاہی

ترجمہ: جتنا تیرا جی چاہے مجھے ملامت کرلے اس لیے کہ زنگی سے سیاہی دُھلنے کی نہیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ البث سخت قسم کی پریشانی کہ جس سے صبر کرنا مشکل ہو تو وہ بے صبری کی وجہ سے اپنی شکایت ظاہری کرے یا اسے عوام میں مشہور کرے۔ صاحبزادوں نے یعقوب علیہ السلام کو تسلی کے ساتھ ملامت و شکایت کی تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی پریشانی کا اظہار تمہارے سامنے نہیں کرتا اور نہ کسی اور کو کہ جس سے تم مجھے تسلیاں دو بلکہ میں اپنی پریشانی وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اور حزن اللہ تعالیٰ کو پیش کرتا ہوں اور اسی کی جناب میں التجا اور اسی کے دروازہ پر تضرع و زاری کرتا ہوں اس لیے کہ میری پریشانی اور غم وہی دُور فرمائے گا ؎

راز گویم بخلق و خوار شوم
با تو گویم بزرگوار شوم

ترجمہ: مخلوق کو اپنا راز پیش کروں تو خوار ہوں گا تجھے عرض کرتا ہوں کیونکہ تجھی سے مجھے بزرگی اور عزت ملے گی۔

ف: حزن، بث سے عام ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب عام کا خاص پر عطف ڈالا جائے تو اس سے اس عام کے بقایا افراد مراد ہوتے ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ میں اپنے حزن عظیم اور حزن قلیل کے متعلق صرف اللہ تعالیٰ سے عرض کروں گا۔

سوال: پہلے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا فصبرٌ جمیل۔ اس کے بعد بے صبری کیوں؟ مثلاً فرمایا: یا اسفیٰ علیٰ یوسف۔ اور فرمایا: انما اشکوا بثی وحزنی صبر اور شکوہ سے اجتماع النقیضین لازم آتا ہے۔

Scanned with CamScanner

جواب : یعقوب علیہ السلام نے اپنے نفس کی شکایت اپنے خالق سے کی ہے اور وہ جائز ہے جیسے ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی ،

رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔

باوجود اس شکایت کے اللہ تعالیٰ نے صابر کا خطاب دیا۔ کما قال :

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ۔

یعقوب علیہ السلام نے شکایت کی ہے تو اسی سے ، اور روئے ہیں تو اسی کی جناب میں۔ اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ معذور ہیں اس لیے کہ نفس کو شکوہ شکایت عن الغیر سے روکنا اور اسے غیر کی طرف جھکنے سے باز رکھنا اور تکالیف برداشت کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے سامنے سرجھکانے کا کام حقیقی صبر ہے۔ لسان حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کسی نے کہا ؎

کل شی من الملیح ملیح

لکن الصبر عنہ غیر ملیح

ترجمہ : محبوب کی طرف سے ہر شے محبوب ہے لیکن صبر کر کے اسے محبوب کو عرض نہ کرنا اچھا نہیں۔

اور فرمایا : ؎

والصبر عنک فمذموم عواقبہ

والصبر فی سائر الاشیاء محمود

ترجمہ : تیری جناب میں گزارشات نہ کرنا بُرا ہے تمام معاملات میں غیروں کو شکوہ نہ سنانا بہتر ہے۔

نکتہ : عاشق محبوب کی درگاہ کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اسی لیے وہ اپنی محتاجی اور اپنا حال محبوب کی درگاہ میں پیش کرتا رہتا ہے تضرع و حکایات کا اظہار دراصل عشق کی زبان میں شکایت اور جزع و فزع کا اظہار عشق کے مخالف ہے۔

عاشق رومی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کند

از جدائی ہا شکایت می کند

ترجمہ : نے سے سنیے یہ کیسی باتیں کرتا ہے یہ اپنی جدائی کی شکایت کرتا ہے۔

یعنی واقف حال عاشق کا شکوہ کے طور بات کرنا اپنے حال کی حکایت کرنا اور اپنے محبوب کی جناب اپنی تضرع و زاری اور عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر نبوی علیٰ صاحبہ السلام

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کی آنکھیں کیسے چلی گئیں۔ اور آپ کی کمر کیوں ٹیڑھی ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ آنکھیں یوسف علیہ السلام کی جدائی سے اور کمر بنیامین کے فراق سے ٹیڑھی ہو گئی۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی، کیا آپ غیروں کے سامنے شکوہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، میری پریشانی اور حزن وغم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا، اللہ ہی جانے اور آپ۔ یہ کہہ کر جبریل علیہ السلام واپس چلے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا اللہ! اپنے بوڑھے بندے پر رحم فرمائیے اس کی بینائی بھی گئی اور کمر بھی ٹیڑھی ہو گئی۔ مجھے اپنے دونوں پھول واپس کر دے تاکہ میں انھیں ایک بار تو سونگھ لوں پھر جیسے تیری مرضی۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے، عرض کی، آپ کو اللہ تعالیٰ سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے، اے یعقوب علیہ السلام! آپ کو خوشی ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے دونوں صاحبزادے مر بھی گئے ہوں تب بھی انھیں قبر سے اٹھا کر تیرے سامنے لاؤں گا تاکہ انھیں دیکھ کر تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور ساتھ یہ بھی فرماتا ہے کہ میں نے آپ کی بینائی کیوں ضبط کی اور آپ کی کمر کیوں ٹیڑھی کی ہے اور اخوۂ یوسفؑ نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ یعقوب علیہ السلام نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آپ کے ہاں ایک یتیم مسکین حاضر ہوا وہ روزے دار بھی تھا اور آپ ایک بکری اپنے بچوں کے لیے ذبح کر کے پکانے کے بعد کھا رہے تھے لیکن اس یتیم مسکین کو کچھ نہ دیا اور میں اپنی مخلوق کے کسی ایک فرد کے لیے ایسا نہیں چاہتا چہ جائیکہ یتیم و مسکین ہو۔ اب آپ طعام پکا کر مساکین و یتامیٰ کو کھلائیے۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام ہر شام کو طعام پکا کر اعلان کرتے تھے کہ کوئی روزہ دار ہو تو میرے لنگر خانے پر تشریف لائے۔ جب صبح ہوتی تو طعام پکا کر اعلان ہوتا کہ جس نے کھانا کھانا ہو وہ یعقوبی لنگر میں آ جائے (ذکرہٗ فی الترغیب والترہیب)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نخواہی کہ باشی پراگندہ دل
پراگندگان از خاطر مہل
کہ نیک بنید بہر در سرائے
کہ نیکی رساند بخلق خدائے

ترجمہ: اگر تم چاہتے ہو کہ کبھی پریشانی نہ ہو تو پریشان لوگوں کا خیال دل سے محو نہ ہونے دے وہ شخص دونوں جہانوں میں لذیذ پھل کھاتا ہے جو رب ذوالجلال کی مخلوق کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ اور میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے جانتا ہوں **مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**○ وہ جو تم نہیں جانتے۔ اسی لیے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم اور لطف و کرم فرمائے گا اور مجھے اپنے مقصد میں ناکام نہیں کرے گا اور میں ہی وحی اور الہام ربانی سے یوسف علیہ السلام کا زندہ ہونا جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

علم یعقوب علیہ السلام

مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں ایک فرشتے کو دیکھا اس سے پوچھا کہ میرا یوسف زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ فرشتے نے عرض کی: وہ زندہ ہیں۔

وہابی گُش حوالہ

صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کو لاعلم کہنا جہالت ہے اس لیے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے زندگی کے تمام حالات ان کے خواب سے معلوم کر لیے تھے اور انہیں یقین تھا کہ جب تک اس کے بھائی (والد و والدہ) سجدہ نہیں کریں گے اس وقت تک وہ نہیں مریں گے۔

یوسف علیہ السلام نے والد گرامی کا حال جبریل علیہ السلام سے پوچھا

مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا میرے والد گرامی کا کیا حال ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: انہیں اللہ تعالیٰ نے صبر جمیل عطا فرمایا ہے انہیں ان کی مفارقت پہ آزمایا ہے وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے پوچھا، وہ میری جدائی میں کتنا روئے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: ایسی ستر عورتیں جن کے نوجوان بچے مر جائیں جس قدر وہ روتی ہیں ان سب کے برابر یعقوب علیہ السلام روئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا، میرے والد گرامی کا اجر و ثواب کتنا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: انہیں سو شہیدوں کا ثواب ملے گا اور ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اندریں اثنا اللہ تعالیٰ پر معمولی طور بھی بدگمانی نہیں کی۔

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا (ربط:) سدی نے فرمایا کہ جب صاحبزادوں نے یعقوب علیہ السلام کو مصر کے بادشاہ کے اخلاق و عادات و کمالات سنائے تو انہیں محسوس ہوا کہ وہ نبی یوسف علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ اسی لیے صاحبزادوں سے فرمایا: اے میرے بیٹو! مصر جاؤ **فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ** اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔

حل لغات: تَحَسَّسُوْا بمعنے انہیں اپنے حواس سے معلوم کرو۔ اس لیے کہ تحسس بمعنے شے کو حاسہ کے ساتھ تلاش کرنا۔ تہذیب المصادر میں لکھا ہے تحسس اور تجسس ایک شے ہے اور الاحیاء میں ہے کہ بالجیم بمعنے تطلع الاخبار اور بالعین بمعنے المراقبۃ بالعین اور انسان العیون میں ہے کہ اگر حا سے ہو تو فحص الشخص عن الاخبار بنفسہ اگر جیم سے تو الفحص عنہا بغیرہ مراد ہوتا ہے اور تحسسوا کو یہاں تجسسوا پڑھا جائے تجسسوا کسی قرأت میں نہیں ہے۔

ف: اس سے یوسف و بنیامین علیہما السلام مراد ہیں اور تیسرے کا نام اس لیے نہیں لایا گیا کہ وہ اپنے اختیار سے مصر میں ٹھہرا تھا اسی لیے اس کے لیے چنداں فکر نہیں تھی۔

Scanned with CamScanner

سوال: ابن الشیخ نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام نے پہلے تو ان سے روگردانی فرمائی جو کہ وہ رنج و غصہ کی علامت ہے۔
اور یہاں لطف اور شفقت سے کام لیا غصہ اور شفقت کا اجتماع کیسا۔

جواب: وہ روگردانی اگرچہ بیٹوں سے تھی لیکن اس سے ان کے ساتھ غصہ نہیں تھا بلکہ اپنے آقا و مولیٰ کی طرف توجہ فرمائی اور اس وقت اظہار شکوہ مطلوب تھا نیز کسی سے روگردانی کر کے پھر اس کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آنا ایک دوسرے کی نقیض نہیں ہوتا جبکہ ان میں تقدم و تاخر ہو۔

ف: صاحبزادوں نے عرض کی کہ بنیامین کی تلاش تو ہم کرتے ہیں لیکن یوسف علیہ السلام کو تلاش کرنا عبث ہے جبکہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے اور اس کو بڑا عرصہ گزر گیا۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔
الیأس بمعنے انقطاع الرجاء۔ الاصمعی نے لکھا کہ نسیم کی وہ ہوا جس سے انسان کو سکون حاصل ہوا سے رَوْح کہا جاتا ہے۔

قاعدہ: را، واؤ، حا کی ترکیب میں اس حرکت و اہتزاز کا معنیٰ ہوتا ہے جس شے سے انسان لذت پائے اور اس کی وجہ سے حرکت میں آجائے ــــــــــــ الکواشی میں ہے در اصل قلب کے غم سے راحت پانے کو رَوْح کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس راحت سے نا امید نہ ہو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہو اور مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ (بضم الراء) بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی وہ رحمت جس سے بندگانِ خدا کو زندگی میں نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف کافر ہی نا اُمید ہوتے ہیں اس لیے کہ نہ انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا علم ہوتا ہے نہ صفات کا ورنہ عارف باللہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے لمحہ بھر بھی نا امید نہیں ہوتا اسے دکھ نصیب ہوں یا سکھ اور وہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا الآیۃ کو ہر وقت اپنے سامنے رکھتا ہے۔ نتیجۂ کلام اللہ تعالیٰ کی صنعت عجیب اور اس کی رحمت ہر ایک کے قریب ہے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھنے والا فاسق و فاجر بندہ اس بندے سے اقرب الی اللہ ہے جو عبادت گزار تو ہے لیکن اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی ہے۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص فوت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرا ایک ولی فوت ہوا اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کا انتظام کیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے دیکھا کہ رشتہ داروں نے اس کے فسق کی وجہ سے اسے گندگی کے ڈھیر پر تجہیز و تکفین کے بغیر پھینک دیا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! اس کے بارے میں مخلوق سے تو نے تمام باتیں سنیں اس کے باوجود بھی تو اسے اپنا ولی کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وجہ یہ ہے کہ اس نے موت کے وقت میرے سامنے ایسے تین امور

Scanned with CamScanner

شفاعت کے طور پیش کیے کہ اگر تمام گنہگار مجھے وہی امور شفاعت کے طور پیش کریں تو میں ان سب کو بخشش دوں گا۔

۱۔ اس نے عرض کی کہ یا اللہ! اگرچہ میں نے نفس اور شیطان کے کہنے پر گناہوں کا ارتکاب کیا لیکن دل سے گناہ کرنے کو برا مانتا تھا۔

۲۔ میں اگرچہ معاصی کے ارتکاب سے فاسقوں کے ساتھ رہتا تھا لیکن مجھے تیرے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھنے کی دلی محبت تھی۔

۳۔ اگرچہ میرے پاس ضرورت سے کوئی نیک یا فاسق و فاجر انسان حاضر ہوتا تو میں تیرے نیک بندے کے کام کو فاسق و فاجر کے کام پر ترجیح دیتا۔ وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ اس نے عرض کی: یا اللہ! اگر تو مجھے معاف کر دے تو تیرے انبیاء و اولیاء خوش ہوں گے اور تیرا دشمن شیطان غمگین ہوگا۔ اگر تُو مجھے عذاب دے گا تو انبیاءؑ و اولیا غمگین ہوں گے اور شیطان خوش ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ تجھے اپنے محبوبوں کی خوشی زیادہ محبوب ہے۔ اسی لیے میرے حال پر رحم اور میرے گناہوں سے درگزر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی لیے میں نے اس پر رحم فرمایا اور میں غفور رحیم ہوں۔ خصوصاً اس بندہ کے لیے جو اپنے گناہوں کا اقرار کرے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس لیے کہ وُہی دنیا و آخرت میں دُکھ درد ٹالتا ہے۔

حکایت

ایک شخص کسی جزیرے میں پھنس گیا اس کے پاس زادِ راہ نہیں تھا۔ مایوس ہو کر کہنے لگا:

؎

اذا شاب الغراب اتیت اهلی

وصار القار کاللبن الحلیب

ترجمہ: جس وقت کوا بوڑھا ہوگا تو گھر پہنچوں گا اور ایسے ہی جب سیاہ تیل سفید دُودھ کی طرح ہوگا۔

ہاتف غیب نے جواب دیا: ؎

عسی الکرب الذی امسیت فیه

یکون وراءه فرج قریب

ترجمہ: اسی دکھ کے بعد عنقریب تجھے کشادگی نصیب ہوگی۔

پھر دیکھا تو سامنے کشتی آرہی ہے اس کے ذریعے گھر پہنچ گیا۔

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ یوسف (قلب) اور بنیامین (سِر) کو تلاش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی ان کی خوشبو سے نا امید نہ ہو اس لیے کہ جو اپنے قلب کو پالیتا ہے تو اسے خدا تعالیٰ مل جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مرکز اہلِ ایمان (اولیاء اللہ) کے قلوب ہیں اور اس نے اپنے طالبین سے وعدہ فرمایا ہے کہ جو مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے پالیتا ہے۔ کما قال اَلَا مَنْ طَلَبَنِیْ وَجَدَنِیْ۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کو قلب میں تلاش کرے قالب میں اس کی تلاش عبث ہے۔ اسی طرح اس کا وجدان بھی قلب میں ہوگا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میری خاطر اپنے قلوب میں عجز و نیاز رکھتے ہیں یعنی میری محبت سے ان کے قلوب سرشار ہیں۔

اور انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرون میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طلب کا ترک اور اس کے وجدان سے نا امیدی کفر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ کہ گران و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئندست یابندہ بود

۲ در طلب زن دائماً تو ہر دو دست
کہ طلب در راہ نیکو رہبر ست

۳ لنگ و لوک وخفتہ شکل بے ادب
سوے او می خیز و او را می طلب

۴ کہ بگفت و کہ بخاموشی و کہ
بوے کردن گیر ہر سو بوے شہ

۵ گفت آں یعقوب با اولاد خویش
جستن یوسف کنید از حد بیش

۶ ہر حسے خود را درین جستن بجد
ہر طرف رانید شکل مستعد

۷ گفت از روح خدا لا تایئسو
ہمچو گم کردہ پسر رو سو بسو

Scanned with CamScanner

۸ از رہ حس دہان پرسان شوید 7

گوش را بر چار راہ او نہید

۹ ہر کجا بوے خوش آید بو برید

سوے آں سر کاشناسے آں سدید

۱۰ ہر کجا لطفے بینی از کسے

سوے اصل لطف رہ یابی عسی

۱۱ ایں ہمہ خوشہا ز دریاییست ژرف

جزو را بگزار و بر کل دار طرف

ترجمہ : ۱۔ کمزور سے کمزور بھی جدوجہد کرے تو کامیاب ہو۔ کیونکہ جو بھی کسی کو تلاش کرتا ہے اسے ضرور پاتا ہے۔

۲۔ طلب الٰہی میں دائمی ہاتھ پاؤں مار یعنے جدوجہد کرو کیونکہ نیک راہ میں قالب بہترین رہبر ہے۔

۳۔ کمزور اور ناقص بن کر زندگی ضائع مت کر بلکہ اس کی طلب کر اور اس کی طرف جدوجہد کر۔

۴۔ اسی کے لیے گفتگو اسی کے لیے خاموشی۔ ہر معاملہ اسی کے لیے کیجئے ہر لمحہ اسی کا تصور رہنا چاہیئے۔

۵۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا : یوسف علیہ السلام کو خوب ڈھونڈو۔

۶۔ ہر گلی کوچہ چھان مارو اور اس کی تلاش میں جدوجہد کرو اور اس معاملہ میں سُستی نہ کرو۔

۷۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ ایسے تلاش کرو جیسے کوئی گم شدہ بچے کو تلاش کرتا ہے۔

۸۔ جہاں سے معمولی گمان لگ جائے وہاں سے پُوچھو اور اس کے ہر راہ میں کان رکھو۔

۹۔ جہاں سے اس کی خوشبو سونگھو اسی طرف دوڑو اور پُوچھو۔

۱۰۔ ایسے ہی قاعدہ ہے کہ جس سے لُطف دیکھو اس سے اصل لطف کی طرف راہ حاصل کرو۔

۱۱۔ اس لیے کہ دریائے بے کنار کا قانون ہے کہ جُزو سے کُل حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی بعض اولاد کو حکم فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کو خط لکھیں۔ جس کا مضمون یہ تھا :

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحٰق
ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ الی عزیز
مصر۔

اما بعد! فانا اہل بیت موکل
بنا البلاء اما جدی ابراہیم فانہ ابتلی
بنار نمرود فصبر وجعلہا اللہ
علیہ برداً وسلاماً واما
ابی اسحٰق فابتلی بالذبح
فصبر ففداہ اللہ بذبح عظیم و
اما انا فابتلانی اللہ بفقد ولدی
یوسف فبکیت علیہ حتی ذہب
بصری ونحل جسمی وقد
کنت ابتلی بہذا الغلام
الذی امسکتہ عندک وزعمت
انہ سارق وانا اہل بیت
لا نسرق ولا نلد سارقا فان
رددتہ علی والا دعوت علیک
دعوۃ تدارک السابع من
ولدک۔ والسلام

یہ یعقوب اسرائیل (بندۂ خدا) بن اسحاق
ذبیح اللہ ابن ابراہیم خلیل سے عزیز مصر کی طرف
مراسلہ ہے۔

اما بعد! یاد رکھیے ہمارے گھرانے پر
اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہوتی رہی۔
مثلاً میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے
آزمایا گیا۔ انہوں نے صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے
نار کو گلزار بنا دیا اور اسحاق علیہ السلام میرے
والد گرامی کو ذبح سے آزمایا گیا۔ انہوں نے
صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے ذبح عظیم بھیجا جو ان کی
طرف سے فدیہ بنا اور مجھے میرے بیٹے یوسف
(علیہ السلام) کی گمشدگی سے آزمایا گیا۔
میں اس کے فراق سے رویا اس سے میری
آنکھیں چلی گئیں اور میرا جسم کمزور پڑ گیا۔ اب
دوبارہ میں اسی نوجوان سے آزمایا گیا ہوں
جسے آپ نے روک رکھا ہے اور آپ کا
خیال ہے کہ وہ چور ہے حالانکہ ہمارا گھرانہ
چوری سے پاک ہے بلکہ ہمارے گھرانے میں
تو چور پیدا ہوتا ہی نہیں بہتر ہے آپ میرا
لڑکا واپس بھجوا دیں ورنہ میں ایسی دعا کروں گا
جو آپ کی سات پشتوں تک اثر کرے گی۔
فقط والسلام۔

یہ خط لکھ کر اپنے صاحبزادوں کو دیا اور معمولی سی پونجی مثلاً تھوڑی سی پشم اور گھی وغیرہ تیار کر کے انھیں مصر کی طرف روانہ کیا۔
پہلے اس بھائی کو ملے جو مصر میں خود رہ گیا تھا پھر سارے مل کر یوسف علیہ السلام کو ملے اور قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

عرض کی: اے بادشاہ قادر غالب! مَسَّنَا ہمیں پہنچا ہے وَ اَهْلَنَا اور ہمارے اہل کو وہ جو ہمارے گھر میں ہیں الضُّرُّ فقر و ضرورت و کثرتِ عیال و قلتِ طعام وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ اور لائے ہیں ہم پونجی تھوڑی اور بالکل معمولی جسے دیکھ کر آپ جیسا بادشاہ قبول نہ کرے بلکہ تاجر تو اسے منہ بھی نہ لگائیں اس لیے کہ تاجروں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور پھر وہ حقیر بھی تھی اور ایسی شے بادیہ نشین شہر میں اور بادشاہوں کے ہاں لائیں تو اس کی حالت کو دیکھ کر خود لانے والوں کو شرمندگی ہوتی ہے اور پونجی پشم اور تھوڑا سا گھی تھی اور بس۔ بعض نے کہا کہ وہ صنوبر اور تھوڑے سے بادام وغیرہ یا چند کھوٹے دراہم تھے کہ جنہیں کوئی نہ لے۔ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ پس ہمارے لیے غلہ مکمل عنایت ہو۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہمیں ان کھوٹے دراہم کے عوض اتنا غلہ عنایت فرمائیے جتنا آپ کھرے دراہم کے عوض عنایت فرماتے ہیں وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اور ہمارے اُوپر احسان فرمائیے اور چشم پوشی کے طور یہی کھوٹی پونجی قبول فرمائیے۔ التصدق بمعنے التفضل (احسان و کرم فرمانا) کے ہے۔ اور عرف میں ہر وہ عمل جس سے انسان ثواب پائے اسی لیے عرف میں اللھم تصدق علی نہ کہا جائیگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو بندوں سے ثواب طلب نہیں کرتا بلکہ کہا جائے گا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ۔ یا کہا جائے گا تفضل علی۔ یا کہا جائے گا اِرْحَمْنِیْ۔ یہ ترجمہ اس مذہب کے مطابق ہے جو صدقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متعلقین کے لیے سب کے لیے حرام سمجھتا ہے اگر وہ مذہب اختیار کیا جائے جو صرف ہمارے نبی علیہ السلام کے لیے خاص کرتا ہے تو اس نظریہ پر تصدق حقیقی صدقہ کے معنیٰ میں ہوگا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ بیشک اللہ تعالیٰ احسان و کرم کرنے والوں کو بہتر اور اعلیٰ جزا سے نوازتا ہے۔

اعجوبہ ضحاک نے کہا کہ ان اللہ یجزیک کے بجائے المتصدقین اس لیے کہا کہ انہیں اس وقت یقین نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام (بادشاہ مصر) اہلِ ایمان بھی ہے یا نہ۔ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ ضحاک کا وہم ہے اس لیے کہ اگر ان کی مراد اخروی ثواب تھی تو جمع کے صیغے میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اگر دنیوی جزا مراد ہو تو بھی حرج نہیں اس لیے کہ جزا کا لفظ دنیوی معنیٰ پر بھی ہوتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ ابو الربیع نے فرمایا کہ میں نے ایک دیہاتی عورت کی تعریف سُنی کہ اس کی بکری سے دُودھ اور شہد نکلتا ہے۔ میں نے اس کا مشاہدہ چاہا اور اس کے گاؤں میں پہنچا اور اس کا مہمان ٹھہرا۔ اس نے بکری کا دُودھ نکالا تو میں نے آنکھوں سے دیکھا کہ اس سے واقعی دُودھ اور شہد نکلا میں نے اس سے سبب پُوچھا تو اس نے کہا کہ ہمارے ہاں بکری تھی جس کے دُودھ پر ہمارا گزارا تھا ایک رات کو ہمارے ہاں مہمان تشریف لایا۔ مہمان نوازی ہمارا شیوہ ہے۔ ہم نے وہی بکری ذبح کر کے اس کو کھلا دی۔ اس سے صرف رضائے الٰہی مقصود تھی۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بکری عنایت فرمائی ہے اور یہ مریدین کے دل میں چرتی ہے۔ یعنی ہمارے دل اس سے خوش ہیں اور اس کی برکت سے ہمارا رزق فراخ ہے۔ اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے اور تمہیں رزق فراخ عطا فرمائے۔

Scanned with CamScanner

سبق : اعتقاد صحیح اور نیت خالص اور نیک دلی میں بہت تاثیر ہے۔

حکایت سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ ایک علاقہ سے گزرے جہاں کماد بکثرت تھا۔ کماد والے نے ایک گنا سلطان محمود کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے چوسا تو بڑی لذت محسوس کی۔ بادشاہ کو خیال ہوا کہ اس پر بھی محصول اور ٹیکس ضروری ہے اس لیے کہ اس سے نفع بکثرت کمایا جاتا ہوگا۔ اس ارادہ کے بعد بادشاہ نے دوسرا گنا چوسنا چاہا تو گنا بدمزہ اور بالکل خراب نکلا۔ اسی قبیلے کے بوڑھے سردار نے جب یہ کہانی سُنی تو فرمایا کہ بادشاہ کی نیت بگڑی ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی شاہی میں ظلم و بدعت کی رسم کا اجراء کرے یا اس کا اجراء کر چکا ہے۔ بادشاہ اس بوڑھے سردار کی بات سن کر تائب ہوا اور دل میں جو ارادہ تھا اسے ختم کر دیا۔ پھر اور گنا منگوا کر چوسا تو پہلے کی طرح نہایت لذیذ اور میٹھا پایا۔

سبق : نیت کی تاثیر یوں ہی ہوتی ہے۔

مسئلہ : ضروری نہیں کہ صدقہ صرف مال سے ہو بلکہ ہر نیکی میں صدقہ ضروری ہے۔ مثلاً دو انسانوں میں عدل و انصاف کرنا غریبوں کی امانت ادا کرنا کسی سے نرم گفتگو کرنا نماز کی طرف چلنا راستہ سے ایذا دینے والی شئے کو ہٹانا وغیرہ۔ اسی طرح نوافل بھی۔

ف : بعض لوگوں نے کہا کہ نوافل کا لفظ صرف نماز نفل کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اہل اللہ (صوفیا کرام) نے فرمایا کہ یہ خیال غلط ہے۔ نوافل کا لفظ نماز نفل سے مخصوص نہیں بلکہ ہر زائد عبادت کو نفل سے تعبیر کیا جائے گا۔

حدیث شریف قدسی لا یزال عبدی الخ میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کا بیان فرمایا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ نوافل خیرات و صدقات وغیرہا میں مشغول رہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ یکے در بیابان سگے تشنہ یافت
برون از رمق در حیاتش نہ یافت

۲ کلہ دلو کرد آن پسندیدہ کیش
چو حبل اندران بست دستار خویش

۳ بخدمت میان بست و بازو کشاد
سگِ ناتوان را دمی آب داد

Scanned with CamScanner

۴ خبر داد پیغمبر از حال مرد
که داور گناہان او عفو کرد

۵ الا گر جفا کاری اندیشه کن
کرم پیشه گیر و وفا پیشه کن

۶ کسے با سگے نیکوئی گم نه کرد
کجا گم شود خیر با نیک مرد

۷ کرم کن چنان کت بر آید ز دست
جہانبان در خیر بر کس نبست

۸ گرت در بیابان نباشد چہے
چراغی بنہ در زیارتگہے

۹ بقنطار زر بخش کردن ز گنج
نه چندانکه دینارے از دست رنج

۱۰ برد ہر کسے بار در خورد زور
گرانست پاے ملخ پیش مور

ترجمہ: ۱۔ ایک آدمی کو جنگل میں پیاسا کتا ملا، اس میں معمولی سی زندگی باقی رہ گئی تھی۔
۲۔ اس پسندیدہ طریقے والے نے اپنی ٹوپی کو ڈول بنایا اپنی دستار کو رسی بنا کر ڈول سے باندھا۔
۳۔ خدمت کے لیے کمر باندھی اور بازو کو کھولا۔
۴۔ پیغمبر سے اس کو یہ خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔
۵۔ خبردار اگر ظلم کرتا ہے تو فکر کر۔ کرم اور وفا کا طریقہ اختیار کر۔
۶۔ جس کی کتے کے ساتھ نیکی ضائع نہیں ہوتی۔ پھر کہاں گم ہوتی ہے نیکی انسان کی۔
۷۔ کرم کا طریقہ اختیار کر، اس لیے کہ جو کام تجھ سے ہوگا وہ ضائع نہ ہوگا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا۔
۸۔ اگر جنگل میں کنواں نہ ملے تو زیارت گاہ اولیا پر دیا جلا۔

لہ اہلسنت کو اپنے اسلاف کا طریقہ نصیب ہو۔ اگر مزارات پر روشنی کرنا جائز نہ ہوتی تو شیخ سعدی قدس سرہٗ ایسا نہ لکھتے۔

Scanned with CamScanner

۹۔ بہت سا مال تیرے خزانہ میں سے خرچ ہو اس کا اتنا ثواب نہیں جیسا کہ تکلیف سے ایک دینار خرچ کیا جائے۔

۱۰۔ ہر ایک اپنی لیاقت کے مطابق بوجھ اٹھاتا ہے چیونٹی کو ٹڈی کا پاؤں بھی بوجھل لگتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ میں اشارہ ہے کہ طالب حق پر لازم ہے کہ وہ اپنی محتاجی اور فقر و فاقہ اور اپنی کوتاہی و تقصیر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کرے اس لیے کہ فنا محبوب کا محبوب عمل ہے اور اسی عاجزی سے ہی انسان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ اسی لیے منقول ہے کہ جونہی بھائیوں نے عجز و نیاز کیا یوسف علیہ السلام کو رحم و کرم نے مغلوب کر دیا اور چہرۂ اقدس سے نقاب ہٹانے پر مجبور ہو گئے۔ نقاب ہٹا کر تمام جدائی و فراق کے درد و آلام دور فرما دیے۔

سبق: اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت بایزید بسطامی سے فرمایا کہ ہمارے ہاں عبادت کی کمی نہیں ہمارے حضور میں عجز و نیاز اور فقر و احتیاج کی قدر و قیمت ہے۔ (یہ نقل بارہا تفسیر ہذا میں گزرا ہے)

ف: اس سے یہ وہم کہ عبادت ضروری نہیں بلکہ عبادت کی برکت سے ہی یہ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ دیکھیے اخوۃ یوسف نے اگرچہ غلطیاں کیں لیکن عملی زندگی صحیح رکھی بالآخر انہیں عجز و انکساری کا مرتبہ ملا۔ تب یوسف علیہ السلام نے انہیں گلے لگایا۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ حتی المقدور عبادت میں کوتاہی نہ کرے

لیکن اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم و عمل پر مغرور بھی نہ ہو بلکہ فنا و عجز سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے اور درمیان میں انانیت کو اٹھائے تا کہ معرفت و قربت اور وصلت نصیب ہو۔

حضرت بایزید قدس سرہٗ نے عرض کی: ؎

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و عجز و نیاز آوردہ ام

ترجمہ: اے کریم! میں ایسی چار چیزیں لایا ہوں جو تیرے خزانے میں نہیں (۱) نیستی (۲) ضرورت (۳) عاجزی (۴) نیاز۔

ف: مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کا عجز و نیاز دیکھا تو دل پر سخت اثر پڑا۔ دل نے بے ساختہ ہو کر چاہا کہ انہیں اپنا تعارف کرا دے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جب یوسف علیہ السلام کے ہاں یعقوب علیہ السلام کا خط پہنچا تو خط کو تخت کے کنارے رکھ دیا۔ اس کے بعد اسے پڑھا اور پڑھ کر یوسف علیہ السلام کو بے ساختہ رونا آیا۔

بالآخر آپ نے اپنا تعارف کرایا قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ کہا کیا تم یوسف

Scanned with CamScanner

علیہ السلام کے بارے میں اپنی غلطی محسوس کر کے تائب ہونے ؛

سوال : تم نے یہ معنی کہاں سے نکال لیا ؛

جواب : یوسف علیہ السلام نے ملزوم بول کر اس کا لازم مراد لیا ہے۔

ف : بنیامین کے ساتھ غلطیوں کی تفصیل یہ ہے کہ یوسف سے اسے علیحدہ رکھنے کا پروگرام اور انھیں کئی قسم کی اذیتیں پہنچانا اور ذلیل و خوار کرنا علاوہ ازیں ایسے اور امور جنھیں بیان کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اسی لیے اپنا اور بھائی کا معاملہ اجمالی طور بیان فرمایا۔ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ کیا اس وقت تم اس فعل کی قباحت سے بے خبر تھے یا تم اس سے لاعلم تھے کہ یوسف علیہ السلام ایسے بہت بڑے مراتب پائیں گے۔

ف : یہ کلمات مشفقانہ طور اور ان سے دینی خیر خواہی کے تحت کہے تاکہ انھیں توبہ کی توفیق نصیب ہو۔ اس سے ان کو عتاب کرنا اور رسوا کرنا مطلوب نہ تھا۔ یہی انبیاء علیہم السلام کی شان ہے کہ وہ حقوق اللہ کو اپنے حقوق پر ترجیح دیتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کا والد گرامی کو خط کا جواب

مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے والد گرامی کا خط پڑھا تو رو پڑے اور ان کو مندرجہ ذیل خط لکھا ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الی یعقوب اسرائیل اللہ من ملک مصر	مصر کے بادشاہ سے یعقوب (بندۂ خدا) کی
اما بعد ! فیاأیھا الشیخ فقد بلغنی کتابك	طرف یہ خط ہے۔ اما بعد ! اے شیخ ! آپ کا
وقرأته واحطت به علما و ذکرت	خط مجھے ملا اور میں نے اسے پڑھا اور مندرجہ
فیه اٰباءك الصالحین و ذکرت	کوائف سے آگاہی ہوئی آپ نے اس میں
انهم کانوا اصحاب البلایا	اپنے آباء صالحین کا ذکر فرمایا اور لکھا ہے کہ
فانهم ان ابتلوا وصبروا و ظفروا	وہ آزمائشوں والے تھے اور آپ نے لکھا ہے
فاصبر کما صبروا۔	کہ انہوں نے ان آزمائشوں پر صبر کیا ہے
والسلام	اور کامیاب ہوئے ہیں۔ آپ سے عرض کرتا ہوں
	کہ آپ بھی صبر کیجئے۔ فقط والسلام

ف : مروی ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے خط کا جواب پڑھا تو فرمایا :

واللہ ما ھذا کتاب الملوك ولکنه کتاب	بخدا یہ جواب شاہانہ نہیں بلکہ ایسے جوابات
الانبیاء علیهم السلام ولعل صاحب الکتٰب	انبیاء لکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے یہ جواب
ھو یوسف علیه السلام۔	لکھنے والا خود یوسف ہے۔

Scanned with CamScanner

ف: کاشفی نے لکھا کہ یوسف علیہ السلام نے نقاب ہٹایا اور تاج سر مبارک سے علیحدہ کیا۔ ان کی نگاہ یوسف علیہ السلام کی شکل و شمائل پر پڑی۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۔ انہوں نے کہا کیا تم یوسف علیہ السلام ہو؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی یقیناً آپ یوسف علیہ السلام ہیں کہ ایسا جمال باکمال تو صرف یوسف علیہ السلام کا ہو سکتا ہے۔ ؎

کہ دارد از ہمہ خوباں رخ چنیں کہ داری
تبارک اللہ ازیں روئے نازنیں کہ تو داری

ترجمہ: تیرے جیسا چہرہ اور کس کے نصیب۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک ہے سبحان اللہ تیرا نازنین چہرہ کیا خوب ہے۔

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میں یوسف ہوں اور یہ میرا سگا بھائی (بنیامین) ہے۔

ف: بھائی کا ذکر اپنے تعارف میں بطور مبالغہ کے کیا اور بنیامین کی شان کی بلندی کو ظاہر کرنے اور اسے اپنے ساتھ کمالات میں شریک کرنے کے لیے کہا۔

کما قال قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا گویا یوسف علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا کہ ہمیں آپس میں جدا کیا اور ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کی۔ اب یقین کرو کہ میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے کہ ہمیں ملایا اور وحشت کے بعد انس نصیب فرمایا اِنَّهٗ بیشک شان یہ ہے کہ مَنْ يَّتَّقِ جو اپنے جمیع احوال میں تقویٰ کرتا اور اپنے نفس کو ان امور سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب سے بنتے ہیں وَيَصْبِرْ اور تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرتا ہے جیسے اہل و عیال اور وطن کی جدائی اور قید وغیرہ یا طاعات کی مشقت یا وہ گناہ جس سے نفس لذت پاتا ہے پر صبر کرتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ محسن وہ ہے جو تقویٰ و صبر کا جامع ہو۔

ف: جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو تخت پر بڑی شان و شوکت سے بیٹھا دیکھا تو انہوں نے چاہا کہ ان کے قدموں پر گریں تو یوسف علیہ السلام خود تخت سے نیچے اتر کر بھائیوں کو گلے لگا لیا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا بھائیوں نے کہا بخدا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر جمال و کمال اور جاہ و مال دے کر فضیلت بخشی ہے وَاِنْ اور بیشک ہمارا حال یہ ہے کہ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ ہم ہیں خطا کار یہ خطئ سے ہے بمعنی عمداً گناہ کرنا اور خطا بمعنی بلا عمد گناہ کرنا یعنی ہم نے عمداً آپ سے کیا جو کچھ کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی اور ہمیں ذلیل و خوار فرمایا اس میں ان کی توبہ و استغفار کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے انہیں فرمایا قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اور نہ ہی تمہارے کسی گناہ کو تمہارے سامنے

Scanned with CamScanner

ذکر کروں گا۔ تثریب از ثرب۔ یعنی کرش کو چربی گھیرلے۔ یہاں بمعنی ازالۃ الثرب ہے۔ وہ اس لیے کہ عار دلانا اور رسوا کرنا انسان کے جسم سے چربی کو ختم کرنا ہے تفصیل میں شدت مطلب ہے۔ (کذا فی الحواشی)

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ تقریع بھی انسان کی عزت شاقی اور چہرے کی رونق کو ختم کرتی ہے۔ اسی طرح تثریب۔ اور الیوم تثریب کا مفعول فیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ آج تمہارے لیے ملامت اور رسوائی کا دن ہے لیکن جب آج میری طرف سے تمہیں رسوائی اور ذلت نہ ہوگی تو باقی ایام میں کس طرح ملامت اور رسوائی ہوگی۔

اس کے بعد فرمایا: یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے یہ ان کے لیے مغفرت کی دعا ہے کہ ان سے جتنی غلطیاں ہوئیں ان سب کے لیے بخشش کا سوال کیا۔

ف: جب اسی دن یوسف علیہ السلام نے اپنے حقوق معاف فرمائے تو ان سے حق العبد معاف ہوا۔ پھر جب انھوں نے توبہ کی تو ان سے حقوق اللہ معاف ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اسی لیے بعد کو ان کے لیے فرمایا: یغفر اللہ لکم۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ پہلے انھیں ان کی خطاؤں کو ظاہر فرمایا۔ چونکہ یوسف علیہ السلام رفع منزلت کا سبب بنے تھے اسی لیے ان کے لیے فرمایا، یغفر اللہ لکم۔

ف: مروی ہے کہ اس کے بعد یوسف علیہ السلام لطف و کرم سے انھیں اپنے ہاں صبح و شام اکٹھے بٹھا کر کھانا تناول فرماتے۔ انھوں نے عرض کی کہ ہم نے آپ کے ساتھ کیا کیا اور آپ کتنا لطف و کرم فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں اس وقت مصر کا بادشاہ بن گیا ہوں، لیکن مجھے اسی پہلی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ وہی ہے جو چند ٹکوں میں بک کر آئے اور ہمارے بادشاہ بن بیٹھے لیکن جب سے تم میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہو تو میری وقعت ان کے دل میں بیٹھی ہے اور یقین کرتے ہیں یہ سب بھائی اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

حضور علیہ السلام کا یوسفی عمل مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن کعبہ معظمہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر قریش مکہ سے فرمایا اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا کروں؟ انھوں نے کہا ہمیں آپ کے ساتھ نیک گمان ہے اس لیے کہ آپ کریم اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں اور اب آپ ہم پر قادر ہیں جیسے چاہیں کریں۔ آپ نے فرمایا: آج میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا لا تثریب علیکم الیوم۔

حضور علیہ السلام کا علم غیب مروی ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام قبول کرنے کیلیے بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں سمجھایا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دو تو کہنا، لا تثریب علیکم الیوم۔ جب ابو سفیان

Scanned with CamScanner

حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہی الفاظ دُہرائے، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا:

غفر اللّٰہ لك و لمن علمك۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے اور اسے بھی جس نے آپ کو یہ کلمہ سکھایا۔

وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کو ارحم الراحمین کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: اس لیے کہ علمائے دین عالم پر رحمت کرتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی رحمت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک جزو ہے۔ جب مخلوق رحمت کرتی ہے تو خالق کیوں نہ رحمت فرمائے گا۔ ؎

بآہی بسوزد جہانے گناہ
باشکی بشوید درون سیاہ
بدر ماندۂ تخت شاہی دہد
بدر ماندگان ہرچہ خواہی دہد

ترجمہ: ایک آہ سے سارے جہان کے گناہ جلا دیتا ہے ایک آنسو سے سیاہ دل کی جلبیاہی دھو دیتا ہے۔ عاجز کو شاہی دیتا ہے۔ دھتکارے ہوؤں کو جو چاہے تو بخش دیتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ نہ یوسف کہ چنداں بلا دید و بند
چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند
۲ گناہ عفو کرد آل یعقوب را
کہ معنی بود صورت خوب را
۳ بکردار بد شان مقید نہ کرد
بضاعات مزجات شان رد نکرد
۴ ز لطف ہمیں چشم داریم نیز
دریں بے بضاعت بخش اے عزیز
۵ بضاعت نیاوردم الا امید
خدایا ز عفو مکن نا امید

ترجمہ: ۱۔ یوسف علیہ السلام نے بہت قید و بند اور تکلیف دیکھی جب اس کا حکم ہوا تو

Scanned with CamScanner

دکھ دُور ہو گئے اور ان کی قدر بلند ہو گئی۔

۲۔ انھوں نے آلِ یعقوب کے گناہ بخش دیے اور قاعدہ ہے کہ احسن صورت کے اندر معنیٰ ہوتا ہے۔

۳۔ ان کے بُرے کردار کی وجہ سے انھیں مقید نہ کیا بلکہ ان کی پونجی بھی رد کی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے لطف کی ہمیں بھی امید ہے اے اللہ! ہماری اس معمولی کمی کو دیکھ کر بخش دے۔

۵۔ اور ہماری پونجی تو تیری رحمت پر امید رکھنا ہے اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور ہمیں ناامید نہ کر۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ کبھی بندے کا گناہ وصالِ الٰہی کا سبب اور اس گناہ سے قربِ حق نصیب ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہی گناہ اس کی توبہ کا سبب اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا موجب بنتا ہے۔

ف: ابو سلیمان درانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کوئی عمل اور زیادہ نافع نہ ہوا سوائے اس کے کہ جو ان سے خلاف اولیٰ سرزد ہُوا تو ہمیشہ اس کی وجہ سے بارگاہِ حق میں گڑگڑاتے رہے یہاں تک کہ واصل باللہ ہوئے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ارحم الراحمین میں اشارہ ہے کہ ارحم بایں معنیٰ ہے کہ بہت سے امور میں اپنے پیارے محبوب بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جنھیں عام بندے سمجھتے ہیں کہ یہ امور ان کے لیے نقصان دہ ہیں حالانکہ وہ امور ان کے لیے بظاہر نقصان دہ ہوتے ہیں درحقیقت وہ انھیں بہت بڑے منافع پہنچاتے ہیں یہاں تک کہ ان کو مخالف سے طلب رضامندی اور معافی کا موقعہ بھی نہیں دیا جاتا بلکہ انھیں حکم ہوتا ہے کہ وہ از خود انھیں معاف فرما کر ان کے لیے استغفار کریں تاکہ اس طرح وہ اس کی رحمت کے زیادہ سے زیادہ مستحق بنیں۔

حکایت مروی ہے کہ ایک شخص پر نزع طاری تھی اور کلمۂ شہادت اس کی زبان پر نہیں چل سکتا تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور اسے کلمۂ شہادت کی تلقین فرمائی۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ اپنی زبان پر کلمۂ شہادت نہ لا سکا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا روزے نہیں رکھتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ کا بڑا پابند تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا اس نے والدین کی نافرمانی تو نہیں کی۔ سب نے عرض کی: ہاں، یہی وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کی والدہ کو میرے ہاں لاؤ۔ وہ حاضر ہوئی تو وہ بہت بوڑھی، لاغر اور نابینا تھی۔ آپ نے فرمایا: کیا تو اسے معاف نہیں کرتی، کیا تُو نے اسے جہنم کی آگ کے لیے نو ماہ پیٹ میں اٹھائے رکھا، کیا آگ کے لیے تُو نے اسے دو سال دودھ پلایا۔ اگر تو معاف نہیں کرتی تو ماں کی مامتا کہاں گئی۔ (ماں نے معاف کر دیا۔ اس نوجوان کی زبان کلمۂ شہادت کے لیے کھل گئی۔

نکتہ: اس سے معلوم ہوا کہ ماں بیٹے کے لیے رحیم تو ہو سکتی ہے رحمان نہیں۔ اسی قلت رحمت کی وجہ سے اس نے اپنے بیٹے کے لیے آگ میں جلنے کو گوارہ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے اور رحیم بھی۔ اسی لیے بندوں کے گناہوں سے

Scanned with CamScanner

اسے کوئی نقصان نہیں اور رحیم ہونے کی وجہ سے اپنے بندوں کو جہنم میں ڈالنے کو گوارہ نہیں فرمائے گا اگرچہ ستر سال کلمۂ شہادت پڑھ کر بھی گناہ کرتا رہے۔

ربط: یوسف علیہ السلام نے جب انھیں تعارف کروایا اور انھیں یوسف علیہ السلام کے متعلق یقین ہوگیا تو ان سے پوچھا کہ میری جدائی میں والدِ گرامی پر کیا گزری انہوں نے کہا کہ وہ تو آپ کی جدائی میں بینائی کھو بیٹھے ہیں آپ نے فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا اے میرے بھائیو! میرا قمیص لے جاؤ۔ بقمیصی 'اذھبوا' کی ضمیر سے حال ہے اور باء طلابستہ یا مصاحبۃ کی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ باء تعدیۃ کی ہو ہم نے ترجمہ میں باء تعدیۃ کی اختیار کی ہے۔

ف: یہ وہی قمیص مبارک تھا جو ابراہیم علیہ السلام سے وراثۃً یوسف علیہ السلام کو نصیب ہوا۔

قصہ قمیص کا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اذھبوا بقمیصی الخ سے وہی قمیص مبارک مراد ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا۔ یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اس کا قصہ یوں ہے: جب ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بہشتی قمیص دے کر بھیجا اور ایک گہوارہ بھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو قمیص پہنا کر اس گہوارہ میں بٹھایا پھر دونوں اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ پھر وہی قمیص ابراہیم علیہ السلام نے اسحاق علیہ السلام کو پہنایا۔ اور اسحاق علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو اور یعقوب علیہ السلام نے اسے سونے کی چھوٹی سی ڈبیہ میں بند کرکے اس کا تعویذ بنا کر یوسف علیہ السلام کے گلے میں ڈالا تاکہ ان پر بدنظر کا اثر نہ ہو۔

ف: تبیان میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت گلے میں ڈالا جب انھیں بھائی کنویں میں ڈالنے کے لیے لے گئے اور اس سے بہشت کی خوشبو آتی تھی اور اس کی تاثیر یہ تھی کہ جو بیمار یا آفت زدہ پہنتا تو اسے شفا نصیب ہو جاتی۔

فائدہ صوفیانہ

"تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یوسف علیہ السلام (قلب) کا قمیص بہشتی پوشاکوں سے ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے جمال کے انوار سے ایک پوشاک پہناتا ہے جب اسے یعقوب (روح) اعمیٰ کے چہرے پر ڈالا جاتا ہے تو وہ روح صاحبِ بصیرت ہو جاتا ہے۔

خرقہ مشائخ کا ثبوت

یہی راز ہے اولیاء کرام مشائخ عظام کے خرقۂ خلافت میں جو کہ وہ اپنے مریدین کو نوازتے ہیں تاکہ خرقہ کی برکت مریدین کے ارواح پر اثر انداز ہو اور وہ حُبِّ دنیا اور اس کے تصرف کے اندیشوں سے محفوظ ہوں۔

ف: بعض حفاظ الحدیث کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن بصری کو خرقۂ خلافت سے نوازا تھا یہ صریح جھوٹ ہے[1]۔ خرقۂ خلافت تو بڑی بات ہے۔ حضرت حسن بصری کو حضرت علی رضی اللہ عنہ

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

سے سماعِ حدیث بھی حاصل نہیں۔

خرقۂ خلافت کو وہابی دیوبندی عبث اور بدعت اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اس کے رد میں صاحب روح البیان

ردِّ وہابیہ نے لکھا:

یقول الفقیر هذا من سنة المشائخ قدس الله اسرارهم فانهم لبسوا الخرقة والبسوها تبركاً و تيمناً وهم قد فعلوا ذلك بالهام من الله تعالیٰ واشارة فليس لاحد ان يدعی انه من الزيادات و القبيحة۔	فقیر کہتا ہے کہ یہ مشائخ قدست اسرارہم کا طریقہ ہے کہ وہ خرقہ پہنتے اور پہناتے ہیں۔ اس سے تبرک تیمن مطلوب ہوتا ہے اور انہیں منجانب اللہ الہام ہوتا ہے۔ اس پر کسی کو لائق نہیں کہ اسے بدعت قبیحہ یا زیادۃ فی الدین سے تعبیر کرے۔

حکایت وہابی کُش صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ میں نے بلدہ قونیہ میں حضرت الشیخ صدرالدین قدس سرہٗ کی مزارِ اقدس کے قریب کتب خانے کے حجرے میں ایک کپڑا مبارکہ کی زیارت کی ہے، جسے نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ صاحب مزار کو اللہ تعالیٰ نے بہشت سے پوشاک بھجوائی تھی اس کپڑے مبارک کو پانی کے ایک تھال میں دھو کر مریضوں کو پلایا جاتا ہے۔ میں نے بھی اس مبارک پانی کو اس نیت سے پی لیا کہ میری ظاہری باطنی بیماریاں دُور ہو جائیں والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا پس اسے والد گرامی کے چہرے پر لگاؤ تو اس کی برکت سے آنکھوں والے ہو جائیں گے۔ یہاں یأت بمعنے بصیر ہے جیسے کہا جاتا ہے جاء البناء محکماً بمعنے صار محکماً۔ اور میرے ہاں جب تشریف لائیں گے تو بینا ہوں گے ان کی چشمانِ مبارک پر سفیدی جو ضعف سے چڑھ گئی ہے وہ دُور ہو جائیگی اور ان کے اندر روشنی لوٹ آئے گی۔ اس معنے کی تائید وَأْتُوْنِيْ سے ہوتی ہے اور انہیں میرے ہاں لے آؤ یعنی تم خود بھی واپس آنا اور انہیں بھی ساتھ لے آنا۔ اس میں مخاطبین کی تغلیب ہے یعنی جو غائب تھے ان کے لیے علیحدہ صیغہ کی بجائے مخاطب کے صیغہ سے کام لیا گیا ہے بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ ○ یعنی اپنی عورتیں اور اولاد اور غلام سب کو لے آؤ۔

فائدہ شیعہ کُش لفظ اهل کا اطلاق ازواج و غلام اور لونڈیوں، اقارب و اصحاب اور تمام متعلقین پر ہوتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۱۱)

(حاشیہ صفحہ ۱۰۸) ۱؎ یہ ان حضرات کی اپنی رائے تھی ورنہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن بصری کو خرقۂ خلافت سے نوازا۔ حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ثبوت میں ایک کتاب لکھی ہے اور حضرت مولانا فخر الدین دہلوی نے بھی فخر الحسن نامی کتاب لکھی۔

Scanned with CamScanner

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ
اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ
اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ فَلَمَّا
دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ
اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ
قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ
الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ
الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا
وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ
وَمَا تَسْـَٔــلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ: اور جب قافلہ (مصر سے) جُدا ہوا تو (یہاں کنعان میں) ان کے والدگرامی نے فرمایا بے شک میں یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو۔ بیٹوں نے کہا خدا کی قسم آپ پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔ پھر جب خوشخبری دینے والا آیا اُس نے وہ کرتہ یعقوب (علیہ السلام) کے چہرے پر ڈالا۔ اس وقت اس کی آنکھوں کی روشنی لوٹ آئی فرمایا میں تمہیں نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے وہ علوم جانتا ہُوں جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے کہا ابا جی! ہماری کوتاہیوں کی معافی مانگیے بیشک ہم خطا کار ہیں۔ فرمایا میں عنقریب اپنے رب تعالیٰ سے تمہاری بخشش چاہوں گا بیشک وُہی غفور رحیم ہے۔ پھر جب وہ یوسف (علیہ السلام) کے ہاں گئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور فرمایا کہ خدا (تعالیٰ) چاہے تو مصر میں امن سے داخل ہو جاؤ اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے لیے سجدہ میں گر گئے اور یوسف علیہ السلام نے کہا ابا جی! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بیشک میرے رب تعالیٰ نے اسے سچ کر دیا اور بیشک اس نے میرے اُوپر احسان کیا جب اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے لے آئے بعد اس کے کہ میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان شیطان نے ناچاقی کرا دی تھی

Scanned with CamScanner

بیشک میرا رب تعالیٰ جس بات کو چاہے آسان کر دے بیشک وہی علیم اور حکمت والا ہے اے میرے رب مجھے تُو نے ایک سلطنت بخشی اور مجھے کچھ باتوں کا انجام کار سکھایا اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے اور دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے مجھے وفات دے در انحالیکہ میں مسلمان ہوں اور مجھے ان کے ساتھ ملا جو تیرے نیک بندے ہیں۔ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا تھا اور وہ مکر و فریب کر رہے تھے اور اکثر لوگ آپ کتنا ہی چاہیں ایمان نہیں لائیں گے اور آپ ان سے اُجرت نہیں مانگتے یہ نہیں مگر سارے جہان والوں کی نصیحت۔

(بقیہ ص ۱۰۹) ف: مروی ہے کہ یہودا نے کہا کہ قمیص مبارک میں لیجاتا ہوں اس لیے کہ جب یوسف علیہ السلام کو ہم نے کنویں میں ڈالا تو خون سے لتھڑا ہوا قمیص میں لے گیا تھا۔ جیسے اس وقت میں نے انہیں غمگین کیا تھا ویسے اب انہیں خوش بھی کروں گا۔ اور سر اور پاؤں سے ننگا ہو کر چلا اسے سات روٹیاں بطور زاد راہ دی گئیں۔ خوشی میں پیراہن کو اٹھا کر چلا۔ ابھی روٹیاں باقی تھیں کہ مصر سے کنعان پہنچ گیا۔ اور یہ مسافت دو سو چالیس میل تھی۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یوسف علیہ السلام نے پیراہن دے کر بھائیوں کے لیے مصر تک پہنچنے کا سامان بھی اور سواریاں بھی مہیا کر دی تھیں۔

(تفسیر آیات صفحہ ۱۱۰)

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ یہ فَصَلَ مِنَ الْبَلَدِ فُصُوْلاً سے ہے یعنی شہر سے جدا ہوا اور اس کی آبادیوں اور دیوار سے نکل گیا۔

کاشفی نے لکھا کہ اور اس وقت کہ قافلہ مصر کی آبادی سے نکل کر جنگل کی حدود میں داخل ہوا قَالَ اَبُوْهُمْ (یعقوب علیہ السلام نے اپنے پوتوں اور دیگر ساتھ رہنے والوں سے فرمایا) اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ بیشک میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو پاتا ہوں یہ اَدْجَدَهُ اللّٰهُ سے ہے یعنی جعلہ واجدا ریح ما عبق الی لزق ولصق من ریح یوسف یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا پانے والا اس خوشبو کو جو یوسف علیہ السلام سے مس ہو کر چلی، اور یہ فاصلہ اسّی فرسخ (دو سو چالیس میل) کا تھا جب یہودا نے یوسف علیہ السلام کا پیراہن مبارک لیا اور چلا تو کہا: ؎

ایہا السالکون قوموا و اعشقوا

تلک ریاح یوسف فاستنشقوا

ترجمہ: اے سالکو اٹھو اور عشق پیدا کرو، یہی یوسف علیہ السلام کی خوشبو ہے اسے سونگھو۔

Scanned with CamScanner

مثنوی شریف میں ہے: ؎

بوئے پیراہان یوسف را شدید
آنکہ حافظ بود یعقوبش کشید

ترجمہ: یوسف علیہ السلام کے پیرہن مبارک کی خوشبو جو تھی اس کے نگران سے یعقوب علیہ السلام نے کھینچا۔

فائدہ صوفیانہ یہ شعر اہل سلوک و سکر اور اہل زہد اور عشاق کے حال کی ترجمانی کرتا ہے اس لیے کہ زاہد اپنے ساتھ والی ہر شے سے بے خبر ہوتا ہے جیسے گدھے پر لدی ہوئی کتابوں کا کوئی پتا نہیں ہوتا۔ اور عاشق ہر مظہر سے اسرار الٰہی کی خوشبو سونگھتا ہے بلکہ اس کی ناک میں نفس رحمانی کی خوشبو مہکتی رہتی ہے۔ اگر زاہد ہزار سال بھی زندگی بسر کرے تو بھی نفس رحمانی کی خوشبو سے محروم رہے گا۔

فائدہ وہابی کُش اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحان کا دور ختم ہوا اور راحت و فرحت کے آغاز کا وقت ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی خوشبو دور سے ان کے ہاں پہنچادی اور آزمائش کے دور میں باوجودیکہ یوسف علیہ السلام قریب کے مکان میں تھے ان کی اطلاع سے انھیں منع فرمایا تھا قاعدہ ہے کہ آزمائش کے دور میں ہر آسان امر مشکل تر ہو جاتا ہے اور راحت آسانی کے زمانہ میں ہر مشکل کام آسان تر ہو جاتا ہے۔

اعجوبہ مروی ہے کہ ریح صبا نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ قمیص اٹھانے والے بشیر سے پہلے مجھے اجازت ہو تاکہ اس سے پہلے میں تیرے پیارے پیغمبر کو مژدۂ بہار سناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست منظور فرمائی۔ اسی لیے یعقوب علیہ السلام کو ہوا نے جلد تر خوشخبری دی۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

دیر می جنبد بشیر اے باد بر کنعان گزر
مژدۂ پیراہن یوسف ببر یعقوب را

ترجمہ: خوشخبری سنانے والا تو بڑی دیر کے بعد کنعان پہنچے گا فلہذا اے باد صبا تم جلدی سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو پیراہن یوسف علیہ السلام کی خوشخبری سناؤ۔

نکتہ: اسی وجہ سے ریح (صبا) مشرق کی جانب سے چلتی ہے بہت نرم و نازک ہوتی ہے۔ جب چلتی ہے تو انسانی ابدان راحت و فرحت سے لبریز ہو جاتے ہیں اور دلوں کو محبوب یاد آجاتے ہیں اور ان کی ملاقات کے شوق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وطن کی طرف روح کو اشتیاق پیدا ہو جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

8

؎

أيا جبلي نعمان بالله خليا

نسيم الصبا يخلص الى نسيمها

فان الصبا ريح اذا ما تنفست

علىٰ نفس مهموم تجلت همومها

ترجمہ: اے نعمان کے دو پہاڑو! تمہیں خدا کی قسم نسیم کو چھوڑ دو تاکہ وہ اپنی نسیم کو چھوڑے اس لیے کہ اس کی خوشبو سے غمناک لوگوں کے غم ٹل جاتے ہیں۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

با صبا ہمراہ بفرست از رہت گلدستۂ

بو کہ بوئے بشنویم از خاک بستان شما

ترجمہ: صبا کے ساتھ اپنے راہ سے گلدستہ بھیج وہ خوشبو جو میں سُونگھتا ہوں وہ تمہارے باغ کی ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ ہوا چلی تو قمیص کی ہوا کو دو سو چالیس میل کی مسافت سے لے کر یعقوب علیہ السلام کے ہاں لے آئی قبل اس کے کہ یہودا ان کے ہاں حاضر ہو تو یعقوب علیہ السلام کو اس سے بہشت کی خوشبو آئی۔ آپ نے یقین فرمایا کہ یہ دنیوی خوشبو نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ بہشت کا قمیص ہو۔ اور بہشت کا قمیص سوائے یوسف علیہ السلام کے اور کسی کے پاس نہ تھا۔ یہ بھی منجملہ ان کے غیب جاننے کی ایک دلیل ہے۔

ف: اس سے اس مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ قمیص جس بیمار پر پھیرا جاتا وہ شفایاب ہو جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ خاصیت اسی بہشتی قمیص کی تھی یوسف علیہ السلام کی ذاتی خوشبو نہ تھی۔ (یہی قاضی بیضاوی کا مذہب ہے)

سوال: اسے ریح یوسف کیوں کہا گیا ہے ریح قمیص یوسف کہا جاتا۔

جواب: ملابست ومناسبت سے ایسی اضافات عام آتی ہیں۔

ف: کتاب الانسان من کتاب البرہان امام جلاکی نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ جب انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی اور اس کی کثافت بڑھتی گئی تو اس کے حواس اس کثافت کے ان حجب سے اپنے مدرکات میں گھٹتے گئے جو انسان کی ذات پر اس کی فطرت کی وجہ سے طاری ہوتی ہے۔ بہرحال ذات انسان کا جوہر جب لطیف ہوتا ہے اور اس کی لطافت بڑھتی رہتی ہے تو اس کے تمام جوارح واعضاء کو تقویت پہنچتی ہے اور ان کے ادراک میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے انسانوں کو دیکھا گیا ہے کہ میل دو میل یا اس سے کم وبیش دور کی مسافت سے خوشبو سونگھتے ہیں اور جس کی

Scanned with CamScanner

لطافت عام انسانوں سے لطیف تر ہوتی ہے تو وہ ان معروف خوشبوؤں کے علاوہ دیگر قسم کی خوشبو بھی سونگھ لیتا ہے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا حال ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ۔

لیکن یاد رہے کہ ایسے کشف صرف اہل اللہ کو نصیب ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے:

بو دوائے چشم باشد نور ساز
شد ز بوئے دیدہ دیدۂ یعقوب باز
بوئے بد مر دیدہ را تارے کند
بوئے یوسف دیدہ را یاری کند
بوئے گل دیدی کہ آنجا گل بود
جوش مل دیدی کہ آنجا مل بود

ترجمہ: بہت سی نگاہیں نور ساز ہوتی ہیں۔ مثلاً خوشبو سونگھی تو یعقوب علیہ السلام کی بینائی بحال ہو گئی۔ بدبو آنکھوں کو خراب کرتی، یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنکھوں کی بینائی میں مدد کرتی ہے۔ پھول کی خوشبو وہاں ہوگی جہاں پھول ہوگا شراب کا جوش وہاں ہوگا جہاں شراب ہوگا۔

۱ آن شنیدی داستان بایزید
کہ ز حال بوالحسن پیشین چہ دید
۲ روزے آن سلطان تقوی میگذشت
با مریداں جانب صحرا و دشت
۳ بوئے خوش آمد مر او را ناگہاں
از سواد رے ز سوے خارقان
۴ ہم بر انجا نالۂ مشتاق کرد
بوے را از باز استنشاق کرد

ترجمہ: ۱۔ تم نے بایزید کی داستان سنی ہوگی کہ ابوالحسن کی پیدائش سے پہلے ان کا حال معلوم کر لیا۔

۲۔ ایک دن وہ صاحب تقویٰ جنگل و بیابان کی طرف اپنے مریدین کے ساتھ گزرے۔

۳۔ اچانک انہوں نے ایک خوشبو رَے اور خرقان کی بستی سے سونگھی۔

۴۔ وہاں پر عشاق کی طرح گریہ کیا اور وہ خوشبو ہوا سے سونگھی۔

Scanned with CamScanner

۵ چون درو آثار مستی شد پدید
یک مرید او را ازاں دم بر رسید

۶ پس بپرسیدش کہ ایں احوال خوش
کہ برونست از حجاب پنج و شش

۷ گاہ سُرخ و گاہ زرد و گہ سپید
می شود رویت چہ حالست و نوید

۸ مے کشی بوے و بظاہر نیست گل
بے شک از غیبست و از گلزار کل

۹ گفت بوے بوالعجب آمد یمن
ہمچنانکہ مصطفیٰ را از یمن

۱۰ کہ محمد گفت بر دست صبا
از یمن می آیدم بوے خدا

۱۱ از اویس و از قرن بوی عجب
مر نبی را مست کرد و پر طرب

۱۲ گفت ازیں سو بوی یاری می رسد
اندریں دہ شہریارے می رسد

ترجمہ : ۵۔ جب آپ میں آثار مستی کے دیکھے گئے ایک مرید کو اس حال کا علم ہوگیا۔

۶۔ اس نے آپ سے یہ حال پُوچھا کہ یہ معاملہ ہماری آنکھوں سے اوجل ہے۔

۷۔ آپ کسی وقت سُرخ ، کسی وقت زرد اور کسی وقت سفید ہوجاتے تھے اسی لیے مرید نے کہا یہ ماجرا کیسا ہے۔

۸۔ آپ خوشبو سُونگھتے ہیں حالانکہ یہیں کوئی پھُول نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے یہ کوئی غیبی گل ہے۔

۹۔ آپ نے فرمایا یہ وہی غیبی خوشبو ہے جیسے حضور علیہ السلام نے یمن سے غیبی خوشبو سُونگھی۔

۱۰۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یمن سے رحمٰن کی خوشبو آتی ہے۔

۱۱۔ وُہ یمنی خوشبو اویس قرنی کی تھی (رضی اللہ عنہ)۔

۱۲۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہاں سے یار کی خوشبو پہنچی اس بستی میں حقیقت کا شہنشاہ رہتا ہے۔

Scanned with CamScanner

۱۳ بعد چندیں سال می زاید شهی
می زند بر آسمانها خرگهی

۱۴ رویش از گلزار حق گلگون بود
از من او اندر مقام افزون بود

۱۵ چیست نامش گفت نامش بوالحسن
حلیه اش وا گفت از گیسو ذقن

۱۶ قد او هم رنگ او وہم شکل او
یک یک وا گفت از گیسو و رو

۱۷ حلیہاے روح او را ہم نمود
از صفات و از طریق و جا و بود

لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ اگر مجھے تم کم عقل نہ سمجھو تو۔ یعنی تنسبونی الی الفند بمعنے الخرف و نقصان العقل و فساد الرأی من هرم۔ (بڑھاپے کی وجہ سے کسی کو کم عقلی اور فساد رائے کی طرف منسوب کرنا) مثلاً کہا جاتا ہے، شیخ مفند۔ عجوز مفندۃ نہیں کہا جاتا اس لیے کہ عورت مرد کی طرح ذاتی طور پر بڑھاپے میں کم عقلی اور ناقص رائی کا شکار نہیں ہوتی بلکہ عورت (اغلباً) فطرۃً کم عقل ہوتی ہے بڑھاپا ہو یا نہ ہو۔ اور لَوْلَا کا جواب محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے:

لولا تنفید کم لصد قتمونی۔

ف: الفند بمعنے بوڑھا ہونا۔ یعنی بڑھاپے کا جنون یعنی کم عقلی اور نقص رائی انبیاء و اولیاء کرام علی نبینا علیہم السلام پر طاری نہیں ہوتی اس لیے کہ یہ نقص ہے اور یہ حضرات ایسے نقائص وعیوب سے پاک ہوتے ہیں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ حاضرینِ مجلس نے کہا بخدا آپ حیرت قدیمی میں

ترجمہ: ۱۳۔ چند سالوں کے بعد اسی بستی میں پیدا ہو گا جس کے مراتب آسمان کی چوٹی تک پہنچیں گے۔

۱۴۔ اس کا چہرہ گلزارِ حق کی ایک شاخ ہے اس کا مرتبہ میرے سے زائد ہے۔

۱۵۔ اس کا اسم گرامی ابوالحسن ہے پھر آپ نے اس کا حلیہ داڑھی ٹھوڑی، زلفیں وغیرہ بیان فرمایا۔

۱۶۔ اس کا قد، رنگ، بال غرضیکہ ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ نقشہ بتایا۔

۱۷۔ اس کے حلیے کی تمام باتیں بتائیں اس کے تمام طریقے اور صفتیں بتائیں۔

Scanned with CamScanner

تاحال قائم ہیں جو آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے عشق و محبت سے ہوئی تھی کہ ہر وقت ان کے ذکر میں گم رہتے اور اس امید میں ہیں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے سوا اکثر ذہنوں میں یہ بات راسخ تھی کہ یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عاشق کے لیے ملامت لازمی ہے۔ ؎

یا عاذل العاشقین دع فئة

اضلها الله کیف ترشدها

مکن بنام سیاہی ملامت من مست

کہ آگہست کہ تقدیر بسرش چہ نوشت

ترجمہ: اے عاشقوں کے ملامت گرو! اس گروہ کو کچھ نہ کہو انہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا۔ یہ کسی طرح بھی سیدھے راستے پر نہیں آسکتے۔ مجھ مست کو ملامت کر کے تضیع اوقات مت کرو اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ تقدیر نے اس کے لیے کیا لکھا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اس میں اَنْ زائدہ اور صلہ کا ہے۔ دو فعلوں کی تاکید اور اتصال کے لیے واقع ہوا ہے اب ان کا اتصال ایسا ہو گیا ہے کہ گویا ایک جزو ہو کر ایک ہی وقت میں واقع ہوئے ہیں۔ پس جب خوشخبری دینے والا یعنی یہودا حاضر ہوا اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ قمیص مبارک کو یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا فَارْتَدَّ بَصِيْرًا تو یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہو گئیں حالانکہ اس سے قبل آپ کی بینائی چلی گئی تھی۔ اب آپ کی قوت بحال ہو گئی جبکہ اس سے قبل بڑھاپے کے علاوہ حزن و ملال سے بہت بڑے کمزور ہو گئے تھے۔ ؎

واشت در بیت حزن جامی جلے

فجاءه منك بشير فنجا

ترجمہ: جامی حزن کے گھر میں مسکین تھا تیری طرف سے خوشخبری دینے والا آیا تو نجات پائی۔

تفسیر صوفیانہ

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ جب حضرت یوسف (قلب) سے یعقوب (روح) کی طرف انوار جمال کا قمیص آیا القاه علی وجهه فارتد بصيرا روح کو انوار جمال الٰہی نصیب ہوا تو روح کو بصیرت نصیب ہوئی حالانکہ وہ دنیوی تعلقات اور ان کے تصرفات میں پھنس کر اندھا ہو گیا تھا۔ جب قلب سے واردات نصیب ہوئے تو بصیرت نصیب ہوئی۔ ؎

ورد البشير بما اقر الاعينا

وشفى النفوس فنلن غايات المنى

وتقاسم الناس المسرة بینھم
قسما فکان اجلھم حظا انا

ترجمہ: خوشخبری دینے والا خوشخبری لایا جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور نفوس کو شفا ملے اور وہ اپنے مقاصد کو پالیں اور اس سے لوگوں نے خوشی کو آپس میں بانٹا۔ سب سے زیادہ محظوظ تو میں ہی ہُوا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ قلب ابتداً تکمیل معاملات میں روح کی محتاج ہے جب وہ کامل و مکمل ہوئی اور اسے فیضان حق کے قبول کرنے کی صلاحیت نصیب ہوئی تو انتہاً اس نے قربت کے مصر میں خلافت حاصل کی اور روح اس کا محتاج ہے اس لیے کہ وہ انوارِ حق سے منور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب نورِ الٰہی کی نار قبول کرنے کے لیے بمنزلہ چراغ کے اور روح بمنزلہ تیل کے ہے۔ چراغ ابتداً نار کو قبول کرنے کے لیے تیل کا محتاج ہوتا ہے اور تیل چراغ کا محتاج ہے لیکن انتہاً اس کے برعکس کہ چراغ کے واسطے سے ہی وہ نار کو قبول کرتا ہے اس لیے کہ تیل چراغ اور اس کے آلات کے بغیر نار کو قبول نہیں کرسکتا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا، اے میرے بیٹے! کیا میں نے تمہیں مصر کو بھیجتے وقت نہیں فرمایا تھا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے جانتا ہوں اور یوسف علیہ السلام اور کشادگی امور کو تم نہیں جانتے۔

ف: مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خوشخبری سنانے والے سے پوچھا کہ یوسف علیہ السلام کس حال میں تھے؟ خوشخبری دینے والے نے عرض کی: وہ تو مصر کے بادشاہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں شاہی کو کیا کروں گا مجھے بتائیے کہ وہ کس دین پر ہیں؟ اس نے عرض کی: وہ دینِ اسلام پر ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: اب اس کی نعمت مکمل ہو گئی۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ بیٹوں نے کہا، اباجی! ہمارے لیے رب تعالیٰ سے ہماری بخشش کا سوال کیجئے اِنَّا كُنَّا خٰطِـٕیْنَ بیشک ہم خطاکار ہیں یعنی عمداً غلطی کرنے والے کہ ہم نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا اور آپ کے بھی مجرم ہیں کہ آپ کو ان سے جدا کرکے ناراض کیا اب آپ ہی ہماری بخشش کا سوال کیجئے ورنہ ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

(قاعدہ) اکابر اولیاء و انبیاء کے وعدوں میں سوف، عسیٰ، لعل کے الفاظ صدق الامر اور ان کی جد و جہد اور ان سے یقینی اور قطعی طور وقوع پر دلالت کرتا ہے ان الفاظ سے ان کا اپنے وقار کا اظہار اور ترکِ عجلت مطلوب ہوتی ہے۔ اس قانون پہ یعقوب علیہ السلام کا وعدہ سمجھیے۔ گویا یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں کو فرمایا کہ میں تمہارے لیے دعا یقیناً

Scanned with CamScanner

مانگوں گا اگرچہ دیر کے بعد۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: شعبی سے مروی ہے کہ سوف استغفر لکم الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے فرمایا کہ میں یوسف علیہ السلام سے مل کر ان سے پوچھوں گا اگر وہ تمہیں معاف کر دیں تو پھر میں تمہارے لیے بخشش مانگوں گا ورنہ نہیں اس لیے کہ وہ مظلوم تھے اور مظلوم کا معاف کرنا پہلے ضروری ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ یعقوب علیہ السلام نے ان کی معافی کو یوسف علیہ السلام کی ملاقات کے ساتھ معلق فرمایا۔

ف: جب وہ یوسف علیہ السلام کے ہاں مصر میں تشریف لائے تو جمعہ کی شب کو سحر کے وقت اور وہی عاشورہ کی شب تھی نماز میں مشغول ہوئے۔ جب فراغت پائی تو دعا مانگی:

اے اللہ تعالیٰ! یوسف علیہ السلام کے بارے میں میرا جزع و فزع اور قلتِ صبر کو معاف فرما اور مجھ سے اور میری اولاد سے جو کچھ یوسف علیہ السلام کے متعلق کوتاہی ہوئی وہ بھی بخش دے۔

یوسف علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے پیچھے کہتے آمین۔ اور اخوۂ یوسف بھی نہایت عجز و انکساری سے اور بڑے خشوع و خضوع سے کھڑے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے یعقوب علیہ السلام! ہم نے آپ سب کو بخش دیا۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام بیس سال سے کچھ اوپر تادمِ زندگی اپنے بیٹوں کے لیے ہر جمعہ کی رات دعا مانگتے تھے۔

نکتہ: صاحبِ روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے قول یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین اور یعقوب علیہ السلام کے قول سوف استغفر لکم ربی انہ ھو الغفور الرحیم میں بہت بڑا فرق ہے وہ یہ کہ یوسف علیہ السلام کے قلب پر غیبی واردات سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مراتب و درجات اور انعام و اکرام بھائیوں کی وجہ سے نصیب ہوا۔ اور دوسرا یہ بھی غیب سے وارد ہوا کہ ان کے لیے استغفار کرنی چاہیے۔ اسی لیے فرمایا:

یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

یعنی اے بھائیو! اللہ تعالیٰ تمہارے لیے میرے اور ابا جان اور تمام مخلوق سے زیادہ رحیم ہے۔ اسی لیے میرے اور تمہارے اوپر وہی رحم فرمائے گا۔ آپ کے لیے استغفار ضروری ہے اس لیے کہ میں نے تمہاری وجہ سے ہی اتنے بڑے مراتب و درجات اور کمالات حاصل کیے ہیں۔ اگر تم مجھے صدمات نہ پہنچاتے تو مجھے یہ درجات حاصل نہ ہوتے۔ تمہارے اوپر اس کی رحمت و مغفرت نہ ہوتی تو تم مجھے ایسے مصائب و تکالیف میں مبتلا کرنے پر قادر نہ ہوتے اور نہ ہی مجھے ظاہری نعمت یعنی اتنی بڑی سلطنت نصیب ہوتی اور باطنی کمالات نصیب ہوتے۔ اور یعقوب علیہ السلام کے قلب پر اس قسم کے واردات نہیں ہوئے بلکہ ان کی ان کے ظاہری کردار پر نظر تھی کہ انہوں نے اپنے بھائی کو اور مجھے رنج و محن اور تکالیف و مصائب میں ڈالا۔ اسی لیے ان کی ان کے استغفار کی طرف توجہ نہ ہوئی اور فرمایا یہاں تک کہ غیب سے تمہارے لیے استغفار کی اجازت ہوئی تو خلوصِ قلب اور صدقِ دل سے ان کے لیے دعا مانگی۔ قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ ہے:

Scanned with CamScanner

وسوف استغفر لکم۔
یعنی عنقریب میرے قلب پر تمہاری بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے گی تو دعا مانگوں گا۔ فلہٰذا عجلت نہ کرو۔

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وہ غفور رحیم بایں معنی ہے کہ چونکہ اس نے تمہاری جانب سے ہمارے اوپر رنج و محن نازل فرمائے اور وہ ہمارے لیے انعامات کا سبب بنے ہیں اسی لیے وہ تمہارے اوپر رحم فرما کر تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اگر اس کا تمہارے لیے رحمت و مغفرت کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ تمہیں ہمارے لیے انعامات و احسانات کا سبب نہ بناتا۔

خلاصہ یہ کہ یعقوب و یوسف علیہما السلام کا ان تکالیف میں مبتلا ہونا بظاہر دکھ درد تھا لیکن ان کے لیے نعمت و راحت تھی۔ نعمت بظاہر زحمت درحقیقت رحمت تھی۔ اس کے برابر پر حمد ہے انعام سے نوازے یا تکلیف دے۔

قاعدہ صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اخوۃ یوسف علیہ السلام کو بھی جمال و جلال سے نوازے۔ پھر انہیں والد گرامی کی طرف سے قبض و جلال سے نوازا۔ اور بھائی یوسف علیہ السلام کی طرف سے انہیں بسط و جمال سے یہاں تک کہ تجلی اولیٰ سے مرتبۂ صبر کو پا لیا اور مرتبۂ شکر کو تجلی ثانی سے۔ اس لحاظ سے ان کی تربیت قبضتین و یدین سے ہوئی۔ اس معنے پر ان کا مرتبہ جامع المرتبین ہوا۔ اگر ان پر تجلی دونوں جوانب سے قبضہ واحد اور ید واحدہ سے ہوتی تو طریقہ قدیمہ کے خلاف ہوتا اس لیے اس کا طریقہ ہے کہ کسی تجلی سے نوازتا ہے تو دو مختلف صورتوں سے، بلکہ دو شخصوں کو تجلی سے نوازتا ہے تو بھی دو مختلف صورتوں سے۔ یہی وجہ ہے کہ دو شخص ایک ہی صورت کے نہیں ہوتے۔ اگرچہ ایک ہی بارے میں اس لیے کہ ان دونوں کا ایک تجلی کا ہونا تحصیل حاصل کے مترادف ہے اور تحصیل حاصل ایک عبث فعل ہے اور اللہ تعالیٰ عبث امور سے منزہ اور پاک ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے والد گرامی کے ہاں قمیص مبارک روانہ کرنے کے ساتھ بہت سا سامان بھیجا اور دو سو سواریاں روانہ کیں تاکہ ان پر سوار ہو کر تمام اہل و عیال، نوکر چاکر، غلاموں اور کنیزوں کو کنعان سے مصر لے آئیں۔ یوسف علیہ السلام کا پیغام پہنچتے ہی یعقوب علیہ السلام مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔
کمال خجندی نے کہا: ؎

کرد شیریں دہن ما خبر یار عزیز
کز مصرت دگر اینک شکر می آید

ترجمہ: مجھے یار عزیز کی خبر سے خوش کر دیا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مصر سے ابھی میٹھا بول پہنچا ہے۔

Scanned with CamScanner

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد اور دیگر اہل و عیال کے ساتھ سواریوں پر سوار ہو کر مصر کو روانہ ہوئے۔ جب یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے تو یوسف علیہ السلام کو اطلاع دی گئی۔

؎

صبا ز دوست پیامے بسوئے آورد
بمهمانِ کهن دوستی بجا آورد
برائے چشم ضعیف رمد گرفتۂ ما
ز خاک قدیم محبوب توتیا آورد

ترجمہ: صبا دوست سے پیام لائی۔ قدیم مہمان کے ہاں دوستی کی خبر لایا۔
ہماری درد رسیدہ آنکھ کے لیے محبوب کے قدموں کی خاک لائی جو ہی ہمارے لیے توتیا ہے۔

یعقوب علیہ السلام کا استقبال

جونہی یعقوب علیہ السلام مصر کے نزدیک ہوئے تو یوسف علیہ السلام اور بادشاہ ریان چار ہزار فوج اور تین ہزار سوار سمیت اور شہر کے رؤسا و علما بلکہ مصر کے تمام عوام استقبال کے لیے حاضر ہوئے اور ہر سوار کو چاندی کی ڈھال اور سونے کا جھنڈا دیا گیا اس طرح مصر کے تمام جنگل آراستہ و پیراستہ نظر آتے تھے اور تمام لوگ صف بہ صف کھڑے ہو گئے اور یہ سب کے سب غلام اور سواریاں یوسف علیہ السلام کی ملکیت تھیں۔ یعقوب علیہ السلام جب لشکر کے قریب پہنچے آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی اولاد در اولاد کا ایک بہت بڑا قافلہ تھا۔ یوسف علیہ السلام کے لشکر کو دیکھ کر متعجب ہوئے تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی آپ اس لشکر سے تعجب کر رہے ہیں ذرا اوپر دیکھیے تمام فرشتے حاضر ہیں اور آپ کے سرور سے مسرور ہو رہے ہیں حالانکہ اس سے قبل آپ کے حزن و ملال سے محزون تھے یعقوب علیہ السلام نے لشکر کو دیکھ کر پوچھا ان میں میرے یوسف (علیہ السلام) کہاں ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، وہ جو چھتری کے نیچے شان و شوکت سے آ رہے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام دیکھ کر بے ساختہ سواری سے اترنے لگے۔ آپ کو نیچے اتارا گیا اور یوسف علیہ السلام کے شوق سے یہودا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پیدل چل پڑے۔ ؎

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر
سیر گشتم زیں سواری سیر سیر
سرنگوں خود را از اشتر در فگند
گفت سوزندم ز غم تا چند چند

ترجمہ: راہ نزدیک ہونے کے باوجود بھی سخت دیر ہو گئی اس سست رفتار سواری سے تنگ

Scanned with CamScanner

آگیا ہوں۔ اپنے آپ کو اونٹ سے نیچے دے مارا اور فرمایا کب تک مجھے یہ سواری غم سے جلاتی رہے گی۔

جب یعقوب علیہ السلام سواری سے نیچے اُترے تو جبریل علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور عرض کی آپ کے والدگرامی پیدل چل رہے ہیں۔ آپ بھی سواری سے نیچے اُتر کر پیدل چلیں۔ یوسف و یعقوب تیزی سے ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ جب ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے پہلے سلام کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اے یوسف! اپنے والدگرامی کو پہل کرنے دیجئے کیونکہ وہی افضل و احق ہیں۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام نے کہا: السلام علیك یا مذهب الاحزان۔

ے

چو جورہا کشیدند بلبلاں از دے
بوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید

ترجمہ: بلبلوں نے اس سے آتنا دکھ اس لیے اٹھایا تاکہ باغ کی خوشبو سے تازہ بہار نصیب ہو۔

دونوں باپ بیٹا خوشی سے گلے لگے اور روئے بھی۔ یہ منظر دیکھ کر ملائکہ آسمانی رو پڑے اور اس منظر سے تمام لشکر میں ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ خوشی سے گھوڑے ہنہنائے اور ملائکہ نے تسبیح پڑھی۔ اور خوشی کے طبلے اور نقارے بجائے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت قائم ہوگئی۔ ے

چہ خوش حالیست رخِ دوست دیدن
پس از عمرے بیک دیگر رسیدن
بکام دل زمانے آرمیدن
بہم گفتن سخن و زہم شنیدن

ترجمہ: کیا ہی مبارک ساعت ہے کہ محبوب کا چہرہ دیکھا کہ بڑی مدت کے بعد ہم بچھڑے ہوئے ملے اور دلی مراد بر آئی اور ایک دوسرے سے گفت و شنید کا موقع ملا۔

اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ ابویہ میں یوسف علیہ السلام کے والد اور آپ کی خالہ مراد ہے۔ جس کا نام لیابی بی تھا۔ کیونکہ آپ کی والدہ راحیل بنیامین کی پیدائش کے بعد فوت ہوگئی تھیں اور بنیامین کا اسم گرامی بھی اسی مناسبت سے رکھا گیا کہ ان کی زبان میں یامین کے معنے وجع الولادۃ ہے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث) یا وہ الرّابۃ تھی یعنی موطوءۃ الاب

ملہ تربیت کنندہ

اسے اس لیے ماں کہا گیا کہ وہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے یا اس لیے کہ خالہ بھی ماں ہوتی ہے جیسے چچا کو اب کہا جاتا ہے ۔
اب معنی یہ ہُوا کہ انہیں یوسف علیہ السلام نے اپنے خاص محل میں لے جا کر گلے لگایا کیونکہ یوسف علیہ السلام ان حضرات کو بعد از استقبال اپنے خاص محل میں لے گئے اور وہاں پھر دوبارہ گلے ملے ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ مصر کے نزدیک ایک جگہ تھی جہاں یوسف علیہ السلام نے اپنا ایک خصوصی محل تیار کرایا ہُوا تھا استقبال کے بعد اپنے والدین کو اپنے محل خاص میں لے گئے اسی لیے پہلے والدین کو پھر بھائیوں کو گلے لگایا ۔ اور سب سے خیریت دریافت کی اور سب کے ساتھ انتہائی درجہ کی نوازش فرمائی ۔

وَقَالَ اور مصر میں داخل ہونے سے پہلے فرمایا ، ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مصر میں داخل ہو جاؤ انشاء اللہ بھوک اور خوف و دیگر جمیع تکالیف سے امن میں رہو گے ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کی ولایت سے پہلے کنعانی لوگ مصر کے بادشاہوں سے ہراساں رہتے تھے ان کی اجازت کے بغیر کنعانی مصر میں نہیں آسکتے کیونکہ وہ شراتی لوگ تھے اور مشیت دخول و امن سے متعلق ہے دو فعلوں کے متعلق کی مثال عرب میں مشہور ہے ، جیسے غازی کو کہا جاتا ہے :

ارجع سالماً غانماً ان شاء اللہ ۔

یہاں بھی مشیت سلامت و غنم سے متعلق ہے ۔ اب اصل عبارت یوں ہوگی :

اُدخلوا امنین ۔

اس کا ذوالحال اُدخلوا کا فاعل ہے ۔ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ اور اپنے والدین کو اونچا بٹھایا ۔ یعنی جب یعقوب علیہ السلام کا قافلہ مصر میں پہنچا تو یوسف علیہ السلام نے انہیں اپنے تخت شاہی پر بٹھایا ۔

اس وقت یہ بہتر مردوں عورتوں کا قافلہ تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تھے تو ان کے ساتھ بنی اسرائیل چھ لاکھ پانچ سو تہتر (یا ستر سے کچھ اوپر) افراد تھے ۔ یہ تعداد بوڑھوں اور بچوں کے علاوہ ہے کیونکہ نیچے بوڑھے لاکھوں کی تعداد میں تھے ۔ عَلَى الْعَرْشِ وہ شاہی بلند تخت جس پر یوسف علیہ السلام بیٹھتے تھے یعنی والدین کو اعزاز و اکرام کے طور اپنے ساتھ اوپر بٹھایا اگرچہ بھائیوں کو بھی اپنے شاہی محل میں لے گئے تھے لیکن انہیں شاہی تخت کے بجائے نیچے بہترین تختوں پر بٹھایا ۔ لیکن والدین کی کیفیت نمایاں تھی اس لیے کہ اُنھوں نے دُکھ اور تکلیف بہت زیادہ اٹھائی اسی لیے انہیں ممتاز رکھا گیا اسی طرح کل قیامت میں ان کے بھائی ان کے ساتھ بہشت میں ہوں گے لیکن مراتب میں والدین اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے بہت کم درجہ پر ہوں گے ۔ یہی کیفیت دُنیا میں اہلِ جفا کی ہوگی کہ جس قدر تکالیف و مصائب میں مبتلا ہوں گے اسی قدر درجات علیا سے نوازے جائیں گے ۔

Scanned with CamScanner

؎

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود برد در کار زلائے خویش

ترجمہ: جو بھی اپنی بلند ہمتی سے خرچ کرے گا اتنا نفع پائے گا۔

وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا اور یوسف علیہ السلام کے لیے والد گرامی اور خالہ اور تمام بھائی سجدے میں گر گئے۔

سُجَّدًا حال مقدرہ ہے کیونکہ گرنے کے بعد سوائے سجدے کی حالت کے اور کوئی کیفیت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ سجدہ تحیہ و تعظیم کا تھا کیونکہ اس زمانے میں کسی کی تعظیم و تکریم اسی سجدہ کے طور رائج تھی جیسے آج ہم تعظیم کے طور قیام و مصافحہ اور دست و قدم بوسی وغیرہ کرتے ہیں۔

ف: شاہی تخت پر بٹھلانا سجدہ کے آداب بجا لانے کے بعد تھا اس لیے کہ آداب بجا لانا مسند پر بیٹھنے سے پہلے ہوتا ہے۔

سوال: مسند پر بٹھلانے کا ذکر پہلے کیوں۔

جواب: والدین کی تعظیم و تکریم کا تقاضا یوں ہی تھا اور ہم احناف کے نزدیک ترتیب و قوعی ترتیب لفظی کے مطابق ضروری نہیں۔ اسی سے مسئلہ ترتیب میں احناف کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔ چونکہ تعبیر رؤیا کا تعلق سجدے سے تھا اسی لیے اسے مؤخر کر کے تعبیر رؤیا کا اظہار کیا گیا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جب وہ حضرات یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوئے تو سرور و فرحت سے والد گرامی سے عرض کی،

یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ابا جی! یہی تمہارا سجدہ ریز ہونا میرے اسی خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں میں نے دیکھا تھا۔ اس سے یا ابت انی رأیت احد عشر کوکباً والشمس والقمر رأیتھم لی ساجدین کی طرف اشارہ ہے۔ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا ہے یعنی خواب والی بات کا بیداری میں مشاہدہ کرلیا۔

ف: بعض نے فرمایا کہ خواب چالیس سال عالم مشاہدہ میں ظہور پذیر ہوا۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اسی سال والی بات مرجوح ہوگی۔

نکتہ: کبھی ردی خواب تا دیر بعض انسانوں کو گھیرے رہتے ہیں بڑی تاخیر کے بعد اچھے خوابوں کا سلسلہ جاری ہوتا ہے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تا دیر بشارات سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے۔ جتنی دیر سے بشارتیں شروع ہوں گی اس کے لیے راحت و فرحت اور سرور تا دیر بلکہ تا ابد رہے گا اور پہلے پیشگی مصائب و تکالیف اس کے لیے اجر و ثواب میں اضافے کا موجب بنیں گی۔

Scanned with CamScanner

خواب سحر گاہی کی تشریح

حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا خواب وُہ ہوتا ہے جو صبح کے وقت دیکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ سحر رات کے آخری اور دن کی آمد کے پہلے حصّے کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ رات غیب و ظلمت کی مظہر ہے اور دن زمانۂ کشف و وضوح کا نام ہے اور مغیبات و مقدرات غیبیہ کی سیر کا منتہٰی پہلے علم الٰہی میں ہوتا ہے پھر عالم معانی و ارواح میں چونکہ زمانۂ سحر استقبال کمال انکشاف و تحقیق کا زمانہ ہے اسی لیے جو شئے اس وقت نظر آئے گی ظہور و تحقیق کے قریب تر ہو گی۔ اسی طرف سیدنا یوسف علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ:

ھذا تاویل رؤیای من قبل قد جعلھا ربی حقاً۔

یعنی خواب کی حقیقت اسی وقت ہوتی ہے جب حِس میں ظہور پذیر ہو جائے اس لیے کہ اسی میں ہی صورۃ فشلہ سے مقصد ظاہر اور صحیح نتیجہ برآمد ہو گا۔ اسی لیے شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے ھذا تاویل رؤیای "الخ" کا معنیٰ اس طرح بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی صورت کو ظاہر فرمایا جو پہلے خیال کے پردوں میں تھی۔ اسی بنا پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس نیام ۔ لوگ خواب میں ہیں۔

دیکھیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غفلت کی وجہ سے بیداری کو بھی خواب کی ایک قسم بتایا ہے کیونکہ غافل انسان نیند والے کی طرح معانی غیبیہ و حقائق الٰہیہ سے بے خبر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یوسف علیہ السلام کے قد جعلھا ربی حقا کی مثال اس شخص کی ہے کہ وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اس نے ایک خواب دیکھا پھر اسی خواب سے بیدار ہو کر اسی خواب کو یاد کیا کہ میں نے ایسے ایسے دیکھا اور اس نے اسی خواب میں اس کی تعبیر بھی دی حالانکہ اسے اس وقت علم نہیں کہ میں تو یہی بات خواب میں دیکھ کر اس کی تعبیر بیان کر رہا ہوں پھر وہ جب اصلی (پہلے) خواب سے بیدار ہوتا ہے تو کہتا ہے میں نے ایسے ایسے دیکھا تھا گویا میں اس وقت بیدار تھا اور بیداروں کی طرح ایسے تعبیر دی جو یوسف علیہ السلام کے اس خواب کو دیکھنے کے بعد مشاہدہ کیا تو اسی شخص کی طرح فرمایا۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎

این جہان را کہ بصورت قائمست

گفت پیغمبر کہ حکم نائمست

او گمان بردہ کہ این دم خفتہ ام

بے خبر زان کوست در خواب دوم

ترجمہ: یہ جہان جو ایک صورت پر قائم ہے حضور نے فرمایا کہ یہ خواب کے حکم میں ہے اسے

Scanned with CamScanner

گمان ہوتا ہے کہ میں سو رہا ہوں حالانکہ اسے خبر نہیں کہ وہ خواب میں ڈوبا ہوا ہے۔

محمدی و یوسفی تعبیر کے درمیان فرق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ادراک میں بہت بڑا فرق ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کو محسوس بنا کر دکھایا ہے اس لیے کہ خیال صرف محسوسات کو ہی پا سکتا ہے لیکن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے برعکس محسوسات کو بھی خیال سے تعبیر فرمایا ہے چونکہ وہ بھی ایک تجلی حق ہیں اور اس کے اندر معانی غیبیہ مضمر ہوتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے صورِ حسیہ کو حق کہا ہے اور صورِ خیالیہ کو ان کا غیر بتایا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ تجلیات حق اور معانی غیبیہ صرف صورِ حسیہ میں ہیں اور صورِ خیالیہ میں نہیں لیکن ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صورِ حسیہ و خیالیہ کو تجلی حق و معانی غیبیہ کا محل بنایا ہے۔ اس سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک کتنا اعلیٰ و اشرف ہے۔ بحمدہ تعالیٰ آپ کی وراثت سے ایسے علل و آثار سے اولیائے کاملین بھی سرشار ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ یعقوب سے روح اور زوجہ سے نفس اور اولاد قویٰ و اوصاف بشریہ و حواس اور یوسف سے قلب مراد ہے اور قلب بمنزلہ عرش کے ہے اور حقیقت میں حضرت انسان کا قلب عرش رحمٰن ہے اور وہ سجدہ دراصل اسی عرش رحمٰن کو تھا اسی ظاہری کو سجدہ نہیں کیا گیا۔

یوسف علیہ السلام نے ان شاء اللہ فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کو رسائی نہیں ہو سکتی جب تک جذبہ مشیت دستگیری نہ فرمائے۔ اٰمنین یعنی جب رسائی ہو گئی تو اس کے بعد حضرت حق سے انقطاع نہ ہو گا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ طریق وصول میں اتنی جد و جہد کرے کہ اس کی بصیرت کی نگاہ کھلے اور ظلمت سے بچ جائے۔ پھر وہ نہیں کہتا کہ وہ کہاں ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

ایں جہاں پر آفتاب و نور ماہ
او بہشتہ سر فرو بردہ بچاہ
کہ اگر حقست پس کو روشنی
سر زچہ بردار و بنگر اے دنی
جملہ عالم شرق و غرب آں نور یافت
تا تو در چاہی نخواہد بر تو تافت

ترجمہ: یہ جہاں آفتاب و چاند کے نور سے پُر ہے لیکن تُو نے کنوئیں میں سر چھپایا ہوا ہے کہ اگر وہ حق ہے تو اس کی روشنی کہاں۔ اور تم سرکنویں سے نکال کر اچھی طرح دیکھو تمام جہان نے مشرق

Scanned with CamScanner

سے مغرب تک اس نور سے استفادہ کیا جب تک تم ایسے ہی سر چھپائے رہو گے نور نہ پا سکو گے۔

ف: یہ نور معاصی و شرور پر صبر کرنے اور طبیعت و نفس کی شریعت و طریقت کی اصلاح اور وجود کو بیت الخلوۃ میں بند کرنے سے حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ حقیقت کا نور نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ؎

آنکہ پیرانہ سرم صحبت یوسف بنواخت
اجر صبریست کہ در کلبۂ احزان کردم

ترجمہ: وہ میرا بڑھاپا جس نے یوسف کو پالیا اسے اس صبر کا اجر ملا ہے جو میں نے عرصہ تک غم و حزن میں گزارا۔

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں واصلین سے بنا۔ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ الکواشی میں لکھا ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے در اصل احسن بی صنعہ احسان کبھی الی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور کبھی با کے ساتھ، جیسے و بالوالدین احسانا۔ اب جملہ ہذا کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے۔ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ جس وقت کہ اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا۔

سوال: کنویں سے نکلنے کا ذکر کیوں نہیں فرمایا۔

جواب ۱: تاکہ بھائی رسوا نہ ہوں اور انسان کا دوسرے پر مکمل احسان یہی ہے کہ درگزر کرنے کے بعد اس کی غلطی کا کبھی اعادہ ذکر نہ کرے۔

۲۔ قید خانہ میں کفار کے ساتھ رہنا سہنا تھا اور کنویں میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ۔ کنویں میں اگرچہ بظاہر قید میں تھے لیکن درحقیقت یہ قید نہیں تھی۔

۳۔ کنویں کی قید میں بچے (نابالغ) تھے اور بچوں پر ادائیگی شکر غیر ضروری ہوتی ہے۔

۴۔ کنویں کی تکلیف کو ایک عرصہ گزر چکا تھا اور وہ نسیاً منسیاً ہو گئی تھی۔ مصر کے قید خانے سے نکلے ہوئے قریب کا زمانہ گزرا تھا اسی لیے اسے یاد فرمایا۔

ان تمام وجوہ سے پہلی وجہ راجح تر ہے اور اس قسم کا بیان زلیخا کے حق میں ارجع الی ربک فاسئلہ ما بال النسوۃ التی میں گزر چکا ہے کہ وہاں زلیخا کا نام نہ لیا تو دیگر عورتوں کے متعلق فرمایا، ما بال النسوۃ الخ۔

لقمان کی حکمت

حضرت لقمان نے فرمایا کہ میں نے چار ہزار انبیاء علیہم السلام کی خدمت کی ہے ان سے میں نے آٹھ حکمتیں خصوصیت سے حاصل کیں:

۱۔ نماز میں قلب کی حفاظت

۲و۳۔ غیر کے گھر میں دونوں آنکھوں کی حفاظت

۷۴۔ لوگوں کی مجلس میں زبان کی حفاظت

۷۵۔ دو باتوں کو ہر وقت یاد کرنا ضروری ہے : اللہ تعالیٰ اور موت ۔

۷۶۔ دو باتوں کو بھلانا ضروری ہے ، کسی پر احسان کو اور اسی سے تکلیف پہنچنے کو۔

فائدہ صُوفیانہ تاویلات میں ہے کہ مجھے جب وجود کے قید خانے سے نکالا سے جُب البشریہ نہیں فرمایا اس لیے کہ وجود سے نکالنے کی نعمت بشریت کے کنویں سے نکالنے کی نعمت سے بہت بڑی ہے۔

وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ اور تمہیں دیہات سے لے آیا ہے۔ القاموس میں ہے کہ البدو ، بادیہ شہر کے برعکس یعنی دیہات ، کیونکہ دیہات میں جنگلات آنکھوں کے سامنے حائل ہوتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کو دیہاتی اس لیے فرمایا کہ ان کی وجہ معاش جانوروں پر تھی اس لیے کہ جانوروں کی چراگاہوں کی مناسبت پر کہیں مستقل ٹھکانہ نہیں تھا اسی لیے خیمہ جات اپنے ساتھ رکھتے جہاں جانوروں کی چراگاہیں سرسبز حاصل ہوتیں وہاں ڈیرے ڈال دیتے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد کا بسیرا ملک شام میں فلسطین کے نزدیک تھا اور وہ کنعان کے بھی قریب تھے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے شکرانہ کے طور کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قید خانہ سے تخت نشین بنایا اور آپ حضرات کو دیہات سے میرے ہاں پہنچایا تاکہ اکٹھے ہو کر باقیماندہ زندگی بسر کریں ۔

مِنۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ اس کے بعد میرے اور میرے بھائیوں کے مابین شیطان نے فساد ڈلوایا ۔ نزغ بمعنے افسد و حرش و اغری ۔ نزغ الرائض الدابہ سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب جانور کو چلانے والا اس کی پیٹھ پر نوکدار لکڑی چبھوئے تاکہ وہ تیز چلے اور متحرک ہو۔ اسے شیطان کی طرف منسوب کر کے اظہار احسان میں مبالغہ فرمایا۔

ف : صاحب رُوح البیان نے فرمایا : اس فعل کی نسبت نفس اور شیطان دونوں کی طرف کرنی چاہیے اس لیے کہ شر کا اصل معدن یہی دونوں ہیں اگرچہ ہر فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے ۔

اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ بیشک میرا رب تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بہتر تدبیر فرماتا ہے اور اپنی حکمت و صواب سے ہر ایک کے ساتھ لطف و کرم فرماتا ہے ۔ ہر مشکل سے مشکل کام اس کی تدبیر کے آگے سہل ہے ۔

ف : الکواشی میں ہے کہ وہ جس کے لیے چاہے لطف فرماتا ہے ۔ لطف پوشیدہ احسان کو کہا جاتا ہے ۔

ف : امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس اسم کا استحقاق اس ذات کے لیے ہے جو مصالح کے دقائق و غوامض کو جانتی ہو اور اسے دقیق و لطیف امر کا علم ہو اور ان مصالح کی حقدار کو سختی کی بجائے نرمی سے عطا فرمائے ۔

ف : جب رفق فی الفعل اور لطف فی الادراک کا اجتماع ہوتا ہے تو معنیٔ لطف مکمل ہو جاتا ہے اور اس کا کمال فی العلم و الفعل صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور بس۔

Scanned with CamScanner

ف : بندے کو اس اسم کا حصہ یوں نصیب ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ دعوت الی اللہ اور ہدایت الی سعادۃ الاخرہ 9
میں سختی کی بجائے نرمی کرے۔ نہ ان سے تعصب رکھے نہ ان سے جھگڑے۔ اور لطف کی احسن وجہ یہ ہے کہ اس میں شمائل اور
پسندیدہ سیر اور اعمال صالح کے ساتھ قبول حق کا جذبہ ہو الفاظ مزینہ کے بجائے امور مذکورہ بالا زیادہ موثر اور لطیف تر ہیں۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

پند فعلے خلق را جذاب تر
کہ رسد در جان ہر با گوش کر

ترجمہ : مخلوق کو عمل کے اظہار سے نصیحت کا زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے گونگے بھی
فائدہ پاتے ہیں۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ بے شک جمیع مصالح و تدابیر کے جملہ وجوہ کو وہی جانتا ہے۔ الحکیم اس کا ہر فعل حکمت کے
مقتضا کے مطابق ہے۔

ف : اسم علیم و حکیم کی تقدیم و تاخیر کی حکمت اسی سورۃ کے اوائل میں ہم نے بیان کی ہے۔

علم یعقوب علیہ السلام

مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد گرامی کے پنجہ میں پنجہ ملا کر انھیں اپنے
خزانوں کی طرف لے گئے۔ پہلے انھیں چاندی اور سونے کے، پھر کپڑوں اور
ہتھیاروں کے، اسی طرح سب خزانے دکھاتے ہوئے کاغذ کے کارخانوں میں لے گئے اور کاغذوں کی ایجاد یوسف علیہ السلام
کی مرہونِ منت ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا : بیٹے! کاغذوں کے اتنے بڑے کارخانوں کے باوجود آپ نے میرے
ہاں ایک خط بھی نہ لکھا حالانکہ آپ مجھ سے صرف آٹھ مراحل کے فاصلے پر تھے ؎

صد بار شد از عشق تو ام حال دگرگوں
یکبار نگفتے فلاں حال تو چوں شد

ترجمہ : تیرے عشق میں میرا حال کئی بار دگرگوں ہوا تو نے کبھی ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا کہ تیرا حال کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے روکا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا
کہ آپ ان سے روکنے کی وجہ دریافت کریں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا : آپ خود ہی بلا کر ان سے پوچھ لیجئے۔ حضرت
یعقوب علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ نے کیوں روکا؟ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔
جب آپ نے فرمایا : اخاف ان یاکلہ الذئب اللہ نے فرمایا یہ میرے بجائے بھیڑیے سے کیوں ڈرتے ہیں۔

عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

Scanned with CamScanner

۱ زلیخا چوں زیوسف کام دل یافت
بوصل دائمش آرام دل یافت

۲ تمادی یافت ایام وصالش
دراں دولت زچل بگذشت سالش

۳ پیاپے داد آں نخل برومند
بر فرزند بل فرزند فرزند

۴ مرادے درجہاں در دل نبودش
کہ بر خوان امل حاصل نبودش

ترجمہ: ۱۔ جب زلیخا نے یوسف سے مراد پائی اور اس کے دائمی وصال سے آرام پایا۔
۲۔ اس کے وصال سے کافی مدت گزری یعنی چالیس سال باہم بسر کیے۔
۳۔ انھیں چالیس سالوں میں مراد کے پھل خوب کھائے اور اولاد بھی پیدا ہوئی۔
۴۔ اب اس کی کوئی مراد باقی نہ رہی کیونکہ جملہ مرادیں پا لی تھیں۔

راعیل یعنی بی بی زلیخا سے یوسف علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل

اولاد یوسف علیہ السلام از بی بی زلیخا

مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ افرائیم
۲۔ میشا
۳۔ رحمة زوجہ ایوب علیہ السلام

افرائیم کے بیٹے نون کے بیٹے یوشع علیہ السلام تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ خاص مشہور ہیں۔ جب یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے محل خاص میں تشریف لے گئے تو یوسف علیہ السلام کی اولاد حاضر ہو کر دادا جان کے سامنے باادب کھڑی ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام نے سب کا تعارف کروایا۔ یعقوب علیہ السلام انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے والد گرامی کو اپنی زوجہ بی بی زلیخا کا حال سنایا اور فرمایا کہ یہ تمام بچے اسی کے بطن سے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے بی بی زلیخا کو بلایا۔ زلیخا حاضر ہوئی اور اس نے یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ چومے اور عرض کی آپ ہمارے اسی محل خاص میں قیام فرماویں۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یہ شاہانہ رہائش ناپسند ہے۔ مجھے ایک جھونپڑا اس طرح کا تیار کرا دو جیسے کنعان میں میرے لیے تیار کرایا گیا۔ آپ کی حسب خواہش جھونپڑا تیار کر دیا گیا اور آپ اس میں بخوشی منتقل ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

مختارِ کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش گاہ سہیلی نے فرمایا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مسکنے (حجرے) کھجوروں کی لکڑیوں سے تیار کیے گئے تھے اور اسے گارے سے مضبوط کیا گیا تھا۔ چند ایک حجرے پاک پتھروں سے بنائے گئے۔ لیکن تمام حجروں کی چھتیں کھجور کی لکڑیوں کی تھیں۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی چشم دید شہادت حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قریب البلوغ تھا۔ لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں آنا جاتا تھا۔ یہ خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی بات ہے۔ وہ حجرے اتنے چھوٹے تھے کہ میں ان کی چھتوں کو ہاتھ لگا لیتا تھا۔ پھر حضرت عثمان بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ازواجِ مطہرات کے وصال کے بعد ان حجروں کو توڑ کر مسجدِ نبوی تیار کرائی۔

اختیارِ کُل کا ثبوت بعض تابعین رضی اللہ عنہ کو اسی روز بہت بڑا گریہ کرتے دیکھا گیا۔ اور فرماتے کہ کاش! یہ حجرے پاک نہ ہوتے تو لوگ مکانات کی تعمیر میں حرص و ہوا میں مبتلا نہ ہوتے اور ایسے مکانات میں سکونت اختیار فرماتے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کی سکونت کے لیے پسند فرمائے حالانکہ اختیار کا عالم یہ تھا کہ:

معاتیح خزائن الارض بیدہ علیہ السلام۔ (روح البیان ج ۴ ص ۳۲۴) — تمام زمینوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں تھیں۔

یہ صرف اس لیے کہ لوگ مکانات میں تکاثر و تفاخر نہ کریں۔ (کذا فی التبیان)

حدیث شریف مسلمان کا وُہ مال بہت بُرا ہے جو تعمیرات میں خرچ کیا جائے۔

حکایت بہلول دانا حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہارون کے محل شاہی کی دیوار پر لکھا کہ اے ہارون بادشاہ! تو نے مٹی کو (مکان بنا کر) بلند کیا لیکن دین کو خاک میں ملا دیا اور تو نے چُونے کو اونچا کیا۔ لیکن نص (قرآن و حدیث) کو ضائع کر دیا۔ تو نے اتنا بڑا مکان اپنی جیب سے بنایا تو تو فضول خرچ ہے اور اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اگر تُو نے یہ مال عوام کے خُون پسینے سے بنایا تو تُو ظالم ہے۔ اور ظالموں کو بھی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا۔

وفات یعقوب علیہ السلام مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کے ہاں چوبیس سال زندہ رہے۔ جب وصال کا وقت قریب ہُوا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے شام میں اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ یعقوب علیہ السلام کا وصال ہوا تو ان کو ساگوان کے

Scanned with CamScanner

صندوق میں رکھ کر خود یوسف علیہ السلام بنفس نفیس ملک شام میں دفنانے کے لیے لے گئے۔ حسنِ اتفاق سے اسی روز عیصؑ کا انتقال ہوا۔ جیسے دونوں حضرات والدہ کے پیٹ میں اکٹھے رہے ویسے ہی ایک قبر میں مدفون ہوئے۔ عیص اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو سینتالیس تھی۔ (کذا فی تفسیر ابی الیث)

یوسف علیہ السلام والد گرامی کو دفنا کر مصر واپس تشریف لائے اور والد گرامی کے وصال کے بعد صرف تیس سال زندگی بسر فرمائی اور آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔ جب یوسف علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے تمام اوصاف مکمل طور پر جمع فرمائے اور شاہی اسباب عروج پر پہنچے اور کاروبار بھی احسن طریق سے سلجھ گئے اور دیکھا کر اب معاملات میں کسی قسم کی کمی نہیں رہی لیکن آخر تا بکے، ہر کمالے را زوال۔ اور دنیا کی تمام نعمتیں مٹ جائیں گی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اذا تم امر دنا نقصہ

توقع زوالا اذا قیل تم

ترجمہ: جب معاملہ مکمل ہوتا ہے تو اس کے نقص کا آغاز بھی ہو جاتا ہے جسے تم سنو کہ وہ مکمل ہو گئی تو سمجھ لو کہ اب اس کے زوال کا وقت آگیا ہے۔

اسی لیے یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حسنِ خاتمہ کے ساتھ موت چاہی

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خواب میں والد گرامی کو دیکھا وہ فرماتے ہیں: بیٹے! میں تیری دید کا بہت بڑا مشتاق ہوں۔ تین دن کے اندر اندر میرے ہاں حاضر ہو جاؤ۔ یوسف علیہ السلام بیدار ہوئے تو تمام بھائیوں کو بلایا اور وصیتیں کیں اور اپنی مملکت کا ولیعہد یہودا کو مقرر فرمایا۔ صاحبزادگان کو ان کے سپرد کیا۔ فرمایا پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں مناجات عرض کی:

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ بیشک تو نے میری ملک کر دیا یا دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کا مالک بنا دیا یعنی مصر کی شاہی بخشی۔ ہم نے ایک حصہ سے اس لیے تعبیر کیا کہ یوسف علیہ السلام بظاہر تمام دنیا کے بادشاہ نہ تھے۔

ف: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام میں تمام دنیا کی بادشاہی کرنے کی قابلیت تھی۔ لیکن صرف ایک حصہ کی شاہی کی۔ اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں باوجودیکہ کائنات کی شاہی سونپی گئی لیکن آپ نے اپنے افعال وصفات سے ملک شاہی کو ایسا فنا فرمایا کہ آپ کے وجود سے سوائے تجلیات حق کے اور کوئی شے ظاہر نہ ہوئی اور آپ کی یہ وہ شاہی تھی کہ جس کا مقابلہ کوئی اور شاہی نہیں کر سکتی۔

---

[1] یعنی یعقوب علیہ السلام کے جڑواں بھائی۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ : اسی لیے فقہا کرام نے فرمایا کہ جو شخص حقارت سے حضور علیہ السلام کو کہے کہ وہ فقیر تھے تو ایسا قائل واجب القتل ہے۔

شعر

شمع سرائے ابیت اختر برج لو دنوت
تارک دنیائے دنی مالک مکست دنا

ترجمہ : سرائے ابیت کی شمع لو دنوت کے برج کے اختر ، دنیائے دنی کے تارک اور ملک دنی کے مالک۔

وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ یعقوب علیہ السلام تمام خوابوں کی مکمل تفصیل نہیں جانتے تھے۔ ہاں انہیں تعبیر رؤیا کا ملکہ حاصل تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ من بیان جنس کے لیے ہے۔ اور ابن الکمال نے فرمایا کہ احادیث حدیث کی جمع الجمع ہے۔ اس لیے کہ حدیث کی پہلے احدثہ جمع بنائی گئی ہے جیسے قطیعہ کی پہلے اقطعہ پھر اقاطیع۔ اور احادیث سے یہاں پر رؤی جمع رؤیا (خوابیں) مراد ہے اور تاویل سے خواب کا انجام (جو دنیا میں ظاہر ہوگا) مراد ہے۔

ف : علم تعبیر الرؤیا بہت اعلیٰ علم ہے لیکن یہ نبوت کو لازم ہے نہ ولایت کو اپنے بعض خواص کو اس کا علم بالتفصیل عنایت فرمایا اور بعض کو بالاجمال۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہی آسمان و زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں ایک عرصہ تک فاطر کے معنی سے بے خبر رہا۔ ایک دن
اعجوبہ میرے ہاں دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے اور وہ خالص عربی تھے دونوں کا کنویں کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ ان میں ایک نے کہا : فافطرتہا۔ یعنی میں نے اس کے کھودنے کی ابتداء کی اس سے میں نے فاطر کے معنی سمجھ لیے۔

اَنْتَ وَلِيّٖ تو میرا آقا اور میں تیرا عبد ہوں۔ کاشفی نے ولی کا معنی مددگار اور سازگار کیا ہے۔ یعنی تو مددگار اور میرے جملہ امور کا کارساز ہے فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا اور آخرت میں۔

مسئلہ : دعا مانگنے سے پہلے اللہ کی تعریف کرنی چاہیے۔ اسی لیے یوسف علیہ السلام نے دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا مجھے مسلمان کر کے فوت فرما۔ اس میں اسلام پر خاتمہ کی دعا مانگی ہے اس لیے کہ نعمت کی تکمیل خاتمہ پر ہے۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا یہی مطلب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یوسف علیہ السلام نے موت کی تمنا کی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میری روح توحید پر قبض فرما۔

ف : موت کی تمنا سوائے یوسف علیہ السلام نے اور کسی نبی نے نہیں فرمائی نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد۔

Scanned with CamScanner

مثنوی شریف میں ہے

پس رجال از نقل عالم شادمان
وز بقا اشش شادمان ایں گودکان

ترجمہ: اللہ والے عالم دنیا سے چلے جانے سے اور بچے اس کے اندر زندہ رہنے سے خوش ہوتے ہیں۔

ہمچنیں باد اجل بر عارفان
نرم و خوش ہمچون نسیم یوسفان
آتش ابراہیم را دندان نزد
چون گزیدہ حق بود چونش گزد

ترجمہ: عارفین کے لیے اجل ایسے ہی نرم و خوش ہے جیسے یوسفی نسیم ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نقصان نہ پہنچایا اس لیے کہ وہ برگزیدہ حق تھے، انھیں آگ کیسے نقصان پہنچاتی۔

حدیث شریف اَلْمَوْتُ تُحْفَةُ الْمُؤْمِن۔ موت مومن کا تحفہ ہے اس لیے کہ موت مومن کے لیے قیدخانہ ہے کیونکہ مومن اس میں ہمیشہ دکھ اور تکلیف میں مبتلا رہتا ہے۔ بالخصوص نفس شیطان کا مقابلہ اور شہوت کے دفع کرنے کی پریشانی وغیرہ وغیرہ۔ مومن موت سے ان تمام تکالیف سے نجات پاکر دائمی راحت و فرحت کی آغوش میں آجاتا ہے۔

اسی بنا پر بزرگان کا فرمان ہے کہ اُمراء کی موت فتنہ اور علماء کی موت مصیبت اور اغنیاء کی موت محنت اور فقراء کی موت راحت ہوتی ہے۔

حدیث شریف جسے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی محبت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے کراہت کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے فرمایا کہ ہم سب موت سے گھبرا جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا نام گھبراہٹ نہیں بلکہ وہ گھبراہٹ مراد ہے جو عین موت کے وقت ہوتی ہے۔ اور اس وقت تو مومن کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاں ایک فرشتہ خوشخبری لاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری دو گے تو تمہارے لیے فلاں فلاں نعمتیں تیار ہیں۔ اس طرح سے اس بندے کو اللہ تعالیٰ کی حاضری کا بہت شوق ہوگا۔ وہ چاہے گا ابھی دیر نہ ہو میں مرجاؤں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوجاؤں۔ اور فاجر یا کافر جب مرجاتا ہے تو اس کے ہاں ڈر سنانے والا فرشتہ تشریف لاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ عذاب کی خبر

سنانا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاضری نہ دوں اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے حضور ایسے بندے کی حاضری نہیں چاہتا۔

ف : اللہ کی محبت کے معنے یہی ہیں کہ وہ اپنے بندے کو فضل و کرم اور عطائے بیکراں سے نوازتا ہے۔ اور کافر سے کراہت کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ اسے اپنی رحمت سے دُور اور توفیق خیر سے محروم اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا فرماتا ہے۔

ف : حضرت یُوسف علیہ السلام نے ایمان پر خاتمہ کی دُعا اس لیے مانگی تاکہ آپ کی اُمت بھی اسی طرح دُعا مانگے۔ جسے اپنے خاتمے کا خطرہ رہتا ہو اسے خاتمہ ایمان کی دُعا مانگنی چاہیے۔ یُوسف علیہ السلام کی دُعا کی برکت سے خاتمہ ایمان پر بھی ہو گا اور پیغمبر کی اقتدا بھی نصیب ہوگی۔

سوال : حضرت یُوسف علیہ السلام کو خاتمہ کا کون سا خطرہ تھا تم اہلسنت کہتے ہو کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں۔

جواب : غیب جاننا اللہ تعالیٰ کے اذن وعطا سے ہوتا ہے اور واقعی انبیا علیہم السلام کو اپنے بلکہ اپنی تمام امت کے خاتمے کا علم ہوتا ہے۔ یہ بدبخت وہابیہ و دیوبندیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے خاتمے کا علم نہ تھا[1]۔ ان کا خاتمہ ایمان کی دُعا مانگنا اپنے لیے نہیں ہوتا بلکہ ان کا ہر عمل اپنی امت کی تعلیم کے لیے ہوتا ہے تاکہ اُمت انبیاء علیہم السلام سے استفادہ کرے (چنانچہ صاحب رُوح البیان نے اس طویل بحث کو دو لفظوں میں ختم فرمایا ہے کہ :)

لان ظواهر الانبیا علیهم السلام کانت لنظر الامم الیهم لیعلموا موضع الشکر من موضع الاستغفار۔

وَ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور مجھے صالحین میں شامل فرما : یہاں پر صالحین سے ان کے آباء کرام انبیاءؑ و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مجھے ان حضرات کے ساتھ بہشت میں داخل فرما۔ یا ان سے عام صالحین مومنین مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ مجھے نعمت و کرامت میں ان کے ساتھ شامل فرما۔ در اصل یہ کلمہ حضرات انبیاءؑ علیہم السلام کے لیے مستعمل ہے کیونکہ انہی حضرات کے احوال کامل اکمل اور خیر و برکت کے جامع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے :

وادخلناهم فی رحمتنا انهم من الصالحین۔

سوال : سعدی المفتی نے فرمایا کہ صلاح (نیکی) مبتدی سالک کی صفت ہے۔ یُوسف علیہ السلام تو اکابر انبیاء علیہم السلام سے تھے تو پھر انھیں اس صفت سے کیوں موصوف کیا گیا اور انہوں نے اس معمولی مرتبہ والوں کے ساتھ الحاق کی دعا کیوں مانگی۔

جواب : یہ ان کی کسرِ نفسی پر مبنی ہے کیونکہ حضرات انبیا علیہم السلام اپنے اکثر معاملات میں کسرِ نفسی کرتے ہیں۔ جیسے ہمارے

---

[1] براہین قاطعہ

Scanned with CamScanner

آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے کثرت سے استغفار کیا کرتے تھے۔

جواب ۲ : صاحب روح البیان نے فرمایا کہ مذکورہ بالا جواب سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور یہ جواب نہایت ناموزوں اور انبیاء علیہم السلام کی شان کے منافی ہے۔ در اصل سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ کو ابتدائی غلطی اولئك الذين انعم الله عليهم من النبيين (الآیہ) کی ترتیب سے ہوئی ہے کہ آیت مذکورہ میں صالحین کا ذکر آخر میں ہے فلہذا وہ درجہ میں کم ہیں۔ حالانکہ ان کی توجہ اس حقیقت سے ہٹ گئی کہ صلاحیت ایک ایسے بہت بڑے مرتبے کا نام ہے جو جمیع مراتب کا جامع ہے کیونکہ لفظ صالح ہر شہید و صدیق و نبی کو حاوی ہے کیونکہ جب ترقی کرے تو شہید بنتا ہے پھر مزید ترقی کرے تو صدیق۔ اس کا آخری مرتبہ نبوت ہے۔

سوال : اگر شہید میں صلاحیت کا مفہوم موجود ہے تو پھر اسے صالح کیوں نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح صدیق اسی طرح نبی۔

جواب : یہ صفت غلبہ کی وجہ سے ہے جیسے انسان تو ہر کوئی ہے لیکن جب کسی کو امارت نصیب ہوتی ہے تو اسے امیر کہا جاتا ہے اور جب وزارت ملتی ہے تو وزیر۔ اس طرح جس صفت کا غلبہ ہوگا اسی نام سے مشہور ہوگا۔ اسی طرح ولایت کے درجات ہوتے ہیں۔ انسان جس درجہ کو حاصل کرے گا اسی صفت سے موسوم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو بھی صالحین کہا ہے۔ کما قال،

انهم من الصالحين۔

اور فرمایا،

وهو يتولى الصالحين۔

در اصل حقیقت یہ ہے کہ کامل انتہا کے بعد ابتداء کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسی لیے توفنی مسلماً پہلے کہا تو یہ فنافی اللہ کی طرف، پھر الحقنی بالصالحین میں بقا باللہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسی لیے صوفیا کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! مجھے فنا نصیب فرما، اس کے بعد بقاء عطا فرما۔ مجھ میں میری انانیت مٹ جائے اور تیری ذات میں بقا حاصل ہو اور تیری بقا ازلی ابدی ہے اچھی طرح سمجھ لو اسے سمجھ دار و!

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو واقعہ موت کا خواب سنایا اور بی بی نے آپ کو مذکورہ بالا دعا مانگتے سنا اور انہیں یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام کی دعا مستجاب ہوگی اور وہ ان کے نزدیک مصیبت عظیم ہوگی کیونکہ برسہا برس کی جدائی کے بعد وصال نصیب ہوا۔ اب جدائی کیسے برداشت ہوگی اس لیے بی بی زلیخا خوب روئیں اور گویا دعا مانگیں ؎

ندارم طاقت ہجران یوسف — ز تن کش جان من با جان یوسف

بقانون وفا نیکو نباشد — کہ من باشم بد نیا او نباشد

وگر با من نسازی بهره او را / مرا بیرون بر اول آنگه او را
بدیگر او ز یوسف بامدادان / که شد دلها ز فیض صبح شادان
برکرده بباس شهریارے / برون آمد بآهنگ سوارے
چو پا در یک رکاب آورد جبریل / بدو گفتا مکن زین بیش تعجیل
امان نبود ز چرخ عمر فرسائے / که ساید در رکاب دیگرت پائے
عنان بگسل ز آمال امانی / بکش پا از رکاب زندگانی
چو یوسف این بشارت کرد از وگوش / ز شادی شد بره هستی فراموش
ز شاہی دامن همت بر افشاند / یکے از وارثان ملک بر خواند
بجائے خود شہ آن مرز کردش / بخصلتہائے نیک اندر ز گردش
دگر گفتار زلیخا را بخوانید / بمیعاد وداع من رسانید
بگفتند او ز دست غم زبونست / فتاده درمیان خاک و خونست
ندارد طاقت این بار جانش / بحال خویش بگزار آن جانانش
بکف جبریل حاضر داشت سیبی / که باغ خلد ازان میداشت زیبی
چو یوسف را بدست آن سیب بنهاد / روان آن سیب را بوئید و جان داد
چو یوسف را ازان بو جان بر آمد / ز جان حاضران افغان بر آمد
زلیخا گفت این سوز و فغان چیست / پر از غوغا زمین و آسمان چیست
بدو گفتند کان شاه جوان بخت / بسوے تخته رو کرد از سر تخت
وداع کلبۂ تنگ جہان کرد / وطن بر اوج کاخ لا مکان کرد
ز هول این سخن آن سرو چالاک / سه روز افتاد همچون سایه بر خاک
چو چهارم روز شد زان خواب بیدار / سماع آن ز خود بردش دگر بار
سه بار اینسان سه روز از خود همی رفت / چراغ سینه سوز خود همی رفت
چهارم بار چون آمد بخود باز / ز یوسف کرد اول پرسش آغاز
چو این از وے خبر بازش ندادند / که همچون گنج در خاکش نهادند
بیک جنبش ازین اندوه خانه / چلت گاه یوسف شد روانه
همی فرقش ہی بوسید و کر پاے / فغان میزد ز دل کای وای من وای

فرو رفتہ تو ہمچون آب در خاک — بہ بیرون ماندہ من چون خار و خاشاک
چو درد و حسرتش از حد برون شد — بہ رسم خاک بوسی سرنگوں شد
ز چشمان خود انگشتان در آورد — دو نرگس را ز نرگسدان بر آورد
بخاک وے فگند از کاسۂ سر — کہ نرگس کاشتن در خاک بہتر
بخاکش روئے خون آلودہ بنہاد — بمسکینی زمین بوسید و جان داد
خوش آن عاشق کہ در ہجران چنان مرد — بخلوت گاہ جانان جان چنان برد
نخست از غیر جانان دیدہ برکند — وزان پس نقد جان بر خاکش افگند
ہزاران فیض بر جان و تنش باد — بجانان دیدۂ جان روشنش باد
حریفان حال او را چون بدیدند — فغان و نالہ بر گردون کشیدند
ز گرد فرقش رخ پاک کردند — بجنب یوسفش در خاک کردند[1]

ف: القصص میں ہے کہ یوسف علیہ السلام سے پہلے ہی زلیخا کا انتقال ہوگیا۔ اس سے یوسف علیہ السلام کو سخت ملال ہوا۔ بی بی زلیخا کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا وقتِ وصال قریب ہوا تو اپنے صاحبزادے افرائیم کو شاہی عنایت فرمائی۔

عجیب واقعہ مروی ہے کہ یوسف علیہ السلام اپنے اہل و عیال اور جملہ اخوۃ اور آل اولاد اور جملہ اہلِ ایمان کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے تو جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ انہوں نے دریائے نیل میں ایک راستہ نکال دیا اس میں ایک مقام پر رہنے لگے۔ آپ کی عقیدت سے بہت سے لوگ وہاں جمع ہوگئے۔ وہیں پر دو شہر بنوائے گئے ان کا نام "حرمین" رکھا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام ایک عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہ کر دنیا سے کوچ کر گئے۔ تو مصریوں نے آپ کے مدفن کے متعلق جھگڑا کیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ یوسف علیہ السلام کا مزار ان کی جانب سے ہو تاکہ وہ مزار اقدس سے تبرک و تیمن حاصل کریں اور آپ کے مزار اقدس کے طفیل انہیں خوشحالی نصیب ہو۔

ف: معلوم ہوا زمانۂ قدیم سے اہلِ ایمان کا یہی عقیدہ رہا کہ مزارات سے برکاتِ دنیویہ نصیب ہوتے ہیں۔

اس پر جنگ و جدال تک نوبت پہنچی۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ ایک سال ان کا مدفن شہرِ مصر کی جانب ہو، دوسرے سال دوسری جانب۔ چنانچہ جس سال جانبِ مصر مزار مبارک رکھا گیا وہ جانب خوشحال ہوگئی اور دوسری طرف قحط سالی۔ پھر دوسری جانب مزار کو تبدیل کیا گیا تو وہ سمت خوشحال ہوگئی اور دوسری سمت قحط کی زد میں آگئی۔ اس کے بعد سب نے اتفاق کیا کہ مزار شریف دریائے مصر کے درمیان میں ہو۔ چنانچہ آپ کے لیے سنگِ مرمر کا ایک صندوق بنوا کر دریا کے درمیان زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔

---

[1] ان اشعار کا ترجمہ "نکاح یوسف و زلیخا" نامی رسالہ میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہٗ)

۱ شگاف سنگ تیر اندا سے کردند
میان قعر نیلش جا سے کردند

۲ یکے شد غرق بحر آشنائی
یکے لب تشنہ در بر جدائی

۳ بہ بین حیلہ کہ چرخ بے وفا کرد
کہ بعد مرگش از یوسف جدا کرد

۴ نمی دانم کہ با ایشان چہ کین داشت
کہ زیر خاکشان آسودہ نگذاشت

ترجمہ:۱۔سخت پتھر میں سوراخ کر کے دریائے نیل میں رکھے گئے
۲۔ایک بحر آشنائی میں غرق، دوسرا جدائی سے تشنہ لب۔
۳۔فلک کی بے وفائی کا حال دیکھیے کہ موت کے بعد اسے یوسف سے جدا کر لیا۔
۴۔معلوم نہیں اسے خلائق سے کینہ کیوں ہے کہ انھیں مرنے کے بعد بھی آسودہ نہیں چھوڑتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یوسف علیہ السلام کا مزار شریف

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر باہر تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے جسد اطہر کو بھی ساتھ لے جائیں اور ان کے جسد پاک کو بیت المقدس میں دفن کر دینا کیونکہ ان کی وصیت تھی کہ جب بنی اسرائیل یہاں سے ہجرت کر کے کہیں جائیں تو ان کا جسم اطہر بھی ساتھ لے جائیں۔ چنانچہ ان کے ارشادِ گرامی کی تعمیل کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے مزار اقدس کی تلاش بسیار کی۔ لیکن مزار نہ مل سکا۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جسے ان کے مزار کا علم ہو وہ مجھے اس کی خبر دے۔ ایک بڑھیا نے عرض کی: مجھے ان کے مزار کا علم ہے مگر اس شرط پر بتاؤں گی جب آپ ایفاء کا وعدہ کریں گے وہ یہ کہ آپ مجھے مصر میں نہ چھوڑیں بلکہ آپ ساتھ لے جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کرنے کا وعدہ فرما لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کے ساتھ بہشت میں رہوں۔ یہ شرط سن کر موسیٰ علیہ السلام نے ذرا توقف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے موسیٰ! آپ اس بڑھیا کے ساتھ وعدہ فرمالیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا کے ساتھ وعدہ فرما لیا۔

موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ جب چاند طلوع کرے اس وقت سب اپنے گھروں سے نکل کر باہر آجانا۔ اب ادھر یوسف علیہ السلام کا معاملہ سنگین ہوگیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! جب تک یوسف علیہ السلام کا

Scanned with CamScanner

معاملہ درست نہ ہو جائے اس وقت تک چاند طلوع نہ ہو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بڑھیا کو لے کر دریائے نیل میں چلے گئے یہاں تک کہ بڑھیا نے نشان دہی کی اور عرض کی: پانی کو یہاں سے ہٹاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دریائے نیل کے ایک کونے سے یوسف علیہ السلام کے مزار کا صندوق ظاہر ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ دریا کے ایک گوشے سے دریا کی مٹی ہٹانے کے لیے بڑھیا نے کہا۔ انھوں نے مٹی ہٹائی تو یوسف علیہ السلام کا صندوق ملا۔ بعض روایات میں ہے کہ دریائے نیل کے کنارے ایک ستون کا نشان بتلایا گیا جہاں سے صندوق ملا۔

سوال: پہلے تو تم نے بتایا کہ صندوق کو زنجیر کے ساتھ باندھا گیا اب کہتے ہو کہ دریا کے کنارے کو کھودا گیا۔

جواب: زنجیر کو پہلے دریا کے کنارے باندھا گیا تھا، بڑھیا نے اسی زنجیر کی نشان دہی کی۔ پھر اسی زنجیر کے ذریعے وہ صندوق ملا جس کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا صندوق مبارک بندھا ہوا تھا۔ اسی سے موسیٰ علیہ السلام سنگِ مرمر کے صندوق سے نکال کر اپنے ساتھ لے گئے۔

بڑھیا کی کہانی

انیس الجلیس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاں تین سو سالہ بوڑھا حاضر ہوا اور عرض کی کہ یوسف علیہ السلام کے مزار کا علم صرف میری والدہ کو ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اپنی والدہ کے پاس لے چل میں اس سے خود پوچھوں گا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس بڑھیا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ ایک جگہ آرام فرما تھی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ بی بی! آپ کو یوسف علیہ السلام کے مزار مبارک کا علم ہے؟ اس نے عرض کی ہاں، میں ان کے مزار مبارک کو جانتی ہوں لیکن اس شرط پر بتاؤں گی کہ آپ میرے لیے دعا مانگیں کہ میں سترہ سالہ نوجوان ہو جاؤں اور دوسری شرط یہ ہے کہ جتنی عمر میں گزار چکی ہوں اتنی مجھے اور مل جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی اور پوچھا، تیری کتنی عمر گزری ہے؟ عرض کی، نو سو سال۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دعا فرمائی وہ بڑھیا ایک ہزار آٹھ سو سال عمر بسر کی۔ ان شرائط کے بعد اس بی بی نے موسیٰ علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا مزار دکھایا۔

ف: یوسف علیہ السلام کا مزار دریائے نیل کے درمیان میں اسی لیے رکھا گیا تاکہ تمام مصر میں خوشحالی یکساں طور پر ہو۔

ف: یوسف علیہ السلام کے دخولِ مصر اور موسیٰ علیہ السلام کے خروج کے درمیان چار سو سال کا عرصہ گزرا۔

ف: بنی اسرائیل میں سب سے پہلے نبی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ مصر کو عمالقہ سے فراعنہ نے حاصل کیا۔ بنی اسرائیل ان کے ماتحت رہے اور یوسف علیہ السلام کے دین پر تھے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فراعنہ سے نجات بخشی۔

حکایت حضرت عمر بن عبد العزیز کے ہاں میمون بن مہران ایک رات شب باش ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز

Scanned with CamScanner

ساری رات موت کو یاد کر کے روتے رہے۔ میمون نے کہا، حضرت جی! آپ کیوں روتے ہیں؛ آپ کے ذریعے دین کی بہت بڑی خدمت ہوئی آپ نے سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو مٹایا۔ اور آپ کے زمانہ مبارک میں عالم دنیا میں خیر کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ کیا میں صالح آدمی یعنی یوسف علیہ السلام کی طرح نہ ہوں، کیونکہ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ امور کا مالک بنایا۔ لیکن موت سے پہلے آپ نے دعا مانگی، توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین۔ ؎

گرت ملک جہان زیر نگین است
بآخر جائے تو زیر زمین است

ترجمہ: اگرچہ تمام جہان تیرے زیر فرمان ہو بالآخر تیرا ٹھکانا زمین کے نیچے ہے۔

ذٰلِكَ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! یوسف علیہ السلام کی خبر مذکور مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ ان خبروں سے ہے جو آپ سے مخفی تھیں نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ہم آپ کو جبریل علیہ السلام کے ذریعے خبر دیتے ہیں۔ یہ ذلک کی دوسری خبر ہے۔

وَمَا كُنْتَ اور آپ حاضر نہ تھے لَدَيْهِمْ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے نزدیک اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ جب انھوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کیا تھا۔

ف: اَلْاِجْمَاعُ کسی کام کے لیے پختہ ارادہ کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل عرب کہتے ہیں:

اَجْمَعْتُ الْاَمْرَ وَعَلَيْهِ یعنی میں نے فلاں کام کے لیے پختہ ارادہ کیا ہے۔

وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ اور وہ یوسف علیہ السلام اور اپنے والد گرامی کے ساتھ دھوکہ کرتے تھے جبکہ ان سے عرض کیا کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ہمراہ بھیج دیں۔

ف: اس میں کفار کے ساتھ تہکم مطلوب ہے بایں معنیٰ انھیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام ان کے واقعات میں موجود نہ تھے اور نہ ہی کسی سے یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیلی طور پر پڑھا اور نہ سُنا اور نہ ہی آپ ایسی قوم میں پیدا ہوئے یا نشست و برخاست کی جنہیں یوسف علیہ السلام کا واقعہ معلوم تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کا مکمل اور صحیح واقعہ بیان فرمایا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ سوائے وحی ربانی کے آپ کو یہ واقعہ معلوم نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور علیہ السلام اپنی طرف سے مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر کس طرح یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن کفار نے پھر بھی انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں تہکماً فرمایا گویا انھیں کہا کہ اے میرے محبوب علیہ السلام کے منکرو! اور ان سے مقابلہ کرنے والو! سوچو کہ جب انھیں یہ واقعہ کسی سے سنایا نہیں گیا اور نہ کسی سے آپ نے پڑھا ہے اور نہ وہ خود اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔ پھر بھی حرف بحرف واقعات بیان فرماتے ہیں اب بھی علم کا انکار کرتے ہو یہ تمہاری بیوقوفی ہے یا یقین کرو۔ وحی ربانی سے انھیں معلوم ہوا ہے اور وحی ربانی سے جاننے والا نبی ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہود اور کفارِ مکہ نے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے حرف بحرف صحیح بتا دیا اس کے باوجود یہود اور کفار نے انکار کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم محزون و ملول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا :

وَمَآ اَكۡثَرُ النَّاسِ اور انہیں اکثر لوگ یعنی اہلِ مکہ وغیرہ وَلَوۡ حَرَصۡتَ اگرچہ آپ ان کے ایمان کے لیے حرص اور آیات کے اظہار میں مبالغہ فرمائیں۔

ف : شے کو صحیح طریق پر طلب کرنے میں جدوجہد کرنے کو حرص کہا جاتا ہے۔

بِمُؤۡمِنِيۡنَ سرکشی اور کفر میں پختگی کی وجہ سے ایمان قبول نہیں کریں گے۔

ف : یہ بھی منجملہ درحقیقت قضا و قدر کے اسرار و رموز سے ہے اس لیے کہ ان کے ایمان نہ لانے کی ازلی استعداد غیر مجعولہ اور ان کے اعیان ثابتہ کے مقتضیات سے ہے۔

سوال : اگر یہی معاملہ تھا تو مکلف بنانے کا کیا فائدہ، جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ فلاں واقعہ ہونے والا نہیں۔

جواب : استعداد ازلی کے اظہار کے لیے تاکہ واضح ہو کہ ان میں سعید کون ہے اور شقی کون اور اس سعادت و شقاوت کا اہل کون۔

سوال : عالمِ دنیا میں کافر زیادہ کیوں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔

جواب : دراصل انسان کامل کا اظہار مطلوب تھا اگرچہ ہزاروں میں ایک۔

وَمَا تَسۡئَلُهُمۡ عَلَيۡهِ اور آپ ان سے غیبی خبروں کی اطلاع دینے اور قرآن کی ہدایات بیان کرنے پر سوال نہیں کرتے مِنۡ اَجۡرٍ مال لینے کا۔ جیسے وہ دوسرے خبر دینے والوں کو دنیا و دولت لٹاتے ہیں اس سے ان کو بتانا مطلوب ہے کہ ہمارا ان پر ایک احسانِ عظیم ہے کہ بلا اجر بہتر مبلغ انہیں بخشا ہے لیکن تکذیب کر رہے ہیں ہم نے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ اِنۡ هُوَ نہیں ہے یہ قرآن اِلَّا ذِكۡرٌ مگر اللہ تعالیٰ کی نصیحت لِّلۡعٰلَمِيۡنَ تمام جہان والوں کے لیے، یعنی بلاتخصیص ہم نے قرآن بھیجا تاکہ سب کے سب اس پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ دعوۃ و ارشاد اسی طرح جملہ امورِ خیر میں لوگوں سے نفع کی امید نہ رکھی جائے۔ اس لیے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو شے خالص اللہ کے لیے ہو اس میں دنیا و آخرت کے اغراض کو ہرگز نہ ملایا جائے۔

مثنوی شریف میں ہے :

عاشقاں را شادمانی و غم اوست
دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست

ترجمہ : عاشقوں کو غم اور خوشی ہے تو صرف محبوب کی۔ ان کی مزدوری یہی ہے کہ وہ محبوب کی خدمت کرتا رہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ لاہوتیہ ناسوتیہ کی محتاج نہیں اس لیے کہ لاہوتیہ ذاتی طور بلکہ مکمل کرنے والی ہو۔

Scanned with CamScanner

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَمَا
يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ
اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِىْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى
اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ ط وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَمَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ
فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ حَتّٰىٓ اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ
كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○
لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمینوں میں کتنی نشانیاں ہیں جن پر لوگ گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردان ہیں اور ان کے اکثر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ مشرک ہیں کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت مصیبت بن کر آئے یا اچانک ان پر قیامت آجائے اور انھیں خبر بھی نہ ہو میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایئے یہ میرا راستہ ہے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں میں اور میرے تابعدار دل کی بصیرت والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو پاک ہونا لائق ہے اور میں مشرک نہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں سے کہ جنھیں ہم وحی سے نوازتے رہے وہ سب شہر کے باشی تھے۔ کیا یہ لوگ زمین پر نہیں گھومے پھرے تو دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا اور بیشک دارِ آخرت ان کے لیے بہتر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے یہاں تک کہ رسل کرام علیہم السلام (قوم سے) مایوس ہوئے اور لوگوں نے سمجھا کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا اس وقت ان کے ہاں ہماری مدد آئی جس کے لیے ہم نے چاہا تو وہ بچایا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے پھیرا نہیں جاتا بیشک ان کے قصوں سے عقل والوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے اور یہ کوئی بناوٹی بات نہیں لیکن یہ اپنے سے پہلے امور کی تصدیق اور ہر شے کا مفصل بیان ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَكَاَيِّنْ حضرت جامی قدس سرہٗ نے شرح الکافیہ میں لکھا ہے کہ حروف و کنایات میں سے ایک حرف کاین بھی ہے اور یہ مبنی اس لیے ہے کہ کاف تشبیہ ای پر داخل ہوا ہے۔ ای اگرچہ معرب ہے

Scanned with CamScanner

لیکن چونکہ اس کے دو جز مل کر ایک جز ہو گئے ہیں اس طرح سے اس میں انفرادی معنی پیدا ہوا ہے اسی لیے اس کا مجموعہ کَمْ
خبریہ کی طرح مفرد ہے اسی لیے اسے مبنی علی السکون پڑھا گیا اس کا آخری حرف نون مِنْ کے نون کی طرح ساکن ہے۔ یہ تنوین
تمکین کا نہیں اس لیے اس کے آخر میں نون ساکن لکھا جاتا ہے ورنہ تنوین کی کوئی شکل نہیں۔ مِّنْ اٰیَةٍ بہت سے آیات صانع
کے وجود اور اس کی توحید اور اس کی صفات علم و قدرت وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں
میں۔ یہ آیت کی صفت ہے آسمان و زمین کی آیت جیسے سورج، چاند، ستارے، بارش، دریا، نہریں، درخت وغیرہ یَمُرُّوْنَ
عَلَیْهَا یہ کاین کی خبر ہے یعنی آیت پر گزرتے اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ اور وہ ان سے روگردانی
کرتے ہیں ان میں تفکر نہیں کرتے اور نہ ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں حالانکہ قرآن مجید ان آیات کو کھول کر اور واضح کر کے بیان
کرتا ہے۔ جو شخص قرآن مجید پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف نہیں ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے!
تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو میرا کلام پڑھ کر مجھ سے روگردانی کرتا ہے تو توبہ نہیں کرتا پھر تو میرا کلام پڑھنا چھوڑ دے۔

شانِ نزول جب مشرکین نے وکاین من ایۃ الخ سنا تو کہا ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو پیدا فرمایا۔ ان کے اس قول پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ اور ان کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر
ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معبودیت میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں مشرکین عرب حج کے موقعہ پر پڑھتے تھے:

لبیک لا شریک لك الا شریک لك تملکه وما ملك۔

اور اہلِ مکہ یہ بھی کہتے:

الله ربنا وحده لا شریک له والملئکة بناته۔

ان کی عبارت سے واضح ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید میں ہی شرک کا ارتکاب کر جاتے اور بت پرستی کے پجاری تھے:

الله ربنا وحده والاصنام شرکاؤه فی استحقاق العبادة۔

اور یہودیوں نے کہا:

ربنا الله وحده وعزیر ابن الله۔

اور نصاریٰ نے کہا:

ربنا الله وحده والمسیح ابنه۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وما اکثرھم اکثر مخلوق باللہ اور اس کی طلب میں الا وھم مشرکون
مگر وہ مشرک ہیں بوجہ ایمان نہ لانے کے اس سے عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایمان لائیں گے اور
اللہ تعالیٰ کو طلب کریں گے پھر اللہ تعالیٰ کو پائیں گے یہ بھی صوفیاء کرام کے نزدیک شرک ہے۔ بلکہ یہ کہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کو

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ کی مدد سے پائیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ آقا اور بندہ کے درمیان سبب کا تصور شرک ہے اور صرف مسبب پر نظر ہو 10
تو یہی عین توحید ہے کیونکہ موحد کی نظروں میں سوائے خدمت حق کے ہر شے فانی اور گم ہے۔

حکایت حضرت واسطی نیشاپور میں تشریف لائے تو شیخ ابو عثمان مغربی سے پوچھا کہ تمہارے شیخ نے تمہیں شغل میں مشغول رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ فرماتے ہیں کہ نیکی بہت زیادہ کرو لیکن اسے دل میں نہ لاؤ۔

حضرت واسطی نے فرمایا کہ تمہارا شیخ تمہیں مجوسیت کا سبق دے رہا ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ وہ تمہیں انانیت کو فنا کرنے کا سبق دیتا تاکہ فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی۔

تفسیر عالمانہ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ کیا وہ مشرکین بے خوف ہیں کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے جو انہیں گھیرے اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً بغتة مصدر حال کے قائم مقام ہے۔ یعنی ان کے ہاں اچانک آجائے جس کی پہلے کوئی علامت نہ ہو وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ اور وہ اس سے لاشعور ہوں یعنی ان کی وہ تیاری نہ کر سکیں۔

سوال: بغتة اور وهم لا يشعرون کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ بلاغت کے خلاف ہے کہ ایک ہی مفہوم کے دو کلمے ایک ہی جملے واقع ہوں۔

جواب: وهم لا يشعرون بمعنی وهم غافلون ہے۔ یعنی وہ امور دنیا میں سخت مشغول ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: تاخذهم وهم يخصمون۔ اس اعتبار سے تکرار لازم نہ آیا۔

اچانک کی موت کی تفصیل ۱۔ حدیث شریف میں ہے کہ اچانک کی موت غضب الٰہی کی گرفت کا نتیجہ ہے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ اسیفٌ واقع ہے بکسر السین بمعنی غضبان۔ اب معنی یہ ہوا کہ اچانک کی موت پر اللہ تعالیٰ کے غضب کے آثار ہیں جو مغضوب بندے پر پڑے تو اچانک مر گیا اور الفجاة بالمد مع الضم وبالقصر مع فتح الفاء بمعنے البغتة یعنی وہ موت جس سے پہلے مرض وغیرہ کے سبب کے بغیر بندے کو اچانک گھیر لے۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں گدھے کی موت سے کراہت کرتا ہوں۔ عرض کی گئی کہ گدھے کی موت کیسی ہے؟
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچانک کی موت گدھے کی موت کا دوسرا نام ہے۔

حکمت: ایسی موت سے کراہت اس لیے کہ اچانک کی موت سے غفلت سے مرنے پر بندے مومن کو نہ عذر گناہ کا موقع نصیب ہوا اور نہ تجدید توبہ کا موقع مل سکا اور نہ ہی حقوق العباد ادا کر سکا یا بخشوا سکا۔

مسئلہ: اولیاء، صلحاء، علماء اور انبیاء علیہم السلام کے لیے اچانک کی موت رحمت ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اچانک ہی واصل باللہ ہوئے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا: اچانک کی موت صالحین کو ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

ف: پہلی روایت کے جواب میں بعض مشائخ نے کہا کہ اچانک کی موت اس انسان کے لیے مکروہ ہے جو دنیوی امور میں پھنسا ہوا سے وصیت کرنے کی ضرورت تھی اور گناہوں سے توبہ کرنی تھی وغیرہ وغیرہ۔ اور اللہ والے چونکہ دنیوی معاملات سے بالکل فارغ ہوتے ہیں۔ اسی لیے اچانک کی موت ان کے لیے راحت و رحمت اور شفقت ہوتی ہے۔ (کذا فی شرح الترغیب المسمی بالفتح القریب)

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اچانک مرتے ہیں انہیں خضر علیہ السلام قتل کرتے ہیں۔

اعجوبہ (کذا فی انسان العیون)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس گھڑی کی طرف جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق اچانک نصیب ہوتا ہے اور اس کے لیے کوئی سبب ہوتا ہے تو اچانک نصیب ہوتا ہے۔ اسی لیے عشاق نے فرمایا:

العشق عذاب اللہ۔ عشق عذاب الٰہی ہے۔

ف: عشق محبت سے اخص ہے کیونکہ عشق ایک زائد محبت کا نام ہے اور وہ ذکر محبوب کے وقت قلب کو ہیجان پیدا ہوتا ہے اور لقائے محبوب کے لیے پھڑکنے کو عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: بعض اہلِ ریاضت کہتے ہیں عاشق کے دل میں شوق بمنزلہ چراغ کے ہے اور عشق بمنزلہ تیل کے ہے۔ حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

اسیر عشق شو کآزاد باشی
غمش بر سینہ نہ تا شاد باشی
نے عشقت دہد گرمی و مستی
دگر افسردگی و خود پرستی

ترجمہ: عشق کا قیدی ہو تاکہ آزاد ہو جائے۔ اس کا غم سینے میں رکھ تاکہ خوشی حاصل ہو۔ عشق تجھے گرمی اور مستی دے گا افسردگی اور خود پرستی بھی۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ فرمائیے یہی دعوت الی الایمان والتوحید میرا راستہ ہے۔ طریق و سبیل دونوں مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ اس جملہ کی خود تفسیر فرمائی کہ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ میں بلاتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اس کے دین و اطاعت اور قیامت کے ثواب موعود کی طرف عَلٰى بَصِيْرَةٍ بیان و حجت بصیرۃ واضح کے ساتھ جو خود صاحب بصیرت ہو ورنہ اندھے سے رہبری کیسی اَنَا یہ ادعو کی ضمیر مستتر کی تاکید ہے وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

Scanned with CamScanner

اس کا علت ادعو پر ہے۔ یعنی میں اور وُہ جو میرے تابعدار ہیں دعوت الی الایمان دیتے ہیں۔ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سبحان
تسبیح کا اسم اور فعل مقدر سے منصوب ہے یعنی اُسَبِّحُ اللّٰهَ تَسْبِیْحًا بمعنی انزھہ تنزیھا من الشرکاء میں اس کی شرکا سے
تنزیہ بیان کرتا ہُوں وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اور میں مشرکین سے نہیں ہوں اس کا علت سبحان اللّٰہ پر اور علت الجملۃ علی
الجملۃ کے قبیل سے ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ انفاس المجالس میں ہے کہ قل هٰذِهٖ سبیلی یعنی توحید ذاتی کی طرف بلانا میرا ذاتی طریقہ ہے
اس کے بعد ادعو میں اس کی تفسیر فرمائی کہ میں ذات احدیہ کی طرف بلاتا ہُوں جو جمیع صفات کی
جامع ہے عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ اور جو بھی اسی میرے راستہ کی دعوت دیتا ہے وہ میرا تابع ہے۔
مثنوی شریف میں ہے: ؎

ایں چنیں فرمود آں شاہ رسل
کہ منم کشتی دریں دریائے کل
یا کسے کو در بصیرتہائے من
شد خلیفہ راستی بر جائے من
کشتی نوحیم در دریا کہ تا
رو نگردانی ز کشتی اے فتا

ترجمہ: شاہِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اس دُنیا میں کشتیِ نوح کی طرح ہوں
اور وُہ بھی جو میرے راستہ پر چل رہا ہے وہی میرا جانشین ہے۔ ہم کشتیِ نوح ہیں ہم سے تجھے
روگردانی نہ کرنی چاہیے۔

ف: تمام انبیاء علیہم السلام جو حضور علیہ السلام سے پہلے گزرے تمام توحید ذات احدیہ کی دعوت دیتے رہے سوائے
ابراہیم علیہ السلام کے کروہ قطبِ توحید تھے۔ اسی لیے اللّٰہ تعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اتباع کا حکم فرمایا
کما قال: ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا اس میں ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
اتباع التفصیل کا حکم نہیں بلکہ یہ اتباع باعتبار الجمع کے ہے کیونکہ تفاصیل الصفات کے مختتم صرف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم ہیں اسی لیے آپ کو خاتم کا لقب ملا۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ اور میں اس کی تنزیہ بیان کرتا ہُوں۔ بلکہ حضور علیہ السلام داعی الی ذاتہٖ ہیں۔ وما انا
من المشرکین اور میں مقامِ توحید میں غیر کا اثبات نہیں کرتا۔

ف: بعض نے فرمایا کہ الداعی الی اللّٰہ میں اشارہ ہے کہ آپ مخلوق کو اللّٰہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور الداعی الی السبیل میں

Scanned with CamScanner

مخلوق کو نفس کی مشارکت کے ساتھ دعوت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری دعوت کی اجابت بکثرت ہوئی اس لیے کہ اس میں طبیعت کو دخل ہے اور جس میں طبیعت کو دخل ہو وہ تعداد میں زیادہ ہوتی ہے کیونکہ طبیعت کثرت کو چاہتی ہے۔

ف: اتباع سے عام مراد ہے۔ ظاہر ہو یا باطن پہلا اتباع عوام کو اور دوسرا اہلِ حقیقت کو نصیب ہوا۔ اور دعوۃ علی البصیرۃ اس وقت نصیب ہوتی ہے جب قولاً فعلاً وحالاً اتباع محمدی نصیب ہو۔ اور اتباع سے بظاہر یہی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔

حکایت وکرامت ایک فقیہ (عالم دین) حضرت ابو مسلم مغربی رحمۃ اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے فقیہ نے حضرت ابو مسلم مغربی کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تو فنِ تجوید کے لحاظ سے ان کی قرأت میں بہت زیادہ غلطیاں تھیں۔ دل میں گھبرائے کہ اتنا زیادہ سفر کیا افسوس کہ رائیگاں گیا۔ اگر یہ اللہ والا ہوتا تو تلاوتِ قرآن میں غلطیاں نہ کرتا۔ پھر وہ تہجد کے لیے اُٹھے تو فقیہ پر دو شیروں نے حملہ کر دیا ان کے خوف سے بھاگے اور آہ و فغاں کی تو ان شیروں کو حضرت ابو مسلم مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھگا دیا۔ پھر فقیہ سے آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے تلاوتِ قرآن مجید میں غلطی کی ہے تو آپ نے ایمان میں غلطی کی ہے۔ ہم لوگ باطن کی تصحیح کی کوشش کرتے ہیں اسی لیے ہم سے خلقِ خدا ڈرتی ہے اور تم ظاہر کو سنوارتے ہو اسی لیے مخلوق سے ڈرتے ہو۔

حکایت وکرامت ابن ہارون الرشید منقول ہے کہ ہارون الرشید بادشاہ کے ایک بیٹے نے بقاء کو فنا پر ترجیح دی ایک دن اسے والد نے فرمایا کہ آپ نے مجھے بادشاہوں کے سامنے رسوا کیا۔ ہارون الرشید کے بیٹے نے ایک پرندے کو بلایا تو وہ اڑ کر فوراً اس کے ہاں حاضر ہو گیا۔ اس کے بعد والد کو کہا کہ آپ بھی بلائیے۔ ہارون الرشید کے بلانے پر وہ پرندہ نہ آیا۔ اس پر بیٹے نے کہا کہ آپ نے مجھے اولیاء کے سامنے رسوا کیا اس لیے کہ آپ دنیا کی بندشوں میں بند ہیں۔

ف: بصیرۃ ایک قوتِ قلبی کا نام ہے وہ قلب جو نورِ قدس سے منور ہو اسی قوت سے قلب اشیاء کے حقائق و بواطن کو ایسے دیکھتی ہے جیسے ظاہری آنکھ اشیاء کی ظاہری شکلوں اور صورتوں کو۔ اسے حکماء قوۃ عاقلہ نظریہ اور قوت قدسیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: بنی آدم کے قلوب دراصل فطرۃً اسی بصیرت کی طرف مائل ہیں۔ لیکن ذاتی طور شہوت اعراض عن الطاعات والعبادات میں مشغول ہونے کی وجہ سے وہ بصیرت تاریک ہو جاتی ہے۔ اسی بصیرت قلبی کی وجہ سے بلقیس سلیمان علیہ السلام پر اور سحرہ فرعون موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔

مسئلہ: حضرت سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی یہ ہے کہ آپ کے اقوال و افعال و احوال کی اقتدا کی جائے۔

حکایت حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک روز ابراہیم پاشا نے مجھ سے تا ولایتِ سُلمی کے

Scanned with CamScanner

متعلق طنزاً سوال کیا۔ میں نے نفیس جواب دیا کہ ان کا مرتبہ بلند ہے اور ہم ان کے اقوال کو نہیں سمجھ سکتے۔ فلہٰذا آپ اس کے درپے نہ ہوں اور مجھے اس بارے میں معاف کریں۔ مثنوی شریف آپ کے سوال کے جواب کے لیے کھولتے ہیں۔ اس کا پہلا شعر آپ کے سوال کا جواب ہوگا انہوں نے مان لیا۔ مثنوی شریف کو کھولا تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

رہرو راہ طریقت ایں بود
کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: تم سیدھی راہ پہ چلو یہی راہِ طریقت ہے اور سیدھا طریقہ یہی ہے جو شرع و احکام کے پابند ہے۔

اس سے پاشا مرحوم نے تعجب کیا اور آئندہ کے لیے تمام اولیاء اللہ پر اعتراض کرنے سے توبہ کی۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ہم نے آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام مرد (انسان) بھیجے فرشتوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ اس میں مشرکین کا رد ہے کہ انہوں نے کہا کہ لو شاء ربنا لانزل ملٰئکۃ۔ یہ حضور علیہ السلام کی نبوت کے لیے بطور تعجب کے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ آپ کی نبوت سے تعجب کرتے ہیں حالانکہ سب سے پہلے ہم نے تمام انبیاء علیہم السلام مرد اور انسان بنا کر بھیجے اس لیے کہ استفادہ جنس بشریت سے ممکن ہے اور فرشتے تو غیر جنس ہیں اور لطیف۔ اور انسان کثیف ان سے افادہ و استفادہ کی صورت نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجا جاتا تب بھی وہ بشری لباس پہن کر آتا۔

ف: رجالًا کی قید سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی عورت کو نبی نہیں بنایا کیونکہ عورت کے لیے پردہ نشینی ضروری ہے۔ ان کے کمال کا انتہا صدیقیت ہے نہ نبوت جیسے بی بی آسیہ و مریم و خدیجہ و فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہا۔ کاشفی نے سجاح کاہنہ کے متعلق لکھا کہ جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو کسی شاعر نے اس کے لیے لکھا ؎

اضحت نبیتنا انثی نطوف بھا
ولم تزل انبیاء اللہ ذکرانا

ترجمہ: ہماری نبی عورت ہے اس کے ہاں آتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مردوں میں کسی کو نبی نہیں بنایا۔

نُوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ہم آپ کو وحی بھیجتے ہیں یعنی ملائکہ کرام کے ذریعے وحی بھیجتے رہے مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی وہ دیہاتوں سے نہیں بلکہ شہروں سے تھے کیونکہ دیہاتیوں میں اکثر جہل و قسوۃ و جفا ہوتا ہے۔

ف: شہر کو قریہ کہنا جائز ہے۔

شہر اور دیہات کا فرق

بڑے شہر اور دیہات و قصبہ جات میں فرق ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

Scanned with CamScanner

فرمایا کہ ناقدر شناس لوگوں میں نہ ٹھہرو اس لیے کہ ناقدر شناس لوگوں اور گورستان میں ٹھہرنا برابر ہے۔ ناقدر شناس سے دیہاتی لوگ مراد ہیں۔ حدیث شریف میں لفظا الکفور ہے۔ یہ کفر کی جمع ہے۔ اس سے وہ دیہات مراد ہیں جو تہذیب و تمدن سے کوسوں دور ہوں کیونکہ ان پر جہالت اور بدعت کے مراسم کا غلبہ ہوتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے :-

۱ ده مرو ده مرد را احمق کند
عقل را بے نور و بے رونق کند

۲ ہر کہ پیغمبر شنو اے مجتبیٰ
کور عقل آمد وطن در روستا

۳ ہر کہ در رستا بود روزے و شام
تا بماہی عقل او نبود تمام

۴ تا بماہے احمقے با او بود
از حشیش ده جز اینها چه درود

۵ وانکہ ماہے باشد اندر روستا
روزگارے باشدش جہل و عمیٰ

ترجمہ :۱۔ دیہات میں نہ جاؤ کیونکہ دیہات انسان کو احمق اور عقل کو بے نور اور بے رونق بناتے ہیں۔
۲۔ اے برگزیدہ انسان! پیغمبر کی بات سن، انھوں نے فرمایا کہ دیہات میں عقل اندھی ہو جاتی ہے۔
۳۔ جو صبح و شام دیہات میں بسر کرے اس کی عقل کبھی مکمل نہیں ہوگی۔
۴۔ احمق کی معیت میں انسان احمق ہو جاتا ہے۔
۵۔ اگرچہ پہلے بڑا عاقل ہو لیکن دیہات میں چند روز رہنے سے بے عقل اور جاہل ہو جائے گا۔

سوال : یعقوب علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجاءبکم من البدو یعنی اور وہ تمہیں دیہات سے لائے اور تم دیہات کی مذمت کر رہے ہو۔

جواب : یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد دیہاتی نہیں تھے صرف اپنے جانوروں کی وجہ سے وہ شہر سے دور دیہات میں رہتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رسالت کے مستحق صرف رجال ہیں اور وہ بھی جو وحی الٰہی کے حامل ہوں۔ من اھل القریٰ سے مراد یہ ہے کہ ملکوت و ارواح سے تعلق رکھتے ہوں انہیں ملک و اجساد کے

دانش سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اسی لیے صوفیاء کا قول مشہور ہے کہ،

الرجال من القرنے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

وہ چہ باشد شیخ واصل ناشدہ
دست در تقلید و در حجت زدہ
پیش شہر عقل کلی این حواس
چون خران چشم بستہ در خراس

ترجمہ: بستی کیا ہے شیخ غیر واصل کا دوسرا نام ہے وہ شیخ جو صرف تقلید تک محدود ہو۔ عقل کے شہر کے سامنے یہ حواس ایسے ہیں جیسے گدھے کی آنکھیں باندھ دی جائیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کیا یہ کفار شام ویمن اور عاد وثمود کے علاقوں میں نہیں جاتے۔ یعنی انھیں جانا چاہیے کہ جائیں فَیَنْظُرُوْا پس چاہیے نظرِ عبرت سے دیکھیں کَیْفَ کَانَ کیسے ہے عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ انجام ان مشرکوں اور مکذبین (جو پہلے شرک وتکذیب) کی نحوست سے تباہ ہوئے ان کے حالات کو دیکھ کر ڈریں اور شرک وتکذیب سے بچ جائیں ورنہ انھیں بھی ان کی طرح عذاب گھیرے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ اسباب کا تماثل تماثل فی المسببات کا موجب بنتا ہے۔ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ بیشک دارِ آخرت یعنی بہشت اور اس کی نعمتیں خَیْرٌ دُنیا اور اس کی لذت سے بہتر ہیں۔ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ان لوگوں کے لیے جو کفر و شرک اور معاصی سے بچتے ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا وہ اپنے عقول کو استعمال کر کے سمجھیں کہ واقعی آخرت کی نعمتیں بہتر ہیں ؎

چہ نسبت چاہ سفلی را بنزہتگاہ روحانی
چہ ماند گلخن تیرہ بکاشانہائے سلطانی

ترجمہ: چاہ سفلی کو نزہت گاہ روحانی سے کیا نسبت۔ اسی طرح جھونپڑوں کو شاہی محلوں سے کیا نسبت۔

عیسیٰ علیہ السلام کی پند و نصیحت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمنشینوں سے فرمایا کہ مُردگان کی صحبت سے بچو اس سے تمہارے قلوب مردہ ہو جائیں گے۔ عرض کی گئی مردگان کون ہیں؟ فرمایا، مُردگان وہ ہیں جو دُنیا کی رغبت اور محبت میں غرق ہیں۔

صحابۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی دلیل

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تابعین سے فرمایا کہ تم سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ افضل ہیں اگرچہ تم اعمال صالح اور خیر میں بلند قدر ہو۔ عرض کی گئی: کیوں؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ وہ دنیا کی رغبت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا تصور آخرت سے بندھا رہتا تھا۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ حتّٰی کی غایت محذوف ہے اس پر سابق کلام دلالت کرتا ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی:

لا یغرهم تمادی ایامهم فان من قبلهم امهلوا حتی ایس الرسل من النصر علیهم
في الدنيا او من ايمانهم لانهماكهم في الكفر مترفهين متمادين فيه من غير رادع۔

انھیں درازیِ ایام دھوکہ میں نہ ڈالے اس لیے کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو اتنی مہلت نصیب ہوئی کہ انبیاء و رسل علیہم السلام ان پر فتح و نصرت سے ناامید ہو گئے۔ یا ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے بوجہ ان کے کفر میں منہمک ہونے کے اور دنیا میں خوشحال اور دنیوی امور میں بہت کامیاب ہونے کے کہ ان کو کسی فرد بشر کا خطرہ نہیں تھا۔

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا بتخفیف الذال بصیغہ مجہول۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ بیشک وہ مکذوب ہیں مکذوب ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ایسے کلام سے مخاطب ہو جس کا کلام واقع کے مطابق نہ ہو اور وہ سمجھے کہ میری خبر کو کاذب سمجھا جائے گا۔ اب معنی یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے گمان کیا کہ انھیں مدد نصیب ہو گی لیکن ان کے نفوس ان کے خیال کے خلاف کی تردید کرتے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ جب وہ کمزور اور مغلوب ہوئے تو انھیں خیال گزرا کہ شاید وہ وعدہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا ممکن ہے اس کے خلاف ہو گیا ہو۔ یہ خیال انھیں بشری تقاضا پر گزرا۔ اس کی دلیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معه متی نصر الله۔

ف: یہاں ظن سے مراد ان کا وہ خیال ہے جو وسوسہ اور خطرہ نفس کے مشابہ دل میں گزرا اور وہ عموماً بشری تقاضوں کے مطابق دل میں آتے ہیں۔ اس میں کسی ایک تصور کو ترجیح نہیں ہوتی ہم نے یہ عدم ترجیح کی تقریر اس لیے کی کہ ایسا غلط خیال عام مسلمانوں کو نہیں آتا چہ جائیکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز رکھا جائے کیونکہ مخلوق سے اللہ تعالیٰ کا عرفان زیادہ رکھتے ہیں۔ اور خلف وعدہ سے بلند و بالا ہے۔

جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ان کے ہاں اچانک ہماری فتح و نصرت پہنچی۔ اب معنے یہ ہوا کہ کفار پر مہلت نے طول پکڑا تو انبیاء علیہم السلام نے خیال فرمایا کہ انہیں دنیا میں فتح و نصرت نصیب نہ ہو گی لیکن اچانک ان کے ہاں علامت کے بغیر فتح و نصرت پہنچی فَنُجِّيَ بنون واحدة وتشديد الجيم وفتح اليا بصیغہ مجہول از تنجیۃ پس نجات دے گئے مَنْ نَّشَآءُ جیسے ہم چاہیں۔ یہ نائب فاعل ہے ان سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور وہ مومنین مراد ہیں جو ان کے تابعدار تھے

Scanned with CamScanner

ان کے نام کی تصریح اس لیے نہیں کی کہ نجات کے اہل صرف وہی تھے ان کی شان میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا۔ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ جب ہمارا عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ مجرمین سے نہیں ٹلتا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے حتی اذا استیئس الرسل میں اشارہ ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کو فتح و نصرت ابتلاء سے نجات دینے والی اور اُمم مکذبہ کو عذاب میں ہلاک کرنے والی ہے۔ پھر اس معنی کی تاکید و لا یرد باسنا عن القوم المجرمین سے فرمائی۔ یہاں مجرمین سے مکذبین مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مطیعین سے عذاب ٹل جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ ضمیر رسل کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں کی طرف راجع ہے۔ قصص سے ان کی خبریں مراد ہیں۔ اسے بکسر القاف پڑھا گیا ہے۔ یہ قصہ کی جمع ہے یعنی ان کے قصوں میں عِبْرَةٌ یہ اعتبار کا اسم ہے۔ یعنی نصیحت حاصل کرنا۔ لغت میں کسی شے کے تامل کے ساتھ در پے ہونا۔ لِأُولِي الْأَلْبَابِ عقل والوں کے لیے یعنی وہ لوگ جو شے جس کی ملاوٹ اور اس کی طرف جھکاؤ کے بغیر صرف عقل سے بات کو سمجھتے ہیں۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ وہ نصیحت ہے جسے آنے والی نسل کے عقل والے حاصل کریں گے پھر وہ جرأت نہیں کریں گے جیسے ان گزشتہ لوگوں سے اسباب (کفر و تکذیب وغیرہ) سرزد ہوئے تو وہ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آگئے بلکہ وہ ایسے اسباب سے اجتناب کریں گے کیونکہ انہیں یقین ہو گا کہ اگر ہم وہی اسباب عمل میں لائیں گے تو ہمارے ساتھ بھی وہی ہو گا جو ان کے ساتھ ہوا۔ پھر وہ اسباب عمل میں لائیں گے جو فتح و نصرت اور نجات کا موجب ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ عقل والوں کے لیے تدبر و تفکر کا بہترین ذریعہ ہے اور سب کو یقین ہونا چاہیے کہ وہ خداوند قدوس جو یوسف علیہ السلام کو غلامی سے مصر کی بادشاہی بخشنے پر قادر ہے۔ وہی خدا قادر ہے کہ وہ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اعزاز اور فتح و نصرت بخشے۔

ف: سلمی جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اولی الالباب سے ارباب اسرار مراد ہیں اس لیے کہ اس قصے سے صرف ارباب اسرار ہی عبرت حاصل کرتے ہیں اور کلام کے حقائق ایسے قلوب پر رونما ہوتے ہیں ؎

دلے دریابد اسرار معانی
کہ روشن شد بنور جاودانی

ترجمہ: دریا میں بے شمار اسرار و معانی ہیں لیکن یہ اس پر ظاہر ہوتے ہیں جسے نورِ جاودانی نصیب ہو۔

مَا كَانَ اور قرآن اور وہ جو اس میں مذکور ہے وہ نہیں ہے حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى بات گھڑی ہوئی کہ جسے کسی بشر نے اپنی طرف سے افترا کیا ہو وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ لیکن یہ تصدیق کرتا ہے ان کتب

Scanned with CamScanner

سماویہ کی جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں اور ان کی صحت پر دلیل اور حجت ہے اور وہ کتابیں بذات خود معجزات نہیں تھیں جب تک ان مجموعہ کتب کی سچائی کی قرآن مجید نے شہادت نہیں دی وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ اور دین کے جملہ امور کو بیان کرنے والا ہے اس لیے کہ وہ جملہ امور تفصیل یا اجمال کے لحاظ سے اسی سے مستند ہوتے ہیں کیونکہ ہر امر کی بنیاد قرآن حدیث اور اجماع و قیاس سے مضبوط ہوتی ہے یا پچھلے تین بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے مستند ہوتے ہیں وَهُدًى اور گمراہی سے ہدایت دینے والی ہے وَرَحْمَةً اور عذاب سے رحمت ہے لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ایسی قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اور ان چاروں لفظوں کا منصوب ہونا لٰكِنْ کی وجہ سے ہے کیونکہ یہاں لکن عاطفہ ہے اور اس کا عطف کان کی خبر پر ہے۔

ف : قرآن مجید جمیع مراتب کا جامع ہے۔ اس میں دین کی ظاہر اور باطن دونوں کی تفصیل ہے۔ دین کا ظاہر مومن بالایمان الرسمی کو مفید ہے اور دین کا باطن مومن بالایمان الحقیقی العیانی کو فائدہ بخشتا ہے نیز قرآن مجید علی العموم بھی ہدایت ہے اور علی الخصوص بھی، اور یہ عذاب جہنم سے بھی نجات دہندہ ہے اور عذاب فرقت و قطیعہ سے بھی اس لیے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے انوار و اسرار سے واقف اور مطلع ہوتا ہے تو وہ ذوق و حضور و شہود کی بہشت میں داخل ہو کر بلائے بشریت و وجود سے امن پاتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں جنہیں حقائق کے تجلیات حقائق الانفس پھر حقائق القرآن نصیب ہوتے ہیں۔ یہ تینوں نسخے ایسے ہیں جن کی تلاوت ضروری ہے اور ان تینوں نسخوں کا اصل مراد منشاء حقائق الرحمٰن کا نتیجہ ہے۔ انہی چاروں نسخوں کا کتب اربعہ میں ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید کے وعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے حقائق سے ہدایت پائے اور اس کے اخلاق کے مطابق اپنی عادت بنائے۔ اس کے الفاظ کی تلاوت سے کوتاہی نہ کرے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا :

منع القرآن بوعده و وعيده

مقل العيون بليلها لا تهجع

فهموا عن الملك العظيم كلامه

فهما تذل له الرقاب و تخضع

ترجمہ : قرآن اپنے وعدہ وعید سے ان آنکھوں کو برائی سے روکتا ہے جو رات کو بیدار رہیں ایسے لوگ براہ راست اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید سمجھتے ہیں جس سے انہیں دائمی تواضع و انکسار نصیب ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

یاالٰہی! قرآن مجید کو ہمارے قلوب اور اعضاء کی فطرت بنا دے (آمین)
سورۃ یوسف کی تفسیر رجب شریف کی اوسط تاریخوں ۱۴۰۳ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی بفضلہ تعالیٰ اس کے ترجمہ سے ۲۲ صفر المظفر ۱۳۹۵ھ میں بروز ہفتہ بوقت اشراق فارغ ہوا۔ وصلی اللہ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و اصحابہ اجمعین۔

نوٹ: سورۂ یوسف میں دورِ حاضرہ میں دو مسئلے نہایت معرکۃ الآراء ہیں فقیر نے دونوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ کتاب لکھی ہے انھیں علیحدہ طبع کرنے کے بجائے اسی پارے کے آخر میں شائع کیا جارہا ہے۔ وہ دو مسئلے یہ ہیں:

① کیا یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق علم تھا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں۔ زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ اس کی تحقیق کا نام ہے دفع التعسف فی علم ابی یوسف۔

② کیا یوسف علیہ السلام کا نکاح بی بی زلیخا سے ہوا یا نہیں؟ اس کی تفصیل حرفع الناسف فی نکاح زلیخا بیوسف۔

اگر کوئی صاحب انھیں علیحدہ شائع فرمانے تو بھی اجازت ہے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

○

فقیر اویسی غفرلہ
بہاولپور۔ پاکستان

Scanned with CamScanner

سورة الرعد مدنية وهي ثلث واربعون اية وست ركوعات
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ
اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○ وَ
هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَفِي الْاَرْضِ
قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ
وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○
وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ
اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○

ترجمہ: یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو آپ کے رب تعالیٰ سے آپ کی طرف اتارا گیا ہے حق ہے لیکن اکثر ایمان نہیں لاتے وہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بلند کیا جنھیں تم دیکھتے ہو پھر عرش پر استواء فرمایا (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ہر ایک اپنے اپنے وقت مقرر تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر امر کی تدبیر کرتا ہے نشانیاں واضح طور بتاتا ہے تاکہ تم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حاضری کا یقین کرو اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں لنگر یعنی پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو جوڑے بنائے رات سے دن کو چھپاتا ہے بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو تفکر کرتے ہیں اور زمین میں مختلف قطعے ہیں ایک دوسرے کے آس پاس۔ اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتی اور کھجور کے پیڑ ہیں ایک ہی جڑ سے کئی کئی اور الگ الگ جڑوں سے نکلی ہوئیں سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ان کے پھلوں کے بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں بیشک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا کہنا زیادہ تعجب ناک ہے کہ کیا ہم مرکر مٹی ہو جانے کے بعد نئی پیدائش میں آئیں گے یہی وہ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے منکر ہیں اور یہ وہی ہیں

Scanned with CamScanner

جن کی گردنوں میں زنجیر ہوں گے اور یہی دوزخی ہیں اور یہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اور آپ سے رحمت سے پہلے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور ان سے پہلے عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری۔ آپ تو صرف ڈر سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہیں۔

تفسیر عالمانہ

سورۃ رعد مدنیہ بعض کے نزدیک مکیہ اور ولا یزال الذین کفروا و یقول الذین کفروا الخ (بالاتفاق) مکیہ ہے اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

ف: حضرت الشیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ نے آیت وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہٗ کے تحت لکھا ہے کہ شعر میں اجمال اور اشارے کنائے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اشاروں سے بات کی ہے اور نہ ہی ان سے پہیلی کے طور کلام فرمایا اور نہ ہی ایسے کبھی ہوا کہ ان سے ایسا کلام فرمایا جو مراد ظاہری کے خلاف ہو اور نہ ہی ایسے اجمال سے گفتگو فرمائی ہے جو ان کے فہم و فکر سے بالاتر ہو اس پر ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے طویل بحث فرمائی ہے۔

سوال: حروف مقطعات جو سورتوں کے اوائل میں ہیں مثلاً الٓمّٓرٰ وغیرہ۔ یہ بالاتفاق متشابہات سے ہیں اور متشابہات میں اجمال تو لازماً ہے اور باقی چند باتیں ہیں جو شیخ موصوف کے اقوال مذکورہ کے خلاف ہیں۔

جواب: سب کو معلوم ہے کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ اپنے اکثر آراء میں منفرد ہوتے ہیں لیکن وہ ذاتی طور ان کی انفرادیت بھی برحق ہوتی ہے بنابریں یہ بھی ان کے انہی افرادی اقوال میں سے ہے کہ وہ صرف مقطعات کو متشابہات سے نہیں مانتے۔ اگر مانتے ہیں تو ان کے علوم ایسے نہیں مانتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرمایا ہے بلکہ ان کے علوم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے طفیل ان کے متبعین پر بھی منکشف فرمائے ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

الٓمّٓرٰ کی تحقیق

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ الٓمّٓرٰ بمعنے انا اللہ اعلم و اریٰ مالا یعلم الخلق و مالا یریٰ من فوق العرش الیٰ ما تحت الثریٰ۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو خوب جانتا ہوں اور وہ دیکھتا ہوں جو مخلوق نہیں دیکھ سکتی یعنی مافوق العرش تا تحت الثریٰ کو صرف میں دیکھتا ہوں، مخلوق نہیں دیکھ سکتی۔ اس تقریر پر الف لام انا اللہ کا اختصار ہے اور یہ دونوں ذات پر دلالت کرتے ہیں اور میم و راء اعلم و اریٰ کا خلاصہ ہیں۔ اور یہ دونوں صفت پر دلالت کرتے ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ الف سے آلاء و نعمت ہائے بے شمار اور لام سے لطف بے انتہا اور میم سے ملک بے زوال اور راء سے رافت و رحمت باکمال مراد ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ یہ الفاظ ان کلمات کا اختصار ہیں جو صفات الٰہیہ پر دلالت کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ف: تبیان میں ہے کہ الف اللہ کا اور لام جبریل کا، میم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور راء رسل کرام علیہم السلام کا اختصار ہے۔ یہ عبارت دراصل یوں تھی:

انا اللہ الذی ارسل جبریل الی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بالقرآن و الی الرسل بغیرہ من الکتب الالٰہیۃ والصحف الربانیۃ[1]

ف: ابن الشیخ الظاہرؒ نے فرمایا کہ المرٰ مستقل کلام ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے:

ھٰذہ السورۃ مسماۃ بالمر۔ یعنی یہ سورۃ ہے جس کا نام المرٰ ہے۔

تِلْکَ یہ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ آیات ہیں کتاب یعنی قرآن مجید کے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تأخذہ سنۃ ولا نوم (الآیہ) کی طرف اور لام لہ مقالید السمٰوٰت والارض کی طرف اور میم مالک یوم الدین کی طرف اور راء رب السمٰوٰت والارض کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے قاف سورۂ قاف میں قل ھو اللہ احد کی طرف اشارہ ہے اور مرتبۂ احدیہ یہی ہے۔ اور یہی تعین اوّل ہے، اور صٓ سورۃ صاد میں اللہ الصمد کی طرف اشارہ ہے اور مرتبۂ صمدیہ یہی ہے اور یہ تعین ثانی ہے اور والصّٰفّٰت میں ان تعینات کی طرف اشارہ ہے جو اس تعین ثانی کے تابع ہیں۔

وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اس سے قرآن مجید مراد ہے یہ مبتدا ہے خبر الْحَقُّ ہے۔ یعنی وہ جو رب تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک آپ کے ہاں نازل ہوا ہے وہ حق ہے اور وہ جو مشرکین آپ کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ قرآنی آیات آپ اپنی طرف سے بناتے ہیں وہ باطل ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اس کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے جو اس کا دامن پکڑے گا وہ نجات پائے گا، اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسّی کہا ہے۔ اس سے بندہ اھبطوا کے نچلے درجے سے نجات پاکر رفعت حاصل کرے گا۔

مسئلہ: وہ احکام جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہوئے ہیں یا صریح ہیں جیسے احکام صریحہ جو نص قرآنی سے ثابت ہیں اور بعض وہ ہیں جو قرآن پاک کے ضمن میں پائے جاتے ہیں جیسے وہ احکام جو احادیث و اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں یہ تمام احکام ہمارے نزدیک حق ہیں۔

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ لیکن اکثر لوگ قرآن پاک کی حقانیت پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رسّی کہا ہے جو بھی اسے پکڑتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ کافروں کو بہت زیادہ عناد تھا اور راہِ حق سے بہت دور جا پڑے تھے اور نہ ہی قرآن پاک کے معانی پر

---

[1] روح البیان ج ۴ ص ۳۳۴

غور وفکر کرتے تھے اسی لیے انکار کرتے اور ان کے انکار سے قرآن پاک کی حقانیت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا کیونکہ سورج تو سورج ہے اگر اندھا اسے نہ دیکھ سکے اور شہد شہد ہے اگرچہ کڑوے منہ والے کو اس کی مٹھاس محسوس نہ ہو۔ تربیت شیخ خوش بخت کو مفید ہوتی ہے۔ منکر اور باطل ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہیچ سودے نکند تربیت ناقابل
گرچہ برتر نہی از خلق جہان مقدارش
سبزہ خرم نشود از نم باران ہرگز
خار خشکے کہ نشانی بر سر دیوارش

ترجمہ: ناقابل کو تربیت کوئی فائدہ نہیں دیتی اگرچہ اس کی قدر و منزلت تمام مخلوق سے بڑھانے کی کوشش کرو۔ بارش سے خشک کانٹا ہرگز تر نہیں ہو سکتا اگرچہ اسے کتنی بلند دیوار پر رکھو۔

ربط: اب اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر دلائل بیان فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ یہ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند فرمایا۔

ف: زمین و آسمان کے درمیان کی مسافت پانچسو سال کی ہے۔ اور اس کی قدرتِ کاملہ دیکھیے کہ وہ کسی شئے پر رکھے ہوئے بھی نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

بِغَیْرِ عَمَدٍ (بالفتح) عماد یا عمود کی جمع ہے بمعنی ستون۔ یہ السَّمٰوٰت سے حال ہے۔ یعنی آسمانوں کو بلند فرمایا در انحالیکہ وہ ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں تَرَوْنَهَا ھا کا مرجع عمد ہے اور یہ جملہ بغیر عمد کی صفت ہے یعنی وہ ستون جو تم دیکھ نہیں رہے۔ اسی سے عمد اور ساریۃ دونوں کی نفی ہے۔ یعنی نہ ستون ہیں نہ تم دیکھتے ہو۔ جب سرے سے ہیں ہی نہیں تو پھر تم دیکھو گے کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں صرف رؤیۃ کی نفی ہے یعنی آسمانوں کے ستون ہیں لیکن تم انھیں دیکھ نہیں سکتے۔ اور اس سے قدرت الٰہی مراد ہے یعنی اتنا بلند . اور بڑے بڑے پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کھڑا کیا ہوا ہے۔ گویا قدرتِ الٰہی اس کے ستون ہیں یا اس سے عدل مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عدل سے آسمان و زمین یعنی علویات و سفلیات قائم ہیں:

؎

آسمان و زمین بعدل بپاست
شد ز شاہان بغیر عدل نخاست

Scanned with CamScanner

گر نباشد ستون خیمہ بجائے

کے بود خیمہ بے ستون بر پائے

ترجمہ: آسمان و زمین اللہ تعالٰی کے عدل سے قائم ہیں۔ اگر کسی خیمہ کا ستون نہ ہو تو وہ خیمہ زمین پر گر جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالٰی کی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے آسمان کا خیمہ ستون کے بغیر کھڑا کر دیا۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ترونہا جملہ مستانفہ اور ھو اور ھا کا مرجع السمٰوٰت ہوں۔ اس معنٰی پر یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ یہ آسمان ستون کے بغیر کیسے قائم ہیں؟ جواب ملا کہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ آسمان کتنے بلند ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کا ستون بھی نہیں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ لفظ ثمّ دو تخلیقوں کے درمیان کے تفاصل کی تراخی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ عرش کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہوئی اور الاستوا بمعنٰی سیدھا ہو کے بیٹھنا اور عرش شاہی تخت کو کہا جاتا ہے یہاں پر معین معنٰی مراد ہے جو کہ تمام مخلوق سے اعظم ہے اور اس کے نیچے میٹھا پانی ہے۔ کما قال تعالٰی:

وکان عرشہٗ علی الماء۔

ف: عرش کے نیچے ایک بہت بڑا دریا ہے جس کی عظمت کو صرف اللہ تعالٰی جانتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ استوٰی علی العرش بمعنٰی اوفی علی العرش ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو اوپر سے نیچے جھانک کر دیکھے۔

حدیث شریف اللہ تبارک و تعالٰی نے اپنے دستِ قدرت سے جنت الفردوس کو تیار فرمایا ایک اینٹ صاف ستھرے سونے کی اور دوسری عطر سے معطر لگائی۔ پھر اس میں ہر قسم کے بہترین میوہ جات اور پھول وغیرہ لگائے۔ پھر اس میں نہریں جاری فرمائیں۔ پھر عرش کو دیکھ کر فرمایا: مجھے اپنی عزت و جلالت اور قدرت کی قسم اے جنت الفردوس! تیرے اندر نہ شرابی داخل ہوگا نہ زنا پر اصرار کرنے والا نہ دیوث نہ چغلخور، نہ جھگڑالو، نہ اختلاف کرنے والا اور نہ متکبر۔

ف: قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

استوٰی علی العرش میں عرش سے اس کی حفاظت اور تدبیر مراد ہے۔ یعنی عرش پر استواء کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے ملک پر پورا استیلا اور تصرف ہے۔ اگر آسمانوں کو ستون کے بغیر کھڑا کرے تو مالک ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں:

استوٰی فلان علی العرش۔ یعنی فلاں کسی شے کا مالک ہو گیا۔ اگرچہ وہ اس پر نہ بیٹھے۔

Scanned with CamScanner

ف : ابن الشیخ الظاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں لفظ ثم اطلاق و ترتیب کے لیے ہے اس میں تراخی کا معنی نہیں 11
اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا تو پھر عرش پر استیلاء فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق سے پہلے بھی استیلاء تھا اور بعد کو بھی۔

ف : یاد رہے کہ استیلاء باعتبار تمکن اور ذات کے نہیں کیونکہ اس کی ذات مخلوق کی صفات سے منزہ اور پاک ہے، بلکہ باعتبار امر ایجادی اور تجلی حبی احدی کے ہے اس لیے کہ عرش ایسے استواء کا محل ہے کیونکہ تجلیات متنیفہ اور احکام ظاہرہ و امور بارزہ اور آسمان و زمین اور ان کے اندر کے عالم کون و فساد بامر الٰہی و ایجاد ازلی کے شئون متحققہ اس وقت تکمیل پذیر ہوتی ہیں جب ان کے لوازمات کا استیفا اور ان کی جوانب کا اشتمال اور ان کے ارکان اربعہ جو کہ عرش کے ظہور بر درج و شکل و حرکت دوریہ میں مستوی ہیں کا استجماع نہ ہو۔ اس لیے کہ انہی عوالم میں تجلیات حق کا استواء تجلی حبی و امر ایجادی کے ساتھ ضروری ہے یعنی وہ امر ایجادی جو امور اربعہ ایجادیہ کا ایک سبب ہے اور یہ امور ایجادیہ تجلیات حبیہ اور ایجادیہ حبیہ سے ہیں اور یہ تجلیات در اصل حرکت عرش الٰہیہ ہے اور یہی بمنزلہ حد اکبر کے ہے اور جب ارکان اربعہ کہ جن پر تجلیات ایجادیہ امریہ موقوف ہیں کے حصول تمام کا امر برابر ہوا یعنی وہ تجلیات ایجادیہ امریہ جو بحسب استعدادات اہل عصر کے تقاضوں اور ہر یوم بلکہ ہر آن میں اصحاب زمان کی قابلیات کے موجبات آسمان و زمین کے درمیان میں نازل ہوئے ہیں ان کے نزول کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یتنزل الامر بینھن ۔

اور فرمایا :

کل یوم ھو فی شان ۔

یعنی ہر یوم کا امر شان میں یعنی عرش میں ہے۔ تو عرش حق کا مستوی ہوا اور استواء کا بھی یہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور استواء امر ایجادی عرش پر بمنزلہ استواء امر تکلیفی ارشادی علی الشرع کے ہے اور ہر ایک اپنے دوسرے کا مقلوب ہے۔ (کذا فی الابحاث البرقیات لحضرت شیخنا الاجل قدس سرہٗ)

تفسیر عالمانہ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا یعنی ان سے جس طرح کا کام لینا چاہا ہے اور انہیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم اور دیگر مخلوق ان سے نفع یاب ہو۔ چنانچہ بحر العلوم میں ہے کہ سورج و چاند کو مسخر کرنے کا معنی یہ ہے کہ انہیں لوگوں کے لیے نافع بنایا کہ سورج و چاند کی رفتار سے لوگ اپنے سالوں کا حساب اور دیگر حساب و کتاب معلوم کریں۔ لوگ ان کے نور سے رات اور دن میں روشنی پاتے ہیں۔ ان کے نور سے اندھیرا اور تاریکی دور ہوتی ہے۔ ان سے زمین کی اصلاح ہوتی ہے اور اجسام و اشجار اور نباتات کی بھی۔ كُلٌّ یہ دونوں يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى لام بمعنی وقت ہے یعنی میعاد مقرر تک چلتے رہیں گے۔ اس سے دنیا کی

Scanned with CamScanner

فنا اور بربادی یا سورج اور چاند کے دورے کی انتہا مراد ہے اسی لیے سورج اور چاند ہر رات اپنی منزل طے کر کے طلوع و غروب کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک دفعہ تمام منازل ختم کر کے پھر نئے سرے سے منزل شروع کرتے ہیں یُدَبِّرُ الْاَمْرَ اعطاء و منع و احیاء و اماتت، مغفرۃ الذنوب و تفریج الکروب اور کسی کو معزز اور کسی کو ذلیل کرنے کے فیصلے اور تدبیر کرتا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یدبر الامر سے تمام عالم کی صرف وہی تن تنہا تدبیر کرتا ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ استواء علی العرش سے مراد یہ ہے کہ عرش کی بلندی اپنی مخلوق کی تدبیر کے لیے کرتا ہے اس میں تشبیہ کا کوئی مفہوم نہیں۔

یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ آیات کو تفصیل سے بیان کرتا ہے یعنی توحید اور قیامت میں اٹھنے اور کمال قدرت اور حکمتہ برابر ہیں قائم فرماتا ہے لَعَلَّکُمْ تاکہ تم بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ اپنے رب تعالیٰ کے دیدار یعنی قیامت میں اعمال کی جزا و سزا پر تُوْقِنُوْنَ یقین کرو اور سمجھو کہ جو ذات ان اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو ان کے مارنے اور پھر ان کے اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔

قاعدہ: بحر العلوم میں ہے کہ لعل کا لفظ ارادہ کے معنیٰ میں ہے۔ اور اس میں اس کا اپنا معنیٰ بھی ملحوظ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی آیات اس ارادہ پر تفصیل سے بیان فرماتا ہے کہ تم ان آیات میں غور و فکر کرو اور انھیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت اور اس کی توحید و حکمت پر استدلال کرو اور یقین کرو کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق اور شمس و قمر کی تسخیر پر قادر ہے باوجودیکہ یہ اشیاء بہت عظمت والی ہیں۔ اور پھر جملہ امور کی تدبیر بھی وہی کرتا ہے۔ تو پھر مان لو کہ وہ ایک چھوٹے سے انسان کی تخلیق اور پھر اس کے مارنے کے بعد لوٹانے اور اس کی جزا اور سزا پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

مسئلہ: ایجاد عالم امکان مختلف طور طریق سے اس لیے ہوا تاکہ انسان کو مشاہدہ و اطمینان اور یقین نصیب ہو۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سیراب کن ز بحر یقین جان تشنہ را
زین پیش خشک لب منشین بر سراب ریب

ترجمہ: بحر یقین سے اپنی پیاسی جان کو سیراب کرلے اس وقت سے پہلے کہ موت آجائے
اور شکی بن کر پانی کے کنارے پر خشک لبوں سے نہ بیٹھ۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے ارشادِ گرامی کی تشریح

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:
و کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔
اگر پردے ہٹ جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ مشائخ کرام یوں بیان فرماتے ہیں کہ اہلِ مکاشفہ دنیا میں علم الیقین سے عین الیقین تک پہنچتے ہیں لیکن

Scanned with CamScanner

اہلِ حجاب کو قیامت میں ہی نصیب ہوگا۔ اس معنی پر اگر اہلِ مکاشفہ کو اور دنیا کے پردے ہٹ کر آخرت کے نظارے سامنے آجائیں تو بھی ان کے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا کیونکہ انہیں وہ مرتبہ پہلے حاصل ہے پھر اضافہ کا کیا معنیٰ۔ ہاں اہلِ حجاب چونکہ علم یقین میں ہیں اسی لیے ان سے اگر حجاب اُٹھیں تو عین یقین کے درجہ میں پہنچنے سے ان کے لیے اضافہ ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی الناس نیامٌ فاذا ماتوا انتبھوا لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے۔ یعنی ان کی موت (اختیاری ہو یا اضطراری) پر ہی انہیں بیداری نصیب ہوگی۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ یقین کے حصول اور آیاتِ ربانی میں عبرت پکڑنے کی کوشش کرے۔

علمِ سلوک کے چھ گُر

فقیہ نے فرمایا کہ مومن کو چھ عادات ضروری ہیں:

1. ایسا علم جو آخرت کی رہبری کرے۔
2. ایسا دوست جو اس کی طاعتِ الٰہی پر معاونت کرے اور برائیوں سے روکے۔
3. اپنے دشمن کی پہچان اور اس سے بچنے کی تدبیر۔
4. آیاتِ الٰہی اور اختلاف اللیل والنہار سے عبرت۔
5. خلقِ خدا سے عدل و انصاف تاکہ قیامت میں اس پر کسی قسم کا دعویٰ نہ ہو۔
6. موت سے پہلے اس کی تیاری اور دیدارِ الٰہی کے لیے مستعد رہنا تاکہ قیامت میں اسے رسوائی نہ ہو۔

وَهُوَ الَّذِي اور اللہ تعالیٰ وہ قادرِ مطلق ہے مَدَّ الْأَرْضَ جس نے زمین کو طولاً و عرضاً پھیلایا اور ایسا فراخ بنایا کہ جس پر قدم ثابت ہوں اور جانور چل پھر سکیں۔ یعنی اسے دراز بنایا۔ اور ایسا نہیں کہ پہلے وہ کسی مکان میں جمع تھی پھر اسے پھیلایا یا جیسے کھیتی باڑی کرنے والے بڑے ٹیلے کو ہموار کر کے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

سوال: تقریر مذکور اس قاعدہ کے خلاف ہے جو کہ مشہور ہے کہ زمین ایک گیند کی طرح ہے اور گیند نہ دراز ہوتی ہے نہ بسیط۔

جواب: جب کوئی شے بڑے پیمانہ پر ہو تو وہ اگرچہ گیند کی طرح ہو تب بھی دراز اور بسیط ہونا اس کے منافی نہیں ہوتا۔

اعجوبہ

تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ زمین کو کعبہ معظمہ سے پھیلانا شروع کیا گیا تھا اور یہاں پانی ہی پانی تھا تو زمین پانی پر ہلنے لگی جیسے کشتی پانی پر ہچکولے کھاتی ہے ایسے ہی زمین ہچکولے کھانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ گاڑ دیے اس سے زمین ساکن[1] ہو گئی۔

کعبہ معظمہ کا اعجوبہ

بعض روایات میں ہے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی پر ایک تیز ہوا بھیجی اس کے تیز جھونکوں سے کعبہ معظمہ کے مقام سے ایک پتھر نمودار ہوا جو قُبّے کی

---

[1] اس میں رد ہے ان نادانوں کا جو زمین کو متحرک مانتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

کی طرح تھا اسی جگہ سے اللہ تعالیٰ نے (طولاً و عرضاً) زمین کو بچھایا۔ گویا اس کا اصل اور اس کی ناف یہی کعبہ معظمہ ہے۔ لیکن یہ آباد زمین کے لیے ہے۔

ف : خشفۃ (بالخاء المعجمہ) اس پتھر کو کہتے ہیں جسے مٹی کے ساتھ خشک کیا جائے۔

انجوبہ برائے زمین آباد و غیر آباد یعنی کل زمین کا درمیان (ناف) خشفۃ الارض ہے۔ یعنی وہ مقام جہاں ہمیشہ گرمی و سردی میں رات دن برابر رہتے ہیں جس میں نہ دن رات سے بڑھتا ہے نہ رات دن سے۔ اسی طرح وہاں نہ گرمی ہوتی ہے نہ سردی۔

کعبہ کو عزت ملی حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر بشریت اسی کعبہ معظمہ میں تھا یعنی زمین کی ناف در اصل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خمیر اقدس ہے۔ پھر جب زمین بچھ کر مکمل ہو گئی تو عرصۂ دراز کے بعد طوفانِ نوح کی موجوں سے وہی خمیر اقدس اٹھا کر مدینہ طیبہ موجودہ گنبد خضرا کے مقام پر رکھا گیا۔ اسی لیے آپ مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

ف : بزرگ فرماتے ہیں ہمارے اجساد کی حقیقی ماں زمین ہے کہ اسی پر ہم ٹھہرتے ہیں، اسی میں ہماری معاش ہے اور اسی میں ہم مدفون ہوں گے۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ رواسی راسیۃ کی جمع ہے اور یہ رسا الشیء بمعنے ثبت سے مشتق ہے علامۃ کی تاء کی طرح راسیۃ کی تاء بھی مبالغہ کی ہے۔ بعض نے یہ تاء تانیث کا کہا ہے یہ غلط ہے۔ یعنی مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے جو زمین پر میخوں کی طرح لگے ہوئے ہیں تاکہ زمین مضطرب نہ ہو اور وہ ٹھہر جائے اور لوگ اس پر آرام سے زندگی بسر کریں۔

ف : یاد رہے کہ زمین کا ہچکولے کھانا اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے تھا۔

زمین کا سب سے پہلا پہاڑ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سب سے پہلا پہاڑ جو زمین پر گاڑا گیا اس کا نام ابو قبیس ہے۔ اور یہ پہاڑ مکہ معظمہ میں ہے۔

ف : ابو قبیس ایک شخص کی وجہ سے اس کا نام پڑ گیا اور وہ شخص مذحج بروزن مجلس ایک لوہار تھا۔ چونکہ اسی پہاڑ پر سب سے پہلے اسی نے مکان تیار کیا اسی لیے اس پہاڑ کا نام اس کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس پہاڑ کو الامین بھی کہتے ہیں اس لیے کہ رکن کعبہ اسی میں امانت کے طور رکھا گیا تھا۔

لطیفہ انسان العیون میں ہے چونکہ زمین پر سب سے پہلے ابو قبیس پہاڑ کو رکھا گیا تھا اسی لیے اس کا نام ابو الجبال

ا؎ یہی لفظ روایت کا ہے جسے فقیر نے ترجمہ میں پتھر لکھا۔

ہونا چاہیے۔

افضل الجبال عقل کا تقاضا یہ ہے کہ یہی اگر تبیں تمام پہاڑوں سے افضل ہو۔ لیکن تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ اُحد پہاڑ تمام پہاڑوں سے افضل ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اُحُد یحبنا و نحن نحبہ۔ اُحد پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے۔

ف: اُحُد (بالضمتین) مدینہ طیبہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

ف: اہلِ حکمت لکھتے ہیں کہ دُنیائے عالم میں ایک سَو اٹھتر پہاڑ ہیں ان میں بعض کی لمبائی ساٹھ میل، بعض کی تین سو میل اور بعض کی تین ہزار میل ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر کل چھ سو چھتیس پہاڑ ہیں۔ یہ ان کے سوا ہیں جو عام ٹیلوں کی شکل میں ہیں۔ اگر ان کو ملایا جائے تو پھر ان گنت ہیں۔

اعجوبہ ہر پہاڑ کی جڑ کوہ قاف سے ملتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا کو ختم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو کوہ قاف سے ہر ایک پہاڑ کی جڑ حرکت کرے گی۔ ؎

١ رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف
دید کہ را کز زمرد بود صاف

٢ گرد عالم حلقہ گشتہ او محیط
ماند حیران اندران خلق بسیط

٣ گفت تو کوہے دگر ہا چیستند
کہ بہ پیشِ عظم تو باز ایستند

٤ گفت رگہائے منند آن کوہ ہا
مثل من نبود در حسن و بہا

ترجمہ: ١۔ کوہ قاف پر حضرت سکندر تشریف لے گئے اسے زمرد کی طرح صاف و شفاف دیکھا۔

٢۔ جملہ عالم کے گرد حلقہ کی طرح محیط تھا اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے بنائے ہوئے پہاڑ کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

٣۔ آپ نے فرمایا کہ اے پہاڑ! کیا تُو پہاڑ ہے تو دُوسرے کیا ہیں کہ وُہ تیرے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔

٤۔ اس نے کہا کہ یہ جملہ پہاڑ میری رگیں ہیں اور میرے جیسا اور کون ہو سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

۵ من بہر شہرے رگی دارم نہان
بر عروقم بستہ اطراف جہان

۶ حق چو خواہد زلزلۂ شہرے مرا
گوید او من بر جہانم عرق را

۷ پس بجنبانم من آن رگ را بقہر
کہ بدان رگ متصل گشتست شہر

۸ چون بگوید بس شود ساکن رگم
ساکنم وز روئے فعل اندر تگم

۹ ہمچو مرہم ساکن و بس کارکن
چون خرد ساکن و زو جنبان سخن

۱۰ نزد آنکس کہ نداند عقلش این
زلزلہ ہست از بخارات زمین

وَ اَنْھٰرًا اور زمین پر نہریں جاری فرمائیں۔

سوال: انہٰر کو جبال کے ساتھ اور اسی کے فعل پر معطوف کر کے کیوں بیان فرمایا۔

جواب: جبال انہار کے اجزأ کے اسباب ہیں اس لیے کہ پتھر ایک متصلب (سخت) جسم ہے جب زمین سے بخارات اڈکر پہاڑوں میں پہنچتے ہیں تو ان بخارات کو پہاڑ اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ پھر جُوں جُوں وُہ بخارات بڑھتے ہیں پہاڑوں سے نہروں کی صُورت میں پانی بہہ نکلتا ہے۔ دُوسری وجہ یہی ہے کہ پہاڑوں کے سوراخوں سے بخارات داخل ہو کر نہروں کی صورت میں زمین پر پھیل جاتے ہیں۔

ترجمہ: ۵۔ ہر شہر میں میری جڑیں پھیلی ہُوئی ہیں۔ میری رگوں سے ہی تمام جہان وابستہ ہے۔
۶۔ جب اللہ تعالیٰ کسی شہر کو زلزلے میں ڈالتا ہے تو مجھے اسی رگ کو متحرک کرنے کا حکم دیتا ہے۔
۷۔ میں اسی رگ کو متحرک کرتا ہوں اسی لیے کہ ہر رگ میں شہر وابستہ ہیں۔
۸۔ پھر جب مجھے خاموشی کا حکم دیتا ہے تو میں اپنی رگ کو روک کر ساکن کر لیتا ہُوں۔
۹۔ میرا حال مرہم جیسا ہے کہ ساکن ہوں لیکن ہزاروں کام اپنے اندر رکھتا ہُوں جیسے عقل ساکن ہے۔
۱۰۔ ایسے ہی جسے عقل نہیں سمجھتا کہ زمین کے زلزلے کیسے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ف: الملکوت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شبنم اور بارشوں کے قطرات زمین پر بھیجتا ہے جنہیں زمین اپنے اندر جذب کر کے انھیں اپنی طبیعت پر پکا کر باہر نکالتی ہے جو زمین کی جڑوں سے چشموں کی صورت میں پانی ظاہر ہوتا ہے اس سے خلقِ خدا نفع یاب ہوتی ہے۔ لیکن یہ وہاں پر ظاہر ہوتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ پانی کے متوکل فرشتہ حضرت میکائیل علیہ السلام اور ان کے خدام ہیں۔

ف: زمین پر سب سے بڑا دریا فرات ہے یہ کوفہ میں ہے۔ اور دجلہ، یہ بغداد میں ہے۔ اور سیحان (بفتح السین المہملہ) یعنی نہر المصیصہ۔ اور سیحون، یہ ہند میں ہے۔ اور جیحان (بفتح الجیم) یعنی نہر اذنہ۔ یہ بلاد یمن میں ہے۔ اور جیحون یہ بلخ میں ہے۔ اور نیل، یہ مصر میں ہے۔

اعجوبہ دار حکایت

کسی بادشاہ نے چند ایک آدمیوں کو مامور فرمایا کہ وہ دریائے نیل کی تحقیق کریں کہ یہ کہاں ختم ہوتا ہے۔ انھیں کشتیوں پر سوار کر کے ایک سال کا زادِ راہ دے کر روانہ کیا۔ یہ چھ ماہ تک دریا میں چلتے رہے۔ کچھ معلومات حاصل نہ کر سکے۔ آخر میں انھیں صرف ایک قبہ نظر آیا۔ اس کے باشندے آدمیوں کی شکل میں تھے (جن کے جسم سبز رنگ کے تھے) ان میں سے ایک کو پھنسایا تاکہ اسے اپنے علاقے کے لوگوں کو دکھائیں۔ لیکن وہ تڑپ کر مر گیا اسے نمک اور دیگر ادویات لگا کر اپنے شہر میں لائے۔

ف: الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے بھی دریائے نیل کا کنارا معلوم کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

دیگر حکایت اعجوبہ دار

بعض سیاحوں کو ایک ایسا پہاڑ دیکھنے میں آیا کہ جو بھی اس کے پار والے حصے کو دیکھتا تو واپس نہ لوٹتا۔ انہوں نے اپنے میں سے ایک کو مضبوط رسّی سے باندھ کر روانہ کیا۔ جب اس نے پہاڑ کے پار نظر اٹھائی تو اسے فوراً کھینچ لیا گیا۔ اس سے جو کچھ پوچھتے وہ بول نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مر گیا۔

دریائے نیل کی عجیب تاثیر

حکما کہتے ہیں کہ اگر دریائے نیل دریائے اخضر (جو نمکین ہے) میں پہنچنے سے پہلے بحیرہ زنج میں داخل ہو جاتا اور اس کا نمکینی مادہ اس میں مل جاتا تو اس کا پانی کوئی بھی نہ پی سکتا۔ اس کے بہت زیادہ میٹھا ہونے کی وجہ سے اسے نیل کہتے ہیں۔ نیل بہشت میں جو نہر العسل ہے وُہ بھی دریائے نیل ہے۔

ایک اور عجیب دریا

دنیائے عالم میں ایک دریا ارس ہے اس کی تاثیر شاعر یوں بیان کرتا ہے:

شعر

ارس را در بیابان جوشش باشد

بدریا چوں رود خاموشش باشد

ترجمہ: ارس بیابان میں ہے اس میں جو بھی داخل ہوتا اس سے بولنے کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ یہ جَعَلَ فِیْهَا سے متعلق ہے زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ کے متعلق ہے اثنین زوجین کی تاکید ہے جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے۔ اس کی تشریح ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر ہر قسم کے ثمرات کا جوڑا جوڑا پیدا فرمایا ہے۔ مثلاً میٹھا کھٹا اور سیاہ وسفید اور زرد و سرخ اور چھوٹا اور بڑا۔ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اور دن کو رات سے ڈھانپتا ہے۔ یعنی رات اپنی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دن کو رات میں چھپا لیتا ہے۔ اور دن اس کی تاریکی سے ایسا چھپتا ہے کہ اس کا معمولی سا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

سوال: جیسے دن کو رات چھپا لیتی ہے ایسے ہی دن بھی رات کو چھپا لیتا ہے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب: ایک ضد کے ذکر سے دوسری کا ذکر ضمناً خود بخود آ جاتا ہے۔

ف: بیضاوی صاحب نے فرمایا کہ دن کے بجائے خلاء کو رات اپنی تاریکی میں لے لیتی ہے۔ جہاں دن کی روشنی چمکتی ہے وہاں رات کی تاریکی کا دور دورہ ہوتا ہے۔

حکمت: اغشاء بمعنے البا س الشئ بالشئ چونکہ دن کو رات کا لباس پہنا نا یا دن کا رات میں چھپ جانا فہم سے بالاتر ہے اس لیے کہ وہ ضدان لا یجتمعان ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ لباس لابس یعنی لباس پہننے والے کے ساتھ بقدر ضرورت مجتمع ہو جاتا ہے یعنی لابس کے جسم کی بجائے لباس کا وجود ظاہر ہوتا ہے اور دن کا جسم وہی خلاء ہے جس پر رات نے اپنی تاریکی کا لباس پہنا دیا۔ رات دن کے اسی طریق کار کو اغشاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی سے یغشی اللیل النہار کا اشتقاق ہوا جس کی مذکورہ بالا تقریر ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بیشک زمین اور پہاڑ اور نہریں اور ثمرات اور رات دن کا بدلنا لَاٰيٰتٍ البتہ آیات ہیں جو صانع اور اس کی قدرت وحکمت اور تدبیر پر دال ہیں۔ ان اشیاء کو استعمال کرنے والے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر رہے ہیں اس میں سڑکیں ہیں اور راہگیروں کے لیے چھوٹے چھوٹے راستے بھی ہیں اس پر چلتے ہیں تو زمین سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پاتے اس میں نہریں اور کانیں اور جانور ہیں جو یہ بھی انسان کے نفع کے لیے ہیں اور پہاڑ بھی انسان کی خدمت کے لیے زمین پر گاڑے گئے۔ ان کی بلندی اور ان کی سختی اور ثقل وغیرہ بھی فائدہ دے رہی ہے۔ کم از کم یہ ہے کہ وہ زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیے گئے ہیں تاکہ زمین جھکولے نہ کھائے اور پھر جیسے گھروں میں میخیں گاڑ دی جاتی ہیں جن سے مختلف ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اسی طرح نہریں بھی بعض پہاڑوں کے دامن میں ہیں یہ سب مالک ومختار اور صانع کردگار کی صنعت وقدرت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح دانوں کو دیکھیے کہ یہ زمین کے اندر پڑ کر زمین کی نمناکی سے پھوٹ پڑتے ہیں زمین کے نیچے پھوٹتے ہی جڑیں بن جاتی ہیں اوپر نکلتے ہیں تو پودا اور درخت بن جاتے ہیں۔ یہ بھی قدرت ایزدی کے عجائبات سے ہے کہ باوجودیکہ وہ دانہ ایک ہے اس پر اثر ڈالنے والے زمین کے اثرات اور افلاک وکواکب کی تاثیریں بھی ایک طرح کی ہیں۔ لیکن قدرت کا کمال دیکھیے کہ نیچے سے جڑیں پیدا ہوتی ہیں ان کے منافع اور ہیں اور اوپر کو درخت یا

پودا نکلتا ہے۔ اس کے اندر مختلف اشیائ ہوتی ہیں ان کے منافع وغیرہ ہیں اور باوجودیکہ وہ ایک دانہ کے سب کرشمے ہیں لیکن اس سے پیدا شدہ افعال وخواص میں بعض آپس میں متضاد بھی ہیں۔ یہ بہت پیچیدہ معاملہ ہے کہ ایک شئے سے متضاد اشیاء ظاہر ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارے کرشمے اسی بہت بڑی قدرت اور حکمت والے خالق وصانع مدبر حکیم رب کریم کے ہیں۔

دعوت غور و فکر

مذکورہ بالا تقریر کو ذہن میں رکھ کر پھر دیکھیے کہ درخت جو اسی چھوٹے سے دانے سے پیدا ہوا ہے اس کے بعض اجزا نہایت سخت ہیں اور بعض ان میں سے صرف اس کا چھلکا ہی چھلکا ہے۔ اسی میں سے بعض پتوں کے علاوہ مغز اور میوہ ہے جسے ہم کھاتے ہیں مزے اڑاتے ہیں لیکن کردگار کی عبادت اور اس کے شکر اور نعمت وکرم کو بھول جاتے ہیں۔

عجائباتِ میوہ جات

بعض ایسے میوہ دار اشجار بھی ہیں جنھیں قطع نظر دوسرے عجائبات کے ہمارے کھانے سے متعلق اس میں چار اجوبے ہوتے ہیں۔ مثلاً بادام وغیرہ کہ اس کے اوپر چھلکا اس کے نیچے باریک اور مغز کو محیط چھلکا اس کے نیچے نرم غذا، پھر اس کے اندر روغن۔ پھر اطباء اور ڈاکٹروں سے پوچھیے کہ ان میں ہر ایک کی سیکڑوں تاثیریں اور خواص ہیں یہ اس وقت جبکہ وہ کچا ہو۔ اسی طرح انگور پر غور کیجئے کہ وہ خود گرم ہے لیکن اس کا نچوڑ سرد اور کئی طرح کے خواص و فوائد جنھیں اطباء وغیرہ خوب جانتے ہیں باوجودیکہ ان کے اندر تاثیر کرنے والی جملہ اشیائ ایک ہیں۔ مثلاً ایک پانی ایک ستاروں کی چمک اور افلاک کا چکر برابر (وغیرہ وغیرہ) ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ اسی قادر مطلق حیّ قیوم کی قدرت وصنعت[1] ہے۔ رات اور دن کے مختلف ہونے کے متعلق آیات اور نشانیاں واضح ہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ اس قوم کے لیے جو تفکر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال کرتے ہیں۔

ف: التفکر بمعنے تصرف القلب فی طلب معانی الاشیاء یعنی دل کو اشیائ کے معانی کی طلب میں پھیرنا۔

لطائف انسان

جیسے عالم کبیر میں زمین، پہاڑ، کانیں، دریا، نہریں، نالے، ندیاں ہیں، اسی طرح حضرت انسان (جسے عالم صغیر کہتے ہیں) میں بھی اشیاء مذکورہ ہیں۔ مثلاً اس کا تمام جسم زمین۔ ہڈیاں پہاڑ، بھیجا وغیرہ کانیں اور پیٹ دریا اور اس کے اندر آنتیں نہریں اور رگیں نالے، چربی وغیرہ گارا اور بال انگوریاں، اور بالوں کے اُگنے کی جگہ وہ مٹی ہے جہاں باغات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اس کا کسی سے اُنس کرنا آباد زمین اور اس کی نشست جنگلات اور اس کا لوگوں سے وحشت کرنا ویران زمین ہیں۔ اس کا

---

[1] مذکورہ بالا تقریر میں منکر ذات خدا (کمیونسٹ یعنی دہریے) کو سنائیے۔ لیکن ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔

Scanned with CamScanner

سانس ہوائیں اور اس کا برستا بادل کی گرج اور اس کا ندرے سے چمکنا چلانا بجلی کی کڑک اس کا رونا بارش اور اس کی خوشی سورج کی روشنی اور اس کا حزن وملال رات کی تاریکی اس کی نیند موت اس کا جاگنا حیات ہے۔

صورتِ دیگر اس کی ولادت اس کے سفر کا آغاز اور اس کا بچپن موسم بہار اور شباب موسم گرما اور اس کے بڑھاپے کا آغاز اس کی خزاں اور اس کا آخری بڑھاپا موسم سرما ہے۔ موت سے سفر کی انتہا ہوتی ہے زندگی کے سال اس کے شہر اور زندگی کے مہینے منزلیں اور زندگی کے ہفتے سفر پہ جانے والی سڑک کے فرسخ اور زندگی کے ایام اسی سڑک کے میل اور سانس آگے جانے والے سفر پہ اٹھنے والے قدم ہیں۔ جب سانس نکلتا ہے تو گویا اس کے قدم اس کے اجل کی طرف اٹھ رہے ہیں۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ ان میں تفکر کرے۔

ابدال کی نشانیاں ابدال کی دس علامتیں ہیں :

۱. سلامت صدور
۲. سخاوت فی المال
۳. صدق مقال
۴. تواضع النفس
۵. شدت میں صبر
۶. خلوت میں بکا
۷. خلق خدا کی خیر خواہی
۸. اہل ایمان کے لیے رحمت
۹. اشیاء میں تفکر
۱۰. اشیاء میں عبرت

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو تفکر میں لگے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تو تفکر کرو لیکن خالق کی ذات میں تفکر نہ کرنا۔ (کذا فی "تنبیہ الغافلین")

مثنوی شریف میں ہے :

۱ بے تعلق نیست مخلوق بدو
آں تعلق ہست بیچون اے عمو

۲ ایں تعلق را خرد چوں رہ برد
بستۂ وصلست و فصلست ایں خرد

۳ زیں وصیت کرد ما را مصطفیٰ
بحث کم جوئید در ذات خدا

Scanned with CamScanner

۴ اگر در ذاتش تفکر کرد نیست
در حقیقت آں نظر در ذات نیست

۵ ہست آں پندار او زیرا براہ
صد ہزاراں پردہ آمد تا الٰہ

۶ ہر یکے در پردۂ موصول جوست
وہم او آنست کاں خود عین ہوست

۷ پس پیمبر دفع کرد ایں وہم ازو
تا نباشد در غلط سودا پز او

ترجمہ: ۱۔ مخلوق کا ہر ذرہ اس سے متعلق ہے اسے اندھے یہ تعلق بھی بے شک ہے۔
۲۔ جب یہ تعلق عقل تلاش کرتی ہے تو وہ وصل و فصل کے خیال میں پھنس جاتی ہے۔
۳۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ذاتِ حق پر بحث نہ کرو۔
۴۔ ہاں اللہ والوں کا تفکر کار دیگر ہے۔
۵۔ وہ تصورات کچھ اور حکم رکھتے ہیں اس میں ہزاروں پردے ہیں جو اللہ تعالیٰ تک لے جاتے ہیں۔
۶۔ وہ ہر پردے سے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرتے ہیں ان کا یہ وہم و خیال عین حق ہے۔
۷۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اس وہم کو دفع فرمایا تاکہ کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔

وَفِی الْاَرْضِ خبر مقدم ہے اس کا مبتدا **قِطَعٌ** ہے قطع **قِطْعَۃٌ** کی جمع ہے بمعنے ٹکڑا **مُتَجٰوِرٰتٌ** یعنی زمین کے ٹکڑے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے ملے جلے یعنی بعض ان میں ایسے ہیں جن سے کھیتیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں اور بعض شور ٹکڑے ہیں جن سے کوئی شے پیدا نہیں ہوتی ان میں بعض سے تھوڑی کھیتی پیدا ہوتی ہے بعض سخت ٹکڑے ہیں بعض سے کثیر کھیتی پیدا ہوتی ہے ان میں بعض نرم ٹکڑے ہیں بعض صرف کھیتی کے لائق ہیں۔ ان میں درخت پیدا نہیں ہوتے بعض میں صرف درخت پیدا ہوتے ہیں ان میں کھیتیاں پیدا نہیں ہو سکتیں اگر یہ قادر مطلق کا نظام نہ ہوتا تو باوجودیکہ سبب واحد ہے تو پھر اس ایک سبب سے اس کا کام بھی ہوتا ہے لیکن باوجود ایں ہمہ مختلف خواص اور افعال اپنے موقع و محل میں صادر ہو رہے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سارا نظام اسی قادر مطلق لایزال کا ہے۔ **وَجَنّٰتٌ** اس کا عطف قطعٌ پر ہے بمعنے باغات **مِّنْ اَعْنَابٍ** عِنَبٌ کی جمع ہے بمعنے انگور۔

لفظِ کرم کی تحقیق اہل عرب انگور کو کرم بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے ثمرہ میں سخاوت ہے اور وہ بوجھ بھی بہت اٹھاتا ہے اس کے ثمرہ توڑنے میں آسانی بھی ہے۔ اس پر کانٹے بھی نہیں ہوتے جس سے

Scanned with CamScanner

پھل توڑنے والے کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی اسے تر اور خشک دونوں حالت میں کھایا جاتا ہے۔ کرم کا لغوی معنی بھی کثرت اور جمع الخیر کے ہوتے ہیں۔ سخی مرد کو کرم اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں خصال خیر بکثرت ہوتے ہیں۔

ف : مومن (ولی اللہ) کا قلب نورِ ایمان سے لبریز ہوتا ہے اس نام کا زیادہ مستحق وہی ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک کو کرم نہ کہو اس لیے کہ کرم صرف مومن (ولی اللہ) کا قلب ہے۔

نکتہ : ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ عرب انگور اور اس کے درخت کو اس لیے کرم کہتے ہیں کہ شراب اسی سے بنایا جاتا ہے پھر وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پینے والے شراب کرم پر ابھارتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کرم کا نام رکھنے سے نہیں روکا تاکہ وہ شراب پینے کو خیال میں نہ لائیں اور شرابی کے لیے ایسا اچھا نام استعمال نہ کریں۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نام مومن اور اس کے قلب کے لیے مستحق بتایا کہ اس کی اچھی طبع اور احسن ذکاء کا تقاضا یہی ہے کہ یہ نام اس کے لیے ہو۔

ف : اس سے مومن کو تقویٰ پہ ابھارا گیا ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ اس احسن نام کا مستحق صرف مومن ہی ہے اور بس۔

وَّ زَرۡعٌ اس کا عطف جنّٰت پر ہے۔

سوال : مفرد کا جمع پر عطف کیسا۔

جواب : زرع کا اصل مصدر ہے اور اس میں جمع بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے اس کا عطف جمع پر جائز ہے۔

وَّ نَخِیۡلٌ نخل اور نخیل کا ایک ہی معنی ہے۔ یعنی کھجوریں۔ **صِنۡوَانٌ** نخیل کی صفت ہے صنو کی جمع ہے وہ کھجور جس کا اصل ایک اور سر دو ہوں یعنی باغات میں بعض کھجوریں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کا اصل ایک ہوتا ہے لیکن اس کی شاخیں بہت ہوتی ہیں۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ستایا نہ کرو کیونکہ وہ میرے آباد کا بقایا ہیں اور چچا باپ کی مانند ہوتا ہے۔

ف : قاموس میں لکھا ہے کہ ایک سے آگے جتنے افراد ہوں انہیں صنو کہا جاتا ہے۔ اسے کبھی مضموم بھی پڑھا جاتا ہے بعض کے نزدیک یہ صرف کھجور سے مخصوص نہیں بلکہ اس قسم کے ہر درخت کو کہنا جائز ہے۔

وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ اور متفرق، یعنی ان کے اصول بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔

حدیث شریف حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی پھوپھی یعنی کھجور کی عزت کرو اس لیے کہ یہ اس مٹی سے پیدا کی گئی ہے جو آدم علیہ السلام کے خمیر سے بچ گئی تھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس درخت سے مکرم تر اور کوئی درخت نہیں جس درخت کے نیچے بی بی مریم علیہا السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا۔ اپنی عورتوں کو کھجوریں کھلاؤ اگرچہ خشک ہی سہی۔

Scanned with CamScanner

حکایت

مسعود سے منقول ہے کہ جب آدم علیہ السلام بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو آپ بہشت سے تیس مختلف لکڑیاں لائے جن میں مختلف ثمرات تھے بعض وہ ہیں جن کے اوپر چھلکا ہوتا ہے۔ جیسے اخروٹ، بادام، پستہ، چلغوزہ، شاہ بلوط، صنوبر، انار، نارنگی، کیلا، خشخاش۔ ان میں دس وہ تھے جن کا چھلکا نہیں ہوتا لیکن اس کے ثمر میں گٹھلی ہے۔ کھجور، زیتون، خوبانی، آلو، آلو بخارا، عناب، غبیرا، دوابق، زعرور (ایک سُرخ پھل والا درخت۔ اس کے پھل کی گٹھلی گول بڑی ہوتی ہے اور گودا کم ہوتا ہے) اور ان میں بعض وہ تھے جن کا چھلکا نہ گٹھلی۔ جیسے سیب، ناشپاتی، بہدانہ، زیتون، انگور، لیموں، خرنوب (ایک قسم کا درخت)، ککڑی، کھیرا، تربوز۔ ان کی زمینی پیداوار ہمارے مضمون بالا کے منافی نہیں۔

یُّسْقٰى پلائی جاتی ہیں مذکورہ اشیاء، یعنی زمین کے ٹکڑے اور باغات اور کھیتیاں اور کھجوریں وغیرہ **بِمَآءٍ وَّاحِدٍ** ایک پانی سے۔

ف: پانی ایک بہنے والی شے ہے جس سے ہر نامی (بڑھنے والی) شئے کو زندگی ملتی ہے۔

وَنُفَضِّلُ صیغہ جمع بوجہ عظمت الٰہی کے ہے یعنی ہم فضیلت دیتے ہیں **بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ** بعض کو بعض پر ثمر میں بلحاظ شکل و قدر کے یا بلحاظ کھانے اور ذائقے کے کہ ان میں بعض سفید ہیں بعض سیاہ، کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا، کوئی میٹھا ہے کوئی کڑوا اور بعض کھٹے ہیں۔ بعض اچھے ہیں بعض ردی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور صنعت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ درختوں سے مختلف قسم اور مختلف شکلوں اور مختلف ذائقوں اور مختلف خوشبوؤں کو پیدا کرنا اسی کا کام ہے کہ باوجودیکہ ان کے اصول و اسباب ایک ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں مختلف بنا دیا ورنہ عقل کا تقاضا یہ تھا کہ جب پانی اور مٹی ایک ہے تو مختلف رنگ اور شکلیں اور ذائقے پیدا نہ ہوتے اور نہ ہی ایک جنس میں ایک دوسرے پر تفاضل ہوتا جبکہ ان کے پیدا ہونے کا محل اور پانی ایک ہے۔

ف: الاکل (بضم الکاف وسکونہا) وہ شئے جو کھانے کے لیے تیار کی جائے وہ ثمر ہو یا اس کا غیر۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے بہشت کی صفت میں فرمایا:

اکلها دائم۔ اس لیے کہ اس سے بہشت کی جمیع مطعومہ اشیاء مراد ہیں اور ثمر کا اطلاق صرف دانوں کے لیے بوجہ تغلیب کے ہے اس لیے کہ ثمر وہ ہے جو درخت سے حاصل ہو۔ (کذا فی القاموس)

ف: کاشفی نے لکھا کہ تبیان میں ہے کہ یہ مثل اولاد آدم علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ باوجودیکہ ان کا باپ ایک ہے لیکن وہ شکل و صورت، رنگ و ہیئت اور اصوات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہ قلوب کی مثال ہے کہ آثار و انوار و اسرار میں مختلف ہیں کہ ہر دل کی ایک علیحدہ صفت ہوتی ہے اور اسی کے مطابق نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ ان میں بعض انکار و استکبار پر کمربستہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

Scanned with CamScanner

قلوبھم منکرۃ وھم مستکبرون۔ ان کے دل انکاری ہیں اور وہ متکبر ہیں۔

اور بعض ان میں ذکر الٰہی میں مشغول ہو کر مطمئن ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔ اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہیں۔

شعر

ببیں تفاوت رہ کز کجاست تا بکجا

ترجمہ: دیکھیے ان میں کتنا بڑا فرق ہے۔

فائدہ صوفیانہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ وہ علم جو اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اس کی مثال پانی جیسی ہے کہ جس طرح پانی سے اجسام کو زندگی نصیب ہوتی ہے ایسے ہی علم سے ارواح کو۔ اور باوجودیکہ علم کی حقیقت ایک ہے لیکن اس کا اختلاف بوجہ اشخاص وغیرہ کے ہے پانی سے پیدا شدہ درختوں کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں وہ صرف زمین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ ان میں بعض پانی میٹھے ہیں جیسے فرات کا پانی۔ ایسے ہی موحد عارف باللہ کے علم کو سمجھیے۔ اسی طرح جیسے بعض پانی کھاری اور کڑوا ہوتا ہے ایسے ہی جاہل کے علم کو سمجھیے کہ وہ غیریت اور ما سوی اللہ کے حجابات سے محجوب ہے کیونکہ فی نفسہٖ اس کا علم تو میٹھا تھا لیکن اس کی نفسانیت کے کڑوے پانی سے مل کر وہ بھی کڑوا اور بیکار ہو گیا۔

حضرت حافظ نے فرمایا: ؎

پاک و صافی شو واز چاہ طبیعت بدر آے

کہ صفائی ندہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: پاکی اور صفائی تلاش کر لے اور طبیعت نفسانی کے کنویں سے باہر نکل اس لیے کہ جس پانی میں مٹی اور گارا مل جائے وہ صفائی نہیں دیتا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نکتۂ عرفان مجو از خاطر آلودگان

گوہر مقصود را دلہائے پاک آمد صدف

ترجمہ: دل جو نفسانیت سے پُر ہے اس سے صفائی کی اُمید نہ رکھو۔ مقصود کا موتی پاک دل سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک مذکورہ اشیاء لَاٰیٰتٍ البتہ آیات یعنی واضح دلیلیں ہیں لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ اس قوم کے لیے جو عقل کے تقاضے پر عمل کرتی ہے یعنی جسے عقل سلیم حاصل ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ ذات اشیاء مختلفۃ الاشکال والالوان والطعوم والروائح کو مٹی اور پانی سے پیدا کر سکتی ہے (حالانکہ پانی

اور مٹی کو آپس میں کسی قسم کی مناسبت نہیں لیکن وہ قادر اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے) اور وُہ قادر ہے کہ پانی سے ویران زمین کو آباد کرتا ہے اور اس کے مختلف ٹکڑے کرتا ہے اور اس سے بہترین اور عجیب و غریب باغات پیدا فرماتا ہے۔ اور وُہ قادر ہے کہ تمام مخلوق کو فنا کر کے واپس لوٹائے گا۔ عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بنسبت اس کے آسان تر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

انسانی زمین میں مختلف ٹکڑے ہیں جیسے نفس و قلب اور روح و سر اور خفی اور یہ ایک دُوسرے کے قرب و جوار کے لحاظ سے متقارب اور باعتبار حقیقت مختلف ہیں۔ ان میں بعض ملکوتی اور بعض روحانی اور بعض جبروتی اور بعض عظموتی ہیں۔ اور آیت میں جنّات میں ان بعض اجسام کی طرف اشارہ ہے کہ فیض رحمانی کے قبول کرنے کے مستعد ہیں۔ جب وُہ اسے قبول کر لیتے ہیں تو اس سے اعناب یعنی ثمرۃ النفس پیدا ہوتا ہے جس میں غفلت و حماقت اور سہو و لہو جیسے صفات ہیں اس لیے کہ یہی سکر کا اصل ہیں۔ زرع سے قلب کا ثمر مراد ہے اس لیے کہ قلب بمنزلہ اسی زمین کے ہے جس سے اچھے ثمرات پیدا ہوتے ہیں اور وہی صفات روحانیہ و نفسانیہ کے بیج کے قابل ہے۔ اس میں جونسا بیج بوؤ گے وہی اس سے ظاہر ہوگا۔ اگر اس سے روحانی جوہر مطلوب ہے تو اس میں روحانی صفات کا بیج ڈالو۔ اگر اس میں نفس کا ظلمانی بیج ڈالا جائے تو اس سے ظلمات کا ظہور ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قلب روح کے نور سے نورانی اور نفس کی ظلمت سے ظلمانی ہوتا ہے۔ اگر اسے نور ربانی نصیب ہو تو وہ ربانی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

واشرقت الارض بنور ربھا۔ اور قلب کی زمین اپنے رب تعالیٰ کے نور سے روشن ہو جاتی ہے۔

ونخیل اس سے روح ذوفنون مراد ہے کہ اس میں اخلاق حمیدہ روحانیہ موجود ہیں جیسے کرم و جود اور سخاوت و شجاعت و قناعت اور حلم و حیا اور تواضع و شفقت وغیرہ وغیرہ صنوان اس سے سرّ جبروتی مراد ہے اس لیے کہ اسی سے ہی اسرار جبروت منکشف ہوتے ہیں اور یہ وُہ اسرار ہیں جو بندے و مولیٰ کے درمیان ہوتے ہیں اس کے لیے مثل و مثال ہیں۔ وغیر صنوان اس سے وُہ پوشیدہ اسرار مراد ہیں جن سے عظموت کے حقائق منکشف ہوتے ہیں ان کے لیے کوئی مثل و مثال نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کسی طرح کا بیان دیا جا سکتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ۔

ایک عربی مقولہ ہے کہ:

بین المحبین لیس یشفیہ۔

اس کا ترجمہ شعر ذیل میں ہے:

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

ترجمہ: عاشق و معشوق کے درمیان ایسے راز و نیاز ہوتے ہیں کہ کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہوتی۔

Scanned with CamScanner

یسقی بماء واحد یعنی انہیں قدرت وحکمتِ الٰہی کا پانی نصیب ہوتا ہے۔ ونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل یعنی ان کے ثمرات و نتائج مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں بعض اشرف و اکمل ہوتے ہیں اگرچہ فی نفسہ شرافت و کمال کے لحاظ سے اپنی جگہ پر بے نظیر و بے عدیل ہوتے ہیں اس لیے کہ اشنا نے سلوک میں انسان کو ہر نیک عمل کی ضرورت ہوتی ہے ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون یہاں پر عقل والوں سے وہ حضرات مراد ہیں جو قرآن مجید سے ایسے اسرار و آیات تلاش کرتے ہیں جو انہیں سیر الی اللہ کی توفیق بخشیں اور صراط مستقیم کی رہبری کریں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تَعْجَبْ اگر کسی شے پر آپ سے اے پیارے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تعجب واقع ہو یا آپ تعجب کرتے ہیں۔ یا اس خطاب سے ہر سامع مراد ہے فَعَجَبٌ قَوْلُھُمْ یہ مبتدا خبر ہیں یعنی تو ان کے قول سے متعجب ہو جو آگے آ رہا ہے ھُمْ کا مرجع مشرکین ہیں ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا کیا جب ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے۔ یہ جملہ استفہامیہ منصوبۃ المحل ہے اس لیے کہ قول کا مقولہ ہے اور اذا ظرف محض ہے اس میں شرط کا معنی نہیں۔ اس کا عامل محذوف ہے جس پر ءَاِنَّا الخ دلالت کرتا ہے۔ کیا بیشک ہم لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ نئی تخلیق میں ہوں گے اصل عبارت یوں تھی:

اذا کنا ترابا انبعث و نخلق الخ

کنا ترابا الخ اذا کا مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ مضاف پر عمل نہیں کر سکتا اس لیے کہ اذا کا ما بعد حرف استفہام آیا ہے اسی طرح حرف ان بھی ماقبل پر عمل نہیں کرتا اسی لیے ہم نے عبارت کو محذوف مانا ہے۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ و ان تعجب الخ مشرکین کو خطاب ہے بایں معنی کہ انہیں باوجودیکہ قدرت باری تعالےٰ کا اعتراف ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا پیدا کردہ ہے پھر مر کر اُٹھنے کا انکار کیوں؟ اور بتوں کی پرستش کیسی۔ اسی بنا پر ان پر تعجب کرنا بجا ہے یعنی اب تعجب اپنے موقع محل پر استعمال ہوئی ہے کہ ان لوگوں پر تعجب ہے کہ جب اقرار کرتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کا پیدا کردہ ہے تو پھر ان کے لوٹانے پر قدرت بھی رکھتا ہے۔ ؎

آنکہ پیدا ساختن کارش بود
زندگی دادن چہ دشوارش بود

ترجمہ: جس ذات کا کام پیدا کرنا ہے تو اسے زندگی دینے میں کون سی دشواری ہے۔

تعجب ایک انسانی کیفیت ہے جو انسان کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جو شئے کے ادراک کے بعد اس کا سبب نہیں جانتا یہی وجہ ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق ناجائز ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اگر تعجب کرتے ہو تو تمہاری اپنی خامی ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو علم دیا گیا ہے کہ تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ہیں اور اسی کی قدرت سے ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو آپ کسی شے سے تعجب نہ کیجئے۔ ہاں اہل طبیعت کی عادت پر تعجب کیجئے کہ جب وہ ایسی شے دیکھتے ہیں جو ان کی عادت کے خلاف ہے یا ان کی عقل کے فہم سے بالاتر ہے تو انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً **فعجب قولهم** ان کے قول سے تعجب ہے ء اذا کنا ترابا کہتے ہیں کہ کیا ہم مرنے کے بعد مٹی ہو جائیں گے ء انا لفی **خلق جدید** کیا پھر ہم نئی تخلیق میں ہوں گے۔ یعنی جب ہمارے یہی اجسام مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر ہم پہلے کی طرح ہو جائیں گے اور انہی میں ارواح بھی لوٹ آئیں گے کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر تعجب کرتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ جب نہ ارواح تھے نہ اجساد اور نہ مٹی اور نہ کوئی اور شے لیکن ہم نے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمایا۔ لیکن مرنے کے بعد تو انہیں پیدا کرنا زیادہ آسان ہے کہ اس وقت مٹی بھی ہے اور ارواح بھی۔ ان کی عقل ماری گئی کہ لاشئے سے ان کی تخلیق ہوئی تو مان گئے۔ لیکن مٹی کے اور ان کے ارواح ہونے کے باوجود صرف لوٹانے پر انہیں تعجب ہے۔ ان کا یہ فعل افسوسناک بھی ہے اور تعجب خیز بھی۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وہ منکرین اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں یعنی مرنے کے بعد اٹھانے کی قدرت سے انکار کرتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ یعنی انھوں نے پہلے اقرار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لاشئے سے پیدا فرمایا پھر انکار کر دیا کہ وہ انہیں کسی شئے سے پیدا نہیں کرے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں زنجیر یعنی ان کے گلے میں کفر اور گمراہی کی زنجیریں پڑی ہوئی ہیں اس سے ان کا چھٹکارا ناممکن ہے۔

ف: یہ اس محاورہ سے ہے هذا غل فی عنقك۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو کسی غلط اور گندے فعل میں مبتلا ہو۔ یعنی وہ شئے تیرے گلے کا ہار ہے اور تیرا اس سے چھٹکارا مشکل ہے۔

ف: الغل ہر وہ زنجیر جس سے ہاتھ کو گلے سے باندھا جائے۔

فائدہ صوفیانہ یعنی کافروں کے گلے میں بدبختی کا پھندا ہے جسے تقدیر ازلی نے ان کے گلے میں باندھا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ۔ اور ہر انسان کو ہم نے اس کا پھندا اس کی گردن میں ڈالا۔

ف: یا اس سے حقیقی طوق مراد ہیں کہ قیامت میں کافروں کو سزا کے طور لوہے کے پھندے ان کے گلے میں ڈالے جائیں گے یعنی جہنمی پھندے کافروں کے گلے میں ہوں گے۔ قیامت میں یہی ان کی علامت ہو گی۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سیاہ رنگ کا بادل کافروں کے سروں پر کھڑا کر کے ندا دے گا:

یا اھل النار ای شی تطلبون۔ اے جہنمیو! تمہیں کیا چاہیے؟

ان کے سامنے دنیا کے بادل آجائیں گے اور سمجھیں گے کہ ان سے بھی بارش ہوگی اس لیے عرض کریں گے:

یا ربنا الشراب۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں پانی چاہیے۔

اس پر ان پر لوہے کے طوق اور بیڑیاں اور انگارے برسیں گے جو ان کے پہلے گلے کے طوقوں اور بیڑیوں اور انگاروں میں اضافہ کریں گے۔

وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ هُمْ ضمیر فاصلہ اور فیہا کی تقدیم حصر کے لیے ہے۔ یعنی جن کفار کے متعلق اوپر مذکور ہوا صرف وہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے نہ ان کے غیر اور خلود بھی صرف انہی کے لیے ہے نہ اوروں کے لیے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ کبائر جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے (جیسے اہلِ سنت کہتے ہیں خلافاً للمعتزلہ)

تفسیرِ صوفیانہ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ یعنی ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں فرمایا کہ یہی جہنمی ہیں اس کی مجھے کوئی پروا بھی نہیں۔ اب وہی وقت آ گیا کہ انہیں جہنم میں داخل کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

مسئلہ: شرک اور انکار تمام گناہوں سے سرفہرست ہیں کہ ان سے بڑھ کر اور کوئی کبیرہ گناہ نہیں۔

حدیثِ قدسی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو نے عبادت کر کے مجھ سے رحمت کی اُمید رکھی اور میرے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں ٹھہرایا میں نے بخش دیا اور تیرے تمام گناہ معاف کر دیے اگرچہ تیرے گناہ روئے زمین کے برابر بھی تھے میں نے تیرے گناہوں کے بدلے تجھے اس قدر مغفرت اور رحمت عنایت فرمائی اس سے مجھے پروا بھی نہیں یعنی شرک تم نہ کرو باقی جتنے گناہ ہوں گے سب معاف ہو جائیں گے۔

ف: نکرہ نفی کے بعد واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔[1]

مسئلہ: شرک سے بچنا اصلاحِ نفس کے بغیر نا ممکن ہے اس لیے کہ انسان نفس کے ہاتھ میں گرفتار ہے اور خواہشاتِ نفسانیہ اس کے گلے کا ہار ہیں۔ اب تو گلے کا یہ ہار معنوی ہے جو محسوس نہیں ہوتا لیکن قیامت میں محسوس ہوگا اس لیے کہ جو چیزیں آج غیر محسوس ہیں وہ قیامت میں محسوس ہوں گی۔

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیان فی مقدمہ تفسیر القرآن" میں دیکھیے۔

حکایت ایک گنہگار مرگیا اس کی قبر کھودی گئی تو اس میں ایک بہت بڑا اژدہا پایا گیا۔ اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ کھودی گئی تو بھی اژدہا موجود پایا گیا یہاں تک کہ تیس مقامات پر اس کی قبر تیار کی گئی تو ہر مقام پر اژدہا موجود ہوتا اس کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے کون بھاگ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی غالب ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسے اسی قبر میں ڈال دیا گیا۔

سبق : یہ اژدہا اس بندے کے اعمال تھے جو اژدہا کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

برادر ز کار بداں شرم دار
کہ در روئے نیکاں شوی شرمسار
ترا خود بماند سر از ننگ پیش
کہ گرت بر آید عملہائے خویش ۔

ترجمہ : اے میرے بھائی! بُرے کاموں سے شرم کرو، ورنہ نیک لوگوں کے سامنے شرمسار ہو گے۔
تیرا سر شرم سے نیچا رہے گا جب تیرے اعمال ظاہر ہوں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ وقت سے پہلے کسی امر کی تعجیل کا مطالبہ کرنا۔ یعنی کفار مکہ آپ سے جلدی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

بِالسَّيِّئَةِ تباہ کن عقوبت کے آنے کا۔

ف : عقوبت کو سیئۃ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انھیں عقوبت بری محسوس ہوتی تھی۔

قَبْلَ الْحَسَنَةِ یہ استعجال کے متعلق اور اسی کی ظرف ہے یا محذوف کے متعلق ہو کر سیئۃ سے حال مقدرہ ہے۔

یعنی انھیں جو عافیت اور احسان نصیب ہوتا تھا اس سے پہلے ہی اپنی سزا چاہتے ہیں۔

مزید توضیح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو جب دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو وہ آخرت کے تو بالکل منکر ہو گئے۔ لیکن دنیا کے عذاب کی خبر سنتے ہی کہنے لگے کہ اگر ہمیں دنیا میں کوئی عذاب ہونا ہے تو جلد تر آجائے۔ اس معنے پر انھوں نے آخرت کے عذاب (جو کہ مرنے کے بعد ہونے تھا) کے بجائے جلدی کا عذاب مانگ لیا۔

سوال : مہلت سے عذاب ملنا بھی تو عذاب تھا پھر اسے حسنہ احسان و عافیت اور خیر سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے۔

جواب : ان کا دنیا میں عذاب مانگنا ایک قسم کا استہزا تھا اور سمجھتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آخرت کے عذاب کی خبریں دیتے ہیں یا دنیا کے عذاب کی باتیں کرتے ہیں محض وہمی خیال ہیں (معاذ اللہ)۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں

چنانچہ کہا :

اللھم ان کان ھذا ھو الحق فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔

اے اللہ! اگر نبی (علیہ السلام) کا عذاب کی خبر دینا کچھ حقیقت رکھتا ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا، یا ہمارے لیے دردناک عذاب بھیج۔

لیکن چونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عذاب میں مبتلا نہیں کرنا تھا اس لیے ان کے عذاب کو آخرت سے مقدر فرمایا ہے چونکہ تاخیر عذاب بھی ان کے لیے ایک قسم کا احسان وعافیت اور خیر ہے اسی لیے ان کے لیے اس تاخیر کو حسنہ احسان، عافیت اور خیر سے تعبیر کیا اور وہ حضور علیہ السلام سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں دنیا کی سزا ملتی ہے تو عذاب کا فرشتہ بلا لیجیے ہمیں آخرت کے عذاب کی دھمکیاں منظور نہیں اگر تمہارے بس میں کچھ ہے تو دنیا میں دکھا دیجئے۔

ف: ان کا حسنہ کے بجائے سیئۃ کی تعجیل کا مطالبہ کرنا دراصل ایمان وطاعت کے بجائے کفر ومعاصی کی وجہ سے ہے اس لیے کہ ہر سعادت و رحمت کا سرچشمہ ایمان وطاعتِ الٰہی ہے جیسے ہر شقاوت اور عذاب کا سرچشمہ کفر وشرک اور اعمال سیئہ ہیں۔

وَقَدْ خَلَتْ یستعجلون سے حال ہے یعنی درانحالیکہ گزری ہیں مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ پہلے مکذبین کی عقوبات کی داستانیں یا در مثالیں۔ مثلاً ان میں سے بعض زمین میں دھنس گئے اور بعض کی شکلیں بدل گئیں اور بعض زلزلہ کا شکار ہوئے انہیں چاہیے کہ ان سے عبرت حاصل کریں نہ یہ کہ الٹا استہزا کریں۔ ؎

زود مرغ سوئے دانہ فراز
چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: کوئی پرندہ دام کے قریب نہیں جاتا جب دوسرے کو دام میں پھنسا ہوا دیکھتا ہے اسی لیے تمہارے لیے لازم ہے کہ تم دوسروں سے نصیحت حاصل کرو تاکہ دوسرے تجھ سے عبرت نہ پکڑیں۔

حل لغات: المثلات، مثلۃ (بفتح الثاء وضمہا) بمعنے عقوبت اس لیے کہ وہ مُعَاقَبٌ عَلَيْهِ کے لیے عقوبت یعنی جرم کی سزا ہے۔ تبیان میں ہے کہ ایسی سزائیں جو تباہ کن اور ایک دوسری کے مماثل ہوں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ بیشک تیرا رب مغفرت یعنی گناہوں سے تجاوز کرنے والا اور ستار ہے لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ لوگوں کے لیے ان کے ظلم پر۔ یعنی وہ لوگ جو گناہ کرکے اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں اگر ہر غلط کار کو فوراً سزا دیتا تو دنیا میں کوئی بھی نہ بچتا سب فنا ہو جاتے۔ ؎

پس پردہ بیند عملہائے بد
ہم او پردہ پوشد بآلائے خود

Scanned with CamScanner

وگر بر جفا پیشہ بشتافتے
ہمیشہ ز قہرش اماں یافتے

ترجمہ: بُرے اعمال دیکھ کر بھی اپنی مہربانیوں سے ان پر پردہ ڈالتا ہے۔ اگر کسی کی غلطی پر سزا دیتا تو کون اس کے عذاب سے بچ سکتا۔

ف: وعلیٰ ظلمهم، لہٰذا اس سے حال ہے ای حال اشتغالهم بالظلم اس کی نظیر یہ آیت فلانا علی اکلہ یعنی میں نے فلاں کو دیکھا درانحالیکہ وہ کھانے میں مشغول تھا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اگر اہلِ توحید گناہِ کبیرہ سے تائب نہ ہوں تو انہیں سزا مل سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا: هؤلاء في الجنة ولا ابالي۔ یہ بہشتی ہیں اور مجھے اس کی پروا بھی نہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حدیث شریف لولا عفو الله و تجاوزه لما هنأ احدا العيش ولولا وعيده وعقابه لاتكل كل احد۔

اگر اللہ تعالیٰ کی معافی اور تجاوز کی صفت نہ ہوتی تو کسی کی زندگی خوشگوار بسر نہ ہوتی۔ اگر اس کی وعید و سزا نہ ہوتی تو ہر ایک اس کی رحمت سے امید کر کے گناہوں میں مبتلا رہتا۔

؎

ز حق می ترس تا غافل نگردی
مشو نومید تا بد دل نگردی

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ غفلت نہ چھا جائے اور اس کی رحمت سے بھی پُر امید رہو تاکہ دل برداشتہ نہ ہو جاؤ۔

ف: محققین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خوف و رجا دونوں پہلو ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ تم پر حکم کرنے والا زندہ ہے اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اور سزا بھی دے سکتا ہے اس کی ہیبت سے بھی بے غم نہ ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

نبئ عبادي اني انا الغفور الرحيم وان عذابي هو العذاب الاليم۔ میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور انہیں یہ بھی بتا دو کہ میرا عذاب بھی دردناک ہے۔

حکایت عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کی ملاقات ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام ہنسے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے غمی ہے کہ ہنس رہے ہو! عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

Scanned with CamScanner

ناامیدی سے کر مغموم دکھائی دیتے ہو۔ دونوں نے اتفاق کیا کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ سے کراتے ہیں اس کی وحی کا انتظار کرتے ہیں اس کا جو حکم ہوگا اسی پر عمل کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمان نازل ہوا:

احبکما الی احسنکما ظنا بی۔ تم میں سے مجھے وہ محبوب تر ہے جو میرے متعلق نیک گمان رکھتا ہے۔

فیصلہ مابین خوف و رجا تندرستی میں خوفِ الٰہی افضل ہے اور بحالتِ مرض رحمت سے امیدوار ہونا افضل ہے۔ یعنی تندرستی میں خوفِ الٰہی کی علامت یہ ہے کہ عبادات و طاعات میں جد و جہد کرے اور گناہوں سے بچے اور جب مرض کا غلبہ ہو تو چونکہ اس وقت عمل سے عاجز ہے اس لیے اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھے اس وقت اس کے لیے یہی افضل عمل ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی نازل ہوئی کہ:

وحی داؤدی یا داؤد بشر المذنبین و انذر الصدیقین۔ اے داؤد (علیہ السلام)! مجرموں کو خوشخبری سناؤ اور سچے لوگوں کو ڈراؤ۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کی:

یارب کیف ابشر المذنبین و انذر الصدیقین۔ یا الٰہی! میں مجرموں کو کیسی خوشخبری سناؤں اور سچے لوگوں کو کیسے ڈراؤں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بشر المذنبین انی لا یتعاظمنی ذنب الا اغفرہ و انذر الصدیقین ان لا یعجبوا باعمالہم وانی لا اضع عدلی وحسابی علی احد الا ھلک۔ مجرمین کو خوشخبری سنادو کہ میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں کہ میں کسی کے گناہ معاف کردوں اور صدیقین کو ڈراؤ کہ اپنے اعمال سے تعجب نہ کرو اور میں جس سے عدل سے حساب لوں تو وہ یقیناً ہلاک ہوجائے گا۔ ؎

گر بحشر خطاب قہر کند
انبیا را چہ جائے معذرتست
پردہ از روئے لطف گو بردار
کاشقیا را امید مغفرتست

ترجمہ: اگر قیامت میں قہر کا حکم کرے تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی معذرت کریں گے اللہ کریم سے عرض ہے کہ وہ لطف و کرم فرمائے تاکہ بدبخت بھی مغفرت کے امیدوار ہوں۔

فائدہ صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جمال و جلال سے مرکب فرمایا ہے۔ رجا، جمال کی طرف اور خوف جلال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مثلاً رحمت روح ہے اور یہ حالت یعنی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے یعنی غضب سے جسد اور اس کے متعلقات مراد ہیں اور قاعدہ ہے کہ حق پہلے کا ہوتا ہے اور تمام احکام بھی سابق پر جاری ہوتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

سبق : انسان پر لازم ہے کہ وہ مرتے دم تک نیک اعمال میں جدوجہد کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے۔

تفسیر عالمانہ

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ

تاویلات میں ہے : ھٰؤلاء فی النار ولا ابالی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کافر کہتے ہیں کہ لَوْلَآ اُنْزِلَ ۔ حرف لولا تخصیص کا لفظ ہے یعنی کیوں نہیں بھیجی جاتی عَلَيْهِ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ آیۃ کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی کوئی بہت بڑی آیت جسے دیکھنے والا بہت عظیم آیت سمجھے اور اس کے دیکھتے ہی اس پر رعب چھا جائے۔ یعنی ایسی نشانی آئے جس سے نبی علیہ السلام کی نبوت کا اظہار ہو۔

ف : دراصل کفار کو حضور علیہ السلام پر تمام اتری ہوئی آیات پر اعتبار نہ تھا اسی لیے ان کے علاوہ اور آیات و دلائل مانگے حالانکہ یہ بھی ان کی سرکشی، ہٹ دھرمی اور ضد پر مبنی تھا اور نہ ہی اس سے رہبری حاصل کرنے کا ارادہ تھا ورنہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کا مطالبہ پورا ہو جاتا تو وہ اسی کے مطابق دولت اسلام سے نوازے جاتے۔ لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت صالح علیہم السلام نے جس طرح کے معجزات دکھائے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے ڈنڈے کو سانپ بنا دیا اور عیسیٰ علیہ السلام نے مُردے زندہ کیے اور صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی حضور علیہ السلام بھی ایسے ہی معجزات دکھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا کہ انھیں جواب دو کہ :

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ ۔ بے شک آپ ڈرانے والے ہیں۔

یعنی آپ کا کام یہ ہے کہ آپ دوسرے رُسل کرام علیہم السلام کی طرف انھیں بُرے انجام سے ڈرائیں۔ آپ کے لیے تو یہ ہے کہ آپ انھیں وہ براہین و دلائل اور معجزات دکھائیں جو آپ کی نبوت کی صحت پر دلالت کریں آپ پر یہ ضروری نہیں کہ ان کا مطالبہ پورا کریں اور جو کچھ آپ اس سے پہلے انھیں بیان فرما چکے ہیں وہ ہر ایک آپ کی نبوت کی صحت کی آیت ہے اگر ان کے ہر مطالبہ پر دلائل و معجزہ لایا جائے تو یہ سلسلہ لانہایۃ اور غیر منقطع اور لامحدود ہو جائے گا اس لیے کہ انھیں ایک دلیل یا معجزہ پیش کرو گے تو اس کا انکار کرکے دوسرے کے درپے ہو جائیں گے اس طرح آپ سے نبوت کی دعوت و تبلیغ کا کام نہیں ہو سکے گا وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ اور ہر قوم کا ہادی ہے یعنی ہر قوم کے لیے مخصوص نبی ان کے موافق فہم اور ان کی ضرورتِ غالبہ کے مطابق معجزہ لاتا ہے جس سے وہ ہدایت کے لائق بنتے ہیں اور وہی ان کے لیے بہتر رہتا ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر و جادو کا زور تھا تو انھیں معجزہ اسی طرح کا عطا ہوا جو جادو شکن اور سحر توڑ تھا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں فنِ طب کا غلبہ تھا اسی لیے انھیں وہ معجزہ عطا ہوا جو طب سے مناسبت رکھتا تھا۔ یعنی مُردوں کا زندہ کرنا اور ابرص کو تندرست اور مادری اندھے کو بینا کرنا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا اس لیے آپ کے لیے قرآن کی فصاحت و بلاغت کا معجزہ عطا فرمایا یعنی قرآن مجید کی بلاغت اس درجہ کو پہنچی ہے کہ جہاں امکانِ انسان جواب دے جاتا ہے کفارِ عرب نے معجزہ (جو

ان کے مناسب حال تھا) کا انکار کر دیا۔ تو باقی جتنے معجزات دیکھتے سب سے ان کا منکر ہو جانا ظاہر ہے۔

ف: یہاں پر آیت میں ھادٍ سے اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے لیے ڈرانے والے ہیں اور ہدایت دینا آپ کا کام نہیں دونوں گروہوں کا ہادی میں (اللہ تعالیٰ) ہوں۔ اہل عنایت کو ایمان و طاعت کی توفیق نصیب ہوتی ہے تو وہ بہشت میں جائیں گے اور اہل خذلان کو کفر و معاصی نصیب ہوتے ہیں تو وہ جہنم میں جائیں گے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

امام غزالی قدس سرہٗ کی تقریر حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے شرح اسماء الحسنیٰ میں لکھا کہ ہادی وہ ہے جس نے اپنے خاص بندوں کو سب سے پہلے اپنی ذات کی معرفت کی ہدایت بخشی کہ وہ مخلوقات کے ذریعے سے ذاتِ حق کی گواہی دیتے ہیں اور ہر مخلوق کو اس کی اپنی ضرورت پورا کرنے کا فہم بخشا۔ مثلاً بچے کو پستان منہ میں ڈال کر چوسنے کی اور پرندے کے بچے کو دانے چگنے کی اور شہد کی مکھی کو چھتہ بنانے کی رہبری فرمائی اور وہی چھتہ اس کے بدن کے موافق ہے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام اس کے نائب اور خلیفہ ہیں ان کے خلفاء، علماء (باعمل) ہیں کہ یہی لوگ عوام کو سعادت اخرویہ اور صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ ہدایت دینے والا وہ خود ہوتا ہے جو بندوں کی زبان سے بولتا ہے یعنی ان کا بولنا حق کا بولنا ہے یہ اس کی تقدیر اور تدبیر کے پابند ہوتے ہیں۔

ف: تفسیر الکواشی میں ہے کہ مُنذِر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہادی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اس دعویٰ پہ مندرج ذیل حدیث پیش کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری وجہ سے صرف ایک آدمی ہدایت پا جائے تو تمہارے لیے بہترین سُرخ رنگ کے اونٹوں سے بہتر ہے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دراصل حدیث شریف میں شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہے تا کہ آپ کی ہدایت کا دائرہ وسیع ہو تو آپ کے متبعین کاملین کی کثرت ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے، نکاح کر کے بہت زیادہ بچے جنو اس لیے کہ قیامت میں میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں۔

ف: یہ نکاح اور بچے جننا ظاہری اور باطنی دونوں سلسلوں کو شامل ہے۔ باطنی کا مطلب یہ ہے کہ روحانی اولاد مثلاً پیری مریدی اور دینی علوم کی نشر و اشاعت وغیرہ۔

ظہور مہدی کا مسئلہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک مہدی کا ظہور ہوگا جو آخری زمانے میں پیدا ہوں گے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا نفاذ کریں گے اور تمام الٹے اور ٹیڑھے مذاہب کو سیدھا کر کے ملتِ واحدہ اسلامیہ میں خلافتِ راشدہ کا قانون جاری فرمائیں گے۔

حدیث شریف طبرانی شریف میں ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اس امت کے نبی تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور وہ تیرے ابا جان ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہماری امت کے ایک شہید ایسے ہیں جو تمام شہداء سے افضل ہیں وہ تمہارے والد گرامی (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے چچا حضرت حمزہ ہیں (رضی اللہ عنہ) اور ہماری اُمت میں ایک ایسے برگزیدہ انسان بھی ہیں جنھیں مرنے کے بعد بہشت میں دو پر دیے گئے ہیں وہ بہشت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں وہ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ اور ہم میں دو صاحبزادے ہیں جنہیں "سبطا ھٰذہ الامۃ" کا خطاب ملا ہے وہ ہیں حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہم۔ یعنی اے فاطمہؓ! تیرے دونوں نورِ جگر ہیں اور مہدی بھی ہم میں سے ہوں گے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ امام مہدی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے[1]

فائدہ شیعہ کُش

نکتہ: سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے خلافت ترک کر دینے میں بھی یہی راز مضمر تھا کہ ایک طرف امت پر شفقت مطلوب تھی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر کے اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خونریزی نہ ہو۔ دُوسری طرف یہ مقصود تھا کہ جب اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کی اشد ضرورت ہو تو اس وقت اس کی اولاد سے ہی کوئی آدمی خلافت سے مشرف ہو جو رُوئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے۔

حضرت مہدی کے چند علامات

حضرت امام مہدی جب تشریف لائیں گے تو ان کے تشریف لانے سے پہلے رمضان شریف کی پہلی شب کو چاند گرہن اور اسی رمضان کی پندرہ تاریخ کو سورج گرہن ہوگا۔ ایسا آسمان و زمین کی تخلیق کے بعد ان کے ظہور تک پہلے کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔[2] جس وقت تشریف لائیں گے ان کی عمر بیس سال ہوگی اور چہرہ چمکدار ستارے کی طرح چمکیلا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں آپ چالیس سال کی عمر میں تشریف لائیں گے۔ آپ کے چہرہ مبارک کے دائیں جانب سیاہ تل ہوگا۔ آپ کی ولادت مدینہ طیبہ میں ہوگی۔ دجال سے سات سال پہلے ظاہر ہوں گے۔ دجال طلوع الشمس من المغرب کے دس سال گزر جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔ مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں بہت بڑے فتنے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کی اور بھی بہت سی علامات ہیں[3]

تو عمر خواہ و صبوری کہ چرخ شعبدہ باز
ہزار بازی ازیں طرفہ تر بر انگیزد

ترجمہ: تم اپنی عمر کی خیر مانگو اور زندگی صبر کے ساتھ بسر کرو اس لیے کہ آسمان شعبدہ باز ہے دن میں ہزاروں فتنے کھڑے کرتا ہے۔

(باقی بر صفحہ ۱۸۶)

---

[1] جس مہدی کو شیعہ غار سرمن رأی میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ صرف ان کی اپنی "الف لیلیٰ" ہے اور بس۔

[2] دجال قادیانی مرزا غلام احمد نے اپنی مہدویت کے لیے سب جوڑ لیے۔ اس کے لیے مہدویت کا دعویٰ صحیح نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایک مغل انسان تھا۔

[3] فقیر اویسی غفرلہٗ نے امام مہدی کے متعلق ایک مستقل رسالہ تحریر کیا تھا۔ اس کی اشاعت اسی پارہ کے آخر میں بطور تتمہ درج ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ
بِمِقْدَارٍ ○ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ
جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ○ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ
خَلْفِهٖ يَحْفَظُونَهٗ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا
أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ○ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
مِنْ خِيفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ
الْمِحَالِ ○ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ
إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي
ضَلٰلٍ ○ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ○
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللّٰهُ ۚ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِهٖ أَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُونَ
لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ
النُّورُ ۚ أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا
فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ
زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ
وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ ○ لِلَّذِينَ
اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهٗ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۚ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو کسی مادہ کے پیٹ کا حمل ہے اور جو رحم یعنی پیٹ گھٹتے بڑھتے ہیں، اور
ہر شے اس کے ہاں اندازے سے ہے ہر غائب اور حاضر کو جاننے والا سب سے بڑا بلندی والا ہے
برابر ہے تم میں کوئی چھپ کے بات کرے اور جو آواز سے بولے اور جو رات میں چھپنے والا اور جو دن میں
چلنے والا ہے انسان کے لیے بدلنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے اور اس کے پیچھے جو

Scanned with CamScanner

بحکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت نہ بدل دیں
اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے لیے برائی کرتا ہے تو پھر وہ رد نہیں ہو سکتی اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی حمایتی نہیں۔
اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ
تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے۔ اور بجلیاں بھیجتا ہے پھر وہ جس پر چاہتا ہے اس پر گراتا ہے اور وہ
اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور بڑی سخت گرفت والا ہے اسی کو پکارنا حق ہے اور اس کے سوا وہ لوگ جنہیں
پکارتے ہیں وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کے آگے پھیلائے
ہوئے تاکہ اس کے منہ میں پانی پہنچ جائے اور وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی دعا بیکار ہی ہے اور جو کوئی
آسمانوں اور زمینوں میں ہیں صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتے ہیں خوشی سے یا مجبوری سے اور ان کے سائے بھی
صبح و شام (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) آپ فرمائیں کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب کون ہے آپ خود جواب دیں کہ اللہ تعالیٰ۔
آپ فرمائیں کہ تم نے اس کے سوا ایسے حمایتی بنا رکھے ہیں جو اپنے برے بھلے کے بھی مالک نہیں۔ آپ فرمائیں کہ نابینا
اور انکھیارا برابر ہیں۔ یا کیا برابر ہیں اندھیریاں اور روشنی۔ کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں
جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی طرح کچھ پیدا کیا ہے تو انہیں ان کی اور اس کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہوتی۔ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ
ہر شے کا خالق ہے اور وہی اکیلا غالب ہے۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا تو نالے اپنی اپنی مقدار پر بہ نکلے پھر سیلاب
ابھرے ہوئے جھاگ کو اٹھا لائی اور زیور یا اور سامان بنانے کے لیے اس پر آگ تپاتے ہیں اس سے ویسے ہی
جھاگ اٹھتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ پھک کر رائیگاں جاتا ہے اور وہ جو
لوگوں کو نفع دیتا ہے تو وہ زمین میں رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے اور جنھوں نے اپنے رب تعالیٰ
کا حکم مانا ان کے لیے ہی بھلائی ہے اور جنھوں نے اس کا فرمان نہ مانا اگر ان کے لیے وہ سب کچھ ہوتا جو زمین میں ہے
اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی تو وہ سب کچھ اپنی جان رہائی کے لیے دے دیتے ہیں یہی ہیں جن کا برا حساب ہے
اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی برا بچھونا ہے۔

(بقیہ ص ۱۸۵) اللہ تعالیٰ ہم سب کو حوادث سے بچائے اور ہمیں دنیا میں خیر سے رکھے اور اچھے برتاؤ کرنے والے احباب عطا
فرمائے اور مرنے پر انجام بخیر اور مرنے کے بعد بہتر مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

(تفسیر آیات صفحہ ۱۸۶)

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى جانتا ہے عورت کے پیٹ اٹھانے کو
ما تحمل میں ما مصدریہ ہے ای حملھا پھر مصدر بمعنی مفعول یعنی محمول ہے۔ یعنی اسے معلوم ہے

کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ کے اندر لڑکے ہیں یا لڑکیاں۔ کامل ہیں یا ناقص، حسین ہیں یا قبیح، چھوٹے قد کے ہیں یا لمبے قد کے، نیک بخت ہیں یا بدبخت، اولیاء اللہ ہیں یا اعداء اللہ، سخی ہیں یا بخیل، عالم ہیں یا جاہل، عاقل ہیں یا بیوقوف، کریم ہیں یا لئیم، خوش اخلاق ہیں یا بداخلاق۔ اور اسی طرح ان کے وہ حالات جو انہیں پیٹ کے اندر درپیش ہوں گے اور پیٹ سے باہر آنے کے بعد الیٰ یوم القیٰمۃ اس معنے پر ما موصولہ ہوگا۔ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ اس میں بھی ما موصولہ کا عائد محذوف ان دونوں میں ما مصدریہ ہو تو معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ارحام کے گھٹنے اور بڑھنے کو جانتا ہے یا موصولہ ہے تو معنیٰ ہوگا اور جو کچھ ارحام میں گھٹتا بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

حلِ لغات: تغیض و تزداد دونوں لازم اور متعدی ہوکر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

غاض الماء یغیض۔

یہاس وقت بولتے ہیں جب پانی کم یا بالکل خشک ہوجائے۔ اسی طرح کہتے ہیں:

غاضہ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کم دیا۔

وغیض الماء میں بھی متعدی ہوکر استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے:

زدتہ۔ میں نے اسے بڑھا دیا۔ فزاد بنفسہ وازداد وہ خود بخود بڑھا۔

اور کہتے ہیں:

واخذت منہ حق وازددت منہ۔

ف: اگر یہ دونوں افعال یہاں پر لازم ہوں تو گھٹنا بڑھنا دونوں کا اسناد ارحام کی طرف ہوگا۔ اگر متعدی ہوں تو وہ کام اللہ تعالیٰ کا ہوگا لیکن ان کا ارحام کی طرف اسناد مجازی ہے۔

ف: ارحام: رحم کی جمع ہے بمعنے پیٹ میں بچے کے ٹھہرنے کی جگہ یعنی بچہ دانی۔

فائدہ طبیہ: رحم عضو پٹھے اور چند رگوں کا مجموعہ ہے اس کے پٹھے کا سر دماغ میں ہے اور یہ تھیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور تیل کے بالمقابل دو طرفین ہیں جو پردوں کے مشابہ ہیں جن کی وجہ سے منی رحم میں جذب ہوتی ہے۔ رحم میں امساک کی قوت ہے جس سے جب مرد کے نطفے کو کھینچتی ہے تو اپنے سے منی کو باہر نہیں جانے دیتی۔ مرد کی منی میں قوت فعلیہ اور عورت کی منی میں قوت انفعالیہ ہے۔ جب یہ دونوں آپس میں عورت کے رحم کے اندر اکٹھی ہوتی ہیں تو مرد کی منی ایسے ہوجاتی ہے جیسے پنیر دودھ سے مل جاتا ہے۔

فائدہ تفسیریہ: وما تغیض الارحام میں ما موصولہ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے بچے کا جثہ مراد ہے اس لیے کہ بعض بچوں کے جثے بڑے ہوتے ہیں اور بعض کے چھوٹے۔ کبھی ان کے مکمل اعضا ہوتے ہیں کبھی ناقص۔

Scanned with CamScanner

فائدہ فقہیہ

بچّے کی ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرنے کی مدت میں بھی فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ اس کی ادنیٰ مدت چھ ماہ ہے۔ اس ابتدائی مدت میں تو تمام فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ متفق ہیں اس سے آگے اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک بچہ ماں کے پیٹ کے اندر نو ماہ ٹھہرتا ہے۔ بعض کے نزدیک یوں ہے کہ زیادہ سے زیادہ بچہ ماں کے پیٹ کے اندر ٹھہرے تو دو سال ٹھہر سکتا ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار سال اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پانچ سال تک بچہ ماں کے پیٹ میں ٹھہر سکتا ہے۔

اعجوبے

- حضرت ضحاک بن مزاحم تابعی ماں کے پیٹ میں دو سال ٹھہرے۔
- حضرت امام مالک رحمہ اللہ تین سال ٹھہرے (کذا فی المحاضرات للسیوطی)
- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک لڑکی نے بارہ سال کے اندر تین بچے جنے۔ ہر بچہ چار سال تک ماں کے پیٹ میں ٹھہرتا تھا۔
- حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ بھی ماں کے پیٹ کے اندر چار سال ٹھہرے رہے۔ اسی لیے ان کا نام ہرم (بوڑھا) رکھا گیا۔

قاعدہ

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ غیوضٌ اس وقت بولتے ہیں جب بچہ آٹھ یا آٹھ سے کم ماہ ماں کے پیٹ میں ٹھہرے۔ اور ازدیاد وہ جو نو ماہ یا اس سے زائد عرصہ ٹھہرے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جو بچہ وقت سے پہلے گر جائے اس کے لیے غیوض استعمال ہوتا ہے اور جو پورے ماہ کر کے پیدا ہو اس کے لیے ازدیاد استعمال ہوتا ہے۔

فائدہ سیرت نبوی

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم اطہر میں نو ماہ جلوہ افروز رہے بعض کہتے ہیں دس ماہ۔ بعض کے نزدیک چھ ماہ۔ بعض سات ماہ کے قائل ہیں اور بعض آٹھ ماہ کے۔

معجزہ

اگر آٹھ ماہ والا قول صحیح مان لیا جائے تو یہ آپ کا معجزہ سمجھا جائے گا کیونکہ اطباء اور نجومی کہتے ہیں کہ جو بچہ آٹھ ماہ میں پیدا ہو وہ جلد فوت ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور آٹھ ماہ میں ہوا تاہم آپ زندہ رہے (اور تاقیامت زندہ ہیں)۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: اطباء اور نجومی کہتے ہیں کہ جو بچہ چھ، سات یا نو ماہ کے بعد پیدا ہو تو وہ زندہ سلامت رہ سکتا ہے۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ بھی آٹھ ماہ کے بعد پیدا ہوئے۔

نکتہ طبیہ

اطباء ولکھا کہتے ہیں کہ بچہ چھ ماہ کے بعد معمولی حرکت کر کے رک جاتا ہے۔ پھر نویں ماہ کے بعد پہلی حرکت سے اور زیادہ حرکت کرتا ہے۔ اگر اس حرکت سے ماں کے پیٹ سے باہر آگیا تو زندہ رہ کر طبعی موت

Scanned with CamScanner

فوت ہوتا ہے۔ اگر ساتویں ماہ کے بعد ماں کے شکم سے نہ نکلے تو پھر ماں کے پیٹ کے اندر آرام سے وقت گزارتا ہے۔ آٹھویں مہینے میں باہر نکلنے کے لیے کسی قسم کی حرکت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ ماں کے پیٹ کے اندر اس ماہ میں بچے کی حرکت بہت تھوڑی محسوس ہوتی ہے۔ اگر اس کے باوجود آٹھویں ماہ میں ماں کے پیٹ سے باہر بھی آجائے تو نہایت ہی کمزور ہوگا۔ اوّلاً اس کا زندہ رہنا دشوار ہوگا اگر زندہ رہے گا تو بالکل کالمیت پھر چند روز کے بعد فوت ہو جائے گا اس لیے کہ خود ضعیف تھا اور دو حرکتوں (چھ اور سات ماہ والی) نے اسے اور کمزور کر دیا۔ ان کے صدمات کی تاب نہ لا کر مر جاتا ہے۔

حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی

سیدنا محی الدین ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں نے علم النجوم میں کوئی ایسی صورت نہیں دیکھی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ آٹھ ماہ کے بعد کا بچہ زندہ رہ سکے۔ اگر زندگی کے کچھ لمحات ہوں گے تو بھی اس کی زندگی سے اس کی موت اچھی۔ اس لیے کہ آٹھویں ماہ میں پیٹ کے اندر بچے پر سردی اور خشکی کا حملہ ہوتا ہے۔ اگر اسی اثناء میں باہر آجائے تو موت کی سردی اور خشکی ساتھ لائے گا جسے وہ زندہ نہیں چھوڑے گی۔

فائدہ طبیہ اکثر عورتیں ایک ایک بچہ ایک ہی حالت میں جنتی ہیں۔ بعض عورتیں ایک ہی حالت میں دو، تین، چار بچے بھی جنتی ہیں۔[1]

اعجوبے

- منقول ہے کہ حضرت شریک تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو مدینہ طیبہ کے فقہاء میں سے ایک ہیں) ماں سے بیک وقت پیدا ہونے والے چاروں میں سے ایک ہیں۔
- حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے یمن کے ایک شیخ نے فرمایا کہ اس کی عورت نے پانچ دفعہ بچے جنے ہر بار بیک وقت پانچ بچے جنتی تھی۔

فائدہ تفسیریہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تغیض الارحام سے حیض کی قلت و کثرت مراد ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ارحام اپنے اندر وہ بننے والے بچے سے حیض کا خون کم کرتی ہے اور طبی قاعدہ ہے کہ اگر ایامِ حمل میں حاملہ عورت سے حیض خارج ہو تو اندر والے بچے کا نقصان ہوتا ہے اس لیے کہ وہی حیض کا خون بچے کی قدرتِ الٰہی سے خوراک ہوتا ہے۔ جب اسے خوراک نہیں ملے گی تو وہ اپنی غذائیت کی کمی سے مُرجھا جائے گا یا مر جائے گا۔ اسی طرح ایامِ حمل کے بڑھ جانے میں بچے کو حیض کا خون زیادہ سے زیادہ پہنچنا مطلوب ہے۔ اس طرح سے بچے کی اندرونی تربیت کی بھی تکمیل ہوگی۔ اس سے واضح ہوا کہ اس سے بچے کا نقص مراد ہے جب کہ وہ خون باہر نکلے۔ اگر نہ نکلے تو ازدیاد سے بچے کی تکمیل ہوگی۔

---

[1] اس کی تصدیق موجودہ دور کے اخبارات میں ہوتی رہتی ہے۔

Scanned with CamScanner

چنانچہ مذکور ہوا وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ اور ہر شے اللہ تعالیٰ کے ہاں بِمِقْدَارٍ انداز ے کے ساتھ ہے کہ کوئی شے نہ اس انداز ے سے بڑھ سکتی ہے نہ گھٹ سکتی ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے۔ ہر شے کو اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش اور ظہور سے پہلے جانتا ہے۔

ف : تبیان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے رزق اور اجل کی حد مقرر فرمادی ہے اس میں نہ اضافہ ہو سکتا ہے نہ کمی۔

عَالِمُ الْغَيْبِ یہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔ الغیب پر الف لام استغراق کا ہے یعنی جسے غیب کہا جاتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ عالم ہے۔

غیب کی تعریف هو ما غاب عن الحس جو شے حس سے پوشیدہ ہو وہی غیب ہے۔ اس تعریف میں معلومات و اسرارِ خفیہ اور آخرت داخل ہیں۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ غیب کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے وہ باعتبار مخلوق کے غیب ہونے کے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو کوئی شے غیب نہیں۔

نکتہ صوفیانہ بعض سادات صوفیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مرتبۂ ذات بحت اور ہویت صرفہ میں جمیع نسب و اضافت ساقط ہیں اسی لیے اس مرتبہ میں نسبت علیہ بھی منتفی ہے۔ بنا بریں اس مرتبہ کے لیے علم بالغیب بھی منتفی ہے یہ باعتبار ذات بحت و ہویت صرفہ کے ہے ورنہ باعتبار تعینات و اثبات الوجودات مرتبہ صفات میں علم کی نسبت کا تعلق ثابت ہو گا یاد رہے یہی ذات واحدیہ کا مرتبہ ہے۔ (یہ صوفیانہ بالخصوص مسئلہ وحدۃ الوجود کے اصطلاحات ہیں) فافہم

س

بروعلم یک ذرہ پوشیدہ نیست

کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ : اس کے علم میں کوئی شے مخفی نہیں کیونکہ ظاہر و پوشیدہ اس کے لیے یکساں ہے۔

وَالشَّهَادَةِ اور ہر وہ شے جس پر اسم شہادت صادق آتا ہے یعنی ہر وہ شے جو حس میں حاضر ہو سکے اس کا بھی اللہ تعالیٰ عالم ہے اس میں تمام موجودات مدرکہ اور اشیاء علانیہ اور دنیا داخل ہے الْكَبِيرُ وہ اللہ تعالیٰ عظیم الشان ہے کہ اس کے علم سے کوئی شے خارج نہیں ہو سکتی الْمُتَعَالِ وہ اپنی قدرت سے ہر شے پر غالب اور بلند و بالا ہے۔

ف : الکواشی میں ہے کہ وہ مخلوق کی صفات اور مشرکین کے قول سے بلند و بالا ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اللہ یعلم ما تحمل کل انثیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے اور ہر شے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی ان کو کائنات میں اسی لیے امانت رکھا ہے کہ وہ اس کی وحدانیت پر دلالت کریں۔ کما قال:

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم۔ ہم انہیں اپنی آیات آفاق و انفس میں دکھاتے ہیں

کسی شاعر نے فرمایا ؎

فی کل شیء لہ آیۃ
تدل علی انہ الواحد

ترجمہ: ہر شے میں اس کی دلیل ہے اور ہر ایک اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

اور فرمایا: ؎

جہان مرآت حسن شاہد ماست
فشاہد وجہہ فی کل ذرات

ترجمہ: تمام جہان ہمارے محبوب کے حسن کا آئینہ ہے ہر ذرہ میں اس کے حسن کا مشاہدہ کرو۔

ف: نیز جانتا ہے کہ کائنات میں کون سے خواص وطبائع بطور امانت رکھے ہیں۔

وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیء عندہ بمقدار اور ہر وہ شے جو ارحام سے موجودات میں ظاہر ہوئی اور جو کچھ ان میں باقی رہتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت میں ہے اس کی مقدار معین بھی اس کی حکمت کے موافق ہے کہ کس قدر خارج ہو اور کس قدر باقی رہے۔ اس لیے کہ عالم الغیب والشہادۃ وہ جانتا ہے اسے جو وجود و خروج میں حاضر ہے الکبیر المتعال اپنی ذات اور موجودات ومعدومات اور ارحام کے اندر کی معلومات کو محیط ہونے میں کبیر او۔ بلند و بالا ہے اور اپنی صفات میں بھی، اس لیے کہ وہ واحد لاشریک لہ ہے۔

ف: شرح اسماء الحسنیٰ میں ہے کہ الکبیر بمعنے ذوالکبریا۔ کبریا ذات کے کمال کو کہتے ہیں۔ یعنی ذات کے کمال سے وجود کا کمال ہے۔ اور وجود کا کمال دو باتوں پر منتج ہے:

۱۔ ازلی و ابدی ودوام اس لیے باقی ہر موجود سابق یا لاحق عدم سے منقطع ہے اس لیے وہ ناقص ہے۔ اسی لیے عمر رسیدہ انسان کو "کبیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے عظیم السن نہیں کہا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جہاں کبیر استعمال ہوتا ہے وہاں عظیم استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس بوڑھے کی مدت وجود اگرچہ بہت طویل "مدت البقاء" محدود ہے لیکن وہ کبیر ہے تو پھر وہ ذات جو دائمی اور ازلی و ابدی ہے اور اس پر عدم کا ہونا محال ہے تو پھر وہ بطریق اولیٰ کبیر ہے۔

Scanned with CamScanner

۲۔ ذاتِ باری تعالیٰ وہ وجود ہے کہ جس سے تمام موجودات کے وجود کا صدور ہوا۔ اور وہ وجود کے لحاظ سے فی نفسہٖ کامل و مکمل ہے۔ 13

ف: بندوں میں سے کبیر وُہ ہے جس کے صفات کمالیہ نہ صرف اس کے اندر ہوں بلکہ وہ دُوسروں کو بھی کمال تک پہنچانے۔ جو بھی اس کی صحبت میں بیٹھے کمال کو پہنچ جانے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بندے کا کمال علم و ورع و عقل کی وجہ سے ہے۔ اس معنے پر کبیر وُہ عالم باعمل اور مرشد کامل اکمل ہے جو اپنے اتقاء کی برکت سے خلقِ خدا کو کمال تک پہنچانے۔ وہی اس لائق ہے کہ اسے دنیا کا امام مانا جاتے اس لیے کہ اس کے علوم سے لوگ فیوض و انوار حاصل کرتے ہیں۔

عالم باعمل کی شان

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو پڑھ کر خود عمل کرتا ہے اور دُوسروں کو بھی اپنے علوم سے فیض پہنچاتا ہے اسے ملکوت السمٰوٰت میں عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

المتعال بمعنے العلی۔ فرق صرف یہ ہے کہ المتعال میں مبالغہ پایا جاتا ہے اور علی وُہ ہے جس کے مراتب اتنے بلند ہوں کہ اس کے مراتب کے بعد اور کوئی رتبہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مطلقاً بندوں میں اس شان کا کوئی نہیں ہوتا کیوں کہ عالمِ وجود میں ایک مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ کا کوئی انسان ضرور ہوتا ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات تمام انسانوں سے بلند ہیں۔ اسی طرح بعض ملائکہ بھی درجات کے لحاظ سے بہت بلند ہوتے ہیں۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

انسانوں میں کوئی ایسا نہیں جو انبیاء علیہم السلام یا مقرب ملائکہ کے درجات تک پہنچ سکے اور یہ تمام حضرات ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے درجات کو نہیں پہنچ سکتے۔ البتہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم علوِ مطلق کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ آپ کی شان کی بلندی بوجہ دوسروں کے ہے۔ یعنی کائنات کا ہر فرد نبی ہو ملک ہو کوئی ہو آپ علوِ مرتبت میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ آپ کی یہ افضلیت وجوب کے دائرہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ دائرۂ امکان کی حیثیت سے ہے اس لیے دائرۃ الوجود صرف رب تعالیٰ کی شان ہے۔ اور ہمارے عقائد میں سے ہے کہ ہم نبی علیہ السلام کی وجوبی شان نہیں مانتے۔[1] اس سے ثابت ہوا کہ علوِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے وہ مطلقاً بلند و بالا ہے اس کی بلندی اضافی نہیں وجوبی ہے اور وہ مطلق وجوب کہ جس کے لیے امکان کو اس کی نقیض کہنا بھی ناموزوں ہے یعنی علی الاطلاق وجوب کے لحاظ سے بلند و بالا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

---

[1] یہی ہم اہلسنت (بریلوی) مانتے ہیں وہابیہ دیوبندیہ کا ہمارے اوپر بہتان اور الزام تراشی ہے کہ بریلوی نبی علیہ السلام یا اولیاء کرام کو خدائی صفات کا حامل مانتے ہیں۔ تفصیل "تفسیر اویسی" میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ من مبتدا اور اس کی خبر سواءٌ ہے اور منکم سواء بمعنے مستوٍ کی ضمیر سے حال ہے۔

سوال: خبر کا تثنیہ ہونا لازمی تھا اس لیے کہ وہ دو مبتداؤں کی خبر ہے۔

جواب: سواء مصدر ہے اور مصدر تثنیہ نہیں ہوتا نہ ہی جمع ہوتا ہے اگرچہ استواء بمعنے مستوٍ ہے تو مصدری حیثیت سے وہ مبتداؤں کی خبر بمعنے مستویان ہوگی۔ اب معنٰی یہ ہوگا کہ اے لوگو! تم میں سے کوئی بھی کسی بات کو دل میں چھپائے یا زبان پر لائے وہ تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس کے آگے چھپانا اور ظاہر کرنا دونوں برابر ہیں۔

وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ استخفا بمعنے پنہاں شدن (پوشیدہ ہونا) اور سروب بمعنے دن کو جانا۔ (کذا فی تہذیب المصادر)

ف: السرب بفتح السین وسکون الراء بمعنے راستہ۔ (کذا فی القاموس) اور سارب کا من پر عطف ہے۔ اسی وجہ سے مَن کے لیے دونوں معنے ثابت ہوں گے اور مَن موصوف ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ تم میں سے کوئی رات کے اندھیروں میں چھپ کے رہے یا راستوں پر دن میں کھلم کھلا پھرتا رہے وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: سارب بمعنے ذاہب فی سربہ بامرز بالنہار یراہ کل واحد یعنی دن کو کھلے راستہ پر چلنے والا کہ جسے ہر دیکھنے والا دیکھے۔

ف: کاشفی میں ہے کہ جو کوئی رات کی تاریکی میں چھپ کر یا دن کو کھلم کھلا کوئی عمل کرے مطلقاً اللہ تعالیٰ سے کوئی قول و فعل چھپ نہیں سکتا۔ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔

لَهٗ اللہ تعالیٰ یا انسان مذکور کے لیے مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ معقبۃ کی جمع ہے اس میں علامۃ کی طرح تاء مبالغہ کی ہے تا تانیث کی نہیں اس لیے کہ فرشتوں کو مذکر و مونث سے موصوف نہیں کیا جاتا اور صیغہ تفعیل پر ہونا بھی مبالغہ یا تکثیر کے لیے ہے جیسے طوفت البیت (میں نے بیت اللہ کا طواف کیا) بن تفعیل کا باب تکثیر و مبالغہ کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں۔ التعقیب بمعنے کسی کے پیچھے آنا۔ (کذا فی التہذیب، مثلاً کہا جاتا ہے:

عقب تعقیب۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو کسی کے پیچھے آئے اور معقبٰت سے رات اور دن کے فرشتے مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے نگران فرشتے مراد ہیں اگرچہ وہ دو ہیں لیکن چونکہ نزول کے وقت وہ ایک دوسرے کے بعد پے در پے نازل ہوتے ہیں اسی لیے ان کے لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔ یعنی مثلاً کہ رات گزار کر جو گروہ واپس چلا جانا چاہتا ہے تو ان کی موجودگی میں ہی دن والے فرشتے آجاتے ہیں۔ اسی طرح دن والوں کے جاتے ہی رات والے فرشتے آجاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو نماز صبح اور عصر کے وقت ملتے ہیں۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ فرشتے انسان کے آگے پیچھے ہیں۔ یعنی اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اے اللہ تعالیٰ کے امر یعنی اس کے خوف اور عذاب سے حفاظت کرتے ہیں یعنی جب وہ گناہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں اسے مہلت دینے کی گزارش کرتے ہیں اس امید پر کہ یہ گناہوں سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کرے گا یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرشتے انسان کو ضرر اور تکالیف سے بچاتے ہیں۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ہر انسان کی ہر وقت ایک نگران فرشتہ نگرانی کر رہا ہے جو اسے جن و انس، شیاطین اور موذی کیڑوں مکوڑوں سے بچاتا ہے خواہ وہ نیند میں ہو یا جاگتا ہو۔ اگر کوئی شے اسے ایذا دینے کا ارادہ کرتی ہے تو اسے وہی فرشتہ کہتا ہے ہٹ جا۔ صرف وہ دکھ جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے ضرور پہنچتا ہے اسے نہ فرشتہ روکتا ہے نہ روک سکتا ہے۔

حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ کا ارشادِ گرامی

حضرت عمرو بن جندب فرماتے ہیں کہ ہم سعید بن قیس کے ساتھ صفین میں بیٹھے تھے کہ اندھیرے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تشریف لائے۔ سعید بن قیس نے پوچھا کیا آپ امیر المومنین ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ہم نے کہا آپ ڈرتے بھی نہیں شاید آپ پر کوئی مخالف حملہ کر دے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کافی ہے اس لیے کہ ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ حفاظت کے لیے ہر وقت ساتھ رہتا ہے جو انسان کو کنویں میں گرنے اور پہاڑ سے گرنے اور اس پر پتھر پڑنے یا کسی موذی جانور کے ایذا دینے سے بچاتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہو تو یہ فرشتہ کچھ نہیں کر سکتا۔

نگران فرشتوں کی گنتی اور ان کا فرض

اسنی المطالب میں ہے کہ علماء کرام کا اختلاف ہے کہ نگران فرشتے کُل کتنے ہیں؛ بعض کے نزدیک بیس ہیں بعض کے نزدیک اس سے زیادہ۔ اصح تر پہلا قول ہے اس لیے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہر انسان کے ساتھ کل کتنے نگران فرشتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بیس۔ اور اس کی تفصیل یوں فرمائی کہ ایک فرشتہ دائیں جانب بیٹھتا ہے اور وہ بائیں جانب والے فرشتے کا امیر ہے۔ کما قال تعالیٰ:

عن الیمین وعن الشمال قعید۔ (دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں) دو آگے رہتے ہیں دو پیچھے۔

کما قال تعالیٰ:

لہ معقبات من بین یدیہ و من خلفہ یحفظونہ من امر اللہ۔ ایک اس کی پیشانی پر قائم رہتا ہے جب انسان تواضع کرتا ہے تو اس کے مراتب بلند کراتا ہے اگر تکبر کرتا ہے تو اس کی پیشانی کو ٹھونکتا ہے۔

درودِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت

دو فرشتے اس کے لبوں پر بیٹھے ہیں اس کے درود شریف کی حفاظت کرتے ہیں اور ایک فرشتہ اس کے منہ کا محافظ ہے جو سانپوں کو منہ کے اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔ اور دو فرشتے آنکھوں کے نگران ہیں۔ یہ کل دس ہوئے۔ یہ سب کے سب دن کو ساتھ رہتے ہیں۔ دن گزرنے پر یہ چلے جاتے ہیں تو دس اور آجاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ف : ابلیس انسان کو بہکانے کے لیے دن کو ساتھ رہتا ہے اور اس کی اولاد رات کو۔

مسئلہ : بعض ائمہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو فرشتے دن کو ہوتے ہیں وہی رات کو آتے ہیں کوئی نئے تبدیل نہیں ہوتے لیکن کراماً کاتبین ہرگز تبدیل نہیں ہوتے وہ جو آسمان پر جا کر واپس آتے ہیں وہ اعمال لیجانے والے ہوتے ہیں۔

قبر پر فرشتے

کراماً کاتبین تا دمِ زیست ہر وقت ساتھ رہتے ہیں، جب بندہ مرتا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں، یا اللہ! اب ہم کہاں جائیں؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، آسمان ملائکہ سے پُر ہیں اور زمین دُوسری مخلوق سے، اور وہ سب میری فرمانبرداری میں مصروف ہیں تم تا قیامت میرے بندے کی قبر پر بیٹھ کر میری تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، تمجید پڑھتے رہو اور میری عظمت کا اظہار کرتے رہو اور اس کا ثواب میرے بندے کے اعمال نامے میں لکھتے جاؤ۔

ف : بعض کہتے ہیں اس سے حکومت کے ملازمین مراد ہیں جو عوام کی خدمت کے لیے نوکر رکھے جاتے ہیں۔

سبق : اس میں غافل انسان اور سرکش آدمی اور گناہوں میں مبتلا رہنے والے کو تنبیہ ہے کہ تم اگرچہ خداوند قدوس کی نافرمانی میں زندگی ضائع کر رہے ہو لیکن اس مالک کریم نے تمہارے لیے بہتر انتظام فرمایا ہے کہ بادشاہوں کی طرح تمہارے لیے بھی پہرے دار مقرر فرما دیے جیسے ایک بادشاہ کے لیے نگران ہوتے ہیں اسی طرح ہر انسان کے لیے فرشتگان پہرے دار ہوتے ہیں اگرچہ گنہگار سہی لیکن ہے تو حضرت انسان۔ پھر مرنے کے بعد مالک کے سامنے جانے گا تو رسوا ہوگا۔ لیکن اسے کون سمجھے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے سر جھکانا ضروری ہے طبیعت مانے یا نہ مانے لیکن تقدیر وارد ہو کر رہے گی ؎

از کمان قضا چو تیر قدر
بدر آمد نشد مفید سپر

ترجمہ : قضا کی کمان سے جب تقدیر کا تیر نکل جاتا ہے تو اس کے سامنے تدبیر کی ڈھال کچھ نہیں کر سکتی۔

ف : بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے نگہبان اس کی عبادات و طاعات اور صدقات ہیں جو اسے موت کی سختیوں سے بچائیں گے اور نہ صرف سکرات کے وقت بلکہ قبر اور حشر میں بھی۔

اعجوبۂ اعمالِ صالحہ

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جب انسان پر سکرات طاری ہوتی ہے تو فرشتے کو حکمِ ربانی ہوتا ہے کہ اس کے سر کو سُونگھے۔ جب وہ سُونگھتا ہے تو عرض کرتا ہے اس کے سر میں قرآن مجید ہے۔ پھر کہا جاتا ہے اس کے دل کو سُونگھے۔ وہ سُونگھ کر عرض کرتا ہے اس کے قلب سے روزے کی خوشبو آتی ہے۔ پھر حکم ہوتا ہے اس کے قدموں کو سُونگھے۔ وُہ سُونگھ کر عرض کرتا ہے اس کے قدموں سے نماز کے قیام کی خوشبو آتی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو اعمالِ صالحہ سے بچایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب سے

Scanned with CamScanner

بچا لیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی عافیت و نعمت نہیں بدلتا حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یہاں تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کو بدل دیں یعنی شکر ترک کر دیں اور نیک اعمال اور اچھے خصال ترک کر کے بدیوں اور گندی عادتوں کے خوگر ہو جائیں۔ ؎

گرت ہواست کہ معشوق نگسلد پیوند
نگاہ دار سر رشتہ تا نگہ دارد

ترجمہ: اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے معشوق (محبوب) کا تعلق نہ ٹوٹے تو تم اپنے تعلق کے تاگے کو خود محفوظ رکھو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم اللہ تعالیٰ کسی قوم کو وجود و عدم سے نہیں بدلتا۔ حتی یغیروا ما بانفسهم جب تک وہ خود نہ بدلیں یعنی وجود و عدم کے استحقاق کی استدعا کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یا اس کی مشیت چاہتی ہے۔

مسئلہ: آیت میں تمام لوگوں کو تنبیہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانیں اور ان کا شکر کریں تاکہ دی ہوئی نعمتیں اس سے زائل نہ ہو جائیں۔

نعمت روحانی زبان کو ذکر میں قلب کو فکر میں مشغول رکھنا لازمی ہے اس لیے کہ جو کوئی ذکر الٰہی کو بھولتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتا تو اس سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں اور اس کی حالت بد سے بدتر ہو جاتی ہے پھر وہ پہلی حالت سے محروم ہو جاتا ہے اسے وہ نوازشات نصیب نہیں ہوتیں جو اسے پہلے حاصل تھیں۔

قاعدہ الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی وجہ سے ان کے حالات بدل دیتا ہے مثلاً ابلیس، اس کا پہلا نام عزازیل ہے بوجہ نافرمانی اسے ابلیس کے نام سے موسوم کیا گیا۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا ایک کھیت سے گزر ہوا تو مجھے دوسرے کسان نے پکارا، یا بقر! (اے بیل) میں نے کہا کہ ایک معمولی کمزوری سے ایک انسان نے میرا نام ذلت سے بدلا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو وہ میری معرفت کے بہت سے مراتب چھین لے یا ذلت میں مبتلا کر دے۔

العجوبے ① ہاروت و ماروت کی نافرمانی پر ان کا نام بدل دیا گیا ورنہ اس سے پہلے ان کا نام عزا اور عزایا تھا۔

② حام بن نوح کا رنگ بدلا جب اس نے اپنے والد گرامی کا ستر دیکھا جبکہ وہ (نوح علیہ السلام) آرام فرما تھے تو ان کا ستر کھل گیا تو اس نے ان کے ستر کو دیکھ کر انہیں بتایا تو ان کو جوش آیا اور اس کے لیے اظہار ناراضگی کے طور بد دعا فرمائی اس سے اس کا رنگ سپیدی سے سیاہی میں بدل گیا۔ ہندی حبشی انہی کی اولاد سے ہیں۔

Scanned with CamScanner

③ بعض کہتے ہیں ان کی اولاد کی سیاہی اور ان کی نافرمانی کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب تمام اہلِ ایمان کو کشتی سمیت کعبہ معظمہ میں لے گئے اور طواف کا ارادہ کیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حرم ہے اس میں کوئی مرد عورت کو ہاتھ نہ لگائے خواہ اس کی اپنی عورت ہی ہو۔ مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دی گئی۔ باوجود اس کے آپ کے صاحبزادے حام نے حد بندی توڑ کر اپنی عورت سے جماع کر لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ناراضگی سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کے رنگ کو بدلے یعنی تا قیامت اس کی اولاد کو سیاہ رنگ بنا دے۔

چنانچہ ان کی دُعا قبول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو سیاہ رنگ پیدا فرمایا۔

④ حضرت داؤد علیہ السلام کی معمولی کمی سے ان کی صورت میں معمولی سا تغیر فرمایا۔

⑤ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے مچھلی کے شکار کی غلطی ہوئی تو انہیں بندر بنا دیا گیا۔

⑥ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت سے غلطی ہوئی تو انہیں خنزیر بنا دیا گیا۔

⑦ آل قطروس نے جب غریبوں اور مسکینوں کو مال و اسباب سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا جس کی وجہ سے ان کے تمام اموال و اسباب اور باغات جل کر راکھ ہو گئے۔

⑧ قبطی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے تباہ و برباد ہوئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ان کی دُعا کے الفاظ یہ ہیں: ربنا اطمس علی اموالھم۔ (الآیہ) ان کی دُعا کا یہ اثر ہُوا کہ ان کے پانی خون ہُوئے اور مال پتھر اور روڑے۔

⑨ امیہ بن صلت کا علم سلب کر لیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ وہ سو رہا تھا کہ ایک پرندہ آیا اس نے اپنی چونچ اس کے منہ میں ڈالی۔ جاگا۔ تو تمام علم سینہ سے اُتر چکا تھا حالانکہ وہ عرب کا چوٹی کا بلیغ تھا بلکہ وہ آرزو مند تھا کہ نبی آخر الزماں وہی ہوگا اور اہلِ عرب اسی پر ایمان لائیں گے۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اس نے انکار کر دیا۔ تو دنیا میں اسے محولہ بالا سزا ملی۔

⑩ حضرت آدم علیہ السلام سے گندم کھانے کا فعل صادر ہُوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہشت سے نقل مکانی کا حکم دیا۔

قارون نے زکوٰۃ کا انکار کیا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج قارون کہ فرو میرود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

ترجمہ: قارون کا خزانہ تا حال قہرِ الٰہی سے دھنسایا جا رہا ہے۔ تم سب نے یہ واقعہ پڑھا ہے اس کا موجب صرف اللہ والوں کی غیرت ہے اور بس۔

⑪ ایک شخص نے ماں کی صرف ایک دفعہ نافرمانی کی وہ بھی اس قدر کہ والدہ نے اسے اپنی طرف بلایا لیکن وُہ نہ گیا تو

ماں کے منہ سے اس کے لیے بددعا نکلی جس سے وہ بندہ گونگا ہوگیا۔ تادمِ زیست اس سے بولنے کی طاقت چھین لی گئی۔

⑥ برصیصا سے ایمان چھین لیا گیا حالانکہ وہ دو سو بیس سال خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا اور لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس سے سرزد نہ ہوتی تھی لیکن گناہ اس سے یہ ہوا کہ اس نے اپنے لیے اس نعمت اسلام کا شکر نہ کیا۔

ع

شکر نعمت نعمت افزوں کند
کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: نعمت کا شکر تیری نعمت میں اضافہ کریگا۔ کفران نعمت سے تیری نعمت چھین لی جائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَآ أَرَادَ ٱللَّهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی ہلاکت و تباہی اور عذاب کا ارادہ فرماتا ہے فَلَا مَرَدَّ لَهُۥ تو اسے کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اسے روکا جا سکتا ہے۔

قاعدہ: اذا کا حقیقی معنی ظرف ہے۔ اور کسی وقت شرط کے لیے بھی آتا ہے لیکن اس وقت بھی اس میں ظرف کا معنی ساقط نہیں ہوتا۔ مثلاً: اذا اقمت قمت۔ یعنی میرے قیام کا وقت معلق ہے تمہارے قیام پر۔ اس عبارت میں متکلم نے اپنے قیام کو مخاطب کے قیام پر معلق کیا ہے۔ یعنی جزا شرط سے معلق ہوتی ہے۔

قاعدہ: کبھی کبھار یہ متحقق امر کے لیے آتا ہے جیسے: ؎

اذا اری الدنیا وابناها
استعصم الرحمٰن من شرها

ترجمہ: جب میں دُنیا اور دُنیا داروں کو دیکھتا ہوں تو دُنیا کے شر سے نکلنے کے لیے رب رحمان سے مدد چاہتا ہوں۔

اور کبھی امر منتظر کے لیے آتا ہے جیسے:

؎ اذا وقعت الواقعة اور اذا الشمس کورت۔

قاعدہ: لفظ اذا ماضی کو مستقبل کے معنے میں لاتا ہے اس لیے کہ اذا کا حقیقی معنیٰ زمانہ مستقبل ہے۔ یہ بصریوں کا مذہب ہے۔ اور کوفی فرماتے ہیں کہ اذا کا حقیقی معنیٰ شرط اور ظرف ہے۔ جیسے: مع

واذا یحاس الحیس[1] یدعی جندب

ترجمہ: اور جب حلوا پکایا جاتا ہے تو جندب کو بلایا جاتا ہے۔

---

[1] کھجور، گھی اور ستو سے تیار کیا ہوا کھانا کچا دری کام ۱۲ المنجد

Scanned with CamScanner

اور ۶ع

وَ اِذَا تُصِبْكَ خَصَاصَةٌ فَتَحَمَّل

ترجمہ : اور جب تجھے دُکھ پہنچے تو برداشت (صبر) کر۔

وَمَا لَهُمْ اور جن کے لیے اللہ تعالیٰ ہلاکت اور عذاب کا ارادہ کرے تو ان کے لیے نہیں مِنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے سوا مِنْ وَّالٍ کوئی حمایتی جو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے یا اس کی کسی قسم کی امداد کرے۔

ف : الوالی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ہے یعنی جملہ امور اور تمام مخلوق کا مالک۔ در اصل والی اسے کہتے ہیں جو اپنا حکم دُوسرے پر جاری کرے ، دُوسرا اسے مانے یا نہ مانے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف نہیں ہو سکتا اس لیے وہی جملہ امور کی تدبیر بنانے اور تدبیر کو جاری کرنے والا ہے کوئی بھی اس کے حکم سے بھاگ نہیں سکتا۔

هُوَ وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ تمہیں بجلی دکھاتا یعنی بادل سے روشنی چمکاتا ہے۔ یہ برق الشیئ بریقاً سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے چمکے۔ خَوْفًا وَّطَمَعًا خوفاً ڈر کے لیے یعنی خوف کے ارادہ پر یا صاعقہ سے گھروں کی بربادی کے لیے ڈراتا ہے طمعاً امید پر یعنی طمع کے ارادہ پر یا اس لیے کہ تمہیں بارش کی برکتوں کی امید ہو جانے اور چاہو کہ بارش سے بہت دُکھ دُور ہو جائیں گے۔

ف : بارش بعض لوگوں کے لیے ضرر بن کر آتی ہے اور بعض کے لیے موجب رحمت ہوتی ہے۔ مثلاً مسافر ، کھجور اور انگور کے باغات اور کچے مکانوں والے بارش سے گھبراتے ہیں۔ اور مقیم ، کھیتی باڑی اور کھجور و انگور کے سوا دوسری قسم کے باغات کے مالکان خوش ہوتے ہیں۔

اعجوبہ اہلِ مصر بارش سے کوئی فائدہ نہیں محسوس کرتے اس لیے کہ انھیں دریائے نیل کا پانی کافی ہے البتہ بارش معمولی ہو تو انہیں معمولی فائدہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جمال الٰہی کے باطن میں جلال ہے اسی طرح اس کے جلال کے باطن میں جمال ہے اور اراءۃ (دکھانا) کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی ہے کہ وہی ہر شے کا خالق ہے وہی آنکھوں میں نور پیدا کرتا ہے جس سے دیکھنے والے دیکھتے ہیں یہ دکھانا یا عالم ملک (ظاہر) سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں اگر اس کا تعلق عالم ملکوت (باطن) سے ہے تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ سالک (سیر الی اللہ کرنے والے) کو انوار جلال کی چمک دکھاتا ہے تو اس پر انقطاع اور ناامیدی کا غلبہ ہوتا ہے اور جب اسے انوار جمال کی چمک دکھاتا ہے تو اس پر امید کا غلبہ ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ وَيُنْشِئُ السَّحَابَ اور بدلیاں اٹھاتا ہے یعنی بادلوں کو پیدا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بادلوں کو خدا کر کے از سر نو بادل پیدا فرماتا ہے۔

ف: السحاب اسم جنس ہے۔ اس کا واحد سحابۃ آتا ہے۔ اسی لیے اسے جمع کے صیغہ الثقال سے موصوف کیا۔

الثِّقَالَ ثقال بمعنے بوجھل بھاری۔

ف: اس میں اختلاف ہے کہ کیا بارش آسمان سے نازل ہو کر بادل میں آتی ہے یا بادل میں ہی اللہ تعالیٰ پانی پیدا فرماتا ہے تو بارش ہوتی ہے۔

بادلوں کے متعلق تحقیق اور فلاسفہ کی تردید حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ بادل ایک جسم مرکب ہے اس کی ترکیب اجزا رطبہ مائیہ اور ہوائیہ سے ہوتی ہے۔ یعنی اجزاء رطبہ مائیہ اجزاء رطبہ ہوائیہ سے ملتے ہیں تو بادل بن جاتا ہے اور یہ دونوں اجزاء یعنی مائی اور ہوائی اجزاء خلاء میں پیدا ہوتے ہیں جسے خالق قادر قدیر اپنی قدرت اور حکمت سے وہاں پیدا فرماتا ہے۔ فلاسفہ کا یہ کہنا کہ یہ اجزاء زمین کے بخارات ہیں جو زمین سے اڑ کر ہوا کے طبقہ باردہ میں پہنچ کر برف کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر وہی بخارات زمین پر گرتے ہیں انہی بخارات کا نام بارش ہے۔ یہ قول باطل ہے اس لیے کہ بارش کے قطرات مختلف ہوتے ہیں کبھی موٹے ہوتے ہیں کبھی چھوٹے، کبھی برابر ایک دوسرے سے مل کر برستے ہیں کبھی دور دور ہو کر کبھی گھنٹوں تک لگاتار برستے رہتے ہیں کبھی نرم رفتار اور تھوڑی مقدار میں۔ اگر یہ زمین کے بخارات ہوتے تو ان میں اختلاف کیوں، حالانکہ زمین ایک جنس ہے اگر ان بخارات پر سورج کی کرن اور طبقہ بارد کا اثر ہے تو وہ بھی جنس واحد ہیں تو تقاضائے عقل یہ ہے کہ بارش ایک طرح کی ہوتی تو اس سے واضح ہوتا ہے اس میں قادر قدیر کی قدرت و حکمت کو دخل ہے۔ اور یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ لیکن اس عقیدہ سے فلاسفہ (کمیونسٹ) خلاف کرتے ہیں اور وہ صرف عقل کی روشنی کے محتاج ہیں اور اسباب کے بندے۔ اسی وجہ سے وہ عقل کے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ جب عقل کے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں تو حیران ہو کر سرگردان رہ جاتے ہیں۔

اہلِ اسلام کی تائید ہم کہتے ہیں اسباب بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن قادر قدیر کی قدرت کو دخیل ماننا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بارش کے آثار عالم دنیا سے مفقود ہو جاتے ہیں تو مسلمانوں کی آہ و زاری اور عجز و انکساری اور دعا و درود قادرِ مطلق کی بارگاہ میں ہوتا ہے جس سے قادر کریم اپنے بندوں کے عجز و الحاح پر بارش عنایت فرماتا ہے۔ اس کو ہم مسلمان نمازِ استسقاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارش کے نزول میں قادر قدیر کی قدرت کا اثر ضرور ہے۔ صرف طبیعت اور اسباب سے یہ کام نہیں چلتا۔

صاحبِ روح البیان کا فیصلہ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس قول کو اس وقت دیوار پر مارتے ہیں جب عقیدہ ہو کہ وہ کام حوادث و

اگران یعنی صرف اسباب کے ذریعے سر انجام ہوئے۔ انھیں تاثیر ایزدی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ ہاں اگر یہ عقیدہ ہو کہ اسباب سے اگرچہ یہ کام ہوا لیکن حقیقی کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ عقیدہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ ہم اس عقیدہ کو مقبول کہتے ہیں اس لیے کہ یہ عالم اسباب کا ہے اور حکمت الٰہی نے بھی اسباب کو امور پر موقوف فرمایا ہے۔ اس بنا پر ہمیں انکار نہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ ان اسباب میں قدرت ایزدی کا اقرار بھی ہونا چاہیے ورنہ قدرت کے انکار سے جہنم تیار ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ رعد تسبیح پڑھتا ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ رعد کیا ہے۔ علماء محققین کا خیال ہے کہ یہ ایک فرشتے کا نام ہے جو ہیبت الٰہیہ جلالیہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہے لیکن رعد اس کی سخت آواز ہے جس سے وہ بادل کو ایسے ہانکتا ہے جیسے حدی خوان اونٹوں کو۔

اعجوبہ جب وہ فرشتہ تسبیح پڑھ کر بادل پر گرجتا ہے تو اس کی ہیبت سے تمام مخلوق خوفزدہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ خود ملائکہ کرام بھی۔

بِحَمْدِهٖ یہ حال کے موقع پر ہے ای حامدین له و متلبسین بحمده یعنی وہ فرشتہ تسبیح کو حمد سے ملاتا ہے مثلاً کہتا ہے: سبحان اللہ والحمد للہ۔

حدیث شریف - چمک اور گرج اہل ارض کے لیے وعید ہیں جب تم ان دونوں کو دیکھو سنو تو باتیں چھوڑ کر استغفار کرو۔

حدیث شریف جب بادل خوب گرجتا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتے: لا تقتلنا بغضبك و لا تهلكنا بعذابك وعافنا قبل ذلك - اے اللہ تعالیٰ! ہمیں غضب سے نہ مارنا اور نہ ہی اپنے عذاب سے ہلاک اور تباہ کرنا اور عذاب آنے سے پہلے ہمیں سلامتی وعافیت سے نواز۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ یہ عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کے خوف وخشیت اور اس کی ہیبت وجلال سے اس کی تسبیح پڑھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب رعد بادلوں کو جمع کرنے کے لیے تسبیح پڑھتا ہے تو اس کی تسبیح سن کر فرشتے بھی تسبیح پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد بارش کا نزول ہو جاتا ہے لیکن فرشتے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

ف : فرشتوں کا خوفزدہ ہونا ابنائے آدم جیسا نہیں بلکہ وہ ایسے خوف زدہ ہو جاتے ہیں کہ نہ دائیں کی خبر نہ بائیں کی خبر، نہ آگے کی نہ پیچھے کی۔ نہ انھیں کھانے کی خواہش نہ پینے کی اور نہ کسی اور شے کی۔

ف یہی تقریر وہابیوں دیوبندیوں کو سنائی جائے کہ ہم اپنے معاملات میں مشکلکشا حاجت روا اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بارگاہ حق کا مانتے ہیں پھر اشکال کیوں۔

Scanned with CamScanner

بجلی کو گرنے سے روکنے کا وظیفہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو شخص رعد کی گرج سن کر پڑھے
سبحٰن الذی یسبح الرعد بحمدہ والملٰئکۃ من خیفتہ
وھو علی کل شیء قدیر ۔ (پاک ہے وہ ذات جس کی حمد کے ساتھ رعد تسبیح پڑھتا ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اور وہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔) اگر بجلی گرے تو اس کی دیت میں ادا کروں گا۔

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ اور کڑک بھیجتا ہے۔ صواعق صاعقہ کی جمع ہے۔ وہ ایک آگ ہے جس میں دھواں نہیں ہوتا بادل میں پیدا ہوتی ہے اس عالم دنیا کی آگ سے زیادہ سخت ہوتی ہے کہ آسمان سے گرتی ہے جب وہ بادل سے گرتی ہے تو دریا میں چلی جاتی ہے تو دریا کی تہ والی مچھلیوں کو جلا دیتی ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے رعد کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کے لیے مقرر ہے اس کے پاس نار کا چابک ہے اس سے انہیں خدا کے حکم کے مطابق ہانک کر لے جاتا ہے۔ انہوں نے عرض کی: یہ آواز جو بادلوں میں سنی جاتی ہے یہ کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ اسی فرشتے کی زجر و توبیخ ہے۔ جب بادل زیادہ ہو جاتے ہیں وہ انہیں ملاتا ہے پھر جب وہ سخت جوش سے آواز دیتا ہے تو اس کے منہ سے نار نکلتی ہے جسے ہم صاعقہ (کڑک) سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف: المخارق مخراق کی جمع ہے۔ در اصل اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جسے اکٹھا کر کے گیند کی شکل میں بنا کر ایک دوسرے کو مارتے ہیں۔ لیکن حدیث شریف مذکور میں مخراق سے فرشتے کا وہ آلہ مراد ہے جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهَا پس پہنچاتا ہے اسے۔ یہ با تعدیہ کی ہے۔ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے کہ اسے ہلاک و تباہ کرے تو اس پر وہی کڑک ڈالتا ہے۔

ف: یہ کڑک مسلم غیر مسلم پر پڑتی ہے لیکن جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو وہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وظیفہ مذکورہ بادل کی گرج کے وقت پڑھنا چاہیے۔

ف: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کڑک ایک قسم کا عاجل (دنیوی) عذاب ہے جو غیر مسلم اور غافل پر نازل ہوتا ہے غافل کو غفلت کی سزا کی وجہ سے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونے والے کی حفاظت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ بوقت ذکر اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمت کا ہمنشین ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ غضب و رحمت آپس میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

ازالۂ وہم عوام کا خیال ہے کہ کڑک اہل اسلام پر نہ پڑنی چاہیے کیونکہ وہ عذاب ہے اور عذاب مومن پر نازل نہ ہونا چاہیے یہ ان کا وہم ہے اس لیے کہ مسلم جب ذکر الٰہی سے غفلت کرتا ہے تو اسے غفلت کی سزا ملنی چاہیے یہ اس کے لیے سزا ہے نہ کہ عذاب۔

وَهُمْ اور وہ کافر باوجودیکہ انہیں دلائل واضح سے سمجھایا گیا ہے لیکن يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے بارے

Scanned with CamScanner

میں جھگڑتے ہیں کہ اس کے رسول علیہ السلام کو جھٹلاتے ہیں جب وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صفات عظمۃ اور قدرت تامہ اور توحید کی باتیں
بتاتے ہیں۔ الجدال سخت جھگڑا کرنا الجدل سے ہے بمعنے الفتل یعنی رسی بانٹنا۔ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ اور
وہ سخت پکڑ والا ہے۔ یعنی وہ اپنے دشمنوں کی سخت گرفت کرتا ہے جب انہیں پکڑتا ہے تو پھر انہیں معلوم نہیں ہونے دیتا کہ یہ
عذاب کہاں سے آیا پھر وہ جتنی بچنے کی جدوجہد کرے تو اسے کہیں سے نجات نہیں مل سکتی اسی سے ہے تحل لکذا۔ یہ اس
کے لیے بولتے ہیں جو حیلہ کرنے میں بہت جدوجہد کرے۔

شانِ نزول

اسباب النزول میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک فرعون قسم کے شخص کے
ہاں کسی کو بھیج کر فرمایا: اسے اسلام کی دعوت دو۔ اس نے عرض کی: حضور! بہت گندا آدمی ہے
وہ آپ کی دعوت کو سن کر غلط قسم کا جواب دے گا۔ آپ نے فرمایا: تم جا کر میری طرف سے اسلام کی دعوت دے دو۔ یہ اس کے
ہاں گئے اور اسلام کی دعوت پیش کی۔ اس نے کہا جس خدا کے لیے تم مجھے دعوت دیتے ہو وہ سونے کا ہے یا چاندی کا۔
یہ سن کر راوی واپس لوٹے اور یہ راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کا جواب حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔
آپ نے فرمایا: دوبارہ جاؤ۔ میں نے وہی عرض کیا جو اس نے دوبارہ (پہلے والا) جواب دیا۔ آپ نے تیسری بار فرمایا:
پھر جاؤ۔ میں نے اسے تیسری بار جا کر کہا وہ حسبِ دستور وہی کلمات کہہ رہا تھا کہ ایک بادل اٹھا اور اس کے سر کے
برابر اوپر کھڑا ہو گیا اور وہ گرجا تو اس سے ایک کڑک نیچے گری جس سے اس کی کھوپری جل گئی۔ اس پر یہ آیت اتری:

ویرسل الصواعق فیصیب بہا من یشاء وھم یجادلون فی اللہ وھو شدید المحال۔

دیگر شانِ نزول

یہ آیت اور اس سے پہلے والی آیت عامر بن الطفیل اور اربد بن قیس (جو لبید بن ربیعہ
الشاعر کا خیفی بھائی تھا) کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ دونوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہاں حاضری کے لیے آرہے تھے کہ کسی نے کہا: حضرت! عامر بن الطفیل آپ کے ہاں حاضری کے لیے آرہا ہے۔
آپ نے فرمایا: چھوڑیئے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کا چاہے گا تو یہ ہدایت پا جائے گا۔ عامر بن الطفیل آتے ہی
حضور علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لیے کیا عہدہ ہوگا؟ آپ
نے فرمایا: جیسے دوسرے مسلمانوں کے لیے ہوگا تیرے لیے بھی وہی اگر انہیں دکھ ہوں گے تو تجھے بھی اٹھانے پڑیں گے۔ اس نے
کہا آپ وعدہ فرمائیں کہ آپ کی فوتیدگی کے بعد اس مسند کا مالک میں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے بس میں نہیں میرا اللہ تعالیٰ
جیسے چاہے گا۔ اس نے کہا میں اسلام لاتا ہوں آپ وعدہ فرمائیں میرے اسلام لانے کے بعد آپ کے ہاں شہروں کی
حکومت ہوگی اور میرے ہاں دیہاتوں کی۔ آپ نے فرمایا: یہ بھی منظور نہیں۔ اس نے کہا: پھر مجھے ملے گا کیا؟ آپ نے
فرمایا: میں تجھے ایک گھوڑا دوں گا جس پر تجھے کفار سے جنگ کرنا پڑے گی۔ اس نے کہا: یہ مجھے منظور نہیں۔ روانگی کے
وقت عامر بن الطفیل نے اربد سے کہا تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باتوں میں لگ جاؤں گا تم پیچھے سے ان پہ

تلوار چلا دینا اس طرح سے ان کو مار دیں گے۔ عامر حضور علیہ السلام سے محو گفتگو ہو گیا اور اربد حضور علیہ السلام کے پیچھے چھپ کر تلوار کا وار کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا تو تلوار کا دستہ اڑ گیا۔ اس کے بعد پھر اسے حملہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ عامر اسے اشاروں سے بار بار کہتا لیکن وہ خاموش تھا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کی کارروائی دیکھ کر فرمایا:

اللھم اکفنیھما بما شئت۔

(اے اللہ تعالیٰ! ان دونوں سے میری کفایت فرما)

یہاں سے دونوں خائب وخاسر ہو کر لوٹے تو راستے میں اربد پر بجلی گری جس سے وہ مر گیا۔ عامر لوٹا اور عرض کی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے اپنے رب تعالیٰ سے بددعا مانگی ہے اس نے اربد کو مار ڈالا ہے۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خدا کی قسم میں تیرے لیے بہت بڑا لشکر لاتا ہوں جن میں ایک ہزار جنگی بڑے بالوں والے اور ایک ہزار نوجوان بے ریش ہوں گے۔ آپ نے فرمایا ان سے بھی میرا رب مجھے بچائے گا اور اوس وخزرج کی مجھے حمایت ہوگی۔ حضور علیہ السلام سے جھگڑ کر واپس گھر آیا تو ایک سلولیہ نامی عورت کے گھر قیام کیا اور کہا کہ اگر ملک الموت نے مجھے فرصت دی تو لات وعزیٰ کی قسم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ؎

صعوہ گاہ با عقاب سازد جنگ

دہد از خون خود پرش را رنگ

ترجمہ: ممولا اگر عقاب سے جنگ کرے تو اپنے پروں کو اپنے خون سے خود رنگ کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ حال دیکھا تو اس کے ہاں فرشتہ بھیجا جس نے اس پر اپنے پر مارے اور اس کے منہ پر مٹی ماری اسے گھٹنے پر بہت بڑی غدود نکلی جس کے درد سے سلولیہ کے گھر لوٹا اور کہتا تھا کہ غدود اونٹ والی اور موت سلولیہ کے گھر نصیب ہوئی اور وہیں گھوڑے پر کھڑے کھڑے فوت ہوا تو یہی آیت سواء منکم من اسرار القول ومن جھربہ الی ان قال وما دعاء الکافرین الا فی ضلال اتری اس تقریر پر وھم یجادلون فی اللہ میں واؤ حالیہ ہو گی یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو بھی جھگڑے گا اس پر جھگڑے کی حالت میں ہی بجلی گرائے گا جیسے اربد اور فرعون عرب پر بجلی گری جیسے پہلی روایت میں گزرا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حق میں جھگڑا تو اس پر بجلی گری۔

ف: عامر نے کہا تھا: غدۃ کغدۃ البعیر۔ یعنی مجھے وہی غدود والی بیماری لاحق ہوئی ہے جو اونٹ کو لاحق ہوتی ہے اور اس کے قول موت فی بیت سلولیۃ میں سلولیہ سے مراد سلول ایک قبیلہ ہے، جو عرب میں قلیل اور ذلیل تر تھا کسی شاعر نے ان کے حق میں کہا: ؎

الی اللہ اشکو اننی بت طاھرا

فجاء سلولی فبال علی نعلی

فقلت اقطعوها بارك الله فيكمو

فانی کریم غیر مدخلها رجلی

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ سے شکایت ہے کہ سونے سے پہلے میں پاک وصاف تھا لیکن بدبخت سلولی نے میرے جوتے پر پیشاب کر دیا میں نے کہا اسے کاٹو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے میں کریم ہوں ایسے جوتے میں میں اپنا پاؤں داخل نہیں کروں گا۔

ف: عامر کہتا تھا کہ میں دو بار خرابیوں میں مبتلا ہوا ان میں سے ہر ایک دوسرے پر بدتر ہے:

① مجھے غدود پیدا ہوئی جیسے اونٹ کو پیدا ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ غدۃ البعیر اونٹ کے طاعون کا نام ہے کہ جب اونٹ کو یہ عارضہ لاحق ہوتا ہے اس کا بچنا محال ہو جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اغد البعیر۔ یعنی وہ اونٹ غدود والا ہو گیا۔

② میری موت رذیل ترین عرب میں ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں جھگڑتے ہیں جیسے فلاسفہ اور یونانی حکماء اور وہ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی تابعداری نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر ایمان لاتے ہیں بلکہ وہ صرف عقل کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ نقل یعنی قرآن و حدیث کو نہیں مانتے۔ اسی طرح بعض متکلمین اہل بدعت ان سب پر قہر کی بجلی گری ہے جس کی وجہ سے ان کے ایمان کے قبول کرنے کی استعداد جل گئی اس لیے اللہ تعالیٰ کے حق میں جھگڑتے ہیں کہ کیا وہ فاعل مختار یا موجب بالذات ہے یا نہیں۔ اسی طرح اس کی صفات میں بھی مثلاً کہتے ہیں کہ کیا صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں یا وہ قادر بالذات ہے یا نہ یا ان کا کہنا کہ اس کے لیے صفات ہیں یا نہ۔ ایسے عقائد انسان کو سیدھے راستہ سے ہٹا لیتے ہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ کے صفات میں جھگڑتا ہے تو وہ سخت سزا اور دردناک عذاب کا مستحق بنتا ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ لَهٗ خبر مقدم ہے تاکہ تخصیص کا فائدہ ہو دَعْوَةُ الْحَقِّ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے سچا پکارنا۔ یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے یا دعوۃ بمعنے عبادت اور الحق بمعنے الحقیق ہے یعنی لائق۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبادت اور عجز و نیاز دونوں دو قسم ہیں:

① حق و صواب

② باطل و خطا

پہلی قسم اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔

ف: یا دعوۃ سے بمعنے دعا مستجاب مراد ہے اور حق بمعنے ثابت وغیر ضائع و باطل ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے

Scanned with CamScanner

کی دعا قبول کرتا ہے نہ اس کا غیر۔

ف: مدارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی دُعا مانگی جاتی ہے اور وہ ہی دُعاؤں کو قبول کرتا اور سوالی کا سوال پورا کرتا ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہُوا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ دعوت اس لائق ہے کہ صرف اسی سے ہی دعا مانگی جانے اس لیے کہ اس سے دُعا مانگنے کا فائدہ بھی ہے اور جس سے کوئی فائدہ بھی نہ ہو اس سے دعا نہ مانگی جانے سے

فسردہ ماندگاں را برحمت قریب

تضرع کناں را بدعوت مجیب

ترجمہ: عاجزوں کو بوجہ رحمت کے قریب ہے اور تضرع کرنے والوں کی دعا قبول کرنیوالا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اور وُہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو پکارتے ہیں اس سے بت مراد ہیں کہ کفار بتوں کو پکارتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں سے دُعا مانگتے تھے۔ یہاں راجع محذوف ہے۔ یا معنے یہ ہے کہ کفار بتوں کو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ماسوا کو۔ یہاں مفعول محذوف ہوگا۔ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ بت جواب نہیں دیتے۔ انھیں ذوی العقول اس لیے کہا گیا کہ وُہ اپنے معبودوں کو ذوی العقول مانتے تھے لَهُمْ ان کافروں کو مِنْ شَيْءٍ کسی شے سے یعنی ان کے مقاصد میں سے کسی کا مقصد اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ مگر اس کی طرح جو اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلائے یہ استثنا مفرغ ہے اس کا مستثنیٰ منہ اعم عام المصدر ہے یعنی لا استجابة مثل استجابة ما دیدیہ یعنی اس شخص کی طرح جو رسّی اور ڈول پاس نہیں رکھتا لیکن پانی کی خاطر کنوئیں کے منہ پر کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلائے اور وُہ وزاری کرکے پانی طلب کرے لِيَبْلُغَ فَاهُ تاکہ اس کے منہ میں پانی پہنچ جائے یعنی وُہ پانی کو زبان سے اور ہاتھ کا اشارہ کرکے اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ پانی اس کے منہ میں پہنچ جائے۔ لیبلغ کی لام باسط کے متعلق ہے اور اس کا فاعل الماء ہے وَمَا هُوَ اور نہیں وُہ پانی بِبَالِغِهٖ اس کے منہ میں پہنچنے والا کیونکہ پانی تو جماد محض اور لاشعور شے ہے اسے کسی کے ہاتھ پھیلانے کی کیا خبر، اور اسے کسی کے پیاسے ہونے کا کیا علم اور کیا پتا کہ کسی کو اس سے کیا حاجت ہے اور نہ ہی اسے قدرت ہے کہ وُہ اپنے طور کسی کو نفع پہنچائے مرکب تمثیلی کی تشبیہ ہے بتوں اور مشرکین کے پکارنے کو اور بتوں کا ان کی دُعا کو قبول نہ کرنے اور بُت پرستوں کا بتوں کو پکار کر نفع نہ پانے کو پانی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ پیاسا دیکھنے والا پانی کو دیکھ رہا ہے اور اس کے حصول کے لیے اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس امید میں ہے کہ اسے پانی منہ میں پہنچ جائے گا جس سے وہ نفع پائے گا یعنی اس کے جگر کی پیاس کی آگ بجھ جائے گی اور وجہ تشبیہ یہ ہے کہ مطلوب منہ کو اجابت دعا کی کوئی طاقت نہیں اور باوجودیکہ طلب کرنے والا مقصد کے حصول کے لیے بہت زیادہ محتاج ہے لیکن محروم ہے اور ان وجوہ سے بہت سے امور منتزع ہیں وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اور کافروں کا بتوں کا پکارنا نہیں اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مگر گمراہی میں یعنی ضیاع وخسارہ اور بطلان کے سوا اور کچھ حاصل نہیں اس لیے کہ ان کے بُت ان کے پکارنے کے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کو کافر پکاریں اور اس سے دُعا مانگیں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ کریم چاہے تو کافروں اور گمراہوں کی دعا بھی قبول کرلیتا ہے جیسا کہ ابلیس وغیرہ کی دعا قبول فرمائی۔ کتب کلامیہ و فتاویٰ میں تفصیل سے مذکور ہے۔

حکایتِ فرعون دریائے نیل میں جب پانی کم ہوجاتا تو فرعون تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے پانی کے لیے دعا مانگتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرما کر دریا میں پانی زیادہ کردیتا۔

سبق: جب وہ کریم کافروں اور گمراہوں کی دُعا قبول کرلیتا ہے تو اہلِ ایمان کی دعا کیوں نہ قبول کرے گا۔

حکایت باکرامت پانی کی طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کو ہو لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوجائے تو خرقِ عادت کے طور اسے نیچے سے اوپر (سبب کے بغیر) لاسکتا ہے۔ جیسے بعض اولیاء کرام کے لیے بارہا ہوا۔ حضرت الشیخ ابوعبداللہ بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حج کے ارادہ پر سفر کرتا ہوا بغداد شریف میں حاضر ہوا۔ اس وقت میرے دل میں صوفی بننے کا بہت شوق تھا یعنی اس شوق میں تھا کہ مجاہدے کروں اور صوفیاء کرام کی صحبتوں سے بہرہ وری حاصل کروں اور ماسوی اللہ سے بالکل علیحدگی اختیار کروں۔ اس دُھن میں میں نے چالیس روز کھانا بھی نہ کھایا اور نہ ہی کسی کے پاس گیا یہاں تک کہ میں حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی نہ جاسکا۔ اس دوران میں نے پانی بھی نہ پیا، اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ ایک دن جنگل میں جانے کا اتفاق ہوا ایک ہرنی کو دیکھا کہ وہ کنویں کے اُوپر کھڑی ہے اور پانی نیچے سے اوپر کنویں کے منہ تک آیا ہوا ہے اور ہرنی مزے سے پی رہی ہے۔ چونکہ میں بہت پیاسا تھا۔ کنویں کے قریب پہنچا تو ہرنی چلی گئی اور ادھر پانی بھی نیچے تہہ میں چلا گیا۔ میں حسرت سے لَوٹا اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے لگا کہ واہ مولا! ایک جانور کو تو پانی پلادیا اور مجھ فقیر کو پیاسا ہی چھوڑ دیا۔ کیا میں ہرنی سے بھی گیا گزرا ہوں؟ میرے پیچھے سے آواز آئی کہ ہم نے تمہارا امتحان لیا لیکن تم کامیاب نہ ہوسکے ہرنی کنویں پر کون سا ڈول اور رسی لائی تھی اور تم میرے سہارے کا دم بھرنے کے باوجود گھر سے ڈول اور رسی لائے ہو اب جاؤ کنواں پُر ہے، میں لوٹا، دیکھا کہ واقعی کنواں پانی سے پُر ہے اس سے میں نے اپنا لوٹا (کوزہ) بھر لیا میں اس سے پانی بھی پیتا رہا اور وضو بھی کرتا رہا۔ مدینہ طیبہ تک حاضری دی تو بھی پانی جوں کا توں تھا ذرا بھی کمی نہ ہوئی۔ حج سے فراغت پاکر واپس ہوا، جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گیا تو مجھے حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم تھوڑی دیر صبر کرتے تو وہی کنویں کا پانی تمہارے قدم چومتا یعنی وہ خود بخود تمہارے ہاں حاضر ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں جو مخلوق کو حق کی طرف صرف حق کے تحت دعوت دیتے ہیں دوسرے وہ بھی ہیں جو غیر حق کے لیے بلاتے ہیں۔ جب قلب پر غفلت کا غلبہ ہو تو ایسے شخص کی دعوت کوئی بھی قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا کوئی اثر ہوگا ان کی مثال اس شخص کی ہے جو پانی کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اس ارادہ پر کہ مخلوق اسے دیکھے کہ وہ پانی پیتا ہے وما ھو ببالغہ حالانکہ اس کا منہ حقیقت کے پانی کو نہیں پہنچا اور نہ ہی اسے حقیقت نصیب ہوتی ہے اگرچہ مخلوق کو صرف وہم ہو کہ یہ شخص حقیقت کا پانی پی رہا ہے اللہ تعالیٰ نے

Scanned with CamScanner

اہل ہوا اور اہلِ بدعت کے لیے یہ مثال دی ہے کہ یہ لوگ بھی مخلوق کو غیر اللہ کی دعوت دیتے ہیں اسی لیے حقیقۃً ان کی دعوت 14
باطل نا قابلِ قبول ہوتی ہے اگرچہ بظاہر ان کی کوئی بات قبول بھی ہوتی ہے تو وہ بھی ان کی گمراہی کے اضافہ کے لیے ہوتی ہے
چنانچہ فرمایا،

وما دعاء الکفرین الا فی ضلال ۔ اور کافروں کی دعا گمراہی میں ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ مخلوق کو خالق سے دور کر رہے ہیں۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سے

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کاین رہ کہ تو میروی بترکستانست

ترجمہ: اے اعرابی! مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہ ترکستان کو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ اور اللہ تعالیٰ کو حقیقی سجدہ کرتے ہیں۔ سجدہ بمعنے وضع الجبھۃ علی الارض (زمین پر پیشانی رکھنا) مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہے۔ یعنی ملائکہ اور انبیاء و اولیاء و مومنین میں سے اہلِ درجات کے ارواح وَالْاَرْضِ اور وہ جو زمینوں میں ہے۔ یعنی ملائکہ اور جن و انس۔ طَوْعًا حال ہے بمعنے طائعین یعنی دُکھ اور سکھ دونوں حالتوں میں خود بخود رضا و رغبت سے وَّكَرْهًا یہ بھی عطف کے لحاظ سے حال ہے بمعنے کارہین یعنی شدت اور ضرورت کی وجہ سے کافرین منافقین شیاطین اسی طرح کرتے ہیں۔

ف: بعض نے کہا طوعًا سے مراد وہ بچہ ہے جو دار الاسلام میں پیدا ہو۔ اور کرھًا وہ جو دار الحرب سے قید ہو کر آئے۔

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم سے قیامت میں بہت خوش ہو گا جنھیں بیڑیاں ڈال کر بہشت میں لایا جائے گا۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ بعض اہل جنت وہ بھی ہیں جنہیں بہشت میں داخل ہونے کا شوق نہیں ہو گا انھیں بجبر بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ وہ بہشت پر خدمتِ خلق اور عبادتِ حق کو ترجیح دیں گے۔ اس بنا پر ان کے گلے میں سونے کے طوق ڈال کر جبراً بہشت میں لایا جائے گا۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا: سے

نیست مارا غم طوبیٰ و تمنائے بہشت
شیوۂ مردم نا اہل بود ہمت پست

ترجمہ: ہمیں نہ طوبیٰ کا غم ہے نہ بہشت کی تمنا۔ نا اہل انسان کی ہمت پست ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

وَظِلٰلُهُمْ یہاں فعل محذوف ہے ای ویسجد یعنی آسمانوں اور زمینوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں یعنی صاحبِ سایہ کے ساتھ یہ بھی ساجد ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ یہاں معنٰے مجازی ہو یعنی اللہ تعالیٰ جو کچھ ان میں پیدا فرماتا ہے یہ تعمیلِ حکم کرتے ہیں یعنی سایہ والے تو طوعاً کرھاً سجدہ کرتے ہیں لیکن سائے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں سرِمُو کمی نہیں کرتے۔ وہ صرف حکمِ الٰہی کے پابند ہیں۔ انھیں گھٹانے بڑھانے، ایک جانب سے دوسری جانب لے جائے جو کچھ بھی کرے وہ ہر وقت اس کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ صبح اور شام کو غدو غداۃ کی جمع ہے بمعنے صبح سویرا۔ اور اصال اُصیل کی جمع بمعنے شام۔ زوالِ شمس سے غیوبت تک کو اہلِ عرب اصیل (شام) کہتے ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

اور الحواشی وغیرہ میں ہے کہ اصیل (شام) عصر و غروبِ شمس کے درمیانی وقت کا نام ہے اور بالغدو میں باء بمعنے فی ہے جو یسجد کی ظرف (کے متعلق) ہے۔ یعنی وہ ظلال وغیرہ انہی دو وقتوں میں سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن یہاں پر دوام مطلوب ہے اس لیے کہ ان کا سجدہ سے اگر حقیقی معنے مراد ہو یا مجازی' یعنی فرمانبرداری' ان دو وقتوں کا محتاج نہیں اور سب کو معلوم ہے کہ سایہ کا گھٹنا بڑھنا اور ایک جانب سے دوسری جانب مائل ہونا سورج کی رفتار پر ہے اور سورج کی رفتار میں دوام ہے البتہ ان دو وقتوں کو ذکر کرنے کی تخصیص صرف اتنا ہے کہ سائے دو وقتوں میں خصوصیت سے گھٹنے بڑھنے کی زد میں ہوتے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ظلالھم بمعنے نفوسھم اس لیے کہ نفوس ارواح کے ظلال (سائے) ہیں اور نفوس کا سجود طوعاً خود بخود۔ یعنی رضا و رغبت سے نہیں ہوتا اس لیے کہ نفس تو برائی کا خوگر ہے بلکہ برائی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے اور یہ اس کی طبعی عادت ہے۔ ہاں جب پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ رضا و رغبت سے سجدہ کرتا ہے اور نفوس کا سجدہ اگر ہے تو ارواح کے تابع ہونے کی حیثیت سے نہ بالاصالۃ۔ یہ معنٰی بھی ہوتا ہے کہ یسجد من فی السمٰوٰت میں سمٰوٰت القلوب مراد ہیں اور سمٰوٰت قلوب سے قلوب و ارواح و عقول کے صفات مقصود ہیں۔ یعنی قلوب و ارواح اور عقول کے صفات رضا و رغبت سے سجدہ کرتے ہیں اور ومن فی الارض سے ارض النفوس مراد ہے یعنی نفوس کے صفات حیوانیہ و سبعیہ و شیطانیہ رضا و رغبت سے سجدہ نہیں کرتے اس لیے کہ ان کی طبع سے سجود اور انقیاد (فرمانبرداری) ہے نہیں۔

نکتہ: بعض مشائخ کبار رحمھم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر حادث کا سایہ ہے اور اس کا سایہ ہر حال اللہ تعالیٰ کو ساجد ہوتا ہے۔ اگر سایہ والا اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ ہے تو اس کے ساتھ ہی ساجد ہوتا ہے۔ اگر وہ باغی اور نافرمان ہے تو اس کا سایہ اس کی طرف سے عبادتِ الٰہی بجالاتا ہے۔

لطیفہ: کاشفی نے لکھا کہ درحقیقت رضا و رغبت سے عبادت ہر اس سعادت مند کو نصیب ہوتی ہے جس کے دل کی زمین میں لطفِ ازل نے ایمان کا باغ لگایا ہو اور عبادت سے نفرت و کراہت اس بدبخت کو ہوتی ہے جس کے نفس نافرمان کی کھیتی میں قہرِ لایزال نے بیج ڈالا ہو۔ ؎

برآں زخمے کہ زندگیں بے نیازیست　　بریں مرہم نہد کیں دلنوازیست

ترجمہ: جو بے نیاز ہے وہ اس کا زخم کرتا ہے اور جو دلنواز ہے وہ زخموں پر مرہم لگاتا ہے۔

فائدہ برائے حافظ قرآن یہی آیت سجدہ کا مقام ہے۔ یعنی سجدۂ تلاوت قرآن کا یہ دوسرا سجدہ ہے۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتوحات مکیہ کے سفر سابع کے سجدۂ قرآنی کے ذکر میں فرمایا کہ اس کا نام سجود الظلال وسجود العالم ہے۔ اور فرمایا کہ بندے پر لازم ہے کہ اسی جگہ پر سجدہ کرے تاکہ حکم الٰہی کی عملی تصدیق ہو جائے۔

ف: سجدۂ تلاوت کے متعلق ہم نے سورۂ اعراف میں تفصیل لکھ دی ہے۔

مسئلہ: سجدۂ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر سجدہ ریز ہو جائے اور رخ قبلہ کی جانب ہو حمد و شکر اور تسبیح کرتا ہوا اللہ اکبر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب کوئی نعمت نصیب ہو تو سجدۂ شکر مستحب ہے۔ مثلاً لڑکے کی پیدائش پر، دشمن پر فتح ونصرت پر، دکھ درد رفع ہو جانے پر سجدۂ شکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سجدۂ شکر مکروہ ہے بلکہ جو سر جھکا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور صرف ایک سجدہ کرتا ہے جس کا کوئی سبب بھی نہیں تو ایک سجدہ حرام ہے۔ یہ زیادہ راجح ہے۔ (کذا قال النووی)

(صاحب روح البیان سجدۂ تعظیمی کی حرمت[1] میں تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:)

سجدۂ تعظیمی حرام ومن ھذا ما یفعلہ کثیر من الجھلۃ الضالین من السجود بین یدی المشائخ فان ذلک حرام قطعاً بکل حال سواء کان الی القبلۃ او لغیرھا وسواء قصد السجود للہ او غفل وفی بعض صورہ ما یقتضی الکفر۔ (کذا فی الفتح القریب) (اس میں سے ہے یہی سجدۂ تعظیم جو جاہل لوگ اپنے مشائخ کے سامنے کرتے ہیں قطعاً حرام اور ہر حال میں حرام ہے خواہ وہ سجدہ قبلہ کو ہو یا اس کے غیر کو خواہ اس میں سجدہ کی نیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو یا اس سے غافل۔ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ فرمائیے یا نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو مَنْ کون ہے رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا رب۔ یعنی ان کا خالق و مالک اور ان کے جملہ امور کا مالک کون ہے۔ قُلِ فرمائیے ان کے جواب میں اللّٰہُ اللہ ہے۔

سوال: سوال خود فرمایا اور جواب بھی خود دیا اس کا کیا مطلب۔

جواب: چونکہ کفار وغیرہ نے عناد وغیرہ سے کیا جواب دینا تھا آپ نے یہی جواب بطور اعلان کے بیان فرمایا کہ اس سوال کا سوائے اس کے اور کوئی جواب ہو سکتا ہی نہیں۔ اس لیے کہ وہ ایسا بیّن ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو سکتا

---

[1] یہی ہمارا مذہب ہے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے اس مسئلہ پر مستقل کتاب الموسوم "الزبدۃ الزکیہ" لکھی ہے۔ وہابی دیوبندی کا ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ مزاروں پر سجدہ کرتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

Scanned with CamScanner

ہی نہیں اور اس کا انہیں اعتراف بھی تھا۔ جیسا کہ دوسری آیات میں تصریح موجود ہے۔

قُلْ انہیں الزام دیتے ہوئے فرمائیے اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ہمزہ استفہام انکار کا اور فاء استبعاد کی ہے۔ یعنی جب تمہیں اقرار ہے اور یقیناً جانتے ہو کہ وہ تمام عالم کا صانع ہے تو پھر اس کے سوا دوسروں کو کیوں معبود مانتے ہو تمہارا یہ کام عقل وقیاس سے بہت دور ہے لَا يَمْلِكُوْنَ تمہارے وہ معبود (بت) مالک نہیں لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اپنے نفسوں کے لیے نفع اور نقصان کے یعنی وہ اپنے لیے بھی نفع کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنے سے نقصان دفع کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ جب وہ اپنی ذات کے نفع حاصل کرنے اور اپنے سے نقصان دفع کرنے سے عاجز بلکہ عاجز تر ہیں اور جو عاجز سے عاجز تر ہو وہ عبادت کا استحقاق کس طرح رکھ سکتا ہے اور کیسے اسے خدا کا شریک بنایا جا سکتا ہے۔ اس سے ان کی جہالت کا اظہار اور ان کی غباوت کی شہادت دینا مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ ان جیسا گمراہ جہان میں اور کوئی نہیں ہے

تفسیر صوفیانہ

قل من رب الٰہ فرمائیے کہ سمٰوات القلوب اور ارض النفوس کا مالک اور ان کے جملہ امور کا مدبر کون ہے اور ان میں اخلاق حمیدہ سے درجات جناں اور اخلاق ذمیمہ سے درکات نیران کی تدبیر کرتا ہے اور قلوب کا مشاہدۂ مقامات قرب اور شواہد حق میں اور نفس کی چراگاہیں شہوات دنیا اور منازل بُعد کس نے بنائی ہیں۔ قل اللہ آپ ہی اس سوال کا جواب دیجئے کہ اللہ کے لیے ہے اس لیے کہ غیروں کو اس منزل کا علم نہیں انہی غیروں سے فرمائیے افا تخذتم من دونہ اولیاء یعنی تم نے غیر اللہ یعنی شیاطین اور دنیا اور خواہشات نفسانی کو دوست بنا رکھا ہے لا یملکون لانفسہم دنیا وآخرت میں نہ وہ اپنے لیے نفع ونقصان کے مالک ہیں نہ تمہارے لیے، اس لیے کہ وہ مملوک ہیں اور مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اب مسئلہ کو تشبیہ وتمثیل کے طور سمجھایا جاتا ہے کہ فرمائیے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں یعنی جس طرح ظاہری طور آنکھ کی روشنی کے اعتبار سے دونوں برابر نہیں ایسے ہی وہ مشرک جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ثواب وعقاب سے ناواقف ہے اور نہ ہی اس کی قدرت کا اسے علم ہے وہ اس موحد مومن کی کس طرح برابری کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق امور مذکورہ کو نہ صرف جانتا بلکہ اس کا ان پر مضبوط عقیدہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ صوفیاء کے نزدیک اعمٰی وہ ہے جو غیر اللہ کو مالک ومتصرف فی الوجود مانے اور بصیر وہ ہے جو وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ مالک مانے اور نہ متصرف فی الوجود[1] نیز صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اعمٰی سے نفوس مراد ہیں اس لیے کہ انہیں غیر اللہ سے تعلق اور صرف غیر سے محبت رکھتے ہیں اور بصیر

---

[1] یہ وحدۃ الوجود کی اصطلاح کے مطابق ہے نہ کہ وہابیہ دیوبندیہ کی اصطلاح کے مطابق جو سراسر مبنی بر جہالت وحماقت ہے۔ ان دونوں اصطلاحوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ تفسیر لوسی کا مطالعہ کیجیے۔

Scanned with CamScanner

سے قلوب مراد ہیں اس لیے کہ ان کا تعلق صرف اللہ سے اور انھیں محبت بھی صرف اللہ تعالیٰ سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک اعمیٰ وہ ہے جو حق سے اندھا اور باطل کو آنکھوں میں جگہ دینے والا۔ اور بصیر وہ ہے جو باطل سے بے خبر اور حق پر نگاہ رکھنے والا ہو۔ نیز یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اعمیٰ وہ ہے جو ظلمات ہوئی سے دیکھے اور بصیر وہ ہے جو انوارِ مولیٰ سے دیکھے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ یہ جملہ بھی بطریق تمثیل و تشبیہ کے وارد ہوا۔ یعنی جیسے ظلمات اور نور برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی انکار اور شرک اور توحید و معرفت برابر نہیں ہو سکتے۔

نکتہ: ظلمات سے شرک اور نور سے توحید مراد ہے۔ ظلمات کو جمع لانے میں اشارہ ہے کہ شرک کئی طرح کا ہے۔ مثلاً نصاریٰ کا شرک، یہود کا شرک اور بت پرستوں کا شرک اور مجوسیوں کا شرک۔ اور توحید صرف ایک قسم ہے اس کے شرک کی طرح کئی اقسام نہیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ کیا ظلماتِ طبعیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ میں منہمک ہو کر زندگی بسر کرنے والا اور جمالِ مولیٰ کے بحرِ نور میں غوطے کھانے والا برابر ہو سکتے ہیں ان میں پہلا اندھے کی طرح ہے کہ ظلماتِ ملک کی وجہ سے ملکوت کو نہیں دیکھ سکتا۔ دوسرا البصیر کی طرح ہے کہ وہ دریا میں غوطے لگانے بلکہ اسی میں ایسا گم ہے کہ اسے پانی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح مستغرق باللہ۔ اہلِ بصیرت ولی کامل بھی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کسی کو نہیں دیکھتا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

عاشق اندر ظاہر و باطن نہ بیند غیر دوست
پیش اہل باطن ایں معنی کہ گفتم ظاہر ست

ترجمہ: عاشق ظاہر و باطن کی ہر شے میں صرف دوست کو دیکھتا ہے اور میری یہ تقریر اہلِ باطن کے سامنے ظاہر ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

تفسیر عالمانہ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ اس کے بعد بل اجعلوا محذوف ہے۔ اس معنیٰ پر ام منقطعہ ہے اور ہمزہ انکار کا بمعنے لم یکن ہے۔ یعنی کیا کافروں نے کوئی اللہ تعالیٰ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ یہ شرکاء کی صفت ہے اور یہ ہمزہ انکار کے حکم میں داخل ہے یعنی کافروں نے کوئی شریک بنا رکھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرح خالقیت کی صفت رکھتے ہوں فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ پس ان پر تخلیق متلبس ہو گئی ہے یعنی اب انھیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ان کے باطل معبودوں کی تخلیق میں مشابہت ہو گئی ہے جس سے یہ فرق نہیں کر سکتے اور پھر یہ کہیں کہ ان کے معبود بھی اللہ تعالیٰ کی طرح اشیاء کی تخلیق کی قدرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ لیکن وہ یعنی کافر خود معترف ہیں کہ ان کے معبود بالکل عاجز بلکہ عاجز تر ہیں اللہ تعالیٰ کی معمولی تخلیق جیسی تخلیق پر بھی

Scanned with CamScanner

کسی قسم کی طاقت اور قوت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ذلیل سے ذلیل، حقیر سے حقیر اور قلیل سے قلیل شئے کی تخلیق کی قدرت بھی انھیں حاصل نہیں چہ جائیکہ اس کے برابر کی تخلیق کا دم بھرا جائے قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فرمایئے اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے وہ اشیا اجسام ہوں یا اعراض اس کے سوا ان کا کوئی خالق نہیں۔ فلہٰذا تخلیقی معاملہ میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں تو عبادت کے استحقاق میں بھی اسے لاشریک ماننا ضروری اور واجب ہے اور تخلیق کو عبادت کا موجب بتایا۔ پھر ثابت فرمایا کہ تخلیق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے اور دوسرے کسی کو تخلیقی امر حاصل نہیں۔ اسی لیے عبادت کا بھی مستحق وہی ہے۔ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اور وہی واحد قہار ہے اس کے لیے فرمایا ہے کہ یہ قل کے امر میں داخل ہے یا جملہ مستانفہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے صفات بتاتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ متوحد بالالوہیۃ ہے اور ہر شے پہ غالب۔ اور اس کا ماسوا مقہور و مغلوب۔ اور اسی کے تابع حکم ہے اور کفار کے معبودان باطلہ بھی منجملہ اشیا کے ایک شے ہیں تو ان پر بھی اس کا غلبہ ہے۔ جب وہ اس کے غلبہ میں ہیں تو پھر اس کے شریک کیسے، اور کافروں کے مشکلکشا کیسے۔

؎

زرو خدمت چوں بنا موضع بباخت

شیر سنگین را شقی شیرے شناخت

ترجمہ: جب بدبخت نے خدمت کو اصلی مقام سے ضائع کیا اس کمینے نے شیر نر کو شیر سمجھ کر غلطی کھائی۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مدہ بلستوہ صورت عنان دل جامی

کہ ہست در پس ایں صورت آرای

ترجمہ: اے جامی اس ظاہری نقش و نگار کو دل کی باگ نہ دو اس لیے کہ اس صورت کے پس پردہ اور محبوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں واحد ہے اور اپنے ماسوا کے لیے قہار ہے یعنی وہ اشیاء کی تخلیق اور ان پر قہر و غلبہ کے لحاظ سے واحد اور لاشریک لہ ہے۔ مطلوبیۃ و محبوبیۃ میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لیے عارف اسی کا طالب ہے اور تمام اشیاء میں سوائے اس کے اور کسی کو نہیں دیکھتا۔

؎

شہود یار در اغیار مشرب جامیست

کدام غیر کہ لا شئ فی الوجود سواہ

ترجمہ: جامی کا مذہب یہ ہے کہ اغیار میں بھی یار کا جلوہ ہے یوں کہو کہ غیر ہے کون جبکہ وجود صرف اسی کا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک جماعت کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ جب ہماری مجلس کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ اسی جماعت میں کسی نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیاں اللہ تعالیٰ سے، اور برائیاں ہماری اپنی ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے برعکس فرماتے ہیں کہ نیکیاں اور برائیاں سب کی سب اللہ تعالیٰ سے ہیں۔ اس مسئلہ میں بعض لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سچا کہتے ہیں اور بعض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو۔ ہم اس فیصلہ کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارا وہی فیصلہ کرتا ہوں جو جبریل و میکائیل علیہم السلام کا فیصلہ اسرافیل علیہ السلام نے کیا۔ جبریل علیہ السلام ایسے کہتے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور میکائیل علیہ السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح کہتے ہیں۔ جب اہلِ سما، اختلاف کرتے ہیں تو زمین والے بھی اسی طرح اختلاف کرتے ہیں۔ جب ہم اختلاف کرتے ہیں تو ہمارا فیصلہ اسرافیل علیہ السلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ خیر و شر کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس میرا فیصلہ وہی ہے جو اسرافیل نے کیا اور فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو زمین پر کوئی بھی اس کی نافرمانی نہ کرتا، اور وہ سرے سے ابلیس کو پیدا ہی نہ فرماتا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے ملک میں کفر ضروری ہے آگ کسے جلاتی اگر ابولہب پیدا نہ ہوتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق الی الخیر اور فلاح و ارشاد کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اَنْزَلَ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً آسمان سے پانی کو، یعنی بارش آسمان سے بادل میں پھر بادل سے زمین پر اترتی ہے۔ اس میں ان فلاسفہ کا رد ہے جو اس گمان میں ہیں کہ بارش دریا سے لی جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے بارش زمین کے بخارات ہیں جو یہاں سے اوپر کو چلے جاتے ہیں اور ہوا سے جا کر ملتے ہیں وہاں ہوا کی ٹھنڈک سے مل کر بارش کی شکل میں نیچے کو اترتے ہیں۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے جس سے حیوانات کا رزق اترتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی بھیجتا ہے وہ اس کے حکم سے بارش نیچے والے آسمان پر اتارتا ہے پھر وہ آسمان نیچے والے آسمان کی طرف اتارتا ہے۔ اسی طرح وہ بارش آسمانِ دنیا میں اترتی ہے پھر اس سے

Scanned with CamScanner

بادل میں آتی ہے۔ بادل کو حکم ہوتا ہے اسے چھلنی سے نیچے زمین پر بارش کو برسائے۔ بارش کے ہر قطرہ کے ساتھ ایک فرشتہ
ہوتا ہے جو اسے مقام مقرر پر لاتا ہے اور ہر قطرہ خاص پیمانہ اور مخصوص وزن کے ساتھ زمین پر اترتا ہے۔ لیکن طوفانِ نوح
علیہ السلام میں پیمانہ اور وزن کے بغیر بارش ہوئی۔
یہ روایت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہے یہ اس سے زیادہ معتبر

فیصلہ از صاحب روح البیان دلیل ہے جو حکما و فلاسفہ کہتے ہیں کما لا یخفی۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ بارش
آسمان سے آتی ہے۔ وہ اسی مبادی کے اعتبار سے کہتے ہیں جب قرآن مجید بھی اس کی تصدیق کرتا ہے تو پھر اسے مجازی طرف
پھیر کر کہنا کہ یہ دریا کا پانی ہے یا بخارات ہیں۔ اس میں حقیقت سے منہ موڑنا ہے اور خواہ مخواہ مجاز کا سہارا لے کر حقیقت کے
ترک کے مترادف ہے اور حقیقت کا ترک کرنا نہایت نا موزوں ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے انّ اللہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔

فَسَالَتْ پس اس آسمان کی بارش کے پانی سے بہتی ہیں۔

ف: سیلان اور جریان کا ایک معنیٰ ہے۔ یعنی پس جاری ہو جاتی ہیں۔

اَوْدِيَةٌ یہ وادی کی جمع ہے جیسے نادی کی جمع اندیہ آتی ہے۔ وادی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی بکثرت
جاری ہوتا ہو یہاں پر نہریں مراد ہیں محل کا نام لے کر حال مراد لیا گیا ہے۔

نکتہ: اسے نکرہ اس لیے لایا گیا ہے کہ نہروں کے بعض مقامات پہ پانی چلتا ہے اور وہ بھی پے در پے یعنی ایک دوسرے کے
پیچھے سے چلتا ہے یکبارگی چل کر ختم نہیں ہو جاتا۔

بِقَدَرِهَا قدر (بفتح الدال وسکونہا) یہ اَودیہ کی صفت ہے یا سالت کے متعلق ہے اور ھا کی
ضمیر اودیہ کے مجازی معنے کی طرف راجع ہے۔ یعنی قدر بمعنے مقدار یعنی نہروں کا پانی ایک اندازے پر چلتا ہے اور اس کا
علم اللہ تعالیٰ کو ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ یہ بارش اس قدر ان کے لیے مفید ہے اور اس سے زائد ان کو نقصان دے گا۔
یعنی اس مقدار پر بارش ہوتی ہے جو انہیں نقصان نہ پہنچائے۔

سوال: بارش کے لیے نفع و ضرر کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا۔

جواب: چونکہ یہاں پر بارش کو حق کے لیے مثال دی گئی ہے اور حق نافع ہوتا ہے نہ ضرر رساں۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ وہ
بارش جو ضرر سے خالی اور خالص نفع کے لیے ہو اور نہ ہی وہ بارش جو سیلاب بن کر نقصان پہنچاتی ہے۔

ف: یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر وادی کے حقیقی معنے کی طرف راجع ہو تو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ پانی وادی کی مقدار پر چلتا ہے۔ یعنی
اگر وادی چھوٹی ہو تو پانی تھوڑا چلتا ہے اگر بڑی ہو تو زیادہ۔

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ پس اٹھاتا اور بلند کرتا ہے پانی کا سیلاب زَبَدًا اس خس و خاشاک کا نام ہے جو پانی کے
اوپر ہوتا ہے خواہ پانی میں جوش ہو یا نہ ہو اسے فارسی میں کف اور اردو میں جھاگ کہتے ہیں دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے

Scanned with CamScanner

جو اپنی ہم شکل سے پیدا ہو جیسے مکھن دودھ سے نکلتا ہے اسی لیے مکھن کو بھی عربی میں زبد کہتے ہیں۔ رابیاً پانی کے اوپر چڑھ کر
وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ، زبد مثلہ کی خبر مقدم ہے اور علیہ یوقدون کے متعلق ہے۔ الایقاد کسی شے کو
آگ کے نیچے رکھنا تاکہ وہ شے آگ سے پگھل جائے اور فی النار علیہ کی ضمیر سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض ان میں وہ چیزیں
ہیں جنھیں لوگ آگ پر رکھتے ہیں درانحالیکہ آگ سے پگھل کر بھی وہ اپنی حالت میں ثابت رہتی ہیں جیسے زمین کے جواہر یعنی معدنی اجساد
جو کل سات ہیں:

① سونا
② چاندی
③ لوہا
④ قلعی
⑤ چونا
⑥ پارہ
⑦ تانبہ

یہ وہ جواہر ہیں کہ آگ میں ڈالنے سے پگھل کر اپنی حقیقت پر باقی رہتے ہیں لیکن مٹتے نہیں۔
اِبْتِغَآءَ حِلْيَةٍ یہ مفعول لہ ہے یعنی زیب و زینت کے لیے زیورات تیار کرنا اس لیے کہ زینت کے لیے اکثر
زیورات سونے اور چاندی سے تیار ہوتے ہیں اَوْ مَتَاعٍ اس کا عطف حلیۃ پر ہے یعنی ہر وہ شے کہ جس سے نفع اٹھایا جائے۔
جیسے تانبہ، لوہا، سیسہ۔ انھیں آگ سے پگھلا کر برتن، جنگی اور زرعی آلات تیار کیے جاتے ہیں زَبَدٌ مِّثْلُهٗ مثلہ زبد کی
صفت ہے یعنی بعض اشیاء وہ ہیں کہ وہ پانی کی جھاگ کی طرح ان دوسری اشیاء کو پگھلانے کے وقت آجاتی ہیں جیسے لوہے کا
زنگ۔ اس معنیٰ پر من ابتدائیہ یا تبعیضیہ ہوگا اس وقت معنیٰ یہ ہوگا کہ ان اشیاء میں بعض پانی کی طرح ہوتے ہیں کَذٰلِكَ یہ محلاً
منصوب ہے یعنی مثل ذٰلك الضرب والبیان والتمثیل یعنی یہی کہاوت اور بیان اور تمثیل کی طرح يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ
وَالْبَاطِلَ اللہ تعالیٰ حق و باطل کی پہچان مثال دے کر سمجھاتا ہے یعنی حق کو ثبات اور نفع رساں پانی سے نفع اور ان دھاتوں
(جن سے منافع حاصل کیا جاتا ہے کہ ان سے زیورات اور دیگر مختلف آلات وغیرہ تیار ہوتے ہیں) سے تشبیہ دی جاتی ہے
اور باطل کو سرعت زوال اور قلت نفع والی اشیاء، جیسے پانی کی بیکار جھاگ۔ اسی طرح لوہے وغیرہ کا زنگ (جسے بیکار سمجھ کر
پھینک دیا جاتا ہے) سے تشبیہ دی ہے۔ اس لیے کہ وہ جھاگ اگرچہ پانی کے اوپر ہوتی ہے۔ لیکن چند لمحات کے بعد مٹ جاتی ہے
ایسے ہی باطل اگرچہ بعض اوقات حق پر غلبہ پا بھی جائے تو بالآخر وہ مٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے فنا اور برباد کر دیتا ہے
پھر دائمی بقا اور ہمیشہ کا غلبہ صرف حق کو حاصل ہوتا ہے اور اہل باطل کا نام و نشان ختم ہو جاتا ہے لیکن اہل حق کا نام صفحۂ ہستی پہ

Scanned with CamScanner

ہمیشہ دوشن رہتا ہے۔ عربی کا ایک بہت مشہور مقولہ ہے:

الحق دولة والباطل صولة۔

(حق دائمی دولت اور باطل فانی ہے)

حضرت حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

سحر با معجزہ پہلو نزند ایمن باش

سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

ترجمہ: سحر (جادو) معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سامری کون لگتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا سے صف آرائی کرے۔

ف: اس مضمون میں شے کا بیکار اور باطل سمجھ کر پھینکا جانا اور ثابت و مقبول و نافع رہنا وجہ تشبیہ ہے۔ چنانچہ اس کی تشریح خود فرمائی۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ بہرحال جھاگ اور دھات کی میل۔

سوال: زبد کی تفصیل پہلے کیوں حالانکہ قبل ازیں یہ بعد کو مذکور ہوئی۔

جواب: جس زبد کا اب ذکر ہوگا اس کا وجود استمراری ہے اس لیے کہ یہ ختم ہونے پر بھی باقی رہتی ہے۔

فَیَذْهَبُ جُفَآءً قاموس میں ہے کہ الجفاء جیسے غراب بمعنے باطل۔ یہ یذھب کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ جھاگ بیکار سمجھ کر پھینک دی جاتی ہے وَاَمَّا یَنْفَعُ النَّاسَ اور وہ شے جیسے پانی کی جھاگ اور دھات کا خلاصہ (نچوڑ) لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ تو وہ ٹھہر جاتی ہے یعنی باقی رہ جاتی ہے وہ بالکل ختم نہیں ہو جاتی۔ اس کی بقاء سے لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے باقی اس کا پانی اس کے بعض سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور بعض زمین میں جذب ہو کر چشموں اور گڑھوں اور کنوؤں میں داخل ہو جاتا ہے اور دھات کے جملہ اقسام سے تو عرصہ دراز تک فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔ کَذٰلِکَ اسی طرح، یعنی جیسا کہ مذکورہ مثال بیان کی گئی ہے یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے یعنی مشتبہات کو مثالوں کے ذریعے سمجھاتا ہے۔

ف: المثل وہ قول جو لوگوں میں عام مروج ہو التمثیل اس سے قوی تر ہوتی ہے۔ صرف جاہل غبی کے سمجھانے کے لیے مثالیں اور کہاوتیں بیان کی جاتی ہیں یا یوں سمجھیے کہ ایک غیر مانوس بات کو مانوس بنا کر عوام کے ذہن میں بٹھانے کا نام مثل یا تمثیل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بعض مفسرین کے نزدیک مثل مذکور میں ماء سے قرآن مجید جو کہ اہلِ دل کے قلوب کے لیے حیات ابدی ہے اور اودیة سے اہل ایمان کے قلوب مراد ہیں اس لیے کہ اہل اللہ کے قلوب ہی قرآن مجید سے فیوض و برکات

حاصل کرتے ہیں۔ زبد سے نفسانی غلط خیالات اور وساوس شیطانی مراد ہیں۔

فائدہ صوفیانہ

تفسیر ابو اللیث میں ہے باطل کو زبد سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی گند سے دل اپنی غلط خواہشات کی مقدار پر بہت بڑے باطل کو اٹھاتے ہیں۔ جیسے سیلاب تمام گندگیاں اور خس وخاشاک کو جمع کرکے اپنے اندر رکھتا ہے ایسے ہی گند سے دل کی خواہشات بھی ہر باطل کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہیں۔ پھر جیسے زبد کا کوئی وزن نہیں ہوتا ایسے ہی ہر باطل ثواب سے خالی ہوتا ہے اور اہلِ ایمان اپنے ایمان وایقان سے آخرت میں نفع پائیں گے جیسے دُنیا میں پانی سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور کفروشرک کا نہ دنیا میں فائدہ ہے نہ آخرت میں۔

تفسیر صوفیانہ کی تقاریر

○ وانزل من السماء یعنی قلوب کے آسمان سے نازل فرمایا ماء محبت کا پانی فسالت اودیة پس نفوس کی نہریں جاری ہو پڑیں بقدرها فاحتمل السیل زبداً رابیا۔ اس سے اخلاق ذمیمہ نفسانیہ اور صفاتِ بہیمیہ حیوانیہ مراد ہیں۔

○ اور نازل کیا یعنی ارواح کے آسمان سے انوارِ جمال کے مشاہدات کا پانی اتارا فسالت اودیة پس قلوب کی نہروں سے بہہ نکلا بقدرها فاحتمل السیل زبداً رابیا اس سے روحانیت کی انانیت مراد ہے۔

○ وانزل من السماء سے سماء جبروت اور ماء سے صفتِ الوہیت کی تجلی مراد ہے فسالت اودیة میں اودیة سے اسرار مراد ہیں بقدرها فاحتمل السیل زبدا میں زبد سے وجود مجازی مراد ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را گلیم

ترجمہ: جب اوصاف قدیم تجلی فرماتے ہیں تو وصف حادث کے تمام ساز وسامان کو جلا کر راکھ بنا دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ یہ خبر مقدم ہے اس کا مبتدا الْحُسْنٰی ہے۔ یعنی جو لوگ اپنے رب تعالیٰ کے احکام کے مطابق دُنیا میں نیک عمل کرتے ہیں تو انھیں آخرت میں بہتر ثواب ملے گا۔

الحسنیٰ سے بہشت مراد ہے۔

نکتہ: بہشت کو الحسنیٰ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ بہشت حسن وجمال پر مشتمل ہے اس لیے کہ یہ جمال صفاتی کے آثار سے ہے اور احسن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کا حسن ذاتی ہے کسی سے حاصل کردہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ الحسنیٰ کا حقیقی داعی اللہ تعالیٰ خود ہے اور دعوتِ الٰہیہ کو قبول کرنے والے اہلِ ایمان ہیں اور بہشت اور اس کی تمام نعمتیں مومن کی مہمانی ہیں۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ حق میں عرض کیا:
اللھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذبک من النار وما قرب الیھا من قول وعمل۔

(اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے بہشت اور وہ قول، عمل مانگتا ہوں جو بہشت میں جانے کا موجب ہیں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور ان اعمال سے جو دوزخ میں جانے کا سبب ہوں)

ف: مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا عاشق ہے اسے بہشت کا سوال کرنا چاہیے اس لیے کہ بہشت میں ہی اس کا دیدار نصیب ہو گا۔ اس سے واضح ہوا کہ بہشت اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا مقام ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں رہتا ہے اس لیے کہ بہشت کو دیکھنے والے کے لیے دیدار کا مقام بنایا گیا ہے اس سے کب لازم آتا ہے کہ جس ذات کو دیکھا جائیگا اس کا اسی مکان میں ہونا ضروری ہے۔ دیکھنے والے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دیکھی ہوئی شے کو جہت و مکان میں دیکھے خواہ وہ دُنیا میں ہو یا آخرت میں۔ کیونکہ وہ جہت اور مکان کا محتاج ہے اور جس ذات کو دیکھا جائے گا وہ جہت و مکان کی محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کی رؤیت کے لیے ہمارے آگے سے نقاب اُٹھ جائے اور حجابات دُور ہو جائیں تو بھی اس کے منزہ اور مطلق ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا اسی طرح جیسے ہم اسے بہشت میں دیکھیں گے تو وہاں بھی جہت و مکان ہمارے لیے ہو گا اس کے لیے جہت و مکان کا ہونا ضروری نہیں اس کی ایک اور دلیل بھی ہے وہ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ اس سے کسی نے نہیں کہا کہ یہ دُنیا رؤیت باری تعالیٰ کے لیے ظرف ہے اس لیے کہ وہ تو ازل سے ابد تک منزہ و مطلق ہے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ فقہاء کا یہ قول نہایت ضعیف ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اگر کہے کہ میں بہشت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھوں گا تو وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ اس عقیدہ کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مکان ضروری ہے اور بہشت اس کا مکان ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس طرح کہنا کفر نہیں اس لیے کہ فقہاء کرام مانتے ہیں کہ اگر کوئی جمع کے صیغہ کے ساتھ کہے تو بالاتفاق کافر نہیں مثلاً کہے، نری اللہ فی الجنۃ۔

س

مجرد باش ز اطلاق و تقیید
اگر جلباب ہستی را کنی شق

ترجمہ: وہ ذات اطلاق و قید سے پاک ہے اگرچہ اس سے جتنے ہی پردے اٹھاتے جاؤ وہ ہر مرتبہ میں مطلق علی الاطلاق ہے۔

وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ مانا۔ اس سے کافر مراد ہیں جو

اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہوئے۔ یہ مبتدا ہے اس کی خبر لَوْ اَنَّ لَهُمْ ہے یعنی اگر ان کے لیے ہو مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وہ جو سب کا سب زمین میں ہے یعنی جو اشیاء زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے یا زمین کی جن اشیاء سے نفع حاصل یا ضائع کیا جاتا ہے یہ سب اسی کا ذکر دی جائیں وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اور اس جیسا اس کے ساتھ اور یعنی ان اشیاء کو دوہرا کر کے اسے دی جائیں۔ یعنی قیامت میں زمین کی ان تمام اشیاء کا انھیں مالک بنا دیا جائے لَافْتَدَوْا بِهٖ وہ ان تمام اشیا کو بطور فدیہ اپنے نفوس کو جہنم سے بچانے کے لیے خرچ کریں تو بھی ان سے قبول نہیں ہوگا۔

نکتہ: صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھے اور دنیا کا ایک نشہ تھا جو ان کے دل و دماغ پر اثر انداز تھا جس کی وجہ سے وہ سب کچھ دنیا کو ہی سمجھتے تھے لیکن موت کے بعد جب نشہ او رخمار دور ہوا تو دنیا ان کی نظروں میں حقیر اور لاشئی نظر آئی اور اس کے اندر تمام اشیاء انھیں معمولی محسوس ہوئیں تو اب چاہنے لگے کہ اگر اس دنیا و مافیہا پر قادر ہو جائیں تو اسے بدلہ دے کر اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے چھڑا لیں لیکن اس وقت ان کے ہاتھ میں نہ درہم نہ دینار اور نہ ہی کسی قسم کی طاقت و قدرت حاصل ہوگی اس لیے وہ جتنی آرزو اور تمنا کریں گے اس وقت ان بدبختوں کا نہ بدلہ قبول ہوگا اور نہ اللہ تعالیٰ راضی ہوگا نہ درہم و دینا کہ جس سے ان کی جان خلاصی ہو سکے۔ ؎

مدہ براحت فانی حیات باقی را

بحنت دو سہ روز از غم ابد بگریز

ترجمہ: حیات باقی کو دنیائے فانی میں ضائع نہ کرو، دو تین دنوں کی تکلیف کو سر پر رکھ لو اس سے گھبراؤ نہیں۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہے سُوْٓءُ الْحِسَابِ برا حساب۔ یعنی قیامت میں بندے سے گزشتہ زندگی کا حساب لیا جائے گا اس کی برائیوں کا نتیجہ اگر یہ نکلے کہ اس کی بخشش نہ ہو سکے تو اسے سخت سزا میں مبتلا کیا جائے گا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ قیامت میں جس کا حساب لیا جائے تو سمجھو کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ بی بی فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: قرآن مجید میں ہے فسوف یحاسب حسابًا یسیرا۔ (ان سے عنقریب آسان حساب لیا جائے گا) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے حساب کی حاضری مراد ہے ورنہ جو حساب کے لیے مکمل طور حاضر کیا گیا اس کے لیے ہلاکت اور تباہی ہوگی۔

ف: المناقشہ جو حدیث شریف میں واقع ہوا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بندے سے ذرے ذرے کا حساب ہوگا کہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی باقی نہ رہ جائے اور کہا جاتا ہے: ناقشہ الحساب۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی

Scanned with CamScanner

جانے۔

حساب لینے میں سختی کرے اور اس سے ذرہ ذرہ کا حساب لے کہ معمولی شئے بھی باقی نہ رہ جائے۔

ف: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا حساب شروع ہو جائے اور اس کے حساب میں معمولی طور بھی چشم پوشی اور نرمی نہ کی جائے تو سمجھو کہ ایسا بندہ ہلاک و تباہ ہو کر جہنم میں جائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ شرک کے سوا جس کے جملہ گناہ چاہے بخش دے وہ مالک و مختار ہے۔

مسئلہ: یہ اس کے لیے ہوگا جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ نہیں کیا تو اس کے ہر صغیرہ و کبیرہ کا اور جو دنیا میں اپنے گناہوں سے توبہ کرے اپنے نفس کا ہر وقت محاسبہ کرے تو اس کے حساب میں سختی نہیں کی جائے گی۔ (کذا فی الفتح القریب)

شعر

زیزد خدا آب روے کسے

کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر اس بندے کی بے عزتی نہیں کرے گا جو گناہ کرکے آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے یعنی گناہ کرکے شرمسار ہو کر تائب ہوتا ہے۔

وَمَأْوٰهُمْ اور حساب لینے کے بعد ان کا ٹھکانا جَهَنَّمُ جہنم ہے۔

سوال: وماوٰہم النار کیوں نہ فرمایا؟

جواب ۱: لفظ جہنم میں ہولناکی ہے بندے کو ڈرانے دھمکانے کے لیے کہا گیا ہے۔

جواب ۲: ممکن ہے جہنم نار سے سخت تر ہو اور اسے سخت تر عذاب میں مبتلا کرنا مطلوب ہو۔ اسی لیے ماوٰہم النار کے بجائے ماوٰہم جہنم فرمایا ہے۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے:

بئر جہنم بعیدۃ القعر۔ (جہنم کا گہرا گڑھا ہے)

ف: جہنم معرب ہے۔ فارسی میں "چہنم" "چہا" بمعنے پانی کا گہرا کنواں۔ اسے عربی میں جہنم کہا گیا۔

وَبِئْسَ الْمِهَادُ جہنم بہت بڑی گندی جگہ ہے۔ مِهَادُ بمعنے الممھود المبسوط (بستر بچھا ہوا) مثلاً کہا جاتا ہے:

مہدت الفراش مہداً۔

یعنی میں نے بستر بچھایا۔ لیکن یہاں مطلقاً بمعنے مستقر (قرارگاہ) مراد ہے۔ یعنی ٹھہرنے کی بدترین جگہ دوزخ ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: جب سے

وہ دوزخ پیدا ہوئی ہے اس وقت سے انھوں نے ہنسنا بند کر دیا ہے۔ یعنی وہ دوزخ کے ڈر سے نہیں ہنستے۔ (رواہ احمد)

حدیث شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: یا اللہ! تُو نے اپنی مخلوق پیدا فرما کر اسے پالا پھر انھیں جہنم میں بھی داخل کرے گا۔ کیا کوئی اپنے پروردہ کو خود جلاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مستفیدے اعجمی شد آں کلیم
تا عجمیاں را کند زیں سر علیم

ترجمہ: وہ کلیم استفادہ کے طور بولے تاکہ نہ بولنے والوں کو اس راز سے آگاہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: آپ کھیتی بوئیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی بوئی اسے پانی دیا پھر بڑی ہوئی تو اسے کاٹا اور صاف ستھرا کرنے کے لیے گاہیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکمیل کے بعد پوچھا: اے موسیٰ علیہ السلام! تم نے اپنی کھیتی سے کیا کیا۔ عرض کی میں نے اس کی تکمیل کے بعد اسے کاٹا اور اس کے ایک پودے کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کچھ تو چھوڑ دیا ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: صرف وہ پودے چھوڑ دیئے جن میں کوئی فائدہ نہ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسی طرح جہنم میں بھی میں ان لوگوں کو داخل کروں گا جن کو کوئی خیر نہیں ہوگی اور وہ جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے گھبراتے تھے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چونکہ موسیٰ کشت و شد کشتش تمام
خوشہایش یافت خوبی و نظام

۲ داس بگرفت و مران را می برید
پس ندا از غیب در گوشش رسید

۳ کہ چرا کشتی کنی و پروری
چوں کمالے یافت آنرا می بری

۴ گفت یارب زاں کنم ویران و پست
کہ درینجا دانہ ہست و کاہ ہست

۵ دانہ لائق نیست در انبار کاہ
کاہ در انبار گندم ہم تباہ

۶ نیست حکمت ایں دو را آمیختن
فرق واجب می کند در بیختن

Scanned with CamScanner

۷ گفت ایں دانش تو از کہ یافتی

کہ بدانش بیدری بر ساختی

۸ گفت تمییزم دادی اے خدا

گفت پس تمییز چوں نبود مرا

۹ در خلائق روحہائے پاک ہست

روحہائے تیرہ و گلناک ہست

۱۰ ایں صدفہا نیست در یک مرتبہ

در یکے در است و در دیگر شبہ

۱۱ واجبست اظہار ایں نیک و تباہ

ہمچنا کاظہار گندم ہا ز کاہ

ترجمہ ۱۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی بوئی اور آپ کی کھیتی مکمل ہوگئی اور آپ کی کھیتی کا اناج بہتر سے بہتر ہوگیا۔

۲۔ درانتی لی اور کھیتی کر کاٹنا اس کے بعد آپ کے کان میں غیب سے ندا پہنچی۔

۳۔ کہ آپ نے کھیتی پر اتنا عرصہ محنت کی اور دُکھ اٹھایا لیکن جب وہ کامل ہوگئی تو پھر اسے کاٹ ڈالا۔

۴۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کہ میں نے اس کے تمام کو کاٹا لیکن اسے چھوڑ دیا جو بیکار تھا۔

۵۔ دانہ تو بیکار اور ویران میں چھوڑنا اچھا نہیں اور تباہی و بربادی کے لائق نہیں۔

۶۔ حکمت کے بھی خلاف ہے کہ گھاس پھوس دانہ کے ساتھ ملا جلا رہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ فرق تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ اچھا ہے اور یہ بُرا۔

۸۔ عرض کی یا اللہ! یہ تمیز تُونے ہی دی ہے اور تیری دی ہوئی قدرت علمی سے میں نے فائدہ اٹھایا۔

۹۔ مخلوق میں ارواح پاک ہیں بعض رُوحیں تاریک اور سیاہ ہیں۔

۱۰۔ صدف ایک مرتبہ میں نہیں ہیں اس لیے کہ بعض میں کوڑی اور بعض میں موتی۔

۱۱۔ اس لیے نیک اور برے میں فرق ضروری ہے۔ جیسے گھاس اور دانے کے درمیان فرق ضروری ہے۔

Scanned with CamScanner

15 أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا
الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ
صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَ
يَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ
صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ
بِمَا صَبَرْتُمْ ۚ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ
بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۙ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝

ترجمہ: بھلا کیا وہ جسے معلوم ہے کہ جو کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اتارا گیا حق ہے اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے بیشک عقل والے ہی نصیحت مانتے ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرتے اور قول باندھ کر نہیں توڑتے اور وہ لوگ جو کہ جوڑتے ہیں اسے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے اور حساب کی برائی کا خوف رکھتے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے رضائے الٰہی کی طلب کی وجہ سے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے سے چھپ کر اور ظاہر خرچ کیا اور برائی کے بدلے بھلائی کر کے ٹالتے ہیں انہی کے لیے پچھلے گھر کا انجام بہتر ہے۔ ہمیشگی کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو بھی ہوگا اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہو کر کہیں گے تم پر سلامتی ہو یہ بدلا اس کا جو تم نے صبر کیا تو تمہیں پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا عہد پختہ ہونے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے جوڑ اسے وہ کاٹتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں یہی ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور ان کا نصیبہ برا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ (اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق، تنگ کرتا ہے اور کافر حیات دنیا پر اترا گئے اور نہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بالمقابل مگر معمولی سا عارضی سامان۔

تفسیر عالمانہ

أَفَمَنْ يَعْلَمُ کیا وہ جانتا ہے أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ کہ رب تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تمہارے ہاں نازل کیا گیا ہے الْحَقُّ حق اور درست ہے یعنی وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ

Scanned with CamScanner

قرآن جو اللہ تعالیٰ سے نازل ہوا ہے حق ہے اس سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب یا حضرت عمار رضی اللہ عنہما مراد ہیں کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی مثل اس کے ہے جس کا دل اندھا ہے جس سے وہ قرآن مجید کی حقانیت کا انکار کرتا ہے۔ اس سے ابوجہل وغیرہ مراد ہیں یعنی حق کو دیکھ کر اس کی اتباع کرنے والا اور حق نہ دیکھنے والا اور نہ اس کی اتباع کرنے والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ عام ہے جس زمانے میں ایسے آدمی ہوں ان پر یہی مثال صادق آئے گی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ در سرور و در کشیدہ چادرے
رو نہاں کردہ ز چشمت دلبرے

۲ شاہنامہ یا کلیلہ پیش تو
ہمچناں باشد کہ قرآن از عتو

۳ فرق آنگہ باشد از حق و مجاز
کہ کند کحل عنایت چشم باز

۴ ورنہ پشک و مشک پیش اخشمی
ہر دو یکسانست چوں نبود شمی

۵ گفت یزداں کہ ترا ہم ینظرون
نقش حمامند ہم لا یبصرون

ترجمہ : ۱۔ خوشی سے چادر تنی ہوئی ہے تجھ سے محبوب نے پردہ کیا ہوا ہے۔
۲ تیرے سامنے شاہنامہ اور کلیلہ ایسے ہے جیسے قرآن مجید سرکش کافر کے سامنے۔
۳۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عنایت باری تعالیٰ ہی حق و مجاز میں فرق ظاہر کرتی ہے۔
۴۔ ورنہ خرابی والے کے لیے مشک اور بدبو برابر ہے جیسے ناک بند ہو تو خوشبو کیا آئے گی۔
۵۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تراھم ینظرون اور حمام کا نقش ہیں وہ کچھ دیکھ بھی نہیں سکتے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی قرآن کی نصیحت صرف وہی قبول کر کے عمل کرتے ہیں جو عاقل ہیں، یعنی جن کے عقول و افہام ہر وہم و گمان سے پاک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اولوا الالباب سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے عقول آفات حواس اور وہم و خیال کی خرابی سے صاف ستھرے اور انوار جلال و جمال سے مؤید ہیں۔

سبق ، طالب حق پر لازم ہے کہ تزکیہ کر کے تفکر کرے پھر تذکر۔

Scanned with CamScanner

ف ، تفکر و تذکر میں فرق یہ ہے کہ تذکر تفکر سے اعلیٰ مرتبے پر ہے اس لیے کہ تفکر صرف طلب کا نام ہے اور تذکر عین وجود کو کہتے ہیں۔ یعنی تفکر اس وقت کرنا پڑتا ہے جب قلب پر صفاتِ نفسانیہ کے حجابات آجائیں ان سے مطلوب کو نہ پانے پر تفکر کرکے بصیرت کو بیدار کیا جاتا ہے تاکہ مطلوب کی تلاش کرے اور حجاب اٹھ جانے اور خلاصہ انسانیہ کے صفات نفس کی گندگیوں سے صاف ہونے اور فطرتِ اوّل کی طرف رجوع کرنے کا نام تذکر ہے۔ جب سالک اس مرتبہ کو پہنچتا ہے تو اسے بھولے ہوئے معارف و توحید کے اسباق یاد آجاتے ہیں جو ازل میں سے اس کے دل پر منقوش ہونے تھے لیکن اسے یاد نہ رہے۔

ف ، حیات الارواح میں ہے کہ تذکر صرف اس ذی ہوش کو نصیب ہوتا ہے جو دنیا کے حجابات سے پاک اور صاف ہو۔

کما قال تعالیٰ :

انما یتذکر اولوا الالباب۔

اور نسیان انہی حجابات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کما قال :

ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی۔

اور ہم نے آدم علیہ السلام سے اس سے پہلے معاہدہ لیا تو وہ بھول گئے۔

نکتہ : احکامِ شرعیہ کا اجرا اس لیے ہے کہ دل سے دنیا کے حجابات دور ہوں اور وہ پردے جو انسان کو دنیوی معاملات سے ڈھانپ لیتے ہیں وہ انہی شرعی امور پر عمل کرنے سے دفع ہوتے ہیں۔

اعضا جن پر شرعی تکلیف کا اجراء ہوتا ہے وہ آٹھ ہیں :

اعضاءِ مکلفہ کتنے ہیں

- آنکھ
- کان
- زبان
- ہاتھ
- پیٹ
- فرج
- پاؤں
- قلب

یہ تمام اعضاء افعال شرعیہ و امورِ تکلیفیہ کے لیے مامور ہیں اور ہر عضو کو اس کے اپنے مخصوص حکم سے خاص کیا گیا ہے۔

ف ، وہ افعال جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے وہ نماز روزہ اسی طرح کے اور اعمال صالحہ اور ان میں بعض امور ایسے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے جیسے خودکشی یعنی اپنے آپ کو چھری وغیرہ سے قتل کرنا۔ اور اسی طرح اور امور اور ان میں بعض امور وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے نہ تعریف فرمائی ہے نہ مذمت۔ جیسے امورِ مباح ، ان میں بعض امور وہ ہیں جو صرف اپنے لیے جائز ہیں جیسے اپنے ستر وغیرہ کو بوقت ضرورت دیکھنا۔ ان میں بعض امور وہ ہیں جو غیر سے تعلق رکھتے ہیں انہیں اپنے لیے استعمال کرنا مشروط بشرائط جائز ہے وہ افعال آٹھ ہیں :

- مال
- اولاد

Scanned with CamScanner

- ○ زوجہ
- ○ بہیمہ (جانور)
- ○ مزدور
- ○ ملک الیمین
- ○ ہمسایہ
- ○ برادر حقیقی وغیرہ

اَلَّذِیْنَ یہ تمام اسمائے موصولات اپنے صلات سے مل کر مبتدا ہیں ان کی خبر اولٰئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّار ہے۔
یُوْفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ عہد اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی وہ معاہدہ جو ازل میں انہوں نے اپنے ذمہ لیا مثلاً اپنے مومن ہونے کی شہادت اور رب تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار۔ مثلاً کہا: شہدنا الخ یعنی وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیے ہوئے ازل کے میثاق کو پورا کرتے ہیں۔ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو توڑتے نہیں ہیں اسی طرح ان کے آپس میں کیے ہوئے وعدوں کو بھی پورا کرتے ہیں یہ تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ امر اللہ کا مفعول اول محذوف ہے دراصل ما امرھم بہ الخ تھا اور ان یوصل بہ کی ضمیر مجرور سے بدل ہے یعنی وہ لوگ ملاتے ہیں اسے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا ہے۔

مسائل فقہیہ

آیت میں چند امور مندرج ہیں:
صلہ رحم کے مسئلے میں اختلاف ہے کہ صلہ رحمی کیا ہے اور کن رشتہ داریوں کی صلہ رحمی واجب ہے۔

○ ہر وہ رشتہ دار کہ ان میں ایک کو مذکر اور دوسرے کو مونث قرار دیا جائے ان کا آپس میں نکاح حرام ہو، ایسی رشتہ داریوں کی صلہ رحمی واجب ہے۔ اس قاعدہ پر چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد صلہ رحمی کے حکم میں داخل نہیں۔

○ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہر رشتہ دار کو عام ہے اس سے نکاح جائز ہو یا نہ، وہ وراثت کا حق رکھتا ہو یا نہ، یہی قول مبنی بر صواب ہے۔ اور امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہی اصح ہے۔

مسئلہ: محرم وہ ہے جس سے ہمیشہ تک نکاح حرام ہو بوجہ اس کی عزت و احترام کے۔

ف: ہمیشہ کی قید اس لیے کہ بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک مدت کے بعد حلال ہو جاتے ہیں، جیسے زوجہ کی بہن یعنی سالی، زوجہ کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد۔

ف: ہم نے بوجہ عزت و احترام قید اس لیے لگائی ہے کہ جو بوجہ ملاعنہ کے نکاح ناجائز ہے وہ بوجہ حرمت کے نہیں بلکہ تغلیظاً ہے۔

مسئلہ: قطع رحم حرام اور ایسے رشتہ داروں سے کرم و احسان واجب ہے۔

مسئلہ: صلہ رحمی کا مطلب یہ ہے کہ ایسے رشتہ داروں کی ملاقات اور انہیں ہدیہ و تحفہ بھیجنا اور قول و فعل میں ان کی مدد کرنا اور انہیں مجہول نہ جاننا اور کم از کم انہیں السلام علیکم کہنا یا غائبانہ دوسرے کے ذریعے سلام بھیجنا۔ ان کے ساتھ خط و کتابت جاری رکھنا اور اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں اور نہ شریعت مطہرہ نے کوئی تعیین فرمائی ہے۔ یہ عرف و عادت

Scanned with CamScanner

کے مطابق ہوگا۔ (کذا فی شرح الطریقۃ)

ف: صلہ رحمی سے رزق میں برکت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ صلہ رحمی کی کمی میں بددعا بھی جلد اثر رکھتی ہے۔ مثلاً ماں باپ کے نافرمان کو زیادہ دیر مہلت نہیں دی جاتی۔ یعنی اسے جلد تر ہلاک و تباہ کیا جاتا ہے یا سخت سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے اور جس جگہ قاطع رحم (یعنی رشتہ داری کے شرعی حقوق ادا نہ کرنے والا) ہو وہاں رحمت کے فرشتوں کا نزول نہیں ہوتا۔

عقیدہ: تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا فرض ہے۔ بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ بھی ان یوصل بہ کے خلاف ہے۔

مسئلہ: اہلِ ایمان سے پیار و محبت بہترین مستحبات سے ہے رشتہ داروں کی ملاقات اور اولیاء صلحاء نیک لوگوں کی زیارت کرنا اور ہمسائیگان کے پاس آمد و رفت اور دوستوں سے اور قریبی رشتہ داروں سے ملنا اور ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ لطف و احسان بھی صلہ رحمی کے حکم میں ہے۔

ف: اس کے متعلق کوئی ضابطہ یا قاعدہ کلیہ نہیں اس لیے کہ مذکورہ بالا صاحبان کی حیثیات و احوال اور مراتب مختلف ہوتے ہیں ان میں بعض بالکل فارغ البال ہوتے ہیں اور بعض کو بالکل فراغت ہوتی ہی نہیں۔ اسی لیے ہر ایک کی حیثیت اور فراغت اور احوال و مراتب کا خود خیال رکھ کر زیارت و ملاقات کا پروگرام بنانا چاہیے۔

مسئلہ: زیارت یا ملاقات ان لوگوں کی کرنی چاہیے جو تمہاری ملاقات سے کراہت نہ کرتے ہوں اور ایسے وقت میں کرنی چاہیے جس وقت وہ اپنے ملاقاتیوں سے خوش ہوتے ہوں۔

مسئلہ: جنہیں تمہاری زیارت یا ملاقات سے راحت و سرور حاصل ہوتا ہے ان کی زیارت اور ملاقات کے لیے زیادہ سے زیادہ جانا چاہیے۔ اگر تمہارے ساتھ زیادہ تر بیٹھنے کو چاہتے ہوں تو اگر شرع مانع نہ ہو تو ان کے ساتھ زیادہ دیر تک بیٹھیں۔

مسئلہ: اگر کوئی عبادت یا کسی دوسرے امر دینی یا دنیوی کام میں مشغول ہو اور وہ تمہاری ملاقات و زیارت کو نہ چاہے یا وہ خلوت پسند ہے کسی کی ملاقات و زیارت اسے ناگوار ہے تو بلا ضرورت اس کے ہاں نہ جانا چاہیے۔ بوقت ضرورت اس سے اجازت لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہو کر بتعجیل واپس آنا چاہیے تاکہ اس کے وقت کا ضیاع نہ ہو۔

مسئلہ: اسی طرح مریض کی عیادت کے مسائل ہیں کہ مریض کے ہاں زیادہ دیر نہ بیٹھنا چاہیے۔ ہاں اگر مریض چاہے اور جتنی دیر چاہے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: ملاقات اور زیارت کے وقت مصافحہ کرنا (دونوں ہاتھ ملانا) مستحب ہے۔

مسئلہ: ملاقات اور زیارت کے وقت ہنس مکھ (بشاش) ہو کر ملنا چاہیے اور ملاقاتی کے لیے دعائے مغفرت یا اسی طرح کے اور اچھے کلمات کہنے چاہئیں۔

حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

Scanned with CamScanner

یاری اندر کس نمی بینم یاران را چہ شد
دوستی کے آخر آمد دوستاں را چہ شد

کس نمی گوید کہ یاری داشت حق دوستی
حق شناساں را چہ حال افتاد و یاراں را چہ شد

ترجمہ: میں کسی میں دوستی نہیں پاتا، دوستی کہاں گئی اور دوستوں کو کیا ہوا۔
کوئی بھی نہیں کہتا کہ فلاں نے دوستی کی اور دوستی کا حق ادا کیا۔
نہ معلوم حق شناسوں کو کیا ہوگیا ہے اور دوستوں کی حالت کیوں بدل گئی۔

مسئلہ: مخلوق کے ہر فرد کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے یہاں تک کہ بلی اور مرغی کے بھی۔

حکایت: حضرت فضیل رضی اللہ عنہ کے ہاں مکہ معظمہ میں ایک جماعت حاضر ہوئی آپ نے ان سے پوچھا آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے، انہوں نے عرض کی، خراسان سے۔ آپ نے انھیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جہاں بھی اور جس حالت میں بھی ہو۔ سن لو کہ اگر کوئی زندگی بھر ہر ایک کے حقوق کی ادائیگی میں جدوجہد کرتا رہے لیکن کسی وقت کا کوئی حق ادا نہیں کرتا تو سمجھو وہ ابھی محسنین میں سے نہیں۔

حدیث شریف وحکایت: مروی ہے کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہوا اس لیے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا اس بیچاری کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا حتیٰ کہ وہ مرگئی۔
ایک اور عورت کے متعلق مروی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا کیونکہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

حکایت اُویس قرنی: سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ مٹی کے ڈھیروں سے یعنی کوڑا کرکٹ سے پرانے کپڑے جمع کرکے اس سے اپنا لباس تیار کرتے تھے۔ ایک دن ایک مٹی کے ڈھیر پر آپ کو کتے نے بھونکنا شروع کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنے آگے سے کھاؤ میں اپنے آگے سے کھاتا ہوں اور مجھے بھونکو مت۔
کیونکہ اگر میں بخیریت پل صراط سے گزر گیا تو میں تجھ سے اچھا ہوں گا ورنہ تم مجھ سے اچھے ہو۔

نکتہ: (صاحب روح البیان فرماتے ہیں) مخلوق دو قسم ہے:

- سعید
- شقی (بدبخت)

سعید وہ ہے جو تمام مخلوق سے بہتر ہو۔ اور شقی تمام مخلوق سے بدتر۔ اور کتا خیر البریہ میں سے ہے۔ سیدنا اویس رضی اللہ عنہ نے بجا فرمایا کہ اہل حق اولیاء اللہ مخلوق کے کسی فرد کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دیتے اس لیے کہ وہ اپنے ماسوا مخلوق کی ہر شے کو بہتر سمجھتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

بہت سے جانور اپنے سوا سے بہتر ہوتے ہیں اس لیے اہل اللہ تمام مخلوقات کے ہر فرد کے حقوق کی پابندی اور اس کی برتری کے معترف ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اور وہ اپنے رب یعنی اس کے وعید سے خصوصاً ڈرتے ہیں۔ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ اور بُرے حساب سے بالخصوص خوف زدہ رہتے ہیں اسی لیے وہ قیامت کے حساب سے پہلے ہی اپنا محاسبۂ نفس کرتے ہیں۔

ف : ابو ہلال عسکری فرماتے ہیں کہ خوف کا تعلق مکروہ اور مکروہ امر کے اتارنے والے سے ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

خفت زیداً وخفت المرض۔

اور اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا :

یخافون ربہم۔

اور فرمایا :

یخافون سوء الحساب۔

اور خشیت صرف مکروہ اتارنے والے سے متعلق ہوتی ہے نفس مکروہ سے اسے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسی لیے نفس مکروہ کے خوف پر خشیت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے : یخشون ربہم ویخافون سوء الحساب - اس میں خشیت کا عذاب اتارنے والے رب پر اور خوف کا نفس مکروہ امر یعنی سوء الحساب پر اطلاق کیا گیا ہے۔

ف : سوء الحساب کی تشریح اوپر ہم بیان کر آئے ہیں۔

فائدہ روحانیہ

عذاب اور عتاب الٰہی کے امور سے خوف زدہ رہنا قلب کے لیے مفید تر ہے بلکہ ہر بندے پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب وعتاب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ ؎

ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند

مر دل ترسندہ را ساکن کنند

ترجمہ : جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسے اطمینان وتسلی دلاتے ہیں اور ڈرانے والے دل کے لیے راحت وسرور کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا اور وہ جو لوگ جو نفوس پر انواع مصائب اور خواہشات کے خلاف کرنے کی تکالیف شاقہ پر صبر کرتے ہیں ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ اپنے رب تعالیٰ کی رضا جوئی میں انہیں مخلوق کی خوشی اور ناراضگی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا لیکن ریاء اور شہرت سے بچتے اور اپنے نفس کو عُجب وزینت سے بھی بچاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

صبر کے اسباب بہت زیادہ ہیں:

صبر کے اسباب

○ اندھے پن پہ صبر کرنا۔

حدیث قدسی شریف میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے کسی بندے کو دو محبوب چیزوں میں مصیبت دیتا ہوں یعنی اس کی آنکھوں کا نور لے لیتا ہوں اور وہ میری قضا و قدر پہ راضی ہو کر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض اسے بہشت عطا کروں گا۔

نکتہ: آنکھوں کو دو محبوب (حبیبتین) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسان کی آنکھیں محبوب ترین شے ہیں۔

لطیفہ: قیامت میں دیدار الٰہی سب سے پہلے دُنیا میں نابینا ہو کر گزارنے والے کو نصیب ہوگا۔

○ بخار، سر درد، اولاد اور دوست احباب کی موت پر صبر کرنا، اسی طرح کے دیگر مصائب پر بھی۔

○ روزہ رکھنے پر صبر کرنا اس لیے کہ کھانے پینے کے ترک سے نفس کو دُکھ اور تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ نفس کو کھانے پینے سے بہت زیادہ الفت اور انس ہے۔

ف: روزہ ایمان کا چوتھا رکن ہے۔

حدیث شریف: الصوم نصف الصبر والصبر نصف الایمان۔ (روزہ صبر کا نصف اور صبر نصف الایمان ہے)۔

حضرت حافظ شیرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

ترسم کزیں چمن نبری آستین گل
کز گلشنش تحمل خارے نمیکنی

ترجمہ: میں ڈرتا ہوں کہ تم اس چمن سے پھول نہیں لے سکو گے کیونکہ تم میں اس کے کانٹے کے درد کی برداشت نہیں۔

حکایت عجیبہ

حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی حضرت عبد اللہ بن مبارک کے ہاں بھیس بدل کر غیر معروف صورت میں حاضر ہوئے تو حضرت عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا، کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی: بلخ سے۔ فرمایا: شقیق کے شاگردوں اور مریدوں کی کیا کیفیت ہے؟ عرض کی کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتے ہیں اور کچھ مل جاتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا، ہمارے کتے بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ شقیق نے عرض کی: تو پھر انہیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کچھ نہ پائیں تو شکر کریں اگر کچھ مل جائے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کریں۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی دُعا

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ اپنی دُعا میں بارگاہِ حق میں عرض کرتے،

Scanned with CamScanner

اللھم انی احمدک فی السراء والضراء ۔

(اے اللہ تعالیٰ! میں ہر دُکھ اور راحت کے وقت تیری حمد کرتا ہوں)

مضمون مذکور کی تشریح

حضرت پیر و مرشد نے فرمایا کہ میں راحت کے وقت کہتا ہوں:

الحمد للہ المنعم المفضل ۔ (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو نعمتیں عطا کرنے والا اور لطف و کرم فرمانے والا ہے)

اس کی ظاہری نعمتوں کی عطا کی وجہ سے عرض کرتا ہوں کہ اس کریم نے مجھ جیسے فقیر بے نوا کو راحت و سرور سے بھرپور نعمت سے نوازا۔ اور جب مجھے دُکھ اور درد پہنچتا ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہوں:

الحمد للہ علی کل حال ۔

(ہر حالت میں اس کی حمد و شکر ہے)

یہ میں اس کی باطنی نعمتوں کی وجہ سے کہتا ہوں کہ اگرچہ بظاہر مجھے یہ تکلیف نظر آ رہی ہے لیکن درحقیقت وہ میرے لیے رحمت ہوگی اس لیے کہ اس کی باطنی نعمتوں کی بھی کوئی حد نہیں اور راحت و سرور کے وقت اس نیت پر بھی شکر کرتا ہوں کہ شکر کرنے سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم ۔

(اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمت میں اضافہ کروں گا)

اور جب میں اپنے اندر رنج اور تکلیف کو دُور کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں بھی ایسے شکر کرتا ہوں جیسے راحت و سرور کے وقت اس کی حمد کرتا ہوں۔ یعنی دُکھ اور تکلیف کے دفعیہ کے وقت کہتا ہوں، الشکر للہ ۔ کما اقول الحمد للہ کذالک۔ انتھی

ف: یہ وہ کلام ہے کہ میں نے پہلے کسی بزرگ کے قول میں نہیں دیکھا اسے یاد کر لینا چاہیے تقریباً مقبول مناجات ہے۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور فرض نماز ادا کرتے ہیں یعنی اس پر مداومت رکھتے ہیں وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اور ہماری عطا کردہ نعمتوں سے خرچ کرتے ہیں یعنی ہماری عطا کردہ نعمتوں سے بعض کو خرچ کرتے ہیں۔ اس معنے پر مِنْ تبعیضیہ ہے اس سے وہ خرچ مراد ہے جو اسے ادا کرنا واجب ہے جیسے زکوٰۃ اس لیے کہ اسے نماز کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہاں پر اس خرچ سے زکوٰۃ مراد ہے کیونکہ زکوٰۃ و صلوٰۃ ذکر میں لازم و ملزوم کی طرح ہیں۔

ف: یا مطلق خرچ مراد ہے اس لیے کہ اسے قرینے کے بغیر ذکر کیا گیا ہے اور جب مطلق از قرینہ واقع ہو تو اس سے مطلق صدقہ و خیرات مراد ہوتی ہے۔

سِرًّا ایسے طریقہ سے خیرات کرتا ہے کہ اسے کوئی بھی نہیں جانتا۔

مسئلہ: اس سے نوافل بھی مراد ہو سکتے ہیں اس لیے کہ نوافل کو چھپ کر ادا کرنا افضل ہے۔

Scanned with CamScanner

وَعَلَانِيَةً اور ایسے طریقے سے ادا کرنا جو ہر ایک کو معلوم ہو جائے۔ اس سے فرائض کی ادائیگی بھی مراد ہو سکتی ہے
اس لیے کہ انھیں ہر ایک کے سامنے ادا کرنا چاہیے تاکہ تہمت سے بچ جائے۔ یعنی کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ مل سکے کہ وہ فرائض ادا
نہیں کرتا اور ان دونوں کا منصوب ہونا علی الحالیۃ ہے یعنی ذوی سر وعلانیۃ یا بمعنے مسرین ومعلنین یا ظرفیۃ کی وجہ
سے منصوب ہے بمعنے وقتی سر وعلانیۃ یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے کہ دراصل انفاق سر وعلانیۃ۔ خلاصہ یہ کہ
نفل صدقات پوشیدہ کرکے اور فرضی صدقات کو کھلم کھلا ادا کرنا چاہیے۔

مسئلہ: والدین کو نان نفقہ دینا واجبات سے ہے جبکہ وہ محتاج ہوں۔

مسئلہ: فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا جب والدین میں سے صرف ایک کے لیے نفقہ کفایت کرتا ہے تو والدہ کا حق فائق ہے
اسے والد سے مقدم کرنا چاہیے اس لیے کہ والدہ اپنے بیٹے کی تربیت میں زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے بہ نسبت والد کے، اور شفقت
میں بھی والدہ والد سے فوقیت رکھتی ہے اور بچے کی خدمت بھی زیادہ والدہ ہی کرتی ہے۔ علاوہ ازیں والدہ بچے کو نو دس
مہینے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے۔ وضعِ حمل کے وقت تو اس کی جان لبوں پر آجاتی ہے۔ پھر اسے دودھ پلاتی ہے۔ تادم شعور
اس کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ بیمار ہو تو اس کا علاج معالجہ کراتی ہے۔ نہلا دھلا کر اسے صاف ستھرے کپڑے پہناتی ہے۔
ہر چھوٹی بڑی تکلیف اپنی جان پر برداشت کرکے اسے جوان بناتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان وجوہ سے نان ونفقہ کی تقدیم کا حق
وہی رکھتی ہے۔ (کذا فی فتح القریب)

ف: واجب دو قسم ہے:

○ واجب الشرعی
○ واجب المروۃ

سخی وہ ہے جو نہ شرعی واجب میں کمی کرے نہ مروۃ واجب میں۔ اگر ان دونوں میں کسی ایک میں کمی کرے تو وہ بخیل ہے۔
ہاں جو واجب الشرعی کی کمی کرے تو وہ ابخل ہے۔ جیسے زکوٰۃ نہ ادا کرنا اور نفقہ واجبہ نہ دینا۔ یا ادا کرے لیکن مشقت سمجھ کر، تو وہ
بخیل بالطبع اور با تکلف سخی ہے یا خوشی سے اچھا یا متوسط مال خرچ نہ کرے۔ یہ بھی بخل میں شامل ہے۔

ف: واجب مروۃ یہ ہے کہ معمولی سے معمولی شے میں بھی تنگی کرے ایسا کرنا قبیح امر ہے اور اس قباحت میں کمی اور
زیادتی مختلف احوال واشخاص کی وجہ سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہو لیکن کسی کا بھلا نہ کرے وہ قبیح تر ہے۔
بہ نسبت اس کے کہ کوئی اپنی محتاجی کی وجہ سے کسی کے ساتھ مروت نہ کر سکے۔ خواہ وہ عام معاملات ہوں یا بیع وشرا
وغیرہ ہو اسی وجہ سے مروۃ کے معاملات مختلف ہیں۔ مثلاً مہمانوں کے متعلق تنگی کرنا یا فراغت وفرصت کے باوجود طعام
اور کپڑوں وغیرہ میں کمی کرنا۔ یہ بھی غیر مروتی میں داخل ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو شے روکنے کے لائق نہیں اسے
روکنے والا بخیل ہے خواہ وہ حکم شرعی کی خلاف ورزی کرکے روکے یا مروت واخوت کے خلاف کرکے رکاوٹ کرے۔

Scanned with CamScanner

کسی شاعر نے بخیل کے بارے یوں کہا ہے :

لو عبر البحر بامواجہ
فی لیلۃ مظلمۃ باردہ
وکفہ مملوءۃ خردلا
ما سقطت من کفہ واحدہ

ترجمہ : اگر بخیل اپنے ہاتھ میں رائی کے دانے لے کر اندھیری اور سخت ٹھنڈی رات میں دریا کو عبور کرے۔ اگرچہ ہاتھ رائی کے دانوں سے پُر ہو وہ اپنے بخل کی وجہ سے ایک دانہ بھی نیچے نہیں گرنے دے گا۔

ایک فارسی شاعر بخیل کے بارے میں لکھتا ہے : ؎

خواجہ در ماہتاب نان میخورد
در سرائے کہ ہیچ خلقے نبود
سایہ خویش را کسے پنداشت
کاسہ از پیش خویشتن بربود

ترجمہ : سردار (بخیل) رات کی چاندنی میں ایسی جگہ پہ کھانا کھا رہا تھا کہ جہاں کوئی بھی نہ تھا لیکن اپنے سایہ کو دیکھ کر سمجھا کہ کوئی آیا، لہٰذا کھانے والا برتن اپنے آگے سے اٹھا کر چھپا لیا۔

نکتہ : انفاق کو بندوں کی طرف اور رزق کو اپنی طرف اسناد میں تنبیہ فرمائی کہ جو کچھ بندوں کو عطا فرمایا ہے وہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے امین اور اس کے وکیل ہیں اور وکیل تصرف میں نائب ہوتا ہے۔ اسی لیے وکالت میں موکل کا لحاظ ہوتا ہے نہ وکیل کا پھر خالق و مخلوق کی نسبت میں مخلوق کا کیا اعتبار در اصل تو ہر فعل کا خالق ہے مخلوق کی طرف افعال کا اسناد تو گویا مجازی ہی ہے۔

لطیفہ : اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا کہ جو انفاق سے شکر و ثناء کی اُمید رکھتا ہے وہ عابد نہیں بلکہ تاجر ہے جو مال خرچ کر کے مدح خریدتا ہے اور مدح ایک لذیذ شے ہے جس سے نفس محظوظ ہوتا ہے اسی لیے اس نے اپنے خرچ میں رضائے الٰہی کو مد نظر نہ رکھا بلکہ اپنے نفس کو خوش کیا۔

ف : جود بمعنے بذل الشیٔ من غیر غرض یعنی کسی شے کو بلا غرض خرچ کرنا ؎

کرم و لطف بے غرض باید
تا ازاں مرد متہم نبود

Scanned with CamScanner

از کرم چوں جزا طمع داری
آں تجارت بود کرم نبود

ترجمہ: لطف وکرم بے غرض ہونا چاہیئے تاکہ اس سے کسی کی تہمت نہ ہو۔
لطف وکرم سے جو جزا کی طمع رکھتا ہے وہ تجارت ہے سخاوت نہیں۔

مسئلہ: رمضان المبارک میں مہمانوں کی خدمت کرنا بھی سخاوت ہے۔

ردِ وہابیہ در مسئلہ ایصالِ ثواب: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل اموات (قبروالوں کو) نہ بھلاؤ بالخصوص رمضان المبارک میں، اس لیے کہ ان کی روحیں گھروں میں آکر ہزار بار ہر مرد وزن کو پکار کر کہتی ہیں کہ ہمارے حال پر رحم کرو، ایک درہم یا ایک روٹی یا روٹی کے ٹکڑے پر دعا کر کے یا قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ کر یا کسی غریب کو کپڑے پہنا کر، اللہ تعالیٰ تمہیں بہشت کے کپڑے پہنائے۔[1] (کذا فی ربیع الابرار)

سبق: جب اہل قبور کے لیے روٹی یا اس کا ٹکڑا مفید ہے تو پھر اس سے لذیذ چیزوں کا کتنا فائدہ ہوتا ہوگا۔ (لکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون)

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے کسی بھائی کو حلوے کا ایک ٹکڑا کھلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس سے محشر کی کڑواہٹ دور فرمائے گا۔

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اور بھلائی سے برائی کو دفع کرتے ہیں۔ یعنی برائی کے عوض احسان اور ظلم کے بدلے عفو اور قطع رحمی کے بجائے صلہ رحمی اور محرومی کے بجائے عطا کرتے ہیں۔

؎

کم مباش از درخت سایہ فگن
ہر کہ سنگش زند ثمر بخشد
از صدف یاد گیر نکتہ حلم
ہر کہ زد بر سرش گہر بخشد

ترجمہ: درخت سایہ فگن سے کم نہ ہو کہ اسے پتھر مارو تو وہ ثمر عطا کرتا ہے اسی طرح صدف سے بھی کم نہ ہو کہ

---

[1] اسی حدیث کے مطابق ہمارے اہلسنت اہلِ قبور کے لیے مختلف طریقوں سے ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اس کے سر پر پتھر مارو تو وہ موتی اور جوہر عنایت فرماتا ہے۔

ف: آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ برائی کے ارتکاب کے بعد فوراً نیکی کرتے ہیں پھر وہ نیکی اس کی برائی کو مٹا دیتی ہے۔

مسئلہ: احسن ترین نیکی کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے اس لیے کہ توحید راس دین ہے۔ دین میں اس سے اور کوئی شے افضل نہیں۔ دین میں اس کی فضیلت کا وہی مقام ہے جو سر کا تمام جسم میں۔

قاعدہ: ابن کیسان نے فرمایا کہ جب گناہ سے توبہ کی جائے تو اس توبہ سے مراد الحسنہ اور گناہ سے مراد السیئہ ہوتی ہے۔

ف: عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: یہی آٹھ صفات ہیں جن پر عمل کرنے سے بہشت کے آٹھ دروازے کھل جاتے ہیں۔

أُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو ان صفات سے موصوف ہیں لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ان کے لیے دنیا کا انجام ہیں اور ان کے اہل کا بہتر مرجع ہے۔ اس سے مطلق عاقبت یعنی بہشت یا دوزخ مراد ہے۔ اور جنتم کافروں کی عاقبت اس لیے ہے کہ ان کے اپنے بُرے اختیار سے ہی انھیں یہاں پہنچنا نصیب ہوا اور دنیا ایسا گھر تھا جہاں ان کا رہنا مقصود بالذات نہیں تھا بخلاف بہشت کے کہ یہاں مومن کا رہنا مقصود بالذات ہے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ یہ عقبی الدار سے بدل ہے اور عدن بمعنے اقامت ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عَدَنَ بِالْبَلَدِ وَيَعْدِنُ بالکسر بمعنے اقام یعنی فلاں شہر ٹھہرا یا ٹھہرتا ہے۔ اور سونے چاندی کی کان کو معدن (بکسر الدال) اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سونے اور چاندی کا مرکز ہوتا ہے یا اس لیے کہ وہاں پر لوگ سرما و گرما میں جمع رہتے ہیں یعنی باقامت خالص۔

يَدْخُلُوْنَهَا جن میں اہل ایمان داخل ہو کر باہر نہیں نکلیں گے بلکہ اس میں مداومت اختیار کریں گے۔

ف: بعض کہتے ہیں کہ جنات عدن تمام بہشتی مقامات کا درمیان ہے اور وہی تمام بہشت کا افضل و اعلیٰ مقام ہے کیونکہ یہ وہی جگہ ہے جہاں خصوصی طور پر تجلی وانکشافِ الٰہی ہوگا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بلا واسطہ پیدا فرمایا ہے۔

نکتہ: فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ یہی دوسری قسم زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ بہشت میں ہر مومن کو اقامت نصیب ہوگی لیکن جنت عدن میں صرف اسی کو اقامت نصیب ہوگی جو مومن کامل یعنی ولی اکمل ہوگا۔ اور ولایت ان آٹھ صفات سے متصف ہونے کا نام ہے اور ان اوصاف سے وہی متصف ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرمائے۔

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ اس کا عطف یدخلونہا کی ضمیر مرفوع پر ہے اور یہ جائز ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ آباء ماں و باپ کے دونوں پہلو مراد ہیں۔ گویا در اصل آبائھم و امہاتھم ہے۔ یعنی صلحاء بہشتیوں کے آباء و امہات صلحاء بہشت میں داخل ہوں گے۔

Scanned with CamScanner

وَ اَزْوَاجِهِمْ ازواج، زوجہ کی جمع ہے۔ فارسی بمعنے زن۔ عورت کے لیے زوج اور زوجہ دونوں استعمال ہوتے ہیں لیکن زوج کا لفظ فصیح تر ہے وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ اور ان کی اولاد بھی ان کے ساتھ بہشت میں داخل ہوگی اگرچہ فضیلت علمی و عملی میں ان کے مراتب کو نہ پہنچے ہوں صرف ان کی متابعت، تعظیم و تکریم، خوشی و شادمانی اور راحت و فرحت کی تکمیل کی وجہ سے۔

ف: انسان کی سب سے بڑی خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں اپنے کنبہ (آباء، امہات، ازواج، اولاد) کے ساتھ یکجا زندگی گزارے اور ایک جگہ رہ کر ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ رہے۔ اسی طرح وہ بہشت میں اکٹھے رہ کر ایک دوسرے کے دنیاوی تکالیف اور پریشانیوں سے چھٹکارا پانے پر شکر کریں اور اس کے متعلق ایک دوسرے کو حالات سنائیں، اور بہشت میں داخلے کی کامیابی پر اظہارِ مسرت کریں۔

مسئلہ شفاعت و ردِّ وہابیہ

اس سے معلوم ہوا کہ شفاعت کبھی درجات کی کمی و بلندی سے بدل جائے گی۔ وہ اس لیے کہ کاملین کی خوشی کے لیے اور ان کی تعظیم و تکریم کی خاطر ان کے متعلقین کم مرتبہ کو بلند مراتب عطا ہوتے ہیں تو شفاعت سے بطریق اولیٰ ہے کہ ان کے مراتب بلند کیے جائیں۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خالی نسب غیر مفید ہے جب تک اس میں صلاحیت و اہلیت نہ ہو۔ اسی لیے اسے ومن صلح سے مقید کیا گیا ہے۔ ؎

اتفخر باتصالك من علی

واصل البولة الماء القراح

ولیس بنافع نسب زکی

یدنسه صنائعك القباح

ترجمہ: تمہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نسب کے اتصال پر فخر ہے حالانکہ ہر انسان ایک سفید پانی سے پیدا ہوا ہے۔ صاف ستھرا نسب کوئی فائدہ نہ دے گا جبکہ اس میں بداعمال کی میل کچیل کی ملاوٹ ہو۔

فارسی میں کسی نے کہا: ؎

اصل را اعتبار چنداں نیست

روئے تر گل ز خار خنداں نیست

می ز غورہ شود شکر از نے

عسل از نحل حاصلست بقے

ترجمہ: اصل نسب وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں۔ گل کا تر و تازہ چہرہ کانٹے سے نہیں۔ شراب انگور سے

Scanned with CamScanner

بھڑ سے اور شکم کاوسے بنتی ہے۔ شہد بھی مکھی کی ایک قے ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ اور فرشتے انھیں ہر دروازے سے سلام عرض کریں گے یعنی ان کے منازل کے دروازوں سے فرشتے داخل ہو کر عرض کریں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ یہ محلاً حال ہے در اصل قائلین سلام علیکم تھا۔ یعنی در انحالیکہ تمہیں اللہ تعالیٰ عذاب سے صحیح و سالم رکھے اور ان پریشانیوں سے محفوظ رکھے جن سے تم ڈرتے ہو۔

بہشتی کا ٹھاٹھ حدیث شریف میں ہے کہ ہر بہشتی کے ستر ستر ہزار نوکر اور خادم ہوں گے اس لیے کہ فرشتے بہشتیوں سے محبت کرتے ہیں اور انھیں السلام علیکم عرض کریں گے اور انھیں ان نعمتوں کی خبریں دیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے۔

ف: جناب مقاتل فرماتے ہیں دنیوی دن رات کی مقدار میں ہر بہشتی کے ہاں تین بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحائف اور ہدایا پیش ہوں گے۔ اسی طرح تین بار روزانہ انھیں ملائکہ کرام سلام عرض کریں گے اور انھیں سلامتی کی بشارتیں سنائیں گے۔

بِمَا صَبَرْتُمْ یہ صلہ اور کرامت عظمیٰ تمہارے اس صبر کرنے کی وجہ سے ہے جو تم نے دنیا میں فقر و فاقہ اور طاعت و عبادت پر مداومت کی اور تمہیں دنیا میں جتنے دُکھ اور تکالیف پہنچے یہاں نجات پا کر دائمی راحت و قرار پاؤ گے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دنیا میں فقیری اختیار کرو اللہ تعالیٰ کے حضور میں فقیری حالت میں جاؤ نہ غنی بن کر، اس لیے کہ: ع

کانجا فقرا از ہمہ مقبول ترند

(وہاں فقرا تمام لوگوں سے زیادہ منظورِ نظر ہوں گے)

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فقراء نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نمائندہ بھیجا۔ وہ حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں فقراء کی طرف سے نمائندہ بن کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے اسے فرمایا، مرحبا! تم ان لوگوں سے تشریف لانے ہو جو میرے محبوب ترین دوست ہیں۔ نمائندے نے عرض کی یا رسول اللہ! فقراء کہتے ہیں کہ ہر نیکی میں اغنیاء ہم سے سبقت کر جاتے ہیں حج وہی پڑھتے ہیں اور ہم فقر و فقیری کی وجہ سے حج نہیں پڑھ سکتے۔ اور وہ صدقات و خیرات کرتے ہیں اور ہمارے میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم صدقات و خیرات کریں اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم خود محتاج ہیں غلام کہاں سے آزاد کریں۔ اور جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو وہ اپنے لیے آخرت کے ذخیرہ کے لیے بہت سا مال اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمائندے سے فرمایا کہ تم فقراء کو جا کر میرا پیغام پہنچا دو کہ جو دکھ اور تکلیف پر رضائے الٰہی کی وجہ سے صبر کرتا ہے تو اسے تین مراتب نصیب ہوتے ہیں جن میں سے اغنیاء کو ایک بھی نصیب نہیں ہوتا۔

(۱) بہشت میں سُرخ یاقوت کے بالاخانے ہیں جو بہت بلند ہیں اور دُور سے چمکدار نظر آئیں گے جیسے دُنیا میں

دُور سے ستاروں کو دیکھا جاتا ہے۔ ان بالاخانوں میں وہ انبیاء اور شہداء اور مومن داخل ہوں گے جو دنیا میں فقر و فاقہ میں رہا۔

② فقراء اغنیاء سے پانچسو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

③ جب فقیر تنگدست سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر مخلصانہ طور پر پڑھتا ہے اور دولتمند بھی لے مخلصانہ طور پر پڑھے تو دولتمند فقیر اس کے ثواب کو نہیں پہنچ سکے گا جو اسے قیامت میں نصیب ہوگا۔ اگرچہ دولتمند دس ہزار درہم بھی خرچ کرے۔ اسی طرح فقیر و غنی کی ہر نیکی کے ثواب کا معاملہ ہے۔

جب فقراء کا نمائندہ فقراء کے ہاں واپس آیا اور انھیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا تو بہت خوش ہوئے۔

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ اس کا مخصوص بالمدح محذوف ہے۔ در اصل عبارت یوں ہے:

فنعم عقبی الدار جنات عدن۔

(یعنی جنات عدن ان کے لیے بہترین قرارگاہ ہے)

اور الدار میں الف لام صرف جنس کا ہے۔

فوائد: آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے بہشتیوں سے تین باتوں کا وعدہ فرمایا ہے:

○ جنت

○ ان کے لواحقین و متعلقین ان کے ساتھ بہشت میں ہوں گے بشرطیکہ وہ مومن ہوں اگرچہ ان کے اعمال ان کی مثل نہ ہوں۔

○ ہر دروازہ سے ملائکہ کرام ان کے ہاں حاضر ہو کر سلامتی و عافیت کی خوشخبری سنائیں گے۔

حکایت حضرت عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم دریائی سفر پہ بحری جہاز پر سوار تھے کہ ہوائی طوفان نے ہمیں ایک جزیرہ میں پہنچا دیا وہاں ایک مرد کو ہم نے دیکھا کہ وہ بُت کی پرستش کر رہا ہے ہم نے اس سے پوچھا کہ کس کی عبادت کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ اس سامنے والے بُت کی۔ ہم نے کہا کہ یہ انسان کا بنایا ہوا ایک ڈھانچہ ہے اسے ہر کوئی بنا اور مٹا سکتا ہے۔ اس نے ہم سے پوچھا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ ہم نے کہا اس خالق کی جس کا پایۂ تخت آسمان پر اور زمین کے ذرّے ذرّے پر اس کا قبضہ اور تمام زندوں و مردوں پر اس کی قضا و قدر جاری ہوتی ہے۔ اس نے ہم سے سوال کیا کہ تمھیں کس نے بتایا کہ تمہارا معبود انہی اوصاف کا مالک ہے؟ ہم نے کہا اس نے ہمارے ہاں اپنا رسول (علیہ السلام) بھیجا۔ انہوں نے آ کر ہمیں سمجھایا۔ اس نے پوچھا: تمہارا رسول کیا کام کرتا ہے؟ ہم نے کہا انھوں نے ہمیں حق کا پیغام دیا اس کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے ہاں واپس بلا لیا اور وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب عنایت فرما گئے ہیں اور وہ کتاب یہ ہے۔ ہم نے اسے قرآن پاک کی ایک سورت سنائی۔ جب تک ہم نے سورت ختم نہ کی وہ روتا رہا۔ اس نے کہا ایسی کتاب کے نازل کرنے والا اس لائق ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یہ

Scanned with CamScanner

کہ کر وہ مسلمان ہو گیا۔ ہم نے اسے اسلام کے احکام اور قرآن مجید کی چند سورتیں سکھائیں۔ جب عشاء کی نماز کے بعد ہم نے سونے کا ارادہ کیا تو اس نے پوچھا کہ کیا اس کتاب کا مالک یعنی تمہارا رب تعالیٰ سوتا ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ اس نے کہا پھر تمہارے لیے صد افسوس کہ آقا تو نیند نہ کرے اور ہم سوتے رہیں، یہ نہایت ہی ناموزوں ہے۔ ہم اس کی تقریر سے متعجب ہوئے کہ نو مسلم ہے لیکن باتیں عارفانہ کرتا ہے۔ جب ہم نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کے اخراجات کے لیے کچھ چندہ جمع کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ جب ہم نے کچھ دراہم و دنانیر پیش کیے تو اس نے کہا یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا آپ کو ضرورت پڑے گی۔ اس نے ہنس کر کہا کہ مجھے تو اسلام کی دعوت دیتے ہو اور خود اس کے خلاف کرتے ہو۔ خدا کے بندو! یقین کرو کہ میں جب اس کا باغی ہو کر اس کے غیر کی پرستش کرتا تھا تب بھی اس نے مجھے نہ بھلایا اب جبکہ میں اس پر ایمان لا کر اس کا عرفان حاصل کر چکا ہوں تو پھر مجھے وہ کیسے بھلا سکتا ہے۔ ہم نے اسے اپنی حالت پر چھوڑا۔ ابھی تین ہی دن گزرے تھے کہ اطلاع ملی کہ وہی نو مسلم زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہے۔ میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کچھ ضرورت ہو تو بتاؤ۔ اس نے فرمایا میری تمام ضروریات و حوائج کو اس ذات نے پورا کر دیا جو تمہیں یہاں لے آئی۔ حضرت عبداللہ بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی اثناء میں مجھے ذرا نیند سی آگئی میں نے خواب میں ایک سبز باغ دیکھا جس میں ایک قبہ تھا قبے میں ایک تخت تھا اور اس تخت پر ایک پری پیکر دوشیزہ بیٹھی تھی۔ اس حسینہ جیسی قبل ازیں نہ دیکھی نہ سنی تھی۔ اور وہ کہہ رہی تھی کہ خبردار! جلدی کرو مجھے تو اس کے شوقِ دیدار سے آرام و قرار نہیں۔ اس کے بعد میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ اندریں اثنا وہ بندۂ خدا فوت ہو چکا تھا ہم نے اسے تغسیل کے بعد کفن دے کر دفنایا۔ پھر اسی رات بھی سبز باغ دیکھا اس کے اندر وہی قبہ تھا اس قبے میں وہی تخت تھا اسی تخت پر وہ نو مسلم بزرگ بیٹھا تھا اور وہ حسینہ اس کے پاس کھڑی تھی اور وہ خود یہ آیت پڑھ رہا تھا: والملٰئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم فنعم عقبی الدار۔

مسئلہ: عالمِ دنیا میں ملائکہ کرام کا کلام سننا اور انہیں بلا حجاب ان کی اصل صورت میں دیکھنا صرف اولیاء کرام کا خاصہ ہے کیونکہ ان کے جواہر لطیف ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں:

ان الصوفیہ یشاھدون الملائکۃ فی یقظتھم ای لحصول طھارۃ نفوسھم و تزکیۃ قلوبھم وقطعھم العلائق وحسمھم مواد اسباب الدنیا من الجاہ والمال واقبالھم علی اللہ بالکلیۃ علما دائما وعملا مستمرا۔

بے شک بیداری میں صوفیہ ملائکہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے کہ ان کے نفوس طاہر و مطہر اور ان کے دل مزکی اور پاک و صاف ہوتے ہیں کیونکہ وہ دنیوی تعلقات سے فارغ اور دنیا کے اسباب اور جاہ و مال سے کوسوں دور ہوتے ہیں علماً و عملاً ہر طرح وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

مسئلہ: عوام کو ملائکہ عالمِ مثال میں نظر آتے ہیں یا پھر ان کی صورتوں کو آخرت میں دیکھیں گے۔ (کما لا یخفیٰ)

وَالَّذِيْنَ اور وہ لوگ یعنی کفار يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ توڑتے ہیں وہ وعدہ جو ان سے طاعت و ایمان کے لیے

اقرار و قبول کے بعد اس عہد کی سخت سے
میثاق کے دن لیا گیا مِنۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ اس کے پختہ ہونے کے بعد یعنی باوجودیکہ ان کے اقرار و قبول کے بعد اس عہد کی سخت سے
سخت تاکیدیں کی گئیں کہ اس کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ارواح آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر
ان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اپنی عبودیت کا اقرار کرلیا۔ کما قال تعالیٰ:

الم اعہد الیکم یا بنی اٰدم ان لا تعبدوا الشیطان۔ کیا میں نے اے بنی آدم! تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔

مسئلہ: ازل میں عہد دو طرح لیے گئے:

○ عہد علیٰ محبت

○ عہد علیٰ عبودیت

عہد علی المحبۃ خواص سے لیا گیا اور عہد علی العبودیت عوام سے۔ اہلِ محبت نے تو اپنے عہد کو تادمِ زیست خوب نبھایا۔ ان
کے لیے عہد توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور عوام کا وہ عہد جو محبت سے مؤکد تھا وہ تو انہوں نے نہ توڑا اور وہ عہد جو محبت سے مؤکد
نہیں تھا وہ توڑ کر غیر اللہ کی عبادت میں مصروف ہوئے اور غیر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور ان سے محبت کی۔

ف: کامل بیداری والے اس عہد کو ہر وقت یاد رکھتے ہیں کیونکہ دنیوی امور کے تمام حجابات ان سے دور ہو جاتے ہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو الست بربکم کا وقت یاد ہے؟ آپ نے فرمایا:
وہ تو تا ہنوز میری آنکھوں میں پھر رہا ہے اور کانوں میں گونج رہا ہے۔ کسی اللہ والے سے پوچھا گیا کہ الست
بربکم کو کتنا وقت گزرا ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ تو ابھی گزرا مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا کل پرسوں کی بات ہے۔

سبق: ایسے حضرات سے الست کا وعدہ بھولنے کا کیا معنی، جنہیں وہ زمانہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے یا انہیں کل پرسوں کی بات
نظر آئے۔ ہاں عوام چونکہ اہلِ حجاب ہیں اسی لیے ان سے دور ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کو اس سے ذرہ برابر
بھی کوئی شے یاد نہیں۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور توڑتے ہیں اسے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اسے ملایا جائے۔
اس کی تشریح و تفسیر ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ مثلاً رشتہ داروں کی صلہ رحمی اور اہلِ ایمان سے محبت و دوستی اور انبیاء
علیہم السلام سے عقیدت و محبت اور ان سب پر ایمان لانا اور ان سب کو حق پر سمجھنا وغیرہ وغیرہ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ
اور زمین پر فساد ڈالتے ہیں۔ مثلاً غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینا۔ اسی طرح ظلم کرنا یا اس پر اکسانا اور جنگیں چھیڑنا اور فتنہ انگیزیاں
کرنا۔ حدیث شریف میں ہے کہ فتنے سوتے ہیں، ملعون ہے جو انہیں جگاتا ہے۔

ف: جگانے کا یہی معنی ہے کہ عوام کو لڑانا اور ان کے معاملات میں گڑبڑ کرانا اور ان کے درمیان اختلاف کھڑا کرنا اور
بلاوجہ انہیں محنت و آزمائش میں ڈالنا یہ حرام ہے کیونکہ فساد فی الارض اور اضرار المسلمین از زیغ اور الحاد فی الدین ہے۔

Scanned with CamScanner

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے

زان ہمنشیں تا توانی گریز
کہ مر فتنۂ خفتہ را گفت خیز

ترجمہ: اس دوست سے جہاں تک ہو سکے دور ہو جو سوئے ہوئے فتنہ سے کہتا ہے اٹھ کھڑا ہو۔

فساد فی الارض کے مسائل

۱۔ بادشاہ (حکومت) کے خلاف بھڑکانا (اگرچہ وہ ظالم ہو)۔

۲۔ عوام بادشاہ (حکومت) کے خلاف ہو جائیں ان کی معاونت کرنا اگرچہ وہ مظلوم ہوں۔

۳۔ بادشاہ (حکومت) کی عوام کے خلاف ناجائز طور پر مدد کرنا اس لیے کہ یہ بھی اعانت علی الظلم ہے اور وہ ناجائز ہے۔

۴۔ عوام میں ایسے مسائل بیان کرنا جو ان کی عقل و فہم سے دُور ہوں۔ حدیث شریف میں ہے "ہم مامور من اللہ ہیں کہ عوام سے ان کی عقل و فہم کے مطابق بات کریں۔"

۵۔ لوگوں کو ایسی نصیحتیں اور تقریریں کرنا جنھیں خود بھی نہ جانتا ہو اور نہ ہی عوام کو پورے طور سمجھا سکتا ہے اس سے عوام میں جھگڑے اور اختلافات اور تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے بعض واعظوں کا طریقہ ہے[۱]۔

۶۔ ایسے اقوال و مسائل پر فتویٰ دینا یا فیصلہ کرنا جو شرعاً یا عرفاً مجہور یا ضعیف ہیں یا اگرچہ قوی ہیں۔ لیکن عوام میں نہ صرف غیر متعارف ہیں بلکہ ان سے بوجہ بے خبر ہونے کے انکار کرتے ہیں یا ایسے مسائل پر عمل کرنے سے دُوسری طاعت و عبادت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مثلاً[۲] غیر مقلدین اکثر منسوخہ احادیث پر یا روایات مرجوحہ پر عمل کرتے اور اس پر عوام میں انتشار پھیلاتے ہیں یا جیسے قاری صاحب عوام بادیہ نشین دیہاتیوں بے خبروں بوڑھوں وغیرہ کو کہتے ہیں کہ قرآن مجید تجوید کے بغیر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور وہ بے چارے تجوید کے مطابق پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے اسی لیے سرے سے نماز چھوڑ بیٹھتے یا چھوڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں حالانکہ نماز تجوید کے بغیر بھی جائز ہے۔ یہ قول ضعیف سہی لیکن عوام کے دین کی تو حفاظت ہوتی ہے اسی طرح عوام کو کہنا کہ دراہم و دنانیر کے ساتھ بیع و شراء اور قرض دینا لینا وزن کیے بغیر ناجائز ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وزنی بیوع میں سے ہے اور ان کا حکم وزنی میں سے ہو گا اگرچہ لوگ وزنی حیثیت کو ترک کر دیں تب بھی یہ قول قوی ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا غیر ظاہر الروایۃ میں بھی یہی قول ہے لیکن اب اس کی بیع وزنی نہیں بلکہ عددی مروج ہے عوام نے اس کی وزنیت کو بالکل ترک کر دیا ہے۔ اب اس کے خلاف کہا جائے تو عوام اپنے معاملات کو

---

[۱] آج کل ہمارے بعض مقررین و واعظین کا طرز طریق ہے کہ عوام کی سمجھ سے بالاتر تقریریں کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے بعض صاحبان وحدۃ الوجود کے ابحاث میں لگے رہتے ہیں۔

[۲] مثلاً نور و بشر و حاضر و ناظر و دیگر اختلافی مسائل کے درپے ہو جاتے ہیں انھیں تحقیقی طور سمجھا نہیں سکتے اس سے تنازعات پیدا ہو جاتے ہیں۔ (اویسی غفرلہ)

Scanned with CamScanner

ترک نہیں کریں گے۔ اگر مجبور کیا جائے تو فتنہ برپا ہوتا ہے۔ لہٰذا فتنہ سے بچنے کے لیے قاضیوں، مفتیوں اور واعظوں پر واجب ہوتا ہے کہ عوام کے متعلق سوچ لیا کریں کہ وہ عوام کے مسائل کے رد اور قبول کرنے اور جدوجہد اور سستی کرنے وغیرہ وغیرہ کو پورے سوچ بچار سے کام لیا کریں ان سے ایسے طریقہ سے گفتگو کریں کہ ان میں فتنہ برپا نہ ہو اور نہ ہی ایسے مسائل کھڑے کریں کہ جن سے بجائے فائدہ کے نقصان ہو۔

ف : یہی معاملہ وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں واعظین و مقررین کو کرنا چاہیے کہ عوام میں ایسے مسائل نہ پیش کریں کہ جن سے ان میں فائدہ کے بجائے نقصان ہو۔

أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں لعنت ہوگی۔ یہ جملہ الذین ینقضون الخ کی خبر ہے اور لعنۃ یعنے رحمت سے بعید کرنا اور قربِ الٰہی سے دھتکارنا۔ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ اور ان کے لیے بُرا گھر ہے یعنی دُنیا میں ان کا انجام بربادی ہوگا۔ یعنی مرنے کے بعد جہنم میں جائیں گے۔

مسئلہ : لعنت اور بُرا انجام صرف ان کو لازم ہے۔ ان دونوں میں سے ان کے بغیر کسی اور کو نصیب نہ ہوگا۔

ف : اہلِ اسلام کو ان تینوں صفات سے نفرت دلانا مطلوب ہے اور ان پر واضح کرنا ہے کہ ان تینوں میں کسی ایک کے بھی قریب نہ بھٹکنا۔

حدیث شریف جو قوم عہد توڑتی ہے اللہ تعالیٰ ان میں خانہ جنگی پیدا فرماتا ہے۔ اور جو لوگ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں ان میں موت بکثرت واقع ہوتی ہے۔ اور جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان سے بارش روک لیتا۔

حدیث شریف جو اپنے مسلمان بھائی کی عہد شکنی کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور لوگوں کی لعنت اور قیامت میں اس کی نہ کوئی نیکی قبول ہوگی اور نہ کوئی صدقہ و خیرات۔ یعنی نہ فرضی صدقات قبول ہوں گے نہ نفلی۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)۔

س

وفا و عہد نکو باشد ار بیاموزی

وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ : وفا و عہد اگر سیکھو تو اچھا ہے ورنہ جسے بھی دیکھو وہ ظلم و ستم ہی جانتا ہے اور بس۔

ف : لعنت دو قسم ہے :

۱۔ بہشت سے محروم کر دینا، یہ کافروں کے لیے ہے۔

۲۔ قرب و وصال سے دُور رکھنا، یہ عام اہلِ ایمان کے لیے ہے جو ادائیگی حق عبودیت میں کوتاہی کرتے ہیں اس لیے کہ جو بھی عبودیت میں کوتاہی یا خدا تعالیٰ کی دی ہوئی استعداد کی زمین میں فساد ڈالتا ہے تو ہجر و فراق کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ اگرچہ وہ بظاہر بہشت میں بھی ہوگا بہت سے لوگ بظاہر کامل لیکن درحقیقت وہ ناقص ہوتے ہیں اسی طرح بہت سے بظاہر ناقص لیکن

Scanned with CamScanner

درحقیقت کامل ہوتے ہیں۔

حضرت عارف جامی رحمۃ اللہ نے فرمایا ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنی کو ظاہری صورت کے نقص سے غم نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر جان رومی (حقیقت آشنا) ہو تو جسم حبشی (سیاہ رنگ) ہو تو کوئی حرج نہیں۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں تھے لیکن اگرچہ ظاہر میں وہ آگ تھی لیکن درحقیقت باغ جناں یعنی ٹھنڈی اور سلامتی والی تھی آپ کو اس آگ ظاہری نے نقصان نہ پہنچایا آپ کے لیے نمرود کا عذاب رحمت و نعمت بن گیا اور نمرود اگرچہ خود بظاہر نعمت شاہانہ سے بھرپور تھا لیکن درحقیقت عذاب اور قہرِ حق میں مبتلا تھا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اہلِ جنت اور اہلِ قرب اور اہلِ وصال کا درجہ مانگتے ہیں۔

اَللّٰهُ وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ يَبْسُطُ الرِّزْقَ دنیا میں رزق وسیع فرماتا ہے لِمَنْ يَّشَآءُ جس کے لیے توسیع کا ارادہ فرماتا ہے وَيَقْدِرُ تہذیب المصادر میں ہے کہ القدر بمعنے تنگ کرنا (از باب ضرب) یعنی جس کے لیے روزی کی تنگی چاہتا ہے تو اس کے لیے روزی اتنی مقرر فرماتا ہے جتنی اسے کفایت کر جائے۔ اتنا نہیں دیتا کہ اس کے لیے کچھ بچ جائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ میثاق کو توڑتے ہیں وہ دنیا میں ملعون اور آخرت کے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اسی لیے انہیں دنیا کے عیش و عشرت کی تمام اشیاء مہیا کر دی گئی ہیں۔

سوال: دنیا کے اسباب کی وسعت کو کفر و ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے جسے چاہے دولتمند بنا دے، جسے چاہے تنگدست اور محتاج بنا دے۔ پھر تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ اسے دنیا میں عیش و عشرت کے اسباب مہیا کر دیئے گئے۔

جواب: یہ ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ ان کے لیے ہے جو دنیا میں رہ کر صرف دنیا کے خواہشمند ہیں ورنہ بہت سے اہل ایمان کی دنیوی اسباب کی تنگی صرف ان کی آزمائش کے لیے ہوتا ہے تاکہ وہ صبر دکھا کر بلند مراتب سے فائز المرام ہوں یا ان کے لیے یہی تنگی ان کے گناہوں کا کفارہ بنے اور گناہوں سے پاک و صاف ہو کر بہت بڑے درجات حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت بڑے تنگ دست اور بظاہر رزق کے معاملہ میں بہت بڑے محتاج تھے اور کفار تھے بہت بڑے غنی اور مالدار تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض حضرات کو رزق کی فراوانی موجب صلاح و اصلاح ہوتی ہے اور بہت سے حضرات کے لیے معاش کی تنگی میں صلاحیت اور موجب فلاح و کامرانی ہوتی ہے۔ اسی طرح بہت سے لوگوں کے لیے دولت مندی موجب بربادی ہوتی ہے اور بعض کے لیے فقر و فاقہ سیہ روئی اور بدبختی کا سبب بنتا ہے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ

Scanned with CamScanner

نے فرمایا ؎

اندریں رباط دو در چوں ضرورتست رحیل
رواق طاق معیشت چہ سربلند وچہ پست
بہست ونیست مرنجان ضمیر وخوش دل باش
کہ نیستیست سرانجام ہر کمال کہ ہست
ببال وپر مرو از رہ کہ تیر پرتابی
ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

ترجمہ: اس دو دروازوں والی حویلی سے کوچ ضروری ہے۔ معاش تنگ سے یا فراخدستی سے ہست ونیست سے دل کو رنج نہ پہنچاؤ بلکہ خوش ہو کر گزارو۔ اس لیے کہ ہر کمال کو زوال ہے بال وپر کے ناز پر سیدھے راہ کو نہ چھوڑ کیونکہ جب ہوا کا جھونکا آیا تو تجھے مٹی میں ملا دے گا۔

تفسیر عالمانہ وَفَرِحُوْا اور کفار کہ خوش ہوئے۔ الفرح لذۃ فی القلب لنیل المشتھی طبعی خواہش کے مطابق شے کے حصول پر قلبی لذت کو فرح اور فرحۃ کہتے ہیں بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا انہیں دنیا میں جو فراخی اور رزق کی وسعت نصیب ہوتی ہے تو متکبرانہ وجابرانہ طور خوش ہیں حالانکہ انہیں شاکرانہ طور خوش ہونا چاہیے اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نصیب ہوا ہے بنابریں خوش ہیں۔

مسئلہ: دنیا پر اترانا تکبر کرنا حرام ہے۔ ؎

افتخار از رنگ بُو و از مکان
ہست شادی و فریب کودکان

ترجمہ: رنگ و بُو اور مکان سے اترانا فخر کرنا عارضی اور بچوں کا کھیل ہے۔

نسخہ روحانی وعلاج امراض نفسانی قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا کے تحت شرح الحکم میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرحت وسرور کو بالکل ترک کر دینے کے لیے نہیں حکم نہیں فرمایا اس لیے کہ یہ بھی انسان کی ان ضروریات میں سے ہے کہ جن کا چھوڑنا ناممکن ہے بلکہ اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اسے جائز جگہ پر صرف کرنا چاہیے۔ اسی طرح دیگر امراض روحانی جیسے طمع، بخل، حرص، شہوت، غضب انہیں انسان اپنے سے نکال کر باہر نہیں پھینک سکتا بلکہ ضروری ہے کہ انہیں مناسب مقام پر صرف کرے۔

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ لفظ فی نہ حیاۃ کے لیے ہے نہ دنیا کے لیے کیونکہ یہ دونوں آخرت میں واقع نہیں ہوں گی۔ بلکہ یہ حالیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ نہیں حیات دنیا حیات آخرت کے مقابلے میں۔ یعنی دنیا کا آخرت پر

Scanned with CamScanner

کسی قسم کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ اس معنے پر ف قیاسیہ ہے اور ف قیاسیہ وہ ہے جو مفضول سابق اور فاضل کے درمیان واقع ہو۔

یا القمتاع: گوشت معمولی کہ جس سے معمولی طور نفع اٹھایا جائے جیسے چرواہا اپنے لیے تھوڑا سا سامان لے لیتا ہے یا جیسے مسافر معمولی سامان اپنے پاس رکھتا ہے یعنی اتنا جو لمحات کے بعد ختم ہو جائے جیسے چند کھجوریں اور ستّو وغیرہ۔

حکایت صاحب بن عباد نے کہا کہ میں نے ایک بادیہ نشین عورت سے سنا وہ اپنے لڑکے سے کہہ رہی تھی این المتاع۔ لڑکے نے جواب دیا جاء الرقیم واخذ المتاع۔ الرقیم یعنے کُتّا، اور متاع وہ شے جسے پانی میں بھگو کر پیالہ صاف کیا جائے۔ یعنی کتا آیا اور پیالہ صاف کرنے والے کپڑے کا ٹکڑا لے گیا۔

ف: اس میں حالتِ دنیا کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ متاع وہ سامان جسے بقا نہ ہو۔ جیسے گھر کا معمولی سامان مثلاً بڑا پیالہ اور چھوٹا پیالہ اور ہانڈی وغیرہ کہ ان سے چند روز نفع اٹھایا جاتا ہے پھر وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔

سبق: سمجھدار آدمی جلد ترمٹنے والی اشیاء سے خوش نہیں ہوتا اس لیے کہ ان سے جی لگانے پر دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اور بہت دیر تک اس کے اثرات رہتے ہیں اگرچہ وقتی طور ان اشیاء سے خوش ہو جاتا ہے لیکن پھر وہی نفس ان چیزوں سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ ؎

ومن سره ان لا یری مایسوءه

فلا یتخذ شیئاً یخاف له فقدا

ترجمہ: جسے خواہش ہو کہ پریشانی کا منہ نہ دیکھے تو وہ ایسی شے لینے کی کوشش نہ کرے جو جلد ختم ہو جائے۔

حکایت بعض بادشاہوں کے متعلق ذکر ہے کہ اس کے ہاں ایک فیروزہ کا پیالہ لایا گیا جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ اپنی نظیر آپ تھا جسے دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ بادشاہ نے اپنے ہمنشیں حکیم سے پوچھا کہ یہ کیسا ہے۔ اس نے کہا میں اس میں فقیری اور تنگدستی پاتا ہوں اور اس میں بہت جلد آنے والی مصیبت دیکھتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا وہ کیسے۔ حکیم نے کہا کہ اگر ٹوٹ جائے تو تم اس سے سخت غمگین ہو گے۔ اگر چوری ہو جائے تو اس کے محتاج بنے جاؤ گے کہ تم اس کی تلاش میں رہو گے۔ پہلے یہ تمہارے ہاں اٹھا کے لایا گیا پھر تم اس کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاؤ گے۔ یہ نہ ہو تو تمہیں کوئی مصیبت نہ کوئی پریشانی۔ لیکن بادشاہ نے نہ مانا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد وہ پیالہ ٹوٹ گیا اس سے بادشاہ کے دل کو سخت صدمہ ہوا اور کہا کہ حکیم صاحب نے سچ فرمایا کاش اسے میرے ہاں نہ لایا جاتا۔

نکتہ: کوئی چاہے کہ مجھے ایسی حکومت میسر ہو جس سے اسے معزول نہ ہونا پڑے تو اسے چاہیے کہ کوئی حکومت (ملازمت وغیرہ) نہ اختیار کرے اس لیے کہ دنیا کی ہر حکومت کا یہی حال ہے کہ اس میں لامحالہ معزول ہونا پڑتا ہے اور معزولی نہ سہی موت سے تو خواہ مخواہ ہی معزول ہونا پڑے گا۔ (کذا فی الحکم العطائیہ)

Scanned with CamScanner

ف: بزرگوں نے فرمایا کہ دُنیا اغیار کا گھر اور پریشان کن معاملات کا مرکز ہے اسی لیے اس سے کنارہ کشی لازمی ہے تاکہ کسی وقت بھی اس سے واسطہ نہ پڑے۔

مذمتِ دُنیا مروی ہے کہ اللہ تعالٰی نے دنیا کی طرف وحی بھیجی کہ میرے دوستوں پر تنگ اور میرے دشمنوں پر فراخ ہو جا۔ دوستوں پر تنگ اس لیے کہ وُہ دنیا سے مطلع ہو کر مجھے بُھلا نہ دیں اور دشمنوں پر فراخ اس لیے کہ وُہ دنیا میں مشغول ہو کر مجھے یاد نہ کریں۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ یبسط الرزق سے کشف وکرامات اور مشاہدات مراد ہیں۔ یعنی کشف وکرامات اور مشاہدات بڑھاتا ہے لمن یشاء جن کے لیے چاہے اپنے محبین ومحبوبین کے لیے ویقدر اور یہی کشف وکرامات اور مشاہدات تنگ کرتا ہے ان کے لیے جن پر دُنیا اور اس کے شہوات کے دروازے کھول کر دنیا میں اسے مستغرق رکھتا ہے۔ وفرحوا اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں بالحیٰوۃ الدّنیا حیٰوۃ دنیا اور اس کی لذات و شہوات سے وما الحیٰوۃ الدّنیا اور نہیں حیاتِ دُنیا فی الاٰخرۃ بہ نسبت آخرت کے۔ لیکن ہر اس شخص کے لیے جو دُنیا سے گزر جاتا ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا۔ الا متاع مگر معمولی اور خسیس ترین شے۔

کمال خجندی نے فرمایا: ؎

جہان و جملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیارست وزاں افزوں شروشورش

ترجمہ: جہان اور اس کی تمام لذتیں بھڑ اور شہد کی مانند ہیں کہ اس کی مٹھاس بہت زیادہ ہے اس لیے اس کا شور اور شورش بہت ہے۔

حضرت مولانا جامی قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

مرد جاہل چاہ گیتی را لقب دولت نہد
ہمچنانکہ آماس بیند طفل گوید فربہ است

ترجمہ: مرد جاہل دنیا کے کنویں کا دولت نام رکھتا ہے جیسے چھوٹا بچہ ورم دیکھ کر کہتا ہے یہ موٹاپا ہے۔

Scanned with CamScanner

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي
إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ
مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ
إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝ وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ
أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى
النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ
حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔ آپ فرمائیے بیشک اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف سے اسے راہ دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل ذکرِ الٰہی سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو چین ملتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے انھیں خوشحالی ہے اور نیک انجام (نصیب ہوگا) ہم نے آپ کو ایسی اُمت میں بھیجا جس سے پہلے بہت اُمتیں گزری ہیں تاکہ انھیں وہ پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی۔ اور وہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں فرمائیے وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں صرف اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ اور اگر ایسا قرآن ہوتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین پھٹ جاتی یا اس کے ذریعہ مردوں سے باتیں کی جاتیں (جب بھی کافر نہ مانتے) بلکہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں تو کیا مومن اس سے مایوس نہیں ہوئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام آدمیوں کو ہدایت دیتا اور کافروں کو ہمیشہ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں سخت دھمک پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں کے نزدیک نازل ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے بےشک اللہ تعالیٰ وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔

تفسیر عالمانہ

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو کفر پر مداومت کرتے ہیں۔ اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں۔ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں نازل نہیں ہوئی آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ اس کے رب تعالیٰ کی طرف سے ایسی آیت جیسے ہم چاہتے ہیں وہ یہ کہ ان پر موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح یا عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا جیسا معجزہ اترتا کہ وہی معجزہ ان کی نبوت و رسالت کی دلیل ہوتا

Scanned with CamScanner

اور اس سے تصدیق ہوتی کہ واقعی وہ نبی برحق ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ یاد رہے کہ محض ہٹ دھرمی سے معجزات و آیات کا مطالبہ کرنا بھی گمراہی ہے ورنہ وہ لوگ تو معجزات دیکھ چکے تھے اور ایسے بدقسمت انسان کو جتنا معجزات و آیات دکھائے جائیں اس کیلئے غیر مفید ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے بدبخت کو راہِ حق دکھانے کا ارادہ ہی نہیں فرماتا وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ اور اپنی طرف اسے ہدایت بخشتا ہے جو حق کی طرف پورا متوجہ ہو اور سرکشی کا نشہ دماغ سے اتار دے۔ اس معنے پر الیہ کی ضمیر حق کی طرف راجع ہے۔

ف: قاموس میں ہے کہ ناب الی اللہ بمعنے تاب جیسے اناب بمعنے تاب۔

الاضلال بمعنے خلق الضلال والھدایۃ بمعنے خلق الاھتداء[1] یعنی الاضلال

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ بمعنے بندے میں گمراہی پیدا کرنا اور الھدایۃ بمعنے بندے میں ہدایت پیدا کرنا اور اس کی ایسی رہبری کرنا جو مطلقاً مطلوب تک پہنچا دے اور یہ دونوں غیر اللہ کے لیے بوجہ سبب ہدایت کے مجازاً استعمال ہوتے ہیں اور اضلال کا مرتبۂ شریعت میں شیطان کی طرف اور مرتبۂ طریقت میں نفس کی طرف اور مرتبۂ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف اسناد ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ اناب سے بدل ہے یا مبتدأ محذوف کی خبر ہے کہ دراصل ھم الذین اٰمنوا یعنی وہ لوگ جو مومن ہیں وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ اور ان کے قلوب آرام پاتے ہیں بِذِكْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یعنی جب اللہ تعالیٰ کا نام سنتے ہیں تو انہیں اس کی محبت ہوتی ہے اور اس سے انہیں انس ہوتا ہے۔

مسئلہ: ذکر سے قرآن بھی مراد ہو سکتا ہے[2] کہ مسلمان کا دل قرآن مجید پڑھنے سے مطمئن ہوتا ہے اور تسلی پاتا ہے اور ذکر اللہ سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یعنی اللہ مراد ہے کہ مسلمان یہ نام سن کر خوش ہوتے ہیں اور کافروں کو دنیا کے نام سے خوشی ہوتی ہے اور انہیں غیر اللہ کے نام سننے سے چین آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ واذا ذکر اللہ من دونہ یستبشرون۔	اور جب اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ذکر ہو تو کافروں کے دل مرجھا جاتے ہیں اور جب غیر اللہ کا ذکر ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں۔

---

[1] سرفراز گکھڑوی دیوبندی نے اعتراض اٹھایا کہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں پر ہدایت بمعنے خلق ہدایت ہے۔ جیسا کہ روح البیان ج ۴ ص ۳۰۳ پر ہے۔

[2] شفا شریف میں ہے کہ ذکر اللہ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اَلَا خبردار جان لو کہ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اہلِ ایمان کے قلب مطمئن ہوتے ہیں اور ان کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

ف: عوام کا دل تسبیح اور ثنا سے اور خواص کا دل اسمائے حسنیٰ کے حقائق سے اور اخص الخواص کا دل مشاہدۂ حق سے قرار پاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویقول الذین کفروا اور وہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے حق کو باطل سے چھپایا۔ لولا انزل علیہ جو حق کی دعوت دیتا ہے اس پر کیوں نہیں نازل ہوتا اٰیۃ من ربہ کوئی معجزہ یا کرامت جیسے دوسروں پر نازل ہوتے ہیں تاکہ وہ معجزہ یا کرامت ان کی صداقت پر دلالت کرے قل ان اللہ یضل من یشاء فرمائیے کہ جس کا ازل سے ہی اللہ تعالیٰ نے گمراہ رکھنے کا ارادہ فرمایا تو اسے آیت الٰہی جادو اور حق باطل نظر آتا ہے اور اپنی ذات کی طرف جس کی رہبری کے متعلق ارادہ فرماتا ہے تو وہ جمالِ الٰہی کا طالب و مشتاق بن جاتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب و مشتاق حق ہے وہ اہلِ ہدایت ہے اور جسے ازل سے گمراہی نصیب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ اور وہ لوگ یہ ہیں کہ جن کا دل صرف ذکرِ الٰہی سے چین پاتا ہے۔ یعنی اہلِ ہدایت صرف مومن ہیں۔

ف: قلب چار قسم ہے:

- قلبِ قاسی (کھوٹا دل)
- قلبِ ناسی (بھولنے والا دل)
- قلبِ مشتاق
- قلبِ وجدانی

قلبِ قاسی یعنی کھوٹا دل، یہ کافروں اور منافقوں کو نصیب ہوا۔ یہ لوگ صرف دنیا اور اس کی خواہشات سے خوش ہوتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

رضوا بالحیٰوۃ الدنیا واطمأنوا بہا۔ یہ لوگ دنیا پہ خوش اور اسی سے مطمئن ہیں۔

قلبِ ناسی یعنی بھولنے والا دل، یہ دل مسلم گنہگار کو ملا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فنسی ولم نجد لہ عزما۔ وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا عزم نہ پایا۔

اس کا اطمینان توبہ اور نعیم جنت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فتاب وھدیٰ۔ پس اس کی توبہ قبول کر کے اسے ہدایت دی۔

قلبِ مشتاق، یہ قلب مومن مطیع کو نصیب ہوا۔ اسے ذکر الٰہی سے سکون ملتا ہے۔ کما قال: الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔

Scanned with CamScanner

قلبِ وجدانی: یہ قلب حضرات انبیاء کرام اور خواص اولیاء کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کا چین و قرار ذاتِ الٰہی اور اس کے صفات کا متلاشی سے ہے۔ جیسا کہ اپنے خلیل علیہ السلام کے جواب میں فرمایا جبکہ انہوں نے عرض کی:

کیف تحی الموتی۔ اے اللہ کریم! تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے؟

اس کے جواب میں فرمایا:

اولم تؤمن۔ کیا تمہیں ایمان نہیں؟

خلیل علیہ السلام نے عرض کی:

بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔ ایمان ہے لیکن جب تو مجھے خود احیاء الموتیٰ کی کیفیت دکھائے گا اور صفت محی کی تجلی میرے دل پر ڈالے گا۔ میں مطمئن ہو کر تیری ذات کے واسطے سے محی الموتیٰ ہو جاؤں گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب کسی خاص بندے کے دل پر اللہ تعالیٰ تجلی ڈالتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کے دل کے شیشے سے نور اطمینان اس کے نفس پر منعکس ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کا نفس بھی مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اسی کی برکت سے جذبات خفایہ یعنی ارجعی الیٰ ربک کے خطاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

نسخہ روحانی برائے علاج امراضِ نفسانی

نفائس المجالس میں لکھا ہے کہ ذکر قلوب کا صیقل اور سرورِ محبوب کا سبب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاذکرونی اذکرکم۔ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

نکتہ: جن کے دل پر حجابات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے مطمئن ہوتے ہیں لیکن جو واصل باللہ ہیں وہ اس وقت مطمئن ہوتے ہیں جب انہیں اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل

حدیث شریف ۱: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر یمن کی طرف بھیجا وہ کفار سے لڑے اور بہت جلد فتح یاب ہو کر مالِ غنیمت کافی زیادہ لے کر واپس آئے۔ ایک شخص نے کہا: یہ لوگ تو بہت اچھے ہیں کہ مالِ غنیمت بھی بہت سارا لے آئے اور لوٹے بھی بہت جلدی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی قوم کی نشان دہی کروں جو ان سے بھی افضل و اعلیٰ ہے۔ آپ نے فرمایا: ان سے وہ لوگ افضل و اعلیٰ ہیں جو صبح کی نماز میں حاضر ہو کر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ سورج کے طلوع ہونے تک ذکرِ حق میں مشغول رہتے ہیں۔

حدیث شریف ۲: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے حلقۂ ذکر میں

Scanned with CamScanner

تشریف لائے۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم یہاں حلقہ باندھ کر کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کی، ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد میں مشغول ہیں اور اس کا شکر کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام جیسی نعمت بخشی۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا:

ما اجلسکم (کیا واقعی تم اسی لیے بیٹھے ہو؟)

انہوں نے عرض کی، ہم اسی لیے بیٹھے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

آللہ ما اجلسکم الا ذلک۔ (بخدا تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟)

ف: آللہ بالجر والمد۔ یہ قسم کے لیے بولا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں خدا کی قسم! کیا تم صرف اسی لیے بیٹھے ہو؟

انہوں نے عرض کی، بخدا ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما انی لم استحلفکم تھمۃ ولکن اتانی جبرائیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملٰئکۃ۔

میں نے تم سے قسم اٹھوا کر کسی تہمت یا بدظنی کے طور نہیں کیا بلکہ خوشی کے طور پوچھا ہے اس لیے کہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ کر ملائکہ کرام کے سامنے فخر و مباہات فرما رہا ہے۔

بدعت کا مسئلہ اور وہابیہ دیوبندیہ کے وہم کا ازالہ

سوال: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت سے سُنا کہ چند لوگ مسجد میں جمع ہو کر زور زور سے ذکرِ الٰہی اور درود نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پڑھ رہے ہیں۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا یہ جو تم کر رہے ہو اگرچہ فی نفسہ یہ اچھا فعل ہے لیکن مجھے تمہارے اس فعل سے بدعت کی بو آتی ہے۔ ایسے ہی بار بار فرمایا یہاں تک کہ زبردستی ان لوگوں کو مسجد سے نکلوا دیا۔[1]

جواب اور تائید اہلسنت

حضرت الشیخ سنبل الخلوتی قدس سرہٗ الرسالۃ الحقیقۃ فی طریق الصوفیہ میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

بانہ کذب وافترا علی ابن مسعود لمخالفۃ النصوص القرآنیۃ والاحادیث النبویۃ وافعال الملائکۃ قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر

یہ حضرت ابن مسعود پر افترا ہے اس لیے کہ وہ نصوص کی مخالفت کب کر سکتے ہیں جبکہ یہ مسئلہ قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور افعالِ ملائکہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم

---

[1] یہی سوال وہابیوں دیوبندیوں کا مایہ ناز ہے جس کے جواب سے ان کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا اولئک ما کان لھم ان ید خلوھا الا خائفین ۔

کرے ہے جو اللہ تعالیٰ کی مساجد سے منع کرتا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر ہو اور وہ انھیں ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ یہی وہ ہیں جو ان میں نہیں داخل ہوتے مگر خوف کرتے ہوئے ۔

جواب ۲ : اگر مان لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو بھی ہمارے مسلک کے خلاف نہیں ۔ چنانچہ شیخ موصوف فرماتے ہیں :

ولو سلمنا صحۃ وقوعہ فھو لا یعارض الادلۃ المذکورۃ لانہ اثر والاثر لایعارض الحدیث کما لا یخفی وبطلان الادلۃ یدل علی بطلان المدلولات ۔

اگر مان لیا جائے کہ یہ واقعہ صحیح ہے تو ہمارے دلائل کے خلاف نہیں اس لیے کہ وہ اثر ہے اور اثر حدیث کے معارض نہیں ہوتا اور قاعدہ ہے کہ دلیل کا بطلان مدلولات کا بطلان ہے ۔

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل اس کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ سے بغض کی دلیل اس کے ذکر سے بغض ہے ۔

ف : ذکر کا نور ذاکر کے حال کے اندازے پر ہے اور یہ فنا فی اللہ کا مقام طے کرنے سے نصیب ہوتا ہے ۔

ذاکرین کی اقسام

ذاکرین چار قسم ہیں :

① اھل الخلوت

② اھل العزلۃ

③ اصحاب الاوقات

④ اصحاب الخدمۃ

اھل الخلوت : ان کا وظیفہ شب و روز میں نفی و اثبات کا ذکر تیس ہزار تک ہوتا ہے ۔ یہ ذکر خفی و قوی ہے ضرب لگا کر اور جہر سے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ستر ہزار بار کرتے ہیں ۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مشغول رہتے ہیں ۔ انھیں غیر سے کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوتا ۔

اھل العزلۃ (گوشہ نشین حضرات) : ان کا ذکر خفی ہوتا ہے ۔ وہ خفی طریق سے تیس ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ سے مشغول ہوتے ہیں اور کبھی اپنے نفس سے ۔

ؔ روایت مذکورہ کا کہیں پتا ہی نہیں چلتا لیکن ذکر بالجہر روکنے کے لیے دیوبندی وہابی بڑے زور و شور سے اس روایت کو پیش کرتے ہیں ۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے تفصیلی جوابات " الصحبۃ عن البدعۃ " میں لکھے ہیں ۔

Scanned with CamScanner

اصحاب الاوقات، اوقات مقرر کرکے ذکر کرنے والے۔ یہ خفی و جلی کل بارہ ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ سے مشغول ہوتے ہیں، کبھی اپنے نفس سے اور کبھی مخلوق سے۔

اصحاب الخدمۃ۔ یہ حضرات رات دن ہمہ وقت باوضو ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

ظالم کی تباہی کا وظیفہ بعض مشایخ فرماتے ہیں جو شخص کی پچھلی رات اُٹھ کر نہایت خضوع اور حضورِ قلب سے ایک ہزار بار لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر ظالم کی طرف دم کرے تو وہ ظالم جلد تر تباہ ہو جائے گا اور اس کی دولت اور سلطنت بہت جلد تباہ ہو جائے گی ورنہ بہت سی آفات و بلیات اور مصائب میں مبتلا ہو گا۔[1]

وسعتِ رزق کا وظیفہ حضرت شیخ ابو العباس احمد البونی قدس اللہ روحہ نے فرمایا: جو روزانہ صبح کو باوضو ایک ہزار بار کلمہ طیبہ کا ورد رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے غیب سے رزق کے اسباب مہیا کرے گا۔ اور وہ روزی کے معاملہ میں خوشحال رہے گا۔ (اس کی اجازت عام ہے)

عرشِ الٰہی کی سیر کا وظیفہ جو شخص سونے سے پہلے باوضو ہو کر کلمہ طیبہ کا ایک ہزار بار ورد کرکے سوئے گا اس کی رُوح کو عرشِ الٰہی کی سیر اور وہاں کی غذا نصیب ہو گی۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دلت آئینہ خدائے نماست
روئے آئینہ تو تیرہ چرا ست
صیقلے وار صیقلے میزن
باشد آئینہ ات شود روشن
صیقل آں اگر نہ آگاہ
نیست جز لا الٰہ الا اللہ

ترجمہ: تیرا دل جب خدا نما آئینہ ہے تو پھر وہ سیاہ کیوں ہے۔ اس کو صیقل مار کر سفید اور شفاف و صاف بنا۔ ممکن ہے تیرا دل روشن ہو جائے۔ اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ دل کو روشن کرنے کا صیقل کیا ہے تو میں بتاؤں کہ دل کو روشن کرنے والا صیقل کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

ضرورتِ مرشد لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ذکر کرنے والا کسی شیخ کامل صاحبِ معرفت سے ذکر کی تلقین حاصل کرے اور اسی سے ہی ذکر کرنے کا طریقہ پوچھے۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم

---

[1] اس وظیفہ کے لیے کامل کی اجازت ضروری ہے اور ہر ایک کے لیے بھی نہ پڑھا جائے جب تک کسی کا ظلم و ستم انتہا کو نہ پہنچ جائے اور بچنے کی امید نہ ہو۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ سے تابعین نے صحابہ سے اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اولیہ) یہ طریقہ چلا آرہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامت جاری رہے گا۔[1] (کذا فی ترویح القلوب بلطائف الغیوب للشیخ عبدالرحمٰن البسطامی قدس سرہ الخطیر)

تفسیر عالمانہ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جنہوں نے قلب ایمان اور جوارح اعضاء پر عمل صالح کو جمع کیا۔ یہ مبتدا اور اس کی خبر طُوْبٰی لَهُمْ ان کی زندگی پاکیزہ ہے۔ لھم کی لام بیانیہ ہے جیسے سلام لک میں لام بیانیہ ہے۔ طوبیٰ زلفیٰ وبشریٰ کی طرح طاب کا مصدر ہے در اصل طیبیٰ تھا یاء ماقبل مضموم ہونے کی وجہ سے واؤ کے ساتھ تبدیل ہوئی ہے۔ جیسے موقن در اصل میقن تھا کہ اس کی یاء بھی واؤ سے تبدیل ہوئی ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ طوبیٰ لہم بمعنے غبطۃ وسرور لہم وفرح یعنی انہیں فرحت وسرور اور غبطہ ہوگا۔ بعض نے اس کا ترجمہ نعم حالہم کیا ہے۔ یعنی ان کا بہترین حال ہوگا۔

وَحُسْنُ مَاٰبٍ اور اچھا انجام یعنی قیامت میں ان کا بہتر مرجع یعنی مرنے کے بعد جہاں لوٹیں گے اور رجوع فرمائیں گے ان کے لیے وہ مقام بہت بہتر ہوگا۔ یعنی انہیں بہشت نصیب ہوگی۔

طوبیٰ کا تعارف

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ طوبیٰ ایک علم (کا نام) ہے۔ چنانچہ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہشت کے درختوں کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا، بہشت کا سب سے بڑا درخت طوبیٰ ہے اور میرا خیمہ (بفضلہ تعالیٰ) اسی کے نیچے ہوگا۔ اس کا تنا موتیوں سے، اس کی ٹہنیاں زبرجد سے اور اس کے پتے سندس کے ہیں۔ اس کی ستر ہزار ٹہنیاں ہیں اور سب سے بڑی ٹہنی عرشِ الٰہی کے پایہ کو مس کر رہی ہے اور اس کی ادنیٰ ٹہنی آسمانِ دنیا میں ہے۔

اعجوبہ

بہشت کے ہر دار، ہر صحن، ہر محل، ہر قبہ، ہر دریچہ، ہر حجرہ اور ہر تخت میں طوبیٰ کی ٹہنی سایہ فگن ہوگی اور طوبیٰ میں ہر قسم کے میوے اور ہر قسم کے پھل ہوں گے۔ جس کا جو جی چاہے گا اسی سے لے گا اور ایسے خوشنما کہ جنہیں دیکھ کر روح تازہ ہو جائے۔

فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہشت میں

الفتح القریب میں ہے کہ طوبیٰ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ کے صحن میں ہوگا جس کی شاخیں ہر بہشتی کے گھر میں پھیلی ہوں گی۔ بہشت میں جو کچھ کسی کو ملے گا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ملے گا۔

ایمان وعمل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے

اہلِ دنیا کو علم و ایمان ملا یا ملتا ہے تو وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض و

---

[1] اور وہابی اس پر بدعت اور حرمت کا فتویٰ لگاتے رہیں گے۔

Scanned with CamScanner

فضل سے ملا یا ملتا ہے۔ 17

طوبیٰ کا مزید تعارف

طوبیٰ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے خود ہی بویا۔ اس کے نیچے دو چشمے جاری ہیں:

۱۔ کافور

۲۔ سلسبیل

سلسبیل میں ہر قسم کے پھل اور ہر رنگ کے پھول ہیں، صرف اس میں سیاہ رنگ نہیں۔ اس کا ایک ایک پتہ ایک ایک اُمّت کے لیے کفایت کرکے سایہ فگن ہوگا۔ اس کے ہر ایک پتے پر ستر ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کر رہے ہیں اور وہ بہت عظیم پھیلنے والا درخت ہے۔ اس کے اخیر اور انتہا کی کسی کو خبر نہیں۔ اگرچہ تیز رفتار اور بہتر سواری پر کوئی سوار ہو کر سواری کو تیز دوڑائے تو سو سال کے بعد، بعض روایات میں ہزار سال کے بعد بھی اس کے سایہ کے نیچے دوڑنے کے باوجود اس کی انتہا کو نہ پہنچ سکے گا۔

تفسیرِ صوفیانہ

بعض بزرگوں نے فرمایا: وعملوا الصّٰلحٰت میں عمل صالح سے تزکیۂ نفس اور طوبیٰ لھم سے فطرت اصلیہ اور کمال صفات حسن، مآب سے دخول فی جنۃ القلب یعنی جنۃ صفات مراد ہے۔

ف: سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عارفین کو اوقات معرفت کی مبارک اور عمل صالح سے مراد بھی وہی اعمال ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کیے جائیں۔ ایسے اعمال کے ثمرات اچھے اور نتیجہ بہتر نصیب ہوتا ہے۔

؎

شاخ بے میوہ گر ہمہ طوبیست

ببریدش بمیوہ پیوندید

ترجمہ: وہ درخت جو اگرچہ طوبیٰ بھی ہو لیکن میوہ نہ دے تو اسے کاٹ ڈالو اور اس کی بجائے ثمردار درخت بوؤ۔

حکمت: عمل صالح اگر بہشت کے لیے کیے جائیں تو انھیں لوجہ اللہ کہنا بیکار ہے۔ اس کا معنٰے یہ ہوا کہ اگر وہ بہشت و دوزخ پیدا نہ کرتا تو (معاذ اللہ) عبادت کا مستحق بھی نہ ہوتا۔ ؎

ہر زاہد خشکے چہ سزاوار بہشت است ۔۔۔ شائستہ آتش شمر آنہا کہ چنانند

---

[1] لیکن وہابی دیوبندی بیچارے اس عقیدہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا۔

[2] لیکن یہی رنگ شیعوں کو محبوب ہے اور شیعوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سیاہ رنگ کا لباس فرعون اور جہنمیوں کا ہے۔ ۱۲۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "شرح آئینہ شیعہ نما" دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

ترجمہ: ہر خشک زاہد بہشت کے لائق نہیں۔ وہ دوزخ کا ایندھن ہیں جو ذاتِ حق کے لیے عبادت نہیں کرتے۔

دیگر تفسیر صوفیانہ

الذین امنوا وعملوا الصالحات ان سے وہ حضرات مراد ہیں جنہوں نے ایمان کے باغات لا الہ الا اللہ قلب کی زمین میں بوئے ہیں اور انہیں شریعت کا پانی دیا اور طریقت کے سامان یعنی اعمال صالحہ سے آراستہ کیا تو اس سے شجرِ طیبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر بیان فرمایا ہے:

ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ۔

اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی شجرِ طیبہ سے مثال دی ہے۔ جب وہ درخت مکمل ہوگیا تو اس نے حقیقت کے ثمرات دیئے جسے طوبیٰ لھم وحسن مآب میں بیان فرمایا۔ مآب بمعنے رجوع۔ اور بندے کا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے غیر سے اس کی کوئی غرض نہیں۔ ثمرِ حقیقیہ یہی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فمن شاء اتخذ الی ربہ مآبا۔ جو چاہے تو اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرے

طوبیٰ سے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ طوبیٰ سے لا الہ الا اللہ کا شجرِ حقیقی مراد ہے اور شجرِ حقیقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا قلب نورانی ہی ہے جس کی شاخیں ہر ایمان کے قلب میں ہیں۔ (فافہم ولکن الوہابیۃ قوم لا یفقہون)

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

ہر دو عالم بستۂ فتراک او
عرش و کرسی گردہ قبلۂ خاک او

پیشوائے ایں جہاں و آں جہاں
مقتدائے آشکارا و نہاں

ترجمہ: تمام جہان آپ کے فتراک سے وابستہ ہے عرش و کرسی کا قبلہ آپ کے در اقدس کی خاک ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اِس جہان اور اُس جہان بلکہ تمام عالم کے پیشوا ہیں۔ آپ ہر ظاہر اور ہر باطن کے مقتدا ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

کَذٰلِکَ جیسے ہم نے آپ سے پہلے اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اُمتوں کی طرف رسل کرام علیہم السلام بھیجے۔ ایسے ہی اَرْسَلْنٰکَ فِیْ اُمَّۃٍ ہم نے آپ کو ایک اُمت کا رسول بنا کر بھیجا۔

ف: فی بمعنے الیٰ ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فردوا ایدیھم فی افواھھم۔ پس انہوں نے اپنے ہاتھ کو منہ کی طرف لوٹایا۔

Scanned with CamScanner

سوال: فی بمعنی الی کیوں۔ اور ارسال کا صلہ تو الی آتا ہے نہ فی۔

جواب: چونکہ رسول علیہ السلام اپنی قوم میں ہی بھیجے جاتے ہیں تو اُمّۃ ارسال کی گویا ظرف ہے۔ بنابریں اسی اشارہ کے لیے لفظ فی لایا گیا ہے۔

قَدْ خَلَتْ تحقیق گزری ہے یعنی آپ کی اُمت سے پہلے کئی اُمتوں کا اس دنیا میں آنا جانا ہوا مِنْ قَبْلِهَا آپ کی اُمت سے پہلے۔ ھا ضمیر لفظ امۃ کی طرف لوٹتا ہے اور امۃ لفظاً مؤنث ہے اگرچہ اس سے مراد اہلِ ایمان ہیں۔ اُمَمٌ اُمتیں جن کے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ آپ کا اُمت کی طرف رسول بن کر تشریف لانا نئی بات نہیں۔

ربط: اب ارسال رسول کی علت بتائی جاتی ہے۔ کما قال:

لتتلوا علیھم الذی اوحینا الیک۔ تاکہ آپ انہیں وہ سنائیں جو آپ پر ہماری طرف سے وحی نازل ہوئی ہے۔

ف: علیھم کی ضمیر جمع اُمّۃ کی طرف راجع ہے کیونکہ امۃ سے مراد اہلِ ایمان ہیں جیسا کہ گزرا ہے۔ یعنی بہت عظمت والی کتاب جو آپ پر نازل ہوئی ہے آپ انہیں سنائیں۔ اس کتاب سے قرآن کریم مراد ہے۔ اور انہیں وہ احکام بتائیں جو اسی قرآن مجید میں ہیں اور انہیں ایمان کے زیور سے مزین فرمائیں اس لیے کہ قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا اور اس سے اچھی سیرت پیدا کرنا ہے نہ صرف تلاوت اور محض سننا وغیرہ۔

نکتہ: قرآن مجید پر عمل کرنے والا عام آدمی پیدل چل کر منزل مقصود تک پہنچنے والے کی طرح ہے اور عالم بے عمل سوار ہو لیکن نیند کرنے والے کی طرح۔ اسی لیے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا:

تلمیذ بے ارادت عاشق بے زر است و رونده بے معرفت — شاگرد بے ارادہ، عاشق بے زر اور بے راہ رو مرغ

مرغ بے پر و عالم بے عمل درخت بے بر و زاہد — بے پر اور عالم بے عمل، درخت بے پھل اور زاہد

بے علم خانہ بے در۔ — بے علم خانہ بے در کی طرح ہیں۔

وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ اھ ارسلناک کے فاعل سے حال ہے یعنی ان کا حال ہے کہ وہ رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ واسع الرحمۃ ہے یہ اس کی رحمت کی وسعت کو نہیں جانتے اور نہ ہی یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے کتنے انعامات نازل فرمائے ہیں اور سب سے بڑی رحمت نزولِ قرآن کی ہے۔

شانِ نزول: ابوجہل نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جبکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی مناجات میں عرض کیا، یا اللہ یا رحمٰن۔ ابوجہل نے واپس جا کر اپنے دوسرے مشرک ساتھیوں سے کہا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے معبود جس کا نام رحمان ہے کو بھی پکارتے ہیں اور ہم تو رحمان رحمان الیمامہ یعنی مسیلمۃ الکذاب کو مانتے ہیں۔ یہ رحمان الیمامہ شہر یمامہ میں رہتا تھا۔ یہ یمامہ جنگل میں ایک شہر کا

Scanned with CamScanner

نام ہے۔ ابوجہل کے رد میں یہی آیت نازل ہوئی:

قُلْ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان کافروں سے فرمایئے هُوَ یعنی رحمان وہی ہے جس سے تم کفر اور اس کی معرفت کا انکار کرتے ہو رَبِّیْ وہ میرا رب اور میرا خالق ہے اور میرے جملہ امور کا متولی ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ خبر کے بعد خبر ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں وصفوں ربوبیت اور الوہیت کا جامع ہے۔ یعنی اس کے سوا کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں۔ وہی واحد ہے اور الوہیت صرف اسی سے مخصوص ہے۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ میں نے صرف اسی پر توکل کیا اور میں اپنے جملہ امور کا سہارا صرف اسی کو مانتا ہوں۔ مجھے جملہ شرور سے صرف وہی بچاتا ہے اور تمہارے اوپر مجھے صرف وہی فتح ونصرت عطا فرماتا ہے وَاِلَيْهِ اور صرف اسی کی طرف مَتَابِ تاب یتوب کا مصدر ہے دراصل متابی بیائے متکلم بمعنے میرا اور تمہارا رجوع صرف اسی کی طرف ہے۔ میرے اوپر رحم فرما کر میرے لیے قیامت میں تم سے بدلے گا اور رب رحمٰن کی گرفت سخت ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے:

اعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ میں حوصلہ والے کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

بہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو
ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دستان گفت

ترجمہ: آسمان نے جو تجھے مہلت دے رکھی ہے اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ تو سیدھی راہ سے ہٹ کر رہے۔ تجھے اس سے غلط فہمی ہوئی ہے کس نے تجھے کہا کہ اس پرانے ترک نے تجھے کچھ نہیں کہنا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جن امتوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا انہوں نے رحمٰن سے بھی کفر کیا اس لیے کہ رحمانیت کے تقاضا سے ہی مخلوقات کی ایجاد ہوئی اس لیے کہ قہاریت واحدیت (تنہائی) کو چاہتی تھی۔ یعنی اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ لیکن رحمانیت نے قہاریت سے سبقت کر کے ایجاد مخلوقات کا تقاضا پورا کر لیا۔ آیۂ ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اتی الرحمٰن عبدا میں یہی راز ہے یعنی سب کے سب آسمان وزمین والے رحمان کی حاضری دیں گے۔ اسی تقاضا پر اللہ تعالیٰ نے رسل کرام کو کتابیں دے کر بھیجا تاکہ وہ امتوں کو وہی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آسمانی کتابیں پڑھ کر سنائیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کا وہ زمانہ یاد دلائیں کہ وہ اکیلا تھا اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی لیکن اس نے اپنے فضل وکرم سے اپنی مخلوق کو پیدا فرمایا اور انہیں عدم سے نکال کر وجود کی نعمت بخشی۔ اس لیے ان پر لازم ہے کہ وہ یقین کریں کہ ان سب کا رب اور خالق وہی ہے اور اسی کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اسی طرف پھر ہم سب نے لوٹنا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

Scanned with CamScanner

صاحبِ روح البیان کی صوفیانہ رائے

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ارسلناک کا خطاب ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ آپ لغتہً و اصطلاحاً ہر لحاظ سے مرسل (بالفتح) اور صاحب وحی اور صاحب دعوت ہیں۔ اس میں آپ کی اتباع میں آپ کے ان تمام ورثا کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک آپ کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ یعنی علماء باعمل اور اولیاء کاملین بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیامِ توحید کے لیے مامور من اللہ ہیں اور وہی حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہو کر لغوی رسول پیام رساں ہیں انھیں اصطلاحی رسول کہنا گمراہی ہے جیسا مرزا قادیانی اور ان کی جماعت کو غلط فہمی ہوئی کہ وہ اولیاء پر لغوی رسالت کا اطلاق اصطلاحی رسالت سمجھ کر اپنے دجال قادیانی کو اصطلاحی رسول و نبی وغیرہ کہتے ہیں۔

ف: یاد رہے کہ اولیاء کرام صاحبِ الہام اور صاحبِ ارشاد ہوتے ہیں جیسے ہر دور میں دنیوی طور صاحبِ دولت ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ہر دور میں صاحبِ رحمت یعنی اولیاء کرام ہوتے ہیں۔ جیسے ظاہری طور دنیوی معاملات میں دنیا دار صاحبِ تصرف (دنیوی) ہوتے ہیں۔ ایسے ہی اولیاء کرام صاحبِ تصرفِ معنوی ہوتے ہیں[1] (لکن الوہابیۃ قوم جاہلون)

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ (میری اُمت کے علماء (اولیاء) بنی اسرائیل کے نبیوں (علیہم السلام) کی طرح ہیں)

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث شریف میں علماء و اولیاء کے لیے نبوت یعنی پیام رسانی کا منصب ثابت فرمایا ہے کہ وہ بذریعہ الہام اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دیتے ہیں[2]

وھم یکفرون بالرحمٰن میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کا منعم ہے۔ اور منعم کے لیے واجب ہے کہ اس کے انعامات کی ناشکری نہ کی جائے بلکہ اس کے فضل و کرم سے دیے ہوئے ایمان اور نیک اعتقاد کے احسان پر شکر کرنا لازم ہے جیسے ماقبل کے مضمون سے معلوم ہوا ویسے کفر و انکار تو قبیح ترین افعال ہیں جیسے ایمان و اقرار حسین ترین اعمال ہیں۔

ف: حُسنِ ظن اور حُسنِ اعتقاد میں بہت بڑی تاثیر ہے۔

حکایت

چند ڈاکو اہلِ رباط کے مہمان ہوئے۔ صاحبِ خانہ نے پُوچھا: آپ کون صاحبان ہیں؟ انھیں چور، ڈاکو کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔ ور کہا ہم غازی ہیں۔ صاحبِ خانہ نے ان کے لیے طعام پکایا۔ صاحبِ خانہ سے ایک عورت نے عرض کی کہ میری لڑکی اندھی ہے مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں غازیوں کے ہاتھ دُھلاؤں۔ ان کے دھوون کو اپنی بچی کے چہرہ پر

---

[1] اسی راز سے بیچارے وہابی دیوبندی محروم ہیں۔

[2] جسے قادیانی دجال نے مستقل نبوت کا منصب سمجھا۔

Scanned with CamScanner

ڈالوں گی۔ ممکن ہے غازیوں کے دھوون سے میری بچی کو صحت اور تندرستی نصیب ہو جائے۔ صاحبِ خانہ نے اجازت دے دی اور وہ عورت تھال لائی اور کھانے سے پہلے ان جعلی غازیوں (ڈاکوؤں) کے ہاتھ دھلائے۔ اور ان کے دھوون سے اپنی بچی کا منہ دھویا۔ وہ بچی اس پانی کی برکت سے انکھیاری ہوگئی[1]

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا (شانِ نزول): مشرکینِ عرب جن میں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ بھی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ پر ایمان لائیں تو آپ قرآن پڑھ کر مکہ کے پہاڑوں کو ہم سے دُور کہیں ہٹا دے تاکہ ہمارا تنگ علاقہ وسیع تر ہو جائے اس پر ہم باغات لگائیں اور کھیتی باڑی کریں اور زمین کو چیر دیں تاکہ ہم اس سے نہریں جاری کر سکیں اور چشمے بہا سکیں تاکہ ہمارا علاقہ شام کے علاقوں کی طرح سرسبز اور شاداب ہو جائے اور ہمارے مُردوں میں سے کسی دو یا تین کو زندہ کر دو۔ اگر زیادہ نہیں تو صرف قصی بن کلاب کو زندہ کر دو تاکہ وہ ہمیں بتائے کہ واقعی آپ نبی برحق ہیں بلکہ ہم خود ان سے سوال کریں گے تاکہ واضح ہو جائے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ جب انہوں نے اس قسم کے سوالات کیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا اس شرط کا جواب محذوف ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آتی ہے یعنی اگر کوئی کتاب ایسی ہوتی کہ اسی عالم میں سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ تسییر بمعنے چل پڑنا۔ یعنی چلائے جاتے ہیں اسی کے ساتھ پہاڑ۔ یعنی اپنی جگہ ہٹ جاتے اور روئے زمین سے چلے جاتے۔ یعنی کتاب پڑھنے سے اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ یا اسی کتاب کے ذریعے زمین کاٹی جاتی یعنی زمین کو کتاب پڑھ کر کھودا جاتا کہ جس سے نہریں اور چشمے خود بخود بہہ نکلیں اَوْ كُلِّمَ یا زندہ کرکے کلام کرائے جائیں بِهِ الْمَوْتٰى کتاب کے ذریعے مُردوں سے یعنی کسی کتاب کے پڑھنے کی برکت سے مُردے زندہ کرکے کلام کرائے جائیں تو یہی قرآن کریم تمام کتابوں سے ان کاموں کے لیے زیادہ موزوں تھا اس لیے کہ یہ تمام آسمانی کتابوں سے بلیغ ترین اور حیثیت اعجازی میں بھی یکتا اور تذکیر میں بھی بے مثیل ہے۔

ف: شرط مذکور کی جزا اوپر کا مضمون ہے۔ گویا دراصل عبارت یوں تھی: ولو ان قرانا سیرت الخ لکان ھذا القرآن الخ۔

ف: اس سے قرآن پاک کی شان کی عظمت اور مشرکین کے غلط خیالات کی تردید مطلوب ہے کہ اے مشرکو! جب تمہارے ہاں قرآن جیسی عظیم آیت اور معجزہ موجود ہے تو پھر تمہارا دوسری آیات و معجزات کا مطالبہ کرنا تمہاری بڑی جہالت و حماقت ہے اس میں انہیں تنبیہ بھی ہے کہ جو امور تمہیں دین کا فائدہ دیں وہی تمہارے لیے نافع ہیں بہ نسبت ان کے جو تم دنیا کے فوائد کے طالب بنتے ہو۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے پہاڑ ٹل جائیں اور ہم اس میں کھیتی باڑی کریں۔ یہ ان کا دنیوی مفاد تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ

---

[1] اسی خوش اعتقادی پر ہم اہلسنت اولیاء کرام کا دامن پکڑتے ہیں جب وہ کریم جعلی اور نام نہاد غازیوں (جو حقیقۃً چور تھے) پر حسن ظنی اور خوش اعتقادی سے فضل و کرم کرتا ہے تو سچے ولیوں کے صدقے کیوں نہ کریگا۔

نے فرمایا اس دنیوی مفاد سے تمہارے لیے دینی فائدہ اہم ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی تعلیم پر عمل کرو اس میں بہت بڑی تاثیریں موجود ہیں اور اس کے عجیب و غریب خواص ہیں۔ اگر کسی کو وہی تاثیر و خاصیات نصیب ہو جائیں تو وہ نفوس کے پہاڑوں کو ٹال سکتا ہے اور بشریت کی زمین کے اندر بہترین نظارے قائم کر سکتا ہے اور مُردہ دلوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

بَلْ جیسا کہ کافر کہتے ہیں کہ تمہارے قرآن یا تمہارے فرمان پر ہمارے مطالبات پُورے ہو جائیں بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ لِلّٰهِ الْاَمْرُ تخلیقی امر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے[1] جَمِیْعًا تمام یعنی وہی ہر شے میں تصرف کا مالک ہے اور جس کے لیے جیسے چاہے وہی قدرت رکھتا ہے اور تم جس طرح کے مطالبات کر رہے ہو ان کے پُورا کرنے پر وہی قادر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے یہ مطالبات پُورے نہیں کرے گا اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ تمہارے لیے یہ تمام امور غیر مفید ہیں۔

وہابیوں اور دیوبندیوں کی غلط فہمی کا ازالہ

وہابیوں دیوبندیوں کے تمام چھوٹے بڑے فرقوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو اگر اختیار ہوتا تو وہ کافروں کے سوالات پُورے فرما دیتے۔ لیکن یہ ان کی جہالت کا سوال ہے۔ باوجود انہیں ان کے وہم کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زائل فرمایا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ،

والذی نفسی بیدہ لقد اعطانی ما سألتم ولو شئت لکان ولکن خیرنی بین ان تدخلوا فی باب الرحمۃ فیؤمن مؤمنکم وبین ان یکلکم الیٰ ما اخترتم لانفسکم فضلوا عن باب الرحمۃ فاخترت باب الرحمۃ واخبرنی انہ ان اعطاکم ذٰلک ثم کفرتم ان یعذبکم عذابا لم یعذب بہ احدا من العالمین۔ (کما فی اسباب النزول للامام الواحدی)

اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس نے مجھے وہ اختیار دیا ہے جس کا تم سوال کرتے ہو۔ اگر میں چاہوں وہ ہو جائے لیکن مجھے اختیار دیا ہے کہ تم میں کوئی رحمت میں داخل ہو کر ایمان قبول کرے اور تم میں کوئی چاہے تو وہ اپنے نفسانی ارادوں میں پھنس کر گمراہ ہو کر رحمت سے دور ہو اور اس نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اگر وہ تمہارے سوال پُورے کر دے تو تم کفر کرو گے تو پھر ایسے عذاب میں گرفتار ہو گے جس سے نجات محال۔

ف: کافروں نے قرآن کا نور دیکھا نہ تھا اسی لیے وہ برہان ربانی کے دیکھنے سے اندھے رہے۔ اسی طرح اہلِ انکار کا حال ہے

---

[1] کبھی امر بمعنے تخلیقی ہوتا ہے یعنی ملک من الامر میں بھی اسی تخلیقی امر کی نفی ہے لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے سینہ کبھی میں عام کر کے حضور علیہ السلام سے اختیار کی نفی کر دی۔

Scanned with CamScanner

کہ وہ بھی قرآن کے اسرار سے غافل ہو کر مشاہدہ و معائنہ سے محروم رہتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے، ؎

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمیست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ: اے بیٹے! تم قرآن کی اسی ظاہری صورت پر نہ رہو شیطان نے بھی تو آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا تھا تو مارا گیا بلکہ یوں سمجھیے کہ قرآن ظاہر آدمی کے ظاہری ڈھانچے کی طرح ہے کہ اس کا نقش تو ظاہر ہے لیکن حقیقت اور رُوح پوشیدہ اور مخفی ہے۔

حصولِ ولایت کا گر

جو شخص قرآن کی تعلیمات کا پابند ہو جائے تو اس کو وہ قدرت حاصل ہوگی جو دُوسروں کو نصیب نہ ہو سکے گی اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے تو جو بندہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو پالے تو پھر اسے وہی قدرت نصیب ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی صفت کے لائق ہے۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو کان القرآن فی اھاب ما مسته النار۔ اگر قرآن مجید کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلا سکے گی۔

یعنی اگر قرآن مجید کے الفاظ کسی چمڑے پر منقش کر کے اسے آگ میں ڈالا جائے تو آگ اسے نہیں جلائے گی۔ قرآن مجید کی برکت سے جب ایک چمڑا نہیں جل سکتا تو حضرت انسان کا کیا حال ہوگا جو اسے مومن ہو کر اسے حفظ کر کے اس کی تلاوت پہ مداومت رکھتا ہے تو اسے آگ کیسے جلا سکتی ہے۔

حضرت علی، ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم

سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ بیمار ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیمار ہیں ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم ان کی عیادت کے لیے جائیں۔ سب چل پڑے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرض سے افاقہ ہے لیکن ان حضرات کی تشریف آوری سے مزید افاقہ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور ان کے دل میں خیال گزرا کہ یہ حضرات محبت سے تشریف لائے ہیں لہٰذا ان کی بہتر اور اعلیٰ خدمت کی جائے۔ چنانچہ گھر میں تشریف لے گئے تو گھر میں سوائے شہد کے اور کچھ نہیں تھا اور وہ صرف فرد واحد کو کفتی ہو سکتا تھا آپ نے اسے ایک سفید نورانی تھال میں رکھا اور ان حضرات کے پاس لے آئے۔ لیکن اس

Scanned with CamScanner

میں ایک سیاہ بال بھی پڑا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کھانے سے پہلے کچھ باتیں کر لینا ضروری ہے۔ ہم میں سے کوئی جملہ سب نے عرض کی: آپ ہمارے سے بزرگ اور معزز ترین ہیں آپ ہی پہل فرمایئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الدین انور من الطست و ذکر اللہ تعالٰے احلی من العسل والشریعۃ ادق من الشعر۔

دین اس تھال سے زیادہ نورانی اور ذکر الٰہی شہد سے زیادہ شیریں اور شریعت بال سے باریک تر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الجنۃ انور من الطست و نعیمھا احلی من العسل والصراط ادق من الشعر۔

بہشت تھال سے زیادہ نورانی اور اس کی نعمتیں شہد سے زیادہ شیریں اور پلصراط بال سے زیادہ باریک ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

القرآن انور من الطست و قرأۃ القرآن احلی من العسل و تفسیرہ ادق من الشعر۔

قرآن تھال سے زیادہ نورانی اور قرآن مجید کی تلاوت شہد سے زیادہ شیریں اور اس کی تفسیر بال سے بھی باریک تر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الضیف انور من الطست وکلام الضیف احلی من العسل وقلبہ ادق من الشعر۔

مہمان تھال سے زیادہ نورانی اور اس کا کلام شہد سے زیادہ شیریں اور اس کا دل بال سے بھی باریک تر ہے[1]۔

اللہ تعالٰی ہم سب کے دل نورِ عرفان سے نورانی بنائے اور ہم سب کو سرِ قرآن نصیب فرمائے۔ (آمین یا اللہ یا رحمٰن)

تفسیر عالمانہ

اَفَلَمۡ یَایۡـَٔسِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا ایأس بمعنے قطع الطمع عن الشئ کسی شے سے طمع کر کے چھوڑنا۔ القنوط کا بھی یہی معنٰی ہے۔ استفہام بمعنے امر ہے۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ بعض اہلِ ایمان نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ کفارِ مکہ کے مطالبات پورے فرمایئے ممکن ہے ان میں کوئی اسلام قبول کرے۔ اللہ تعالٰی نے ان کے جواب میں فرمایا کہ مومنوں کو چاہیے کہ کافروں کے ایمان سے امیدیں بھی ختم کر لیں جبکہ ان کافروں نے آیات و معجزات دیکھے لیکن باوجود اینہمہ

---

[1] اس سے اندازہ لگایئے کہ صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کی آپس میں کتنی محبت تھی لیکن شیعہ گروہ کیا کہتا ہے۔

عناد اور سرکشی سے ان کا انکار کر دیا اور ان کی اسی ضد اور ہٹ دھرمی سے سب کو ٹھکرا دیا۔ بنا بریں اہلِ اسلام کو ایمان قبول کرنے کی امید کیسی۔ اور اہلِ اسلام کو یقین ہے کہ اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ہدایت بخشے تو سب کے سب مومن ہو جائیں۔

ف : کبھی ایئاس مجازاً بمعنے العلم بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ وہ علم کا سبب ہے بایں معنیٰ کہ وہ کام نہیں ہوگا۔ اس معنے پر ان مخففہ ہے اپنے متعلقات سے مل کر محلاً منصوب یائس بمعنے علم کا مفعول بہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا اہلِ ایمان کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت نہیں دے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت تمام کی ہدایت سے متعلق نہیں۔ ہاں مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے اس لیے کہ اس کے جمال و جلال کا تقاضا یونہی ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیرست
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ : عشق کے کارخانہ میں کفر ضروری ہے آگ کسے جلاتی اگر بولہب پیدا نہ ہوتا۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وہ کافر جنہوں نے رحمٰن سے کفر کیا یعنی کفارِ مکہ ہمیشہ رہیں گے تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا بسبب اس کے جو انہوں نے عمل کیے یعنی کفر اور دیگر اعمالِ خبیثہ کا ارتکاب کیا تو انہیں پہنچیں گی قَارِعَةٌ مصیبتیں اور تکلیفیں۔ جیسے قتل، قید، جنگ اور قحط وغیرہ۔ ایسی مصیبتیں اور تکلیفیں ان کے دل ہلا دیں گی اور آئیں گی بھی اچانک۔ القرع بمعنے الضرب والصدع۔ خلاصہ یہ کہ کفارِ مکہ مصائب اور تکالیف اور دیگر عذابوں میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ اَوْ تَحُلُّ یا مصائب نازل ہوں گی قَرِیْبًا ایسی جگہ پر جو ان کے قریب ہوگی مِّنْ دَارِهِمْ ان کے گھروں کے۔ یعنی مکہ شریف کے قریب۔ جس سے وہ گھبرائیں گے یعنی مصائب و تکالیف چنگاریوں کی طرح اڑ کر ان کے سروں پر آجائیں گی اور شرور بڑھ کر انہیں گھیر لیں گے۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تَحُلُّ کا خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس لیے کہ آپ حدیبیہ والے سال اپنا لشکر لے کر مکہ معظمہ کے قریب آکر ٹھہرے تھے یہاں سے ہی آپ نے کفارِ مکہ کے مال مویشی وغیرہ لینے کا حکم فرمایا جسے لشکر نے مالِ غنیمت کے طور ان سے چھین لیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قَارِعَةٌ سے مراد احکام ازلیہ ہیں کہ یہ بہت سے ان معاملات میں لوگوں کو ڈراتے ہیں جو ان کی شقاوت کا موجب بنتے ہیں قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ اس میں اشارہ ہے کہ کبھی وہی احکام ازلیہ ان سے براہ راست صادر ہوتے ہیں اور بعض ان کے مصاحبین سے اسباب شقاوت میں وہ تمام آپس میں موافق ہوتے ہیں اور ان کو ان احکام میں بھی توافق ہوتا ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شقاوت کی سزا کا حکم سنایا جاتا ہے۔ چنانچہ

(باقی بر صفحہ ۲۶۸)

Scanned with CamScanner

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○

أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۚ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ

بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ

السَّبِيلِ ۗ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ○ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ

أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ○ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ تَجْرِي

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ○

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۖ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ ۚ قُلْ إِنَّمَا

أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۚ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ○ وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ

حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ

وَلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ○

ترجمہ : اور بیشک آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ہنسی کی گئی۔ سو میں نے کافروں کو کچھ مہلت دی ۔ پھر ان کی گرفت کی تو میرا عذاب کیسا تھا۔ پھر کیا وہ ہر شخص پر اس کے اعمال کی نگہداشت رکھتا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ فرمائیے کہ ان کے نام تو لو۔ کیا اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر دیتے ہو جو روئے زمین پر اس کے علم میں نہیں یا یونہی سرسری بات کہہ دیتے ہو بلکہ کافروں کو اپنا مکروفریب اچھا محسوس ہوا ہے اور وہ راہ حق سے روکے گئے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو اس کا کوئی ہادی نہیں انہیں حیات دنیا میں عذاب ہوگا اور آخرت کا عذاب تو سب سے سخت ہے اور انہیں عذاب الٰہی سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔ جس بہشت کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے اس کے احوال یہ ہیں کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ اس کے میوے ہمیشہ رہیں گے اور اس کا سایہ بھی یہ ان کا انجام ہے جو متقی ہیں اور کافروں کا انجام آگ ہے اور جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا اور ان فرقوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ فرمائیے مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کا شریک نہ بناؤں اور میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا پھرنا ہے اور اسی طرح میں نے اسے عربی میں فیصلہ اتارا اور اے مخاطب اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کروگے بعد اس کے کہ تمہیں علم حاصل ہوا تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ کوئی بچانے والا۔

Scanned with CamScanner

(بقیہ ص ۲۶۷)
فرمایا حَتّٰی یعنی انھیں بلائیں اور مصیبتیں پہنچتی رہیں گی یہاں تک کہ یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آئے۔ اس سے موت یا قیامت کا دن یا فتح کہ مراد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کا خلاف نہیں کرتا ممتنع ہے لوخلف وعد نقص (عیب) ہے اور نقص وعیب الوہیت کے منافی ہے اور کمال وبلندی کے بھی خلاف ہے۔ المیعاد بمعنے الوعد ہے۔ جیسے المیلاد بمعنے ولادت اور المیثاق بمعنے توثقہ وغیرہ۔ الوعد شے کے وقوع سے پہلے نفع پہنچنے کی خبر دینا۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ بیشک استہزاء کیے گئے آپ سے پہلے رسل علیہم السلام یعنی جیسے آپ کی قوم آپ سے استہزاء کرتی ہے ایسے ہی پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ان کی قومیں استہزاء کرتی تھیں۔

ف: رسل کی تنکیر تکثیر کے لیے ہے یعنی آپ سے پہلے بہت سے رسل کرام سے ایسے ہوا۔ چنانچہ آیت:

وما یاتیھم من رسول الا کانوا بہٖ یستھزءون۔	اور کوئی رسول علیہ السلام ایسا نہیں گزرا جس سے انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو۔

دلالت کرتی ہے۔ الاستہزاء بمعنے استحقار والاستہانۃ اور الاذیٰ والتکذیب۔

فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا پس میں نے کافروں کو مہلت دی۔ اس سے وہ کفار مراد ہیں جو انبیاء علیہم السلام سے استہزاء کرتے تھے۔ اور الاملاء: الامہال مہلت دینا۔ یعنی زمانے کی کچھ مدت چھوڑ دینا۔ یعنی انھیں بڑی مدت کیلیے امن اور عیش وعشرت میں چھوڑ دینا، جیسے جانور کو چراگاہ میں کھلا رہنے دیا جائے تاکہ وہ اپنی مرضی سے جیسے اور جہاں سے اور جتنا چرنا چاہے چرے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ میں نے انھیں لمبا رستہ دے دیا ہے امن اور وسعت رزق عام کر دی گئی ہے عذاب کو موقر کر دیا گیا ہے تاکہ اپنی مرضی سے جس طرح جتنا چاہیں گناہ کرلیں ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ مہلت دینے کے بعد پھر میں نے ان کی گرفت کی، فَكَيْفَ كَانَ پس کیسا تھا عِقَابِ ان کے لیے میرا عذاب۔ یعنی آپ نے کیسا دیکھا رسل کرام کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی سزا کو۔

سوال: حضور علیہ السلام تو اس وقت تھے ہی نہیں تو پھر دیکھنے کا کیا معنی۔

جواب ۱: آپ کو ان کی سزا کا علم اتنا یقینی تھا کہ گویا آپ نے انھیں اپنی ان سر مبارک کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

جواب ۲: بطرا سلوم میں ہے کہ یہ عام حکم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے لوگو! تم ان کے شہروں سے گزرتے ہو اور ان کے گھروں کو دیکھتے ہو۔ اس کے بعد اندازہ لگاؤ کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے کیسے سخت عذاب میں مبتلا فرمایا۔

ف: عوام کو کفار کے حالات دکھا سنا کر عبرت دلائی گئی ہے کہ انہوں نے انبیا علیہم السلام سے استہزاء کیا تو یہ

Scanned with CamScanner

سزا پائی اور اگر تم بھی ایسے کرو گے تو ان کی طرح سزا پاؤ گے اور اس میں اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلی دلائی کہ آپ سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام گزرے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کفار استہزاء کرتے تھے۔ آپ بھی چونکہ نبی بلکہ نبیوں کے امام (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں آپ کے ساتھ کفار استہزاء کرتے ہیں تو کیا ہوا۔ آپ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے حالات دیکھیے کہ جیسے آپ سے کفار کبھی استہزاء کرتے کبھی ایذاء دیتے، کبھی تکذیب اور کبھی غلط سلط مطالبات کرتے ہیں ان سے بھی ایسے ہی کرتے تھے تو پھر جیسے انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ پھر جیسے ان کے صبر کا نتیجہ نکلا کہ ان کے منکرین کو سزا ملی ویسے ہی آپ کے منکرین کو سزا ملے گی۔

نبوت و ولایت کی گستاخی

آیت میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استہزاء اور ان کی بے ادبی و گستاخی (جیسے وہابی، دیوبندی، مودودی کرتے ہیں) کرنا بدبختی اور انتہائی شقاوت ہے۔

حدیث قدسی شریف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ من اھان لی۔ اور ایک روایت میں ہے من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربۃ یعنی جس نے مجھے ایذاء پہنچائی کسی ولی (دوست) کے بارے میں اس نے میرے ساتھ جنگ کی۔

نکتہ، اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی مدد کو بہت جلد پہنچتا ہے کیونکہ وہ حضرات ہر وقت اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد میں لگے رہتے ہیں تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔

ف: مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایک بندے سے فرمائے گا کہ تیرا دنیا میں زاہد ہونا تیرے اپنے فائدے کے لیے تھا اور تیرا مجھے یاد کرنا تیری اپنی خوش قسمتی کا صدقہ تھا کہ تجھے یہی شرف ملا کہ تو نے مجھے یاد کیا لیکن بتا تو نے میرے لیے میرے کسی ولی کے لیے کسی سے دشمنی کی یا نہ۔ ایسے ہی میرے کسی دوست سے محبت کی یا نہ۔

مسئلہ: اولیاء کرام کی محبت و عقیدت دنیا کے تمام اعمال سے مفید تر ہے اور ان سے بغض و عداوت رکھنا اور انہیں حقیر سمجھنا اور ان پر طعن و تشنیع کرنا بہت برا بلکہ قبیح ترین عمل ہے بلکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ یعنی اکبر الکبائر سے ہے۔

ولی کے گستاخ کا انجام

ایک سپہ سالار بہت ظالم و جابر تھا۔ وہ کسی درویش کے گھر چلا گیا۔ درویش نے فرمایا، میرا ایک منشور ہے اس کے مطابق میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے گھر سے اٹھ جا۔ اس نے کہا لائیے اپنا منشور تاکہ میں بھی دیکھ لوں۔ وہ درویش گھر سے قرآن مجید اٹھا لائے اور یہ آیت پڑھ کر سنائی:

یایھا الذین اٰمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم — اے ایمان والو! کسی کے گھر اس کی اجازت کے

حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا -
بغیر مت جاؤ یہانتک کہ ان سے مانوس ہو جاؤ ان کو السلام علیکم کہو۔

اس ظالم نے یہ سن کر کہا میں تیرے منشور کو جانتا ہوں۔ جاؤ تم اپنا کام کرو۔ گویا اس ظالم نے درویش کی اہانت و گستاخی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بھی بے ادبی کر ڈالی۔ لیکن منتقم ازلی کب گوارا فرماتا۔ اسی شب کو اس ظالم کو قولنج کا درد اٹھا اور اسی شب میں مرگیا۔ ؎

نتیجہ نفس کرم عندلیبانست
کہ عمر شبنم گستاخ یکزمان باشد

ترجمہ: نیک آدمی کا انجام بہتر ہوتا ہے اور گستاخ کی زندگی کا حال شبنم جیسا ہے۔

ف: یاد رہے کہ اس طرح کی شرارتیں وہ کرتا ہے جس کا نفس غالب ہو ورنہ شریف النفس ایسی شرارت ہرگز نہیں کرتا کہ وہ کسی ولی یا نبی کی گستاخی کرے[1] یا اللہ تعالیٰ کے متعلق بے باکانہ کلام کرے[2]

سبق: ذی فہم پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو گندی عادتوں سے دور رکھے تاکہ قہار جبار رب تعالیٰ کے قہر و غضب سے نجات نصیب ہو۔

غور فرمائیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ادب اور محبت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا۔ اپنی خرابیوں مثلاً تکبر وغیرہ کو ختم کر کے اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواضع اور فنا و ادب سیکھا۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ وہ دارین کی ہر تکلیف سے محفوظ ہو گئے اور کونین کی ہر سعادت سے نوازے گئے اور کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرکشی کی اور آپ کے آداب بجا نہ لائے اور گستاخیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دائمی شقاوت اور بدبختی ان کے گلے کا ہار بنی۔
یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا کہ اہل ایمان کے ساتھ بغض و عداوت کافروں کو نصیب ہو۔

ولی کا گستاخ: اولیاء اللہ کا انکار اور ان کی گستاخی کرنے والے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس لیے اولیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں۔ اولیاء کے ساتھ محبت اور عقیدت گویا نبی علیہ السلام سے محبت و عقیدت ہے[3]۔ ان کی گستاخی و بے ادبی، بغض و عداوت اور سوء عقیدت نبی علیہ السلام سے بغض و عداوت اور

---

[1] جیسے دیوبندی وہابی کرتے ہیں۔

[2] جیسے کمیونسٹ اور نئی روشنی کا ماڈرن مسلم یا پھر جاہل عوام کرتے ہیں۔

[3] بحمدہٖ تعالیٰ یہ طریقہ ہم اہلسنت کو نصیب ہے کہ ہم اولیاء کرام کی محبت و عقیدت سے سرشار رہیں۔ اور خدائے بزرگ و برتر ہمیں ایسی عقیدت و محبت میں موت نصیب فرمائے۔ آمین

Scanned with CamScanner

سو عقیدت ہے۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

مقربان خداوند وارثان رسول

تو از خدائے چنیں دور واز رسول چیست

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اے مسلمان بھائی! تم اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے محروم ہو کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیوں ہو۔

اَفَمَنْ مَنْ موصول مرفوع المحل اور مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور استفہام بمعنے نفی ہے هُوَ قَآئِمٌ بمعنے رقیب عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ صالحہ یا طالحہ (نیک یا بدبخت) بِمَا كَسَبَتْ عمل خیر ہو یا شر، ان سب کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے اور ان سب کی جزا و سزا بھی وہی دے گا اگر کسی کو جزا و سزا دینا چاہے یعنی جو ذات ہر ایک کے عمل کی محافظ اور اس پر جزا و سزا دینے پر قدرت رکھتی ہے کیا اس کی طرح وہ بُت ہو سکتے ہیں جنہیں کسی قسم کا نفع و نقصان دینے کی کوئی قدرت حاصل نہیں اسی طرح،

افمن یخلق کمن لا یخلق۔ کیا ہو سکتا ہے اس کی طرح جو ہر شے کو پیدا کرتا ہے وہ جو کسی شے کو پیدا نہیں کرتا۔

یعنی اللہ تعالیٰ ہر نفس کے کردار (بھلائی برائی) کو جانتا ہے اور ان کو سزا و جزا دینے پر قادر بھی ہے اور ہر شے کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ان کو خدا کا شریک ماننا نہایت عاجز اور پرلے درجے کے ضعیف، بیحد جاہل، بیخبر کا کام ہے اور تخلیقی معاملہ میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا باوجود اینہمہ وہ کون سا احمق ہوگا جو ان بتوں کو خدا جیسا مانتا ہو۔ لیکن کافروں نے مانا اور وہی ان کا عقیدہ تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں احمق سے بھی بدتر کہا۔

ف: قائم علی کل نفس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے جملہ امور کا متولی اور ان کے رزق کا کفیل اور ان کے آجال اس کے قبضہ میں اور ان کے اعمال کی جزا و سزا اس کے ہاتھ میں ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے، قام فلان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کا متولی اور کسی کے معاملہ کا متکفل ہو۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ اور انہوں نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا ڈالا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یعنی کافروں نے اللہ تعالیٰ اور بتوں کو ایک طرح کا سمجھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا کہ جیسے وہ عبادت کا مستحق ہے ان کے بُت بھی عبادت کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سمجھایا کہ جیسے وہ عبادت کے استحقاق میں میرے برابر ہیں تو چاہیے کہ وہ امور کی کفالت اور تخلیق کائنات میں بھی میرے برابر ہوں اور جیسے میں ہر نفس کے عمل خیر و شر کو جانتا اور اس کی جزا و سزا پر قدرت رکھتا ہوں اُن کے لیے بھی ثابت کرو۔ اور تم خود معترف ہو کہ وہ امور مذکورہ بالا نہیں کر سکتے تو پھر تمہارے لیے جیف ہے

کہ تم تفاوت کو جانتے ہوئے پھر بھی بتوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہو۔ یہ تمہاری سفاہت و حماقت کی روشن دلیل ہے۔
قُلْ سَمُّوْهُمْ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اے کافرو! اپنے بتوں کے نام گن کر سناؤ۔ یعنی ان کے اسماء و صفات بتاؤ۔ ان کے اسماء و صفات سے امتیاز ہو جائے گا کہ تمہارے بت عبادت کے مستحق ہیں یا نہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ ہر اسم کا ماخذ اس کی صفت ہے۔ جب بتوں میں وہ اوصاف و صفات نہیں تو پھر ان کے اسماء کہاں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں واضح فرمایا کہ مستحق عبادت وہ ہے جو حی، قادر، خالق، رازق، سمیع، بصیر، علیم اور حکیم ہو۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ پر ان اسماء کا اطلاق نہیں کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا کہ تمہارے بتوں میں صلاحیت و اہلیت ہی نہیں تو پھر ان کی عبادت اور پرستش کیسی۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ سموھم فن کنایہ سے ہے کیونکہ سموھم بمعنے عینوا اسماءھم یعنی اے بُت پرستو! اپنے بتوں کے اسماء متعین کرو۔ ظاہر ہے کہ شے کے اسم کا تعین اس کے وجود کے تعین پر دلالت کرتا ہے۔ پھر جس شے کا وجود ہی نہ ہو تو اس کا اسم کیسا۔ اللہ تعالیٰ نے گویا یوں فرمایا کہ بُتوں کے نام بتاؤ۔ اب جب وہ خود معترف ہونگے کہ ان کے نام نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ان کے نام نہیں تو انھیں عبادت کا استحقاق کیسا۔ یعنی جن صفات سے عبادت کا استحقاق ہوتا ہے وہ ان میں نہیں تو وہ عبادت کے بھی مستحق نہیں۔

اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ یہ ام منقطعہ مقدرہ بہ بل ہے اور ہمزہ انکاریہ ہے یعنی بلکہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو خبر دیتے ہو بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اس کے ساتھ جس کا نہ کوئی وجود ہے اور نہ اس کے ساتھ اللہ کے علم کا تعلق ہے اس سے مراد ان کے معبودانِ باطلہ ہیں جنھیں کافروں نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا۔

ف: بطریق کنایہ لازم کی نفی کر کے ملزوم کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو اس کا اسے علم ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ کا علم ہر وجود کو مستلزم ہے۔ ورنہ اس کا جاہل ہونا ثابت ہوگا ہے۔ جب ثابت ہوا کہ بتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں اسی لیے سرے سے ان کا وجود ہی نہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ام تنبئونہ میں اعراض ہے کہ بُت کے پجاریوں کو بتوں کے نام بتانے کو کہا گیا۔ جب وہ بتا نہ سکے تو اس قول سے اعراض کر کے اب خبر دینے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور لفظ ام میں ہمزہ انکاری ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ لائق نہیں کہ اس طرح ہو۔

ف: تبیان میں ہے آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم اپنے بتوں کے وہ نام رکھتے ہو جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور صفاتی نام ہیں تو فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی باتوں کی خبر دیتے ہو جنھیں زمین پر اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں۔
اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یا صرف زبانی کلامی باتیں ہیں یعنی بلکہ تم اپنے بتوں کے نام ایسے کلام سے

Scanned with CamScanner

رکھتے ہو جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے زنگی کا نام کافور [اور اندھے کا نام چراغدین رکھ دیا جائے۔ 18
جیسے مشہور ہے ؎

برعکس نہند نام زنگی کافور

یا جیسے کہا جاتا ہے کہ آنکھیں تو ہیں نہیں لیکن نام چراغدین]

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ان کے خبر دینے سے اعراض کر کے ان کے بتوں کے نام رکھنے کی حقیقت بتائی گئی ہے کہ وہ بتوں کے ایسے نام رکھتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ ہی کفار اپنے بتوں کے اسماء میں معنوی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ ام میں ہمزہ استفہام کا معنیٰ انکار و تعجب کا ہوگا۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! مذکورہ باتوں کی طرف توجہ نہ کیجئے لیکن کافروں کی دیوانگی دیکھیے کہ کتنا تعجب خیز ہے کہ اپنے بتوں کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ان پر نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ان کی عقل تصدیق کرتی ہے صرف زبانی جمع خرچ ہے جسے وہ بکتے جا رہے ہیں لیکن معنوی مناسبت کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کرتے۔ بس یوں سمجھو کہ یہ بے معنی اور مہمل الفاظ بول رہے ہیں۔ ایسے الفاظ کوئی سمجھدار بولنے تک گوارا نہیں کرتا اس لیے کہ وہ ایسے بے معنی الفاظ بولنے سے نفرت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان مہمل الفاظ کے بولنے سے اس کی خفت ہوگی اور اہل فہم کی نظروں میں وہ گر جائے گا۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ بلکہ کافروں کے لیے ان کے مکر کو مزین کیا گیا ہے کہ ان کے نفوس کو اباطیل اچھے لگتے ہیں اسی لیے وُہ انھیں حق مانتے ہیں۔ یعنی بتوں کا اللہ تعالیٰ کا شریک ماننا انھیں حق نظر آتا ہے۔ یہ در اصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں رسوائی میں مبتلا کرنا ہے۔

ف : المکر بمعنے صرف الغیر عما یقصدہ بحیلۃ کسی کو اپنے مقصد سے حیلہ و فریب سے پھیرنا۔

کافروں کو زینت دینے والا شیطان ہے جو وسوسے سے انھیں حق سے پھیرتا ہے۔

وزین لھم الشیطٰن اعمالھم۔ اور شیطان انھیں ان کے کردار سنوار کر دکھاتا ہے۔

یا خود اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ :

زینا لھم اعمالھم۔ ہم نے ان کے اعمال بھلے کر کے دکھائے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف بعثت داعیا ومبلغا ولیس لی من الھدی شئ وخلق ابلیس مزینا ولیس الیہ من الضلالۃ شئ۔

میں داعی اور مبلغ بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میرے ہاں ہدایت ہی ہدایت ہے اور شیطان دھوکہ سازی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے ہاں سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

ے

حق فاعل و ہر چہ جز حق آلات بود

تاثیر ز آلت از محالات بود

ترجمہ: حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا باقی ہر شے بمنزلہ آلہ کے ہے اور آلات سے تاثیر کا پایا جانا محال ہے۔

وَصُدُّوْا۔ الصد بمعنے المنع۔ اور وہ روکے گئے ہیں عَنِ السَّبِيْلِ راہِ حق سے وَمَنْ اور جسے يُّضْلِلِ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اور سیدھے راہ پر نہ جانے دے۔

ف: سعدی مفتی نے فرمایا: اہلسنت کے نزدیک اضلال بمعنے خلق الضلال اور الھدایۃ بمعنے خلق الاھتداء۔ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ پس اس کا کوئی ہادی نہیں۔ یعنی پھر کسی کو طاقت نہیں کہ اسے ہدایت دے سکے یا اسے ہدایت کی توفیق بخشے لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ان کے حیٰوۃ دنیا میں عذاب ہے کہ وہ مقتول اور قیدی ہوں گے اور انہیں مختلف مصائب و تکالیف میں مبتلا کیا جائے گا اور انہیں کفر کی وجہ سے سزا کے علاوہ اور کچھ نصیب نہ ہوگا اسی لیے اس کا نام عذاب رکھا۔

ف: کلام عرب میں العذاب، العذب سے ہے بمعنے المنع۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

عذبتہ عذبا = میں نے اسے خوب روکا۔

اور پانی کو بھی عرب میں عذب اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے اور عذاب کو اسی لیے عذاب کہا جاتا ہے کہ وہ سزا یافتہ کو اس عمل کے دوبارہ کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس کی سزا سے عبرت حاصل کرکے برائی سے رک جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر عذاب سے بُعد اور حجابات و غفلت اور جہل مراد ہے۔ اسی طرح عبودیت نفس والھویٰ اور دنیا اور شیطان والانس کے عذاب سے بھی یہی مراد ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ اور آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ سخت ہوگا اس لیے کہ وہ دائمی ہوگا اس سے عذاب نار یا ہجر و فراق کی نار اور بُعد اور دُوری کا درد اور طاعت الٰہی میں کوتاہی کی حسرت اور ذنوب و معاصی میں زیادتی اور خسارے اور گھاٹے اور بلند درجات سے گرنا اور جہنم کے طبقات میں پڑنا مراد ہے وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اور ان کے لیے نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مِنْ وَّاقٍ کوئی حفاظت کرنے اور روکنے والا کہ انہیں عذاب نہ دیا جائے۔

ف: دوسرا مِن زائدہ ہے اور پہلا واق کے متعلق ہے۔

Scanned with CamScanner

ف : تماوت مجید میں ہے کہ انھیں ذکر (کی دنیا) کی رسوائی سے بچانے والا ہے اور نہ آخرت کے عذاب سے۔

حدیثِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شبِ معراج میں ایک ایسی وادی میں پہنچا جس سے سخت مکروہ قسم کی آواز سنائی دی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا۔ یہ کیسی آواز ہے؟ اس نے عرض کی: یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہی ہے: یا اللہ تعالیٰ! تو نے میرے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ اب پورا کیجئے اس لیے کہ میرے اندر طوق اور بیڑیاں اور آگ کی گرمی اور گرم پیلا گندا اور بدبودار پانی و دیگر عذاب کی چیزیں بہت زیادہ ہو گئی ہیں اور میرا گڑھا بہت گہرا اور میری گرمی بہت سخت ہو گئی ہے۔ فلہٰذا اب دیر نہ کیجئے میرے اندر آنے والوں کو جلد بھیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جہنم! فکر مت کیجئے تیرے لیے میں نے مشرک مرد اور مشرکہ عورتیں اور خبیث مرد اور خبیثہ عورتیں اور ہر وہ سرکش جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا بہت زیادہ تعداد میں تیار کیے ہوئے ہیں جو عنقریب تیرے اندر آئیں گے۔ دوزخ نے عرض کی: اب میں راضی ہو گئی۔ (کما فی الترغیب والترہیب)

حکایت حضرت ابن مرشد ہر وقت آنسو بہاتے رہتے اور ہر گھڑی انھیں رونے سے ہی کام تھا۔ آپ سے سبب پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کوئی اگر گناہ کرے گا تو میں اسے ہمیشہ کے لیے ایک گرم حمام میں قید کر دوں گا۔ پھر جسے یہ خطرہ ہو وہ کیسے گریہ نہ کرے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گنہگار کو ایسی آگ میں قید کیا جائے گا جسے تین ہزار سال تک ایندھن ڈال کر گرم کیا گیا ایک ہزار سال گرم کی گئی تو وہ سرخ ہو گئی پھر ایک ہزار سال گرم کی گئی تو سپید ہو گئی پھر ایک ہزار سال گرم کی گئی تو وہ سیاہ ہو گئی۔ اب وہ جہنم کالی سیاہ اندھیری رات کی طرح کالی سیاہ ہے۔

ف : یہ اس عذاب کا حال ہے جسے نارِ صغریٰ سے عذاب ہو گا اور نارِ کبریٰ کا عذاب اس سے بھی سخت تر ہو گا۔ وہ بُعد، ہجر و فراق کا عذاب ہے۔

بر زخ جامی بود بے روئیت از دوزخ گلہ
گر ز روضہ خازن اندر قبر او روزن کند

ترجمہ : دیدارِ محبوب کے بغیر جامی کے لیے دوزخ ہے وہ آرزو رکھتا ہے کہ کسی طرح سے قبر سے دریچہ کھل جائے جس سے دیدارِ محبوب نصیب ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت اور طریق حق و تحقیق کی توفیق چاہتے ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ اس بہشت کی شان جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

ف : یہاں پر متقیوں سے وہ حضرات مراد ہیں جو شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ یہ مبتدأ ہے اور اس کی خبر محذوف ہے جو در اصل یوں ہے: فیما قصصنا علیک مثل الجنۃ۔ یعنی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ جنت کی شکل ہے۔ یعنی

صفت ہے۔ مثل کہاوت کے طور بیان کی جاتی ہے۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یہ حال ہے اس عائد سے جو موصول الذین کے صلہ میں محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے:

وعدہا المتقون مقدرا جریان انہارھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان نہروں کے جریان کا وعدہ مقدر فرمایا۔

اور وہ نہریں چار ہیں۔ بہشت میں چاروں مراتب کے بالمقابل چلتی ہیں۔ اور وہ چار مراتب یہ ہیں:

- شریعت
- طریقت
- معرفت
- حقیقت

یہ چاروں نہریں ہر اُس خوش نصیب کے لیے ہوں گی جو ان چاروں مراتب کا جامع ہوگا اور وہ اولیاء مقربین ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ابرار اور ارباب برزخ اگرچہ وُہ بھی ان نہروں سے بہرہ ور ہوں گے لیکن انھیں لذت نصیب نہیں ہوگی۔ جو اولیاء مقربین کو نصیب ہوگی۔ کیونکہ مراتب علیا کی وجہ سے انھیں ان نہروں سے لذّت کا بہت زیادہ اور وافر حصہ نصیب ہوگا۔ جیسے وہ معرفت وغیرہ کے مراتب میں بلند قدر تھے اسی طرح وُہ بہشت کی لذات کے درجات میں بھی ممتاز ہونگے۔

س

ہر کسے از ہمت والائے خویش
سود برد در خور کالائے خویش

ترجمہ: ہر شخص اپنی بلند ہمتی سے اتنا نفع پائے گا جتنا اس کا سامان ہے۔

اُكُلُهَا بہشت کے میوہ جات۔

ف: حواشی میں ہے کہ اس سے بہشت کے وہ میوہ جات مراد ہیں جو کھائے جائیں گے دَآئِمٌ ہمیشہ ہوں گے۔ وہ کبھی منقطع نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی رکاوٹ ہوگی۔ جیسے دنیا کے میوہ جات کا حال ہے کہ یہ کبھی ختم ہوتے ہیں اور کبھی نہیں۔ بعض میوہ جات کے کھانے کی اجازت ہوتی ہے اور بعض کی نہیں۔ اس طرح بہشت میں نہیں ہوگا وَظِلُّهَا اور بہشت کے درختوں کے سائے بھی دائمی ہوں گے وہ بھی کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جیسے دُنیا میں ہوتا ہے کہ سورج نہ ہونے سے سائے بھی نہیں رہتے بلکہ آخرت میں تو سُورج کا نشان تک نہیں ہوگا۔ اور نہ اس پہ گرمی ہوگی نہ سردی۔

ف: اس دوام سے دائمی خوشی اور سرور و فرحت مراد ہے۔

نکتہ: سایہ کے دوام کی خوشخبری اس لیے دی گئی ہے کہ عرب درختوں کے سائے خال خال پائے جاتے ہیں جس شے

Scanned with CamScanner

کا وجود نادر ہو اس کے لیے خوشخبری سے طبیعت کو سرور و فرحت حاصل ہوئی۔

نکتہ : اس سے یہ بھی نہ سمجھنا کہ بہشت میں صرف کھانے پینے کی اشیا اور صرف سائے ہوں گے جیسا کہ صرف ان کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ وہاں ہر قسم کے آرام وعیش اور استراحت اور سرور و فرحت کے سامان وافر در وافر ہوں گے، ان دو نوع کا ذکر صرف ان کی عام اور بکثرت ضرورت کے پیشِ نظر کیا گیا ہے اور یہی دو چیزیں عرب والوں کے نزدیک بہت عظیم الشان سمجھی جاتی تھی۔

نکتہ : ان کے دوام سے ان کے انواع مراد ہیں۔ وہ دانے جو پہلے کھا لیے گئے وہ تو ختم ہو گئے اس پر ان جیسے اور پیدا ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکل اور ظل سے ان کی ذات اور ان کا تشخص مراد نہیں بلکہ ان کے انواع مراد ہیں۔

سوال : اس آیت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ بہشت اور بہشت کے میوہ جات وغیرہ غیر فانی ہیں حالانکہ کل شیءٍ ھالکٌ الا وجھہٗ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر شے فانی ہے۔

جواب ۱ : کل اشیاء (ماسوی اللہ) لازماً فنا ہوں گی اگرچہ بعض اشیاء ایک لحظہ کے لیے ہی سہی تو ایک لحظہ کا فانی ہونا دوام مذکور کے منافی نہیں اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ القلیل کالمعدوم۔

جواب ۲ : کل شیءٍ ھالك الا وجھہ کا تقاضائے فنا قبل از قیامت ہے اور ہمارا مضمون مذکور دوام کے متعلق آخرت کا ہے۔ اس معنے پر ان میں سرے سے تناقض ہے نہیں۔

مسئلہ : آیت میں جہمیہ فرقہ کا رد ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ بہشت کی نعمتیں بھی فانی ہیں۔

سوال : ان کی تائید میں لبید کا یہ شعر : ؎

الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل
وکل نعیم لا محالۃ زائل

ترجمہ : خبردار ہر شے اللہ تعالیٰ کے سوا باطل اور ہر نعمت لازماً مٹ جائے گی۔

جواب : ان کا یہ شعر قبل از اسلام کا کہا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ قریش کی مجلس میں یہ شعر پڑھا گیا۔ جب پڑھنے والے نے پڑھا : ع

الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا : صدقت۔ سچ کہا۔ لیکن کہا گیا : ع

وکل نعیم لا محالۃ زائل

تو آپ نے فرمایا : کذبت' جھوٹ کہا۔

آپ نے اس سے یہ سمجھا کہ لبید نے آخرت کی نعمتوں کو بھی زائل کر دیا ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا : کذبت۔

Scanned with CamScanner

ف : حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اہلِ ایمان دنیا میں محل رعایت میں آخرت کے دن محل حمایت میں ہیں اور عارف دُنیا اور آخرت میں ہر لحظہ محل عنایت میں ہیں ؎

سایۂ دولت او دو جہان جاوید است

اے خوش آن بندہ کہ این سایہ فتد بر سراو

ترجمہ : اس کی دولت کا سایہ تو دونوں جہانوں میں ہمیشہ ہے ۔ خوش بخت وہ بندہ ہے جس کے سر پر یہ سایہ پڑتا ہے ۔

تِلْكَ وہ بہشت جس کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا پرہیزگاروں کا انجام کار اور عاقبت اور نیک ہے وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ اور کافروں کا انجام جہنم کے سوا اور کچھ نہیں ۔ خلاصہ یہ کہ تقویٰ اہلِ جنۃ اور کفر اہلِ نار کا انجام ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وُہ بہشت جو متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے ، اس کا ایک وصف یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں ۔ یہاں پر نہروں سے فضل و کرم اور اس کے پانی سے عنایت و توفیق الٰہی مراد ہے اُكُلُهَا دَآئِمٌ ان میوہ جات سے مشاہدات جمال و مکاشفات جلال مراد ہیں یعنی اہل اللہ کے مشاہدات و مکاشفات دائمی ہیں وَظِلُّهَا ۔ ظل سے انہی مقامات و احوال کے سائے مراد ہیں اور وہ مقامات و احوال بھی وجودِ حق سے ہوں گے ۔ اہل اللہ کے وجودِ شمس سے اور وہ مشاہدات و مکاشفات اور احوال و مقامات انہیں دائمی نصیب ہوں گے اور یہ احوال و مقامات اہلِ تقویٰ کے لیے عافیت ہیں اہلِ تقویٰ وہ ہیں جو ماسوی اللہ سے فارغ ہیں اور جو ان مقامات اور احوال سے روگردانی کرتا ہے تو اسے ہجر و فراق کی نار نصیب ہوگی ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

جور دوران و ہر آن رنجے کہ ہست

سہلتر از بعد حق و غفلت است

زانکہ اینہا بگزرد آن نگزرد

دولت آن دارد کہ جان آگہ برد

ترجمہ : زمانے کا ظلم و ستم ہو یا کوئی دُکھ اور رنج حق کی دوری اور غفلت کی شدت سے آسان ہیں اس لیے کہ ظلم زمانہ وغیرہ تو ختم ہو جانے والے ہیں لیکن دُوری اور غفلت انمٹ ہیں ہمارے نزدیک دولت دائمی اسے نصیب ہے جو راز حق سے باخبر ہے ۔

Scanned with CamScanner

حکایت حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے کے فراق میں روتی ہوئی کہتی تھی

یا ویلاہ من فراق ولد ۔

حضرت شبلی قدس سرہٗ نے بھی رونا شروع کر دیا اور کہا ؛

یا ویلاہ من فراق احد ۔

عورت نے پوچھا، آپ کیا کر رہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ، تو ایک مخلوق کی جدائی پر رو رہی ہے کہ اس نے آخر ایک دن مر کر فنا ہو جانا ہے میں اس حی وقیوم کے فراق پر روتا ہوں جو ازلی ابدی اور باقی ہے ۔

فرزند و یار چونکہ بمیرد عاقبت

اے دوست دل مبند بجز حی لایموت

ترجمہ ؛ بچے اور دوست بالآخر مر جائیں گے اے دوست ؛ سوائے حی لایموت کے اور کسی کے ساتھ دل نہ لگانا ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوری کی آگ اور عذاب الیم سے بچائے ذوق دائمی اور نعمت دوامی نصیب فرمائے ۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ اور وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی ۔ ان اہل کتاب ، سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول فرمایا ۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور نصاریٰ بھی ۔ وہ کل اسّی افراد تھے ، چالیس نجران میں رہتے تھے ، آٹھ یمن میں اور بتیس حبشہ میں ۔ اس تقریر پر الکتٰب سے تورات و انجیل مراد ہوگی يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ خوش ہوتے ہیں اس سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے ۔ یعنی مذکورہ بالا حضرات کے جملہ افراد آپ پر قرآن کے نزول سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور اس کی رحمت ہے جو بندوں کو نصیب ہوئی ہے ۔ اور یقین کیجئے کہ صاحب ایمان مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و احسان سے خوش ہوتا ہے وَمِنَ الْاَحْزَابِ اور بعض جماعتیں ۔ اس سے وہ کفار مراد ہیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں مختلف جماعتیں بنا رکھی تھیں[1] جیسے کعب بن اشرف اور اس کے متبعین اور السید اور العاقب یہ دونوں قبیلۂ نجران کے سرغنے تھے مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ اور ان کی شاخوں میں سے بعض وہ ہیں جو قرآن کے ان احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کی شریعتوں کے مخالف ہیں ۔ الکواشی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ قرآن مجید کے قصص کے تو موافق تھے باقی تمام مضامین کے منکر تھے ۔

---

[1] جیسے ہمارے دور میں نجدی الخارجی ٹولے نے مختلف روپ دھار رکھے ہیں غیر مقلد ، دیوبندی ، احراری ، تبلیغی ، مودودی ، نیچری ، پرویزی وغیرہ ۔ یہ سب نبوت و ولایت کی عداوت میں برابر ہیں ۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہودیوں کو صرف سورۂ یوسف پر ایمان تھا۔ لیکن مشرکین تمام قرآن کے منکر تھے۔

تفسیر صوفیانہ قرآن مجید کے مضامین تکالیف و احکام اور اسرار و حقائق پر مشتمل ہیں۔ رُوح، قلب اور سر تو تمام قرآن مجید سے خوش ہیں اور نفس و ہوٰی اور قوٰی قرآن پاک کے بعض مضامین کے منکر ہیں کیوں کہ بعض ان پر بوجل ہیں جیسے امور تکالیف و احکام دراصل یہ نفس و ہوٰی و قوٰی قرآن مجید کے فوائد سے جہالت کی وجہ سے انکار کرتے ہیں ورنہ کب انکار کرتے۔

اے اللہ! ہم سے تکالیف کی سختی دُور فرمادے اور ہمیں قرآن مجید کی اُلفت نصیب فرما اور اس کی مخالفت و انکار سے ہمیں بچا اور ہمیں قیامت میں اہلِ قبول و اقرار کے ساتھ اٹھا (آمین)

س

مزن ز چون و چرا دم کہ بندۂ مُقبل

قبول کرد بجان ہر سخن کہ جانان گفت

ترجمہ : چُون و چرا نہ کیجئے اس لیے کہ بندۂ مقبول وُہ ہے جو محبوب کے ہر قول کو بجان و دل بلا چُون و چرا قبول کرے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ فرمایئے اے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم! منکرین کے جواب میں کہ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ میں مامور من اللہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں۔ یعنی قرآن مجید میں جو احکام وغیرہ نازل ہُوئے ہیں ان میں مجھے حکم ہُوا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اسی کی توحید کا اقرار کروں اور دین کی توحید کا مسئلہ عمدہ ہے اور اے کافرو! اسے ماننے کے سوا تمہیں اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ ہاں قرآن مجید کے بعض مضامین سے تمہارا انکار کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ زمانۂ قدیم سے منکرین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ کتب الٰہیہ کے بعض مضامین کا انکار کرتے چلے آئے ہیں اور تم بھی انہی سے ہو ورنہ تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے وُہ جو کچھ نازل فرماتا ہے اس میں اہلِ عالم کی اصلاح اور بہبود ہوتی ہے۔ جیسے ایک طبیب یا ڈاکٹر مریض کو وہی ادویہ دیتا ہے جو اس کے مزاج کے موافق ہوں اور اس کی صحت و عافیت کے لیے اس کی معاونت کریں اِلَيْهِ اللہ تعالیٰ یا اس کی توحید کی طرف اَدْعُوْا تمہیں دعوت دیتا ہُوں یا معنٰی یہ ہے کہ میں اپنی جمیع مشکلات میں اسی سے دُعا مانگتا اور اسی کو پکارتا ہُوں وَاِلَيْهِ مَاٰبِ اور اسی کی طرف میرا اور تمہارا جزاء و سزا کے لیے لَوٹنا ہے۔ یہی وہ مسئلۂ توحید ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ فیصلہ ہے باقی احکام میں اس لیے ایک دُوسرے سے مختلف ہیں کہ دَور کے تقاضے اور اسی دَور کے عوام کی مصلحتیں مدِ نظر رکھی گئیں۔ جیسے دَور

Scanned with CamScanner

پڑتا گیا مسائل اسی طرف پھرتے گئے لیکن وُہ بھی حکیم مطلق کے علم و حکمت کے تقاضا پر۔ لیکن منکر کا کیا علاج وہ تو اپنی بدقسمتی سے انکار کرے گا وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے انبیاء علیہم السلام پر ان کی اُمتوں کی لغتوں کے موافق کتابیں نازل فرمائیں۔ چنانچہ فرمایا:

ارسلنك فی امۃ ۔ ہم نے آپ کو ایک اُمت میں رسول بنا کر بھیجا۔

یا اس کا معنی یہ ہے کہ جیسے یہ قرآن مجید جو رسول الدیانات پر مشتمل ہے کہ جن پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور وہ اپنی شہرت کے علاوہ اپنی مثل آپ ہے اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اسے (قرآن) کو نازل کیا حُكْمًا ایسا فیصلہ کن کہ جن امور کی بندوں کو ضرورت پڑتی ہے ان سب کے فیصلے قرآن مجید میں ہیں اور وہ تمام فیصلے مبنی بر حکمت و صواب ہیں۔

ف: الحکم مصدر بمعنے الحاکم ہے اور چونکہ احکام شرعیہ و مسائل تکلیفیہ تمام کا استنباط قرآن مجید سے ہوتا ہے اسی لیے مجازاً حکم کا اسناد اسی طرف ہوا ورنہ حقیقی حاکم تو اللہ تعالیٰ ہے پھر مبالغہ کے پیش نظر اسے مصدر سے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآن مجید فیصلہ کا عین ہے۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حُكْمًا بمعنے محکم یعنی قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس میں تغییر و تبدیل اور اضافہ و ترمیم و تنسیخ ہو سکتی ہی نہیں۔

عَرَبِيًّا یعنی وہ قرآن عربی زبان میں ہے تاکہ اسے پڑھنے، یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

ف: حکماً حال موطئہ اور عربیاً اس کی صفت ہے اور حال موطئہ وہ اسم جامد ہے جو موصوف ہو کسی صفت کا۔ اور اس صفت کی وجہ سے وہ حال بننے کے لائق ہوا ہو اور اسے موطئہ اس لیے کہتے ہیں کہ گویا اس نے اس کا راستہ طے کر لیا جو حقیقی حال تھا یعنی حقیقی حال سے پہلے آکر اس کا موصوف بن گیا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معبودوں کی پرستش کی اور یہودی آپ کو اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کی دعوت دیتے جبکہ آپ نے ان کے قبلہ کو چھوڑ کر کعبہ معظمہ کی طرف نماز پڑھنا شروع فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ اگر آپ بفرض محال ان کی خواہشات کے مطابق تابعداری کریں یعنی آپ کو وُہ دین کی دعوت دیتے ہیں تاکہ ان کے دین کی تصدیق ہو جائے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے دین اور ان کی دعوت کو باطل قرار دے کر ہوئی سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت تو تھی نہیں وہ صرف ان کا میلان طبعی اور خواہشات نفسانی کے مطابق بنایا ہُوا پروگرام تھا جس کی نہ کوئی سند تھی اور نہ ہی کوئی دلیل۔ اسی بنا پر وُہ محض ہوئی ہی تھی اور بس۔

بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اس کے بعد آپ کے ہاں علم آیا ہے اور پختہ دلائل اور مضبوط براہین آپ کے ہاں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا دین حق ہے مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ تیرے لیے اللہ کے عذاب سے نہیں اور کا مِن کوئی

Scanned with CamScanner

کوئی دوست جو تمہاری مدد کرے ولا واق اور کوئی بچانے والا جو عذاب الٰہی سے تمہاری حفاظت کرے اور تم سے عذاب کو ہٹائے۔

ازالہ وہم وہابیہ

یہ خطاب اگرچہ حضور علیہ السلام کو ہے لیکن مراد امت ہے تاکہ انھیں تنبیہ ہو کہ صرف دین اسلام ہی ان کی نجات کے لیے کافی ہے دوسرے کسی دین کی انھیں ضرورت نہیں۔

سوال : اگر حضور علیہ السلام مراد نہیں تو پھر انھیں خطاب کیوں کیا گیا۔

جواب : اس میں بھی عوام امت کو تنبیہ کرنا مطلوب ہے کہ وہ سمجھیں گے کہ جب اتنا ارفع مقام و بلند مرتبت شخصیت کو غیر دین اسلام سے سختی سے روکا جا رہا ہے تو پھر ہم کس باغ کی مولی کہ اس کے خلاف کریں[1]۔ اللہ تعالیٰ میری اور آپ سب کی ہر مقام پہ مدد فرمائے۔ (آمین)

تفسیر صوفیانہ

عاقل وہ ہے جو عالم ربوبیت کی جانب عبودیت کے راستہ پر چلتا ہے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طلب میں مخلص ہو کر زندگی بسر کرتا ہے اور وہ جو علم ہونے کے باوجود شرک کی اتباع کرتا ہے علم سے انانیت کو فنا کر کے وحدانیت کی طلب کرنا مراد ہے شرک کی اتباع کرنے والے کو کوئی نہیں ہوگا جو اسے دوئی کی ظلمات سے نکال کر نورِ وحدانیت کی طرف لیجائے اور نہ ہی اس کا کوئی مددگار ہوگا جو لے دوری کے عذاب اور حجاب الشرکۃ فی الوجود با لوجود سے بچا سکے۔

خلاصہ یہ کہ خلاص و نجات کا بہترین طریقہ عبودیت ہے۔

امام فخر الدین کی تقریر اور عبودیت کا بہترین مطلب

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ عبودیت ایک بہت بڑے مرتبے کا نام ہے اسی لیے علماء کرام کا اختلاف ہے کہ نبی علیہ السلام کی رسالت افضل ہے یا آپ کی عبودیت۔ محققین نے فرمایا : ان کی عبودیت رسالت سے افضل ہے۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ عبودیت خلق سے فارغ ہو کر خالق سے مشغول ہونے کا نام ہے اور رسالت خالق سے مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کو کہتے ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عبودیت میں بندے کے جملہ امور اس کے آقا و مولیٰ کی طرف سپرد ہوتے ہیں ان کے جملہ امور کا کفیل اس کا آقا و مولیٰ ہوتا ہے۔ اور رسالت میں رسول علیہ السلام کو اپنی اُمت کے جملہ امور کی اصلاح کی کفالت کرنی پڑتی ہے۔ ان دونوں دلیلوں سے واضح ہو گیا کہ عبودیت و رسالت میں کتنا فرق ہے۔

فائدہ صوفیانہ در افضلیت عبودیت بر رسالت تیسری دلیل یہ ہے کہ عبودیت مقام اجمع ہے اور رسالت

---

[1] غور کیا جائے تو اس خطاب میں بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و مجد کا اظہار مطلوب ہے لیکن وہابیوں نے اسے تنقیص پر محمول کیا۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی تفسیر میں ہے۔

Scanned with CamScanner

مقام التفرقہ مثلاً حضور سرورِ عالم اپنے رب تعالیٰ کے حضور میں ہر وقت خالص عبودیت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں بسر اوقات کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبودیت میں خاطر جمع ہوتی ہے اور رسالت میں تفرقہ کی دلیل سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی ہے جو آپ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے:

کلمینی یا حمیرا۔ اے حمیرا (رضی اللہ عنہا) مجھ سے بات کیجئے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کو کلام کرنے کے لیے اس لیے فرمایا کہ آپ ہر وقت مستغرق باللہ رہتے تھے لیکن امت کا حق بھی ادا کرنا ضروری تھا اسی لیے ان کو کلام کرنے کا فرمایا تاکہ حق کی مشغولیت منقطع ہو اور مخلوق کو راہِ ہدایت فرمائیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسالت مقام تفرقہ ہے کہ تعلق باللہ سے تعلق بالمخلوق کی طرف متوجہ ہونا پڑا اگرچہ نبی علیہ السلام کا تعلق بالمخلوق بھی حق ہے لیکن ظاہری انقطاع تو ہے اسی لیے رسالت کا مقام تفرقہ ہے۔

نکتہ: دلیل نمبر ۵ یہ ہے کہ عبودیت کی شرافت اور افضلیت یہ بھی ہے کہ کلمۂ شہادت میں رسالت سے پہلے عبودیت کا ذکر ہے مثلاً واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہٗ۔

دلیل نمبر ۶ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے قرب اور نزدیکی کا شرف بخشا تو بندے کو اپنے سے ملایا تو عبودیت سے مضاف کرکے۔ کما قال: ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

گدائی درِ جانان بسلطنت مفروش
کسے ز سایۂ این در بآفتاب رود

ترجمہ: محبوب کے در کی گدائی کو سلطنت سے کر نہ بیچ۔ اس دروازہ کے سایۂ رحمت کو چھوڑ کر کون سا بیوقوف ہوگا جو سورج کی گرم دھوپ میں جانے کو پسند کرے گا۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ فخر کافی ہے کہ میرا رب ہے اور مجھے یہ بہت بڑی عزت ہے کہ میں اس کا عبد (بندہ) ہوں۔

دلیل نمبر ۷: انسان کی تخلیق کے بعد اس کی عبودیت کو یہ شرف حاصل ہے کہ کہا جاسکتا ہے: خالق العبد۔ باوجودیکہ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ لیکن خالق الخنازیر والکلاب کہنا بے ادبی ہے۔ معلوم ہوا کہ خنازیر وکلاب کی رذالت کی وجہ سے اضافت ناجائز ہے۔ لیکن انسان کی شرافت ہے تو اس کی اضافت میں حرج نہیں۔

دلیل نمبر ۸: اسی شرافت کے پیش نظر انسان کو غیر کے عبد بننے کی اجازت نہیں اسی لیے عبدۃ الطاغوت کو جہنم نصیب ہوئی کہ انہوں نے شرافت اور بزرگی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرمائی (باقی بر صفحہ ۲۸۴)

Scanned with CamScanner

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن
يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ○ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُ
أُمُّ الْكِتَابِ ○ وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ
وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ○ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا
مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا
يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ○ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا
لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ
الْكِتَابِ ○

ترجمہ : اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ان کے لیے بیویاں اور بچے کیے اور کسی رسول کا کام نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے اور ہر ایک وعدہ کے لیے حکم لکھا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے اور ہم آپ کو کچھ دکھا دیں جو ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو اپنے پاس بلا لیں تو آپ کا کام تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا کام۔ کیا انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ ہم زمین کی آبادی اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے اور بیشک ان سے پہلے لوگوں نے مکر و فریب کیے جملہ خفیہ تدبیروں کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو شخص بھی کوئی کام کرے اور کافر عنقریب جان لیں گے کہ پچھلے گھر کا نیک انجام کس کو نصیب ہے اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں فرمائیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے اور وہ جس کے ہاں کتاب کا علم ہے۔

(صفحہ ۲۸۳ سے آگے)

انہوں نے غیروں کو دے دی۔[1]

دلیل نمبر ۸ : اسی عبودیت کی بزرگی اور شرافت کی برکت ہے کہ اپنے بندے کا تزکیہ اپنے ذمہ کرم فرمایا۔

---

[1] اس سے یہ دیکھنا کہ عبد النبی و عبد الرسول وغیرہ اسماء ناجائز ہیں یہاں تو عبد بمعنے خادم اور غلام ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔ ناجائز تب ہے جب عبد بمعنے عابد ہو۔ تفصیل "ذل الصفا بعبد المصطفٰے" میں ہے۔

Scanned with CamScanner

کما قال تعالیٰ :

بل اللہ یزکی من یشاء ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد۔

بلکہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کا تزکیہ فرماتا ہے اگر اس کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی صاف ستھرا نہ ہوتا۔

اسی لیے تالیِ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے مطہر کا لقب عطا فرمایا :

لایمسہ الا المطہرون ۔

اسے صرف مطہر ہی ہاتھ لگائیں۔

بندے کو حقیقۃً پاک کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ بظاہر وہ پانی اور دیگر اسباب و وسائط سے پاک ہو لیکن انھیں حقیقت سے کیا تعلق۔

(آغازِ تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیرِ عالمانہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسل کرام علیہم السلام کو رسول بنا کر بھیجا اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ بھی آپ کی طرح بشر تھے فرشتے نہیں تھے

شانِ نزول یہ کفارِ مکہ کے ایک سوال کے جواب میں کہا گیا ہے وہ کہتے تھے کہ رسول کے لیے جنس ملائکہ سے ہونا ضروری ہے وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً اور ہم نے ان کے لیے عورتیں اور اولاد بنائی جیسے آپ کی ازواجِ مطہرات اور اولاد طاہرین ہیں جب ان کے لیے ازواج و ذریات کا ہونا جائز ہے تو آپ کے لیے بھی جائز ہونا چاہیے۔

شانِ نزول یہود کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی وہ کہتے تھے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہوتے تو انھیں عورتوں سے کوئی واسطہ نہ ہوتا انھیں زہد ضروری اور عبادت میں مشغول رہنا لازم ہے۔

ف : حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو منکوحہ بیویاں تھیں اور تین سو کنیزیں اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو منکوحہ بیویاں تھیں اور سات سو کنیزیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے کثرتِ ازواج مضر نہیں۔ اسی طرح ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ابتداء میں رسل کرام کو جذبۂ عنایتِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جو انھیں مراتبِ بشریہ سے درجاتِ ولایتِ روحانیہ کی طرف پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد وہ معارجِ نبوت و رسالت ربانیہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اس عہدہ پر بشریت کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں اور احکامِ نفسانیہ ان سے زائل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نفسانی خواہش پر ازواج کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی خصائصِ حیوانیہ کے لحاظ سے انھیں اولاد کی خواہش

ہوتی ہے[1] اگرچہ انہیں ازواج و اولاد سے کچھ واسطہ ہوتا ہے تو بمذاق شرع خلافت الٰہیہ کی وجہ سے، تاکہ صفت خالقیہ کا اظہار ہو، اس لیے کہ وہ خالق کونین کے مظہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ءانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون۔ کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم اس کے خالق ہیں۔

نکتہ: حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام نبوت کی فضیلت کی وجہ سے بہت بڑی قوت کے مالک ہوتے ہیں اس لیے کہ جب ان کا سینہ مبارک نور سے بھر جاتا ہے تو وہ نور سینہ سے نکل کر ان کے اجسام مقدسہ کے اندر رگوں میں پھیل جاتا ہے جس سے نفس اور تمام رگیں نور سے معمور ہوتی ہیں وہ نور قوۃ شہوت سرور اور قوی جسمانیہ کا اثر انداز ہوتا ہے، اسی وجہ سے عام انسانوں سے ان میں قوت مردمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام لوگوں سے چار چیزوں میں فضیلت دیا گیا ہوں ۱۔ سخاوت ۲۔ شجاعت ۳۔ قوۃ بطش ۴۔ کثرۃ جماع

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی شب میں نو حرم شریف (ازواج مطہرات) کے ہاں تشریف لے جاتے اور ہر بی بی سے فراغت کے بعد غسل فرما لیتے اور فرماتے کہ ایک جماع کے بعد دوسرے جماع سے پہلے غسل کر لینا اطیب و اطہر ہے۔

خصوصیت نبوی علیٰ صاحبہا السلام: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت مردمی اہل جنت کے چالیس مردوں کے برابر تھی اور اہل جنت کے ایک مرد کی قوت دنیوی مردوں کے سو کے برابر ہوگی۔ اس لحاظ سے آپ کی قوت مردمی چار ہزار مردوں کے برابر ہوئی۔

ف: سلیمان علیہ السلام کی قوت مردمی ایک سو دنیوی مردوں کے برابر تھی۔ بعض روایات میں ایک ہزار مردوں کے برابر وارد ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مدخول بہا چودہ اور چار کنیزیں تھیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: بستان العارفین میں اس کے خلاف لکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آپ نے بیک وقت چودہ بیبیوں سے نکاح نہیں فرمایا۔

ف: الاقتباسات المحمدیہ میں لکھا ہے کہ فخر الانبیاء علیٰ نبینا علیہم السلام نے اکیس بیبیوں سے نکاح فرمایا اور بوقت وصال نو بیبیاں تھیں۔

یہود و نصاریٰ کا رد: یہود و نصاریٰ کا خیال ہے کہ حضور علیہ السلام (معاذ اللہ) عورتوں سے بہت زیادہ

---

[1] یہ تقریر ان بیہودہ جرگش سے ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو نفس بشریت میں اپنی مثل سمجھتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

رغبت رکھتے تھے۔ اسی لیے بہت زیادہ شادیاں کیں بیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ جیساکہ پہلے گزرا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام ہمارے نبی علیہ السلام سے بہت زیادہ کثیر الازواج تھے۔ علاوہ ازیں کثرت ازواج دنیوی معاملات سے نہیں بلکہ یہ بھی دینی معاملہ ہے۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا، اگر یہ دنیوی معاملہ ہوتا تو دین کے عشاق زیادہ شادیاں نہ کرتے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ازہد الناس بلکہ تمام صحابہ کرام سے زہد میں آپ فائق تھے[لہ] لیکن اس کے باوجود آپ کی چار بیویاں اور سترہ لونڈیاں کنیزیں تھیں۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ نے مختلف اوقات میں اسّی عورتوں سے نکاح فرمایا۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے تو کمال کر دیا کہ مختلف اوقات میں دو سو سے زائد عورتوں سے نکاح کیا۔ اسی لیے عرب میں آپ منکاح (کثیر النکاح) کے نام سے مشہور رہتے۔ انہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اشبهت خلقى و خلقى۔ (اے حسن!) آپ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہیں۔

میرے (اسماعیل حقی کے) شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ کی چار بیویاں اور پندرہ کنیزیں تھیں۔ ان سے جب لوگوں نے استفسار کیا تو فرمایا، دُنیا میں ہر ایک کو آزمائش میں ڈالا گیا ہے میری آزمائش اسی سے کی گئی ہے۔

مجھے (حقی کو) میرے شیخ قدس سرہٗ نے خلوت میں فرمایا کہ کثرتِ نکاح اسرارِ نبوت اور ان کی اُمت کی خصوصیات سے ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث مشہورہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حبب الیّ من دنیاکم ثلاث	مجھے تمہاری دنیا میں تین چیزیں محبوب ہیں،
الطیب و النساء و قرة عینی	۱۔ خوشبو
فی الصلاة۔	۲۔ عورتیں
	۳۔ نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک

ف: عشق[لہ] و محبت صرف نفوسِ قدسیہ کو نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ جو کچھ وہ حضرات مشاہدہ کرتے ہیں دوسروں کو نصیب نہیں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

منعم کنی ز عشق وے اے مفتی زماں
معذور دارمت کہ تو او را ندیدہ

لہ یہ ایک جزوی فضیلت ہے یہ شیعہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ لہ اس سے یہ عشق مجازی مراد نہیں جیسے عوام نے سمجھ رکھا ہے، اس کی حقیقت کچھ اور ہے اسے فقیر اویسی غفرلہ نے "صدائے نی شرح مثنوی معنوی" میں وضاحت سے لکھا ہے۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

ترجمہ: اے منفق وقت! تم بے عشق سے رو سکتے ہو لیکن تم بھی معذور ہو اس لیے کہ تم نے اس کا مزہ نہیں چکھا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اور کسی رسول علیہ السلام کے لیے جائز نہیں اور نہ ہی ان کے امکان میں ہے اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ یہ کہ وہ لائے کوئی آیت یا معجزہ جیسا کہ تم چاہو اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر۔ یعنی جو کچھ معجزہ یا آیت لاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاتے ہیں اس میں ان کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے تربیت یافتہ اور اس کے حکم کے پابند ہوتے ہیں۔

شانِ نزول یہ بھی کافروں کے ایک اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی۔ مشرکین نے کہا کہ اگر یہ رسول ہیں تو ہم ان سے جس طرح کا معجزہ طلب کریں وہ فوراً لائیں۔ اگر توقف کریں اور مہلت چاہیں یا سرے سے معجزہ نہ لائیں تو پھر یہ کیسے رسول ہیں۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ اس سے معلوم ہوا کہ عام مخلوق کی حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی رضا کے موافق ہوتی ہیں۔

لِكُلِّ اَجَلٍ ہر وقت کے لیے كِتَابٌ ایک حکم ہے لکھا ہوا اور مقرر کردی ہے ہر حکم بندے کی اہلیت و صلاحیت کے مطابق مبنی بر حکمت الٰہی صادر ہوتا ہے۔ امتوں اور زمان کے مختلف ہونے کی وجہ سے بمقتضائے حکمت الٰہی احکام بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

شانِ نزول یہ بھی مخالفین کے اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی۔ مخالفین نے کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) سچے رسول ہوتے تو توراۃ و انجیل کے احکام کیوں منسوخ کر ڈالتے۔

ف: بعض نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ ہر شے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں وقت معلوم لکھا ہے اس سے نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے کوئی حکم نہ آگے ہوتا ہے نہ پیچھے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ہر مخلوق کے ہر اجل کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب ہے جس کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ تفسیر نمبر ۱: جسے اللہ تعالیٰ مٹانا چاہتا ہے مٹاتا ہے۔ وَيُثْبِتُ اور جسے ثابت قدم رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے۔ یعنی اگر بندوں کی بھلائی منسوخ کرنے میں دیکھتا ہے تو اس حکم کو منسوخ کر دیتا ہے اگر ثابت رکھنے میں ان کی بھلائی ہوتی ہے تو منسوخ شدہ حکم کے بدلے اور حکم لاتا ہے جو اس جیسا ہوتا ہے یا اس سے بہتر جسے اپنی حکمت کے تقاضے پر تا قیامت غیر منسوخ رہنے دیتا ہے۔

تفسیر نمبر ۲: یا یہ معنیٰ ہے کہ توبہ کرنے والے بندے کی برائیاں مٹا کر اس کے اعمال نامے میں نیکیاں

لکھ دیتا ہے۔ 19

تفسیر نمبر ۳ : کراماً کاتبین کے مکاتیب سے وہ اعمال مٹا دیتا ہے جن میں نہ ثواب ہے نہ گناہ۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ کراماً کاتبین بندے کے ہر قول و فعل کو لکھنے پر مامور ہیں۔ ہر سوموار، خمیس کے دن لوحِ محفوظ کے مکاتیب کا مقابلہ کرتے ہیں جو اعمال بندے کے ثواب و عقاب کا موجب ہیں وہ رہنے دیے جاتے ہیں باقی کو مٹا دیا جاتا ہے۔

تفسیر نمبر ۴ : بندے کے اعمال نامے کو جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے اگر اعمال نامے کے اول و آخر میں نیکی ہے تو درمیانی برائیوں کو مٹا کر ان کے عوض نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اگر اول و آخر میں نیکیاں نہیں بلکہ برائیاں ہیں تو اسے اسی طرح رہنے دیا جاتا ہے۔

ف : علماءِ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا قلبی ذکر کو کراماً کاتبین لکھتے ہیں یا نہیں۔ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا فرشتے غیب جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : نہیں۔ پھر سوال کیا گیا کہ ملائکہ بندے کے قلبی ذکر کو کیسے لکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہر عمل کی ایک علامت ہوتی ہے اس علامت سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نیکی ہے یا برائی ہے، جیسے مجرم علامات سے پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل سے خوشبو مہکتی ہے اس سے فرشتے معلوم کر لیتے ہیں کہ اس بندے نے نیکی کا ارادہ کیا ہے۔ اگر برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے برائی کا ارادہ کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ملائکہ قلبی عمل کو بھی لکھتے ہیں، یہی صحیح تر ہے۔ لیکن حضرۃ الشیخ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا کہ اکثر علماءِ کرام کی رائے یہی ہے کہ فرشتوں کو بندے کے باطن کا علم نہیں ہوتا۔ اس آخری قول کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جو ریحان القلوب میں لکھا کہ ذکرِ خفی وہ ہے جو کراماً کاتبین سے بھی مخفی ہے۔ جو آہستہ آواز سے ذکر کیا جاتا ہے اسے ذکرِ خفی نہیں کہا جاتا، ذکرِ خفی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔ یہ ہر بندے کو نصیب نہیں ہوتا البتہ مخصوص اولیاءِ کرام کو حضور علیہ السلام کی اتباع میں نصیب ہوتا ہے۔

شانِ ولایت

فقیر (حقی رحمہ) کہتا ہے کہ چونکہ ولی کامل اللہ تعالیٰ کی مخصوص امانت کا محافظ اور نگران ہوتا ہے اسی لیے ان کے مخفی حال سے کراماً کاتبین مطلع نہیں ہوتے دوسرے عوام کے مخفی حالات سے مطلع ہوتے ہیں وہ بھی علامات اور نشانیوں کے ذریعے سے، تاکہ ان کے اعمال کو اعمال نامے میں درج کر سکیں۔

کما قال تعالیٰ :

لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

تفسیر نمبر ۵، ۶، ۷ محو و اثبات، سعادت و شقاوت اور رزق و اجل کے متعلق ہے۔

حکایت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کعبہ معظمہ کا طواف کرتے ہوئے آنسو بہا رہے تھے اور کہتے : یا اللہ!

Scanned with CamScanner

اگر مجھے ازل میں اہلِ سعادت سے لکھا ہے تو اسے ثابت رکھنا اور اگر اہلِ شقاوت سے لکھا ہے تو اپنے فضل وکرم سے اہلِ شقاوۃ کے دفتر سے میرا نام مٹا کر اہلِ سعادۃ میں لکھ دے۔

حدیث شریف

کسی انسان کی عمر جب تیس سال باقی رہ جاتی ہے تو اس سے قطع رحمی کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اس کی عمر باقی صرف تین دن لکھ دو۔ اسی طرح بعض بندوں کی عمر کے صرف تین دن رہ جاتے ہیں وہ صلہ رحمی کرتا ہے تو حکم ہوتا ہے اس کی تیس سال عمر لکھ دی جائے۔

ف، تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ مشیت (عوام) کی سعادت وشقاوت اور اجل وارادہ کی حرکات وسکنات کے وقوع فعل کے لحاظ سے وقت معین ہے۔ اسی طرح اہلِ اذن ورضا (اہل اللہ) کے لیے بھی پھر اللہ تعالیٰ سعادت سے اہلِ شقاوت کے افعال مٹا کر ان کے اہل سعادت کے اعمال لکھتا ہے اسی طرح اہلِ شقاوت سے اہلِ سعادت کے افعال مٹا کر اہلِ شقاوت کے اعمال لکھتا ہے۔

وَعِنْدَہٗ اس کے پاس ہے اُمُّ الْکِتٰبِ ام الکتاب کہ جس میں دونوں فریق اہلِ سعادت وشقاوت کے معاملات اور ان کے خاتمے لکھتا ہے پھر اس میں نہ اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ کمی۔

مزید تشریح از صاحبِ روح البیان

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ) سعادت وشقاوت کا محو واثبات اس میں ہوتا ہے تو سعادت وشقاوت عارضی ہیں ورنہ جو اصلی اور ازلی ہیں ان میں محو واثبات نہیں ہوتا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت نطفے کو ماں کے پیٹ میں چالیس راتیں گزرتی ہیں تو ایک فرشتہ اس نطفے پر پہنچ کر عرض کرتا ہے یا اللہ! یہ سعید ہے یا شقی؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہ اسی طرح لکھتا ہے۔ پھر عرض کرتا ہے یا اللہ! لڑکا ہے یا لڑکی؟ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوتا ہے اسے لکھتا ہے پھر اس کے عمل اور رزق کے بارے میں پوچھتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ بھی لکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنا دفتر لپیٹ لیتا ہے۔ پھر نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ کمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں کے پیٹ کے اندر جو لکھا جاتا ہے وہ لوحِ ازلی کے مطابق ہوتا ہے اور جو دنیا میں ہوتا ہے وہ لوحِ محفوظ کے مطابق ہوتا ہے۔

اس تقریر پر ان علماء کے قول کو محمول کیا جائے گا جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے میں محو واثبات فرماتا ہے سوائے سعادت وشقاوت، موت وحیات، رزق، عمر، اجل اور صورت وسیرت کے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

ترجمہ: بری عادت جو کسی کی طبیعت میں گھر کر جاتی ہے وہ موت سے پہلے ہرگز نہیں جاتی۔

Scanned with CamScanner

ف: صلہ رحمی سے عمر کے اضافے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے علنامے میں نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں یا وہ از تعلیق سے ہوگا کہ مثلاً لکھ دیا ہوگا کہ اگر اس نے صلہ رحمی کی تو اس کی عمر بڑھا دی جائے گی یا یہ ہو کہ بالفرض والتقدیر اگر کسی کی عمر میں بڑھنے کا معاملہ ہو تو وہ صلہ رحمی میں ہے۔

تفسیر نمبر ۸ : اللہ تعالیٰ احوال کا اثبات فرماتا ہے اور ان کے اضداد کو مٹاتا ہے۔ پھر ماں کے پیٹ کے اندر نطفہ ٹھہرا، پھر علقہ، پھر مضغہ، یہاں تک کہ اس کا مکمل ڈھانچہ تیار ہوا۔ اس اعتبار سے پہلے احوال مٹتے گئے دوسرے ثابت ہو گئے۔

تفسیر نمبر ۹ : اعمال کا محو و اثبات ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے کوئی شخص کافر تھا پھر مسلمان ہو گیا تو اس کے حالت کفر کے جمیع اعمال مٹا دیئے جاتے ہیں اور ان کے عوض اس کے اعمالنامے میں نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

یبدل اللہ سیاتھم حسنات۔ اللہ تعالیٰ برائیوں کے بدلے نیکیاں عطا فرماتا ہے۔

اسی طرح پہلے مسلمان ہو لیکن وہ (معاذ اللہ) آخر عمر میں کافر ہو جائے اور اسی پر وہ مرے تو اس کے اعمال صالحہ اسے کسی قسم کا فائدہ نہ دیں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وحبط ما صنعوا فیھا و باطل ما کانوا یعملون۔ جو کچھ کیا وہ حبط ہو گیا اور ان کے جملہ اعمال بیکار ہو جائیں گے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کفر کو مٹا کر ایمان اور جہل ختم کر کے علم اور معرفت اور غفلت و نسیان مٹا کر حضور و ذکر اور بغض مٹا کر یقین، اور خواہش نفسانی مٹا کر عقل، اور ریاء مٹا کر خلوص، اور بخل مٹا کر سخاوت، اور حسد مٹا کر شفقت اور تفرقہ مٹا کر جمع لکھتا ہے۔ اسی طرح جملہ افعال اضدادیہ کا قیاس کیجئے۔ کما قال تعالیٰ:

کل یوم ھو فی شان۔ ہر لحظہ میں اس کی نئی شان ہے۔ محو و اثبات کے بارے میں۔

تفسیر نمبر ۱۰ : حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حدیث شریف کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں اپنی مخصوص کتاب کو دیکھتا ہے جو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ (کذا قال الکاشفی)

تفسیر نمبر ۱۱ : فصول میں لکھا ہے کہ ابرار کے قلوب پر جو انکار کے نقوش ہوتے ہیں وہ مٹا کر ان کے بجائے اسرار و رموز لکھتا ہے۔

تفسیر نمبر ۱۲ : حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہود عبودیت اور اس کے اوصاف مٹا کر ان کے بجائے شہود ربوبیت اور اس کے دلائل لکھتا ہے۔

تفسیر نمبر ۱۳ : حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ قلوب اولیاء سے بشریت کے اوصاف مٹا کر ان کے بجائے اسرار لکھتا ہے

Scanned with CamScanner

اس لیے کہ وہی اوصاف مشاہدہ کا مرکز ہیں۔

تفسیر نمبر ۱۴: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یمحوا اللہ ما یشاء عوام سے اخلاق ذمیمہ مٹا کر و یثبت اخلاقِ حمیدہ لکھتا ہے جو چاہتا ہے اور خواص سے اخلاق روحانیہ مٹا کر اخلاقِ ربانیہ لکھتا ہے اور اخص الخواص سے آثار الوجود مٹا کر آثار الجود لکھتا ہے اس لیے کہ:

کل شیء ھالکٌ الا وجھہٗ۔ ہر شے کو فنا ہے سوائے ذات حق کے۔

تفسیر نمبر ۱۵: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بندے سے حظوظِ نفسانی مٹا کر حقوق ربانی لکھتا ہے۔

تفسیر نمبر ۱۶: شہود خلق مٹا کر شہود حق لکھتا ہے۔

تفسیر نمبر ۱۷: آثارِ بشریت مٹا کر آثارِ احدیت لکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ انسانیت سے فنا ہو کر بقاء بالاحدیۃ پاتا ہے اس لیے کہ اولیت بھی اسی کی شان ہے اور آخریت بھی۔ چنانچہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جلال و عزت کے غلبہ سے درمیان کی اضافت ختم ہو گئی۔ بندے کو فنا سے بقاء ملی اسی لیے کہنا پڑا کہ اول بھی وہی اور آخر بھی وہی۔

ے

محنت ہمہ در نہاد آب و گل ماست

پیش از دل و گل چہ بود آں حاصل ماست

در عالم نیست خانہ داشتہ ایم

رفتیم بداں خانہ کہ سر منزل ماست

ترجمہ: عالمِ دُنیا کا تمام کارخانہ ہم ہیں اسی عالمِ دنیا سے پہلے جو کچھ تھا وہ بھی ہم ہیں۔ اس عالمِ دنیا میں ہمارا کیا رکھا ہے ہم اسی منزل کو واپس جائیں گے جہاں ہماری حقیقی منزل ہے۔

وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ ہر وہ شے جو اصل کے قائم مقام ہو اسے اہلِ عرب اُم سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً: اُم الراس دماغ کو اور اُم القریٰ مکہ معظمہ کو۔ یعنی ہر وہ اصل جو تغیر پذیر نہ ہو۔ اُم الکتاب سے ازل کا لکھا ہوا مراد ہے۔ یعنی وہ علم ازلی ابدی سرمدی جو اسی کی ذات سے قائم ہے اور وہی علم ہر شے کو محیط ہے اس میں اضافہ اور کمی نہیں ہوتی اور ہر شے اپنی مقدار پر اسی کے علم میں ہے۔ اس سے لوح قضا مراد ہے جو سابقاً ازل میں تھی۔

لوح چار قسم ہے

(۱) لوح القضاء (۲) لوح القدر

(۳) لوح النفوس (۴) لوح الھیولیٰ

○ لوح القضاء یعنی وہی ازلی حکم۔ اس میں محو و اثبات نہیں ہوتا۔ اس کو لوح العقل الاول بھی کہتے ہیں۔

○ لوح القدر یعنی لوح النفوس الناطقہ الکلیہ اس میں لوح اول کی تفصیل مندرج ہے اور لے اسباب سے

Scanned with CamScanner

متعلق کیا گیا ہے۔ اسے لوح محفوظ کہا جاتا ہے۔ (یہی عوام میں مشہور ہے)

- لوح النفوس الجزئیۃ السماویہ۔ اس میں اسی عالم کے نقوش و ہیئات اور مقادر منقش ہیں۔ اسے سماء الدنیا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بمنزلہ خیال عالم کے ہے جیسے لوح اول بمنزلہ روح کے ہے۔ لوح محفوظ بمنزلہ خیال قلب کے ہے۔
- لوح الھیولیٰ۔ یہ عالم شہادت کی صورتوں اور شکلوں کا مجموعہ ہے۔

اٹھارہ ہزار عالم کی تفصیل

الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ عالم دو ہیں:

1. عالم معنوی
2. عالم صوری

عالم صوری اٹھارہ ہزار پر منقسم ہے۔ ان اٹھارہ ہزار عوالم میں سب سے چھوٹا عالم تعین ہے۔ عالم صوری تغیر و تبدل کو قبول کرتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یمحوا اللہ مایشاء و یثبت۔

اور عالم معنوی میں نہ تغیر ہے نہ تبدل نہ اس میں زمان ہے نہ حجم۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ لوح محفوظ سرخ رنگ کا یاقوتی جوہر ہے اور اس کے اطراف زبرجد کے ہیں یہ عالم صوری کے متعلق ہے۔ عالم معنوی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس میں تغیر و تبدل وغیرہ نہیں۔

مسئلہ: جملہ عوالم (معنوی و صوری) اللہ تعالیٰ کے ایک ہی ارادہ سے پیدا ہوئے۔

حضرت انسان

انسان کے اندر بھی لوح جزوی معنوی بھی ہے اور لوح جزوی صوری اسی لوح کل صوری کا دروازہ۔ لوح صوری کا انکشاف تو اکثر اولیاء کو ہوتا ہے لیکن معنوی کا صرف ایک ولی کامل کو ہوتا ہے جو اس کے وصال کے بعد کسی دوسرے کو نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ: الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ جمیع ماسوی اللہ میں جو ہوا یا ہوگا وہ تمام اللہ تعالیٰ کے ایک ہی ارادہ سے ہوا اور اس کا ارادہ ازلی ابدی ہے اس میں تغیر و تبدل نہیں۔ اسی لیے فرمایا:

مایبدل القول لدی۔ میرے ہاں کوئی تبدل تغیر نہیں۔

اور فرمایا: یمحوا اللہ مایشاء و یثبت۔

اس میں اشارہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اسی ارادہ ازلیہ سے ہو رہا ہے اور وہ ارادہ اس کی صفات قدیمہ ازلیہ سے ہے۔ جب اسی عالم میں کوئی فعل ہوتا ہے تو اسی ارادہ سے متعلق ہوتا ہے جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسے ہی صادر ہوتا ہے اسی میں سے بندوں کے افعال ہیں کہ یہ بندوں کے اپنے اختیار اور ارادے سے صادر ہوتے ہیں یعنی

Scanned with CamScanner

جیسے وہ اپنے اختیار و ارادہ کو استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسی طرح کا فعل پیدا فرما دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسب بندے کا ہے اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی۔ اس سے واضح ہوا کہ بندہ مجبور محض نہیں۔[1]

مسئلہ: اعمال بندے کے خاتمے کی علامات ہیں۔ کسی کا خاتمہ سعادت پر ہوتا ہے تو اسے نیک اعمال کی عادت ہوتی ہے اور جس کا خاتمہ برا ہوتا ہے تو اسے مرنے سے قبل برے اعمال کی عادت پڑ جاتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کوئی نیک عمل کرتا ہوا بہشت کے ایک بالشت کے قریب پہنچ جاتا ہے لیکن اس پر تقدیر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اہلِ نار کے عمل کرنے شروع ہو جاتا ہے اسی طرح بہت سے بندے برائیاں کرتے کرتے جہنم کے قریب پہنچ جاتے ہیں جنھیں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر ربانی غالب آجاتی ہے وہ نیکیاں کرنے لگ جاتا ہے اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بہشت میں چلا جاتا ہے۔

تنبیہ: اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پھر نیک عمل کرنے کا کیا فائدہ ہوا۔ اس کا جواب حدیث شریف میں آگیا ہے کہ بہشت و دوزخ کے داخلے کا سبب لامحالہ اعمال ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاتمہ پہ اعمال کا نتیجہ مرتب ہوا اس میں الٹا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ترغیب دلائی ہے کہ ہر وقت خاتمہ کا خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ آخر میں برائی کرتے کرتے جہنم میں چلے جاؤ۔ سمجھدار کو اتنا کافی ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے انعامات وعطایا کو اعمال صالحہ سے متعلق فرمایا ہے یعنی نیک اعمال سے بھی بندے کو دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل۔ نازل شدہ اور نازل ہونے والی مشکلات کے لیے دعا فائدہ دیتی ہے۔"[2]

بدل جاتی ہیں تقدیریں

سوال: احیاء العلوم شریف میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ دعا کا فائدہ ہی کیا جب اللہ تعالیٰ کی تقدیر ٹلنے والی نہیں۔

جواب: یہ بھی منجملہ قضا و قدر کا حکم ہے کہ دعا تقدیر بدل دیتی ہے اس لیے کہ دعا بلاؤں کے رد کا سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی

---

[1] یہی تقدیر کا مسئلہ ہے جس میں عقل کے بندے بری طرح مار کھاتے ہیں اوپر مختصر طور پر اس کا حل دیا گیا ہے۔ اگر اشکال ہو تو تفسیر اویسی دیکھئے۔ بہتر یہ ہے کہ اس مسئلے کے درپے نہ ہو۔

[2] اسی کے تحت ہم اہلسنت اولیاء کرام کے حضور میں جا کر دعا کراتے ہیں اور اسی معنے پر انھیں مجازاً مشکلکشا اور حاجت روا کہا جاتا ہے اور چونکہ ان کی دعا مستجاب ہوتی ہے اس لیے انھیں عرض کیا جاتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا صاحب وصال۔ ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون ۱۲۔

Scanned with CamScanner

رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے دعا تقدیر کے سامنے ڈھال بن جاتی ہے۔ جب ڈھال کو تیر کے روکنے کے لیے تقدیر کا انکار نہیں تو پھر دعا کو ڈھال بنا کر تقدیر کے روکنے کا سبب ماننا کیوں گناہ سمجھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تقدیر کا اٹل فیصلہ سنا کر اس کے ٹالنے کا سبب بھی بتایا ہے اور تقدیر ٹلنے والی بھی دُعا ہے۔

لطیفہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے بہشت مانگنا یہ بھی ایک گناہ ہے۔

لطیفہ: موصوف الصدر نے فرمایا کہ عمل کر کے نیکی میں ڈالنے کا نام حقیقت ہے۔ نیک عمل کسی حیثیت سے بھی ترک نہ کیا جائے۔

سبق: سمجھدار وہ ہے جو نیکیوں میں جدوجہد کرتا ہے اور نفس کو برائیوں اور خواہشات سے روکتا ہے۔ مرتے دم تک اس کا یہی طریقہ ہو تو بیڑا پار ہے۔

کمال خجندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

بکوش تا بکف آرے کلید گنج وجود
کہ بے طلب نتوان یافت گوہر مقصود

ترجمہ: جدوجہد کیجئے تا کہ گنج مخفی نصیب ہو۔ طلب کے بغیر گوہر مقصود حاصل نہیں ہوتا۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ یہ تو آپ کو اپنی ظاہری زندگی میں دکھا دیں گے۔ یہ دراصل ان ما تھا۔ نون کو ما کے میم میں مدغم کیا گیا ہے اور ما زائدہ شرط کے معنی کی تاکید کرتا ہے اسی وجہ سے فعل پر نون تاکیدی داخل کیا گیا ہے۔ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اس کا بعض حصہ جس سے ہم انہیں ڈراتے ہیں یعنی مشرکین مکہ کو دنیوی عذاب اور زلزلوں اور مختلف مصائب میں مبتلا کریں گے۔

ف: شرط کا جواب محذوف ہے۔

فذالك شافيك من اعدائك۔ پس دشمنوں کی ہلاکت سے آپ کو راحت و خوشی ہوگی۔

؎

پس از مرگ آنکس نباید گریست
کہ روزے پس از مرگ دشمن بزیست

ترجمہ: اس کی موت پر رونا نہیں چاہیے جو دشمن کی موت پر اپنی زندگی سے خوش ہوا۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ہم کو ظاہری وفات دے دیں تو غم نہ کھائیے فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ۔ البلاغ اسم ہے

Scanned with CamScanner

تبلیغ کے قائم مقام مستعمل ہے۔ جیسے لفظ اوار تاویہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی آپ کا کام تبلیغ رسالت اور ادائے امانت ہے وہ آپ نے کر دیا اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ اور ہمارے اُوپر حساب ہے کہ ہم انھیں قیامت میں جزا و سزا دیں گے آپ کا کام تبلیغ تھا وُہ آپ نے کیا ہم ان سے حساب لے کر جزا و سزا یعنی سخت سے سخت عذاب دیں گے ان کی رُوگردانی سے آپ ملال نہ کریں اور نہ ہی ان کے عذاب کے لیے عجلت کریں۔ چنانچہ دُوسرے مقام پہ فرمایا:

فاما نذھبن بك فانا منهم منتقمون ۔ یا ہم کو دنیا سے اٹھالیں گے پھر ہم ان سے بدلہ لیں گے۔

یعنی وہ کفار و مشرکین عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتے خواہ آپ دُنیا میں رہیں یا آپ کا وصال ہوجائے۔

تفسیر صُوفیانہ

و اما نرینك یا ہم آپ کو کشف و مشاہدہ کرائیں بعض الذی نعدھم جس کا ہم ان کیلیے عذاب و ثواب کا وعدہ کرتے ہیں جیسا وصال سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ مبشرہ و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کو بہشت کی خوشخبری سُنائی۔ اور ایک صحابی نے آپ سے اپنے والد کے بارے میں پُوچھا کہ وُہ کہاں ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہیں۔[۱] اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں فلاں فلاں کو دیکھا۔[۲] اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ یا ہم آپ کو ان کے احوال دکھانے سے پہلے دُنیا سے اٹھالیں فانما علیك البلٰغ جس کا ہم نے آپ کو حکم دیا اسے آپ نے پہنچانا ہے اور جو باتیں تبلیغ سے غیر متعلق ہیں وہ آپ کے ذمے نہیں وعلینا الحساب اور ہم رد اور قبول کے مالک ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ **شانِ نزول:** کافروں نے کہا کہ اے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارا رب تعالیٰ جن امور کے لانے کا وعدہ تمہارے ساتھ کیا ہے وہ کہاں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم لاتے ہیں زمین کو۔ یعنی ہمارا زمین پر حکم ہوتا ہے نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ہم اس کے اطراف سے گھٹاتے ہیں۔ یہ نَاْتِی کے فاعل سے یا اس کے مفعول سے حال ہے۔ یعنی ہم کافروں کے ملک چھین کر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں کے قبضہ میں دے دیتے ہیں جہاں تک اسلام کا غلبہ ہوا اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور وہ کافروں سے چھینے گئے۔ اسے نقص الارض سے تعبیر کیا ہے یعنی اگر جب رب تعالیٰ ان ممالک کو مسلمانوں کے قبضے میں دے سکتا ہے تو قادر ہے کہ تمام دنیا مسلمانوں کے قبضے میں دے دے لیکن کفار اس سے کسی قسم کی عبرت حاصل نہیں کرتے وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ لا اپنے مدخول مع متعلقات کے مل کر

---

[۱] یہ حدیث پاک اس وقت سے پہلے کی ہے جبکہ آپ نے اپنے والدین ماجدین کو زندہ کر کے اسلام کی دولت سے نوازا۔

[۲] یہ دلائل کشف و مشاہدہ کے ہیں جنھیں ہم علمِ غیب کہتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

محلاً منصوب علی الحال ہے اب عبارت یُوں ہوئی،

یحکم نافذا حکمہ خالیا من المعارض و المناقض۔ وہ ایسا فیصلہ کرتا ہے جو ہو کر رہتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور نہ ہی اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب وہ نافذ ہوتا ہے تو اسے کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ اس کا ابطال ہو سکتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا کہ اسلام کو فتح و نصرت ہوگی اور کافر مغلوب ہو کر مقہور جائینگے اور یہ ایسا فیصلہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے کہ دنیا کے عذاب قتل وقید جلاوطنی کے بعد قیامت میں بہت تھوڑے سے وقت میں ان کا حساب لے گا۔

سوال: آیت میں فتح و نصرت کی خوشخبری دی گئی ہے اور وہ جہاد سے ہی ہوئی اور جہاد مدینہ طیبہ میں فرض ہوا اور یہ سورۃ مکیہ ہے۔

جواب: (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) سورۃ کا مکیہ ہونا اس کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے اس کی بعض آیات مدنیہ ہوں۔

سوال: مفسرین کی عادت ہے کہ جو سورۃ مکیہ یا مدنیہ ہوتی ہے اس میں آیات اس کے برعکس ہوتے ہیں تو عنوان میں اس کی تصریح کر دیتے ہیں۔ آپ نے سورۃ کے عنوان قائم کرتے وقت اس کی تصریح نہیں کی اور نہ ہی دیگر مفسرین نے۔

جواب: (صاحب رُوح البیان نے فرمایا) یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ عنوان میں اس کی تصریح کی جائے یا مفسرین اسکی نشان دہی فرمائیں مضمون آیت جس طرح کا ہوگا آیات کا مکی مدنی ہونا اسی اعتبار سے ہوگا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ نقص الارض سے بے برکتی اور وہاں کے علاقوں کی ویرانی اور وہاں کے رہنے والوں کی موت یا وہاں کے علماء کرام و فقہاء و مشائخ عظام کا وصال مراد ہے۔

حدیث شریف در فضیلت علماء کرام

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے علم جبراً نہیں چھین لے گا۔ بلکہ قبض العلم کا معنی یہ ہے کہ علماء کرام کو دُنیا سے اُٹھائے گا یہاں تک کہ دُنیا میں کوئی عالمِ دین نہ ہوگا۔ پھر لوگ اپنے لیڈروں سرداروں جاہلوں کو اپنا مقتدا بنالیں گے وُہ انہیں غلط باتیں بتائیں گے وُہ خود بھی گمراہ ہوں گے دُوسروں کو بھی گمراہ کریں گے[1]۔

نکتہ: آیت میں لفظ ان کے بجائے اذا میں اشارہ ہے کہ یہ فتح و نصرت یا دُوسرے امور یکبارگی نہیں بلکہ تدریجاً ہونگے۔

علم دینی کی برکت

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ خیر و برکت سے رہیں گے جب تک ان میں اوّل یعنی اہلِ علم زندہ ہوں جب وہ دُوسروں کو پڑھا کر دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے جانشینوں نے

---

[1] یہ سلسلہ اس صدی سے شروع ہے کہ عوام کی نگاہوں میں علماء و مشائخ کی قدر و منزلت نہیں رہی لیکن لیڈروں کو اپنا ملجا و ماوٰی سمجھتے ہیں۔ غفر اللہ المشتکی ۱۲

Scanned with CamScanner

اوروں کو علمِ دینی پڑھایا یہاں تک کہ جب علمِ دینی کی تعلیم و تعلّم کا سلسلہ ختم ہُوا تو لوگ تباہ و برباد ہو کر مریں گے۔ (غور کیجئے اب یہ سلسلہ ختم ہونے کو ہے یا نہیں کہ دینی درسگاہوں کا حال زبوں ہے۔ کالجوں سکولوں میں انگریزی تعلیم عام ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین)

دنیا کی تباہی کے اسباب

حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پانچ وجوہ کی کمی سے تباہ و برباد ہوگی۔ وہ پانچ یہ ہیں:

① علماء ② غازی

③ زاہد ④ تاجر

⑤ حُکّام

علماء ورثۃ الانبیاء ہیں اور زاہد زمین کے ستون ہیں اور غازی زمین پر اللہ تعالیٰ کے لشکری ہیں اور تاجر زمین پر اللہ تعالیٰ کے امین ہیں اور حکام اللہ تعالیٰ کی زمین کے نگران ہیں۔

- وُہ عالم جو دین ضائع کر کے دُنیا حاصل کرتا ہے وہ عالم نہیں جاہل ہے۔
- وُہ زاہد جو دنیا بٹورنے کے لیے بیٹھا ہے وہ ڈاکو ہے۔
- وُہ غازی جو طمع ولالچ میں گرفتار ہے وہ خاک فتح و نصرت حاصل کر سکے گا!
- وُہ تاجر جو خیانت (ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، لوٹ مار وغیرہ) کرتا ہے اس سے خدا تعالیٰ کی امانت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔
- وُہ حاکم جو عوام پر ظلم کرتا، ان کا خُون چوستا اور اُن کا مال لُوٹتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا نگران نہیں بلکہ بھیڑیا ہے۔

س

نکند جور پیشہ سلطانی

کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ: بادشہ (حاکم) ہو کر ظلم نہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو بھیڑیے سے (بکریوں کی) نگرانی کی کیا امید۔

تفسیرِ صُوفیانہ

اولم یروا انا ناتی الارض کیا انھیں معلوم نہیں کہ ہم ان کی ارضِ بشریت کو ننقصھا من اطرافھا اوصافِ بشریت سے گھٹا کر اوصافِ روحانیہ کا اضافہ کرتے اور ارضِ روحانیہ سے کم کر کے یعنی اس کے اوصاف کو اخلاقِ ربانیہ سے بدل دیتے ہیں اور ارضِ عبودیت کو آثارِ خلقیہ سے گھٹا کر انوارِ ربوبیت ظاہر فرماتے ہیں وَاللّٰہُ یَحْکُمُ اور اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک فیصلہ فرماتا ہے لَا مُعَقِّبَ اور کوئی آگے کرنے والا ہے اور نہ پیچھے ہٹانے والا اور نہ ہی تبدیل کرنے والا لِحُکْمِہٖ وَھُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ جو مقدر کرتا ہے، اور جو تدبیر کرتا اور حکم

فرماتا ہے اسے جلد پورا کرتا ہے۔ اس کے کسی حکم کو کوئی بھی تبدیل نہیں کر سکتا۔

تفسیر عالمانہ

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے والے کافروں نے بھی مکر کیا یعنی مشرکین سے پہلے کفار نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں سے مکر کیا۔ جیسے اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائیں۔ کافروں کے مکر کا یہی معنی ہے کہ پوشیدہ طور ان کے قتل اور دیگر ایذاؤں کے منصوبے بنانے جیسے ابراہیم علیہ السلام سے ساتھ نمرود نے کیا کہ ایک بڑا اونچا محل بنوایا تاکہ اس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کو قتل کرے اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے اور یہود نے عیسیٰ علیہ السلام سے اور ثمود نے صالح علیہ السلام سے کیا۔ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو کہا کرتے تھے کہ رات کے کسی وقت میں ہم تمہیں قتل کر دیں گے اور کفار مکہ نے دار الندوہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے خفیہ منصوبے تیار کیے فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے خفیہ تدبیر کہ انہیں ایسے طریقے سے تباہ و برباد کرتا ہے کہ انہیں پتا بھی نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل کو مکر سے استعارہ کے طور تشبیہ دی ہے۔

ف: الکواشی میں لکھا ہے کہ مکر کے اسباب اور اس کی جزا اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر کون غالب ہو سکتا ہے۔ پھر وہ ان کے مکر کی انہیں سزا دیتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فتح و نصرت دے کر کفار کی تمام تدبیریں ملیامیٹ کر دیتا ہے کیونکہ ان کا مکر بھی اسی کی تخلیق ہے اور مخلوق کا کوئی ذرہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

ربط: يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اپنے مکر (خفیہ تدبیر) کی قوت اور اس کا کمال بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کے کردار کو جانتا ہے، وہ اچھے ہوں یا برے، ان میں ہر ایک کی جزا و سزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے بندے مکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ خفیہ تدبیریں کرتا ہے اس لیے کہ کائنات کا تمام کارخانہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر زمانے کے لوگوں کا یہ مکر اہل حق کے ساتھ ہوتا ہے اس سے اہل حق کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے تاکہ وہ اس آزمائش پر صبر کر کے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ مر ضعیفاں را تو بے خصمے مداں
از نبی اذ جاء اللہ بخواں

۲ گرد خود چوں کرم پیلہ بر متی
بہر خود چہ میکنی اندازہ کن

۳ گر تو پیلی خصم تو از تو رمید
نک جزا طیراً ابابیلت رسید۔

Scanned with CamScanner

۴ گر ضعیفی در زمین خواہد اماں
غلغل افتد در سپاہ آسماں

۵ گر بدندانش گزی پر خون کنی
درد دندانت بگیرد چون کنی

ترجمہ: ۱۔ کمزوروں کو بے مدد مت سمجھ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے فرمایا: اذا جآء نصر اللّٰہ۔

۲۔ اپنے ارد گرد مکڑی کی طرح جالہ نہ تن اپنے اندازہ کے مطابق ہی دُنیا کی چیزیں حاصل کر۔

۳۔ اگر تو فیل مست بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مت بھول۔ دیکھ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر کو ابابیلوں سے مروادیا۔

۴۔ اگر کوئی ضعیف زمین پر اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہے تو آسمان کی سپاہ میں شور برپا ہوجاتا ہے۔

۵۔ اگر تو کسی کو دانتوں سے چبائے گا تو تیرا منہ خون سے بھر جائے گا۔ اگر تو دانت اکھاڑے گا تو تجھے سخت درد ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ اور عنقریب کافروں کو معلوم ہوگا کہ دونوں فریقوں میں آخرت کی نیک عاقبت کسے نصیب ہوگی۔ ایسا ہوگا کہ کافر غفلت کے نشے میں ہوں گے تو ان کے لیے تیار شدہ عذاب ان کے سروں پر آجائے گا۔ لام دلالت کرتی ہے کہ اس سے نیک عاقبت مراد ہے اور الدار سے دنیا مراد ہے اور اس کی عاقبت سے مراد یہ ہے کہ بندہ کا خاتمہ ایمان اور رحمت و رضوان پر ہو اور اس کی موت کے وقت فرشتے مبارکبادیں پیش کریں اور وہ مرتے ہی سیدھا بہشت میں چلا جائے۔

ف: سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ عنقریب کافروں کو معلوم ہوگا کہ بالآخر دُنیا کا مالک کون ہوگا۔ اس معنے پر لام تملیک کی ہے۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وُہ صرف اپنے مالک و مولیٰ پر توکل کرکے اس کے وعدہ پر اعتماد کرے اور جو چیزیں اس نے جلد عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا ان کی اسی عجلت پر راضی ہو اور جن سے چند روز کی مُہلت کا وعدہ فرمایا ہے تو اسی وعدہ کا انتظار کرے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا ویسے ہی ہوا۔ اسی طرح جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدد کرتا ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں پر اسے غلبہ عنایت فرماتا ہے ظاہراً بھی باطناً بھی۔

سماع موتٰی کا ثبوت غزوۂ بدر کی فتح کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کفار کے

مرداروں کو ایک گڑھے میں پھینک دو۔ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ جہاں فتح و نصرت پاتے وہاں تین روز قیام فرماتے۔ جب تیسرا دن ہُوا تو آپ نے صحابہ کرام کو روانگی کا حکم فرمایا آپ کی سواری تیار کی جا رہی تھی تو آپ ان کفار کے گڑھے کی طرف تشریف لے گئے چند صحابہ بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ آپ نے اسی گڑھے کے اُوپر کھڑے ہو کر فرمایا اے فلاں بن فلاں! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کیا وُہ پورا ہو گیا کیا تم نے اس وعدہ کا مزہ چکھا ہے یا نہیں مجھے جو وعدہ دیا گیا تھا وہ تو پورا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یا رسول اللہ! کیف تکلم الاجساد لا ارواح فیھا۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ایسے اجساد سے کلام کر رہے ہیں جن کے اندر ارواح نہیں۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما انتم باسمع لما اقول منھم۔

میری باتوں کو تم سے وُہ بہت زیادہ سنتے ہیں۔

دوسری روایت یُوں ہے:

لقد سمعوا ما قلت غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا شیئا۔

انہوں نے میری باتوں کو سُن لیا ہے ان میں طاقت اتنی کمی ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔

اَجْوِبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

احیاھم اللہ حتّٰی سمعوا کلام رسول اللہ توبیخا لھم و تصغیرا و نقمہ و حسرت۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن لیا، تاکہ اس سے انھیں زجر و توبیخ اور ذلت و خواری اور حسرت ہو۔

ابُولہب کا انجام بد

ابولہب غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکا۔ قریشِ مکہ کی ذلّت و خواری کے تھوڑے عرصہ بعد عدسہ کی بیماری میں فوت ہوا۔ عدسہ ایک طاعونی بیماری کا نام ہے جس سے مسور کی دال کے دانے کے برابر پھنسیاں جسم پر نکل آتی ہیں جو بہت گندی اور سخت خطرناک ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ وبائی اور متعدی مرض ہے اس کے وارثوں نے اس خوف سے کہ اس کی بیماری دُوسروں کو نہ لگ جائے انہوں نے بجائے گڑھا کھودنے کے ایک دیوار کے ساتھ بٹھا کر اس پر پتھر ڈالنے شروع کر دیے یہاں تک کہ اس کا جسم چھپ گیا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ عدسہ ایک زخم کا نام ہے جسے اہلِ عرب منحوس بیماری سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس جیسی گندی اور متعدی مرض اور کوئی نہیں اس لیے ابولہب کو اس کے بیٹے بھی چھوڑ گئے تھے۔ تین دن بے گور و کفن پڑا رہا۔ لوگ اس کے جنازے کے قریب جانے سے گھبراتے تھے اور وہ اسے دفن نہ کرتے تھے۔ جب کافی وقت گزر گیا اور اس کے مردار سے بدبُو پھیلنے لگی

Scanned with CamScanner

تو اس کے بیٹے گھبرائے کہ کہیں عوام گالی نہ دیں۔ پھر وہی کارروائی کی جو اوپر مذکور ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ پہلے ایک گڑھا کھودا گیا پھر اسے لکڑیوں سے دھکیل کر اس میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینکے گئے یہاں تک کہ وہ گڑھا پُر ہوا۔

سبق: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کی سزا یونہی ہوتی ہے کسی کو کھلم کھلا سزا ملتی ہے کسی کو پوشیدہ طور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جونہی اس جگہ سے گزرتی تھیں تو ہمیشہ اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں جیسے کسی بدبودار شے سے منہ چھپایا جاتا ہے۔

ایک غلطی کا ازالہ باب شبیکہ کے باہر جس قبر کو اب پتھراؤ کیا جاتا ہے وہ ابولہب کی قبر نہیں بلکہ یہ ان دو بدبختوں میں سے ایک کی ہے جنہوں نے کعبہ معظمہ کو گندگی لپیٹ دی تھی۔ یہ بنو عباسیہ کے دور کی بات ہے۔

کعبہ شریف پر گندگی ڈالنے والے کا بدانجام بنو عباسیہ کے دور کی بات ہے کہ ایک شب کو علی الصبح جب اہل اسلام کعبہ معظمہ میں پہنچے تو کعبہ شریف کو غلاظت سے لتھڑا ہوا پایا۔ غلاظت لپیٹنے والے بدبختوں کو تلاش کرنے پر پکڑ لیا گیا۔ چند دنوں کے بعد اسی مقام پر ان دونوں کو سولی پہ لٹکایا گیا۔ اس وقت سے تاحال ان کی قبروں پر پتھراؤ ہو رہا ہے۔ یہ تو ان کی دنیوی سزا ہے نہ معلوم آخرت میں انھیں کتنا عذاب ہوگا۔

سبق: یاد رکھو دین یا دین والوں یعنی علماء و مشائخ کی جو بھی بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے اس کا انجام تباہی و بربادی ہوتا ہے۔

ولی کامل کا گستاخ وزیر ہمارے پیر و مرشد قدس سرہٗ کے ساتھ ایک وزیر گستاخی سے پیش آیا وہ چند دنوں کے بعد مر گیا تو اسے خواب میں الٹا لٹکا ہوا دیکھا گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور مارے شرم کے دیکھتا بھی نہیں تھا۔ اسے یہ سزا ایک ولی کامل کی بے ادبی اور گستاخی پر ملی تھی۔ اللھم احفظنا و اعصمنا من سوء الحال و سیئات الاعمال۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافر کہتے ہیں یعنی مشرکینِ مکہ یا یہودیوں کے لیڈر۔ اس دوسرے معنے پر یہ آیت مدنیہ ہے۔ لَسْتَ مُرْسَلًا اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ رسول نہیں ہیں۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے تھے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رسول نہیں۔ جیسے بعض فلاسفہ کا خیال ہے کہ (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام نبی نہیں بلکہ ایک فلاسفر (حکیم) تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہ ماننے والے کافر ہیں۔

عقیدہ: ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ عقیدہ رکھنا فرض ہے کہ وہ ہمارے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء والمرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

عقیدہ اور ردّ مرزا قادیانی جو شخص حضور سرورِ عالم کو رسول تو مانتا ہے لیکن یہ نہیں مانتا کہ آپ

Scanned with CamScanner

خاتم النبیین ہیں اور نہ ہی یہ مانتا ہے کہ آپ کا دین قیامت تک غیر منسوخ ہے تو وہ کافر ہے (اسی لیے ہم قادیانیوں و مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں، جمہور کا یہی مذہب ہے کہ منکرِ ختمِ نبوت کافر ہے)

؎

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل و خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: آپ نہ فلک اور ہفت اختر یعنی کائنات کے شمس ہیں بلکہ خاتم الرسل اور تمام پیغمبروں کے آقا و امام ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ فرمائیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ کافی ہے باء فاعل پر داخل (اور زائدہ) ہے شَهِيْدًا یہ تمیز ہے یعنی گواہ ہونے کے لحاظ سے بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمہارے درمیان۔

ف: اللہ تعالیٰ کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معجزات ظاہر کرتا ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ اور وہ کہ جس کے ہاں اُمّ الکتاب ہے یعنی وہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی شہادت کے لیے کافی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دے کر اس کا بیان سکھایا اور اسے قرآن مجید کے آیات اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دکھائے۔ انہی وجوہ سے وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے پھر ایسے لوگوں کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر شہادت قطعی بن جاتی ہے کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہتا۔

عقیدہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی ساری خدائی مثلاً انس و جان، ملک و حیوان اور نباتات و جمادات وغیرہ کے رسول ہیں۔

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

داعیِ ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح ازاں گفتے حصات

ترجمہ: چونکہ آں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ذرہ ذرہ کے نبی ہیں اسی لیے آپ کے ہاتھ مبارک میں کنکریاں بھی تسبیح پڑھتی تھیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ سنگہا اندر کف بوجہل بود
گفت اے احمد بگو ایں چیست زود

Scanned with CamScanner

۲ گر رسولی چیست در مشتم نہان
چوں خبرداری ز راز آسمان

۳ گفت چوں خواہی بگویم آں چہا ست
یا بگویند آنکہ ما حقیم و را ست

۴ گفت بو جہل ایں دوم نادر تر ست
گفت آری حق ازاں قادر تر ست

۵ از میان مشت او ہر پارہ سنگ
در شہادت گفتن آمد بے درنگ

۶ لا الٰہ گفت و الا اللہ گفت
گوہر احمد رسول اللہ سفت

۷ چوں شنید از سنگہا بوجہل ایں
زد زخشم آں سنگہا را بر زمین

ترجمہ: ۱۔ ابوجہل نے کنکریاں ہاتھ چھپا کر عرض کی کہ اگر آپ رسول ہیں تو جلد بتائیے:
۲۔ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو فرمائیے میرے ہاتھ میں کیا پوشیدہ ہے جبکہ آپ آسمان کی خبر دیتے ہیں۔
۳۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں بتاؤں کہ یہ کیا ہے یا تیرے ہاتھ میں پوشیدہ چیز خود بولے۔
۴۔ ابوجہل نے کہا یہ دوسرا اعجوبہ ہے۔ آپ نے فرمایا میرا اللہ اس سے بھی بڑی قدرت والا ہے۔
۵۔ ابوجہل کی مٹھی میں ہر کنکر کلمۂ شہادت پڑھنے لگی۔
۶۔ لا الٰہ کہا اور الا اللہ بھی، اور احمد رسول اللہ کے موتی بھی پروئے۔
۷۔ جب ابوجہل نے پتھروں سے کلمۂ شہادت سنا تو ان کنکریوں کو زمین پر دے مارا۔

فائدہ اور کرامتِ اولیاء اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں سے حیاتِ جماد دیکھنے کی قوت سلب کر لی ہے۔ ہاں بعض خواص (اولیاء کرام) کو جنہیں چاہتا ہے جمادات کی حیات کا ادراک عطا فرماتا ہے۔

نکتہ: اگر کائنات کے ذرہ ذرہ میں حیات نہ ہوتی تو پتھر اور کنکریاں کیسے خدا تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
و ان من شئ الا یسبح بحمدہ۔

Scanned with CamScanner

20 **حدیث شریف** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر شے مؤذن کی اذان سن کر قیامت میں اس کی اذان کی گواہی دے گی وہ شے خشک ہو یا تر، گواہی یا تسبیح اس شے سے سرزد ہو سکتی ہے جو علم اور حیات رکھتی ہو۔

نکتہ : کسی سے محبت بھی وہی رکھتا ہے جسے علم و حیات ہو۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اُحد ہمارے ساتھ محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے۔

شانِ رسالت کا بیان اور عقیدہ مسلمان

عوالم (تمام عالم) کا ذرہ ذرہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دے رہا ہے اور ہر شے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت کی دلیل ہے۔

عرش بریں پر لکھا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) عرش اول المخلوق اور عظمت میں سب سے اعظم۔ اسے جب اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس پر لکھا، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نہ آدم یافتے توبہ مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش (ظاہری خطا) ہوئی تو بارگاہِ حق میں عرض کی:

یا رب اسئلك بحق محمد ان غفرت۔	اے اللہ کریم! میں تجھ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

(اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا:)

کیف عرفت محمدا صلی اللہ علیہ وسلم	اے آدم علیہ السلام! تُو نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟

آدم علیہ السلام نے عرض کی:

لانك لما خلقتنی بیدك و نفخت فی من روحك رفعت راسی فرأیت علی قوائم العرش لا الٰہ الا اللہ محمد رسول	اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنا کر میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو قوائم عرش پر لکھا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول

عہ اس موضوع پر فقیر نے رسالہ لکھا ہے "شہد سے میٹھا نام محمد" اویسی غفرلہٗ

لہ بعض کند دماغ کہتے ہیں کہ بحق فلاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم و پیر دستگیر رضی اللہ وغیرہ ناجائز ہے اس حدیث کو یا سرے سے مانتے نہیں یا پھر ضد ہے۔ عوام اہل اسلام ایسے ضدیوں سے بچ کر رہیں ۱۲

ملہ جیسے اللہ تعالیٰ کا کسی بات کا پوچھنا اس کے علم کے منافی نہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کا صحابہ کرام یا دوسروں سے پوچھنا بھی ان کے علم کے منافی نہیں۔ فافہم ولا تکن من الوہابیین۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فعلمت انک لم تضف الی اسمک الا احب الخلق الیک۔

اللہ، اس سے میں نے سمجھا کہ تُو نے اپنے ساتھ محبوب ترین اسم کو ملایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صدقت یا ادم انہ لاٰخر النبیین من ذریتک ولولاہ ما خلقتک۔

اے آدم (علیہ السلام)! آپ نے سچ کہا بیشک وہ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی اولاد سے ہیں وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ فرماتا۔

مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں یہ

عرش کا چین اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

الفاظ ہیں:

ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فسکن۔

میں نے عرش کو پیدا فرمایا تو بے چین ہو گیا۔ اس پر لکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس کو سکون ملا۔

پتے پتے پر لکھا ہے نامِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بعض بزرگوں کا کہنا ہے کہ ہم نے ایک بہت بڑا پتہ دیکھا جو نہایت خوشبو دار تھا اور واضح اور کھلا۔ اس کی سبزی پر سرخ و سفید رنگ میں نہایت عجیب و غریب طرز سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے لکھا۔ پہلی سطر پر لا الٰہ الا اللہ، دوسری پر محمدٌ رسول اللہ، تیسری پر ان الدین عند اللہ الاسلام۔

حکمت: الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ ہر مسئلے پر اہلِ اسلام کا ہر زمانے میں اختلاف رہا اور رہے گا مگر صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کسی اہلِ اسلام کا اختلاف نہ ہوا اور نہ ہوگا (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کلمہ متحقق ہے اور اس کی حقانیت یقینی ہے اگرچہ کوئی بوجہ ضد و عناد یا بوجہ تنگیٔ عبارت کے نہیں سمجھتا تو وہ اور بات ہے۔[2]

نوٹ: (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) اس سورۂ رعد کی تفسیر ۲۱ شوال ۱۱۰۳ھ کو اختتام پذیر ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہ عرض کرتا ہے کہ اس ناکارہ آوارہ نے اس کا ترجمہ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۹۶ھ بر مکان صاحبزادہ سید محمد مزمل شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ سلاز والا تحصیل و ضلع میانوالی میں ختم کیا۔ والحمد للہ علی ذالک والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

---

[1] اسی روایت کے مطابق ہم کہتے ہیں، شعر
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

[2] اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہ کی ایک مستقل تصنیف ہے ۱۲

سُوْرَۃ ابراہیم

سورة ابراهيم مكية وهي اثنتان	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	وخمسون اية وسبع ركوعات

الۤرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ
شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ
فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى
بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِيْمٌ ۝

ترجمہ: یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتاری تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب تعالیٰ کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف لائیں۔ اس کے رستہ کی طرف جو عزت والا خوبیوں والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہ جس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور کافروں کی سخت خرابی ہے ایک سخت عذاب سے جو آخرت پر دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے اور اس میں ٹیڑھا پن چاہتے ہیں اور یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی اپنی قوم کی زبان میں تاکہ وہ انھیں کھول کر بتائے پھر جسے اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہی عزت والا حکمت والا ہے اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تاکہ اپنی قوم کو اندھیریوں سے روشنی کی طرف لائیں انھیں اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلائیں بیشک اس میں ہر بڑے صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ یاد

Scanned with CamScanner

کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی ہے کہ جب اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات بخشی جو تمہیں بُری سزا دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب تعالیٰ کا (تم پر) بڑا فضل ہوا۔

سورہ ابراہیم شریف مکیہ ہے صرف الم تر الی الذین بدلوا "دو آیتیں مدنیہ ہیں اور اس کی دو سو اکیاون یا چون یا پچپن آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ کے اسم کی برکت کی طرف اشارہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور یہی اسم اعظم ہے۔ تمام عالمین کی تخلیق کی ابتداء بسم اللہ شریف کی برکت سے ہوئی تاکہ اس کی صفت رحمانیہ و رحیمیہ کا اظہار ہو تاکہ عالم دُنیا اس کی صفت رحمانیہ کا مظہر ہو۔ اسی لیے دعاءِ ماثورہ میں ہے:

یا رحمٰن الدنیا و رحیم الاخرۃ۔ الخ — اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم۔

اس کی تشریح یوں ہے کہ تمام مخلوقات حیوانات ہوں یا جمادات، مومن ہوں یا کافر، سعید ہوں یا شقی وغیرہ وغیرہ ہر ایک دنیا میں صفت رحمانیہ سے نفع پا رہے ہیں چونکہ یہ رحمت کا صیغہ مبالغہ ہے اور آخرت میں صفت رحیمیہ سے صرف اہل ایمان منتفع ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وکان بالمؤمنین رحیما۔ — اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے رحیم ہے۔

(کذا فی التاویلات النجمیہ)

(حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا) ؎

جامی اگر ختم نہ بر رحمت است
بہر چہ شد خاتمۂ آں رحیم

الٓرٰ الف میں قسم یعنی بآلائہ و نعمائہ کی طرف اشارہ ہے اور لام میں اس کے لطف و کرم کی طرف اور راء میں قرآن کی طرف۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے اپنی نعمتوں کی قسم کہ میری صفت لطف و کرم کا تقاضا ہوا کہ قرآن مجید نازل کروں۔ قرآن مجید سے وہی کتاب قدیم یعنی کلام خداوندی مراد ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اہل سلوک (یعنی اہل اللہ) متشابہات کو اپنے مراتب کے مطابق جانتے ہیں۔ شلاً قٓ اور نٓ میں ملک وجود کے مرتبہ واحدہ کی طرف اور حٰمٓ میں دو مرتبوں کی طرف اور الٓمٓ اور الٓرٰ میں تین مراتب کی طرف اور کٓہٰیٰعٓصٓ اور حٰمٓعٓسٓقٓ میں پانچ مراتب[1] کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں سات مراتب کی

---

[1] وہی مراتب جو صوفیا کے ہاں مشہور و معروف ہیں۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

طرف بھی اشارہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
قرآن مجید کے جیسے ظاہری معانی ہیں ایسے ہی باطنی بھی لیکن انھیں سوائے اہلِ معرفت (اولیاء کرام) کے اور کوئی نہیں جانتا۔

سوال : بہت سے علماء کرام مثلاً صاحب کشاف اور بیضاوی وغیرہما نے ان متشابہات کے معانی تحریر فرمائے ہیں کیا وہ غلط ہیں۔

جواب : علماء کے بیان کردہ معانی تاویلی ہیں تحقیقی نہیں اور وہ بھی صرف لفظوں تک محدود ہیں معانی اور حقائق پر مشتمل نہیں۔

نظرِ اولیاء میں کیمیا تفسیر بیضاوی کو کتنی شہرت حاصل ہے اور اس میں جتنی روحانیت اور برکت ہے یہ سب حضرت عمر نسفی مصنف تفسیر التیسیر و المنظومہ فی الفقہ رحمہ اللہ کی دعا کا نتیجہ ہے۔

حضرت عمر نسفی[1] صاحب العقائد النسفیہ کا نکیرین کو نظم میں جواب دینا یہ حضرت مدرس الثقلین تھے۔ آپ کے متعلق منقول ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر عرض کیا کہ آپ نے نکیرین کو کیا جواب دیا۔ آپ نے فرمایا : جب اللہ تعالیٰ نے نکیرین کے سوال کے لیے میری رُوح میرے جسم میں لوٹائی تو نکیرین نے مجھ سے حسبِ دستور سوالات کیے۔ میں نے ان سے کہا جواب نظم میں ہو یا نثر میں۔ انھوں نے فرمایا : نظم میں جواب دیجئے۔ آپ (عمر نسفی) نے فی البدیہہ فرمایا : ؎

ربی اللہ لا الٰہ سواہ
و نبیی محمد مصطفاہ
دینی الاسلام و فعلی ذمیم
اسأل اللہ عفوہ و عطاہ

ترجمہ : میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں اور میرے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میرا دین اسلام ہے اور میں اگرچہ گنہگار ہوں لیکن اللہ تعالیٰ سے عفو و عطا کا سائل ہوں۔

یہ سُن کر وہ شخص جاگ پڑا اور اسے یہ دونوں شعر یاد رہ گئے۔

صُوفی کا مقام فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حروفِ مقطعہ (الٓمٓ، حٰمٓ، صٓ، قٓ وغیرہ) پر صوفیاء محققین کے علوم کی انتہا ہوتی ہے اور وہ حضرات انکے علوم کو چالیس سال کے بعد پاتے ہیں یعنی سلوک کی پہلی

---

[1] یہ وہی بزرگ ہیں جن کی مدارس عربیہ کے کورس میں عقائد نسفیہ مع شرح از علامہ تفتازانی داخل ہے ۱۲

Scanned with CamScanner

منزل طے کرتے ہوئے مسلسل چالیس سال کے بعد ان کے علوم کو پہنچتے ہیں اور اسرار مخفیہ کے انکشاف کی یہاں سے ان کی منزل اوّل کا آغاز ہوتا ہے۔

سبق : ہر عاقل طالب سالک پر لازم ہے کہ کسی کامل کی نگرانی میں ان منازل کو طے کرنے میں بہت زیادہ جدوجہد کرے

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گرت دانستن علم حروفست آرزو صوفی
نخست افعال نیکو کن چہ سود از خواندن اسما
بنا اہل ار نشان وادی کمال از خاک رہ گاہش
کشیدی کحل بینائی ولے در چشم نابینا

ترجمہ : اگر صوفی کی تمنا صرف حروف پڑھنے سیکھنے کی ہے اسے کہہ دو کہ پہلے ان پر عمل کرنے میں کوشش کرنے صرف لفظ گردانی کا کیا فائدہ۔ اسی طرح نااہل کو اے کمال ! (شاعر کا نام) اگر تم نے ذات حق کی درگاہ کی رہنمائی کی تو اسی طرح بیکار ہے جیسے نابینا کی آنکھ میں سرمہ لگایا جائے۔

مسئلہ : کاشفی نے لکھا کہ حضرت امام ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حروف مقطعہ بھی منجملہ آزمائش کے ہیں کہ مؤمن ان کی تصدیق کرے گا اور کافر تکذیب۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی وہ جس طرح چاہے اپنے بندوں کا امتحان لے۔

کِتٰبٌ یہ کتاب ہے یعنی قرآن مجید، جو سورۂ ہذا اور اسی طرح کی دوسری سورتوں پر مشتمل ہے وہ کتاب ہے یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔

مسئلہ : کاشفی نے لکھا کہ ایک جماعتِ مفسرین کا مذہب ہے کہ حروف مقطعہ قرآن مجید کے اسماء ہیں۔ اس معنے پر یوں کہنا صحیح ہوگا کہ الٓر یعنے قرآن (کا ایک نام) کتاب ہے۔

اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ ہم نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے آپ کے ہاں نازل کیا درانحالیکہ وہ اپنے اعجاز کے لحاظ سے آپ کی رسالت و نبوت کی مضبوط اور پختہ حجت و دلیل ہے اور اسی کے مناسب ہے۔ قولِ باری تعالیٰ :

ولقد ارسلنا موسٰی بٰاٰیٰتنا۔ اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں آیات بھیجے۔

اس کے بعد اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر انزال کتاب کی مصلحت بتائی کہ لِتُخْرِجَ النَّاسَ تاکہ آپ تمام لوگوں کو نکالیں اور انہیں ان ارشادات و دعوات کی طرف لائیں جو کتاب کے اندر عقائدِ حقہ اور احکام نافعہ موجود ہیں مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ظلمات سے نور کی طرف یعنی انواع ضلالۃ سے ہدایت کی طرف اور ظلمتِ کفر و نفاق اور شک و بدعت سے نورِ ایمان و اخلاص اور یقین و سنت کی طرف اور ظلمت کثرۃ سے نورِ وحدت کی طرف اور حجب افعال و استار صفات سے

Scanned with CamScanner

وحدۃ الذات کے نور کی طرف اور ظلمت خلقیہ سے تجلی صفت ربوبیت کی طرف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم امحبت یعنی عالم ارواح کو نور سے پیدا فرمایا اس کا زبدہ روح انسانی کو بنایا۔ ایسے ہی عالم دنیا یعنی عالم اجسام کو پیدا فرمایا اس کا زبدہ جسم انسانی کو بنایا پھر جیسے اللہ تعالیٰ نے عالم اجسام کو عالم ارواح کے لیے حجاب بنایا ایسے ہی دونوں عالموں کو روح و جسم کے ظلمات نور صفت الوہیت کے حجاب ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ظلمات و نور کے ستر حجابات ہیں اگر وہ کھل جائیں تو ان کی تجلیات تمام اشیا کو جلا دیں۔ ان حجابات سے کسی کو نکلنے کی استعداد نصیب نہیں ہوئی سوائے حضرت انسان کے۔ وُہ بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نکالے تو اس کی مہربانی۔ حضرت انسان کے اختصاص کی دلیل یہ ہے:

اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

اللہ ولی ہے مومنوں کا جو انھیں ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

ف: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن ہی مومنین کو ان ظلمات سے نور کی طرف نکالنے کے اسباب ہیں باذن ربّھم اپنے رب تعالیٰ کے اذن سے۔ یعنی اس کی قوت و طاقت سے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

نکتہ: من ربک کے بجائے من ربھم اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا مربّی ہے۔ اگر حضور علیہ السلام ان کی تربیت فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: بعض مفسرین نے باء لتخرج کے متعلق کیا ہے۔ اس معنے پر بھی اذن النہی کا معنیٰ ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں دیتے بلکہ آپ میرے اذن وعطا سے ہدایت دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی بھی ہدایت نہیں پا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کے لیے ہدایت دیتا ہے اس کے لیے اسباب آسان کر دیتا ہے اور چونکہ حضور علیہ السلام ہی تمام اسباب سے بہتر سبب ہیں وہ خود کب براہ راست ہادی ہونے کے مدعی ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کیونکہ جسے تخلیق سے تعلق ہے وہ صرف ملک خداوندی ہے اور حضور علیہ السلام غیر کی ملک میں کیسے تصرف فرما سکتے ہیں۔ ہاں اگر کسی کو اصل مالک سے تصرف کی اجازت ہو تو اس کے لیے اس تصرف میں آسانی ہوتی ہے۔

ف: دعوت عام ہوتی ہے اور ہدایت خاص۔ کما قال تعالیٰ:

واللّٰہ یدعوا الیٰ دار السلام ویھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

اللہ تعالیٰ دار السلام کی ہر ایک کو دعوت دیتا ہے اور سیدھے راستے کے لیے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ کا اذن ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ظلمات میں تھے اس لیے عوالم کے ایجاد سے اور تمام مخلوق کی پیدائش سے مقصود بالذات انسان کامل کا ظہور ہے اور وہ ظاہر ہو چکا۔ اور وہ الف کی طرح ہے وہی حقیقت میں سوادِ اعظم ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کی حکمت کے مقتضا کے خلاف ہے کہ ساری مخلوق حقانیت

Scanned with CamScanner

پرہو اس لیے کہ وہ چاہتا ہے کہ اس کے جلال و جمال دونوں اشرظاہر ہوں۔ ؎

در کارخانۂ عشق ز کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے کارخانے میں کفر ضروری ہے
اگر ابولہب نہ ہوتا تو آگ کسے جلاتی۔

تفسیر عالمانہ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ عزیز حمید کے راستے کی طرف۔ یہ نور سے بدل ہے عامل کو مکرر لایا ہے اور عزیز و حمید اللہ تعالیٰ کے اسماءِ گرامی ہیں اور اس کی طرف صراط کی طرف اضافت تشریفی ہے لیے صراط کی تعظیم کے لیے لایا گیا ہے۔ اس سے دین اسلام مراد ہے اس لیے کہ یہی موصل الی الجنۃ والقربۃ والوصلۃ ہے۔ عزیز وہ ہے جو اہلِ دین کے لیے ان کے دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اور حمید وہ محمود ہے جو بندوں کی حمد کا مستحق ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظلمات جسمانیہ اور انوار روحانیہ سے نکلنے سے ہی اللہ تعالیٰ کا راستہ نصیب ہوتا ہے اور عزیز وہی ذات ہے کہ اس کی طرف بندہ نہیں پہنچ سکتا جب تک ان حجابات سے نہ نکلے۔ اور حمید وہی ہے جو اپنی جلالیت و جمالیت کے کمال کی وجہ سے عزت کبریا و عظمت کے پردوں میں محجوب ہو۔

تفسیر عالمانہ اللّٰہِ یہ مجرور العزیز الحمید کا عطف بیان ہے اس لیے کہ یہ خالق عالم واجب لذاتہ کا علم (نام) ہے الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وہ جس کے ملک میں آسمانوں اور زمینوں کے مکین ہیں وہ عقلا ہوں یا بے عقل یعنی عالم موجودات کا ذرہ ذرہ اسی کی ملک ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ سالکین کی سیر منتہیٰ صفات باری تعالیٰ نہیں یعنی عزیز و حمید سالک کی منزل مقصود نہیں بلکہ اس کی منزل کا منتہیٰ ذاتِ حق تعالیٰ ہے۔ یاد رہے کہ یہ تمام مکونات ذات حق تعالیٰ کے صفات ہیں جو اس کے افعال میں پھنسا رہے وہ اس کے صفات تک نہیں پہنچ سکتا اور جو صرف اس کے صفات میں محو رہے وہ ذات تک نہیں پہنچ سکتا اور ذات کے وصال بلا اتصال و انفصال کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ جب تک سالک اپنی انانیت سے نکل کر ہویت باری تعالیٰ میں مکمل طور داخل نہ ہو۔ واصل باللہ ہی صفات و افعال سے متمتع ہو سکتا ہے۔ کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

وصل میسر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ برید نست

ترجمہ: قطع تعلق کے بغیر وصالِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔ قطع تعلق یہی ہے کہ ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جائے۔

Scanned with CamScanner

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا :

سبحانک لا علم لنا الا ما
علمت و الہمت لنا الہاما
ما را برہان ز ما و آگاہی دہ
از سر معنی کہ داری با ما

ترجمہ : تو پاک ہے ہمیں اتنا علم ہے جتنا دیا یا ہمارے ہاں الہام فرمایا ہمیں انانیت سے نجات دے کر آگاہی بخش۔ اس معنے سے ہیں آگاہی بخش جس کے متعلق تو ہمارے لیے ارادہ رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَوَیْلٌ ویل بمعنے ہلاکت۔ کاشفی نے اس کا معنیٰ رنج و مشقت لکھا۔ یہ مبتدأ اور اس کی خبر لِلْکٰفِرِیْنَ ہے۔ یعنی ان کافرین کے لیے ہلاکت ہے جو کتاب کا انکار کرتے ہیں۔ اسے دوسرے مصادر کی طرح منصوب ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ اس سے افعال کا اشتقاق نہیں ہوتا اسی لیے اسے منصوب نہیں لایا گیا۔

سوال : اگر یہ منصوب ہونا تھا تو پھر مرفوع کیوں۔

جواب : چونکہ منصوب ہوتا تو جملہ فعلیہ ہوتا اور یہاں استمرار مطلوب ہے۔ اسی لیے کافروں کے لیے دائمی ہلاکت ثابت کرنے کے لیے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ یہ بددعا کے طور پر بولا جاتا ہے جیسے سلام علیکم دُعا کے لیے ہوتا ہے۔

مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ سخت عذاب سے۔ یہ مِنْ جنس کے بیان کے لیے اور وَیل کی صفت یا ھُوَ ضمیر سے حال ہے یا یہ ابتدائیہ ہے اور وَیل کے متعلق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عذابِ شدید سے روئیں گے اور کہیں گے : یا ویلاہ۔ یعنی پریشانی کے وقت فریاد کے طور کہیں گے۔ جیسے دُوسرے مقام پر فرمایا :

دعوا ھنالک ثبورا۔ وہ اس وقت ہلاکت اور تباہی کو پکاریں گے۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ اسم موصول کا محل خبر ہے اس معنے پر کہ وہ کافرین سے بدل یا اس کی صفت ہے۔ محبۃ کا باب استفعال ہے۔ یعنی وہ کافر جو آخرت کے بجائے دنیا سے محبت رکھتے تھے حالانکہ آخرت حیات ابدیہ تھی اسے چھوڑ کر دنیا فانی کو ترجیح دیتے تھے ظاہر ہے کہ جو شخص ایک شے کو دوسری شے پر ترجیح دے تو وہ راجح سے اپنی محبت کا ثبوت دیتا اور راجح شے کو مرجوح سے افضل سمجھتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ لوگ امر آخرت کو لاشئے سمجھ کر دنیا کو چاہتے تھے کہ وہ جلدی کا سودا ہے۔ یہی کافر حقیقی کا شیوہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کے شہوات کی طلب میں جد وجہد کرے اور آخرت کی طلب میں سستی کرے اور سمجھے کہ اس کے لیے مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور نفس کی مخالفت اور خواہش کا ترک کرنا اس کے لیے دشوار نظر آتا ہے اور شرع کی موافقت اسے بوجھ محسوس ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر صُوفیانہ حقیقی مومن وہ ہے کہ صرف ظاہری اسلامی امور پر خوش نہیں ہوتا اور نہ ہی تقلیدی ایمان پر راضی ہوتا ہے اسی لیے رسمی اسلام اور تقلیدی ایمان ظلمات سے خالی نہیں۔ ہاں ایمان حقیقی نورِ خالص ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہے

کے سیہ گردد ز آتش رُوئے خوب
گر نہد گلگونہ از تقوی القلوب

ترجمہ: حسین چہرہ آگ سے سیاہ نہیں ہوتا لیکن قلوب کو تقوٰی کا سنگار چاہیے۔

تفسیر عالمانہ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ یعنی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے سے روکتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ ہوٰی طالبانِ راہِ حق کو اللہ تعالیٰ کی طلب سے بلکہ انھیں میٹھی میٹھی باتیں سنا کر طریقِ حق سے منع کرتے ہیں[1] اور بعض ایسے بدبخت بھی ہیں جو سالکانِ راہِ حق کو ترکِ دنیا اور گوشہ نشینی اور خلق کے انقطاع اور ان سے دُوری سے روکتے ہیں (جیسے جدت پسند ماڈرن مسلم یا کمیونسٹ پارٹی کا کام ہے کہ وہ اسلام کے طور طریق پر مذاق اور نیک نمازیوں کو اسلامی روش سے منع کرتے ہیں) حالانکہ اسلام اور تصوف کے طور طریقوں پر عمل کرنے والے حضرات کا مقصد صرف توجہ الی الحق ہے اور بس۔ لیکن روکنے والوں کو ہماری یہ طرزِ ادا ناپسند ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَبْغُوْنَهَا اور اس راستہ کے لیے چاہتے ہیں۔ دراصل یبغون لہا لام جارہ کو محذوف کر کے فعل کو بلا واسطہ متعدی کیا گیا۔ عِوَجًا بمعنٰی زیغاً و اعوجاجاً یعنی ٹیڑھا پن، یعنی راہِ حق پر چلنے والوں کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس راستہ پر تم چل رہے ہو یہ ٹیڑھا اور نہایت سخت ہے۔ اس پر چلنے سے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکو گے۔ الزیغ بمعنٰی المیل عن الصواب یعنی راہِ صواب سے ہٹ جانا۔ النکوب بمعنٰی اعراض (روگردانی کرنا) اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو قبائح مذکورہ سے موصوف ہیں فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ گمراہی بعید میں ہیں۔ یعنی راہِ حق سے اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ ان کا راہِ ہدایت پر واپس آنا ناممکن ہے۔

سوال: بعید ہونا تو دراصل گمراہ کا کام ہوتا ہے لیکن یہ صفت گمراہی کی بتائی گئی ہے۔

جواب: چونکہ مبالغہ مطلوب ہے اسی لیے مجازاً بُعد کو گمراہی کی صفت ظاہر کیا گیا ہے اس میں مبالغہ یوں ہوگا کہ انھیں گمراہی اس قدر محیط ہو چکی ہے کہ گویا گمراہی ان کے لیے بمنزلہ ظرف کے ہے۔

---

[1] جیسے تبلیغی جماعت (وہابی دیوبندی) کی ایک شاخ ہے کہ ان کا کام ہے کہ میٹھی باتوں اور اسلام کے نام سے اولیاء اللہ کی عقیدت اور اہلسنت کے عقائد سے روکتے ہیں ۱۲

Scanned with CamScanner

ف: شیطان کے راستے پر چلنے والے سے اور کوئی بڑا گمراہ نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے سے اور کوئی بڑا ہدایت یافتہ نہیں۔

انھی آیات میں ان ہر دو کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کا نزول آپ کی ہدایت کی دلیل ہے۔ چنانچہ آپ پر منت و احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وماکنت تدری ماالکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نورا نہدی بہ الآیۃ۔

تو تخریج آپ کے رُشد و ہدایت کے لیے تصریح ہے۔

اولیاءِ کرام کی شان

چونکہ اولیاءِ کرام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل وارث ہیں اسی لیے انھیں ان دونوں مقامات سے وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔ یہ حضرات بھی "ھادی" کے کامل مظہر ہیں۔

ف: یستحبون و یصدون میں ان کے ضلال و اضلال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کافر شیطان کے وارث ہیں اور وہ اسم مضل کا مظہر ہے۔

سبق: مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ذکر کثیر سے اپنے ایمان کو مضبوط اور پختہ کرے دنیا و مافیہا سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ علیم و خبیر کی طرف متوجہ ہو۔

ملفوظات حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ

حضرت سلطان العارفین سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے فریضہ و سنۃ کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: سنۃ ترکِ دُنیا اور فریضہ اپنے مولیٰ کا قُرب حاصل کرنے کا نام ہے۔ اس لیے کہ سنۃ ترکِ دُنیا پر دلالت کرتی ہے اور کتاب یعنی قرآن مجید صحبت و قربِ مولیٰ پر دلالت کرتا ہے اور جسے سنّت و فریضہ پر عمل نصیب ہو جائے اسے نعمت الٰہی نصیب ہو گئی۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخیار و ابرار و اولیاء کرام کے راستے پر چلنے کا شرف بخشے۔ (آمین)

شانِ نزول

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ زاد المسیر میں ہے کہ کفار نے اعتراض کیا کہ دوسرے پیغمبروں پر کتابیں عجمی لغت میں نازل ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب عربی میں کیوں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ردّ میں فرمایا: اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا اِلّا مگر در انحالیکہ وہ متلبس ہوتا ہے بِلِسَانِ قَوْمِہٖ اپنی قوم کی لغت میں۔ لسان بمعنے عضوِ معروف یعنی زبان اور بمعنے لغت۔ یہاں یہی دوسرا معنیٰ مراد ہے یعنی ہر نبی علیہ السلام اسی لغت میں تشریف لاتا ہے جو وہاں کے لوگوں کی لغت ہوتی ہے۔ یعنی جس قوم میں وہ پیدا ہوتا ہے اسی کی بولی میں آتا ہے تاکہ پہلے اپنے قریب والوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام بتائیں پھر دوسروں کو۔ جیسا کہ آیات "والیٰ عاد اخاھم ھودا" اور "والیٰ ثمود اخاھم صالحا" وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق بھی سوال نہیں ہو سکتا اس لیے کہ انہوں نے

Scanned with CamScanner

اگرچہ اپنے مولد و مسکن سے دُور دُوسرے علاقہ میں کسی بی بی سے نکاح کیا اور وہیں پر آپ کو نبوت و رسالت کا حکم ہوا۔ لیکن بولی آپ کی وہی تھی جہاں نکاح کیا تھا۔

ف : حضرت ابو سعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِلّا بلسان قومہٖ عام ہے بایں معنیٰ کہ نبی علیہ السلام ایسے لوگوں کی طرف مبعوث ہوتے ہیں جن کی لغت پر ان سب کا اتفاق ہوتا ہے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ تاکہ ہر رسول علیہ السلام بیان فرمائے۔ لھم ان لوگوں کو وہ احکام جن کے لیے انھیں دعوت دی جاتی ہے اور انھیں حکم ہوتا ہے کہ وہ اسے قبول کر کے عمل کریں چونکہ وہ احکام وغیرہ ان کی بولی ہوتے ہیں۔ اسی لیے انھیں وہ آسانی سے سمجھ سکیں گے اور دُوسروں کو سمجھائیں گے۔ اسی بنا پر وہی زیادہ مستحق ہیں ان کی بولی میں کتاب کا نزول ہو اور پہلے انھیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہُوا کہ وہ سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں حالانکہ آپ نہ صرف تمام انسانوں بلکہ جنوں اور ساری خدائی کے رسول تھے۔ اگر ہر ایک کی زبان میں علیحدہ علیحدہ کتاب کا نزول ہوتا تو ان گنت کتابیں بھیجی جاتیں۔ آپ کی نبوت ہمہ گیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی زبان میں قرآن مجید نازل فرمایا جو تمام لغات کی سرتاج ہے اور یہ ایسی معجزنما ہے کہ اس کا اعجاز پُرشکوہ تھا کہ جس کا کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکا۔ اور نہ ہی اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کا امکان ہے۔ کروڑوں مخالفین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے لیکن اس کے اعجاز کو نہ توڑ سکے۔

لیکن باوجود مختصر کتاب (قرآن مجید) ہونے کے ایسی جامع ہے کہ کائنات کا مضمون اس سے رہ نہیں گیا اور جمیع عالم کے علوم اس مختصر سی کتاب میں موجود ہیں اور اس کی طرزِ بیان میں طاعات و عبادات کے جمیع مسائل مذکور ہوئے اور ایسی کامل کتاب کامل نبی بلکہ اکمل الانبیاء اور افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی جس کی اُمت بھی تمام امم سے افضل اور آپ کی شریعت اشرف الشرائع ہے۔ اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہُوا کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی ہمہ گیری کو ایک جامع کتاب پہ جمع فرما دے تاکہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور کاملیت کا اظہار ہو۔ چونکہ عربی سید الالسنہ یعنی تمام بولیوں کی سردار اور اشرف اللغات ہے اس لیے یہی بولی آپ کی قوم کو عطا کی گئی۔ اور یہی اہلِ جنت کی بولی ہے۔ عالمِ دُنیا کی تمام بولیاں اس بولی کے تابع ہیں اسی لیے تمام لوگ عرب کے تابع ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید کو کسی دُوسری زبان میں نہیں اتارا گیا عربی سے دوسری بولی کا ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ دُوسری بولیوں میں قرآن مجید کی ضرورت نہیں تاکہ طوالت نہ ہو۔ تاہم یُوں ہُوا کہ آپ کے وارثین صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، مشائخ، اولیاء کرام و علماء عظام نے اپنی اپنی بولیوں میں اُمت تک قرآن مجید کے مضامین پہنچائے۔

ف : ترجمہ بمعنے ایک زبان کو دُوسری زبان میں منتقل کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے، ترجم لسانہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی بولی کو دُوسری بولی میں بیان کرے۔ اسی لیے ایک بولی کو دُوسری بولی میں بیان کرنے والے کو اہلِ عرب "ترجمان" سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کذا فی الصحاح)

Scanned with CamScanner

یہود کے اوہام کا ازالہ یہود کے ایک فرقے عیسویہ (جو عیسیٰ اصفہانی کے متبع ہیں) کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے نبی اور رسول ہیں انھیں بنی اسرائیل سے کوئی تعلق نہیں۔ یہود کا رد ہوگیا اس لیے کہ آیت تمام کائنات کی رسالت ثابت کرتی ہے۔ انہوں نے یہ عقیدہ اس لیے گھڑا تاکہ ان کے دین کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسولِ برحق مانتے قران کا دین و مذہب خاک میں مل جاتا۔

سوال: وما ارسلنٰك من رسول الا بلسان قومه سے تو ثابت ہوتا ہے کہ آپ صرف عرب والوں کے رسول ہیں۔

جواب: آیت میں رسالت کا انحصار لغت پر نہیں رکھا گیا بلکہ یہ بتایا گیا کہ ہر رسول اپنی اُمّت کی بولی بولتا تھا تاکہ وہ ان کی بات سمجھ سکیں پھر وہی دُوسروں کو سمجھائیں۔ عرب والے تکلم میں تمام عجم کے سرتاج تھے اسی لیے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لائے۔ جیسے موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام دونوں بنی اسرائیل میں تشریف لائے اور ان دونوں کی کتابیں (تورات وانجیل) سریانی زبان میں تھیں اور ان حضرات کے بعض اُمتی سریانی نہیں بلکہ یُونانی جانتے تھے۔ جیسے رومی' ان کی زبان رومی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت لغت میں محدود نہیں ہوتی بلکہ افہام وتفہیم کا ایک ذریعہ ہے اسی لیے اس کا نام لیا گیا۔

اضحوکہ منقول ہے کہ چار آدمی (عجمی، عربی، ترکی، رومی) ہمسفر تھے۔ رستے میں ایک درہم پایا۔ ان سب کا آپس میں اختلاف ہوا۔ چونکہ ایک دُوسرے کی بولی نہ جانتے تھے اس لیے مخاصمت پیدا ہوگئی۔ حالانکہ مقصد سب کا ایک تھا ایک شخص انھیں ملا جو سب کی بولی جانتا تھا اس نے عربی سے پوچھا: ای شئ ترید (آپ کیا چاہتے ہیں!) عجمی سے پوچھا: چہ میخواہی؟ اسی طرح رومی سے پُوچھا: استرسین؟ سب کا مقصد تھا کہ انگور خریدیں۔ لیکن ایک دُوسرے کی لغت نہ جاننے پر سمجھ نہیں رہے تھے۔ وہ شخص ان سے وہ درہم لے کر انگور خرید لایا اور انھیں دے دیا۔ وہ سب خوش ہوگئے۔ اس طرح ان کا اختلاف رفع ہوگیا کیونکہ وہ شخص ان سب کی بولی جانتا تھا۔

حکایت وکرامت ایک ولی کامل کے مخالفین نے ان کو رُسوا کرنے پر ان سے کہا کہ آپ عربی میں تقریر سنائیں لیکن وُہ عربی نہیں بول سکتے تھے اور تھے بھی ان پڑھ۔ دل میں پریشان ہُوئے۔ خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ انھیں عربی میں وعظ سنائیں۔ صبح کو وہ لوگ حسبِ وعدہ حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں فصیح عربی زبان میں وعظ سنایا اور قرآن پاک کے حقائق اور اسرار و رموز بتائے اور فرمایا میں کل عجمی تھا آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے عربی ہوں۔

مثنوی شریف میں ہے،

؎

خویش را صافی کن از اوصاف خویش
تا بینی ذات پاک صاف خویش

Scanned with CamScanner

بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

سر اسینا لکردیا بدان
راز اصبحنا عرابیا بخوان

خلاصہ: اپنے صفات قبیحہ سے اپنے آپ کو صاف کر تاکہ تجھے ذات پاک صاف نظر آئے اپنے انبیاء کے علوم دیکھے گا اس سے تجھے کسی کتاب اور استاد کی ضرورت نہ ہوگی۔

فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ پس جس کے لیے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایسے اسباب پیدا فرماتا ہے جو کفر اور گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنی نظر کرم سے گرا دیتا ہے جس سے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ فقلنا اضرب بعصاک الحجر کی فاء کی طرح یہ فاء فصیحہ ہے۔ گویا یہ عبارت سوال کا جواب ہے کہ جب انہوں نے اتنی بڑی غلطیاں کیں تو پھر ان کے متعلق کیا ہوا، تو جواب ملا کہ فیضل اللہ الخ یعنی جس کے لائق گمراہی مناسب تھی اللہ تعالیٰ نے اسے گمراہ کیا وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یعنی جس کے لیے ہدایت فرماتا ہے تو اس کے اندر ہدایت کے اسباب پیدا فرماتا ہے۔ مثلاً اسے توجہ الی اللہ اور عجز و انکسار کی توفیق بخشتا ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ جس کے لیے راہ ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے راہ ہدایت پر پہنچنے کی توفیق بخشتا ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ ہر شے پر غالب ہے کہ اس کی مشیت و ارادہ پر کسی کو غلبہ نہیں ہو سکتا۔ الحکیم حکیم وہ ہے جس کا ہر فعل مثلاً اضلال و ہدایت حکمت بالغہ پر ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء و رسل علیہم السلام کو تبلیغ رسالت و تبیین طریق کے امور سپرد کیے گئے ہیں اور کسی کو منزل مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو کسی کے لیے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ یعنی ہر رسول علیہ السلام اپنی امت سے ان کی عقول کے مطابق کلام کرتا ہے لیبین لھم تاکہ انہیں طریق الی اللہ اور ظلمات انانیت سے نکلنے اور نور ہویت تک پہنچنے کا طریقہ بتائیں۔ فیضل اللہ من یشاء پس اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے انانیت میں گمراہ کرتا ہے ویہدی من یشاء اور جسے چاہتا ہے اسے انانیت تک پہنچنے کی ہدایت دیتا ہے وھو العزیز اور وہ بڑی طاقت کا مالک ہے کہ اگرچہ وہ سب کو ہویت کی راہ دکھاوے تو دکھا سکتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ظلمات انانیت سے نکال کر ہویت کی راہ صرف وہی دکھاتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ طریق حق کے حصول کے لیے اور بوادی انانیت سے نکلنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے طریقے بھی بتانے اور اس کے اسباب کی رہبری بھی فرمائی۔ اس کے بعد سوائے اس میں داخل ہونے اور اس سے منسوب ہونے کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔

Scanned with CamScanner

نسخۂ روحانی مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نظر صحیح سے ہی معرفت حق نصیب ہوسکتی ہے اور نظر صحیح کا مطلب یہ ہے کہ شرعی امور کا ایک راستہ طے کرکے اس کے بعد کے راستہ کو طے کرنا شروع کر دے۔ اسی طرح پھر آگے کی منزل طے کرے یہاں تک کہ ذات تک پہنچنا نصیب ہو۔ لیکن تصور (شیخ) اور نظر (حقیقت) کو ہر وقت مدِّنظر رکھنا ضروری ہے ورنہ بہت سے اس راہ پہ چلنے والے انانیت اور دُوئی میں پھنس کر منزلِ مقصود سے محروم ہو گئے۔

ف: مکاشفہ میں مذکورہ طریقہ کام دیتا ہے۔ ہاں اس بارے میں ذکرِ الٰہی بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً و علیٰ	وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور
جنوبھم و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت و	اپنی کروٹوں پر لیٹ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور
الارض۔	سمٰوٰت و ارض کی تخلیق میں فکر کرتے ہیں۔

نکتہ: آیت میں ذکر کو پہلے اور فکر کو اس کے بعد ذکر فرمایا اس میں اشراقیین اور صوفیاء کرام کے طریقوں کی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کو جسمانیت سے مانتا ہے وہ کافر ہے اور جو اسے طبیعت سے مانتا ہے وہ ملحد ہے اور جو اسے نفس سے مانتا ہے وہ زندیق ہے اور جو اسے عقل سے مانتا ہے وہ حکیم ہے اور جو اسے قلب سے مانتا ہے وہ صدیق ہے اور جو اسے سر سے مانتا ہے وہ موقن ہے اور جو اسے روح سے مانتا ہے وہ عارف ہے اور جو خفی سے مانتا ہے وہ مفرد ہے اور جو اللہ کو اللہ تعالیٰ سے جانتا ہے وہ موحد بالتوحید الحقیقی ہے۔ ؎

طالب توحید را باید قدم بر "لا" زدن
بعد زان در عالم وحدت دم "الا" زدن
رنگ و بوئے از حقیقت گر بدست آوردہٗ
چوں گل صد برگ باید خیمہ بر صحرا زدن

ترجمہ: طالب توحید "لا" پر ثابت قدم ہونا ضروری ہے بعد ازاں عالم وحدت میں دم مارنا لازمی ہے اگر تمہیں حقیقت کی خوشبو نصیب ہو جائے تو گل صد برگ کی طرح خیمہ مارنا لازمی ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی غیرت کی اجازت نہیں کہ وہ اغیار کو اسرار سے خبر دے۔ ؎

معشوق عیان میگذرد بر تو و لیکن
اغیار ہمی بیند ازان بستہ نقاب است

ترجمہ: محبوب تو ہر وقت تیرے سامنے ہے لیکن اغیار کے لیے پردے لٹکا دیے گئے ہیں۔

ف: وہ وحدۃ جو توحید سے حاصل ہوتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ وجودِ مجازی (جس میں دُوئی ہی دُوئی ہے) کو ایسا فنا کیا جائے کہ صرف وجودِ حقیقی ہی باقی رہ جائے۔ ؎

Scanned with CamScanner

ہر موج ازیں محیط انا البحر میزند

کہ صد ہزار دست برآید دعا یکیست

ترجمہ: اس محیط بحر کی ہر موج اعلان کر رہی ہے کہ انا البحر (میں دریا ہوں) اگرچہ ہزار ہاتھ ہوں لیکن دعا صرف ایک ہی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقائق توحید اور سر تجرید و تفرید نصیب فرمائے اور ہمیں ان رہروان حضرات کے گروہ سے بنائے جو طریق حق کی دعوت دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا درانحالیکہ وہ متلبس ہیں بِاٰيٰتِنَآ ہمارے آیات کے ساتھ۔ آیات سے ید بیضا اور عصا اور دوسرے معجزات مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ اَنْ یہ منقول مقدر کا مفسر ہے اس لفظ کی تفسیر کرتا ہے جو قول کے معنے کو ادا کرتا ہے۔ یعنی ارسلنا اَخْرِجْ امر ہے اور وہ ارسلنا کی تفسیر ہے اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکالیے۔ ظلمات سے مختلف قسم کی گمراہی جو وہ بھی تاریکی ہی تاریکی ہیں انواعِ ضلالت یہ ہیں:

① کفر

② جہالت

③ شک و شبہ وغیرہ

اِلَى النُّوْرِ نور کی طرف۔ یعنی ہدایت کی طرف۔ اس سے ایمان، علم، یقین وغیرہ مراد ہیں۔

ف: حضرت ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیات سے موسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات مراد ہیں جو آپ نے اپنی قوم کو دکھائے اور اخراج کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مرنے کے بعد اپنی قوم کو کفر و جہالت سے نکالا اور انہوں نے انہی جہالتوں کی وجہ سے کہہ دیا تھا:

اجعل لنا الٰہا کما لہم اٰلہۃ۔ اے موسیٰ علیہ السلام! ہمارے لیے ان جیسا معبود بنا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ایسی جہالتوں سے نکال کر ایمان باللہ اور توحید حق اور اسی طرح جیسے اوامر الٰہیہ کی طرف لائے۔ گویا اس تفسیر پر نور سے ایمان باللہ وغیرہ مراد ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ قاعدہ ہے کہ قرآن کا ایک مضمون دوسرے مضمون کی تفسیر کرتا ہے۔ اس قاعدہ پر واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آیات سے تورات کے علاوہ دیگر آیات اور قوم سے قبطی مثلاً فرعون اور اس کے اتباع مراد ہیں۔ چنانچہ آیت ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا وسلطان

Scanned with CamScanner

مبین الی فرعون وملائہ اسی مضمون کی تفسیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وارشاد کے ابتدائی 2
دور کی ہے۔

نکتہ : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لتخرج الناس اور موسیٰ علیہ السلام کو اخرج قومک کے خطاب میں یہ راز ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے رسول (علیہ السلام) ہیں اور موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے۔ اسی لیے ان کے لیے عام یعنی الناس اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مخصوص یعنی قوم کا نام لیا۔

نکتہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو باذن ربھم فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے اذن کی قید نہیں لگائی۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اجابت کو بالفعل ظلمات سے نکالا اور موسیٰ علیہ السلام نے قبطیوں کو بالفعل ظلمات سے نہیں نکالا۔ اگرچہ بنی اسرائیل نے آپ کی دعوت کو قبول فرمایا لیکن قبطی تباہ و برباد ہو گئے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے اصل مقصود وہی تھے۔

سوال : نبی علیہ السلام کو دعوت میں اوّلاً انذار ضروری ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا : انی لکم نذیر مبین۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وذکرھم بایام اللہ۔

جواب : یہاں پر ذکرھم بایام اللہ کو انذار پر محمول کیا جائے گا۔

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ایام اللہ سے اُمم ماضیہ جیسے نوح و عاد و ثمود کی قوموں کے واقعات مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ انہیں ان واقعات کی عظمت بتائیے تاکہ آپ کی قوم سُن کر ڈرے اور ایمان لائے۔

عربی کا مقولہ مشہور ہے :

رھبوت خیر من رحموت۔ ڈرانا شفقت ورحمت سے بہتر ہے۔

ف : جہاں ایام العرب آئے وہاں ان کے آپس کے جھگڑے اور جنگیں مراد ہوتی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

یوم حنین اور یوم بدر وغیرہ وغیرہ۔

ف : بعض کہتے ہیں کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ! انہیں میری نعمتیں یاد دلاؤ تاکہ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔

وحی موسیٰ علیہ السلام مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ میرے بندے کے دل میں میری محبت پیدا کیجئے۔ عرض کی : یا اللہ ! میں ان میں کیسے محبت پیدا کروں جبکہ ان کے دل تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : انہیں میری نعمتیں یاد دلائیے۔

مسئلہ : علماء کرام نے یہاں سے استدلال کیا ہے کہ دوست احباب واقارب سے گفتگو کرتے وقت ایسے الفاظ کہے جائیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور لطف و کرم کی اُمید دلائیں۔ مثلاً کہا جائے :

لا تحزن فقد وفقك الله للحج او فم دکھائیے اللہ تعالیٰ نے تجھے حج اور جنگ یا

Scanned with CamScanner

لتغزوا و لطلب العلم۔ طلب علم کی توفیق بخشی ہے۔

اسی طرح دیگر وجوہِ خیر میں اس طرح کے کلمات استعمال کیے جائیں۔ اسے یُوں بھی کہا جا سکتا ہے:

ولو لم یرد بك خیراً لما فعل فی حقك۔ اگر اللہ کا تیرے متعلق بھلائی کا ارادہ نہ ہوتا تو تجھے اس کی توفیق نہ بخشتا۔

تفسیر صُوفیانہ حقیقت میں ایام اللہ سے کان اللہ و لم یکن معه شیٔ من ایام الدنیا و لا من ایام الاٰخرة (اللہ تعالیٰ تھا لیکن اس کے ساتھ اور کوئی شے نہ تھی نہ دنیا کے لمحات نہ آخرت کی گھڑیاں) وغیرہ مراد ہے۔

ف: سالک پر لازم ہے کہ تفکر کرے اور یاد کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے۔ اس وجودِ مجازی سے نکلنے کی کوشش کرے جو دن اور رات کی قیود میں جکڑا ہوا ہے اور وجودِ حقیقی میں پہنچنے کی جدوجہد کرے جہاں نہ دن ہے نہ رات۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اس میں اشارہ ہے انہی ایام اللہ کی طرف لَاٰیٰتٍ بہت زیادہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت اور علم و حکمت پر دلالت کرتی ہیں لِّكُلِّ صَبَّارٍ ہر اس بندے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت اور مصائب و بلیات پر بہت زیادہ صبر کرتا ہے شَكُوْرٍ ہر وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی عطاؤں پر بہت بڑا شکرگزار ہے۔

ف: ان دونوں صفات میں مؤمن کامل کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایمان کے دو اجزا ہیں:

① صبر

② شکر

سوال: نعمتیں تو ہر ایک کو نصیب ہو رہی ہیں اللہ تعالیٰ نے صرف صبور و شکور کو کیوں مخصوص فرمایا؟

جواب: چونکہ نعمتوں سے یہی حضرات نفع پاتے ہیں اس لیے انہی کا نام لیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ آیات دوسروں پر مخفی ہیں اور ان پر ظاہر ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سورج سے بھی زیادہ روشن ہیں لیکن چونکہ مومن کامل کو فائدہ نصیب ہوتا ہے اسی لیے انہی کا ذکر خیر ہوا۔

نکتہ: شکر چونکہ صبر کے لیے بمنزلہ پھل کے ہے اسی لیے صبر کو مقدم اور شکر کو مؤخر فرمایا۔ کسی نے کہا کہ: ؏

آخر ہر گریہ خندہ ایست

ترجمہ: آنسو بہانے کے بعد تبسم بھی نصیب ہوتا ہے۔

منذرین (بالکسر) یعنی خطاکاروں کو خدا تعالیٰ کا ڈر سنانے والوں اور مذکرین (بالکسر) یعنی خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانے والوں نے دشمنوں کی ایذاؤں اور ان کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کیا تو کامیاب رہے اس لیے نیک انجام متقین کو نصیب ہوتا ہے اور منذرین (بالفتح) یعنی کفار اور خطاکار لوگ جنہیں خدا تعالیٰ کا خوف اور ڈر سنایا گیا اور مذکرین (بالفتح)

Scanned with CamScanner

جنہیں خدا تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی گئیں۔ وُہ بغاوت اور ضلالت کے گڑھے میں پھنسے تو تباہ و برباد ہوئے۔ اور تباہی و بربادی ہمیشہ ظالموں کو نصیب ہوتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔ سہ

عاقل از سر بنہد ایں ہستی و باد

چوں شنید انجام فرعوناں و عاد

ورنہ بنہد دیگراں از حال او

عبرتے گیرند از اضلال او

ترجمہ : عاقل وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس موہوم ہستی کا تصور ہی دل سے بھلا دیا جب انہیں فرعون و عاد کی قوم کا انجام معلوم ہوا۔ اگر وہ ہستی موہوم کو کچھ وقعت دیتا ہے تو پھر دُوسرے اس کی عاقبت بد سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ اے میرے افضل الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں کو یاد دلائیے موسیٰ علیہ السلام کا وہ ارشاد جو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ قوم سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور تذکیر الاوقات سے بنی اسرائیل سے بنی اسرائیل کے وہ واقعات مراد ہیں جو ان میں تفصیل وار واقع ہوئے۔ کیونکہ اوقات کی یاد دہانی سے اسکے اندر کے واقع ہونیوالے تمام واقعات مراد ہوتے ہیں اور حضور سرور عالم کو یاد دہانی کا اس لیے حکم ہوا کہ گویا آپ ان واقعات کا معائنہ اور مشاہدہ فرما چکے ہیں۔ اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اللہ تعالیٰ کی وُہ نعمتیں یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عنایت فرمائیں۔ مثلاً فرعون اور اس کے اتباع سے تمہیں نجات بخشی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعون اور اس کے تبعین اور اس کے دین والوں کے ظلم و ستم سے بچایا۔ یہ بھی منجملہ اس کی نعمتوں سے ایک ہے۔

ف : اس سے قبطی مراد ہیں۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یہ جملہ مستانفہ ہے بنی اسرائیل کی نجات کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے۔ یا آلِ فرعون سے حال ہے۔

حل لغات : تہذیب المصادر میں ہے کہ السوم بمعنے کسی کو عذاب اور خواری کا مزہ چکھانا۔ کما قال تعالیٰ، یسومونکم سوء العذاب۔

اور بحر العلوم میں ہے کہ یہ سام السلعۃ سے ماخوذ بمعنے طلب السلعۃ یعنی اس نے سامان طلب کیا۔ اب معنی یہ ہوا کہ وُہ تمہیں سخت عذاب چکھاتے تھے اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ تمہیں ذلیل و خوار کریں۔ اور السوء ، ساء یسوء کا مصدر ہے جملہ آفات کا جامع یہی لفظ ہے یعنی ہر قسم کی بلاء و آفت وغیرہ کو سوء کہا جاتا ہے (کذا فی التبیان)

Scanned with CamScanner

ف : اس سے ہر طرح کا برا اور سخت عذاب یا فرعونیوں کا بنی اسرائیل کو ذلیل و غلام رکھنا یا انھیں بہت بڑے مشقت بھرے امور میں لگانا یا انھیں ہر وقت ذلیل و خوار کرنا مراد ہے۔ اسی طرح ہر وہ مفہوم جو ذلت و خواری پر دلالت کرے مراد لیا جا سکتا ہے۔

وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ اور وہ تمہارے ان بچوں کو قتل کر دینے کا عذاب سخت تر اور زیادہ گھبراہٹ ڈالتا ہے یا ایسا برا اور سخت عذاب ہے کہ دوسرے معتاد عذابوں سے یہ ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے۔

ف : اگر درمیان میں واو عاطفہ نہ ہوتی تو یذبحون ابناءکم، یسومونکم الخ کا عطف بیان یا اس کی تفسیر بنتا جیسا کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں بلا حرف العطف ہے۔

فرعونیوں کا بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا بیان

فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ اٹھی اس نے فرعونیوں کے تمام مکانات جلا دیے اور بنی اسرائیل کے مکانات کو محفوظ چھوڑ دیا۔ فرعون نے اس کی تعبیر کاہنوں سے پوچھی تو سب نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا۔ اس نے اسی وقت تہیہ کیا کہ ہر نیا بچہ جو پیدا ہوگا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ لاتعداد معصوم بچے قتل کرا دیے گئے۔ بیوقوف فرعون نے خدا تعالیٰ کی تقدیر کا بڑا مقابلہ کیا لیکن تابکے۔ آخر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

ع

صعوہ کو با عقاب سازد جنگ
دہ از خون خود پرش را رنگ

ترجمہ: جو ممولا عقاب سے جنگ کرتا ہے اپنے پروں کو خون سے رنگتا ہے۔

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ اور وہ تمہاری عورتوں اور بچیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ ان سے خدمت کرائیں اور انھیں کنیزیں بنائیں اور فرعونیوں کی ایک یہ کمینی اور بری عادت تھی کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو ان کے شوہروں کے پاس جانے سے بچانے اپنے پاس محبوس رکھتے تھے اور باعزت انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی مضرت ہوگی اور یہی عظیم ترین مصیبت ہے بلکہ ایسی ذلت سے باحیا انسان کے لیے مر جانا بہتر ہے وَفِي ذَٰلِكُم اور ان برے افعال مذکورہ میں بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ تمہارے رب تعالیٰ سے یہ عظیم مصیبت تھی جس کا برداشت کرنا سخت مشکل تھا۔

سوال : تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے لیے یہ آزمائش اور امتحان تھا۔

جواب : فرعونیوں کو قدرت دے دی اور مہلت عطا فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ جو جی چاہے کریں۔ یہی قرینہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی آزمائش کی۔

(باقی برصفحہ ۳۲۶)

Scanned with CamScanner

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ
إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ
قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي
شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ
مِثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ
إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ
بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ
هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

ترجمہ: اور یاد کرو جب تمہارے رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم اور تمام وہ جو زمین میں ہیں کافر ہو جاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز تمام خوبیوں والا ہے۔ کیا تمہارے ہاں تمہارے سے پہلے لوگوں کی خبریں نہیں آئیں (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود (کی خبریں) اور جو ان کے بعد گزرے انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ان کے ہاں ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں کی طرف لے گئے اور کہا جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس کی ہمیں تم دعوت دیتے ہو اس میں ہمیں ایسا شک ہے کہ وہ بات کھلنے نہیں دیتا ان کے رسولوں نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تمہیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ کافروں نے کہا تم تو ہمارے جیسے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو اس سے جس کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تو ہمارے ہاں کوئی روشن سند لاؤ رسولوں نے فرمایا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی سند لے آئیں اور اہل ایمان تو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں اس نے تو ہمیں ہماری ہدایت کی راہیں دکھائیں اور بیشک ہم اس پر صبر کریں گے جو تم ہمیں ایذائیں دے رہے ہو اور بھروسہ کرنے والوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

Scanned with CamScanner

(بقیہ صفحہ ۳۲۴)

ف : یہ بھی جائز ہے کہ ذلکم کا مشارٌ الیہ انجاو (بنی اسرائیل کو نجات دینا) کی طرف ہو تو اس وقت بلاٗ سے مراد نعمت ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جیسے تکالیف سے امتحان لیتا ہے ایسے ہی نعمتیں دے کر۔ کما قال:

ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ۔ اور ہم تمہیں شر و خیر سے آزمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تکالیف اور مشقتوں سے اس لیے آزماتا ہے تاکہ وہ صبر کریں اور خیر سے اس لیے تاکہ شکر کریں۔ اس معنے پر ایسی آزمائش بھی بندوں کے لیے نعمت ہوگی۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ اس کا عطف نعمت پر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے مقولہ میں داخل ہے۔ گویا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تذکیر نعمت کے بعد فرمایا اے بنی اسرائیل! یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خوب جتلایا۔ یہاں پر تاذن (آذن) بمعنے اعلم اعلامًا بلیغًا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسے بہتر طریقے سے باخبر فرمایا کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

سوال : تم نے تاذن میں اتنا مبالغہ آمیز ترجمہ کیوں کیا ہے۔

جواب : تفعل کا باب تکلف کا معنیٰ دیتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا معنیٰ ناجائز ہے اسی لیے معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کمال طریقہ سے باخبر فرمایا۔

ف : خلیل نے کہا کہ تاذن لکذا۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص فعل کو اپنے ذمہ ضروری قرار دے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے لئن شکرتم الخ کا مضمون اپنے ذمہ کرم واجب فرمایا۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ یہ لام توطئہ کی ہے توطئہ کی لام وہ ہے جو شرط پر داخل ہوتی ہے اور اس سے پہلے قسم (لفظاً یا تقدیراً) کا ہونا ضروری ہوتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ آنے والا جملہ قسم کا جواب ہے نہ کہ شرط کی جزاء اور یہ جملہ لئن شکرتم الخ تاذن کا مفعول ہے اس لیے کہ تاذن 'قال کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے کہ تاذن بھی قول کی ایک قسم ہے۔ یا یوں کہو کہ یہ قول محذوف کا مقول ہے۔ اس تقدیر پر معنیٰ ہوگا واذ تاذن ربکم فقال لئن شکرتم یعنی یاد کرو اے بنی اسرائیل! تمہیں اللہ تعالیٰ نے خوب جتلا کر فرمایا کہ اگر تم نعمت انجاء و اہلاک اعداء وغیرہ کا شکر کرو اور تم ان نعمتوں کو ایمان کامل اور عمل صالح سے قبول کرو گے لَاَزِيْدَنَّكُمْ تو ہم تمہیں نعمتوں سے مالا مال فرمادیں گے بلکہ جتنا دیا ہے اس سے کئی گنا اور عطا فرمائیں گے۔

ف : یہ لام قسم کے جواب اور شرط کی جزا ہر دو کے قائم مقام ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ ۱ کاشفی نے لکھا کہ حضرت عبد الرحمٰن سلمی ابو علی جرجانی قدس سرہما سے نقل فرماتے ہیں کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ اگر تم اسلام کی نعمت پر شکر کرو گے تو تمہیں ایمان کی دولت سے نوازا جائے گا۔ اگر ایمان پر شکر کرو گے تو تمہیں احسان کی نعمت عطا ہوگی اگر احسان پر شکر کرو گے تو تمہیں معرفت نصیب ہوگی۔ اگر تم معرفت پہ شکر کرو گے تو تمہیں مقامِ وصل حاصل ہوگا۔ اگر مقامِ وصل پر شکر کرو گے تو تمہیں خلوت گاہ خاص کے انس اور مشاہدات سے نوازا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ شکر درجات کی ترقی کا موجب ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
کس زیان بر شکر گفتی چوں کند
شکر باشد دفع علتہائے دل
سود دارد شاکر از سودائے دل

ترجمہ: نعمت پر شکر سے اضافہ نصیب ہوگا جس کا تم شکر کرتے ہو وہ ذات کسی کا عمل ضائع نہیں فرماتی بلکہ شکر تو دل کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ دل کی سوداوی بیماری کے لیے شکر اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۲ تاویلات نجمیہ میں ہے لئن شکرتم اگر تم توفیق ایزدی کا شکر کرو گے لَاَزِیْدَنَّکُمْ تو تم ہمارے قریب ہو جاؤ گے اور اگر تم اس قرب کا شکریہ ادا کرو گے تو ہم تمہارے قریب ہو جائیں گے اگر تم ہمارے اس قرب کا شکر کرو گے تو ہم تمہیں محبت وعشق سے نوازیں گے اگر تم اس محبت وعشق کا شکر کرو گے تو ہم تمہارے ساتھ محبت کریں گے یعنی پہلے تمہیں محب بنایا گیا تھا اب تم ہمارے محبوب بن جاؤ گے اگر تم ہماری اس محبت کی قدر کرو گے تو ہم تمہیں اپنا جذبہ عطا فرمائیں گے اور اگر جذبے پر تم نے شکر کیا تو ہم تمہیں بقاء عنایت فرمائیں گے اگر تم اس پر خوشی کا اظہار کرو گے تو ہم تمہیں وحدت کا درجہ بخشیں گے اگر تم وحدۃ پر شکر کرو گے تو صبر علی الشکر والشکر علی الصبر اور الصبر علی الصبر والشکر علی الشکر کے درجات سے نوازیں گے تاکہ تم صبور و شکور کے مقامِ بلند و بالا کو پہنچ جاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اگر میری نعمت کا شکر نہ کرو گے بلکہ اسے بھلا کر کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرو گے تو میں تمہیں سخت عذاب دوں گا۔ اس معنے پر اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ یہ جواب محذوف کی علامت ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کفرانِ نعمت پر تمہیں انہی مصائب میں مبتلا ہونا ہوگا جن میں تم سے پہلے کافر وغیرہ مبتلا ہوئے۔

نکتہ: اسے تصریح کے بجائے تعریضاً اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ کریم الطبع لوگوں کی عادت ہے کہ وعدہ کریمانہ فرماتے ہیں تو تصریح کرکے۔ لیکن اگر کسی کو وعید سناتے ہیں تو تعریضاً۔ یہ تو عام کریموں کی عادت ہے اور وہ کریم تو اکرم الاکرمین ہے۔ اسی لیے ان عذابی لکم کی تصریح کے بجائے ان عذابی لشدید فرمایا۔ یعنی میرا عذاب بہت سخت ہے۔ جیسے دوسرے

Scanned with CamScanner

مقام پہ فرمایا:

نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم و ان عذابی ھو العذاب الالیم۔

میرے بندوں کو خبر دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔

نکتہ: سعدی مفتی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ جب خیر کو بندوں کے لیے بیان فرماتا ہے تو فعل کا اپنی طرف اسناد فرماتا ہے اگر عذاب وغیرہ کو بیان فرماتا ہے تو اسلوب بدل دیتا ہے۔ مثلاً آیت ہذا کو دیکھیے لئن شکرتم میں لازیدنکم فرمایا لیکن لئن کفرتم میں لاعذبنکم کے بجائے ان عذابی لشدید فرمایا۔

ف: عذاب کی شدۃ دنیا میں سلب نعمت سے اور آخرت میں جہنم میں داخل کرنے سے ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عذاب سے مفارقت حق مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا وصال نصیب نہ ہوگا بلکہ جدائی اور مفارقت میں رکھا جائے گا ہر اس بندے کو جو کفران نعمت کرتا ہے۔ عذاب سخت تر ہے اس عذاب سے کہ بندے سے دُنیا و آخرت کی نعمتیں چھین لی جائیں اس لیے کہ اس عذاب سے نفوس کو تکلیف پہنچتی ہے لیکن مفارقت و ہجران کے عذاب سے ارواح و قلوب کو دُکھ پہنچتا ہے اور قلوب و ارواح کا درد نفوس کے درد سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کر کے کفرانِ نعمت کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں طاعون و قتل کے عذاب میں مبتلا فرمادیا۔

حدیث شریف حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے چھ اعمال نصیب ہوئے وہُ چھ نعمتوں سے محروم نہیں ہوگا:

① جسے شکر کی توفیق نصیب ہوئی وُہ ازدیادِ نعمت سے محروم نہ رہے گا۔ کما قال تعالیٰ:

لئن شکرتم لازیدنکم۔

② جو صبر کرتا ہے وُہ ثواب سے محروم نہ رہے گا۔ کما قال تعالیٰ:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔

بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب نصیب ہوگا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اگر ز سہم حوادث مصیبتے رسدت

درین نشیمن حرمان کہ موطن خطر ست

مکن بدست جزع خرقۂ صبوری چاک

کہ فوت اجر مصیبت مصیبت دگر ست

Scanned with CamScanner

ترجمہ: اگر حوادث کے تیر سے تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو اس دنیا (جو خطرات کا گھر ہے) میں جزع فزع کر کے صبر کا دامن چاک نہ کرنا کہ اجر و ثواب کا ضائع ہو جانا وہ بڑی مصیبت ہے۔

(۳) جسے توبہ نصیب ہوتی ہے وہ قبولیت حق سے نوازا جائے گا۔ کما قال تعالیٰ:

وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

(۴) جو استغفار کرتا ہے اسے مغفرت نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

استغفروا ربکم انہ کان غفارا۔ اپنے رب تعالیٰ سے استغفار کرو بیشک بہت غفور ہے۔

(۵) جو دعا مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوگی۔ کما قال تعالیٰ:

ادعونی استجب لکم۔ مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے راہ میں جو خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بدل ملتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وما انفقتم من شئ فھو یخلفہ۔ اور جو کچھ کوئی خرچ کرتا ہے اس کا اسے بدل ملتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:

سے

۱ گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی می کنند

۲ کاے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشاں را عوض دہ صد ہزار

۳ اے خدایا ممسکاں را در جہاں
تو مدہ الا زیاں اندر زیاں

ترجمہ: ۱۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیشہ نصیحت کے لیے دو فرشتے ندا کرتے ہیں۔

۲۔ اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو سیر رکھ ان کے ہر درم کے بدلے میں لاکھ لاکھ درہم عطا فرما۔

۳۔ اے اللہ! بخیلوں کو جہان میں نقصان ہی نقصان دے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ ہر نعمت کا شکر کرے اللہ تعالیٰ قادر خالق رازق سے امید رکھے کہ اس کا دل اور زبان اور ہاتھ کو فکر و ذکر اور خرچ کرنے سے سست نہ بنا دے۔ دیکھیے بلعم باعوراء نے جب نعمت اسلام و ایمان کا شکر ادا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے محرومی اور دوری سے سزا دی۔ ہم رسوائی سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں ذاکرین شاکرین

Scanned with CamScanner

حلیمین صابرین قانعین سے بنا اس لیے کہ تو ہر وقت اور ہر گھڑی معین و مددگار ہے۔ آمین یارب العالمین

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر نا شکری کرو گے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اَنْتُمْ تم اے بنی اسرائیلیو! وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اور زمین والے انس و جن بھی جَمِيْعًا معطوف و معطوف علیہ ہر دو سے حال ہے۔ یعنی سب کے سب فَاِنَّ اللّٰهَ یہ جواب محذوف ان تكفروا الخ کی علت ہے۔ یعنی اگر تم نا شکری کرو گے تو اس کا وبال تمہارے اوپر ہو گا اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ لَغَنِىٌّ تمہارے اور تمہارے غیروں کے شکر سے بے نیاز ہے حَمِيْدٌ ذاتاً و صفاتاً و افعالاً محمود ہے نہ اسے کسی کے ایمان کی ضرورت ہے نہ کسی کے کفر سے نقصان۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ ذرات مخلوقات اس کی نعمتوں پر ناطق اور جمیع اشیاء کی زبانیں اس کی تسبیح و تہلیل میں جاری ہیں۔

؎

بذکرش جملہ ذرات گویا
ہمہ او را ز روئے شوق جویا

ترجمہ: جملہ ذرات اس کے ذکر میں رطب اللسان اور تمام کائنات اس کے دیدار کی مشتاق ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروشست
ولے داند دریں معنی کہ گوشست
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بتوحیدش زبانیست

ترجمہ: جسے دیکھو اسی کی تسبیح میں ہے لیکن یہ معنے وہ جانتا ہے جسے حقیقی کان حاصل ہیں صرف بلبل پھول پر بیٹھ کر اس کا ذکر نہیں کرتی بلکہ ہر کانٹے کی زبان پر اس کی توحید جاری ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کا حکائی کلام ہے انکار کے طور اتیان کی نفی کے لیے استفہام فرمایا ہے۔ اس سے اتیان کا اثبات ہوتا ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ کسی شے کی نفی استفہام سے کی جائے تو اس سے اس کا اثبات مطلوب ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے ہاں آئی ہیں نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ان لوگوں کی خبریں جو تم سے پہلے گزرے ہیں قَوْمِ نُوْحٍ نوح علیہ السلام کی قوم کہ جب انہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو طوفان میں غرق کر دیے گئے قوم نوح الذین من قبلکم سے بدل ہے وَعَادٍ اور عاد، یہ سخت آندھی سے تباہ و برباد ہوئے۔ اس کا عطف قوم نوح پر ہے وَثَمُوْدَ اور ثمود صیحہ سے برباد ہوئے وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے۔ جیسے قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور دیگر الٹی ہوئی بستیاں وغیرہ وغیرہ۔ اس کا عطف بھی قوم نوح پر ہے۔ یعنی

Scanned with CamScanner

قوم نوح اور دوسری باغی قوموں کو لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یعنی ان کی گنتی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا
جو ان کی کثرت کے۔ یعنی ان کی ذوات اور ان کی صفات اور ان کے اسما اسی طرح ان کے جمیع متعلقات سوائے اللہ تعالیٰ اور
کسی کو معلوم نہیں اس لیے کہ ان کے نام و نشان بھی مٹ گئے اور ان کی خبریں دینے والے نہ رہے۔

مسئلہ: حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو اپنا نسب آباؤ اجداد فرداً فرداً آدم علیہ السلام
تک بیان کرتا۔ اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھیں اللہ
تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھ کر فرماتے، نسّاب جھوٹ بولتے ہیں۔ جب کہتے ہیں کہ ہم آدم علیہ السلام
تک نسب بیان کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کی بندوں سے نفی فرمائی ہے۔

ف: نسب بیان کرنے والے اس کے مدعی نہیں ہیں کہ وہ جمیع اُمم کے نسب جانتے ہیں بلکہ ان کا دعویٰ بعض انساب کا ہے
اس کے لیے آیت سے ٹکراؤ نہیں۔ (کذا فی التبیان)

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عدنان سے آدم علیہ السلام تک تیس پشتیں ہیں۔ لیکن تفصیل کسی کو معلوم
نہیں۔ بعض کے نزدیک چالیس اور بعض کے نزدیک ساٹھ ہیں۔

ف: النہر لابن حیان میں ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اکتیسویں نمبر
پر ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ عدنان حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم زمان تھا یہاں تک کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
نسب مبارک پر سب کا اتفاق ہے۔ ہاں ان سے آدم علیہ السلام تک آپ کے نسب کا اختلاف ہے اس لیے کہ قدمائے عرب
کتابت (لکھنا پڑھنا) نہیں جانتے تھے۔ اسی لیے نسب کی حفاظت کا ان سے اہتمام نہ ہو سکا البتہ زبانی یاد رکھتے تھے جو
انھیں سینہ بہ سینہ محفوظ کرتے چلے آئے۔

ف: جمہور اسلام کا مذہب ہے کہ عرب دو قسم ہیں:

۱۔ قحطانی

۲۔ عدنانی

پھر قحطانی کی دو شاخیں ہیں:

۱۔ سبا

۲۔ حضرموت

اسی طرح عدنانی کی بھی دو شاخیں ہیں:

Scanned with CamScanner

۱۔ ربیعہ

۲۔ مضر

ف : قضاعہ قبیلہ کے متعلق اختلاف ہے ۔ بعض انہیں قحطان کی شاخ سمجھتے ہیں اور بعض عدنان کی۔

سوال : حضرۃ الشیخ علی سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ حدیث شریف میں ہے۔

ان اللہ تعالیٰ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیٰمۃ کانما انظر الی کفی ھذہٖ جلیا جلاھا اللہ لنبیہ کما جلاھا للنبیین۔ (رواہ الطبرانی فی کبیرہ والفردوس)

بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دنیا کو اٹھایا تو اس کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسے روشن دیکھا جیسے ہاتھ کی ہتھیلی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے روشن کیا۔

(ف : اس حدیث شریف سے صاحبِ تفسیر نتیجہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :)

قیل لدلالۃ صریحا علی ان جمیع الکوائن الی یوم القیٰمۃ مجلیٰ ومکشوف کشفا تاما للانبیاء علیھم السلام۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک ذرہ ذرہ انبیاء علیہم السلام کے لیے مکمل طور روشن اور واضح ہے۔

خلاصہ سوال یہ ہوا کہ آیت سے ثابت ہوا کہ امم سابقہ کے حالات کوئی نہیں جانتا اور حدیث شریف مذکور سے واضح ہے کہ حضور سرور عالم اور دیگر انبیاء علیہم السلام سابقہ اُمتوں کے ذرہ ذرہ کو جانتے ہیں۔

جواب [۱] : (صاحبِ رُوح البیان) اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ :

ان اللہ اعلم حبیبہ علیہ السلام لیلۃ المعراج جمیع ماکان وما یکون وھو لاینافی الحصر فی الآیۃ لقولہ تعالٰی فی آیۃ اُخرٰی " فلا یظھر علٰی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول یعنی بہ جنابہ علیہ السلام۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو شب معراج جملہ ماکان وما یکون کا علم عطا فرمایا اور یہ آیت کے خلاف نہیں بلکہ دوسری آیت میں فرمایا فلا یظھر علٰی غیبہ احدا الا

جواب [۲] : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کلیہ پر مشتمل تھے جسے ابتدائی دور میں علوم اجمالیہ سے تعبیر

---

[1] اس سے اہلِ انصاف کو دعوتِ انصاف ہے کہ یہی عقیدہ اہلسنت بریلوی کا ہے جو الحمد للہ سیکڑوں سال پہلے مصطفےٰ کریم کی اُمت کے مقتدیانِ اسلام بیان فرما گئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

کیا جاتا ہے اور پھر تدریجاً وہی علوم تفصیلی طور پر حاصل ہوتے گئے۔ ہم ابتدا ہی حضور علیہ السلام کے لیے علوم کلیہ وجزئیہ دونوں کے لیے تفصیل کے قائل نہیں، چنانچہ ابتدائے اسلام میں تو حضور علیہ السلام نے اپنے خاتمہ بالخیر سے بھی لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ کما قال،

ما ادری ما یفعل بی و لا بکم۔

(یہی جواب ہم اہلسنت کا مؤید ہے لیکن وہابی دیوبندی اس راز سے بے خبر ہیں اسی وجہ سے وہ اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اس قسم کی آیات پیش کرتے ہیں جو ابتدائے اسلام سے تعلق رکھتی ہیں اہل انصاف وہابیوں دیوبندیوں کی تصانیف دیکھیں وہ صاف لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو (معاذ اللہ) اپنے خاتمے کا بھی علم نہیں تھا (براہین قاطعہ، تقویۃ الایمان وغیرہ)

جواب[1] یہ آیت کریمہ ہے اور آیات کریمہ میں علوم کی نفی سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد نہیں بلکہ وہاں مشرکین مکہ کے اوہام کا ازالہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "احسن البیان فی المقدمۃ لتفسیر القرآن" میں ہے[1]

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ ان کے پاس ان کے رسل کرام لائے ورانحالیکہ وہ متلبس تھے بِالْبَیِّنٰتِ معجزات سے۔

ف، کاشفی میں ہے کہ با تعدیہ کی ہے یعنی وہ حضرات ایسے واضح معجزات لائے جن کی حقیقت میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں تھا اور ہر ایک نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کو حق کا راستہ بتایا۔ یہ جملہ مستانفہ اور نبأھم کے بیان کے لیے واقع ہوا ہے۔

فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ پس انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی زبانوں کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی بجائے زبان سے تکذیب کا مضمون سنانے کے ہاتھوں کے اشاروں سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔ یہ بطور مبالغہ کے ہے یعنی کفار نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے متعلق ہاتھوں کے اشاروں سے ظاہر کیا کہ ہم سے ایمان کی امید مت رکھو ہم کسی صورت میں آپ حضرات پر ایمان لانے والے نہیں اس لیے کہ (معاذ اللہ) آپ حضرات ہمارے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اس معنے پر فی بمعنے علی ہے۔ (کذا فی الکواشی)

ف، حضرت قتادہ نے فرمایا اس جملے کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور جو احکام و پیغام وہ حضرات لائے انہیں ٹھکرا دیا۔ یہ اس محاورے سے ہے کہ کہا جاتا ہے،

رددت قول فلان فی فیہ۔ میں نے اس کے قول کو اس کے منہ پر مارا۔

اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اس کی بات ٹھکرا دی۔

وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ اور کفار نے کہا اے انبیاء علیہم السلام! جو تمہارا خیال ہے کہ تم کتب الٰہیہ اور رسالت لائے ہو ان سے ہمارا انکار ہے۔

---

[1] یہ اضافہ فقیر اویسی غفرلہٗ کا ہے تاکہ موجودہ دور کے دھوکہ سازوں کے اعتراضات کا ٹھوس جواب ناظرین و قارئین کے پاس ہو۔

Scanned with CamScanner

ف : مولانا ابو السعود نے فرمایا کہ اس سے انبیاء علیہم السلام کے وہ معجزات مراد ہیں جو انہوں نے کفار کو اپنی رسالت کی صداقت و حقانیت کے لیے ظاہر فرمائے اور کفر سے بھی یہاں پر کفر حقیقی مراد ہے کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام کو یہی کہا کہ ہم تمہاری رسالت کے قائل نہیں اور نہ ہی ہم تمہیں نبی ماننے کے لیے تیار ہیں۔

وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ اور ہم تو بہت بڑے شک میں ہیں مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ ان امور سے جن کی تم دعوت دیتے ہو۔ اس سے ایمان و توحید مراد ہے۔

ف : سعدی مفتی نے فرمایا اس سے مومن بہ یا صحت ایمان مراد ہے اس لیے کہ انہیں نفس ایمان میں شک نہیں تھا۔

سوال : لفظ شک اور لفظ انا میں منافات ہے اس لیے کہ انا میں جزم اور یقین لازمی ہے اور یہ بھی یہی صحیح کہ انہیں اپنے کفر پر یقین تھا۔

جواب : کفر کا تعلق کتب سماویہ و احکام الٰہیہ سے ہے یعنی کتب سماویہ و احکام الٰہیہ جو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے کافروں نے ان کا انکار کر کے کفر کیا اور اس پر انہیں یقین تھا اور شک کا تعلق انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید پر تھا ان میں سے ایک میں یقین اور دوسرے میں شک ہو تو آپس تناقض نہیں رکھتے۔

مُرِیْبٍ شک میں ڈالنے والا ہے۔ ریبة سے ہے بمعنی قلق النفس و عدم اطمینانها بالشیء۔ یعنی نفس کی قلق اور اس کے کسی شے سے غیر مطمئن ہونے کو عربی میں ریبة کہتے ہیں اور یہ شر کی علامت ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ایسا گمان جو نفس کو مضطرب اور قلب کو بے قرار اور عقل کو پریشان کرتا ہے۔ مریب شک کی تاکیدی صفت ہے۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی رسل کرام علیہم السلام نے ان کی احمقانہ باتوں سے انکار اور متعجب ہو کر فرمایا : اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے متعلق اور اس کی ذات و وجود اور اس کی وحدت اور اس پر وجوب ایمان میں شک کیسا حالانکہ اس کی ذات ظاہر و باہر بلکہ اظہر ہے اور تم اسے بیوقوفو! ایسی کامل اکمل ذات کا انکار کرتے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اسے کافرو! اللہ تعالیٰ کی ذات میں شک نہ کرو۔

ف : ہمزہ فرات یعنی حرف فی پر انکار کے لیے داخل ہوا ہے اس لیے کہ گفتگو مشکوک فیہ میں ہو رہی ہے نہ کہ شک میں یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کی دعوت دیتے ہیں اور اس میں شک کرنا حماقت ہے اس لیے کہ اس کے وجود پر بے شمار دلائل ہیں اور ان کی ہر دلیل واضح بلکہ اوضح ہے۔

چنانچہ ان دلائل میں سے ایک یہی ہے کہ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، اللہ (جل شانہٗ) کی صفت ہے کہ وہ اللہ کریم آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے اور تمہیں جتنی مصنوعات ان آسمانوں اور زمینوں میں نظر آتی ہیں سب اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ یہ آسمان و زمین بلکہ تمام مصنوعات دلالت کرتی ہیں کہ ان کا کوئی موجد ہے اس لیے کہ کوئی شے موجد کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور موجد کا بھی واجب الوجود ہونا ضروری ہے ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے اور ایسا موجد جو واجب الوجود ہو حضرت اللہ تعالیٰ ہے۔

Scanned with CamScanner

حکایت امام اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ چند زندیق (بے دین) آپ کو شہید کرنے کے قصد سے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا میرے ایک سوال کا جواب دو پھر جو مرضی ہو کرو۔ انہوں نے عرض کی، فرمائیے وہ سوال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے ایک کشتی دیکھی تھی جو اسباب سے بھرپور لیکن دریا میں ملاح کے بغیر چل جا رہی تھی۔ انہوں نے کہا یہ تو محال ہے اس لیے کہ ملاح کے بغیر کشتی کا دریا میں چلنا عقل باور نہیں کرتی۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا، سبحان اللہ! ایک معمولی کشتی تو ملاح کے بغیر چل نہیں سکتی تو چودہ طبق یعنی افلاک و کواکب اور پھر علوی و سفلی نظام چلانے والے کے بغیر کیسے چل رہا ہے۔ کچھ تو لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

یَدۡعُوۡکُمۡ تمہیں رسل کرام اور کتب سماویہ کے ذریعے اپنی طاعت کی دعوت دیتا ہے لِیَغۡفِرَ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ تاکہ تمہارے بعض گناہ بخش دے اس سے حقوق العباد و مظالم مستثنیٰ ہیں اسی طرح حقوق اللہ بھی اس لیے اسلام قبول کرنے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

قاعدہ: ایجاب میں من زائدہ سیبویہ صاحب ناجائز سمجھتے ہیں لیکن ابو عبیدہ کے نزدیک جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یدعوکم تمہیں اپنی تخلیق میں کسی شے کی تمہیں صرف تمہاری ضرورت کے لیے دعوت دیتا ہے اس سے اپنی کوئی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ مستغنی از ہر شے ہے لیغفرلکم تاکہ تمہیں صفت غفاریہ سے نوازے من ذنوبکم یعنی تمہارے وہ گناہ بخش دے جو آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے تمہیں ظلمات کے حجابات لاحق ہوئے ہیں اور ان کی وجہ سے تم ذاتِ حق سے محجوب ہو گئے ہو۔

تفسیر عالمانہ وَیُؤَخِّرَکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی اور تمہیں ایک میعاد مقرر کے لیے مہلت دیتا ہے یعنی ایک ایسے وقت کے لیے جو تمہاری زندگیوں کے آخری لمحات ہیں اگر ایمان لاؤ گے تو وہ وقت تمہارے لیے رحمت بن جائے گا ورنہ تمہیں ہلاکت اور تباہی گھیرے گی بعجلت یا بدیر۔ اس آیت کا وہی مضمون ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصدقة تزید العمر۔ (صدقہ زندگی بڑھاتا ہے)[1]

ف: اس سے معتزلہ کا مذہب ثابت ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہر ایک مرنے والے کے لیے متعدد اجل ہوتے ہیں۔

قَالُوۡۤا کفار نے رسل کرام علیہم السلام سے کہا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے اِنۡ اَنۡتُمۡ ہیئت و شکل میں تم نہیں ہو اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ہمارے جیسے تمہیں ہمارے اوپر کسی قسم کی فضیلت نہیں کہ جس سے تم نبوت کے اہل ہو اور اسی فضیلت کی وجہ سے تم ہمیں توحید کی دعوت دیتے ہو جیسے تم ہو ویسے ہم ہیں پھر نبی کیسے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کو رسل کرام علیہم السلام بھیجنے تھے تو ہم سے افضل مخلوق یعنی ملائکہ کو رسول بنا کر بھیجتا۔

ف: یہ بھی ان کا اپنا خیال تھا کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں اس لیے کہ وہ شہوات سے معصوم ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی برائیاں

[1] اس کے جوابات علم کلام میں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ امر تقدیر کے معلق کے قبیل سے ہے تقدیر کے اقسام فقیر کی شرح مثنوی میں تحقیق ہے ۱۲

انھیں لاحق ہوتی ہیں اور اہل السلام کے نزدیک ہر ملک ہر انسان سے افضل نہیں بلکہ بعض انسان ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام علی الاطلاق اور اولیاء کرام بعض ملائکہ سے افضل ہیں۔[1]

تُرِیْدُوْنَ دعویٰ نبوت کرکے تم ارادہ رکھتے ہو کہ اَنْ تَصُدُّوْنَا تم ہمیں پھیر دو صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ کی عبادت کے لیے عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اس سے جو ہمیشہ عبادت کرتے تھے یعنی بتوں کی پرستش سے تم ہمیں روکتے ہو اور جس کا موجب بھی کوئی نہیں۔ اگر جیسا کہ ہم کہتے ہیں وہ معاملہ نہیں اور تم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسل ہو فَاْتُوْنَا تو لائیے بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اپنی صداقت وفضیلت اور اپنے اسی مرتبہ کے استحقاق کی روشن دلیل جسے دیکھ کر ہم بتوں کی پرستش کو چھوڑ دیں جنھیں ہم کئی پشتوں سے پوجتے چلے آرہے ہیں باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام نے بے شمار معجزات دکھائے اور لاتعداد دلائل و براہین قائم فرمائے لیکن کفار نے انھیں غیر معتبر سمجھ کر محض سرکشی اور ہٹ دھرمی سے ان کے علاوہ اور معجزات و دلائل طلب کیے قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ انھیں رسل کرام نے فرمایا۔

سوال: یہاں پر لفظ لھم کا اضافہ کیوں۔

جواب: چونکہ انبیاء علیہم السلام اب ان سے خصوصیت سے باہم گفتگو ہیں کہ اب انھیں الزامی جواب دیں گے بخلاف کلام سابق کے کہ وہاں عام گفتگو تھی اور سب کو کہا جارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہیں شک کیسا وغیرہ وغیرہ یہاں صرف انھی کو الزام لگانا مطلوب ہے اسی لیے لفظ لھم کا اضافہ کیا یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ واقعی ہم بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت فضل و کرم فرمایا کہ نبوت جیسا اہم عہدہ ہمیں عطا فرمایا۔

چنانچہ فرمایا اِنْ نافیہ ہے نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ نہیں ہیں ہم مگر بشر تمہاری مثل یعنی جیسے تم کہتے ہو ہمیں اس سے انکار نہیں وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ لیکن اللہ تعالیٰ منت لگاتا ہے اور نبوت و وحی جیسی نعمت سے نوازتا ہے عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے جنھیں چاہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ نبوت سلطنت کی طرح عطا ہوتی ہے۔

وَمَا كَانَ اور لائق نہیں لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ ہمارے لیے کہ ہم لائیں معمولی سی دلیل چہ جائیکہ بہت واضح دلیل اور مضبوط برہان کسی سبب سے اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس لیے کہ دلائل و براہین مشیت ایزدی سے متعلق ہوتے ہیں وہ چاہے تو ہوگا ورنہ ہم حکم ایزدی کے پابند ہیں کیونکہ ہم اس کے بندے اور اسی کی تربیت کے محتاج ہیں۔[2]

ناتوانی و عجز لازم ماست
قدرت و اختیار از آن خداست

---

[1] و [2] یہ اضافہ فقیر کا ہے! اویسی غفرلہٗ

کار ہا بگم راست کند
او تواناست ہر چہ خواست کند

ترجمہ: ناتوانی و عاجزی ہمارے لیے لازم ہے قدرت و اختیار صرف اسی خدا تعالیٰ کو ہے تمام کام اسی کے حکم سے چل رہے ہیں وہ بڑی قدرت کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ چاہیے کہ اہل ایمان توکل کریں۔ یعنی مومن کا کام ہے کہ وہ غیر اللہ پر توکل نہ کرے دشمن جتنی مخالفت اور دشمنی کریں وہ صبر اور اپنے مالک پر بھروسہ کرے وَمَا لَنَآ اور ہمارے لیے کون سا عذر ثابت ہے اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کریں وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا حالانکہ ہمیں سیدھے راستوں کی رہبری فرمائی یعنی اپنے سیدھے راستہ اور اپنے مخصوص طریقہ کے لیے ہمیں توفیق بخشی جس راستہ کے لیے اپنے بندوں کو چلنے کا حکم فرمایا ہے اسی کے لیے ہمیں تبلیغ کا حکم فرمایا۔ یہی بات توکل کی داعی اور موجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سبل سے ایمان، معرفت، محبت الٰہی مراد ہے اس لیے کہ وصول الی اللہ اور سلوک کے بلند مقامات کے راستے یہی ہیں۔

ف: چونکہ کفار کی اذیتیں اور تکلیفیں توکل میں اضطراب پیدا کر سکتی تھیں اس طرح سے توکل سے ہٹنا انبیاء علیہم السلام سے ممکن عادی تھا اسی لیے کفار کو اس کے لیے اپنے عزم بالجزم کا اظہار قسم تاکیدی سے فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا اور تم ہمارے ایمان و اعراض پر جتنی اذیتیں چاہو پہنچاؤ یا ہمیں جھٹلاؤ اور ہماری دعوت رد کرو اور ہماری تبلیغ کے خلاف اللہ تعالیٰ سے اعراض اور ہٹ دھرمی اور ضد پر ڈٹ جاؤ اور محض ضد اور ہٹ دھرمی سے آیات و معجزات کا مطالبہ کرتے رہو اور ایسی باتیں کرو جن میں کسی قسم کی خیر نہ ہو تو ہم تمہارے ان جملہ امور سے صبر کرتے رہیں گے یہ قسم محذوف کا جواب ہے وَعَلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ پر فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ متوکل توکل کریں یعنی متوکل لوگوں کا کام ہے کہ وہ توکل جو ان کے ایمان کا سبب ہے اس پر ثابت قدم رہیں۔

سوال: فلیتوکل کو دوبارہ لانے سے تکرار لازم آگیا۔

جواب: پہلا احداث توکل کے لیے، دوسرا اس پر ثابت قدمی کے لیے ہے اس لحاظ سے اس میں تکرار لازم نہ آیا۔

ف: جملہ امور کے مالک کی طرف اپنے امور کی سپردگی کو توکل کہا جاتا ہے۔

متوکل کی علامت متوکل کی ایک نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی مشکل سے نکلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرے۔

مسئلہ: مشکل سے نجات پانے کے لیے دوسرے سے مدد طلب کرنا توکل کے منافی نہیں اس لیے کہ غیر اللہ کی استمداد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں۔

Scanned with CamScanner

توکل کی اقسام تاویلات نجمیہ میں ہے کہ توکل کی تین قسمیں ہیں :

(۱) توکل المبتدی

(۲) توکل المتوسط

(۳) توکل المنتہی

مبتدی کا توکل یہ ہے کہ اسباب کے قطع نظر صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنے مقصد کی طلب کرے۔

متوسط کا توکل یہ ہے کہ مسبب الاسباب سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ اسباب کے تعلق کا تصور تک نہ ہو۔

منتہی کا توکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت حاصل کرے کہ ماسوی اللہ کا وہم وگمان ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وما لنا ان نتوکل علی اللہ اور ہمارے لیے کیا عذر ہے یعنی ہمارے لیے وجوہ احسان جو لازم ہیں ہم کیوں انہیں پورا نہ کریں اور ہمارے اوپر مصائب و تکالیف برائے امتحان وارد ہیں ہم انہیں اپنی روحانیت کے لیے کیوں نہ مفید سمجھیں ولنصبرن علی ما اٰذیتمونا اور تم ہمیں جتنی ایذائیں دو ہم صبر کریں گے اس لیے کہ بلا پر صبر کرنا آسان ہے جب بلا اور مصیبت میں ڈالنے والا سامنے ہو۔ اسی معنی پر کسی شاعر نے کہا : ؎

مرما مربی لاجلك حلو

وعذابی لاجل حبك عذب

ترجمہ : میرے ساتھ جو کچھ ہوا وہ مجھے شہد سے میٹھا ہے اس لیے کہ تیری وجہ سے اور تیری محبت میں ہوا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اگر بلطف بخوانی مزید الطافست

وگر بقہر برانی درون ما صافست

ترجمہ : اگر مہربانی سے بلاؤ تو کرم بالائے کرم، اگر قہر سے دھکے دو تو بھی مہربانی، اس لیے کہ ہمارا دل صاف ہے۔

حکایت منصور حلاج حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو جب سزا دینے کے لیے لایا گیا تاکہ آپ کے ہاتھ کاٹے جائیں تو سب سے پہلے آپ کا دایاں ہاتھ کاٹا گیا۔ اس پر آپ ہنس پڑے۔ اس کے بعد آپ کا بایاں ہاتھ کاٹا گیا تو آپ پہلے سے بھی زیادہ ہنسے۔ لیکن چونکہ جسم سے خون بہت زیادہ نکل چکا تھا اسی لیے آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں آپ کا چہرہ زرد نہ نظر آنے لگے آپ نے اپنا چہرہ اپنے بہتے ہوئے خون میں ڈال دیا۔ چہرے اور بدن کو خون سے خوب لت پت کر کے یہ اشعار کہے : ؎

Scanned with CamScanner

۱ الله یعلم ان الروح قد تلفت

شوق الیك و لکنی امنیها

۲ و نظرة منك یا سؤلی و یا املی

اشهی الیّ من الدنیا ومافیها

۳ یا قوم انی غریب فی دیارکمو

سلمت روحی الیکم فاحکموا فیها

۴ لم اسلم النفس للاسقام تتلفها

الا لعلمی بان الوصل یحییها

۵ نفس المحب علی الآلام صابرة

لعل مسقمها یوماً یداویها

ترجمہ: ۱۔ اللہ جانتا ہے کہ میری روح تیرے شوق میں تیرے ہاں آنا چاہتی ہے۔ لیکن تاحال میرے ہاں ہے۔

۲۔ اے محبوب! تیری صرف ایک نگاہ مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

۳۔ اے میرے دوستو! میں تمہارے ہاں مسافر ہوں اب میں تمہارے ہاں بھیجتا ہوں اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔

۴۔ نفس کو بیماریوں کے ہاتھ اس لیے دیتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اسے وصالِ محبوب سے زندگی نصیب ہوگی۔

۵۔ محب کا نفس درد و آلام پر صابر ہوتا ہے۔ امید ہے کہ جو بیمار کرتا ہے وہ اس کا علاج بھی کرتا ہے۔

یہ پڑھ کر آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے میرے آقا! میں تیرے بندوں میں مسافر ہوں اور تیرا ذکر مجھ سے بھی زیادہ مسافر ہے اس لیے مسافر مسافر سے انس کرتا ہے اسی اثنا میں آپ سے کسی نے پوچھا کہ عشق کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے ظاہر کی یہی حالت ہے جو مجھے دیکھ رہے ہو اور باطن کو خدا تعالیٰ کی مخلوق کی سمجھ سے باہر ہے۔

بچھوؤں سے بچنے کا وظیفہ مستغفری اسی آیت کے لطائف میں ابوذر سے نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جسے بچھو ستائیں اسے چاہیے کہ ایک پانی کے پیالے پر آیت مذکورہ یعنی وما لنا الا نتوکل علی اللہ (الآیۃ) سات مرتبہ پڑھ کر پھر بچھوؤں کو مخاطب ہو کر کہے:

ان کنتم مومنین فکفوا شرکم واذاکم عنا۔ اگر تم مومنین ہو تو ہمیں ایذا دینے اور دکھ پہنچانے سے باز آجاؤ۔

(ابراہیم ۱۲)

Scanned with CamScanner

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ
رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ○ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ
وَعِيدِ ○ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ○ مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ
صَدِيدٍ ○ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِنْ
وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ○ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي
يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ
خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ○ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
بِعَزِيزٍ ○ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ
عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا
مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ ○

ترجمہ: اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے علاقے سے ضرور نکال دیں گے یا تم نے ہمارے مذہب میں آجانا ہوگا تو ان کے رب تعالیٰ نے انہیں وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد اس علاقہ میں ہم تمہیں بسائیں گے یہ اس کے لیے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے اور میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے اور انہوں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ہٹ دھرم نامراد ہوا اس کے پیچھے دوزخ ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائیگا اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور اسے گلے سے نیچے نہ کر سکے گا اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور وہ مریگا نہیں اور اس کے لیے گاڑھا عذاب ہوگا اپنے رب تعالیٰ سے کافروں کا حال ایسا ہے کہ ان کے اعمال راکھ کی طرح ہیں کہ جس پر ہوا کا سخت جھونکا یا اس پر آندھی کے دن ہوا زور سے چلے) وہ اپنی تمام کمائی سے کچھ بھی نہیں پا سکیں گے یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ پیدا کیا اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر کوئی مشکل نہیں اور تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور علانیہ حاضر ہوں گے تب کمزور لوگ اپنے بڑے لیڈروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم آج ہم سے کچھ عذاب الٰہی ٹال سکتے ہو۔ وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم واویلا کریں یا صبر سے کام لیں ہمارے لیے کہیں پناہ نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۳۹)

یہ کہہ کر اپنے بستر کے ارد گرد وہ پانی چھڑک دے ان شاء اللہ تعالیٰ اس رات مچھر نہیں ستائیں گے۔

حکایت ـــــ مچھروں اور بچھوؤں پر دعویٰ دائر ابن ابی الدنیا نے لکھا ہے کہ افریقہ کے حاکم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو عریضہ بھیجا کہ ہمیں مچھروں اور بچھوؤں وغیرہ نے تنگ کر رکھا ہے آپ ان کے متعلق کوئی تجویز بتائیے آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ صبح و شام وَمَا لَنَا اَنْ لَا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ (الآیہ) بکثرت پڑھا کرو۔

ف: حضرت زرعہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ مچھروں وغیرہ کے لیے بہت مفید ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

موذی کتے سے بچنے کا وظیفہ بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ نے کتے سے وعدہ لیا کہ جو کوئی اس کے سامنے وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ پڑھ کر اس کی طرف دم کرے گا وہ اسے ایذا نہیں پہنچائیگا۔

بچھو وغیرہ کی ایذا سے بچنے کا وظیفہ بچھو سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ لیا کہ جو کوئی اس پر سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ پڑھ کر دم کرے گا تو وہ اسے ایذا نہ دے گا۔

مچھروں کا ایذا نہ دینے کا وعدہ اور مچھروں وغیرہ سے وعدہ لیا کہ جو کوئی ان پر وَمَا لَنَا اَنْ لَا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ (الآیہ) پڑھ کر دم کرے تو اسے مچھر ایذا نہیں دیں گے۔ اسی طرح جو شخص ان کی ایذا سے بچنے کے لیے آیت مذکورہ سات بار اور اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَكُلُوْا شَرِكُوْهُمَا اَيَّتُهَا الْبَرَاغِيْثُ سات بار پڑھ کر اپنے بستر کے ارد گرد چھڑک دے۔ ؎

غنیمت شمارند مردان دعا
کہ جوشن بود پیش تیر بلا

ترجمہ: اللہ والے دعا کو غنیمت جانتے ہیں کہ تیرِ بلا کے لیے دعا ڈھال ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۳۴۰)

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَا اور کافروں نے رسل کرام سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین یعنی اپنے شہروں اور علاقوں سے نکال دیں گے اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ عاد بمعنے صار اور فی ملتنا (ظرف) خبر ہے۔

سوال: حضرات انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت ان کے دین پر نہ تھے تو پھر کفار نے انہیں اپنے دین میں لوٹنے کا کیوں کہا۔

جواب: چونکہ قبل از نبوت انبیاء علیہم السلام نے کفار کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا تھا کسی قسم کی روک ٹوک نہ فرمائی اس لیے کفار کا گمان تھا کہ شاید وہ ان کے دین پر ہیں۔ پھر جب انہوں نے نبوت کے اظہار کے بعد کفار کو کفر سے روکا تو وہی کہا جو مذکور ہوا۔

Scanned with CamScanner

جواب: وعاد بمعنے دجم ہے۔ اس سے رسل کرام اور جملہ اہل ایمان مراد ہیں اور چونکہ متعدد اہل ایمان ان کے دین پر تھے اسی لیے یہ خطاب عوام کو ہوگا اور انبیاء علیہم السلام تغلیباً شامل کر دیئے گئے۔

خلاصہ یہ کہ کفار نے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین سے کہا کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ ورنہ ہم تمہیں شہر بدر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ف: یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تسلی کے کہا گیا ہے تاکہ آپ کفار مکہ کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کریں جیسے سابقہ رسل کرام علیہم السلام نے اپنے زمانے کے کفار کی تکالیف اور اذیتوں پر صبر فرمایا۔

فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ پس رسل کرام علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی رَبُّهُمْ ان کے رب تعالیٰ نے یعنی ان کے جملہ امور کے مالک نے جب دیکھا کہ کفار کا کفر انتہا کو پہنچ چکا ہے اور اب ان کے ایمان کی امیدیں منقطع ہوگئیں تو فرمایا لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ہم ظالمین یعنی مشرکین کو تباہ و برباد کریں گے۔

سوال: تم نے ظالمین کی تفسیر مشرکین سے کیوں کی؟

جواب: شرک ہی سب سے بڑا ظلم ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الشرك لظلم عظيم ۔ بیشک شرک بہت بڑا جرم ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ اور اے ایمان والو! ہم تمہیں ان مشرکین کی زمین اور ان کے مکانات میں ٹھہرائیں گے مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے تباہ و برباد ہو جانے کے بعد تاکہ انہیں لنخرجنكم من ارضنا کے کہنے کی سزا ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ من آذى جاره ورثه الله داره۔ یعنی جو اپنے ہمسایہ کو ایذا دیتا ہے اللہ تعالیٰ مظلوم کو ظالم کے گھر کا مالک بنا دیتا ہے۔

حکایت زمخشری کشاف میں لکھتا ہے کہ حدیث مذکور کا نتیجہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ اس طرح کہ میرے گاؤں میں ہی میرا ماموں رہتا تھا۔ اس گاؤں کا چودھری اسے ستایا کرتا تھا اور میں بھی ہر وقت اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہتا تھا تھوڑے عرصہ کے اندر وہ چودھری مرگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تمام زمین کا مجھے مالک بنا دیا۔ ایک دن میں نے اپنے ماموں کے لڑکوں کو دیکھا کہ اس ظالم چودھری کے مکان خاص میں آجا رہے ہیں اور بے دھڑک وہاں بیٹھ کر عوام کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں لیکن انہیں روک ٹوک کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے انہیں حدیث مذکور سنائی وہ سن کر سجدہ میں گر گئے اور شکرِ الٰہی بجا لائے کہ وہ وقت یاد تھا کہ اسی گھر میں ہمارے اوپر ظلم کیا جاتا تھا اور آج ہم ہی اس گھر کے مالک ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

تحمل کن اے ناتوان از قوی

کہ روزے توانا از وے شوی

Scanned with CamScanner

لب خشک مظلوم را گو بخند

کہ دندان ظالم بخواہند کند

ترجمہ: اے عاجز! طاقتور ظالم کے ظلم پر حوصلہ کر اس لیے کہ کبھی تو اس سے قوی تر ہوگا۔
مظلوم کے لب خشک کو خوشخبری دو کہ ہنس اس لیے کہ عنقریب ظالم کے دانت اکھیڑ لیے جائیں گے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ موحی بہ یعنے اہلاک الظالمین واسکان المومنین دیارہم کی طرف ہے۔ یعنی وہ وعدہ اور امر حق محقق اور ثابت ہے لِمَنْ خَافَ خوف وہ غم ہے جو تکلیف کے پہنچنے کی توقع سے لاحق ہو یعنی اس کے لیے جو خوف کرتا ہے مَقَامِیْ میری حاضری کو۔ اس سے موقف حساب مراد ہے اس لیے کہ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حساب کے لیے اپنے ہاں کھڑا کرے گا اس کی مقدار تین سو سال کی ہے اتنے عرصے تک انھیں بیٹھنے کی بھی اجازت نہ ہوگی لیکن اہل ایمان کے لیے فرض نماز کی ادائیگی سے بھی آسان تر ہوگا بلکہ انھیں قیامت میں کرسیاں بچھا کر دی جائیں گی جن پر وہ بیٹھیں گے اور بادل ان پر سائبان بن کر کھڑے رہیں گے اور قیامت کا دن ان کے لیے گھڑی بھر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عوام دوزخ اور اس میں داخلے اور اس میں رہنے سے ڈرتے ہیں اور خواص جنت اور اس میں داخل ہونے اور اس میں رہنے کی آرزو کریں گے اس لیے کہ وہی اہل ایمان کیلیے دار الاقامۃ ہے اور اخص الخواص مقام وصال کے فوت سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَخَافَ وَعِيْدِ یہاں یاء متکلم محذوف ہے دال کی کسرہ کی دلالت کی وجہ سے دراصل وعیدی بالعذاب وعقابی یعنی وہ خوف کرتا ہے میری وعید اور میرے عذاب سے۔ یعنی اوپر والا مرتبہ اس کے لیے حق ہے دونوں خوفوں کا جامع ہے اور متقین کے لیے بھی۔ کما قال:

والعاقبة للمتقین۔ اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا اس کا عطف فاوحی پر ہے اور ضمیر رسل کی طرف راجع ہے۔ یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس سے فتح ونصرت کا سوال کیا کہ انھیں انکے اعداء پر غلبہ عطا فرمائے یا استفتحوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ اور ہر سرکش اور ضدی ہلاک ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فتح ونصرت کی طلب پر کامیاب فرمایا اور جو کچھ وہ چاہتے تھے ویسے ہی ہوا اور ان کے دشمن خائب وخاسر ہوئے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام سے جو بھی ٹکرایا وہ عذاب الٰہی کے نزول سے تباہ وبرباد ہوگیا۔ اس معنے پر الخيبة بمعنے مطلق محرومی مراد ہے نہ صرف مطلب ومقصد سے محرومی۔ اگر استفتحوا کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہو تو اس محرومی سے ان کے مقصد کی محرومی مراد ہے کہ انہوں نے جو کچھ طلب کیا اس سے وہ خائب وخاسر ہوئے اور دشمنوں کے دل کی پریشانی کے لیے یہی زیادہ موثر ہے اس لیے کہ جن امور خیر کے لیے وہ اپنے لیے امید رکھتے تھے وہ ان کے دشمنوں (یعنی رسل کرام علیہم السلام) کو نصیب ہوئے۔ اس سے

Scanned with CamScanner

انسان کو سخت سے دکھ پہنچتا ہے کہ جدوجہد کرکے اپنے لیے خیر اور بھلائی کی توقع میں ہو۔ لیکن وہ بھلائی اس کے دشمن کو نصیب ہوجائے۔

ف: وخاب کل جبار عنید میں کفار کی سخت مذمت اور سرزنش کی گئی ہے کہ وہ پرلے درجے کے ضدی اور سخت قسم کے جابر و ظالم اور سرکش ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے بعض ایسے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کو خیبۃ و خسران نصیب ہوگا بلکہ موجبہ کلیہ ہے کہ اس سے ان کا کوئی فرد بھی اس مذمت سے خارج نہیں۔

ف: الجبار ہر وہ شخص جو اپنی مراد پوری کرانے کے لیے دوسروں کو مجبور کرے اور المتکبر ہر وہ جو طاعت الٰہی سے منہ موڑے اور المتعظم ہر وہ جو امر الٰہی کے لیے سر نہ جھکائے المعاند ہر وہ جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کرے العنید اور المعاند کا ایک معنیٰ ہے یا العنید یعنی حق سے کنارہ کشی کرنے اور اہلِ حق سے عداوت رکھنے والا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ جو حق سے جنگ یا طاعتِ الٰہی سے روگردانی کرتا ہے وہ سرکش ہے اسے ہرگز نجات نصیب نہیں ہوگی

حکایت منقول ہے کہ ولید بن یزید بن عبدالملک نے ایک دن قرآن مجید سے فال نکالی تو یہی ارشادِ گرامی اس کی فال میں نکلا کہ وخاب کل جبار عنید۔ اس نے یہ الفاظ دیکھتے ہی طیش سے قرآن مجید کو پھاڑ ڈالا اور کہا ؎

اتوعد کل جبار عنید

فہا انا ذاک جبار عنید

اذا ما جئت ربک یوم حشر

فقل یا رب مزقنی الولید

ترجمہ: اے قرآن مجید تو ہر جبار و عنید کو دھمکیاں دیتا ہے سن لے وہ جبار و عنید میں ہوں اور جب تم قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو تو کہہ دینا کہ ولید نے مجھے پھاڑ ڈالا تھا۔

اس کے بعد اسے چند دنوں کے اندر قتل کر دیا گیا اور اس کے سر کو محل کے صدر دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ (کذا فی حیوۃ الحیوان للامام الدمیری نقلاً عن الماوردی فی کتاب ادب الدنیا والدین)

اعجوبہ

- انسان العیون میں ہے مروان[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اور
- اس کا بیٹا عبدالملک عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا اور
- ولید بن یزید بن عبدالملک سے بھی بہت گندے امور سرزد ہوئے۔

---

[1] مروان کے لیے مزید زبان کشائی اچھی نہیں اس لیے کہ اس نے بچپن میں بحالتِ ایمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اور صحابہ جیسی ہستیوں نے اس سے احادیث روایت کیں۔

Scanned with CamScanner

بعض بنو اُمیہ کی مذمت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بنو اُمیہ کو بندروں کی شکل میں دیکھ کر ان پر لعنت فرمائی اور فرمایا:

ویل لبنی امیۃ۔ بنو امیہ کے لیے خرابی ہو۔

اسی طرح تین بار فرمایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان سے خیر و اصلاح کے صدور کے بجائے شر بلکہ فتنے اور فسادات برپا ہوئے۔ ہاں چند حضرات اس مذمت سے مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت ابو سفیان حضرت امیر[1] معاویہ حضرت عثمان حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

ف: بنو اُمیہ کی دولت و سلطنت ابو مسلم خراسانی کی معاونت سے آل عباس کی طرف منتقل ہوئی۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے منبر پر بندر ناچ رہے ہیں تو آپ نے انہی بنو امیہ (یزید، ولید وغیرہ) کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کی مزید تفصیل کتب سیر و تواریخ میں دیکھیے۔

مِنْ وَّرَآئِہٖ جَهَنَّمُ اس کے پیچھے جہنم ہے یہ حکم ہر جبار اور سرکش ضدی ہٹ دھرمی پر صادق آتا ہے یعنی وہ دنیا سے رخصت ہوتے ہی جہنم میں جائے گا پھر اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں جہنم ہی جہنم ہوگی گویا وہ ابھی سے جہنم کے لیے نامزد ہو گیا اور دنیا میں ہی وہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے جب مرے گا تو عالم آخرت میں اسے سوائے جہنم میں جانے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا۔ یا من ورائہ سے مراد حیات ہے۔ اس معنے پر بھی مطلب یہی ہوگا کہ موت کے بعد اس کے لیے جہنم ہے۔ اس اعتبار سے وراء بمعنے خلف ہوگا۔

ف: الکاشفی نے لکھا کہ اس جبار و سرکش کے پیچھے جہنم ہے کہ مرتے ہی دار آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ف: وراء کا حقیقی معنیٰ ہے:

ما توارى عنك واحتجب واستتر۔ وہ شے تم سے پوشیدہ اور محجوب و مستور ہے۔

اس معنے پر یہ الفاظ اضداد یہ سے نہ ہوگا بلکہ یہ ایسے محل وقوع پر ہے کہ جس پر دونوں متضاد معانی صادق آسکتے ہیں۔

ف: المطرزی نے فرمایا کہ وراء بروزن فعال اور اس کی لام کا بالمقابل ہمزہ ہے گویا یہ مہموز اللام ہے۔ یہی سیبویہ اور ابو علی فارسی کا مذہب ہے اور عام نحوی اسے ناقص یائی بناتے ہیں اور یہ اسم ظرف مکان ہے بمعنے خلف و قدام اور کبھی استعارہ کے طور ظرف زمان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] شیعہ تو ویسے ہی بدبخت گروہ ہے افسوس ہے کہ بہت سے سُنی کہلوانے والے حضرات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت کوستے اور غیظ کا اظہار کرتے اور کم از کم ان سے بغض رکھتے ہیں۔ یہ ان کی لاعلمی اور حماقت یا بے خبری ہے اللہ تعالیٰ سمجھ دے تفصیل فقیر کے رسالہ "الرفاھیہ عن ذم معاویہ" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

وَيُسْقٰى اس کا عطف فعل مقدر پر اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ ایسے جبار عنید کا مرنے کے بعد جہنم میں کیا حال ہوگا تو جواب ملا یلقٰی فیہا و یسقٰی اسے جہنم میں ڈالا جائے گا اور پلایا جائے گا۔ یہاں پر یلقٰی (فعل) محذوف کرکے یسقٰی کا اسی پر عطف ڈالا گیا ہے مِنْ مَّآءٍ یہ ایک مخصوص پانی ہوگا جسے اسی پانی سے کوئی مناسبت نہیں ہے صَدِيْدٍ پیپ یعنی وہ زرد پانی جس میں خون کی ملاوٹ ہو یا اس سے وہ میل کچیل مراد ہے جو جہنمیوں کے اجساد سے گندا اور بدبودار پسینہ اور زانیوں کے فرج سے پلید اور غلیظ پانی وغیرہ خارج ہوگا یہ ماء کا عطف بیان ہے اسے پہلے مبہم طور پر ذکر کیا گیا ہے پھر اسے صدید سے مفصّل بیان کیا گیا اس کی گندگی کے اظہار اور اس کے معاملہ کے ہیبت ناک ہونے کی وجہ سے۔

نکتہ: اسے عذاب جہنم کے ذکر کے بعد پھر خصوصیت سے اس کے ذکر کی وجہ یہی ہے کہ بندوں کو معلوم ہو کہ یہ بہت سخت قسم کا عذاب ہوگا۔

ف: یا صدید 'ماء' کی صفت ہے یا ان کے نزدیک ہے کہ نکرات سے عطف بیان کے جواز کا قائل نہیں۔ ان سے بصری نحوی مراد ہیں۔

سوال: مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ وہ پانی تو نہ ہوگا لیکن قرآن مجید میں اسے ماء سے تعبیر کیا ہے۔

جواب: چونکہ جہنمیوں کو بجائے پانی کے وہی پلایا جائے گا۔ اسی معمولی سی مناسبت سے اسے پانی کہا گیا ہے۔ یا یہ زید اسد کے قبیل سے ہے۔ اس معنے پر ماء اپنے حقیقی معنے پر ہوگا اور پہلے معنے پر مجازی معنے پر۔ (کذا قال ابو اللیث) بعض مفسرین نے فرمایا چونکہ اس کی ہیئت پانی سی ہوگی اسی لیے اسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دنیا سے نشہ کی حالت میں رخصت ہوا یعنی نشہ والی چیز کھانے پینے (عادت کے طور پر) سے مرا تو وہ قبر میں نشہ والا ہو کر جائے گا اور حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں ڈالا جائے تو اسی نشہ والی ہیئت سے جائے۔ جہنم میں ایک چشمہ ہے جس میں پیپ اور خون ہوگا وہی اس کا کھانا ہوگا وہی اس کا پینا جب تک آسمان و زمین ہیں یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

يَتَجَرَّعُهٗ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ گویا کسی سائل نے سوال کیا کہ جس وقت جہنمی کو ایسا غلیظ پانی ملے گا تو پھر وہ اسے کیا کرے گا اس کا جواب دیا کہ یتجرعہ۔ یہ تفعل کا باب ہے اور اس میں تکلف ہوتا ہے اور تکلف کا یہ مطلب ہے کہ فعل کا فاعل اسی فعل کا ارادہ کرے تا کہ وہ اسی کے ارادہ سے حاصل ہو۔ مثلاً التشجع یعنے شجاعت کو حاصل کرنے کے لیے نفس کو تکلیف میں ڈالنا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ بندہ پیاس اور حرارت کے غلبے سے بہ تکلف ایک گھونٹ پئے پھر چھوڑ دے پھر پئے پھر چھوڑ دے یکدم اسے نہیں پی سکے گا اس کی کڑواہٹ، گرمی اور بدبو کی وجہ سے۔ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ اور نہیں قریب کہ وہ اسے گلے سے نیچے اتار سکے اسے گلے سے نیچے اتارنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارا نہ ہوگا۔ مگر بوجہ مجبوری چھوٹے چھوٹے گھونٹ اور وہ بھی بڑی مشکل سے، ایک کے بعد دوسرا بڑی دیر کے بعد، اس طرح سے یہ عذاب بھی اس کے لیے طول پکڑ جائیگا

Scanned with CamScanner

کہ پیاس سے جان لبوں پر، پھر اسے بجھایا جائے گا تو پانی ایسا گرم کہ منہ کے قریب کرے تو منہ کا چمڑا ادھیڑ ڈالے۔ اگر پیٹ میں جائے تو آنتیں باہر نکال دے۔

ف : السوغ بمعنے پانی میں حلق سے آسانی سے گرنا پھر طبیعت کا خوشی سے اس کا قبول کرنا لا یکاد یسیغہ میں سوغ کی نفی ہے یا بلکہ اس کے پینے کی نفی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب وہی پانی اس کے قریب لایا جائے گا تو اس سے وہ نفرت کرے گا لیکن منہ کے قریب لایا جائے گا تو اس کے چہرے کو جلا دے گا یہاں تک کہ اس کے سر کے ٹکڑے کٹ جائیں گے۔ اسی طرح جب اس کے پیٹ میں جائے گا تو اس کی آنتیں پیٹ میں گل سڑ کر دُبر سے نکل جائیں گی۔

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ اور اس کے ہاں موت آئے گی یعنی موت کے اسباب یعنی شدائد و آلام مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر طرف سے یعنی تمام شش جہات سے۔ یہاں پر مکان بمعنے ظرف ہے یا من کل مکان کا معنے یہ ہے کہ اس کے جسم کے ہر پُرزے سے یہاں تک کہ بال بال اور پاؤں کے انگوٹھوں وغیرہ وغیرہ سے موت یعنی شدائد و آلام کا صدور ہوگا اس سے بندے کو ڈرانا اور قیامت کی ہولناکی کا اظہار مطلوب ہے یعنی اگر قیامت میں موت ہو تو ایسے بدبخت انسان ہلاک اور تباہ و برباد ہونگے وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ حالانکہ وہ مرے گا نہیں کہ جس سے اسے ایسے شدائد و آلام سے استراحت اور آرام نصیب ہو وَمِنْ وَّرَآئِهٖ اور اس کے آگے یعنی پیپ اور گندا پانی پینے کے بعد یعنی اتنی شدائد و آلام کی محنت میں مبتلا ہونے کے باوجود عَذَابٌ غَلِيْظٌ ایک گاڑھا عذاب ہوگا کہ جس کی کنہ کسی کو معلوم نہیں۔ یعنی کافر کی ہر آنے والی گھڑی گزشتہ گھڑی سے اشد اور گران تر ہوگی۔ جیسے دُنیا میں تکالیف سے آرام و قرار کی امیدیں ہوتی ہیں وہاں تمام آس اُمید منقطع ہو جائے گی۔

ف : حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہاں سانس کو اجسام میں بند کر دیا جائے گا اور یہ سخت ترین عذاب سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سُولی پر چڑھانا دُنیا کی سخت اور بُری سزا تصور کی جاتی ہے۔ (نعوذ باللہ)

ف : ایسے شدید عذاب سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچے (ابُولہب اور ابو طالب) مستثنیٰ ہیں۔

میلاد شریف کی برکت اور ابُولہب جیسا بدبخت

ابُولہب کی ثُویبہ نامی لونڈی تھی جس نے سب سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دُودھ پلایا۔ یہ اولیت اضافی ہے یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے بعد تمام عورتوں میں سب سے پہلے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو دُودھ پلانے والی ثویبہ ہیں۔ ثویبہ نے ابُولہب کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی مبارک پیش کی اور کہا اے ابُولہب! تمہیں معلوم ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو بچہ پیدا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اے ابُولہب! تیرے بھائی حضرت عبداللہ کے ہاں صاحبزادہ پیدا ہوا ہے۔ ابولہب نے خوشی سے اس لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے میلاد کی خوشی کی اسے یوں جزا دی کہ ہر پیر کو اسے جہنم میں پانی عطا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پانی کی وہ مقدار سبابہ اور انگوٹھے کی،

Scanned with CamScanner

دلیل دوم مواہب لدنیہ شریف میں ہے کہ ابو لہب کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جہنم کی آگ میں ہوں صرف سوموار کی شب کو مجھے عذاب سے تخفیف نصیب ہوتی ہے اور دونوں انگلیوں سے پانی چوستا ہوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ میں نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی[1]۔ (کذا فی انسان العیون)

ابو طالب جہنم میں[2] حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابو طالب کے متعلق حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اس بیچارے کو کچھ فائدہ بھی ہوا جبکہ وہ آپ کے لیے ہر جگہ ڈھال بن جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ جہنم کے اوپر کے کنارے پر ہے۔ اگر میرا وسیلہ نہ ہوتا تو وہ جہنم کے نچلے طبقے میں ہوتا۔

کافر کے لیے شفاعت قبول حدیث شریف میں ہے: شفاعت سے کافر کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

ف: یہ حدیث مخصوص ہے صرف ابو طالب کے بارے میں ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے کہ آپ کی وجہ سے کفار کے عذاب میں تخفیف ہو گئی۔ (فی شرح المشارق لابن الملک)

خصوصیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کافر کی تخفیف عذاب کی شفاعت کی قبولیت صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے ورنہ قرآن مجید میں عام حکم ہے کہ، فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین۔ یعنی انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں میں اپنے والدین، ابو طالب اور جاہلیت میں مرنے والے بھائی کی شفاعت کروں گا۔ ان کے متعلق میری شفاعت قبول ہو جائے گی۔

ف: جاہلیت میں مرنے والے بھائی سے مراد آپ کا رضاعی بھائی ہے جو بی بی حلیمہ رضی اللہ عنہا کا صاحبزادہ تھا۔

ف: یہ روایت اس حدیث شریف سے پہلے کی ہے جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے والدین کو زندہ کر کے انہیں دولت ایمان سے نوازا۔ اسی طرح آپ کے رضاعی بھائی کے متعلق ہے کہ اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے یونہی فرمایا ورنہ صحیح مذہب یہ ہے کہ بی بی حلیمہ اور ان کی جملہ اولاد مسلمان ہوئے۔ (کذا فی انسان العیون)

---

[1] اس سے وہابی دیوبندی نجدی مودودی تبلیغی وغیرہم عبرت حاصل کریں۔

[2] ابو طالب کے بارے میں تین قول ہیں،

۱۔ کفر ۲۔ ایمان ۳۔ توقف

صحیح اور دلائل سے اس کا کفر ثابت ہے اعلیٰحضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایضاح المطالب کتاب لکھی ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف سب سے آسان عذاب اس شخص کے لیے ہوگا جسے کہا جائے گا کہ اگر زمین کی تمام دولت تمہیں عطا ہو تو کیا تو اسے دے کر اپنے آپ کو بچائے گا۔ وہ کہے گا ہاں۔ اللہ تعالیٰ سے حکم ہوگا کہ میں نے تیرے لیے اس سے اور آسان تر بنایا جبکہ تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی پشت میں تھا اور کہا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو نے بضد ہو کر میرے ساتھ شریک بنائے۔ (کذا فی المصابیح)

مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اپنے رب تعالیٰ سے کفر کرنے والوں کا حال یہ ہے۔ یعنی ان کی عجیب شان یہ ہے یہ بھی غرابت میں کہاوت کے طور مستعمل ہے۔ وہ مبتدا، اور اس کی خبر اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ ہے۔ یہ اس محاورے سے جیسے کہا جاتا ہے:

صفة زید عرضه مهتوك و ماله منهوب۔ — اس کی عزت لوٹ گئی اور اس کا مال برباد کیا گیا۔

یا اس کی خبر محذوف ہے کہ دراصل فیما یتلی علیکم مثلهم تھا۔ اور اعمالهم جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کسی نے سوال کیا کہ ان کی مثال کیسی ہے تو اس کے جواب میں فرمایا **اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ** ان کے اعمال اس راکھ جیسے ہیں کہ جس پر سخت ہوا کا جھونکا آیا۔ الاشتداد بمعنے العدو دوڑنا یعنی ہوا کا جھونکا آنا۔ یہ باء تعدیہ کی ہے۔ اشتدت به ای حملته واسرعت فی الذهاب به یعنی اسے اٹھایا اور جلدی سے لے اڑی۔ کاشفی نے کہا:

ہمچو خاکستر یست کہ سخت بگزرد برو باد۔ — ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہوں گے کہ جس پر سخت ہوا چلے۔

فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ اس دن میں جس کی ہوا سخت اور قوی ہو۔ گویا یہ عبارت عاصف ریحه تھی۔ ریح کو حذف کر کے اس کی جگہ یوم لایا گیا ہے پھر یوم کو عاصف سے مجازاً موصوف کیا گیا ہے۔ جیسے:

یوم ماطر (بارش والا دن) اور لیلة ساكنة وانما السكون لريحها (رات کا سکون ہوا کے نہ ہونے کے باعث ہوتا ہے)

یہاں بھی یوم کو ماطر اور رات کو ساکنۃ کہنا مجاز ہے۔

لَا يَقْدِرُوْنَ وہ قیامت میں قادر نہ ہوں گے **مِمَّا كَسَبُوْا** اس میں سے جو دنیا میں انہوں نے نیک کام کیے **عَلٰى شَیْءٍ** کسی شے پر۔ یعنی اپنے دنیا کے نیک اعمال کا آخرت میں ثواب کا کوئی اثر نہیں پائیں گے اور نہ ہی اس وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ جیسے ہوا میں اڑنے والی راکھ کا کوئی اثر نہیں دیکھا جاتا **ذٰلِكَ** یہ اشارہ اس تمثیل کی طرف ہے جو ان کی گمراہی پر دلالت واضحہ کے طور بیان کی گئی ہے۔ یعنی ان کے کفر اور اعمال کو اسی راکھ کی طرح سمجھ اور ان کے تفاخر اور

Scanned with CamScanner

ریاد کا بھی یہی حال ہے اگرچہ وہ انہیں اپنے لیے بہتر اور احسن اعمال[1] تصور کرتے ہیں اسے جہل مرکب اور ایک قسم کی گندی بیماری کہو کران کے برے اعمال انہیں بھلے لگے اسی بنا پر زبان سے استغفار کرتے ہیں نہ توبہ۔ بخلاف گنہگار اہلِ ایمان کے کہ وہ اپنی غلطیوں اور گناہوں کو غلط اور گناہ و خطا سمجھ کر توبہ و استغفار کرتے ہیں اسی لیے کافروں کے لیے فرمایا هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ وہ گمراہی بعید ہے یعنی گناہوں کا مرتکب طریق حق و صواب اور ثواب کی منزل سے کوسوں دُور ہے۔

ف : بُعد اور دُوری کو ضال و مُضل کی طرف اسناد کے بجائے گمراہی کی طرف کیا جانا مجازاً اور بطور مبالغہ کے ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال صالحہ جیسے صدقہ، صلۂ رحم، عتق ارقاب، فک الاسیر، مظلوموں کی فریاد رسی، مہمان نوازی کے لیے اونٹ ذبح کرنا، اسی طرح کے دیگر مکارم اخلاق کے ضیاع کو اڑتی غبار سے تشبیہ دی۔ جیسے اس اُڑتی غبار کی کوئی بنیاد نہیں ایسے ہی یہ اعمال ایمان اور معرفتِ الٰہی کی بنیاد نہ ہونے کے باعث اڑتی ہوئی راکھ کی مانند ہیں کہ جیسے سخت آندھی سے اس کا نام و نشان مٹ جاتا ہے ایسے ہی ان کے اعمال صالح مرنے کے بعد بیکار اور برباد ہو جائیں گے۔ پھر جیسے اس طرح کی سخت آندھی سے گرد و غبار اور راکھ کو محفوظ نہیں رکھا جاسکتا اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ایسے ہی وہ اعمالِ صالحہ جو کفر و شرک کی حالت میں کیے جائیں ان سے بھی کسی قسم کا فائدہ نہ ہوگا۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ کافر و مشرک اور اعتقاداً بدعتی[1] کے اعمال مردود اور نامقبول ہیں۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال کی بنا ایمان یعنی اخلاص ہے۔

ع

گر نباشد نیت خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ : اگر نیت خالص نہ ہو تو اس عمل صالح کا کوئی فائدہ نہیں۔

حدیث شریف طبرانی شریف میں ہے بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ یعنی ابو جہل بن ہشام کا بھائی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلہ رحمی، ہمسایہ پروری، یتیم نوازی، مہمان نوازی اور مساکین کی خبر گیری کی ترغیب دلاتے ہیں کیا ان کا بہت ثواب ہوگا، اور میرا والد (ہشام) تمام مذکورہ بالا امور کا پابند تھا کیا اسے بھی ان کا ثواب ملے گا؟ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینے کے بغیر مرا تو سمجھو اس کی قبر جہنم کا ایک انگارہ ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے چچا ابو طالب کو جہنم کے ایک گڑھے میں پایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے میری وجہ سے کہ اس نے میرے ساتھ

---

[1] جیسے مرزائی، نیچری، چکڑالوی، خاکساری، پرویزی، مودودی، تبلیغی، وہابی، دیوبندی، شیعہ وغیرہ۔ ان تمام فرقوں کے اعتقاد اسلام کے خلاف ہیں اسی لیے شرعاً یہی فرقے بدعتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

احسان کیا تھا اس گڑھے سے ہولے سے انگاروں پر رکھا۔

ف: ضحضاح یعنے مقدار ما یغطی قدمیہ یعنی قدموں کے پوشیدہ ہونے کے اندازے کا نام ضحضاح ہے۔ اور ابو طالب کو اتنی مقدار کی جہنم میں رکھا گیا ہے گویا اس کے عذاب میں تخفیف کی گئی ہے اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو آپ کی وجہ سے ابو طالب کو اتنی تخفیف نصیب ہوئی۔ اس کی مختصر تحقیق ابھی گزری ہے۔

عجیب کہانی بی بی عائشہ کے چچازاد کی زبانی

منقول ہے کہ عبد اللہ بن جدعان یعنی ابن عم عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ابتدائی دور میں بہت تنگدست اور مفلس تھا لیکن بہت شرارتی اور فسادی تھا خونریزی اور دنگا فساد اس کا عام مشغلہ تھا اس کا والد اور اس کی قوم اس کے جرمانے کی ادائیگیاں سے تنگ آ گئی اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگی۔ وہ ان کی ترچھی نگاہوں سے تنگ ہو کر دیوانہ وار مکہ معظمہ سے باہر نکل گیا اور چاہتا تھا کہ ایسی تلخ اور تنگ زندگی سے چھٹکارا مل جائے۔ اسی بہانے پہاڑ کی غار میں ایک سرنگ میں چلا گیا۔ کچھ آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک بڑا سانپ بیٹھا ہے جس کی آنکھیں گیس کی طرح روشن ہیں ڈر کے مارے پیچھے ہٹا۔ لیکن موت کی آرزو سے کچھ آگے بڑھا۔ اس طرح کئی بار ہوا۔ لیکن وہ سانپ ٹس سے مس نہ ہوا اور جوں کا توں پڑا رہا۔ اس سے اسے یقین ہو گیا کہ یہ سانپ کی صرف ظاہری شکل ہے لیکن اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ چنانچہ آگے بڑھ کر اسے ہاتھ میں تھام لیا دیکھا تو وہ سونا ہی سونا ہے جس کے آگے دو آنکھیں یاقوتی ہیں انہیں توڑ کر پھر دوبارہ اسی جگہ گیا جہاں سے یہ سانپ اٹھایا تھا۔ وہ سانپ دراصل ایک اندرونی محل کے دروازے کا ڈھکنا تھا ڈھکنا اٹھتے ہی محل کا دروازہ کھلا اندر چلا گیا تو اس میں بہت بڑا شاہی محل تھا۔ اور وہی محل سونے، چاندی، جواہرات، موتی، یاقوت، لؤلؤ، مرجان، زبرجد سے پر تھا۔ حسب منشاء سونا چاندی جواہرات موتی وغیرہ اٹھا کر اس جگہ نشان لگا دیا تا کہ بوقت ضرورت یہاں سے اٹھا لیا کرے۔ اسی طرح گاہے گاہے اس محل میں آتا اور حسب ضرورت سونا چاندی موتی جواہرات اٹھا کر لے جاتا۔ ایک دن اسی محل میں آیا اس میں ایک سنگ مرمر کی تختی ملی جس پر لکھا تھا،

انا نفیلہ بن جرهم بن قحطان بن هود نبی اللہ (علیہ السلام) عشت خمسمائة عام وقطعت غور الارض ظاهرها و باطنها فی طلب الثروة والمجد والملك فلم یكن ذلك منجیا من الموت۔

میں نفیلہ بن جرہم بن قحطان بن ہود (علیہ السلام) ہوں۔ میں نے اس دنیا میں پانچسو سال عمر پائی میں نے زمین کا کونہ کونہ چھان مارا۔ اس کے ظاہری اور اندرونی خزانے جمع کیے اور ہر قسم کی دولت اور عزت وعظمت پائی لیکن باوجود انہیں موت کے منہ سے بچاؤ نہ ہو سکا۔

۱ جہاں اے پسر ملک جاوید نیست
ز دنیا وفاداری امید نیست

۲ نہ برباد رفتے سحر گاہ و شام
سریر سلیمان علیہ السلام

۳ باخر ندیدے کہ برباد رفت
خنک آنکہ با دانش وداد رفت

ترجمہ: ۱۔ اے عزیز دنیا کا مالک ہمیشہ کا نہیں دنیا سے وفاداری کی امید نہ رکھ۔
۲۔ تجھے معلوم نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا پر چلتا تھا۔
۳۔ بالآخر تم نے دیکھا کہ وہ تخت مٹ گیا۔ (معلوم ہوا کہ) وہی خوش نصیب ہے جو دانش و انصاف سے زندہ رہا۔

عبداللہ بن جدعان نے اپنے والد کے ہاں بہت سا مال بھیجا اور عرض کی کہ آپ اور آپ کی قوم نے میری طرف سے جتنے جرمانے ادا کیے یا ادا کرنے ہیں یہ مال حاضر ہے خرچ کیجئے، ضرورت ہو تو اور منگوا لیجئے۔ اسی طرح اس نے اپنی تمام برادری کے لوگوں کو بے شمار دولت بخش دی۔

جود وسخا کے باوجود جہنم نصیب ہوئی

اسی طرح عبداللہ بن جدعان اس خزانے سے خرچ کرتا رہا اور عوام الناس کو دنیاوی دولت لٹاتا رہا۔ جود و سخا کے علاوہ اس کی کوئی نیکی نہ تھی۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک اتنی بڑی دیگ تھی کہ اونٹ کا سوار اس کے قریب کھڑے طعام اٹھا لیتا تھا نہ اسے اترنے کی ضرورت پڑتی اور نہ ہی چمچہ وغیرہ کی حاجت۔ ایک لڑکا اس دیگ میں گرا تو اس کی تہ تک چلا گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی یہ دیگ طعام سے ہر وقت تیار رہتی تھی اور غرباء و مساکین کھاتے رہتے۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! ابن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلۂ رحمی کرتا اور غرباء و مساکین کو طعام کھلاتا تھا کیا قیامت میں یہ نیکی اسے کام دے گی؟ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں، اس لیے کہ اس نے ایک دن بھی رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین (اے اللہ! قیامت میں میرے گناہ بخشنا) نہیں کہا تھا۔ یعنی وہ مسلمان نہ ہوا حالانکہ اس نے بعثت کا زمانہ بھی پایا تھا۔ اسی لیے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائیگا۔
(کذا فی انسان العیون)

Scanned with CamScanner

23 حاتم طائی کی لڑکی دربارِ رسالت میں

مروی ہے کہ قبیلۂ طے کے قیدی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ایک لڑکی قیدیوں میں تھی اس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بہتر ہے کہ آپ مجھے رہا فرمادیں اور مجھے عرب میں رسوا نہ فرمائیں اس لیے کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ عاجزوں مسکینوں کی جائے پناہ تھا، غلام آزاد کرتا اور بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، اس کا لنگر عام ہر وقت جاری رہتا تھا، کسی سائل کا سوال رد نہ کرتا تھا۔ اس کا نام حاتم طائی تھا اور میں اسی کی لڑکی ہوں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: بیٹی! یہی مسلمانوں کا طریقہ ہے اگر تیرا والد مسلمان ہوتا تو میں اس کے لیے ضرور رحمت کی دعا کرتا۔ یہ فرما کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دو اس لیے کہ اس کا والد مکارمِ اخلاق رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ مکارمِ اخلاق کو دوست رکھتا ہے۔

حاتم طائی کی سخاوت سے دوزخ حیاء کرتی ہے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب شبِ معراج جہنم کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک گوشے میں ایک مرد پڑا ہے لیکن اسے آگ نہیں جلاتی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اسے آگ کیوں نہیں جلاتی۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یہی حاتم طائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جود و سخا کی وجہ سے آگ کو حکم دیا ہے کہ اسے نہ جلائے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

۱ کنون بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدندان گزی پشت دست

۲ مگردان غریب از درت بے نصیب
مبادا کہ گردی بدرہا غریب

۳ نہ خواہندہ بر در دیگران
بشکران خواہندہ از در مران

۴ پریشان کن امروز گنجینہ چست
کہ فردا کلیدش نہ در دست تست

ترجمہ: (۱) مال ابھی تیرے ہاتھ میں ہے اسے راہِ خدا میں لٹا دے ورنہ کل کفِ افسوس ملے گا۔
(۲) کسی کو اپنے در سے بے نصیب کر کے نہ لوٹا ایسا نہ ہو کہ پھر تجھے در در کی بھیک مانگنی پڑے۔
(۳) جب تو کسی کا محتاج نہیں تو شکرانہ اپنے در سے کسی کو محروم نہ لوٹا۔
(۴) آج ہی خزانہ خیرات کر دے کہ کل تیرے ہاتھ سے چابی نکل جائے گی۔

Scanned with CamScanner

اَلَمْ تَرَ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے آپ کی اُمت مراد ہے۔ جیسا کہ یذھبکم سے معلوم ہوتا ہے اور اُمت سے بھی امت دعوت اور رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کو ہے اس لیے کہ آپ اوّل المخلوق ہیں چنانچہ فرمایا:

فان اول ما خلق اللہ روحہ ثم خلق السموٰت و الارض و روحہ ناظر مشاھد خلقھما[1]

اللہ تعالٰی نے سب سے پہلے آپ کی روح مبارک کو پیدا فرمایا اس کے بعد آسمان و زمین کو۔ اس معنے پر آپ کی روح نے اللہ تعالٰی کی تمام مخلوق کا معائنہ فرمایا۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ اس معنے پر یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے یقیناً دیکھا اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بیشک اللہ تعالٰی نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ چونکہ آسمان اور زمین پر اللہ تعالٰی کے افعال کے آثار ظاہر اور ان کے متعلق اخبار متواترہ موجود ہیں۔ اسی لیے اسے مخاطب! وہ آثار تیرے سامنے ہیں۔ فلہذا تم ان کا مشاہدہ کرو بِالْحَقِّ درانحالیکہ ان کی تخلیق حکمت بالغہ سے متلبس ہے اور ان کی تخلیق نہ عبث ہے نہ باطل اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ اگر چاہے تو اے لوگو! تم سب کو لے جائے۔ یعنی دُنیا سے مٹا کر بالکل فنا کر دے وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اور تمہارے بدلے لائے دُوسری مخلوق جو تمہاری جنس کے آدمی ہوں یا کوئی اور جو تم سے اچھے اور تم سے زیادہ اللہ تعالٰی کے فرماں بردار ہوں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان یشا یذھبکم اے لوگو! تمہیں لُطف و قہر کے فیض کی استعداد کے لیے پیدا کیا گیا لیکن تم نے قبول نہ کیا تو اگر اللہ تعالٰی چاہے تو تمہیں لے جائے و یأت بخلق جدید اور انسان کے سوا ایک ایسی مخلوق پیدا کر دے تو اسی فیض لُطف و قہر کی استعداد رکھتے ہوئے اسے قبول کرے۔

ف: اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کے لیے جس طرح کی ترتیب بتائی۔ یہ اتنا بلیغ ہے کہ اس کی نظیر ناممکن کہ جب اللہ تعالٰی اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اگر وہ زمین و آسمان کے بہت بڑے کارخانے کھڑے کر سکتا ہے تو تمہارے بجائے اور انسانی مخلوق کے بجائے اوروں کو پیدا کر سکتا ہے۔

---

[1] حاضرو ناظر کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی روح کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "حاضر و ناظر" میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

آلَمْ تَرَ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے آپ کی اُمت مراد ہے۔ جیسا کہ یذھبکم سے معلوم ہوتا ہے اور اُمت سے بھی امت دعوت اور رؤیت سے رؤیت قلبی مراد ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کو ہے اس لیے کہ آپ اوّل المخلوق ہیں چنانچہ فرمایا،

فان اول ما خلق الله روحه ثم خلق السمٰوٰت والارض وروحه ناظر مشاهد خلقهما[1]

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے آپ کی روح مبارک کو پیدا فرمایا اس کے بعد آسمان و زمین کو۔ اس معنے پر آپ کی روح نے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کا معائنہ فرمایا۔

اب آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ اس معنے پر یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے یقیناً دیکھا اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ چونکہ آسمان اور زمین پر اللہ تعالیٰ کے افعال کے آثار ظاہر اور ان کے متعلق اخبار متواترہ موجود ہیں۔ اسی لیے اسے مخاطب! وہ آثار تیرے سامنے ہیں۔ فلہٰذا تم ان کا مشاہدہ کرو بِالْحَقِّ درانحالیکہ ان کی تخلیق حکمت بالغہ سے متلبس ہے اور ان کی تخلیق نہ عبث ہے نہ باطل اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اگر چاہے تو اے لوگو! تم سب کو لے جائے۔ یعنی دُنیا سے مٹا کر بالکل فنا کر دے وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اور تمہارے بدلے لائے دُوسری مخلوق جو تمہاری جنس کے آدمی ہوں یا کوئی اور جو تم سے اچھے اور تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہوں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان یشا یذھبکم اے لوگو! تمہیں لُطف و قہر کے فیض کی استعداد کے لیے پیدا کیا گیا لیکن تم نے قبول نہ کیا تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے و یأت بخلق جدید اور انسان کے سوا ایک ایسی مخلوق پیدا کر دے تو اسی فیض لُطف و قہر کی استعداد رکھتے ہوئے اسے قبول کرلے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لیے جس طرح کی ترتیب بتائی۔ یہ اتنا بلیغ ہے کہ اس کی نظیر ناممکن کہ جب اللہ تعالیٰ اتنی بڑی قدرت کا مالک ہے کہ اگر وہ زمین و آسمان کے بہت بڑے کارخانے کھڑے کر سکتا ہے تو تمہارے بجائے اور انسانی مخلوق کے بجائے اوروں کو پیدا کر سکتا ہے۔

---

[1] حاضر و ناظر کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ کی روح کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "حاضر و ناظر" میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ اسی لیے فرمایا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں بلکہ آسان تر ہے۔ کیونکہ وہ جمیع ممکنات پر قادر لذاتہ ہے اس کے لیے تخصیص نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں شے کو پیدا کر سکتا ہے اور فلاں کو نہیں۔ وہ جس شے کا ارادہ کرتا ہے تو کُن کہہ کر پیدا فرما دیتا ہے۔ سہ

کار اگر مشکل اگر آسان نست
ہر در قدرت او یکسانست

ترجمہ: اگر کوئی کام مشکل یا آسان ہے اس کی قدرت کے آگے تمام برابر ہیں۔

مسئلہ: اس کی شان یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ثواب کی امید رکھی جائے اور اس کے عذاب سے خوف کیا جائے۔

مسئلہ: آیت اس کی کمال قدرت اور اس کے صبور ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ وہ عاصیوں کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دینے میں عجلت نہیں کرتا۔

حدیث شریف حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی صابر نہیں کہ وہ بندوں سے ایذا پا کر بھی روزی میں کمی نہیں کرتا اور نہ ہی ان کی صحت و عافیت میں خلل ڈالتا ہے۔ بندوں کی ایذا یہ ہے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے اور اس کی اولاد بتاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

نکتہ: سزا دینے میں تاخیر اس لیے کرتا ہے کہ بندے کو توبہ کا موقع نصیب ہو اور گناہ بار بار کرنے پر مہلت دے کر قیامت میں حجت قائم کر سکے۔

سبق: بندے پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتا رہے اس لیے کہ وہ ذوالقہر والکبریا والجلال ہے۔

ایک پہاڑ کی کہانی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر جا رہا تھا مجھے سخت پیاس لگی میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے سامنے والے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اسے جا کر میرا سلام کہو وہ تمہیں پانی پلا دے گا بشرطیکہ اس کے اندر پانی ہو۔ میں (حضرت جعفر) اس کے پاس گیا اور اس (پہاڑ) سے کہا اے پہاڑ! تم پر حضور اکرم کا سلام ہو۔ پہاڑ نے زبان قال سے کہا لبیک یا رسول اللہ۔ اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا غلام حاضر ہے کیا حکم ہے۔ میں نے کہا مجھے پیاس لگی ہے مجھے پانی پلا دو۔ اس نے عرض کی کہ میرا سلام بارگاہ رسالت میں پیش کر کے عرض کرو کہ جب سے میں نے خدا کا یہ کلام سنا ہے:

فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة۔ اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پہاڑ ہیں۔

اس روز سے میں رونے لگا ہوں کہ شاید ان پتھروں میں میں بھی ہوں روتے روتے اب میرے اندر پانی کی ایک بوند بھی نہیں رہی۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: آیت میں کفر و معصیت پر زجر و توبیخ ہے اگر اس کے بجائے ایمان و طاعت ہو تو انسان کو بشارت نصیب ہوگی۔ اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

حکایت عجیبہ حضرت اسماعیل محاملی فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک فضا (کھلے میدان) میں ہوں میں مشرق و مغرب کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اسی اثنا میں ایک فرشتہ آسمان سے اترا اس نے زمین کے دائیں بائیں اطراف سے کوئی شے اپنے دونوں ہاتھوں میں سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالی پھر اسے لے کر آسمان کو چلا گیا۔ اسی طرح تیسری بار تشریف لایا اور حسب دستور زمین سے کچھ سمیٹنے کا ارادہ کیا لیکن بڑھانے ہوئے ہاتھ واپس کرکے سمیٹنے کا ارادہ ترک کیا جب وہ لوٹنے لگا تو مجھ سے فرمایا مجھ سے کچھ پوچھو۔ میں نے عرض کی آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے پہلی بار مجھے بھیجا کہ میں زمین سے خیر و برکت اٹھاؤں۔ چنانچہ پہلی بار میں نے خیر و برکت اٹھائی، دوبارہ میں نے شفقت اٹھائی تیسری بار روئے زمین سے ایمان اٹھالیجانے کا ارادہ کیا لیکن ندا آئی کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا ایمان محفوظ رکھنے کی شفاعت کی ہے میں نے ان کی شفاعت قبول کرلی ہے فلہذا میں ان کی امت سے ایمان سلب نہیں کرتا لوٹ آؤ۔ میں نے دیکھا کہ وہ تیسری بار آسمان پر خالی ہاتھ جارہے تھے۔ (کذا فی زہرۃ الریاض)

ف: قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ امت سے ایمان و قرآن کو آسمان پر اٹھالے گا اس وقت انسان بشکل آدمی ہوں گے اور درحقیقت انسانی سیرت سے خالی ہوں گے اس کے بعد انہیں بھی فنا کر دے گا صرف اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت باقی رہے گی۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا:

با غیر او اضافت شاہی بود چنانک
بریک دو چوب پارہ ز شطرنج نام شاہ

ترجمہ: غیروں کو بادشاہ کہنا بھی عجیب ہے۔ دو ٹکڑے لکڑی کے جوڑ کر شطرنج والے اسے بادشاہ کہتے ہیں۔

وَبَرَزُوْا اور ظاہر ہوں گے۔ یعنی میدان محشر کے لیے مردے قبروں سے ظاہر ہوں گے۔ یعنی قبروں میں برزخی زندگی ختم کرکے نفخۂ ثانیہ کے وقت قبروں سے اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون۔ — پھر نفخ صور ہوگا تو وہ اٹھیں گے دیکھتے ہوئے۔

ماضی کو مضارع کے بجائے لانے میں تحقق وقوع مطلوب ہے لِلّٰہِ ای لامر اللہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حساب دینے کے لیے اٹھیں گے یہاں برزوا محذوف ہے اور لام علت کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور حساب کے لیے قبروں سے مردے ظاہر ہوں گے جَمِیْعًا سب کے سب یعنی مومن و کافر۔ (کذا فی تفسیر الکاشفی) یا اس سے ان کے سردار اور ان کے اتباع جمع ہو کر

Scanned with CamScanner

حشر و حساب کے لیے حاضر ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:

وحشرناهم فلم نغادر منهم احدا ۔	اور ہم انھیں قیامت میں اٹھائیں گے ان میں کسی
(کذا فی تفسیر ابی الیث)	ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا کافروں کے عوام اور کمزور لوگ کہیں گے۔ ضعفاء ' ضعیف کی جمع ہے۔ ضعف کبھی نفس اور کبھی بدن اور کبھی حال اور کبھی رائے میں ہوتا ہے۔ یہاں پچھلا معنیٰ مراد ہے اس لیے کہ اگر ان میں رائے کا ضعف نہ ہوتا تو کافروں کی تابعداری کرتے اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام و رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے اور ان کی نصائح سے منہ موڑتے۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے اسے صرف ضعف رائے پر محدود رکھنا اچھا نہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ رائے کی قوت بلکہ جید رائے کے مالک بھی ہوتے ہیں لیکن اسے استعمال نہیں کر سکتے بوجہ ضعف حال کے کہ ان پر کفار اور گمراہ لوگوں کا غلبہ ہوتا ہے فلہذا یہاں مناسب معنیٰ یہی ہے کہ وہ ذلیل اور مغلوب تھے والمستضعفین اسی تقریر کی تائید کرتی ہے۔

لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا ان لوگوں سے جو ان کے لیڈر تھے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردان اور عبادۃ الٰہی سے خارج تھے اِنَّا کُنَّا تھے ہم دنیا میں لَکُمْ تَبَعًا تمہارے تابع۔ تبع ' تابع کی جمع ہے جیسے خدم، خادم کی جمع ہے۔ ہر وہ شخص جو کسی دوسرے کے نقشِ قدم پر چلے۔ یعنی ہم نے رسل کرام کی تکذیب کی اور ان کی نصائح سے روگردانی کی تو تمہارے نقش قدم پر چل کر، اور جیسے تم حکم فرماتے ہم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے فَهَلْ اَنْتُمْ پس کیا کچھ تم مُّغْنُوْنَ دور کرنیوالے ہو عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ پہلا مِن حال کے قائم مقام ہے اور ذوالحال سے مقدم ہے اس لیے کہ وہ نکرہ ہے اور دوسرا مِن تبعیضیہ ہے مفعول کے قائم مقام ہے۔ یعنی اے لیڈرو! تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو اور فاء سببیہ ہے یعنی ہمارا تابعدار رہنا اسی بچاؤ کے لیے تھا۔ یہ توبیخ و عتاب کے لیے فرمایا ہے کہ عوام جانتے تھے کہ ان کے لیڈر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے معمولی طور بھی بچاؤ نہیں کر سکتے قَالُوْا ان کے لیڈر ان کے عتاب اور ان سے عذر کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے تابعدارو! لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی رہبری یا اس کی توفیق بخشتا لَهَدَیْنٰکُمْ تو ہم تمہیں بھی ہدایت دیتے لیکن ہماری قسمت میں گمراہی لکھی تھی اسی لیے ہم نے تمہیں بھی گمراہ کر ڈالا۔ یعنی جس گمراہی کو ہم نے اختیار کیا تمہارے لیے بھی وہی اختیار کی۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے لیے عذاب سے نجات رہِ صواب دکھاتا تو ہم تمہیں بھی وہی راہ دکھاتے لیکن اب ہمارے لیے نجات کے تمام راستے بند ہیں اور ہماری شفاعت بھی کوئی نہیں کرتا فلہذا ہمیں معذور جانیے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قالوا اہل بدعت اپنے پیروکاروں سے کہیں گے لو هدنا الله اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اہل سنت و جماعت کا راستہ دکھاتا جو وہی طریق حق اور اسی کی طرف لیجانے والا راستہ ہے لهدینکم تو ہم تمہیں وہی راستہ دکھاتے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہُوا کہ ہدایت وضلالت اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی ناراضگی پر مبنی ہے۔ اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں جسے چاہے اپنے لطف کی صفات کا مظہر بنائے اور جسے چاہے اپنے قہر کی صفات کا مظہر بنائے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئے
چنانکہ پرورشم میدہند میرویم

ترجمہ: اس دنیوی چمن میں مَیں کسی کو ملامت نہیں کرتا کیونکہ جیسی مجھے تربیت دی جاتی ہے میں اسی پر چلتا ہُوں۔

تفسیر عالمانہ

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ ہلاک وعذاب کے گڑھے میں طلب نجات میں ہم جزع و فزع کریں یا نہ کریں الجزع یعنے بلا پر صبر کرنا اَمْ صَبَرْنَا یا صبر کریں اس پر جو ہمیں رحمت کے انتظار میں کوفت ہوئی۔ یعنی ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمیں کسی طرح سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ اس میں لیڈروں کی طرف سے انکے ضعیف اور کمزوروں کی ناامیدی کا اظہار ہو رہا ہے۔ ام اور ہمزہ استواء وغیرہ کی تاکید کے لیے ہیں یعنی تم صبر کرو یا نہ کرو تمہارا اور ہمارا معاملہ برابر رہے گا اگرچہ اتباع جزع و فزع وغیرہ کی خبر دے کر عتاب خداوندی کا یقین دلایا ہے لیکن تاہم مزید کہا کہ مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ہمارا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں اور نہ ہی ہم عذاب سے کسی طرح بھاگ سکتے ہیں۔ محیص یعنے گریزگاہ و پناہ۔ الحیص سے مشتق ہے یعنے العدول علی جھۃ الفرار بھاگ کر روگردانی کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: حاص الحمار۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب گدھا بھاگتا ہوا منہ پھیرے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مالنا من محیص یعنی نجات کے لیے چھٹکارا نہیں اس لیے کہ ہم سے نجات کا آلہ ضائع ہو چکا ہے اور اس کا وقت بھی ہاتھ سے نکل گیا یہ بھی جائز ہے کہ سواءٌ علینا الخ ضعفاء و متکبرین یعنی لیڈروں اور عوام دونوں کا مقولہ ہو وہ اس لیے کہ مروی ہے کہ وہ دوزخ میں آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ آؤ مل کر دھاڑیں ماریں پانچسو سال تک دھاڑیں مار کر روتے رہیں گے جب ان کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو پھر آپس میں کہیں گے کہ صبر کر دیکھیں ممکن ہے ہم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہ جیسے اہلِ ایمان پر طاعت کے صبر پر رحم فرمایا ہمیں بھی عذاب کے صبر پر جزائے خیر عنایت فرمائے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہیں گے تو یہی کہیں گے سواءٌ علینا الخ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ فراشو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

(باقی بر صفحہ ۳۵۹)

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا
كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
كَلِمَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ
بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ
كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ بِالْقَوْلِ
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝

ترجمہ: جب فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا تو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی ہے اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا مگر صرف اتنا کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی تو اب ملامت نہ کرو بلکہ اپنے اوپر ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا فریادرس ہوں اور نہ تم میرے فریادرس ہو میں اس سے بیزار ہوں جو پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو وہ باغات میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اس میں ان کی آپس کی ملاقات کے وقت کا اعزاز سلام ہوگا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کیسی بیان فرمائی ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں (پھیلی ہوئی ہیں) وہ بحکم خدا ہر موسم میں پھل دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت حاصل کریں اور گندی بات کی مثال گندے درخت کی سی ہے کہ جیسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ پھینکا جائے (پھر) اسے کوئی قیام نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ اہل ایمان دنیا کی زندگی اور آخرت میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔

(بقیہ تفسیر صفحہ گزشتہ)

۲ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغان زیر چوب

Scanned with CamScanner

۳ کنون کرد باید عمل را حساب

نہ روزے کہ منشور گردد کتاب

ترجمہ: ۱۔ ابھی صلح کا دروازہ کھلا ہے لہٰذا صلح کرلو ورنہ جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو پھر پریشان ہوگے۔

۲۔ اور سزا ملنے سے پہلے ہی معافی مانگ لے ورنہ جب ڈنڈا سر پہ پڑا تو پھر مشکل ہو جائیگا۔

۳۔ ابھی سے تمہیں اپنے اعمال کا حساب کرنا چاہیے ورنہ جب دفتر بند ہو گیا پھر کام نہ بنے گا۔

(تفسیر آیاتِ صفحۂ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ یعنی وہ شیطان کہ جس نے کافروں کے لیڈروں اور ان کے عوام کو گمراہ کیا، کہے گا لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ جب اللہ تعالیٰ ان کے متعلق آخری فیصلہ فرما کر ان کے حساب و کتاب سے فارغ ہو جائے گا اور اہلِ بہشت بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکے ہوں گے یا اس وقت اہلِ سعادت کو سعادت کا اور اہلِ شقاوت کو شقاوت کا صلہ مل جائے گا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ سارے دوزخ والے اکٹھے ہو کر ابلیس کے پاس جا کر ملامت کریں گے کہ تُو نے ہی ہمیں دھوکا دیا۔ وہ دوزخ کے ایک منبر پر بیٹھ کر کہے گا اے لوگو! ملامت نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں حشر و نشر کا سچا وعدہ اور حق کا وعدہ دیا اور وہ پورا فرمایا وَوَعَدْتُّكُمْ اور میں (شیطان) نے تمہیں جھوٹا وعدہ دیا کہ نہ حشر و نشر ہے اور نہ کوئی حساب کتاب ہے اگر کچھ ہوگا بھی تو تمہارے بت تمہاری شفاعت کرکے تمہیں عذابِ الٰہی سے چھڑا لیں گے۔

سوال: شیطان نے تو اپنے بطلان کی تصریح نہیں کی تم نے کہاں سے ثابت کیا۔

جواب: فَاَخْلَفْتُكُمْ سے اس کا بطلان ثابت ہوتا ہے یعنی شیطان نے کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیے ہوئے وعدے کا خلاف کیا۔

سوال: تم نے وعدے کا معنیٰ کہاں سے نکالا۔

جواب: اخلاف فعل متعدی بدو مفعول ہے اس کا مفعول کُم دوسرا المحذوف ہے جسے ہم نے وعدہ سے تعبیر کیا ہے یعنی میں نے اپنے وعدہ کو توڑا۔ اخلاف در اصل اس وعدہ خلافی کو کہتے ہیں جسے پورا کرنے کی طاقت تو ہو لیکن وہ عمداً اس کا خلاف کر دے۔

سوال: شیطان کو اس وعدے کے پورا کرنے کا امکان تو نہیں تھا تو پھر اس کے لیے اخلاف کا استعمال کس طرح

Scanned with CamScanner

صحیح ہو سکتا ہے۔

جواب : اخلاف مجازاً جیسے متبین خلف الوعد یعنی وعدہ خلافی کا اظہار کرنا۔ جیسے شیطان نے کیا اگرچہ اس کے امکان سے وعدے کا ایفاء ناممکن تھا لیکن اپنی وعدہ خلافی کا اظہار برملا کر دیا اور گویا کہہ دیا کہ آج میرے جھوٹ کا پول چاک ہو گیا۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور تمہارے اوپر غلبہ اور تسلط نہیں تھا کہ جس سے میں نے تمہیں کفر و معاصی پر مجبور کیا ہو۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے تو شیطان کے لیے فرمایا کہ انما سلطانہ علی الذین یتولونہ جبکہ شیطان کا تسلط ہے ان لوگوں پر جو اس سے دوستی جوڑتے ہیں۔ اور شیطان برأت کا اظہار کر رہا ہے۔ شیطان تو جھوٹا ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی تو یقیناً حق اور سراسر صدق ہے اس میں مطابقت کیسی۔

جواب : فقیر (حقی) اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ قہر و غلبہ اور تسلط اور ہے اور برائی اور بُرائی کو اچھا بنا کر دکھانا اور انہیں آپس میں کسی قسم کا تضاد نہیں۔ شیطان نے جو اپنے سے تسلط کی نفی کی ہے اس سے اس کی مراد یہی ہے کہ اہلِ ایمان و اہلِ کفر پر اس کا کوئی تسلط اور غلبہ نہیں ہے اور دوسرے معنے پر کہ بُرے اعمال بھلے کر کے دکھانا کافروں کے لیے کر سکتا ہے اور ان پر اس قسم کا تسلط جما سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انما سلطانہ کے بعد علی الذین یتولونہ کی قید لگائی کہ شیطان کا تسلط ان پر ہے جو اس کے دوست ہیں اور شیطان کے دوست کافروں کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اور اہلِ ایمان صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور دوست ہیں اس لیے کہ وہی اس کی اطاعت کر کے اس کی دوستی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے حضرات شیطان کے وسوسے کے تسلط سے محفوظ ہوتے ہیں اس لیے کہ شیطان کے وسوسے کا تعلق صفات سے ہو سکتا ہے۔ اور اولیائے کرام عالم افعال سے متعلق ہوتے ہیں جہاں شیطان کا حملہ نہیں ہو سکتا اور جو حضرات عالم ذات سے متعلق ہیں وہاں شیطان کو کسی قسم کا واسطہ نہیں اور یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے[1] اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ صرف اتنا ہوا کہ میں نے تمہیں وسوسہ ڈال کر اور برائیوں کو اچھا دکھا کر اپنی اطاعت کی دعوت دی۔

ف : شیطان کا وسوسہ اور برائیوں کا اچھا دکھانا تسلط نہیں جیسا کہ گزرا۔

---

[1] اسی لیے ہم اولیاء کرام کو محفوظ مانتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو معصوم۔ لیکن بیچارے مودودی دیوبندی، غیر مقلد وہابی نجدی انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں نکالتے پھرتے ہیں اور شیعہ تو ان سے بھی سبقت لے گئے۔

اویسی غفرلہ

فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ تم نے اپنے اختیار سے خود بخود میری دعوت قبول کی فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ پس میرے باطل وعدہ پر مجھے ملامت نہ کرو اس لیے کہ میں پیدا ہی اسی لیے ہوا تھا اور پھر میں تمہارا کھلم کھلا دشمن بھی تھا اور تمہیں میری عداوت پر بہت تاکیدیں کی گئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بار بار فرمایا:

لا تعبدوا الشیطان ۔ شیطان کی تابعداری نہ کرنا۔

اس لیے کہ وہ تمہیں فتنوں میں ڈالے گا۔ جب تمہیں یقین تھا کہ میرا کام صرف تمہارے ساتھ بغض و عداوت ہے تو تم نے دشمنی کے علم کے باوجود میری دعوت قبول کر لی۔ پھر اب ملامت کیسی۔ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ بلکہ اب تم اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے اپنے اختیار سے معصیت کی اور تمہیں اس سے محبت بھی تھی۔ مجھے تمہاری تکذیب کرنا تھی وہ کر لی اور تم نے میرا ساتھ دیا اور اپنے رب تعالیٰ کے حکم کی بھی تکذیب کی اور میرا کہنا تمہارے نفوس و طبائع کے موافق تھا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان تمہاری خواہشات کے خلاف اور تمہاری طبائع کے لیے بہت کڑوا تھا۔ اسی لیے تم نے اسے چھوڑ کر میرا کہنا مانا۔ تو اس معنے پر اب ملامت کے لائق تم ہو نہ کہ میں مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ اب تم جس عذاب میں مبتلا ہو میں تمہیں نہیں بچا سکتا وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ اور نہ ہی میں جس عذاب میں مبتلا ہوں تم مجھے بچا سکتے ہو۔ یعنی اب ہم اور تم ایک دوسرے کی کسی قسم کی معاونت نہیں کر سکتے۔

ف: الاصراخ بمعنے الاغاثۃ اور المصرخ بمعنے فریادرس۔

سوال: اب شیطان کا ایسی باتیں بتانا بے سود تھا جبکہ کفار کو اس کی اس کاروائی پر شک نہیں تھا۔

جواب: مبالغہ کے طور شیطان نے ایسی باتیں ظاہر کیں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اس وقت شیطان ان کی فریادرسی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ اس کی فریادرسی کر سکتے ہیں اور انہیں معلوم ہو کہ شیطان کا کہنا سچ ہے کہ جس عذاب میں تم مبتلا ہو اسی عذاب میں میں بھی مبتلا ہوں اور جیسے تم فریادرسی کے محتاج ہو ایسے ہی میں بھی ہوں، جس کی اپنی یہ حالت ہو تو وہ دوسرے کی فریادرسی کیسے کر سکتا ہے۔

اِنِّیْ كَفَرْتُ آج میں نے کفر کیا بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ ساتھ میرے شریک بنانے کے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا تھا یعنی تم میری فرمانبرداری کر کے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے مِنْ قَبْلُ اس سے قبل یعنی دنیا میں۔ یعنی آج میں اس سے بری ہوں اور مجھے خود تمہارے فعل سے نفرت ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ ان کا شرک یہ تھا کہ شیطان انہیں طمع دلاتا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا اور کہتا تھا کہ تم حق پر ہو اسی معنے پر تم نے مجھے معبود بنا رکھا تھا اور میں بھی دنیا میں یہی چاہتا تھا اور رغبت سے یہی کراتا تھا لیکن آج میں تم سے بری ہوں نہ اس پر میں خوش ہوں اور نہ مجھے تمہارا یہ کام قبول ہے بلکہ میں تمہارے اس فعل اور تم سے بری ہوں اب میرا اور تمہارا کوئی تعلق نہیں۔

اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بیشک ظالمین کے لیے عذاب دردناک ہے۔ یہ شیطان کے کلام کا

Scanned with CamScanner

تو یہ یا اللہ تعالیٰ کے کلام کی ابتدا ہے۔

ف : ظالمین سے شیاطین اور ان کے متبعین انسان مراد ہیں۔ شیطان تو اس لیے ظالم ہے کہ اس نے حق کی دعوت کے بجائے باطل کی دعوت دی اور اس کے متبعین انسان اس لیے ظالم ہیں کہ انہوں نے اتباعِ حق کو باطل میں لگا دیا۔

سبق : شیطان اور اس کے متبعین کی آخرت کی کہانی بیان کرنے میں سامعین سے لطف و کرم فرمایا گیا ہے اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ان کی کہانی سن کر دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کر لیں اور بُرے انجام پر تدبر و تفکر کر سکیں۔

س

۱ ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت
اندر استکمال خود دہ اسپہ تاخت

۲ ہر کہ آخر بین تر او مسعود تر
ہر کہ آخور بین تر او مبعود تر

ترجمہ : ۱۔ جس نے اپنا نقص و عیب دیکھا اور پہچانا اس نے اپنی تکمیل کا گھوڑا دوڑایا۔

۲۔ جس کی انجام پر نگاہ ہو وہی سعادت مند ہے۔ جو صرف کھانے پینے کے درپے ہے وہی اللہ تعالیٰ سے دُور تر ہے۔

ربط : کافرین اور عصاۃ کے حالات بتا کر اب اہلِ ایمان کا انجام بیان فرمایا۔

وَأُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور داخل کیے جائیں گے مومن اور نیک عمل کرنے والے یعنی جنہوں نے ایمان و اعمالِ صالحہ کو جمع کیا۔

ف : انہیں بہشت میں داخل کرنے والے فرشتے ہوں گے۔

جَنّٰتٍ انواع و اقسام کے بہشت کے باغات میں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں۔ یعنی بہشت کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی خٰلِدِيْنَ فِيْهَا درانحالیکہ وہ انہی بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے بِاِذْنِ رَبِّهِمْ یہ ادخل کے متعلق ہے یعنی اپنے رب کے حکم اور اس کی توفیق و ہدایت سے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب انسان اپنی طبیعت سے خالی ہو تو نہ ایمان لا سکتا ہے اور نہ ہی عمل صالح کر سکتا ہے اور نہ بہشت کے لائق ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت دستگیری نہ کرے تو وہ جنۃ القلب میں بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ جیسے آدم علیہ السلام بہشت میں مداومت اختیار نہ کر سکے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ

تحیتھم فیھا سلٰم اور بہشت میں ان کا تحیہ سلام ہوگا اور تحیہ درازیٔ عمر کی دعا کو کہا جاتا ہے اور وہ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی بہشت میں بہشتیوں کے لیے سلامتی کی دعا کریں گے یا اہلِ ایمان ایک دوسرے کو بہشت میں سلامتی کی دعائیں دیں گے اور ان کا بہشت میں یہی سلام ہوگا جو دنیا میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں۔

نورِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جھلک

سلام کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا چنانچہ حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ:

ان آدم لما رأی ضیاء نور نبینا صلی اللہ علیہ وسلم سأل اللہ عنہ فقال هو نور النبی العربی محمد من اولادك فالانبیاء كلهم تحت لوائه۔

جب آدم علیہ السلام نے ہمارے نبی علیہ السلام کے نور کی جھلک دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے اور وہ آپ کی اولاد سے ہیں۔ قیامت میں تمام انبیا ان کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

نور کا ظہور

فاشتاق آدم الی رؤیته فظهر نور النبی علیه السلام فی انملة مسبحة آدم فسلم الیه فرد الله سلامه من قبل النبی علیه السلام فمن هنا بقی السلام سنة لصدوره عن آدم وبقی رده فریضة لکونه عن الله تعالیٰ۔

آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے نور کے دیدار کے مشتاق ہوئے اس وقت حضور علیہ السلام کا نور آدم علیہ السلام کی انگلی میں ظاہر ہوا آدم علیہ السلام نے سلام عرض کیا حضور علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے سلام کا جواب دیا اس وقت سے سلام کہنا سنت اور جواب دینا فرض ہوا۔

صلوٰۃ الوتر کا آغاز

اس کی نظیر صلوٰۃ الوتر کی تین رکعتیں ہیں کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی بیت المقدس میں امامت کی تو آپ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ مجھے سدرۃ المنتہیٰ میں نماز پڑھانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلا تکن فی مریۃ من لقائه۔

یعنی شبِ معراج موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کے بارے میں شک نہ کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھی تو دوسری رکعت آپ نے اپنے لیے پڑھائی۔ تیسری رکعت کا حکم منجانب اللہ ہوا۔ اس اعتبار سے مغرب کی نماز کی طرح وتر تین رکعت ہوئے[1]

---

[1] لیکن غیر مقلدین ایک وتر کے قائل ہیں ان کے رد میں فقیر کی کتاب "آئینہ وہابی مذہب" دیکھئے۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

تکبیرِ اُولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کی حکمت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رحمت اور نور سے ڈھانپ لیا۔ اس سے آپ کے دونوں ہاتھ بلا اختیار اُٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ ادا پسند آگئی۔ اسی لیے نماز کی تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھانے کو نماز میں جاری فرما دیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک اور نماز کا اضافہ فرمایا ہے سُن لو وہ یہی صلوٰۃ الوتر ہے۔

صلوٰۃ الوتر میں تیسری رکعت میں دوبارہ ہاتھ اٹھانے میں حکمت جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کیلیے کھڑے ہوئے تو اپنے والدین کو جہنم میں دیکھا تو آپ گھبرا گئے۔ اسی گھبراہٹ سے بندھے ہوئے ہاتھ چھُوٹ گئے۔ آپ نے قلب اطہر کو جمع (خاطر) رکھ کر دعائے قنوت پڑھی۔ اور دعائے قنوت کے الفاظ مشہور ہیں جس کا آغاز اللّٰھم انا نستعینک سے ہوتا ہے۔ (کذا فی المقدمہ شرح المقدمہ)

ف: جو کچھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے پڑھا وہ سنّت ہے اور جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے پڑھا وہ واجب ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھا وہ فرض ہے۔

وتر واجب کیوں چونکہ مُوسیٰ علیہ السلام نے اس نماز کے لیے وصیت فرمائی تھی اس لیے یہ واجب ہے۔

مسئلہ: وتر میں کے کو میں وتر پڑھتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے وجوب میں فقہاء (مجتہدین) کا اختلاف ہے۔

اَلَمْ تَرَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے نورِ نبوت سے مشاہدہ نہیں فرمایا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: کاشفی نے لکھا کہ اے میرے دانا بینا بندے! کیا تُو نے نہیں جانا اور دیکھا کہ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا اللہ تعالیٰ کیسی عجیب مثالیں بیان فرماتا ہے اور مثل رکے لائق مثال دیتا ہے۔ اور کیف ضرب محلاً منصوب ہے اسے الم تر سے کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ کیف میں استفہام کا معنیٰ ہے اور اس سے اس کا عامل متقدم نہیں ہوتا کَلِمَۃً فعل محذوف کا مفعول ہے وہ محذوف فعل ضرب اللہ کی تفسیر کرتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

شرف الامیر زیدا کساہ حلۃ وحملہ علی فرس۔ امیر نے زید کو شرف بخش کر اسے پوشاک پہنائی اور گھوڑے پر سوار کیا۔

اور کلمۃ طیبۃ کا محذوف جعل ہے اور کلمۃ طیبۃ سے کلمہ توحید یعنی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ مراد ہے۔

مسئلہ: کلمہ طیبہ میں تمام نیک اعمال داخل ہیں جیسے تلاوت قرآن مجید اور تحمید و تسبیح و استغفار و توبہ اور دعوت اسلام

Scanned with CamScanner

اسی طرح دیگر وہ امور جو داعی الی الحق والصلاح ہیں۔

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ مثل پاکیزہ درخت یعنی اس کا حکم پاکیزہ درخت کا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ درخت کی طرح بنایا ہے۔

حدیث شریف اس مومن کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس نارنگی کی طرح ہے جس کی خوشبو اور ذائقہ اچھا ہے۔ اور اس مومن کی مثال جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کھجور کی ہے جس میں خوشبو نہیں لیکن اس کا ذائقہ اچھا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس خوشبودار پھول کی ہے کہ اس کی خوشبو تو ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا اندرائن کی ہے کہ نہ اس کی خوشبو اچھی اور نہ اس کا ذائقہ اچھا۔

اعجوبہ حنظل کو فارسی میں ہندوانڑ ابوجہل کہا جاتا ہے۔

کھجور کے فضائل کھجور اکرم الاشجار (تمام درختوں سے مکرم ترین) ہے) اس لیے کہ وہ مٹی جو آدم علیہ السلام کے جسم مبارک کی تخلیق سے بچ گئی تھی اس سے کھجور کو پیدا کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کھجور کے نیچے ہوئی۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

اِسی لیے کھجور کا ثمر تمام ثمرات سے اطیب اور احلیٰ (بہت زیادہ میٹھا) ہوتا ہے۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ اس کی جڑ ثابت ہے۔ یعنی اس کی جڑیں زمین کے اندر مضبوط ہیں وَفَرْعُهَا اور اس کا اوپر کا حصہ یعنی اس کا سر فِي السَّمَآءِ آسمان میں یعنی بہت بلند اور اونچا ہے تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا اپنے ثمرات دیتا ہے كُلَّ حِيْنٍ ہر اس وقت جو اس کے ثمر کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا یعنی سال کی تکمیل کے بعد؛ اس لیے کہ کھجور سال میں ایک مرتبہ ثمر دیتی ہے۔ ہاں اس کے گابھے نکالنے اور پکنے تک کی مدت چھ ماہ ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھجور کے پھل سے سال بھر کی ہر گھڑی میں نفع اٹھایا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ صرف کھجور کا خاصہ ہے کہ اس کا ثمر رات اور دن، گرمی اور سردی ہر وقت اور ہر موسم میں کھایا جا سکتا ہے بلکہ ہر گھڑی یہ کام دیتی ہے کبھی تر اور کبھی خشک۔ یہی مثال مومن کی ہے کہ اس کے اعمال آسمان پر ہر وقت جا سکتے ہیں دن ہو یا رات ان کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح کلمۂ اخلاص میں بھی کسی قسم کی کمی و زیادتی نہیں ہوتی۔ ہاں اس کے لیے مدد یعنی توفیق ایزدی کی ضرورت ہوتی ہے کہ جیسے اس درخت کی تربیت کے لیے پانی وغیرہ ضروری ہے طاعت کے لیے بھی تربیت الٰہی ضروری ہے کہ وہ جس وقت اپنی طاعت کی توفیق بخشے۔

بِاِذْنِ رَبِّهَا اس کے رب تعالیٰ کے اذن سے یعنی اس کے خالق کے ارادے اور تیسیر و تکوین سے

Scanned with CamScanner

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں یعنی اللہ تعالیٰ کی بیان کی ہوئی مثالوں سے سمجھ پیدا کریں کیونکہ مثالیں اس لیے بیان کی جاتی ہیں تاکہ بندوں کو افہام و تذکیر نصیب ہو کیونکہ مثالوں سے شے کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

ف: انجیل میں ایک سورۃ ہے جس کا نام سورۃ الامثال ہے اس میں تمثیلی بیانات انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام اور حکماء کے کلام میں بکثرت واقع ہوئے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ اور خبیث کلمہ کی مثال۔ اس سے کلمۂ کفر مراد ہے۔

مسئلہ: اس میں ہر قبیح عمل خواہ دعوت الی الکفر و تکذیب الحق ہو یا کچھ اور بھی داخل ہیں۔

كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ خبیث درخت کی طرح ہے اس درخت سے اندرائن مراد ہے۔ اسی طرح وہ درخت بھی ہو سکتے ہیں جن کا ثمرہ اچھا نہ ہو۔ جیسے الکشوب (بلوط) یہ ایک گھاس ہے جو درختوں کی شاخوں میں لپٹا رہتا ہے۔ اس کی جڑیں زمین کے اندر نہیں پھیلتیں۔ اسے بلاب، عشقہ اور توم کہتے ہیں۔ جسے اردو میں بلوط کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ از قسم اشجار نہیں بلکہ یہ اعجوبۂ زمانہ ہے۔ یعنی یہ مشاکلات (اعجوبات) سے ہے۔

ف: تبیان میں ہے کہ اندرائن کا خبث اس کے کڑوے پن کی وجہ سے ہے اور وہ بعض وجوہ سے ضرر رساں بھی ہے۔

ف: ہر وہ شے جو اعتدال کی حد سے متجاوز ہو وہ خبیث ہے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت شیخ غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو شجرۂ طیبہ سے اور خواہش نفسانی کو شجرۂ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے کیونکہ نفس امارہ خبیثہ شجرۂ خبیثہ کی طرح اس لیے ہے کہ اس نفس خبیث سے ہی کلمۂ خبیثہ ظاہر ہوتا ہے اور کلمۂ خبیثہ نفس خبیثہ کی ذاتی خباثت کا نتیجہ ہے وہ ذات و صفات کے متعلق برے اعتقاد رکھتا ہے۔ پھر اس سے خبیث کلمات کا ظہور لازمی امر ہے یا اس لیے کہ نفس خبیث معاصی کا خوگر ہے اس کی اس خباثت سے گناہوں کا صدور ضروری ہے نیز نفس ظالم کا کام بھی یہی ہے کہ وہ دوسروں کی عزت پر حملہ کرتا اور ان کے لوٹنے پر ہر وقت تیار رہتا ہے۔

اجْتُثَّتْ الجث بمعنی القطع باستئصال کسی شے کو جڑ سے اکھاڑنا۔ یعنی اس کا تنا جڑ سے اکھاڑا جائے اور اسے بالکل ختم کر دیا جائے مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ زمین کے اوپر سے اس لیے کہ اس کی جڑیں زمین میں تھوڑی مقدار پر نیچے ہوتی ہیں مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ اسے زمین پر کسی قسم کا قرار نہیں ہوگا۔

حلِ لغات: قرالشئ قرارا بمعنے ثبت ثباتا۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اسے ثبات اور استحکام نہیں۔ یعنی نہ اس کی زمین میں جڑیں ہیں اور نہ ہی اوپر کو کوئی شاخیں۔ اس لئے اسے استحکام و ثبات نہیں ؎

ا ہ بیخی کہ آں باشد لو را مدار
ز شاخے کہ گردد بداں سایہ دار

Scanned with CamScanner

۲ گیاہیست افتادہ بر روئے خاک
پریشان و بے حاصل و خوار ناک

ترجمہ : ۱۔جس درخت کی جڑ نہ ہو وہ درخت نہیں اور وہ شاخ شاخ نہیں جس کا سایہ نہ ہو۔
۲۔وہ گھاس جو زمین پر پڑی ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں وہ بالکل خوار و ذلیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے ایمان کو درخت سے تشبیہ دی ہے اس لیے ایمان دل میں ثابت ہے لیکن اس کے اعمال اعلیٰ علیین میں پہنچتے ہیں اور ان کا ثواب ہر زمانہ میں ان کے ساتھ ہے ۔ جیسے کھجور کا درخت کہ اس کی جڑیں اپنی جگہ پر مستقر اور ثابت ہیں اور اس کی ٹہنیاں اوپر کو، لیکن اس کا نفع ہر وقت موجود ہے جس سے خلقِ خدا ہر وقت استفادہ کرتی ہے اور کلمۂ کفر اور بتوں کی پرستش جو کافر کے دل میں ہے اس کے پاس حجت اور برہان نہیں صرف آبائی اندھی تقلید میں گرفتار ہے اور اسے اس پر ثبات اور استقرار بھی نہیں اور اس کے اعمال بھی قابلِ قبول نہیں۔اس کی مثل اندرائن کی سی ہے نہ اس کی جڑ ہے نہ شاخیں۔نہ اسے قرار ہے نہ اس کا اعتبار۔

سے

نہال سایہ ورے شرع میوہ دارد
چناں لطیف کہ بر ہیچ شاخسارے نیست
درخت زندقہ شاخیست خشک و بے سایہ
کہ پیش ہیچکسش ہیچ اعتبارے نیست

ترجمہ : ۱۔شرع کے درخت میں بہت بڑے ثمرات ہیں اور ایسے لطیف و نازک اور نرم ہیں کہ ایسے کسی درخت کے نہیں۔لیکن بے دینی کا درخت خشک اور بے سایہ ہے کسی کے ہاں اس کا رتی برابر بھی قدر نہیں۔

نکتہ : کواشی میں ہے کہ درخت سے ایمان کی تشبیہ میں ایک راز ہے وہ یہ کہ درخت کے لیے جڑیں اور ٹہنیاں ضروری اور لازمی ہیں اور درخت قائم ثابت اور بلند و بالا ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمان کے لیے تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان وعمل بالابدان ضروری ہیں کہ یہ ہر ایک ایمان کے لیے بمنزلہ جڑوں اور ٹہنیوں کے ہیں۔

صوفیانہ نکتہ حضرت ابو اللیث نے فرمایا کہ عارف کے قلب کا عرفان درخت کی طرح ثابت بلکہ اس سے ثابت تر ہے اس لیے کہ درخت تو کبھی کٹ کر مٹ جاتا ہے لیکن عارف کے قلب کا عرفان نہ کٹنے کا ہے اور نہ مٹنے کا۔ ہاں قادرِ مطلق اس سے مٹا دے تو وہ مالک ہے (لیکن وہ کریم اپنے بندے کے حال پر بہت رحیم و کریم ہے)

Scanned with CamScanner

24 **تفسیر عالمانہ** يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اللہ تعالیٰ ثابت ہے اہلِ ایمان کو حق بات پر
القول الثابت سے کلمۂ توحید مراد ہے اس لیے کہ وہ مومن کے قلب میں راسخ ہے ۔ چنانچہ کاشفی نے کہا کہ قول ثابت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ اسی پر اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ثابت اور قائم رکھتا ہے ۔ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیاۃ دنیا میں یعنی موت سے پہلے اس لیے کہ وہ کتنی ہی مصائب و مشکلات میں پھنسیں لیکن ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے دین اسلام سے ہٹنے کا نام تک نہیں لیتے اگرچہ ان کی کھال بھی ادھیڑ لی جائے جیسے متقدمین حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام میں بہت سے ایسے گزرے جیسے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام اور حضرت جرجیس و شمعون اور وہ حضرات جنہیں اصحاب الاخدود (کھائی والے) کہا جاتا ہے ۔ اسی طرح وہ بزرگ جن کے چمڑے لوہے کی کنگھی سے ادھیڑے گئے ۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضرت جرجیس کے حالات و کرامات

حضرت سعدی المفتی فرماتے ہیں کہ مروی ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حواریین میں ایک جرجیس نامی بزرگ تھے جنہیں اسم اعظم اللہ تعالیٰ سے عطا ہوا جس کی برکت سے وہ لوگوں کو زندہ کرتے تھے ۔ موصل کے علاقہ میں ایک جابر ظالم بادشاہ بت پرست تھا اسے جرجیس نے عبادت الٰہی کی دعوت دی ۔ اس نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں اس کے بعد اس نے لوہے کا کنگھا منگوایا جس سے اس نے حضرت جرجیس کا سینہ چاک کر دیا اور ہاتھ بھی کاٹ ڈالے ۔ اس کے بعد ان کے زخموں پر نمکین پانی چھڑک دیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں صبر کی توفیق بخشی ۔ اس کے بعد اس ظالم نے لوہے کی سلاخیں بنوائیں اور انہیں جرجیس کی آنکھوں اور کانوں میں پھیرا ۔ اس پر بھی جرجیس کو اللہ تعالیٰ نے صبر کی توفیق بخشی ۔ اس کے بعد اس ظالم نے تانبے کے بڑے بڑے لگن منگوائے جن کے نیچے آگ سلگائی گئی ۔ جب سفید ہو گئے (یہ ان کی سخت گرمی کی علامت ہے) ان گرم ترین لگنوں میں جرجیس کو ڈالا گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس آگ کو گلزار بنا دیا ۔ اس کے بعد اس خبیث ظالم نے جرجیس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دئے ۔ اس سے جرجیس اللہ کو پیارے ہو گئے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جرجیس کو پھر زندہ کر دیا حضرت جرجیس نے پھر اس ظالم و جابر بادشاہ کو دعوتِ الٰہی پیش کی لیکن اس بدبخت نے حضرت جرجیس کی دعوت کو پھر ٹھکرا دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظالم کو مع اس کی قوم کے نیست و نابود کر دیا ۔ یوں ہوا کہ اس کے شہر کو الٹ دیا گیا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو گیا ۔

حضرت شمعون کے حالات و کرامات

حضرت شمعون بھی نصاریٰ (عیسیٰ علیہ السلام کی امت) کا ایک بہت بڑا زاہد اور بہادر آدمی تھا ۔ روم کے بت پرستوں سے اس کی ہر وقت چپقلش رہتی تھی ، انہیں دعوتِ دینِ حق پیش کیا کرتا تھا اور تنِ تنہا کفار کے لشکر کا مقابلہ کیا کرتا تھا ۔ روم کا بادشاہ اسے قابو میں لانے کے لیے کئی طرح سے مکر و فریب کے جال بچھاتا لیکن شمعون اس کے قابو میں نہ آتا تھا ۔ ایک دفعہ اس نے

Scanned with CamScanner

شمون کی بیوی کو لالچ دے کر پھنسا لیا۔ وہ اس طرح کہ شمعون کی عورت نے اس سے خلوت میں پوچھا کہ آپ کو اگر کوئی گرفتار کرے تو کیا صورت ہے۔ شمعون نے کہا کہ اگر میرے بال میری بغیر طہارت کے وقت باندھ لیے جائیں تو پھر میں انھیں نہیں چھڑا سکتا۔ بادشاہ نے اپنے لشکر سے کہا کہ جب شمعون سو رہا ہو تو اس کے بال باندھ لو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ شمعون کو نیند کی حالت میں لشکر نے گھیر کر اس کے بال باندھ لیے۔ اسی حالت میں اسے بادشاہ کے محل کے اوپر لے جا کر نیچے گرا دیا گیا تو وہ پاش پاش ہو کر فوت ہو گیا۔

ف: نفائس المجالس میں ہے کہ شمعون کے دشمنوں نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان سے نجات کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انھیں دشمنوں سے بچا لیا۔ پھر شمعون نے ایک ستون اٹھا کر ان کے گھروں کی چھتوں پر دے مارا جس سے وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

وَفِي الْاٰخِرَةِ اور آخرت یعنی قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت مومن کو ثابت قدم رکھے گا اسی طرح اس کے بعد کی تمام منازل و مراحل پر۔

ف: قبر بھی آخرت میں داخل ہے اس لیے کہ وہ آخرت کی پہلی منزل ہے۔ قرآن مجید میں کل کا نام لے کر جزء مراد لیا گیا ہے۔

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے گا۔ یعنی کافروں مشرکوں میں گمراہ پیدا کریگا جس کی وجہ سے وہ بیچارے جواب باصواب نہ دے سکیں گے جیسے دنیا میں گمراہ تھے ویسے ہی قبر میں وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اور اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے کسی میں ثبات پیدا کر کے اسے ثابت قدم رکھتا ہے اور کسی میں گمراہی پیدا کر کے اسے گمراہ کرتا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہل ایمان کے کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کی ملازمت کی وجہ سے انھیں زندگی بھر اور پھر مرنے کے بعد بھی مقام ایمان اور سیر فی الحقائق میں اللہ تعالیٰ قدرت فرمائے گا یعنی اعمال والوں کی سیر تو روح کے جسم سے خروج کے بعد منقطع ہو جاتی ہے لیکن ارباب احوال کی سیر کو انوار ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ ثابت رکھے گا اور وہ ہمیشہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں سیر کرتے رہیں گے بلکہ انوار ذکر کے پروں کی طاقت سے جبروت کے عالم میں انھیں پرواز کی طاقت بخشی جائے گی۔

ف: انوار ذکر کے پروں سے نفی و اثبات[1] کا ذکر مراد ہے اور نفی و اثبات کا شغل غیر منقطع ہے اس لیے کہ سالک نفی میں ماسوی اللہ کا تصور کرتا ہے اور اثبات سے بقاء باللہ و فنا فی اللہ کا درجہ پاتا ہے اور یہ دونوں ابدالآباد دائم و قائم ہیں۔

---

[1] نفی و اثبات صوفیاء کرام کا ایک اصطلاحی ذکر ہے ۱۲

Scanned with CamScanner

مسئلہ : آیت سے قبر میں نکیرین کے سوال اور اہل ایمان کو قبر میں نعمتوں سے نوازے جانے کا ثبوت ملا (معتزلہ اور پرویزی وغیرہ قبر کے سوال وجواب اور ثواب وعذاب کے منکر ہیں) اس لیے کہ قبر میں سوال نکیرین کے وقت ثابت قدم رہنا بندے کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔

مرنے کے بعد روح وجسد کا تعلق نکیرین کے سوال کے وقت

علماء کرام کے اس مسئلہ میں کئی مذاہب ہیں :

۱ ــــــ مرنے کے بعد روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ وہ روح اس جسم میں ویسے ہی ہوتا ہے جیسے عالم دنیا میں تھا۔ وہ فرشتوں کے سوالات کے وقت قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ منکر نکیر دو فرشتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے، غصہ والے اور سخت گیر ہیں۔ ان کی دونوں آنکھیں بجلی کی طرح چمکدار اور ان کی آواز رعد کی گرج کی طرح ہے۔ وہ دونوں آتے ہی میت کو بٹھا دیتے ہیں ان کے پاس لوہے کے دو چابک ہوتے ہیں مردے سے سوال کرتے ہوئے پوچھتے ہیں :

○ من ربك ۔ تیرا رب کون ہے ؟

○ من دینك ۔ تیرا دین کیا ہے ؟

○ من نبیك ۔ تیرا نبی کون ہے ؟

مومن کہے گا : ○ اللّٰہ ربی ۔ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے۔

○ الاسلام دینی ۔ اسلام میرا دین ہے۔

○ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیی ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں۔

یہی مومن کے لیے ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی اور کافر ومنافق کہے گا :

لا ادری ۔ مجھے کوئی خبر نہیں۔

اس کے جواب پر نکیرین اسے اسی لوہے کے چابک سے ماریں گے۔ اس کی چیخ سوائے انس وجن کے باقی تمام مخلوق سنتی ہے۔

۲ ــــــ روح جسم اور کفن کے درمیان ہوتا ہے۔ یعنی جسم کے اندر نہیں بلکہ باہر رہتا ہے۔

۳ ــــــ روح جسم کے اندر جاتا ہے لیکن صرف سینہ تک۔

عقیدہ : مسلمان کو اتنا عقیدہ ضروری ہے کہ قبر کے اندر نکیرین کے سوالات اور اس کا عذاب وثواب حق ہے۔ اس کی تفصیل میں نہ پڑے اور نہ ہی ضروری ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا مذاہب کے مطابق روایات واحادیث وآثار صحیحہ مرفوعہ وارد ہیں۔

ف : اسئلۃ الحکم میں ہے کہ مرنے کے بعد ارواح کو عذاب یا نعمت حسی جسمانی نہیں بلکہ معنوی طور ہوں گے۔ ہاں جب آخرت میں حساب وکتاب کے لیے اٹھایا جائے گا تو اس وقت اسے حسی ومعنوی طور عذاب یا نعمت نصیب ہوگی۔

Scanned with CamScanner

حکایت حضرت بشر حافی رحمہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور آدھی بہشت میرے حوالے فرمادی ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ روح کو بہشت کی لذتوں سے نوازا گیا ہے اس معنے پر آپ کو آدھی بہشت نصیب ہوئی۔ پھر وصال کے بعد انھیں بدن سمیت جانا ہوگا۔ اس معنے پر اب انھیں مکمل طور پر بہشت نصیب ہوگی۔

مسئلہ: بعض لوگوں کو قبور میں دائمی عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

النار یعرضون علیها غدوا و عشیا ۔

فرعونیوں کو صبح و شام جہنم پیش کی جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے عذاب قبر منقطع ہوجاتا ہے یہ ان بعض اہلِ ایمان گنہگاروں کے لیے ہوگا جن کے جرائم و معاصی بہت تھوڑے ہوں گے جنھیں ان کے گناہوں کے مطابق سزا دے کر قبر کا عذاب اٹھا لیا جائیگا یا ہلکا کیا جائے گا۔ جیسے جہنم میں بعض جہنمیوں کے لیے ہوگا۔

مسئلہ: دُعا و استغفار اور صدقہ و خیرات اور ثواب حج اور قرأۃ القرآن کے ثواب بھیجنے سے مُردے کا عذاب ہلکا ہوجاتا ہے یا بالکل معاف کیا جاتا ہے[1] (کذا فی فتح القریب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دُعا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرتے:

اللهم انی اعوذ بك من البخل و اعوذ بك من الجبن و اعوذ بك ان ارد الی ارذل العمر و اعوذ بك من فتنة الدجال و اعوذ بك من عذاب القبر ۔

اے اللہ! میں، بخل، بزدلی، رذیل عمر، دجال کے فتنے اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔

ف: اس پچھلے جملے سے عذاب قبر کا ثبوت ملا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفنانے سے فراغت پاتے تو فرماتے،

استغفروا لاخیکم وسلوا له التثبت فانه الآن یسئل۔

اپنے بھائی کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو اس لئے کہ ابھی اس سے سوال ہوگا۔

ف: مذکورہ حدیث شریف سے بھی عذاب قبر کا ثبوت ملا۔

---

[1] اہلسنت انھی مسائل کو مختلف طرق سے عمل میں لاتے ہیں جسے دیوبندی وہابی قبوری شریعت سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود غریب اس مسئلہ میں معتزلہ کے حلقہ میں ۔۱۲

Scanned with CamScanner

شانِ نزول مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے ہم سب فارغ ہوئے اور حضور علیہ السلام ہمارے ساتھ تھے آپ حضرت ابراہیم کی قبر پر کھڑے ہو کر فرما رہے تھے کہ اے بیٹا! قلب غمگین ہے اور آنکھ روتی ہے اور ہم ایسی بات نہیں کہتے جس سے ہمارا رب تعالیٰ ناراض ہو وہی کہتے ہیں جس کا ہمیں حکم ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے بیٹے! تم نکیرین کو کہنا میرا رب اللہ تعالیٰ، میرا دین اسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول میرے والدگرامی ہیں۔ اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رونے لگے۔ ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ اتنا روئے کہ ان کی آواز بلند ہوگئی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عمر! روتے کیوں ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضرت! آپ کے صاحبزادے کے معاملہ سے کہ وہ ابھی بچے تھے سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے، ان کے لیے کسی قسم کا گناہ نہ لکھا جائے گا لیکن پھر بھی آپ انہیں تلقین فرما رہے ہیں اور آپ جیسا تلقین کنندہ پھر کس کے نصیب ہیں، تو پھر ہم کہاں جائیں گے اور ہمارے ساتھ کیا ہوگا کہ ہم نے جوان ہو کر کیا کچھ کیا اور ہمارے ہر دم قدم پر کراماً کاتبین محافظ و نگران بیٹھے ہیں ہمیں آپ جیسا تلقین کنندہ نصیب ہو یا نہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتوں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم روئے اور آپ کے صحابہ کرام بھی۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہی آیت لائے۔ جب آپ نے یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاٰخرۃ صحابہ کرام کو سنائی تو وہ سب کے سب خوش ہوئے۔ ان کے قلوب مطمئن ہوگئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام اور نابالغوں اور ملائکہ کرام سے کسی قسم کا سوال نہ ہوگا۔ (وہابی دیوبندی غور کریں جو انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں پکڑنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں)

مسئلہ: یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ قبر میں آپ ہی کے متعلق بھی سوال ہوتا ہے[1] ورنہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے ان کے نبیوں کے متعلق سوال نہیں ہوتا تھا۔

نکتہ: پہلے انبیاء علیہم السلام کے متعلق قانونِ الٰہی تھا کہ اگر ان کی امت انہیں نہ مانتی تو وہ فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتی اور چونکہ ہمارے نبی اکرم رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے ان کی امت سے عذاب مؤخر کر دیا گیا ہے۔

نکتہ: دنیا میں حضور علیہ السلام کا دین اخلاق سے پھیلا لیکن غزوات وقاعی پر آپ کو تلوار کا حکم تھا۔ بعض لوگ تلوار کے ڈر سے منافقانہ طور مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ دنیا کے عذاب سے محفوظ رہے لیکن قبر کا سوال مقرر فرمایا تاکہ اس وقت امتیاز ہو جائے کہ ان میں مومن کون ہے اور منافق کون۔

اعجوبہ: بعض لوگوں سے ایک مجلس میں تین بار سوال ہوگا اور بعض سے سات دن تک مسلسل سوال ہوتا رہے گا اور منافقین سے

---

[1] اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "القول المزید" دیکھیے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر قبر والے کو زیارت نصیب ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

تر چالیس روز تک۔

بابرکت راتیں جمعرات و جمعہ کی راتوں، اسی طرح رجب و شعبان و رمضان اور عید کی شب کو نکیرین کا سوال نہ ہوگا اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کی رحمت پر امید ہے کہ سوال نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ اکرم الاکرمین ہے۔

(کذا فی الواقعات المحمودیہ)

فائدہ اصولِ حدیث امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تلقین میت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح یا حسن ثابت نہیں بلکہ اس کے متعلق روایات ضعیفہ ہیں اور اسی پر جمہور محدثین کا اتفاق ہے۔

فائدہ ردِ وہابیہ والحدیث الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال [1] فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔

سبق: عاقل کو چاہیے کہ وہ مرنے سے پہلے مر کر دائمی زندگی حاصل کر لے لیکن ایسی زندگی کا سوائے مرشد کامل کی تربیت کے بغیر حاصل ہونا مشکل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہین کہ اسرافیل وقتند اولیا
مردہ را زیشان حیاتست و نما

۲ جانہائے مردہ اندر گور تن
بر جہد ز آواز شان اندر کفن

۳ گوید این آواز ز آوازہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست

۴ ما بمردیم و بکلے کاستیم
بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم

۵ مطلق آن آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

۶ گفت او را من زبان و چشم تو
من حواس و من رضا و خشم تو

---

[1] اسی قاعدہ کو وہابی غیر مقلد کچھ مانتے ہیں کچھ نہیں دیوبندی مانتے ہیں لیکن جب رسالت کی شان اور ولایت کے کمالات یا اہلِ سنت کے مسائل کی باری آتی ہے تو اس قاعدہ کو ہضم کر جاتے ہیں ۱۲

Scanned with CamScanner

۷ رو کہ بے یسمع و بے یبصر توئی
سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی

۸ چون شدی من کان للہ از ولہ
حق ترا باشد کہ کان اللہ لہ

۹ گہ توئی گویم ترا گاہے منم
ہر چہ گویم آفتاب روشنم

۱۰ ہر کجا تابم ز مشکات دمے
حل شد آنجا مشکلات عالمے

۱۱ ظلمتے را کافتابش بر نداشت
از دم ما گردد آن ظلمت چو چاشت

ترجمہ: ۱۔ یہ اولیاء وقت کے اسرافیل ہیں ان سے ہی مُردہ زندہ ہوتے ہیں۔
۲۔ یہاں تک کہ مردے ان کے بلوانے پر کفن کے اندر بول پڑتے ہیں۔
۳۔ کہتے ہیں کہ اولیاء کی آواز دوسروں کی آواز سے جُدا ہے۔ اس لیے کہ اُن کی آواز در اصل اللہ کی آواز ہے۔
۴۔ ہم سب کے سب مُردے ہیں لیکن آواز الٰہی نے ہمیں بیدار کردیا۔
۵۔ در اصل وہ آواز حق کی ہوتی اگرچہ بظاہر اللہ کے بندے سے ظاہر ہوتی ہے۔
۶۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میں بندے کی زبان اور آنکھ ہوں میں اسی کے حواس اور اس کی رضا اور غصہ ہوں۔
۷۔ تُو تو میرے کان ہے اور آنکھ ہے تو ہی میرا راز ہے۔
۸۔ جب من کان للہ کان اللہ لہ یہی فرمان حق ہے۔
۹۔ کبھی میں توئی (تُو ہے) کہتا ہوں اور کبھی منم (میں ہوں) جو کچھ میں کہوں وہی صحیح اور واضح ہے۔
۱۰۔ میرے مشکات کی روشنی تُو ہے تجھ سے جملہ عالم کی مشکلات حل ہوں گی۔
۱۱۔ جس تاریکی کو سُورج نہیں ہٹا سکتا اسے ہمارے جلوے سے روشنی ملے گی۔

مرشدان کرام یعنی اولیاء عظام کے انفاس طیبہ میں برکت ہی برکت ہے ان سے زندہ اور مردہ ہر قسم کے لوگ فیض پا سکتے ہیں لیکن یاد رکھنا کسی جاہل غافل (پیر جعلی مرشد) کے ہاتھ نہ لگ جانا ان کی علامت یہی ہے کہ وہ شریعت پاک پر
(باقی بر صفحہ ۳۷۶)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۝ قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ۝ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّر لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جنہوں نے ناشکری کرکے نعمتِ الٰہی کو بدل ڈالا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں لا اتارا۔ یعنی دوزخ میں وہ اس میں داخل ہوں گے اور یہ کیا ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے برابر کے شریک بنائے تاکہ اس کی راہ سے بہکا دیں۔ آپ فرمائیے کہ (دنیا میں چند روز) فائدہ اٹھا لو پھر تم نے بالآخر جہنم میں جانا ہے۔ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں سے فرمائیے جو ایمان لائے کہ نماز قایم کریں اور ہمارے دیے ہوئے سے میری راہ میں کھلے اور چھپے خرچ کریں اس دن سے پہلے جس میں نہ تجارت ہو گی نہ یاری دوستی۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور آسمان سے پانی اتارا تو پھر اس سے کچھ تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو پیدا فرمایا اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ وہ اس کے حکم سے (دریا میں) چلیں اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر فرمایا اور تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو مسلسل چل رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر فرمایا اور تمہارا ہر منہ مانگا سوال پورا کیا اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرو تو نہیں گن سکو گے بیشک انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

عمل نہیں کرتے ہوں گے اگرچہ کئی گدیوں کے سجادہ نشین اور بڑے بزرگوں کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں ہمارے دور میں ایسے بے عمل پیروں اور سجادہ نشینوں کی بہتات ہے اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے) ان کی تلقین و تربیت میں بہت بڑا فرق ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو حق مبین پر تاحیات ثابت قدم رکھے اور صدیقین سے بنائے اور ان لوگوں سے بنائے جو جہالت و غفلت کا شکار رہیں۔ آمین

Scanned with CamScanner

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اس سے رویت بصری مراد ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب دلانا مطلوب ہے یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ان کی مثل سے تعجب نہیں فرمایا بَدَّلُوْا جنھوں نے تبدیل کیا نِعْمَتَ اللّٰهِ یہاں مضاف محذوف ہے ای شکر نعمۃ اللہ کُفْرًا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کو کہ نعمت کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کر لیا۔ تبدیل کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے شکر نعمت کی بجائے کفر وضع کیا یا اس سے نفس نعمت کی تبدیلی مراد ہے مضاف محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ جب انہوں نے کفر کیا تو ان سے نعمت چھین لی گئی۔ اس معنی پر انھیں نعمت کی بجائے نقمہ حاصل ہوا جیسے اہلِ مکہ کی حالت ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما کر اپنے حرم خاص (مکہ) میں ٹھہرایا بلکہ اپنے حرم پاک کا تمام انتظام انہی کے ہاتھ میں دیا اور انھیں رزق کی فراوانی بخشی۔ پھر سب سے بڑا فضل و کرم یہ کہ ان میں حضور سید الانبیاء و امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا باوجود اینهمہ انہوں نے شکر کے بجائے کفر کیا۔ سزا کے طور پہلے انھیں سات سال قحط میں مبتلا کیا گیا اس کے بعد بدر میں کچھ قیدی بھی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔ اس طرح نہایت ذلیل و خوار ہوئے اور تمام نعمتیں ان سے چھن گئیں۔

مذمتِ بنو امیہ

حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فاجر ترین گروہوں نے برائی کا ارادہ کیا ایک کو تو تم نے اے صحابیو! بدر میں مزہ چکھا لیا دوسروں کو چند روزہ دنیوی زندگی سے نفع اٹھانے کی مہلت دی گئی ہے ان دو گروہوں سے بنو المغیرہ (قبیلۂ قریش) اور بنو امیہ مراد ہیں۔ بنو المغیرہ کو بدر میں سزا ملی اور بنو امیہ (اس سے بعض یزید جیسے خبثاء مراد ہیں) کو مہلت ملی۔ چنانچہ ان حضرات عمر و علی رضی اللہ عنہما کے نزدیک تاویلی طور گویا انہی کے حق میں یہ آیت ہے: قُلْ تمتعوا (الآیہ) فرمائیے محبوب نفع اٹھا لیجئے۔

وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ اور انہوں نے اتارا اپنی قوم کو کفر و ضلالت کا راستہ دکھا کر۔

سوال: تم نے کفر و ضلالت کا اضافہ اپنی طرف سے کیوں کیا یہ تو ایجاد بندہ ہے اور وہ قرآن مجید میں ناجائز ہے۔

جواب: جب قرینہ پایا جائے تو وہ ایجاد بندہ نہیں ہوتا۔ جیسے:

يقدم قومه يوم القيامة فاوردهم النار۔ فرعون اپنی قوم کے آگے ہوگا اور وہ ان سب کو جہنم میں داخل کرے گا۔

یہاں پر جہنم میں داخل کرنے والا فرعون کو کہا ہے حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہاں مجازاً فعل کا اسناد فرعون کی طرف ہے۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ احلال کا اسناد کافروں کے لیڈروں کی طرف ہے کیونکہ یہی لوگ اس کے سبب بنے۔ گویا انہوں نے دوسروں کو کفر و شرک کا حکم دیا تھا کہ دَارَ الْبَوَارِ ہلاکت اور تباہی کا گھر جَهَنَّمَ دار البوار کا عطف بیان ہے يَصْلَوْنَهَا یہ جہنم سے حال ہے یعنی درانحالیکہ وہ لوگ اس جہنم میں داخل ہوں گے اور اس کی گرمی سے پریشان حال ہوں گے۔ مثلاً

Scanned with CamScanner

کہا جاتا ہے: صلی النار صلیا۔ وہ آگ میں داخل ہوا اور اُس کی گرمی سے پریشان ہوا۔
وَبِئْسَ الْقَرَارُ اور جہنم بہت بُرا ٹھکانا ہے وَجَعَلُوْا اس کا عطف احلوا پر ہے اور تعجب کے حکم میں داخل ہے
یعنی ان پر تعجب ہے کہ انھوں نے اپنے اعتقاد باطل اور گمان فاسد پر بنا یا لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ واحد کے لیے کہ جس کا کوئی شریک نہیں
زمین میں نہ آسمان پر اَنْدَادًا شریک صرف نام کی تشبیہ سے۔ مثلاً وہ اپنے بتوں کو الٰہۃ کا لقب دیا کرتے یا عبادت میں
شریک کرتے تھے لِيُضِلُّوْا تا کہ اپنی قوم کو گمراہ کریں جو انھیں اپنا سردار مانتی تھی جیسے وہ خود گمراہ ہیں عَنْ سَبِيْلِهٖ سیدھی راہ سے
توحید سے۔ اور انھیں کفر و ضلالت کے گڑھے میں ڈالیں۔

سوال: کافرین کی بُت پرستی کی ایجاد سے گمراہ کرنا مطلب نہ تھا وہ اس طریق کار کو اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔ لیکن
قرآن نے اس کے برعکس فرمایا۔

جواب: اگرچہ کفار کا بت پرستی سے مقصود اپنا اعزاز تھا لیکن قرآن اصل نتیجے کو دیکھتا ہے کہ بت پرستی سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ظاہر ہے
کہ سوائے گمراہی کے اس سے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ جیسے کہا جائے: جئتك لتكرمني۔ جیسے اس جملے میں آنے کا نتیجہ
مبنی بر اکرام ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

ف: لیضلوا کی لام استعارہ تبعیۃ کے طور پر ہے۔ اور اگرچہ اضلال کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ ضلال و کفر وغیرہ کا خالق
وہی ہے لیکن کفار کی طرف اس کا اسناد مجازًا ہے کیونکہ وہی اس گمراہی کا سبب بنے یعنی وہی لیڈر اپنی قوم کو اس کفر اور گمراہی کی
دعوت دیتے تھے۔

قُلْ آپ ان گمراہوں اور گمراہ گروں سے زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائیے تَمَتَّعُوْا اپنی اس حالت یعنی
شہوات نفسانیہ (جن میں بڑی بڑی نعمتوں کی ناشکری اور بت پرستی میں دوسروں کی پرستش بھی ہے) میں رہ کر چند روز نفع پا لو
فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ کیونکہ قیامت میں تمہارا رجوع اِلَى النَّارِ جہنم کی طرف ہے جس سے کسی قسم کا گریز تم سے نہیں ہو سکتا۔ اس کی
حاضری تم پر لازمی ہے اور پھر جہنم میں داخل ہونے کے سوا تمہارے پاس اور کوئی چارہ ہے ہی نہیں کیونکہ تمہارے احوال و
اعمال کا تقاضا یہی ہے کہ تم جہنم میں داخل ہو۔ المصیر، صار الناقصۃ بمعنی رجع کا مصدر ہے۔ اور ان کی خبر الی النار ہے۔

مسائل فقہیانہ

ان دونوں آیتوں سے چند مسائل ثابت ہوئے:

① کفرانِ نعمت زوالِ نعمت کا سبب ہے، جیسے نعمت کے شکر سے نعمت کا اضافہ ہوتا ہے۔ ؎

شکر نعمت نعمتت افزوں کند
کفر نعمت از کفت بیروں کند

ترجمہ: نعمت کا شکر تیری نعمت میں اضافہ کرتا ہے اور نعمت کا کفران تیرے ہاتھ سے نعمت چھین لے گا۔

معراج کی حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کی چند شکایات کیں:

Scanned with CamScanner

۱۔ میں نے انہیں کل آئندہ کے اعمال کا مکلف نہیں بنایا لیکن وہ مجھ سے کل آئندہ کے رزق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۔ میں نے انہیں رزق کے معاملہ میں غیر کا محتاج نہیں بنایا لیکن وہ اپنے اعمال غیروں کے سپرد کرتے ہیں۔

۳۔ رزق میرا کھاتے ہیں اور شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں۔

۴۔ میرے ساتھ مخالفت اغیار سے مصالحت۔

۵۔ عزت میرے قبضۂ قدرت میں ہے اور انہیں معلوم بھی ہے کہ ہر ایک کو عزت دینا میرا کام ہے لیکن وہ غیروں سے مانگتے ہیں۔

۶۔ میں نے جہنم صرف کافروں کے لیے بنائی ہے لیکن یہ خود بخود اس میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

④ بُرا دوست جہنم کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے اور اسے اس لائق بنا دیتا ہے کہ وہ دائمی طور دار البوار میں رہے۔

سبق: ہر سچّی مخلص مومن کے لیے لازم ہے کہ وہ اہلِ کفر و نفاق اور بدعتی[1] کی صحبت سے پرہیز کرے تاکہ ان کا گندا عقیدہ اور بُرا عمل اس پر اثر انداز نہ ہو۔ اور اس زمانے میں تو ان کی بہتات ہے۔ پھر دوسرے وہ گمراہ جو صوفیانہ لباس پہن کر عوام کو گمراہ کرتے ہیں ہم ایسے جاہل اور گمراہ کن صوفیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔

سہ

اے فغان از یار ناجنس اے فغان
ہمنشیں نیک جوئید اے فغان

ترجمہ: یار ناہمجنس سے اجتناب کرو۔ ساتھی وہ تلاش کرو جو نیک ہو۔

④ جہنم صرف شریروں کا گھر ہے اور اس کی گرمی کی شدت سے خدا بچائے۔

حدیث شریف: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اھون اھل النار عذابا رجلا فی اخمص قدمیہ جمرتان یغلی منھما دماغہ کما یغلی المرجل بالقمقمہ۔

اہل نار میں سب سے کم عذاب اس شخص کو ہو گا جس کے پاؤں کے نیچے انگارے رکھے جائیں گے تو ان کی گرمی سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا جیسے ہنڈیا آگ کے جوش سے ابلتی ہے۔

ف: الاخمص بفتح الھمزہ ھو المتجافی من الرجل یعنی پاؤں کے نیچے والی وہ جگہ جو زمین کو مس کرتی ہے الغلیان جب آگ بھڑک اُٹھے تو ہانڈی کا پانی جوش سے کھولتا ہے یعنی پانی کے جوش سے کھولنے کو الغلیان کہا جاتا ہے۔ المرجل بکسر المیم و فتح الجیم

[1] شیعہ، وہابی، دیوبندی، تبلیغی، مودودی، مرزائی، چکڑالوی، نیچری وغیرہم یہ تمام فرقے اہل بدعت ہیں لیکن چالاک ایسے ہیں کہ اپنا نام اہلسنت کہ

بدعتی کہتے ہیں ۱۲

بعض ہانڈی، تانبے کی ہو یا لوہے کی، پتھر کی ہو یا پختہ مٹی (ٹھیکری) کی ہو یہی اصح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف تانبے کی ہانڈی کو عربی میں المرجل کہتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر الوہیت خالقیت اور رزاقیت کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ لیکن انہوں نے انھیں کفر، انکار اور جحود سے بدل دیا اور اپنے ارواح، قلوب، نفوس اور ابدان کو دار البوار میں اتارا اور ابدان کو سے کر جہنم میں داخل ہو گئے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے کیونکہ اس مقام پہ پہنچنے سے بندہ حضرت الٰہیہ سے دور اور بہشت سے ہمیشہ کے لیے دُور ہو جاتا ہے اور اپنے نفوس کو درکات میں داخل کیا اور قلوب پر اندھاپن، بہرہ پن اور جہل وارد کیا اور ان کے ارواح علویہ طبیت کے اسفل السافلین میں پڑے اس سے ان کے اخلاق حمیدہ ملکیہ اخلاق شیطانیہ سبعیہ ذمیمہ سے تبدیل ہو گئے پھر انہوں نے خواہشات نفسانیہ اور دنیا اور لذات شہوانیہ کو اپنا معبود بنا لیا تاکہ لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر طلب حق اور سیر الی اللہ (جو شریعت و طریقت کے اقدام سے چلنا پڑتا تھا) سے محروم کر دیا حالانکہ وہ اسی سیر کی برکت سے حقیقت کی معرفت حاصل کرتا قل تمتعوا پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! انھیں فرمایئے کہ شہوات دنیا اور اس کی نعمتوں سے خوب نفع پا لو فان مصیرکم الی النار پھر تمہارا رجوع نار کی طرف ہوگا وہ نار اجسام کو اور محرومی کی نار نفوس کو اور حسرت کی نار قلوب کو اور ہجر و فراق کی نار ارواح کو جلائے گی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ایمان دار بندوں کو۔

نکتہ: بعض حکماء نے فرمایا کہ اس یاء تکلم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بہت بڑا شرف بخشا اور یہ شرف ایسا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور یہ اضافت آزادی پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی اپنے غلام سے کہے یا ابنی یا ولدی تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اسے یا ابنی یا ولدی کہا جائے تو آزاد ہو جائے گا بوجہ یائے اضافت کے، اس قاعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اپنی طرف مضاف کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو جہنم سے آزاد رکھے گا۔ علاوہ ازیں عبودیت سے اور کوئی بڑا عہدہ نہیں ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کسوت خاجگی و خلعت شاہی چہ کند
ہر کرا غاشیۂ بندگیت بر دوشست

ترجمہ: سرداری کی پوشاک اور خلعت شاہی کو وہ کیا کرے گا جس کے گلے میں تیری غلامی کا پٹہ ہے۔

نکتہ عارفانہ: حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ لوگ تو حساب کے دن سے

Scanned with CamScanner

ذمے ہیں۔ لیکن مجھے اس کی ہر وقت تمنا رہتی ہے اس لیے کہ حساب لیتے ہوئے کسی وقت میرے رب کریم نے مجھے کہہ دیا ، عبدی۔ تو دارین میں اس جیسا وجود میرے لیے اور کوئی نہ ہوگا۔

ف : یہاں فعل محذوف ہے جیسا کہ اس کا جواب دلالت کرتا ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے قل لہم اقیموا و انفقوا یعنی انہیں فرمائیے قائم کرو نماز اور خرچ کرو ہمارے عطا کیے ہوئے سے۔

يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا فرمایا ہے اس سے خرچ کریں۔ یعنی ان اعمال پر مداومت کریں۔

ف : یوں بھی ہے کہ قُل کا مقولہ یقیموا وینفقوا ہیں کہ یہ دونوں امر بصورت خبر ہیں اور امر کو بصورت خبر اس کے مضمون کے تحقق اور مسارعۃ الی العمل کی وجہ سے لایا گیا ہے۔

سوال : اگر یہی معاملہ ہے تو نون کا باقی رہنا ضروری تھا لیکن یہاں پر محذوف ہے۔

جواب : نون اسی لیے حذف کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ خبر بمعنی امر ہے۔

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً بوجہ مصدریت منصوب ہے اور اس کا عامل فعل مقدر ہے۔ اصل عبارت : انفقوا انفاق سر و علانیۃ۔ یا بوجہ حالیت کے منصوب ہیں۔ ای ذوی سر و علانیۃ بمعنے مسرین و معلنین۔ یا بوجہ ظرفیت کے منصوب ہیں ای وقتی سر و علانیۃ۔

مسئلہ : افضل یہ ہے کہ نفل صدقات پوشیدہ طور دیے جائیں اور صدقات واجب ظاہر کر کے۔ اسی طرح نماز وں کا حکم ہے۔

مسئلہ : اس میں بندوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں عبادات بدنیہ سے بھی اور مالیہ سے بھی۔

مسئلہ : بندوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ متاعِ دنیا میں نہ پھنسیں اور نہ ہی اس کی طرف جھکیں، جیسے کفار کا طریقہ ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اس سے قبل کہ آئے۔ الارشاد میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ مِن، انفقوا کے متعلق ہے۔

يَوْمٌ اس سے قیامت کا دن مراد ہے لَّا بَيْعٌ فِيْهِ اس میں کوئی بیع نہیں۔

ف : بیع کی نفی سے شراء کی نفی ہو گئی۔ اس لیے کہ یہ آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔

وَلَا خِلٰلٌ اور نہ کسی کی دوستی کہ دوست کی سفارش کر کے عذابِ الٰہی سے چھڑا لے۔

نکتہ : اس سے وہ دوستی مراد ہے جو طبعی اور نفسانی میلان کے تحت ہو ورنہ اللہ والوں، درویشوں، فقیروں اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت حق ہے۔ کما قال تعالیٰ :

الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین۔ قیامت میں دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے

Scanned with CamScanner

ہستیوں کے۔ اس لیے کہ ان سے دوستی اور محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کے آنے سے پہلے بیع وشراء، دیگر کاروبار اور دوستی وغیرہ میں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔ اگر فائدہ ہے تو صرف طاعتِ الٰہی وعبادتِ ایزدی میں ہے منجملہ ان کے اقامت الصلوٰۃ والانفاق بھی ہے جبکہ ان میں اخلاص اور رضائے الٰہی مطلوب ہو کیونکہ ذخیرہ اندوزی اور اس کا خرچ کرنا صرف تجارات وعبادات (ہدایا وتحائف) کے لیے ہوتا ہے اور قیامت میں یہ باتیں نہیں ہوں گی اس لیے وہاں یہ اشیاء فائدہ نہیں دیں گی۔

تفسیرِ صُوفیانہ

آیت میں اعمالِ باطنیہ قلبیہ کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً ایمان وغیرہ۔ اسی طرح اعمالِ قالبیہ کی طرف بھی۔ جیسے اقامۃ الصلوٰۃ والانفاق وغیرہ۔

حضرت ابوسعید خراسانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے آسمان میں ہیں اور اس کے زمین کے خزانے مومن کے قلوب ہیں اس لیے کہ بندے کا قلب مخفی اسرار پوشیدہ رکھنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے اس خزانے کی صفائی کے لیے ہوا بھیجی کہ اس سے کفر وشرک، نفاق اور غش کا کوڑا کرکٹ صاف کرکے اس کے بعد اس پر بادل بھیجا جب وہ برسا تو اس سے ایک درخت پیدا ہوا جس کا ثمر رضائے الٰہی اور محبت وشکر اور صفوت واخلاص اور طاعتِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کا باطن صاف ہو اس کا ظاہر خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔

مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار جہنم کی نظر میں

حضرت مکحول شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب کوئی بندۂ خدا صدقہ وخیرات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے قبول کر لیتا ہے تو جہنم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے، مجھے سجدۂ شکر کی اجازت دیجئے کہ مجھ سے امتِ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اُمتی بچ گیا صرف صدقہ کی برکت سے، کیونکہ مجھے محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم آتی ہے کہ میں آپ کے کسی اُمتی کو جلاؤں، لیکن تیرا حکم ماننا واجب ہے ورنہ دل نہیں مانتا کہ تیرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی کو میری طرف سے دُکھ اور درد پہنچے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

ہر چہ داری چوں شگوفہ بر فشاں زیرا کہ سنگ
بہر میوہ میخورد ہر دم ز دست سفلہ شاخ

ترجمہ: جو کچھ تمہارے ہاں ہے شگوفے کی طرح خرچ کر ڈالو ورنہ کمینے آدمی کے ہاتھ سے وہ شاخ پتھر کھاتی ہے جس پر میوہ ہو۔

تفسیرِ صُوفیانہ بطریقِ دیگر

قل لعبادی میرے بندوں کو فرمائیے اور خواہش کے بندوں کو رہنے دیجئے ان سے میرا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں الذین اٰمنوا میرے وہ بندے جو عبودیت کی چوکھٹ اور قربتِ الٰہی کے فرش پر اور مناجات ومکالمات میں ہر وقت مشغول ہیں یقیموا الصلوٰۃ وینفقوا

نماز ادا کرتے ہیں اور طالبین مریدین پر خرچ کرتے ہیں مما رزقنھم سراً و علانیۃ اس میں سے جو ہم نے انھیں اسرار الٰہیہ سے عطا فرمایا اور طریقۂ ربوبیت میں انھیں جو احکام عبودیت نصیب ہوئے من قبل ان یاتی یوم اس دن سے قبل جو ان کے ارواح ان کے اجسام سے نکلیں لا بیع فیہ اس وقت بطریق طلب معاوضہ خرچ کرنے کی قدرت رکھے گا و لا خلال اور نہ ہی طریقۂ دوستی ہے۔ اس لیے خرچ کرنے کا آلہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اب دعوت خلق الی الحق کی استعداد باطل ہو گئی۔ اب کسی سے تربیت اور سلوک کی باتیں اور تزکیہ و تہذیب و تادیب نہیں کر سکتا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ یہ مبتداء اور اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور جو اجرام علویہ ان کے اندر ہیں وَالْاَرْضَ اور زمین اور جو اس کے اندر انواع مخلوقات میں سے ہے۔

نکتہ: آسمانوں کا زمین سے پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ آسمان بمنزلہ مذکر ہے اور الارض بمنزلہ مونث۔

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ اور آسمان پیدا کیا یعنی بادل سے اور جو انسان کے سر کے اوپر ہے۔ اسے عربی میں السماء کہا جائے گا۔ یا فلک سے نازل کیا اس لیے کہ پہلے بارش فلک سے پھر بادل سے زمین پر اترتی ہے چنانچہ ظواہر النصوص اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

فقیر (حقی) کہتا ہے میرے نزدیک یہی راجح تر ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں بتائیں۔ سب سے پہلے بتایا کہ آسمان و زمین تمہارے لیے پیدا کیے اور ان کے تمام منافع تمہارے لیے ہیں اس کے بعد زمین و آسمان کے اندر کے منافعوں اور اشیاء کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا۔ اس سے واضح ہوا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ علیحدہ نعمت ہے اگر السمآء سے الفلک کے بجائے السحاب مراد ہو تو اس کے بالمقابل دوسری اور کوئی نعمت بیان نہیں فرمائی۔ اس سے بھی واضح ہوا کہ بارش فلک سے اترتی ہے۔ بہرحال جو بھی ہو یہاں مِنْ ابتدائیہ ہے۔

مَآءً پانی کی ایک قسم خاص یعنی بارش فَاَخْرَجَ بِہٖ پس اس کے ذریعہ اور سبب سے نکالا اس لیے کہ اس پانی میں قوت فاعلیہ رکھی گئی ہے جیسے زمین میں قوت قابلیہ ہے مِنَ الثَّمَرٰتِ پھلوں میں سے یعنی انواع و اقسام کے پھل رِزْقًا لَّکُمْ تمہارے لیے رزق، تاکہ تم اس سے زندگی بسر کر سکو یہاں رزق بمعنی مرزوق ہے جو تمام اشیاء مطعومہ و ملبوسہ کو شامل ہوگا اور رزقاً اخرج کا مفعول ہے اور تبعیضیہ اور الثمرات سے حال ہے اور لکم صفت ہے جیسے کہا جاتا ہے انفقت من الدراھم الفا۔ یا مِن تبعیضیہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوتا ہے فاخرجنا بہ ثمرات۔ گویا یوں فرمایا

انزل من السماء بعض الماء فاخرج بہ بعض الثمرات۔	نازل کیا آسمان سے بعض پانی تاکہ اس سے بعض ثمرات تمہارے لیے نکالے۔

ہم نے بعض کی قید اس لیے لگائی ہے کہ نہ تو سارا پانی آسمان سے اترتا ہے اور نہ ہی تمام پانی سے تمام ثمرات نکلتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین فواکہ کھجور اور تربوز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تربوز اور کھجور ایک ساتھ کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کی گرمی تربوز سے اور تربوز کی سردی کھجور سے مرتی ہے اس لیے کہ کھجور گرم اور تر ہے اور تربوز سرد اور تر ہے۔ (کذا فی شرح المصابیح)

حدیث شریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جو صبح کو سات عجوہ[1] کھجوریں کھاتا ہے اس پر اس دن جادو اور زہر اثر نہیں کریں گے۔

شرح الحدیث

تصبح بمعنے اکل وقت الصبح یعنی صبح کے وقت نہار منہ کھانا۔ عجوۃ ، سبع ثمرات سے عطف بیان ہے مدینہ طیبہ کی ایک بہترین خرما ہے جو سیاہی مائل ہوتی ہے۔ اس کھجور میں فطرۃً یہ اثر رکھا گیا ہے یا اسے حضور علیہ السلام کی دُعا ہے (قوی تر قول ثانی ہے کیونکہ یہی عجوہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بھی تھی لیکن اس میں پہلے یہ تاثیر نہیں تھی) اسے آپ نے اس وقت دُعا دی جب آپ کے صحابہ نے عرض کی کہ مدینہ کی کھجور ہمارے پیٹ جلا دیتی ہے یعنی سخت گرم ہے۔ تو آپ نے اس کے لیے دُعا فرمائی۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہ نہار کھجور کھایا کرو کیوں کہ یہ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے۔

انگور کھانے کی سنت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپ انگور کے گچھے سیدھے ہاتھ میں لے کر بائیں ہاتھ سے دانہ دانہ منہ میں ڈالتے تھے۔ (کذا فی الطب النبوی)

اعجوبے

① خربوزے اور انار میں بہشت کے پانی کا ایک قطرہ ہے۔
② حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انار کھاؤ کیونکہ انار کا ہر دانہ جونہی پیٹ میں جاتا ہے تو دل کو نور بخشتا ہے اور شیطان کو چالیس روز تک گونگا بنا دیتا ہے۔
③ حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ ملائکہ کی بُو گلاب سی ہے اور انبیاء کی بہدانہ کی ، حور کی اور آس (مورد) کی۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ اور کشتیوں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ یعنی ان کی صفت اور ان کے استعمال پر تمہیں قدرت بخشی بایں طور کہ ان کے کو الف تمہیں الہامی طور معلوم ہو سے اور تم نے انہیں استعمال کیا اور ان سے فوائد حاصل کیے لِتَجْرِيَ تاکہ وہ کشتیاں جاری ہوں فلک جمع ہے اور اس کا واحد اور جمع کا صیغہ ایک طرح کا ہوتا ہے فِي الْبَحْرِ دریا میں بِأَمْرِهِ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے سے جہاں تم ان کشتیوں کو لے جانا چاہو کشتیاں تمہارے لیے ایسی آسانی

---

[1] عجوہ بالفتح مدینہ منورہ میں ایک عمدہ خرما ہے ۱۲ غیاث

Scanned with CamScanner

سے چلتی ہیں جیسے خلا میں دھواں اور ہوائیں۔

25
ع

اعجوبہ جواہر البحر کی شرح میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص سے فرمایا کہ دریا کا وصف بیان کیجئے۔ عرض کی، اے امیر المومنین! دریا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی مخلوق ہے۔ اس پر ایک کمزور مخلوق سوار ہوتی ہے۔ طرفہ یہ کہ وہ چھل کڑی دیا پر بہت بڑا وزن لے کر تیرتی ہے۔

مسئلہ: جب خلوہ ہو تو مرد و عورت دونوں کو دریائی سفر کرنا جائز ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (کذا فی انوار المشارق)

مسئلہ: بلا ضرورت عورتوں کو کشتی میں دریائی سفر کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے کشتی میں ستر عورت ناممکن ہو جاتا ہے نہ ہی مردان کے دیکھنے سے آنکھیں بند رکھ سکتے ہیں۔ کشتی میں احتیاط کے باوجود ستر عورت عورتوں کے بس کی بات نہیں بالخصوص جب کشتی چھوٹی ہو۔ علاوہ ازیں کشتی میں مردوں کے سامنے قضائے حاجت کا مسئلہ۔ لہٰذا ان کے لیے ہر طرح سے مصیبت ہے۔ بنا بریں انھیں کشتی کے سفر سے احتراز لازمی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ اور نہریں تمہارے لیے مسخر کی ہیں یعنی بڑی نہروں کے وہ زوردار پانی جو کسی کے قابو میں نہیں آسکتے تمہارے تابع ہیں۔ یعنی نہریں تمہارے نفع کے لیے تیار کی گئی ہیں کہ تم ان سے چھوٹے نالے نکال کر اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب کرتے ہو اور دیگر ضروریات و حوائج پوری کرتے ہو۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس میں لام جنس یا عہد کا ہے۔ اس میں ان پانچ بڑے دریاؤں کی طرف اشارہ ہے:

① سیحون (نہر الہند)

② جیحون

③ بلخ

④ دجلہ و فرات۔ یہ دونوں عراق کے دریا ہیں۔

⑤ نیل۔ یہ مصر کا بڑا دریا ہے۔

ان سب کا سرچشمہ بہشت کا ایک چشمہ ہے۔ ان کو پہاڑوں کے دامن سے ظاہر کر کے تمام روئے زمین پر ان کا پانی پھیلایا ہے اور ان سب پر انسان کا قبضہ ہے اور انہی سے انسان کو نفع یابی کا موقع بخشا ہے کہ اپنی زندگی کی ضروریات انہی دریاؤں سے پورا کرتا ہے۔

ف: مذکورہ بالا دریا اصل اور باقی چھوٹے بڑے دریا اور نہریں انہی دریاؤں کی شاخیں ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند تمہارے لیے مسخر کیے درانحالیکہ **دَآئِبَیْنِ** برابر چل رہے ہیں کبھی بھی منقطع نہیں ہوتے۔

حلِ لغات: تہذیب المصادر میں ہے کہ الدأب بمعنی دائمی شدن یعنی دائمی ہونا۔ اب دائبین بمعنے دائمین متصلین ہوگا۔ یعنی وہ قیامت تک دائمی اور غیر منقطع طور برابر چل رہے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اور قاموس میں ہے کہ دأب فی عملہ دأبا از باب منع، اس کا مصدر کبھی بسکون الہمزہ آتا ہے اور کبھی متحرک ہو کر یعنے بفتحتین اور دؤدبا بالضم بمعنے جدو تعب۔ اس لغت پر دائبین بمعنے مجدین فی سیرھما و انارتھما و درئھما الظلمات یعنی سورج اور چاند دونوں چلنے، روشنی دینے اور ظلمات دُور کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں، اور وہ زمین، ابدان اور انگوروں کی اصلاح میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

ف: سورج چاند سے افضل ہے اس لیے کہ سُورج چاند اور ستاروں کے انوارِ فلکیہ کا خزانہ ہے۔ علاوہ ازیں چاند اور ستارے سورج سے نور پاتے ہیں۔ اسی بنا پر سورج ان کا اصل ہوا اور وہ اس کی فرع۔ اور ستارے اور چاند سورج سے اسی قدر نورانیت پاتے ہیں جس قدر اس کے بالمقابل ان میں صفائی ہوتی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور رات دن تمہارے لیے مسخر کیے گھٹتے بڑھتے ہوئے ایک دُوسرے کے آگے پیچھے آتے ہیں اور روشنی اور تاریکی پھیلاتے اور حرکت و سکون لاتے ہیں تاکہ تم ان میں اپنے معاشی امور، نیند کا سلسلہ، باغات اور کھیتوں، ثمرات کا عقد اور ان کے پکنے کے معاملات صحیح کر سکو۔

دن افضل ہے یا رات

دن افضل ہے یا رات؟ اس کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔

- بعض حضرات کا خیال ہے کہ رات افضل ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر دن سے پہلے فرمایا ہے
- رات آقا و مولیٰ یعنی خالق الارض والسماء کی عبادت کے لیے ہے اور دن اپنے نفس اور مخلوق کی خدمت کے لیے ہے خالق و مخلوق کی نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے رات کا دن سے افضل ہونا ضروری ہے۔
- رات کے اندر ہی انبیاء علیہم السلام کو معراجیں ہوئیں۔ اگر رات کو دن پر افضلیت نہ ہوتی تو اس قدر عظیم کام رات میں سرانجام نہ پاتا۔ اسی لیے امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

اللیل افضل من النھار۔ رات دن سے افضل ہے۔

مزید دلائل از صاحب رُوح البیان اور نکتہ صُوفیانہ

- فقیر (حقی) کہتا ہے کہ چونکہ رات سکون و راحت کا مرکز ہے اور اس میں سترِ ذات ہے۔ اور دن حرکت کا مرکز ہے اور اس میں سترِ صفات ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سترِ ذات سترِ صفات سے افضل ہے۔ نیز سکون ہی وہ مرتبہ ہے جو ہر مرتبہ کا اوّل بھی ہے اور آخر بھی۔ اِس حدیث قدسی کا اسی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حدیث قدسی

کنت کنزاً مخفیاً فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق۔ میں مخفی خزانہ تھا میرا ارادہ ہوا کہ میں ظاہر ہوں، اس پر میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔

ف: ظاہر ہے کہ خلق حرکت معنویہ کی مقتضی ہے اور اس حرکت اور خلق سے پہلے سکون ہی سکون اور ذات بحت (مطلق عن الاطلاق) کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

Scanned with CamScanner

حج اکبری ایامِ ہفتہ سے جمعہ کا دن افضل ہے۔ اور جب عرفہ یعنی حج کا دن جمعہ کو ہو تو وہ حجِ اکبر کہلاتا ہے کیونکہ اس کا ثواب بہ نسبت دوسرے ایامِ حج سے ستر گنا زیادہ ہوتا ہے گویا جمعہ کے روز حج کا ستر گنا زائد ثواب نصیب ہوتا ہے۔

شبِ میلادِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام راتوں سے افضل ہے

(صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ نے فرمایا)

افضل اللیالی لیلۃ المولد المحمدی لولاہ	تمام راتوں سے میلادِ نبوی کی شب افضل ہے
ما نزل القرآن و لا نعتت لیلۃ القدر	کیونکہ اگر حضور نہ ہوتے تو نہ قرآن ہوتا نہ لیلۃ القدر
وھو الاصح[1]۔	ہوتی۔ اور یہی درست ہے۔

وَ اٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ اور جو کچھ تم نے مانگا اللہ تعالیٰ نے وہی عطا فرمایا۔ یعنی تم نے جتنا مانگا اس میں سے تمہیں اُتنا ہی عطا فرمایا جس میں تمہاری مصلحت تھی۔ اور اس عالم میں جتنا موجود ہے یہ اس کا وہ بعض حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے مقدر فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما	جو جلد بازی کرتا ہے ہم اسے اتنا عنایت فرماتے ہیں
نشاء۔	جتنا ہم چاہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ یا یہ معنےٰ ہے کہ جو تمہارے منہ سے نکلتا ہے میں (اللہ) عطا فرما دیتا ہوں۔ اس معنے پر یہ مِنْ بیانیہ ہے اور کُلّ تکثیر کے لیے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

فلان یعلم کل شیٔ و اتاہ کل الناس۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وفتحنا علیھم ابواب کل شیٔ[2]۔	اور ہم نے ان پر ہر شے کے دروازے کھول دیے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ جو اشیاء تمہاری ضرورت کی تھیں وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیں تم نے ان کی درخواست کی یا نہ۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں گنو۔ یعنی وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہیں تمہارے چاہنے پر یا تمہاری درخواست کے بغیر لَا تُحْصُوْهَا تم ان کا حصر و شمار نہیں کر سکتے تفصیلاً تو بالکل ناممکن ہے اور اجمالاً بھی

---

[1] یہی ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے جسے وہابی دیوبندی غیر مقلد مودودی وغیرہ وغیرہ غلو سے تعبیر کرتے ہیں لیکن بیچارے بدعتی فرقے ہیں۔ اسی لیے اسلاف کے عقائد کے خلاف چلتے ہیں ناظرین غور فرمائیں کہ صدیوں پہلے کون سا عقیدہ تھا؟

[2] یہی جواب وہابی دیوبندی کو دیا جاتا ہے جبکہ وہ حضور علیہ السلام کے کلی علم پر آیت پیش کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

تمہارے امکان سے باہر ہے بوجہ ان کی کثرت اور لامتناہی ہونے کے۔

قاعدہ: اس سے ثابت ہُوا کہ مفرد اضافت کے وقت استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔

اِحصاء کا معنیٰ لغت میں بمعنے شمار کرنا اور عرف میں معین گنتی پر کنکری وغیرہ رکھنا تاکہ گنتی میں غلطی واقع نہ ہو اور نئی گنتی کے لیے آسانی ہو۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جب شمار نہیں تو پھر اس کے لیے گنتی کیسی۔

نعمتوں کی اقسام نعمتیں دو قسم کی ہیں:

○ نعمۃ المنافع

○ نعمۃ دفع المضار

نعمۃ المنافع جیسے صحت الابدان، عافیت، مطاعم (کھانے کی اشیاء)، مشارب (پینے کی چیزیں)، ملابس (پہننے کی اشیا)، مناکح (عورتوں مردوں کے نکاح وغیرہ)، اموال، اولاد سے تلذذ اور سرور و فرحت پانا۔

نعمۃ دفع المضار (یعنی ضرر رساں اشیا کے دفع ہونے کی نعمت) جیسے امراض، شدائد، فقر (افلاس و تنگدستی)، بلائیں۔

ف: سب سے بڑی اور بزرگ ترین نعمت یہی ہے کہ حسین تخلیق اور معرفت کا الہام نصیب ہو۔

نعمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس آیت میں نعمت سے ہمارے حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس لیے کہ آپ ہی جمیع مخلوق اور خالق اکبر کے درمیان وسیلہ جلیلہ ہیں۔

وہابی کُش قول (سلمی نے فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی وان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا کے صحیح مصداق ہیں اس لیے کہ آپ کے کمال کی صفات اور آپ کے حُسن و جمال کے انوار کی شرح دائرہ تصوّر و تخیل سے باہر اور اندازہ تامل و تفکر سے افزوں ہے۔

ع

بر ذروۂ معارج قدر رفیع تو

نے عقل رہ یابد و نے فہم پے برد

ترجمہ: آپ کی بلند قدر معارج کی چوٹی تک نہ کسی کی عقل کو رسائی ہو سکتی ہے نہ کسی کا وہم و ادراک وہاں پہنچ سکتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ بیشک انسان بہت بڑا ظالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر سے غفلت کر کے انھی

نعمتوں کی کمی کا سبب بنتا ہے یا نعمتوں کو حاصل کرنے کے بعد انھیں غیر محل پر صرف کرتا ہے یا انھی نعمتوں کی ناشکری کر کے ان سے محروم ہو کر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کَفَّارٌ بہت بڑا ناشکرا۔ یا شدائد و مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ کا شکوہ اور جزع فزع کر کے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خرچ کرنے کے بجائے روک دیتا ہے۔

ف : الانسان کی الف لام جنس کی ہے اور ظلم و کفرانِ نعمت کے حکم کے مصداق وہ لوگ ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جائیں۔ (کذا فی الارشاد)

حکایت عجیبہ ایک تنگدست اور مفلس نے کسی کامل بزرگ سے اپنی تکالیف و شدائد کی شکایت کی۔ اس بزرگ نے فرمایا کہ اگر تجھے دس ہزار روپیہ دے کر اندھا بنا دیا جائے کیا تم اسے گوارا کرو گے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا اگر تیرے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر تجھے بیس ہزار روپیہ دیا جائے تو تُو مان لے گا؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: اگر دس ہزار روپے دے کر تجھے پاگل بنا دیا جائے تو تُو خوش ہو گا؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا: بیوقوف! تجھے اس کریم نے یہ اشیاء مفت عنایت فرمائی ہیں پھر بھی اس مالک کا شکوہ کرتے ہو۔

حکایت ایک بادشاہ کے ہاں حضرت سماک تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ بادشاہ ایک پانی کا پیالہ پینے کے لیے ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے حضرت سماک سے عرض کی کہ آپ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسی سخت پیاس ہو کہ آپ جاں بلب ہو رہے ہوں اور کوئی تجھ سے کہے کہ کل جائداد منقولہ غیر منقولہ کے بدلے ایک پیالہ دیا جائے گا کیا تُو اپنی جائداد دے کر وہ پانی کا پیالہ لینا گوارا کرے گا؟ اس نے کہا جائداد جان سے پیاری نہیں جائداد دے دوں گا۔ پھر فرمایا: اگر تیری شاہی کے بدلے اس وقت پانی کا پیالہ ملے تو؟ بادشاہ نے کہا بادشاہی دینا بھی منظور کروں گا۔ آپ نے فرمایا: جب صرف پانی کا پیالہ تیری شاہی کی قیمت ہے تو پھر ایسی شاہی کا کیا اعتبار!

سبق : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے صرف ایک گھونٹ پانی ایک ایسی نعمت ہے کہ جس پر بندہ ساری خدائی قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے تو پھر دیگر نعمتوں کا کیا کہنا۔ بلکہ انسان کو ایک سانس کی قیمت بھی ادا کرنا مشکل ہے کہ اگر ایک بار سانس بند ہو جائے اور اسے کہا جائے کہ یہ تب کھلے گا جب تو مقبوضہ ساری خدائی قربان کر دے۔ تو وہ ساری خدائی قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر اسے کسی گرم حمام یا ایسے کنویں میں بند کر دیا جائے جس میں ہوا کے سخت جھٹکے لگتے ہوں، تو ایسی سخت اور گندی فضا سے جاں بلب ہو جانے پر ساری خدائی قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کے بدن میں ایسی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا احصا کسی سے نہیں ہو سکتا۔

۵

۱ نعمت حق شمار و شکر گذار
نعمتش را اگرچہ نیست شمار

Scanned with CamScanner

۲ شکر باشد کلید گنج مزید
گنج خواہی منہ ز دست کلید

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کر اگرچہ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔
۲۔ شکر اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجی ہے اگر خزانہ چاہیے تو چابی ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ الذی خلق السموٰت اللہ وہ ہے جس نے قلوب کے سماوات پیدا فرمائے والارض اور نفوس کی زمینیں بھی وانزل من السماء اور قلوب کے سما سے نازل فرمایا ماء حکمت کا پانی فاخرج بہ من الثمرٰت پس حکمت کے پانی سے طاعات کے ثمرات ظاہر فرمائے رزقا لکم تمہارے ارواح کا رزق اس لیے کہ طاعات ارواح کی غذائیں جیسے اطعمہ ابدان کی غذائیں و سخر لکم الفلک اور تمہارے لئے مسخر کردیں شریعت کی کشتیاں لتجری فی البحر تاکہ وہ بحر حقیقت میں جاری ہوں بامرہ امر حق سے نہ امر ہویٰ اور طبع سے اس لیے کہ شریعت کی کشتیوں کو اگر طبیعت اور خواہش نفسانی سے چلاجائے تو وہ کشتیاں جلد ترٹوٹ جاتی ہیں بلکہ غرق ہو جاتی ہیں انہیں حقیقت کے ساحل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر وہ امرالہی سے چلیں یا انہیں حقتعالیٰ کے ملاح چلائیں تو بیڑا پار ہو جاتا ہے۔ حقتعالیٰ کے ملاح مشائخ عظام اور اولیائے کاملین ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ — اللہ و رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ۔ — جو میرے امیر کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔

آیۃ وحدیث سے امیر سے شیخ کامل اکمل مراد ہے۔

سبق: بحر حقیقت میں بہت سی شریعت کی کشتیاں چلتی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ خواہش نفسانی اور طبع حیوانی سے جاری ہوتی ہیں۔ بنا بریں وہ خواہشات کی ہواؤں کے جھونکوں اور دھوکا کی لہروں کی طغیانی سے پاش پاش ہو کر غرق ہو جاتی ہیں۔ انہیں حقیقت کا کنارا نصیب نہیں ہوتا۔

وسخر لکم الانہر اور تمہارے لیے علوم لدنیہ کے دریا مسخر فرمائے وسخر لکم الشمس اور تمہارے کشوف کے سورج والقمر اور مشاہدات کے قمر مسخر فرمائے دائبین درانحالیکہ وہ کشوف و مشاہدات تمہارے لیے دائمی ہوتے ہیں وسخر لکم الیل اور تمہارے لیے بشریت کی شب والنہار اور روحانیت کے دن مسخر فرمائے۔ (باقی بر صفحہ ۳۹۱)

Scanned with CamScanner

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ
اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ
اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ
اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ
مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ
اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

ترجمہ: اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب تعالیٰ اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور
میری اولاد کو بت پرستی سے بچا اے میرے رب تعالیٰ بتوں سے بہت سے لوگوں کو بہکا دیا ہے سو جو میری پیروی
کرے تو وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے اے ہمارے رب تعالیٰ میں نے اپنی
کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے نزدیک ایک ایسی وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہوتی اے رب ہمارے
اس لیے کہ وہ نماز قایم کریں تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور کچھ پھلوں سے انھیں کھانے کو
عطا فرما شاید وہ احسان مانیں اے رب ہمارے تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور
اللہ تعالیٰ سے کوئی شے مخفی نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے
بڑھاپے میں اسماعیل واسحاق (علیہما السلام) عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب تعالیٰ دعا سننے والا ہے اے
میرے رب مجھے نماز کا قایم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی اے رب ہمارے میری دعا قبول فرما۔
اے رب ہمارے مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام مومنوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہوگا۔

(بقیہ تفسیر ص ٣٩٠)

ف: ان کی تسخیر کا معنی یہ ہے کہ قبول فیض الٰہی (جو تمام مخلوقات سے صرف انسان کے لیے مختص کیا گیا ہے) کی استعداد کی
تکمیل کے لیے ان اشیاء مذکورہ کو سبب بنایا جاتا ہے۔

و اتٰکم من کل ما سالتموہ اور تم نے جو چاہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرما دیا۔ اس میں اس استعداد کی طرف
اشارہ ہے جو ہر انسان کو ازل میں عطا ہوئی جبکہ انسان نے عرض کی یا اللہ! ہمیں اپنے فیض کے قبول کرنے کے لیے وہی استعداد عطا

Scanned with CamScanner

فرمادے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ بیشک ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا۔

یہ اسی ازلی استعداد کی طرف اشارہ ہے پھر انسان کو وہاں سے آزمائش کے لیے اسفل السافلین کی طرف منتقل فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

ثم رددناہ اسفل السافلین۔

جب انسان اسفل السافلین کی طرف منتقل ہونے لگا تو اس نے عرض کی: اے الٰہ العالمین! مجھے ایسے اسباب عطا فرما دے جو مجھے اسفل السافلین سے نکال کر اعلیٰ علیین تک پہنچا دیں۔

ان آیات پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کل کائنات حضرت انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے گویا اصل مقصود حضرت انسان ہے باقی کل کائنات اسی کے طفیل ہے۔ **یہ جہان تیرے لیے اور تو خدا کے واسطے** اسی لیے ہم نے کہا کہ یہ کل اشیاء انسان کی تکمیل کے لیے ہیں۔ خود حضرت انسان ایسی بے نظیر نعمت ہے کہ اس کا احصاء بھی ناممکن ہے اور اس کی تابع نعمتوں کا شمار کیسا اور ان سب کے فوائد دائمی طور انسان کو نصیب ہوں گے اور وہ فوائد بھی غیر محدود ہیں۔ بالخصوص وہ نعمتیں زیادہ قابلِ قدر ہیں جو عواطف الوہیت اور عوارف ربوبیت سے متعلق ہیں۔

ان الانسان لظلوم جب انسان حق سے روگردانی کر کے باطل کی طرف میلان رکھتا ہے تو ازلی استعداد کامل کو ضائع کر دیتا ہے اس لیے وہ ظالم کہلایا **کفار** جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔ جب ان کی قدر شناسی نہ کرتے ہوئے شکرِ الٰہی بجا نہیں لاتا تو وہی نعمتیں اس کے لیے عذابِ الٰہی بن جاتی ہیں اس معنے پر اسے کفار کہا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ یاد کیجئے اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! ابراہیم علیہ السلام کی اس گھڑی کو جب وہ کعبہ معظمہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر کہہ رہے تھے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اے اللہ تعالیٰ بنا دے اس شہر مکہ کو اٰمِنًا امن والا یعنی اس کے مکینوں کو امن و عافیت عطا فرما کر انہیں تمام تکالیف و شدائد سے امن ہو۔ مثلاً نہ وہ کسی کے قتل سے خوف کریں، نہ انہیں کسی کی لوٹ مار کا خطرہ ہو اور نہ انہیں ایسے امراض کا ڈر ہو جو تباہ کن ہیں۔ جیسے برص، کوڑھ وغیرہ

ف: امن کا اسناد البلد کی طرف مجازی ہے صرف اس مناسبت سے کہ وہیں پر امن حاصل ہوگا ورنہ درحقیقت امن تو اہلِ بلد کو نصیب ہوگا۔

Scanned with CamScanner

وَاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اور مجھے اور میری اولاد کو دُور رکھنا۔ اجنب از باب نصر ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، جنبتہ نصرتہ کی طرح جنبت و اجنبت۔ اجنبت و جنبت کا ایک معنیٰ ہے بمعنیٰ ابعدت یعنی میں نے دُور رکھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے اور انھیں دُور رکھنا اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یہ کہ ہم بُت پرستی کریں یعنی ہمیں بت پرستی سے علیٰحدہ دُور کے کنارے پر رکھنا اور جیسے ہم تیری توحید اور اسلام اور ملتِ حق پر ہیں اسی پر ہمیں ثابت قدمی بخشنا۔

ف: مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی قوم کو دیکھا کہ وُہ بُت پرستی میں مبتلا ہے تب آپ نے یہ دُعا فرمائی۔

ف: فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر عمرو بن لحی تک تمام اہل عرب بت پرستی کی لعنت سے محفوظ رہے۔ لیکن جب اس خبیث نے بت پرستی کا آغاز کیا تو اکثر قبائل اس میں مبتلا ہوئے اور عمرو بن لحی خزاعہ کا لیڈر تھا اس نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو بگاڑ کر عرب میں گمراہی کے کئی جال بچھائے کعبہ معظمہ میں سب سے پہلے اسی نے بت نصب کیے اور کعبہ میں بت پرستی کا آغاز کر کے تمام قبائل کو اس کی دعوت دی۔ اس سے کعبہ میں بت پرستی کی لعنت شروع ہوئی۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ارض مقدسہ کے باشی اکثر بت پرست تھے آپ نے دُعا فرمائی کہ ان کی اولاد ان کی طرح بت پرستی میں مبتلا نہ ہوجائے کیونکہ ارض مقدسہ کے مقیموں کا کردار دُوسروں پر جلد اثر انداز ہوتا تھا اس لیے آپ نے اپنی اولاد کے لیے دُعا فرمائی۔

سوال: ابراہیم علیہ السلام کی دُعا مسترد ہو گئی (معاذ اللہ) اس لیے کہ آپ کی اولاد بت پرستی میں مبتلا ہُوئی۔ قریش بت پرست تھے اور قریش حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

جواب ۱: دُعا مستجاب ہُوئی کیونکہ نہ آپ نے بت پرستی کی اور نہ ہی آپ کے پوتوں پرپوتوں نے۔ ہاں کئی پشتوں کے بعد یہ سلسلہ جاری ہوا۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے خلاف نہیں۔

جواب ۲: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس دعا سے مقصد یہ تھا کہ میری اولاد میں یہ سلسلہ قائم رہے کہ کلمۂ توحید ان میں الیٰ یوم القیٰمۃ باقی رہے۔

چنانچہ اس تقریر کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وجعلها كلمة باقية فى عقبه۔ اور اللہ تعالیٰ نے توحید کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں رکھا۔

یہ آیت حٰمٓ زخرف سورۃ میں ہے اور ظاہر ہے کہ آپ کی تمام اولاد بت پرستی میں مبتلا نہیں ہوئی تھی ان میں بہت سے خوش قسمت ایسے گزرے ہیں جنھیں بت پرستی سے فطرۃً نفرت تھی۔ (جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ) بلکہ احادیث صحیحہ سے ایسے حضرات کے لیے تصریح بھی ہے، چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا تسبوا مضر فانه كان على ملة ابراهيم۔ مضر کو گالی مت دو کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ صدیاں گزر جائیں زمانے ختم ہو جائیں لیکن کلمۂ توحید ان کی اولاد سے نہ نکلے کثرت وقلت کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک توحید کا دامن مضبوطی سے پکڑنے والے اگر کوئی تھے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ (صاحب روح البیان فرماتے ہیں) یہ میری ذاتی تحقیق ہے جو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی توفیق سے عرض کر دی ہے۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے یہی تقریر موزوں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو ہم مسلمان موحد مانتے ہیں ان کو مومن و موحد ثابت کرنے کے لیے یہی تقریر موزوں ہے)

نکتہ وقاعدہ تفسیریہ الاصنام جمع لانے میں اشارہ ہے کہ جس غیر اللہ کی عبادت کی جائے وہی صنم ہے اور جمع کے صیغے سے ہر فرد شامل ہو گیا اس لیے قاعدہ ہے کہ وہ جمع جو معرفہ باللام ہو اس کے ہر فرد کو شامل ہوتا ہے جیسے مفرد کے صیغے پر الف ولام داخل ہو تو اس سے ہر فرد مراد ہوتا ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ یعنی ائمہ تفسیر واصول و نحو کا یہی مذہب ہے۔ اب معنی یہ ہوا جسے صنم سے تعبیر کیا جائے اس سے مجھے اور میری اولاد کو بچا لیجیے۔ (کذافی بحرالعلوم)

ف : اس سے صرف سونے اور چاندی سے اجتناب کی دعا کی ہے اس لیے کہ نبوت کے لیے بت پرستی کا توہم تک نہیں ہوتا۔ اس معنے پر مطلب یہ ہوا کہ آپ نے دنیا کی دھوکہ سازی سے بچنے کی دعا کی ہے۔ (امام غزالی)

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ امام غزالی کا سونے چاندی کی تخصیص کر کے دنیا مراد لینا بجا ہے کیونکہ یہی سونا چاندی تو ہے جس کی محبت سے انسان جلد تر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طالب دنیا کو دراہم و دنانیر کے پجاریوں سے تشبیہ دی ہے۔ کما قال تعالیٰ :

تعس عبد الدراھم تعس عبد الدنانیر۔ یعنی دراہم و دنانیر کے پجاریوں کے لیے ہلاکت ہے۔

ف : امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دراہم و دنانیر کی گمراہی میں عظمت کے پیش نظر ان دونوں کا نام لیا ہے ورنہ ہر وہ شے جو از قبیل خواہش نفسانی ہو (صوفیا کے نزدیک) وہی صنم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ ۔ کیا اسے نہیں دیکھتے ہو جو اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بناتا ہے۔

(کذافی التاویلات النجمیہ)

فائدہ صوفیانہ نفس کا صنم دنیا اور قلب کا صنم عقبیٰ اور روح کا صنم درجات علیا اور سِر کا صنم قربت الٰہی کا عرفان اور خفی کا صنم مکاشفات ومشاہدات وانواع کرامات کے شوق میں لگا رہنا عارف کامل کا مقصد وحید صرف فناء فی اللہ ہے ؎

سالک پاک رو نخواند شش
ہر کہ از ماسویٰ منزہ نیست

ترجمہ : سالک اسے پاک رو کہتے ہی نہیں جو ماسویٰ اللہ سے پاک اور منزہ نہیں۔

Scanned with CamScanner

صاحبِ روح البیان کے پیرومرشد کی عارفانہ تقریر

(اسماعیل حقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) مجھے میرے شیخ نے ایک خصوصی مجلس میں فرمایا کہ دُنیا دار بہت ہیں اور عقبیٰ کے طالب قلیل ہیں۔ اور طالب المولیٰ اس قدر کم ہیں جیسے سلاطین و ملوک کہ مملکت و سلطنت کے مالک وہی حضرات ہوتے ہیں لیکن وہ بہ نسبت وزراء کے بہت قلیل ہوتے ہیں، اسی طرح وزراء دوسرے صاحبانِ اقتدار سے کم، اور صاحبانِ اقتدار عوام کی بہ نسبت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ اور عوام کی نسبت سمجھیے۔

سبق صُوفیانہ

اہلِ حق کے لیے لازم ہے کہ وہ مطلقاً اصنام اور حجابات سے کنارہ کش ہو جائیں۔ یاد رہے کہ سب سے بڑا بُت اور بہت بڑا حجاب انسان کا اپنا وجود ہے جسے ہستی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ﮯ

ہستی بود وجود مغربی لات و منات او بود
نیست بُتے چو بود او در ہمہ سومنات تو

ترجمہ: ہستی، بود، وجود یہ تمام لات و منات ہیں۔ ہستی سے بڑھ کر اور کوئی بت نہیں ہے۔

ردِّ منکرینِ عصمتِ انبیاء[1] علیٰ نبیّنا وعلیہم السلام

آیت میں دلیل ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر گناہ سے (بتوفیقہ تعالیٰ) معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات میں گناہ پیدا ہی نہیں کرتا اگرچہ انہیں اس گناہ کے ارتکاب کی طاقت و قوت بھی ہو۔ اسی لیے حضرت شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

العصمۃ لا تزیل المحنۃ۔ معصوم ہونا ایمان وغیرہ کے مکلف ہونے کے منافی نہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ ایمان و اعمال صالحہ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہے کہ وہ کریم اسے ایمان پر ثابت قدم رکھے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اور اپنی اولاد کی ایمان پر ثابت قدمی کی دُعا مانگی۔

حکایت

حضرت یحییٰ بن معاذ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی دعا میں کہتے، اے اللہ تعالیٰ! مجھے سرور و فرحت صرف ایمان کی وجہ سے ہے اور مجھے یہ بھی خوف رہتا ہے کہ یہ مجھ سے چھن نہ جائے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ جب تک میرے دل میں تیرا خوف ہے مجھ سے ایمان نہیں چھینا جائے گا۔

رَبِّ اے میرے پروردگار! اِنَّهُنَّ بیشک وہ بُت اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بہت سے لوگوں کو گمراہ

---

[1] دیوبندی وہابی غیر مقلد اور مودودی وغیرہ اگرچہ بظاہر عصمتِ انبیاء کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کے اپنے اقوال ان کے دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ حوالہ جات "دیوبندی بریلوی فرق" میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

کر چکے ہیں۔ اسی لیے میں اپنے اور اپنی اولاد کے لیے دعا کرتا ہوں کہ تو ہمیں ان کی گمراہی سے بچا لینا کیونکہ تیری پناہ کے بغیر بہت سے لوگ ان کی گمراہی کا شکار ہو گئے۔

ف : گمراہ کرنے کی نسبت بتوں کی طرف مجازی ہے کیونکہ وہی گمراہی کا سبب بنے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دھوکہ دہی کی نسبت دنیا کی طرف فرمائی ہے۔ کما قال تعالیٰ :

غرتهم الحيوة الدنيا۔ یعنی چونکہ حیاتِ دنیا ان کے دھوکہ دہی کا سبب بنی اس لیے دھوکہ دہی کو اسی کی طرف منسوب کیا گیا۔

ف : بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اضلال کی نسبت بتوں کی طرف حقیقت ہے مجاز نہیں اس لیے کہ شیاطین بتوں کے اندر داخل ہو کر بولتے تھے لوگ بتوں کے بولنے سے گمراہ ہو جاتے۔

معجزہ نبوی منقول ہے کہ ایک شیطان ابوجہل کے بت میں داخل ہو کر متحرک ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بجا اس کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جن کو حکم دیا کہ اسے جا کر قتل کر دے۔ اس جن نے آکر اس شیطان کو قتل کر دیا۔ جب دوسرا دن ہوا اور کفار اسی خوشی میں اس بت کے گرد جمع ہو گئے کہ وہ آج بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرے گا۔ چنانچہ وہ بت پہلے کی طرح متحرک ہو کر کہنے لگا :

لا الٰه الا الله محمد رسول الله و انا	لا الٰه الا الله محمد رسول الله میں بت ہوں
صنم و لا ينفع و لا يضر ويل لمن عبد ني	کسی قسم کا نفع و نقصان نہیں دے سکتا خرابی ہے
من دون الله۔	اسے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میری پرستش کرتا ہے۔

جب کافروں نے یہ کلمات سنے تو ابوجہل اٹھا اور اس نے بت کو پاش پاش کر دیا اور کہا :

ان محمداً سحر الاصنام۔	بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں پر بھی جادو کر دیا ہے۔

کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بشکن بت غرور کہ در دین عاشقاں
یک بت کہ بشکنند بہ از صد عبادتست

ترجمہ : غرور کے بت کو توڑ دو اس لیے کہ عشاق کے مذہب میں ہزار عبادت سے ایک بت کو توڑنا بہتر ہے۔

فَمَنْ پس جو شخص تَبِعَنِیْ ان میں سے میری تابعداری کرے اس میں کہ جو میں توحید اور ملتِ اسلامیہ کی طرف دعوت دیتا ہوں فَاِنَّهٗ مِنِّیْ بیشک وہ میرا ہے۔ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے اور اسے بطور تشبیہ لایا گیا ہے کہ گویا تابعدار میرا جزو ہے اس لیے کہ میری اتباع سے مجھ سے جدا نہیں۔

Scanned with CamScanner

اس (مذکورہ بالا) قول کی نظیر حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف من غشنا فلیس منا۔ جو ہمارے ساتھ دھوکا کرتا ہے وہ ہم سے نہیں[1]

یعنی وُہ مسلمانوں کے گروہ سے نہیں اس لیے کہ مسلمان کے افعال و اقوال اور اوصاف میں دھوکا کرتا نہیں **وَمَنْ عَصَانِیْ** اور وہ جو میری نافرمانی کرتا ہے یعنی میری اتباع نہیں کرتا۔ ہم نے یہ معنٰی اس لیے کیا ہے کہ یہ ضمن تبعنی کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے جیسے کفر کا لفظ جب شکر کے مقابلے میں واقع ہو تو وہاں کفر بمعنٰی ناشکری کے ہوتا ہے۔ **فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ** بےشک تُو غفور رحیم ہے یعنی تو ابتداءً توبہ کے بعد ان کے گناہ بخشنے پر قادر ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو بندے کے تمام گناہ بخش دے یہاں تک کہ شرک بھی۔ لیکن چونکہ شرک کے نہ بخشنے کی وعید دُوسری آیت میں صراحۃً مذکور ہے اس لیے اسے مستثنٰی رکھا جائے تاکہ شرک و غیر شرک میں فرق رہے۔

مسئلہ: شرک کسی طریق سے بھی نہیں بخشا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ بےشک اللہ تعالیٰ مشرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

اگرچہ عقل کا تقاضا ہے کہ اسے بھی بخش دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کو عذاب دینے سے درگزر کرنا اس کی شان کے لائق ہے کہ بندے کو ایسا نفع بخشے کہ اس سے کسی دوسرے کا نقصان نہیں۔ امام اشعری کا یہی مذہب ہے لیکن چونکہ دلیل سمعی اور نص قطعی کے منافی ہے اس لیے عقل کو اس میں دخیل نہیں بنایا جا سکتا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے ومن عصانی فرما کر بارگاہِ حق تعالیٰ کا ادب فرمایا ہے ورنہ انہیں ومن عصاک فرمانا چاہیے تھا اس لیے کہ آقا و مولیٰ کی نافرمانی کر کے اسے رحمت و مغفرت کا مستحق نہیں بنایا جاتا حالانکہ اپنے نافرمان کے لیے مغفرت و رحمت کی درخواست بھی کر دی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں ایک بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے وہ یہ کہ میرا نافرمان اگرچہ اس لائق ہے کہ میں اس کے لیے بخشش اور رحمت کی دعا مانگوں کیونکہ انسانی فطرت اور نفسانی طبیعت کا تقاضا یونہی ہے لیکن تُو بہت بڑا رحیم و کریم ہے تیری رحمت اور تیرے لطف و کرم کا تقاضا یونہی ہے کہ ایسے مجرم کو بخش دیا جائے کیونکہ تیرا نام غفور رحیم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ اے حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت! جو میرا ذاتی حق ہے وہ میں نے تمہیں معاف کر دیا اور جو اس کے تبعات ہیں وُہ بھی تم ایک دوسرے کو معاف کر کے میری بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

---

[1] اسی محاورہ سے ہے: الحسین منی و انا من الحسین۔ (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں) لیکن شیعوں اور بعض جہال نے اس کا کچھ اور معنٰی لیا ہے۔

ف : التبعات، تبعہ بکسر التاء کی جمع ہے بمعنے ما اتبعہ بہ من الحق۔

حکایت حضرت یحیٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے بارگاہِ حق میں عرض کی کہ اے الٰہ المطیعین! اگر تیرا ثواب مطیعین کے لیے ہے تو تیری رحمت گنہگاروں کے لیے۔ یہ تیرا بندہ اگرچہ مطیع نہیں لیکن پھر بھی تیرے ثواب سے نا امید نہیں۔ اور اگرچہ گنہگار ہے تاہم تیری رحمت کا امیدوار ہے۔

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گنہگار انند

ترجمہ : ہمیں بہشت ضرور نصیب ہوگی اے معترض خدا شناسی کا دم بھرنے والو جاؤ تم اپنا کام کرو اس لیے گنہگار ہی کرامت (کرم نوازی) کے مستحق ہیں۔

تفسیر عالمانہ رَبَّنَآ اے ہمارے رب کریم۔ جمع کا صیغہ اس لیے ہے کہ آیت کا تعلق ذریتِ ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔

نکتہ : وصفِ ربوبیت اس لیے لایا گیا ہے کہ بندوں کے بارگاہِ حق میں قبول ہونے کے لیے اس وصف کو زیادہ دخل حاصل ہے۔

اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ اور بیشک میں نے ٹھہرایا اپنی بعض اولاد کو اس سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی اولاد مراد ہے۔

سوال : حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہما السلام کو تو ٹھہرا آئے تھے تم نے اولادِ اسماعیل کہاں سے لے لیا۔

جواب : چونکہ اسماعیل کی سکونت ان کی اولاد کو بھی متضمن ہے اس لیے ہم نے ان کی اولاد کا نام بھی لیا ہے۔

بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ ایک وادی میں جو کھیتی والی نہیں۔ اس سے وادیٔ مکہ مراد ہے کیونکہ وہ سنگلاخ زمین ہے اس میں کھیتی وغیرہ پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا محاورہ دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا : قرآنا عربیا غیر ذی عوج۔ یعنی قرآن عربی خالص ہے اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں ہے اس میں استقامت ہی استقامت ہے۔

ف : الشیخ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے وہاں نہ پانی ہے اور نہ ہی اس میں کھیتی کرنے کی صلاحیت ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھتے ہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کی بات ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے زمانے میں وہاں پانی وغیرہ کی فراوانی ہے۔

عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ یہ اسکنت کی ظرف ہے جیسے کہا جاتا ہے : صلیت بمکۃ عند الرکن۔

Scanned with CamScanner

بیتك المحرم سے کعبہ معظمہ مراد ہے اور یہ اضافت تشریفی ہے اور اسے محرم اس کی عزت و عظمت کی وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ عزت و حرمت والا اور کوئی شہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سموات و ارض کی تخلیق کے وقت سے اس میں برائی اور تکلیف دینے کے درپے ہونے کو حرام فرمایا ہے۔

مسئلہ : اس میں قتال اور شکار حرام ہے اور اس میں احرام کے بغیر داخل ہونا بھی ناجائز ہے۔ طوفانِ نوح اس میں داخل نہ ہوسکا۔ طوفان سے بچے رہنے کی وجہ سے اس کا نام عتیق رکھا گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بیتك المحرم سے قلب مراد ہے اور یہ محرم اس لیے ہے کہ اس میں غیر اللہ کا داخلہ حرام ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ :

حدیث قدسی لا یسعنی ارضی و لا سمائی و انما یسعنی قلب عبدی المومن۔

نہ زمین اور نہ آسمان میرا مرکز مومن کا قلب ہے۔

شعر

آنکہ ترا گوہر گنجینہ ساخت

کعبۂ جان در حرم سینہ ساخت

ترجمہ : وہ ذات کہ جس نے تجھے گوہر حقیقت کا خزانہ بنایا ہے بلکہ کعبہ کی جان تیرے سینے کو بنایا ہے۔

تفسیر عالمانہ ربنا اسے مکرر لایا گیا ہے تاکہ ما بعد کے مضمون میں کمال عنایت کا اظہار ہو لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ یہ لام کئ ہے اور اسکنت کے متعلق ہے۔ یعنی اے اللہ کریم ! میں نے اپنی اولاد اور اپنے اہل کو اس سنگستان وادی میں جو ہر آسائی اور آرام اور عیش و عشرت سے خالی ہے صرف اس لیے ٹھہرا رہا ہوں تاکہ وہ تیرے حرم یعنی بیت اللہ شریف میں تیری نمازیں قائم کریں۔

سوال : آیت میں صرف نماز کا ذکر ہے تم نے عیش و عشرت وغیرہ کا اضافہ کیوں کیا ؟

جواب : بواد غیر ذی زرع کے قرینے سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اہل و عیال کو ٹھہرانے کی اور کوئی دنیوی غرض و غایت نہیں تھی۔

سوال : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف نماز کی تخصیص کیوں فرمائی حالانکہ بیت اللہ شریف میں اور عبادات بھی ادا کی جاتی ہیں۔

جواب : چونکہ نماز تمام عبادات کی سرتاج ہے اس لیے اس کی تخصیص فرمائی۔

سوال : یہ تمام عبادات کی سرتاج کیوں ؟

جواب : اصلاح نفس اس سے بہتر طریق سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش تو اس سے گریز کرتے تھے اور آج بھی انسان

بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔ لیکن نماز کا کہا جائے تو اس کا جی گھبراتا ہے وہ صرف اس لیے کہ نفس کی سرکوبی اس سے ہوتی ہے اس لیے اس سے اس کا جی گھبراتا ہے۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ افئدۃ . فواد کی جمع ہے بمعنے قلب اور افئدۃ بمعنے قلوب۔ اور من تبعیضیہ ہے یعنی اے اللہ کریم! بعض لوگوں کے دل بنا دے تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ ان کی طرف دوڑتے ہوئے۔ یعنی لوگوں کی محبت اور شوق کا یہ عالم بنا دے کہ وہ میری اولاد حرم نشین کے لیے بے تاب اور بے قرار رہیں۔ ھوی یھوی از باب ضرب۔ ھویا بمعنے اوپر سے نیچے نہایت ہی تیزی سے گرنا؛ اور صعد وارتفع کے معنی میں بھی آتا ہے (کذا فی کتب اللغۃ) اگر از باب علم ہو تو بمعنے احب ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے، ھویہ ھوی بمعنے احبہ۔ فلاں سے فلاں نے محبت کی۔ جب الی سے متعدی ہو تو اس وقت شوق کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور اس میں الی کے متعدی ہونے کے وقت نزوع کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ ہوا کہ اے اللہ تعالیٰ! بعض لوگوں کے دل میری اولاد کے لیے بیقرار بنا دے تاکہ دُور دُور سے آکر ان کی خدمت کریں۔

ف: یہاں پر آلِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد ہے اور وُہ بھی اہلِ ایمان۔

نکتہ: من تبعیضیہ کا اضافہ نہ فرماتے تو اہلِ مکہ کو فارس وروم اور ترک اور ہند (و پاکستان) کے لوگ گھیر لیتے یہاں مکہ کہ وہاں تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی۔ (باوجودیکہ من تبعیضیہ ہے لیکن پھر بھی غیر ملکیوں کی مکہ معظمہ میں اس قدر بہتات ہے کہ مکہ نشینوں کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے)[1] ؎

آنرا کہ چناں جمال باشد

گر دل ببرد حلال باشد

و آنکس کہ بر آنچناں جمالے

عاشق نشود وبال باشد

ترجمہ: جسے اللہ تعالیٰ حُسن و جمال بخشے اگر وہ عشاق کے دل چھین لے تو اس کیلیے جائز ہے اور جو بدبخت ایسے حُسن وجمال سے عشق نہیں رکھتا اس کی زندگی اس کے لیے وبالِ جان ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دو بجرم نہ کہ بران خوش حریم

ہست سیہ پوش نگارے مقیم

قبلۂ خوبان عرب روے او

سجدۂ شوخان عجم سوے او

---

[1] یہ بکہ ہمارے دور (۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ) میں غیر ملکیوں کو دھکے مار کر باہر نکالا جا رہا ہے تب بھی لوگ وہاں سے واپسی کا نام نہیں لیتے ۱۲

Scanned with CamScanner

ترجمہ: حرم شریف میں جاکر سجدہ ریز ہو جا یئے کیونکہ وہیں محبوب سیاہ برقع میں محجوب ہے۔ عرب کے محبوبوں کا قبلہ بھی وہی ہے اور عجم کے حسینوں کی سجدہ گاہ بھی وہی۔ 26

وَارْزُقْهُمْ عطا فرما میری اولاد کو جسے میں نے اس وادی غیر ذی زرع میں ٹھہرایا ہے۔ یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس مقام پر آکر مقیم ہونے۔

سوال: آل کو مطلق کیوں رکھا حالانکہ پہلے پارہ میں صرف اہلِ ایمان کی قید لگائی تھی۔ کما قال:

وارزق اھلہ من الثمرات من اٰمن | اور اس کے اہل کو ثمرات عطا فرمائیں انھیں
باللہ والیوم الاٰخر۔ | جنہیں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو۔

جواب: چونکہ لفظ اقامۃ الصلوٰۃ کا پہلے ذکر فرما چکے ہیں اس قرینے سے اہلِ ایمان خود بخود مخصوص ہو گئے۔

مِنَ الثَّمَرَاتِ یعنی ہر قسم کے ثمرات۔ ان کے لیے یوں آسانی ہو کہ مکہ معظمہ کے قرب و جوار کی بستیوں میں سبزیوں اور کھیتیوں کی فراوانی ہو تاکہ یہاں کے لوگوں کو آسانی سے فراہم ہو سکیں یا دور دراز کے علاقوں سے ایسے اسباب مہیا فرما کہ وہاں سے یہاں تک ہر قسم کے ثمرات بتعجیل پہنچ سکیں۔ حتیٰ کہ ربیع و خریف اور سرما و گرما کے میوہ جات ایک ہی دن میں یہاں پہنچ جائیں اور ہر وقت مل سکیں۔

اعجوبہ: طائف شریف مکہ معظمہ سے صرف تین منزلیں بعید ہے حالانکہ یہ فلسطین کے علاقے کا ایک ٹکڑا ہے اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے اسے وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھا تاکہ اہلِ مکہ کو ثمرات آسانی سے حاصل ہو سکیں۔

لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ تاکہ وہ لوگ نماز ادا کرکے اسی طرح تمام عبادات بجا لا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کریں۔

ف: علماء کا اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کعبہ کی بناء کے بعد مانگی تھی یا اس سے پہلے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ پہلے دعا مانگی تھی بعدہٗ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ جو لوگ بعد تعمیر کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی دلیل رب اجعل ھذا البلد ہے اس لیے کہ اسم اشارہ کا اشارہ حسی ہونا چاہیے نیز ان کی دلیل "عند بیتک المحرم" اور الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل واسحاق " بھی ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام قبل تعمیر کعبہ موجود نہیں تھے۔ جو حضرات تعمیر کعبہ کے بعد دعا کے قائل ہیں وہ اسم اشارہ کو معہود فی الذہن بتاتے ہیں کہ اگرچہ اس شہر کی شہریت اس وقت متحقق نہیں تھی لیکن تعین فی الذہن ہو چکا تھا۔ اور یہ قاعدہ عام ہے کہ شے کے وجود سے پہلے تعین فی الذہن پر اشارہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مکہ معظمہ کی جگہ تو تخلیق ارض کے وقت متعین ہو چکی تھی۔ اس معنے پر بھی اشارہ حسیہ جائز ہوا۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مقصد یہ تھا کہ اُن کی اولاد کی طرف ان کے ساتھ مکہ معظمہ میں سکونت کے لیے لوگوں کے دل لگ جائیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حج بھی پڑھیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں

Scanned with CamScanner

حج کی نہ تصریح کی ہے نہ کنایہ۔ اس سے صرف یہ سمجھنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حج کے لیے دُعا مانگی تھی یہ صحیح نہیں۔ البتہ ضمناً اسے لے لیا جائے تو کوئی حرج نہیں ورنہ ان کا اصل مقصد وہی تھا جو اُوپر مذکور ہوا اگر صرف حج مقصود ہوتا تو تھوی الیہ فرماتے۔ اس سے شہر کے ضمن میں حج کا قصد بھی شامل ہو جاتا۔

ف: تیسیر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ،

حبب هذا البیت الی عبادك لیاتوه فیحجوه۔ اے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل میں اس کی محبت پیدا فرما تاکہ وہ اس میں حاضر ہو کر حج پڑھیں۔

سوال: بیت تو تعمیر شدہ مکان کو کہا جاتا ہے جس وقت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی اس وقت تو عمارت نہیں تھی بلکہ اس وقت مٹی کا ڈھیر تھا یہاں تک کہ سخت بارشوں میں پانی اس کے گرد ادھر بائیں پھر جاتا تھا۔ (الارشاد)

جواب: چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں یہ تعمیر شدہ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی سابقہ تعمیر کے پیش نظر دعا فرمائی تھی اور سب کو معلوم ہے کہ کعبہ کی تعمیر متعدد بار ہوئی اور یہ نہیں پتا کہ کتنی بار ہوئی۔ اس کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے۔ کاشفی نے عند بیتك المحرم کے تحت لکھا ہے کہ اس سے کعبۃ اللہ کی خالی جگہ مراد ہے جو کہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں تعمیر شدہ تھی۔ (الارشاد)

ف: ضراح بروزن غراب وہ تعمیر شدہ جگہ جو چوتھے آسمان میں واقع ہے۔ (کذا فی القاموس)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت کی وجہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ بی بی سارہ کی ایک کنیز تھیں جن کا نام بی بی ہاجرہ تھا، بی بی سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی تھیں۔ آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ چونکہ بی بی سارہ کی اولاد نہیں تھی اپنی کنیز کو صاحب اولاد دیکھ کر طبعی غیرت ہوئی اور قسم کھائی کہ ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے کو شام کے علاقے میں نہیں رہنے دیں گی اور ایسی جگہ انھیں رکھنے کی تجویز بنائی جہاں نہ پانی ہو نہ آبادی۔ اس سے حضرت ابراہیم کو تامل ہوا کاشفی صاحب نے لکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جیسے سارہ فرماتی ہیں ویسے کرو۔ چنانچہ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے براق منگوایا جس پر خود بی بی ہاجرہ اور اسماعیل کو سوار کر کے تھوڑے عرصے میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام جب بی بی ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ میں لائے اس وقت بی بی صاحبہ اسماعیل علیہ السلام کو دُودھ پلا رہی تھیں انھیں زمزم کے میدان میں لا کر بٹھا دیا گیا وہاں اس وقت نہ پانی تھا نہ کوئی اور موجود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بوری بی بی کے سپرد کی جس میں کچھ کھجوریں تھیں اور پانی کا ایک مشکیزہ دیا۔ جب یہ اشیاء دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام روانہ ہونے لگے تو بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ ہمیں اس ویران جنگل میں کس کے سہارے پر چھوڑے جا رہے ہو۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ بی بی صاحبہ نے پھر کہا کیا اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے۔ بی بی صاحبہ نے کہا تو پھر کریم ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ راضی برضائے الٰہی ہو کر لوٹے اور وادی کا لوٹ پھ

Scanned with CamScanner

کھڑے ہو گئے۔

ف ، کداء ایک بہت بڑا پہاڑ ہے جو کہ مکہ میں واقع ہے۔ آپ نے اس پر کھڑے ہو کر کعبہ معظمہ کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ، ربنا انی اسکنت (الآیہ)۔ بی بی ہاجرہ ان کھجوروں اور تھوڑے سے پانی پر اکتفاء کر کے گزارہ کرتی رہیں یہاں تک کہ کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا۔ چند روز تو بے آب و غذا رہیں انسانی طاقت جواب دینے لگی اسماعیل علیہ السلام بھی بھوک سے نڈھال ہو رہے تھے یہاں تک کہ جان لبوں پر آ گئی۔ بی بی صاحبہ صاحبزادے کی حالت زار سے مشوش ہوئیں۔ صاحبزادے کو وہیں پہ چھوڑ صفا پہاڑی پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں سے پانی یا کوئی آدمی نظر آئے۔ لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ نیچے اتریں اور دوپٹہ کو اوپر اٹھایا تا کہ کسی کو نظر آ جائے تو یہاں آ جائے۔ پھر دوڑ کر مروہ پہاڑی پر چڑھ گئیں وہاں بھی دیر تک دیکھتی رہیں لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہاں سے نیچے اتریں۔ اس طرح سات بار کیا۔ اسی وجہ سے آج حجاج کو صفا و مروہ پر دوڑنا ضروری ہے۔ جب سات چکر کاٹے تو زمزم کے مقام پر کسی کی آواز سنی وہ فرشتہ تھا جس نے زمزم کے مقام پر پَر مارے تو پانی نکل آیا۔

کاشفی نے لکھا کہ آب زمزم یا جبریل علیہ السلام کے پَر مارنے سے نکلا یا اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی رگڑنے سے۔

آب زمزم بی بی ہاجرہ نے پانی نکلتا ہوا دیکھ کر حوض بنانے لگیں اور کچھ پانی چلو سے بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنے لگیں لیکن وہ جوں جوں چلو بھر لیتیں تو پانی کا جوش اور بڑھ جاتا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُم اسمٰعیل پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اگر وہ پانی کو اپنی حالت پہ چھوڑ دیتیں تو ہر طرف پھیل جاتا۔ یا فرمایا کہ اگر بی بی صاحبہ وہاں سے چلو میں پانی نہ لیتیں تو اس کے چشمے بہہ نکلتے یعنی زمزم کا پانی روئے زمین پر پھیل جاتا۔

بی بی صاحبہ نے پانی پیا تو جان میں جان آ گئی۔ صاحبزادے کو دودھ پلایا۔ اس فرشتے نے بی بی صاحبہ سے عرض کی، ملامت کیجئے یہیں پر بیت اللہ ہے جس کی تعمیر تیرا صاحبزادہ (اسمٰعیل علیہ السلام) اور اس کے والد گرامی فرمائیں گے۔ اور یہ وہ گھر ہے جس کے مکینوں کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرمائے گا۔ (کذا فی تفسیر الشیخ)

ف والارشاد میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا پہلا اثر یہ ہوا کہ جرہم قبیلہ کے چند افراد یمن سے شام کو جا رہے تھے (جرہم یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے) جب یہاں پہنچے تو دُور سے دیکھا کہ پرندے جمع ہو رہے ہیں جیسے پانی کے چشمے پر پرندوں کی جمع ہونے کی عادت ہے۔ انہوں نے پانی کے متعلق یقین کر لیا اور آ کر دیکھا کہ وہاں حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ ماجدہ تشریف فرما ہیں اور پانی کا چشمہ ان کی نگرانی میں ہے۔ انہوں نے بی بی صاحبہ سے عرض کی کہ آپ ہمیں پانی میں شریک کر لیجئے ہم آپ کو اپنے دودھ میں شریک کریں گے۔ بی بی صاحبہ نے ان کی شرط منظور کر لی۔ اور قبیلہ جرہم کے وہ لوگ یہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے اور بی بی ہاجرہ خاتون رضی اللہ عنہا کا یہیں وصال ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام نے قبیلہ جرہم میں شادی کی۔ (یہی قول مشہور تر ہے)

Scanned with CamScanner

ف : کاشفی نے لکھا کہ جرہم قبیلہ کے لوگوں نے وہیں پر اقامت کا عزم بالجزم کر لیا اور تا قیامت مکہ مکرمہ کی اقامت کا شوق لوگوں کے دلوں میں موجزن رہے گا۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ

ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اور آپ اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی پشت مبارک میں تھے۔ تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ حق میں ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی امانت کی درخواست کی کہ اے الٰہ العالمین ! اگر تو نے اسماعیل کو ضائع کیا تو تیرے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس ضائع ہو جائیگا

س

بیشتر از آمدن زر یکان
سکۂ تو بود بعالم عیان

ترجمہ : اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کے عالم دنیا کے ظہور سے پہلے بھی کائنات پر آپ کی مہر کا سکہ چلتا تھا۔

رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار ! اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ بیشک تو ہمارے مخفی اور ظاہر حوائج کو جانتا ہے اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان حاجات کو اس لیے ظاہر نہیں کرتے کہ وہ آپ سے مخفی ہیں بلکہ اس سے ہم اپنی مجبوریت اور محتاجی اور فقیری کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ہر وقت تیری رحمت کے محتاج ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہر وقت تیری نوازشیں ہم پر ہوتی رہیں ؎

جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

ترجمہ : اس بارگاہ میں بندگی و اضطرار اور عاجزی کے سوا کسی شے کا اعتبار نہیں۔

وَمَا يَخْفٰى اور مخفی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ ماضی ہے نہ مستقبل اور نہ حال عَلَى اللّٰهِ اللہ علام الغیوب کے نزدیک مِنْ یہ استغراقیہ ہے شَيْءٍ کوئی شے فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ نہ زمین نہ آسمان میں اس لیے کہ وہ علم ذاتی سے جانتا ہے اس کی ہر معلوم پر علم کی نسبت برابر ہے ؎

آنچہ پیدا و آنچہ پنہانست
ہمہ با دانش تو یکسانست

ترجمہ : جو کچھ ظاہر اور جو کچھ پنہاں ہے تیرے علم میں تمام یکساں ہے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کا علم نہ عارضی ہے نہ کسبی تاکہ کہا جائے کہ اسے فلاں شے معلوم ہے اور فلاں نہیں۔ جیسے بشر اور ملک کے لیے کہا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اے اللہ تعالیٰ! تجھے ہر جگہ اور ہر شے کا علم ہے ہمارے لیے وہی فرما جو ہمارے لیے بہتر ہو۔

ف : ظرف یخفیٰ کے متعلق ہے۔ یا ظرف بمعنے ما کائن فیہا ہے۔ اس معنے پر یہ شے کی صفت ہوگا۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَھَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ علیٰ بمعنے مع اور حال ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اس نے مجھے بڑھاپے میں عطا فرمایا یعنی اس وقت جبکہ بہت بوڑھا ہوگیا ہوں اور اولاد کی پیدائش کی مجھے ناامیدی ہو چکی ہے۔ یہی نکتہ ہے ہبہ کو بڑھاپے سے مقید کرنے میں تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی عظمت اور اس کے شکر کا اظہار ہو کیونکہ بڑھاپے کے دور میں اولاد سے امیدیں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اِسۡمٰعِیۡلَ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد کی دعا کرتے تو کہتے : اسمع یا ایل۔ اور ایل اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ جب اسماعیل پیدا ہوئے تو اسی نام سے موسوم ہوئے۔ (کذا فی معالم التنزیل)

ف : انسان العیون میں ہے کہ اسماعیل عبرانی لغت میں بمعنے مطیع اللہ ہے۔

ف : مروی ہے کہ جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ننانوے سال کے تھے۔

وَاِسۡحٰقَ عبرانی لغت میں ان کا نام ضحاک تھا۔ (کذا فی انسان العیون)

ف : مروی ہے کہ جب اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو بارہ سال کے اور اسمٰعیل علیہ السلام تیرہ سال کے تھے۔

اِنَّ رَبِّیۡ بیشک وہ میرا رب اور میرے جملہ امور کا مالک لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ دعا کو سن کر قبول کرتا ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے اہل عرب کہتے ہیں :

سمع الملک کلامہ۔ بادشاہ نے اس کی بات سن لی۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بادشاہ کسی کی بات مان لے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا مانگی تھی۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح ہے کما قال :

رب ھب لی من الصالحین۔ اے رب تعالیٰ! مجھے نیک اولاد عنایت ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور جیسے وہ چاہتے تھے ویسے ہوا باوجودیکہ سن یاس (ناامیدی) کو پہنچ چکے تھے تاکہ ان کے لیے یہ عظمت والی اور بڑی برگزیدہ نعمت ہو۔ رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ اے اللہ تعالیٰ! مجھے نماز کا پابند بنا یعنی نماز کو تعدیل سے ادا کروں۔ یہ اقمت العود کے محاورہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی لکڑی کو درست کرے۔

Scanned with CamScanner

یا مقیم بمعنے مواظب یعنی پابندی کرنیوالا۔ اس معنے پر قامت السوق کے محاورہ سے ہوگا۔ یہ اس بولتے ہیں جب بازار گرم ہو اور گاہک پر گاہک پڑ رہے ہوں۔ یا مقیم بمعنے موؤدی یعنی ادا کرنے والا۔

ف: جملہ فعلیہ کے بجائے جملہ اسمیہ لانے میں استمرار کی طرف اشارہ ہے ورنہ اجعلنی اقیم الصلوٰۃ موزوں تھا۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ اور میری بعض اولاد کو۔ اس کا عطف مقیم الصلوٰۃ پر ہے۔

نکتہ: بعض اولاد کی تخصیص میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے اعلام سے علم ہوگیا۔ یا دور زمانہ کی رفتار سے بطور تجربہ آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی بعض اولاد کافر ہوگی۔ بظاہر یہ وجعلها كلمة باقية فى عقبه کے خلاف ہے لیکن ہم نے اس کی بہتر توجیہ پہلے عرض کر دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ نماز کی اقامت میں بندے کے عروج کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ مومن کو اس نماز سے سیر فی اللہ باللہ کی مداومت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ اے ہمارے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔ یہ اجعلنی کے متعلق ہے یعنی اے اللہ! میری بعض اولاد کو نماز کا پابند بنا اور انہیں بت پرستی سے بچا۔ اس لیے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِىْ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے امور دین میں یا نماز میں یا ان امور میں جن میں بشری تقاضوں پر خلاف اولیٰ کا ارتکاب ہوا ہو وَلِوَالِدَىَّ اور میرے والدین کو۔ والدین کی استغفار اس وقت سے پہلے کی ہے جبکہ آپ کو ابھی ان کے کفر کا علم نہ ہوا تھا اور ہنوز آپ ان کے ایمان کے لیے پُر اُمید تھے۔

ف: کواشی میں ہے کہ آپ کے والدین زندہ تھے اور آپ ان کے ایمان لانے کی اُمید میں تھے اس لیے ان کے لیے استغفار فرمائی یا آپ کی والدہ ایمان سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اپنے والد کے اسلام کے لیے دُعا فرمائی یہ اس لیے کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ آپ کی والدہ مومنہ تھیں اس لیے بعض قرأتوں میں ولوالدتی ہے۔

تحقیق قول امام سیوطی نے فرمایا کہ ربنا اغفرلی ولوالدی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا اپنے چچا (آزر) کی موت کے بعد مانگی کیونکہ اس دعا سے قبل اسے مرے ہوئے عرصہ بیت چکا تھا۔ اور آپ نے اس کی استغفار سے پہلے ہی برأت کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وما كان استغفار ابراهيم لابيه الا عن موعدة وعدها فلما تبين له انه عدو لله تبرأ منه۔	اور ابراہیم علیہ السلام کی استغفار اپنے چچا (آزر) کے لیے ایک وعدہ کی بناء پر تھی جو آپ نے اس سے استغفار کا وعدہ کر رکھا تھا جب ظاہر ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

اس سے ثابت ہوا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں چچا تھا اور اہل عرب چچا کو باپ کہہ دیتے ہیں جیسے خالہ کو ماں کہتے ہیں۔[1]

[1] مزید تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں ابراہیم علیہ السلام آذر کو ملیں گے تو اس کے چہرے پر گرد و غبار ہوگی اسے ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں نے کہا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کیجئے۔ آذر کہے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ اس پر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے اے اللہ تعالیٰ! تُو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ قیامت میں میں تجھے رُسوا نہیں کروں گا اس سے بڑھ کر اور کون سی رُسوائی ہوگی کہ میرا چچا جہنم میں جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے کافروں پر بہشت حرام کی ہے۔ اس کے بعد حکم ہوگا کہ اے ابراہیم! اپنے پاؤں کے نیچے دیکھیے وہ دیکھیں گے کہ ان کے پاؤں کے نیچے خون سے لت پت ایک گوہ پڑی ہے۔ الذیخ بجر الدال یعنے ذکر الضباع یعنی نر گوہ بہت بڑے بالوں والا اس کے پاؤں سے پکڑ کر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

نکتہ: اس میں اشارہ ہے کہ آزر کو ضبع (گوہ) کی شکل میں تبدیل کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

نکتہ: اسے ضبع سے مسخ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ضبع کی عادت ہے کہ وہ اپنے حقوق واجبہ سے غفلت برتتا ہے۔ اسے حماقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ آذر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصائح کو قبول نہ کیا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے بہت رحیم و کریم ہیں۔ اس بنا پر وہ شیطان کے دھوکے میں آگیا اس لیے اسے ضبع کی حماقت سے تعبیر کیا گیا۔ ضبع دھوکا دہی میں مشہور ہے کہ جب اسے کوئی شکار کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی بل میں گھس جاتی ہے۔ شکاری اس بل کے اندر کنکری پھینکتا ہے اسے اپنا شکار سمجھ کر وہ لے دبوچنا چاہتی ہے تو شکاری اسے شکار کر لیتا ہے۔ یہ بھی اس کی حماقت کی ایک دلیل ہے۔ فلہٰذا آزر کو کتے یا خنزیر سے مسخ نہیں کیا گیا حالانکہ ان کے مسخ سے اس کی مزید قباحت ہوتی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے اعزاز کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے کہ آذر کو سزا بھی مل جائے کہ اس کی شکل تبدیل ہو اور ابراہیم علیہ السلام کا اعزاز بھی برقرار رہے کہ اس کی شکل کو ایک متوسط جانور کی شکل میں تبدیل کیا گیا۔

ف: الحکم میں لکھتے ہیں کہ اہل عرب کہتے ہیں، ذیختہ بمعنے ذللتہ۔ یعنی میں نے اسے ذلیل کیا۔ لیکن آذر کو مزید ذلیل نہ کیا گیا کیونکہ اس کے لیے ابراہیم علیہ السلام رحمت سے پیش آئے۔ (کذا فی حیٰوۃ الحیوان للدمیری)

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور تمام اہل ایمان کے لیے۔ یعنی میری اولاد ہو یا کوئی اور مومنین میں مومنات تبعاً مذکور ہوئیں اس لیے کہ عورتیں احکام میں مردوں کے تابع ہوتی ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دعائے مغفرت میں سب شامل ہیں اسی لیے ان کے لیے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

حدیث شریف من عمم بدعائہ المؤمنین و المومنات استجیب لہ۔ جس نے اپنی دعا میں مومن مرد اور عورت کو شامل کیا اس کی دعا مستجاب ہوگی۔

مسئلہ: سنت یہ ہے کہ دعا میں صرف اپنے آپ کو مخصوص نہ کرے۔

مسئلہ: اسرار المحمدیہ میں ہے: امام کو مکروہ ہے کہ نماز میں صیغہ واحد کے ساتھ اپنے لیے دعا مانگے بلکہ ایسی دعا مانگے جس میں جمع کا

Scanned with CamScanner

صیغہ ہو۔

حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا یؤم عبد قوم فیخص نفسہ بالدعاء دونھم فان فعل فقد خانھم۔
(رواہ ثوبان)

جو شخص کسی قوم کی امامت کرتا ہے اور دعا میں صرف اپنا نام لیتا ہے اور انھیں اپنی دُعا میں شریک نہیں کرتا تو وہ ان سے خیانت کرتا ہے۔

مسئلہ: اولیٰ یہ ہے کہ تنہائی میں دُعا مانگے تو بھی جمع کا صیغہ لائے اور اس میں اپنی اور اپنے آباؤ امہات اور اولاد اور بھائی بہنوں اور مومن دوستوں اور تمام نیک بخت لوگوں کی نیت کرے عمومی دعا میں بزرگوں کی برکت شامل رہے گی بلکہ دُعا کرنے والے کو بزرگوں کی توجہ کرم اور ان کے ارواح مقدسہ کی برکت ہوگی۔

مسئلہ: اسلاف بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ دُعا میں جتنے مرد و زن نیک بخت اہل ایمان کو شامل کیا جاوے ان کی گنتی کے مطابق دعا کرنے والے کے اعمال نامے میں نیکیاں لکھی جائیں گی[1] اسی طرح ہر دُعا میں دعا کرنے والے کو چاہیے کہ تمام مومنین و مومنات کا نام لے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ اس دن کہ مکلفین کے اعمال کا علیٰ طریق العدل حساب ثابت اور محقق ہوگا۔

ف: جو شخص پائے استقامت پر قائم ہو اسے قیام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
قامت الحرب علیٰ ساق۔ جنگ پنڈلی پر قائم ہے۔
یعنی ثابت اور محقق ہے۔ اسی معنے پر کہا گیا ہے یوم یقوم الحساب۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ربنا اغفرلی اے ہمارے رب تعالیٰ میری ستاری فرما اور مجھے اپنی صفت مغفرت سے محویت عطا فرما تاکہ میں اپنے وجود کو بھی نہ دیکھوں تاکہ میرا وجود میرے اور تیرے درمیان حجاب ہو۔

ع

خمیر مایۂ ہر نیک و بد توئی جامی
خلاص از ہمہ می بایدت ز خود بگریز

ترجمہ: اے جامی! ہر نیک اور بد کا خمیر تمہیں ہو اگر تم ہر ایک سے اپنی خلاص چاہتے ہو تو اپنے آپ سے دور رہو۔

ولوالدی اور میرے آباء علوی اور امہات سفلی جو میرے وجود کے سبب ہیں انھیں بھی محو فرما تاکہ میرے اور تیرے دیدار کے درمیان
(باقی بر صفحہ ۴۱۰)

---

[1] یہی مذہب اہلسنت کے مراسم ہیں کہ ایصال ثواب میں تمام اہل ایمان کا نام لیتے ہیں ۱۲ اویسی غفرلہ

Scanned with CamScanner

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ
مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ
فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا
اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ
كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ
كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ
وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۙ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال سے بے خبر نہ سمجھو بیشک انھیں تو صرف اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے کہ جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی بے تحاشا دوڑتے نکلیں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے ان کی نگاہ ان کی طرف نہ پھرے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے اور لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے کہ جب ان پر عذاب آئے گا تو ظالم کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت دے کہ ہم تیری دعوت کو قبول کریں اور رسولوں کی غلامی کریں (جواب ملے گا) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ دنیا میں تم پر زوال نہیں آئیگا اور تم ان کے گھروں میں آباد ہوئے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہو گیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ہم نے تمہیں مثالیں دے کر سمجھایا اور بیشک انہوں نے اپنی چال چلی اور ان کی چال اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگرچہ ان کی چال کچھ ایسی ہو کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں تم ہرگز خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف کرے گا بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان (بھی) اور لوگ سب نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے جو سب پر غالب ہے اور اس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو وہ بدلہ جو اس نے (دنیا میں) کمایا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یہ لوگوں کو حکم پہنچاتا ہے اور وہ اس لیے کہ لوگ اس ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی

Scanned with CamScanner

معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

(بقیہ تفسیر صفحہ ۴۰۰)

حاجب نہ ہوں وللمومنین یوم یقوم الحساب اس سے وہ یوم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں حساب کا دن مقرر فرمایا تھا کہ اسی دن نفس کا کمال و نقصان کا حساب مقرر ہوا۔

نکتہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعائے مغفرت کو قیامت کے دن سے اس لیے مقید فرمایا کہ وہی آخر الایام ہے یعنی وہی آخری دن ہے کہ اس میں محاسبہ و مناقشہ سے خلاص ہو گی بلکہ اس دن کے بعد دائمی نجات اور بلند درجات پر کامیابی ہی کامیابی ہے اس لیے کہ انسان جب تک گناہوں سے پاک نہ ہو اس وقت تک اسے درجات بلند سے نہیں نوازا جائے گا۔ اس لیے اہم شے کو مقدم کیا گیا اور اس دن کی شدت کی وجہ سے اس کی تقدیم لازمی ہے۔

لطیفہ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے نہ کسی نبی علیہ السلام پر رشک ہے اور نہ کسی ولی پر اور نہ بادشاہ اور وزیر پر اس لیے کہ یہ پیدا ہو کر آخرت کی شدت اور تکلیف و مشقت دیکھیں گے مجھے اس شخص پر رشک آتا ہے جو پیدا ہی نہیں ہوا اس لیے کہ اس نے قیامت کی سختی نہیں دیکھی۔

لطیفہ حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان کو تین دولتیں نصیب ہو جائیں تو اس جیسا اور کوئی خوش نصیب نہ ہو گا۔

- زندگی بسر ہو تو طاعتِ الٰہی پر۔
- موت آئے تو کلمۂ شہادت پر۔
- حشر و نشر کو اٹھنے پر ملائکہ اسے بہشت کی خوشخبری سنائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دولتوں سے نوازے اس لیے کہ اہلِ سعادت و عنایت کے لیے ان سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہ ہو گی۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یہ الحسبان سے مشتق ہے بمعنے الظن والغفلۃ یعنی ہر وہ شے جو انسان کو حقیقۃ الامر سے واقف نہ ہونے دے۔ اور الظالمون سے اہلِ مکہ اور ہر مشرک و ظالم مراد ہے اور یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اس میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنے طریق کار پر مضبوط رہیے اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کے کردار سے بے خبر نہیں۔

ف: یہ خطاب ولا تکونن من المشرکین جیسا ہے اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا وہم و گمان تک نہیں ہو سکتا

Scanned with CamScanner

پھر بھی آپ کو تنبیہ کی گئی ہے تاکہ اپنے طریق کار پر مداومت فرمائیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے طریق کار پر مداومت فرمایئے۔ ظالمین کے معاملات سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں قیامت میں ان کو ان کے کردار کی پوری سزا ملے گی آپ اس سے بھی فکر نہ کیجئے کہ انہیں دنیا میں سزا کیوں نہیں ملتی اور آپ کو غم بھی کیوں ہو جبکہ ہم نے انہیں مہلت دی ہے تو محض آپ کی وجہ سے

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ بیشک اللہ تعالیٰ ایک سخت دن کے لیے ان کے عذاب میں تاخیر فرماتا ہے تَشْخَصُ اس دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی یہاں تک کہ وہ اپنی پلکیں بھی نہیں ہلا سکیں گے جبکہ عذاب کی سختی دیکھیں گے۔ یعنی ان کے عذاب کی تاخیر صرف سخت عذاب میں مبتلا کرنے کی وجہ سے ہے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کردار سے بے خبر ہے یا انہیں کسی اور وجہ سے مہلت دے رہا ہے۔ فِيْهِ الْاَبْصَارُ اس میں آنکھیں، یعنی عذاب کی دہشت سے آنکھیں بند نہ کر سکیں گے۔

حل لغات: شخص بصر فلان بروزن منع واشخصه صاحبه یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی آنکھ کھولنے کے بعد بند نہ کر سکے۔

مُهْطِعِيْنَ یہ موخرھم کے مفعول سے حال ہے بمعنے مسرعین۔ یعنی ذلت و خواری اور عاجزی سے اپنے داعی کی طرف دوڑتے ہوئے آئیں جیسے قیدی اور خائف کسی کی طرف دوڑ کر آئے یعنی وہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام کے صور کی طرف میدان حشر میں دوڑ کر آئیں گے۔

حل لغات: اهطع البعير فی السير سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ تیز دوڑے۔

مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ درانحالیکہ اپنے سروں کو اوپر کرنے والے ہوں گے یعنی سر کو اٹھا کر دائیں بائیں توجہ کیے بغیر آنکھیں کھول کر دوڑیں گے۔

حل لغات: تہذیب المصادر میں ہے کہ الاقناع بمعنے سر کو اٹھا کر آنکھیں کھلی رکھ کر آگے کی طرف توجہ رکھنا۔

ف: حضرت حسن فرماتے ہیں کہ قیامت میں لوگ آنکھیں آسمان کی طرف لگا دیں گے قرب و جوار میں کسی طرف بھی نہیں دیکھیں گے۔

لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ان کی آنکھیں ان کی طرف نہیں لوٹیں گی یعنی جیسے آج عادت کے طور لحظہ بہ لحظہ آنکھیں جھپکتی رہتی ہیں اس وقت ایسے نہیں ہوگا بلکہ اس وقت آنکھیں ایسی ہو جائیں گی کہ گویا پلکوں کو اوپر نیچے باندھ دیا گیا ہے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ طرف بمعنے دیکھنے میں پلکوں کا جھپکنا۔ پھر مجازاً صرف آنکھ کو کہا جاتا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں آنکھیں کسی طرف توجہ نہیں کریں گی یہاں تک کہ وہ اپنے نیچے کے معاملات سے بھی ایسی غیر متوجہ ہوں گی کہ انہیں معلوم نہیں ہوگا کہ ان کے پاؤں تلے کیا ہو رہا ہے۔

وَاَفْئِدَتُهُمْ اور اس وقت ان کے دل ہوں گے هَوَآءٌ سخت حیرت اور شدید دہشت کی وجہ سے

Scanned with CamScanner

عقل وفہم سے خالی اور کھلی ہوا، گویا انھیں کسی شئے سے سروکار نہیں۔

ف: خلاصہ یہ کہ قیامت میں ظالمین کی آنکھیں کھلی ہوئی، سر اوپر اور قلوب خالی از عقل وفہم ہوں گے بوجہ اس دن کی ہولناکی کے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے (آمین)

مسئلہ: آیت میں حضور علیہ السلام اور مظلوم کو تسلی اور ظالم کو تہدید کی گئی ہے۔

حکایت

حضرت احمد بن حضرویہ نے فرمایا کہ قیامت میں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اذن شفاعت بخشا تو سب سے پہلے میں اپنے ظالم کی شفاعت کروں گا۔ عرض کی گئی، کیوں؟ آپ نے فرمایا جس قدر عزت و احترام مجھے منجانب اللہ ظالم کی وجہ سے نصیب ہوا استاد والدین سے بھی حاصل نہ ہو سکا۔ عرض کی گئی، وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کے ظلم پر اللہ تعالیٰ کی تسلی یعنی ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون کی دولت نصیب ہوئی۔

مثنوی شریف میں ہے:

آں یکے واعظ چو بر تخت آمدے
قاطعان راہ را داعی شدے
دست بر می داشت یارب رحم راں
بر بداں و مفسداں و طاغیاں
بر ہمہ تسخر کناں اہل خیر
بر ہمہ کافر دلاں و اہل دیر
او نکردی آں دعا بر اصفیا
می نکردی جز خبیثاں را دعا
مرو را گفتند کیں معہود نیست
دعوت اہل ضلالت جود نیست
گفت نیکوئے ازیناں دیدہ ام
من دعا شاں زیں سبب بگزیدہ ام
خبث و ظلم و جور چنداں ساختند
کہ مرا از شر بخیر انداختند
ہر گہے کہ رو بدنیا کردمے
من ازیشاں زخم و ضربت خوردمے

Scanned with CamScanner

کردی از خشم آں جانب پناہ
باز آوردند سے کر کان براہ
چوں سبب ساز صلاح من شدند
پس دعا شاں بر فست لے ہوشمند

(ان اشعار کا ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح مثنوی مسمّٰی بہ صدائے نَی میں دیکھئے)

ف: الکواشی میں ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب مظلوم واقعی مظلوم ہوکر مارا جائے۔ اس کا استدلال اس آیت سے کیا گیا ہے۔

اعجوبہ ایک دیوار پر مندرجہ ذیل شعر کندہ پایا گیا ہے

نامت عیونك والمظلوم منتبه
یدعو علیك وعین الله لم تنم

ترجمہ: تیری آنکھیں سو رہی ہیں اور مظلوم بیدار ہوکر تجھے بددعا دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

نخفتست مظلوم از آہش بترس
ز دود دل صبحگاہش بترس
نترسی کہ پاک اندرونی شبے
بر آرد سوز جگر یاربے
نمی ترسی از کرک ناقص خرد
کہ روزے پلنگیت برہم درد

(ان اشعار کا ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح گلستان مسمّٰی بہ "فیض یزداں" میں دیکھئے)

تفسیر صوفیانہ ولا تحسبن الله غافلا اور اللہ تعالیٰ کو ازل سے بے خبر نہ سمجھنا عما یعمل الظالمون اس سے جو آج ظالمیں عمل کر رہے ہیں یعنی آج جو کچھ ظالم عمل کر رہا ہے ازل سے اللہ تعالیٰ اسے جانتا اور اسکی قضا و قدر میں موجود ہے۔ لیکن اس کا ہر ارادہ مبنی علی الحکمت ہوتا ہے اس لیے اپنی حکمت بالغہ سے اہل سعادت کو سعادت اور اہل شقاوت کو شقاوت بخشی اور سعادت و شقاوت ان کے اعمال میں امانت رکھی گئی ہے اور اعمال ان کی زندگیوں میں ہیں تاکہ زندگی کے عمل کے مطابق ہر شخص قیامت میں اپنی اپنی منزل کو پائے۔ اگر اہل سعادت ہے تو سعادت مندوں کے درجات لو

Scanned with CamScanner

منازل کو پائے گا۔ اگر اہلِ شقاوت ہے تو بدبختوں کے مراتب حاصل کرے گا۔ یہی راز ہے عالمین کے عذاب دینے کی تاخیر میں کہ وہ اپنی غلطیوں میں بڑھتے جائیں تاکہ ان کے دردناک عذاب میں اضافہ ہو۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنْذِرِ النَّاسَ اور اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمام لوگوں کو ڈراؤ یَوْمَ یَاْتِیْہِمُ الْعَذَابُ اس دن سے کہ ان کے ہاں عذاب آئے گا۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ انہیں موت کے دن سے ڈرائیے اس لیے کہ وہی عذاب کے ایام کا پہلا دن ہے اسی موت کے دن بندہ سکرات کے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

ف: یہ عذاب کافروں کو بالاصالۃ اور اہلِ ایمان کو بالتبع ہوگا اگرچہ ان کو اس معنے پر معذب بھی نہیں جانا۔

فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا پس کہیں گے ان میں سے وہ لوگ جنہوں نے شرک اور تکذیب کرکے اپنے نفسوں پر ظلم کیا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں دُنیا میں واپس بھیج یا ہمیں مہلت دے اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِیْبٍ کسی قریبی میعاد تک۔ یعنی ایسے اجل اور مدت تک جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

ف: سعدی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ عبارت میں ایک لفظ محذوف ہے دراصل عبارت یہ ہے ردنا الی ذی اجل قریب یعنی ہمیں ایک مدت والے دن کی طرف لوٹا دے جو قریب ہے۔ اس سے دنیا مراد ہے اس لیے کہ وہ اسی میں عذاب سے بچے رہے۔ اب اسی کی تمنا کریں گے اس امید پر کہ شاید ایسے سخت عذاب سے بچ جائیں۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں بھیج دے اور اس میں کچھ تھوڑی سی اور مہلت عنایت فرما۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ ہمیں کچھ وقت مہلت دے دے اور ہمیں اتنا وقت عنایت فرما کہ ہم تجھ پر ایمان لائیں۔ نُجِبْ دَعْوَتَكَ یہ امر کا جواب ہے یعنی تیری دعوت کے داعی کی بات کو قبول کریں گے اور تیری توحید مان لیں گے وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اور وہ احکام جو رسل کرام علیہم السلام ہمارے ہاں لائے ہم ان کی تابعداری کریں گے جو ہم سے پہلے غلطیاں ہوتی ہیں ان کا تدارک کریں گے۔ دعوتِ اسلام اور اتباعِ رسل کرام میں ہم سب سے سبقت لے جائیں گے اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یہاں قول محذوف ہے اور اس کا عطف فیقول پر ہے یعنی انہیں زجر و توبیخ کے طور پر کہا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں مہلت نہیں دی گئی کیا تم نے دنیا میں قسم نہ کھائی تھی لیکن اس وقت تو تم تکبر و غرور میں تھے اور تم بکتے تھے مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ تم جس حالت میں ہو یعنی ہر قسم کی نعمت و دولت سے سرشار تھے اور تم کو گھمنڈ تھا کہ تمہاری دولت کبھی زوال پذیر نہیں ہوگی۔ یہ قسم کا جواب ہے یا یہ باتیں تم نے زبانِ حال سے کہیں کہ اتنی مضبوط عمارتیں تعمیر کیں اور لمبی لمبی آرزوئیں دل میں رکھیں اور تمہارے دل میں اس دنیا سے رخصت ہونے کا خیال تک نہ گزرتا تھا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا خیال تھا کہ تاخیر ہی تاخیر ہے۔ گویا انہیں زوال نہ ہوگا۔ پہلے امر میں ان کا موت سے انکار اور دوسرے میں قیامت میں اٹھنے کا انکار ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں تناسخیہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا گمان تھا کہ نہ انہیں زوال ہے اور نہ ہی دُنیا کو، وہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کی رُوح دوسرے جسم میں گھس جاتی ہے۔ ان کے اس

Scanned with CamScanner

فاسد عقیدے کے جواب میں اللہ تعالیٰ قیامت میں انھیں فرمائے گا کہ اگر ہم دنیا میں تمھیں لَوٹا دیں تو تمہارے مذہب تناسخ کا اثبات ہو جائے گا اور تمہارے قول کی تصدیق ہو جائے گی کہ تم کہا کرتے کہ ہمیں کسی قسم کا زوال نہیں ہو گا۔

ف: تعریفات میں لکھتے ہیں کہ:

التناسخ عبارة عن تعلق الروح بالبدن بعد المفارقة من بدن آخر من غیر تخلل زمان بین التعلقین للتعشق الذاتی بین الروح والجسد۔

تناسخ روح و بدن کے تعلق کا نام ہے کہ جب رُوح ایک بدن سے خارج ہو تو دُوسرے بدن میں گھس جائے اور اس خروج و دخول میں لمحہ بھر بھی نہ گزرنے پائے اس لیے کہ جسم اور روح کو ذاتی عشق ہے کہ یہ دونوں ایک دُوسرے سے کسی حالت میں بھی جُدا نہیں ہو سکتے۔[1]

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں ٹھہرے رہے جنھوں نے شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اس سے ثمود و عاد وغیرہ مراد ہیں یعنی انہوں نے اپنے کیے کی سزا پائی اور تم اپنی غلطیوں کی سزا پاؤ گے وَتَبَيَّنَ لَكُمْ اور مشاہدہ آثار اور تواتر اخبار سے تمہارے لیے ظاہر ہو گیا کہ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ ہم نے ان سے کیا کیا یعنی وہ ظلم و فساد کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے اور سخت سے سخت تر عذاب میں مبتلا ہوئے۔

ف: یہ جملہ تبین کا فاعل نہیں اس لیے کہ ان کے درمیان میں حرف استفہام واقع ہے اور وہ صدر کلام کو چاہتا ہے اور فاعلیت اس کے منافی ہے۔ علاوہ ازیں کیف ظرف ہے اور ظرف کو ظرفیت لازمی ہے یا وہ کسی کی خبر واقع ہو سکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ حال بن سکتا ہے۔

ف: یاد رہے تبین کا فاعل اور شے ہے وہ ہے فعلنا العجیب بکم یعنی تمہیں ظاہر ہو گیا ہمارا وہ فعل عجیب جو تمہارے لیے واقع ہوا۔

وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ اور ہم نے تمہارے لیے قرآن عظیم میں بہترین مثالیں بیان کیں یعنی زمانہ ماضی کے لوگوں کے کردار بتائے اور ان کے اعمال جن پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئے وہ بھی تمہیں ہم نے سُنائے اور ان کے حالات بھی منجملہ عجائبات کے تھے جو تمہیں بطور مثال بتائے گئے تاکہ تم لوگ ان سے عبرت حاصل کرو اور اپنے اعمال کو ان کے کردار پر قیاس کر کے ان کے انجام پر اپنے انجام کا تصور کرو تمہارے ساتھ نرمی برتی گئی ہے کہ انھیں فوری طور پر عذاب بھیج دیا جاتا تھا اور تمہیں ایک عرصہ تک مہلت دی گئی ہے اسی لیے تمہارے لیے لازم ہے کہ کفر و معاصی سے باز آجاؤ یعنی دنیا میں یہ سب کچھ تمہارے لیے ہوتا رہا لیکن تم نے وہاں بھی اپنی غلطیوں سے توبہ نہ کی پھر تو تمہیں ہماری نصیحتیں کیا کام دیں گی۔ مثنوی شریف میں ہے:

---

[1] بعض ہندوؤں کا یہی مذہب ہے اور اسلام اس عقیدے کے خلاف ہے۔

قصهٔ آن آبگیرست اے عنود
که در او سه ماهئ اشگرف بود

چند صیادے سوے آن آبگیر
بر گذشتند و بدیدند آن ضمیر

پس شتابیدند تا دام آورند
ماهیان واقف شدند و هوشمند

آنکه عاقل بود عزم راه کرد
عزم راه مشکل ناخواه کرد

گفت با اینها ندارم مشورت
که یقین سستم کنند از مقدرت

مهر زاد و بود از جانشان تند
کاهلی و جهلشان بر من زند

مشورت را زندهٔ باید نکو
که ترا زنده کند آن زنده کو

اے مسافر با مسافر رائے زن
زانکه پایت بسته دارد رائے زن

○

از دم حب الوطن بگذر مأیست
که وطن آن سوست جان این سوئے نیست

گفت آن ماهئ زیرک ره کنم
دل ز رائے و مشورتشان بر کنم

نیست وقت مشورت هین راه کن
چون علی تو آه اندر چاه کن

شب رو پنهان روے کن چون عسس
سوئے دریا عزم کن زین آبگیر

Scanned with CamScanner

محرم آن آه کیابست و بس
بحر جو و ترک این گرداب گیر 27
سینه را پا ساخت می رفت آن حذور
از مقام با خطر تا بحر نور
همچو آهو کز پی او سگ بود
می دود تا در تنش یک رگ بود
خواب خرگوش و سگ اندر پی خطاست
خواب خود در چشم ترسنده کجاست
رنجها بسیار دید و عاقبت
رفت آخر سوی امن و عافیت
خویشتن افگند در دریای ژرف
که نیابد حد آن را هیچ طرف
پس چو صیادان بیاوردند دام
نیم عاقل را ازان شد تلخ کام
گفت آه من فوت کردم فرصه را
چون نگشتم همره آن رهنما
بر گذشته حسرت آوردن خطاست
باز ناید رفته یاد آن هباست

(٥)

گفت ماهی دگر وقت بلا
چونکه ماند از سایهٔ عاقل جدا
کو سوی دریا شد و از غم عتیق
فوت شد از من چنان نیکو رفیق
لیک زان تندیشم و بر خود زنم
خویشتن را این زمان مرده کنم

Scanned with CamScanner

پس بر آرم اشکم خود بر زبر
پشت زیرم می روم بر آب بر

می روم بری چنانکه خس رود
نے بسباحے چنانکه کس رود

مرده گردم خویش و بسپارم بآب
مرگ پیش از مرگ امنست و عذاب

همچنان مرد و شکم بالا فگند
آب می بردش نشیب و گه بلند

هر یکے زان قاصدان غصه بس برد
که دریغا ماهی بهتر بمرد

پس گرفتش یک صیاد ارجمند
پس برو تف کرد و بر خاکش فگند

غلط و غلطان رفت پنهان اندر آب
ماند از آن احمق همی کرد اضطراب

دام افگندند اندر دام ماند
احمقی او را دران آتش فشاند

بر سر آتش بپشت تابهٔ
با حماقت گشته او همخوابهٔ

او همی جوشید از تف سعیر
عقل می گفتش الم یأتك نذیر

او همی گفت از شکنجه و ز بلا
همچو جان کافران قالوا بلی

باز می گفت کہ اگر این بار من
وارهم زین محنت گردن شکن

من نسازم جز بدریائے وطن

آبگیریرا نسازم من سکن

○

آن ندامت از نتیجہ رنج بود

نے ز عقل روشن چون گنج بود

می کند او توبہ و پیر خرد

بانگ لوردوا لعادوا می زند

(ان اشعار کا ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ کی شرح مثنوی مسمّٰی بہ "صدائے نوی" میں دیکھیے)

سبق: مومن پر لازم ہے کہ ہر وقت موت کو یاد رکھے۔ مومن کو چند عادتوں کا حصول لازمی ہے:

- ○ علم، تاکہ وہ اسے آخرت کی راہبری کرے۔
- ○ نیک دوست، جو اس کی نیکی اور طاعتِ الٰہی میں مدد کرے اور برائیوں سے روکے۔
- ○ دشمن کی پہچان اور اس سے بچنے کا طریقہ۔
- ○ کوئی عبرت آنکھوں کے سامنے رکھے، تاکہ اس سے ہر وقت خوفِ خدا نصیب ہو۔
- ○ خلقِ خدا سے انصاف، تاکہ وہ قیامت میں اس کے گلوگیر نہ ہو۔
- ○ موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری، تاکہ قیامت میں رُسوائی نہ ہو۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ اور بیشک انہوں نے مکر کیا یعنی انہوں نے ابطالِ حق و ثبات کے لیے سرتوڑ کوشش کی

اور وہ شب و روز اسی دُھن میں رہتے تھے اور اس شغف میں بہت بڑی حدیں توڑ دیتے تھے اور یہ صرف انہی کا کام تھا۔ اور کوئی

نہ ایسا کر سکا نہ کر سکے گا۔ (مکر بمعنے دھوکا ہے) وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے مکر و فریب کی سزا ہے

یعنی جو کچھ انہوں نے کیا اس کی انہیں سزا ملے گی وَاِنْ یہ اِن وصلیہ ہے كَانَ مَكْرُهُمْ اور اگرچہ تھا ان کا مکر شدت اور سختی

میں لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ تاکہ اس سے پہاڑ ہٹ جائے یعنی ملیامیٹ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے یعنی ان کے مکر و فریب

اس قدر عظیم اور سخت تھے کہ پہاڑ بھی مٹ کر فنا ہو جائیں۔

ف: ارشاد میں ہے کہ اگرچہ ان کے مکر و فریب بہت مضبوط اور سخت تھے اور اسے اس طرح تعبیر کرنے سے صرف مثال دینا

مطلوب ہے

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ پس اللہ تعالیٰ پر گمان نہ کرو کہ وہ اپنے رسل کرام علیہم السلام سے وعدے

کے خلاف کرنے والا ہے کہ ظالموں کو عذاب نہ دے اور اہلِ ایمان کی مدد نہ فرمائے۔ یعنی ظالموں کو عذاب بھی دے گا اور اہلِ ایمان کی

Scanned with CamScanner

مدد بھی کرے گا۔

ف : دراصل یہ عبارت مخلف وعدہ رسلہ تھی مفعول ثانی کو مقدم اس لیے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جب اللہ تعالیٰ عام قوموں سے اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تو پھر رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ کیسے خلاف کر سکتا ہے اس لیے کہ وہ اس کے برگزیدہ اور محبوب و پسندیدہ بندے ہیں۔ الوعد بمعنے شے کے منفعت کے پہنچنے سے پہلے خبر دینا۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے طریق کار پر یقین کر کے مداومت رکھیے ہم اپنے رسل کرام سے جو وعدہ کرتے ہیں اس کے خلاف ہرگز نہیں کرتے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے کسی کا مکروفریب اس کے عذاب کو نہیں روک سکتا ذُو انتِقَامٍ اپنے اولیا کے دشمنوں سے خوب بدلہ لیتا ہے۔

ف : انتقم منه بمعنے عاقبہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے بدلہ لیا یعنی اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ (کذا فی القاموس)

نمرود کی شرارت کا بیان

معالم میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نمرود کے لیے بتائی ہے۔ قصہ یوں ہوا کہ نمرود نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح وسالم بچ گئے ہیں تو اس نے کہا کہ ابراہیم کے خدا نے ابراہیم کو بچا لیا اب میں آسمان پر جا کر اس کی خبر لیتا ہوں۔ ارکانِ دولت نے کہا کہ تمہارے بس سے باہر کی بات ہے آسمان بہت بلندیوں پر ہے۔ اس نے نہ مانا اور کہا کہ ایک محل تیار کرو جس کی چوڑائی تین میل ہو اور اونچائی جتنی ہو سکے۔ تین ماہ تک یہ محل تیار ہوتا رہا۔ نمرود ایک دن اس محل پر چڑھا اُوپر کو دیکھا تو آسمان اتنا ہی بلند نظر آیا جتنا اُونچا زمین سے دکھائی دیتا تھا۔ دُوسرے دن اُسے اور بلند بنانے کا حکم دیا۔ لیکن ایسی تیز ہوا چلی کہ اس کے محل کو تہس نہس کر دیا۔ اور اس کے گرنے سے بے شمار خلقِ خدا تباہ و برباد ہوئی۔ اس سے نمرود کا غصہ اور بڑھ گیا اور کہنے لگا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے خدا نے میرا بہت بڑا محل تباہ کر دیا اب میں اسے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ حکم دیا کہ چار چیلیں تیار کرو انہیں خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کرو اور ایک صندوق تیار کرو جس کے چار کونے ہوں اور دو دروازے، ایک اُوپر دوسرا نیچے۔ اور اس صندوق کے چاروں کونوں پر چار چار تیر باندھو ان میں سے بعض کا رُخ نیچے اور بعض کا اُوپر ہو۔ پھر حکم دیا کہ چند روز ان چیلوں کو بھوکا رکھا جائے۔ جب اوپر کو جانے کا پروگرام بنایا تو چار مردار صندوق کے چاروں کونوں کے اُوپر باندھے جنہے چیلیں دیکھ کر اُوپر کو بڑھیں۔ یہ منصوبہ بنا کر نمرود ایک ساتھی سمیت صندوق میں بیٹھ کر چیلوں کو اڑاتا ہوا آسمان کی طرف روانہ ہوا۔ آٹھویں پہر ساتھی سے کہا کہ دروازہ کھول کر نیچے دیکھیے تاکہ معلوم ہو کہ ہم کہاں پہنچ گئے۔ ساتھی نے دیکھ کر جواب دیا کہ نیچے پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور بس۔ پھر نمرود نے دروازہ کھول کر اوپر کو دیکھا آسمان ویسے ہی اونچا تھا جیسے اسے زمین سے دکھائی دیتا تھا۔ پھر آٹھ پہر کے بعد اوپر کا دروازہ کھول کر دیکھا تو وہی کیفیت محسوس ہوئی۔ ساتھی سے نچلا دروازہ کھلوایا تو اس نے جواب دیا کہ اب نیچے تاریکی کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اس سے نمرود گھبرایا اور ایک آواز اسے سُنائی دی کوئی کہہ رہا ہے اے سرکش! کہاں جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس صندوق میں نمرود کا ایک غلام تھا جس نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ ایک مچھلی کے خون سے لت پت ہو کر واپس آیا جس نے اپنے آپ کو دریا سے باہر پھینکا تو اس کا تیر اسے لگا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تیر آسمان پر اڑنے والے ایک پرندے کو لگا تو خون آلود ہو گیا۔ غلام نے کہا ہم آسمان کے خدا کو مار چکے لہٰذا اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔ نمرود نے کہا کہ اب صندوق اٹھانے والی چیلوں کا رُخ نیچے کر دیں اور مردار کو بھی۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ جب چیلوں نے نمرود کے صندوق کو نیچے زمین پر دے مارا تو پہاڑ گھبرائے وہ سمجھے کہ قیامت ہو گئی وہ تھر تھرانے لگے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ومکروھم الخ سے تعبیر فرمایا۔

نمرود کے غلط کارنامے اور اس کا انجام

کہتے ہیں کہ تجبر و تشدد کی بنیاد سب سے پہلے نمرود نے رکھی تھی۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے برائیاں پھیلائیں۔ یہی وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے تاج شاہی پہنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مچھر سے مروا دیا جو اس کے نتھنوں میں سے گھس گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے چالیس روز تک سخت عذاب میں مبتلا رکھ کر موت دے دی ؎

سوئے او خصمے کہ تیر انداختہ
پشۂ کارش کفایت ساختہ

ترجمہ: اس کی طرف جس دشمن نے تیر پھینکا اس کا ایک مچھر نے کام تمام کر دیا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) اے خنک آنرا کہ ذلت نفس او
وائے آن کز سرکشی شد چون کہ او

○

(۲) بندگی او بہ از سلطانی است
کہ انا خیر دم شیطانی است

(۳) فرق بین و برگزین تو اے جلیس
بندگی آدم از کبر بلیس

ترجمہ: (۱) وہ خوش قسمت ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے۔ سرکش کو سخت ندامت ہوتی ہے۔
(۲) بادشاہی سے اس کی بندگی اچھی ہے کیونکہ شیطان 'انا خیر' کہنے سے مارا گیا۔
(۳) اس فرق کو دیکھ کر تمہیں وہ پسند کرنا ہے جو آدم نے پسند کیا اسی لیے آدم کی عاجزی شیطان کی سرکشی سے بہتر ہے۔

Scanned with CamScanner

سبق : اے مومنو! کہاں ہیں انبیاء و مرسلین علیہم السلام، اور کہاں ہیں مقربین اولیاء کرام، بڑے بڑے جابر بادشاہ اور متکبرین و سرکش لوگ۔ اے دوستو! تم ان سے عبرت نہیں پکڑتے۔ اے بھائیو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اگر تمہیں کچھ بوجھ ہے۔ اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم سب کو حاضر ہونا ہے اس روز اللہ تعالیٰ ہر ایک سے پورا پورا حساب لے گا اور کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ یاد کرو اس دن کو یہ زمین معروفہ بدل کر غیر معروفہ زمین بن جائے گی یہ آسمان بدل کر اور طریق سے بن جائیں گے اور جب یہ تبدیل ہوں گے اس وقت قیامت ہوگی اور اندھیرا چھا جائے گا اور قبر سے اُٹھتے ہی آگے پل صراط بچھا دی جائے گی جسے پُل صراط سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم قیامت میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی یاد رکھیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مقامات ایسے ہیں جہاں کوئی کسی کو یاد نہیں رکھ سکے گا:

- پلصراط
- حساب و کتاب
- میزان

پھر بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ جب زمین و آسمان تبدیل ہوں گے اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تُو نے مجھ سے ایک ایسا سوال کیا ہے جس کے متعلق تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسمان و زمین کی تبدیلی کے وقت لوگ پلصراط پر ہوں گے۔

ف : کبھی کبھار ذات میں تبدیلی ہوتی ہے جیسے دراہم کو دنانیر بنایا جائے اور کبھی صفات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے، بدلت الحلقۃ خاتما - یہ اس وقت بولتے ہیں جب چاندی وغیرہ پگھلا کر انگشتری تیار کی جائے اور اس کی پہلی ہیئت بدل جائے۔

ف : قرطبی نے الافصاح سے نقل کیا ہے کہ زمین و آسمان دو دفعہ تبدیل ہوں گے۔

- پہلی دفعہ ان کی صرف صفت تبدیل ہوگی اور یہ پہلے نفخ صور سے پہلے کی بات ہے اس وقت آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے اور سورج بے نور ہو جائے گا اور چاند کی چاندنی ختم ہو جائے گی یعنی دونوں بے نور ہو جائیں گے۔ اور سارے کا سارا عالم دھوئیں کی صورت میں نظر آئے گا اور کبھی کالے تیل کی طرح ہوگا اور زمین کی تمام عمارتیں مٹ جائیں گی اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور پہاڑ ہوا میں بادل کی طرح اڑتے نظر آئیں گے۔ دریا اور ندی نالے سب خاک میں مل جائیں گے اور درخت بھی کٹ کر مٹی ہو جائیں گے۔ اس طرح زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائیگا۔

Scanned with CamScanner

○ بارِ دگر زمین و آسمان کی حقیقت یعنی ذات تبدیل ہوگی۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب محشر میں اہلِ محشر ٹھہریں گے زمین
چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ (کذا رواہ علی رضی اللہ عنہ)

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بشریت کی زمین قلب کی زمین سے بدل جائے گی جس سے بشریت کی ظلمت مضمحل ہو جائے گی اور اس پر قلوب کے انوار غالب آ جائیں گے اور اسرار کے آسمان ارواح کے آسمان سے تبدیل ہو جائیں گے اس لیے کہ جب ارواح کے سُورج اسرار کے ستاروں پر چمکتے ہیں تو سورج کی شعاعوں کے غلبے سے ستاروں کے انوار مٹ جاتے ہیں بلکہ جب تجلیات انوار ربوبیت حقائق انوار وجود حقیقی سے متجلّی ہوتے ہیں تو وجودِ مجازی کی زمین فنا ہو جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

واشرقت الارض بنور ربھا۔ — اور رب تعالیٰ کے انوار سے زمین چمک اُٹھے گی۔

تفسیر عالمانہ وَبَرَزُوْا اور ظاہر ہوں گے یعنی جب تمام مخلوق اپنی قبروں سے اٹھ کھڑی ہوگی لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ حساب کتاب اور سزا و جزا کے لیے اللہ تعالیٰ واحد قہار کے سامنے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں اس لیے لائی گئی ہیں تاکہ امر ہذا کی سختی اور شدت معلوم ہو۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

لمن الملک الیوم للہ الواحد القھار۔ — آج ملک کس کا ہے اللہ واحد قہار کے لیے ہے۔

اس لیے کہ جب کوئی امر صرف کسی ایک کی ملک ہے تو اس پر نہ کسی کو غلبہ ہو سکتا ہے نہ اس سے سوائے اس کے کسی کو پناہ مل سکتی ہے۔

صُوفیانہ نکتہ فقیر (حقی) لکھتا ہے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد قدس سرہٗ کو فرماتے سُنا کہ اس آیت کی عجیب ترتیب ہے، وُہ اس طرح کہ ذاتِ احدیت اپنی وحدت سے کثرت کو دُور کرتی ہے اور اپنے قہر سے آثارِ کثرت مٹاتی ہے پھر کثرتِ وحدت میں فنا ہو کر رہ جاتی ہے اس کے سوا باقی سب کو فنا ہی فنا ہے۔

ف: المفاتیح میں لکھا ہے کہ القھار وہ ذات کہ ہر موجود شے اسی کے قبضۂ قدرت میں اور ہر شے اس کی قضا و قدر کے تحت اور ہر شے اس کے غلبہ سے عاجز ہو۔ بعض نے کہا قہار وُہ ہے جو سرکشوں کی گردن مروڑ دے اور انہیں تباہ و برباد کر کے ملیامیٹ کر دے۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ اور جس دن مخلوق ظاہر ہوگی تو اس وقت مجرمین کو دیکھو گے مُقَرَّنِيْنَ درانحالیکہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ المجرمین سے حال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب عقیدہ فاسدہ اپنے دوسرے گندے ہم عقیدہ کے ساتھ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا یا گمراہوں کا فروں مشرکوں کو اُن شیاطین کے ساتھ جکڑا جائے گا جن شیاطین نے انہیں گمراہ کیا ہوگا یا اس کا معنے یہ ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں ان کی گردنوں سے باندھ دیے جائیں گے فِي الْأَصْفَادِ یہ مقرنین سے متعلق ہے یعنی انہیں لوہے کی بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا جائے گا۔

Scanned with CamScanner

قاموس میں ہے الاصفاد بمعنے القیود یعنی لوہے کی زنجیریں اور بیڑیاں۔ یہ صفد بفتحتین کی جمع ہے اس کا حقیقی معنی ہے الشد (باندھنا)۔ مثلاً کہا جاتا ہے، صفدتہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو کرنی سخت اور مضبوط کر کے باندھے۔ سَرَابِیْلُهُمْ سربال کی جمع ہے یعنی ان کی قیمیں مِنْ قَطِرَانٍ کالے سیاہ تیل سے۔ دراصل یہ ابہل اور چاولوں وغیرہ کے نچوڑ کو کہا جاتا ہے۔

ف: اہلِ التفاسیر فرماتے ہیں کہ قطران ہر وہ شے جو ابہل کا دودھ دوہ کر اسے جوش دیا جائے۔ سخت گاڑھا ہونے پر خارش والے اونٹ کو پلایا جائے تو اس کی گرمی سے اونٹ کی خارش ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر سیدھا پیٹ میں پہنچتا ہے۔ یہ سیاہ اور بدبودار ہوتا ہے اسے آگ بہت جلد پکڑتی ہے۔ اسی تیل سے اہلِ نار کی مالش کی جائے گی۔ جب تیل کی مالش مکمل ہو جائے گی تو ایسے معلوم ہوگا کہ گویا کسی کو قیمیں پہنا دیا گیا ہے تاکہ مجرم کو ہر طرح کا عذاب حاصل ہو۔ مثلاً:

- ○ کالے تیل کی گرفت
- ○ اس کی جلن
- ○ چمڑے کو آگ کا فی الفور پکڑنا۔
- ○ گندے تیل سے گندی شکل نظر آنا۔
- ○ بدبودار ہوا۔

پھر تیل کے مختلف ہونے سے عذاب بھی مختلف ہوگا۔

حدیث شریف وان نارکم ھذہ جزء من سبعین جزأ من نار جہنم۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا ۷۰واں حصہ ہے۔

اسی پر کالے تیل کا قیاس کیجئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر طرح کے عذاب دنیا و آخرت اور جو کچھ ان کے مابین ہے کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

ف: تبیان میں ہے کہ آخرت میں جو پسینہ اہلِ نار کے جسموں سے نکلے گا وہی قطران ہے۔

ف: یعقوب سے مروی ہے کہ پیتل، تانبہ اور دھات کی انتہائی گرمی کو قطران کہا جاتا ہے۔

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ لے گی۔ یعنی ان کے چہروں پر آگ چڑھ کر احاطہ کرلے گی جہاں تک کالے تیل کی مالش ہو چکی ہوگی وہاں تک آگ گھیرا کرے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چہرہ سب سے پہلے حق سے اعراض کرتا ہے۔ اگر چہرہ توجہ الی الحق کرے تو دوسرے اعضا بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں؛ ان کو لگانا تو تھا جلوتِ الٰہی میں، لیکن اس کے برعکس انہیں خدا کی نافرمانی میں لگا دیا۔ یہ ایسے ہے جیسے قلوب پر نار کے احاطہ کی خبر دی گئی ہے۔ تو اس میں یہی توجیہ ہے کہ دل تمام اعضا کا سردار ہے جب اس نے حق سے منہ موڑا تو تمام اعضا نے اس کی تقلید کی۔ اسی لیے سب سے پہلے آگ اسی کو گھیرے گی۔

Scanned with CamScanner

ف : بحرالعلوم میں ہے کہ کبھی وجہ (چہرہ) بول کر تمام اعضاء مراد لیے جاتے ہیں اور کبھی وجہ سے مجازاً ذات مراد ہوتی ہے۔ اور یہی مجازی معنی حقیقی معنے سے بلیغ تر ہے اور تمام اعضاء کو نار اس لیے گھیرے گی کہ انسان کا ہر عضو کسی نہ کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ پھر جیسے اعمال سرزد ہوئے ویسی ہی سزا۔ اور پھر چونکہ انہی اعضاء کی گناہوں پر مداومت اور اصرار رہا اسی لیے عذاب بھی دائمی ہوگا۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ یہ فعل مضمر کے متعلق ہے جو کہ دراصل یفعل بھم لیجزی تعالیٰ یعنی ان سے یہ بات ہوگی انھیں اللہ تعالیٰ جزاء دے كُلَّ نَفْسٍ ہر اس نفس کو جو مجرم ہوگا مَّا كَسَبَتْ وہ جو کہ اس نے عمل کیے از قسم کفر و معاصی یعنی اس کے اعمال کے مطابق اسے جزاء دے گی اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ بیشک وہ اللہ تعالیٰ جلد تر حساب لینے والا ہے اس لیے کہ اسے ایک حساب دوسرے حساب سے نہیں روک سکتا اس لیے کہ وہ ایک ہی آن میں تمام لوگوں کے حساب مکمل کر لے گا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء و سزا مل جائے گی۔ یا معنی یہ ہے کہ اس کا حساب بہت جلد آنے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وتری المجرمین سے وہ ارواح مجرم مراد ہیں جنہوں نے نفوس کی تابعداری کی اعراض عن طلب الحق اور اتباع شہوات میں نفوس کی موافقت کی یوم تبدل سے تجلی کا دن مراد ہے مقرنین درانحالیکہ وہ ارواح نفوس کی صفات ذمیمہ حیوانیہ میں مقید ہیں انھیں سیر الی اللہ کی طاقت نہیں رہتی سرابیلھم من قطران یعنی معاصی و ظلمات نفوس کے قمیص ان کو پہنائے جائیں گے جو انہی وجوہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جائیں گے۔ وتغشی وجوھھم النار اور ان کے چہروں کو مہجوری حسرت و غفلت اور محرومی کی نار ڈھانپ لے گی۔ لیجزی اللہ کل نفس تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ارواح کو سزا دے جنہوں نے نفوس کی صحبت میں رہ کر ان کی موافقت کی ان اللہ سریع الحساب بیشک اللہ تعالیٰ ارواح کا دنیا میں جلد تر حساب لے گا اور نفوس کی صحبت و موافقت میں ارواح کو اندھے پن، بہرے پن، جہل و غفلت اور دوری و مہجوری وغیرہ کی سزا ملے گی اور اسے آخرت میں سخت سے سخت آفات میں مبتلا کیا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ هٰذَا یہ قرآن اور اس کے اندر جو اللہ تعالیٰ نے مواعظ اور نصائح کے عجائبات امانت رکھے ہیں بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ لوگوں کی تبلیغ کے لیے ہیں یعنی یہی قرآن ان کی نصیحت اور تبلیغ کے لیے کافی ہے۔

ف : قاموس میں ہے کہ بلاغ بروزن سحاب بمعنے کفایۃ ہے۔

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اور لام بلاغ کے متعلق ہے۔ یعنی یہ قرآن مجید ان کے لیے کافی ہے اس میں کہ انھیں نصیحت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ قرآن ان کے لیے کافی ہے اس سے پہلے جبکہ ان کے ارواح ان کے ابدان سے جدا ہوں تاکہ وہ اس سے نفع پائیں اس لیے کہ موت کے وقت متنبہ ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

تفسیر عالمانہ وَلِيَعْلَمُوْٓا تاکہ قرآن کے اندر والی آیات پر تامل کر کے معلوم کریں اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بیشک معبود ایک ہے یعنی وہ وحدہٗ لا شریک ہے جو یکتا ذات ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اس لیے صرف

اسی کی عبادت کریں اور غیروں کی پرستش ترک کر دیں اور غیر اللہ سے دنیا اور خواہشاتِ نفسانیہ اور شیطان اور بت مراد ہیں وَلِیَذَّکَّرَ
اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی توحید اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکامات پر عمل کر کے نصیحت حاصل کریں اور بُری عادات و صفات سے پاک کا فروں
سے علیحدگی اختیار کر کے اہلِ ایمان کی صحبت سے سرشار ہوں اور ان کے عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ کے مطابق زندگی بسر کریں۔

ف : بیضاوی نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین فائدے بتائے ہیں :

- انسان کی زندگی کی اصل غرض و غایت
- کتب کے انزال کی حکمت ۔ وہ یہ کہ ان کی وجہ سے رسل کرام لوگوں کی تربیت مکمل کر سکیں گے اور انہی کی وجہ سے لوگ اپنے منتہائے کمال کو پہنچیں گے ۔
- کتب سماویہ سے قوت علیہ کو طاقت نصیب ہوتی ہے کہ انہی کی وجہ سے تقویٰ کا لباس نصیب ہوتا ہے ۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے قرآنی نصائح پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کو پا لیتے ہیں اور اوامر و نواہی پر پابند
ہو کر تقویٰ حاصل کرتے ہیں اور اولین و آخرین کے صلحا نے اسی کی نصیحت و وصیت فرمائی ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و ایاکم ان اتقوا اللہ۔	ہم نے وصیت کی تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو کہ تقویٰ حاصل کرو۔

ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خود اس سے نصیحت حاصل کریں چونکہ عقول مختلف ہوتی ہیں اس لیے ہر ایک کو عقل کے مطابق
جزا و سزا ملے گی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف بہشت میں ایک نورانی شہر ہے جسے نہ کسی ملک مقرب نے دیکھا ہے نہ کسی نبی مرسل نے ۔ اس کے
اندر بے شمار محلات ، بالاخانے ، ازواج (حوریں) اور خدام نوری ہیں ۔ یہ صرف اہلِ عقل کو نصیب ہوں گے ۔ جب اللہ تعالےٰ
اہلِ جنت کو اہلِ نار سے علیحدہ کرے گا تو اہلِ عقل کو اہلِ جنت سے ممتاز فرما کر اس شہر میں ٹھہرائے گا ۔ پھر ہر اہلِ عقل کو عقل کے
مطابق جزا عنایت فرمائے گا ۔ اسی بنا پر ہر اہلِ عقل اپنی عقل کے لحاظ سے درجات میں ممتاز اور بلند قدر ہو گا ۔ اور ہر ایک درجہ
ہزاروں سال کی مسافت کا ہو گا جیسے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت ہے ۔ وہ درجات اس سے بھی ہزار گنا زیادہ ہوں گے ۔

ف : روح البیان میں ہے کہ عقلاء سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیروں پر مختار فرمایا ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے سے عقل و
علم و عرفان باللہ میں مختلف ہوتے ہیں اسی لیے حدیث شریف میں ہے :

اکثر اھل الجنۃ البلہ۔	بہشت میں اکثر بے عقل ہوں گے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ بلہ سے مراد وہ ہیں جو صرف جنت اور اس کی نعمتوں کے طالب ہیں ورنہ جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور
اس کے قرب کے طلبگار ہیں دراصل معاملات شرعیہ کے مطابق عبادت گزار اور اسرار الٰہیہ کے عارف یہی ہیں اور ان کا درجہ

Scanned with CamScanner

اس عابد سے بلند ہے جو صرف بہشت کے لیے عبادت کرتا ہے۔ عارف کا مقام نور میں ہے اور عابد کا مقام جوہر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نور جوہر سے لطافت میں بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ کمال خجندیؒ نے فرمایا: ؎

نیست ما را غم طوبیٰ و تمنائے بہشت

شیوۂ مردم نا اہل بود ہمت پست

ترجمہ: نہ ہمیں طوبیٰ کا غم نہ بہشت کی آرزو ہے۔ نااہل لوگوں کا طریقہ پست ہمتی ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

یا من ملکوت کل شیءٍ بیدہ

طوبیٰ لمن ارتضاک ذخرۃ الغدہ

○

ایں بس کہ دلم جز تو ندارد کامے

تو خواہ بدہ کام دلم خواہ مدہ

ترجمہ: اے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر شے ہے، خوشی ہے اسے جو تمہیں پسند ہے، اس کا انجام بخیر اور اسے آخرت کا بہترین ذخیرہ نصیب ہوگا۔

اے میرے محبوب! تیرے سوا میرا ایک قدم بھی نہیں اٹھتا اب تیری مرضی میری مراد پوری فرما یا نہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان حضرات سے بنائے جو حدود الٰہی کی محافظت کرتے ہیں اور اس کی نصیحت و موعظت پر عمل کرتے ہیں اور حیات و ممات کے ہر شعبہ کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کامیاب رکھتے ہیں۔ اور ہمیں اپنے شرف عفو و رضا سے کامیابی بخشے بطفیل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی عترت طاہرین اور اصحاب طیبین کے طفیل۔ آمین

تمت سورۃ ابراھیم بعون اللہ الکریم صبیحۃ الیوم الاول من ذی الحجۃ من سنۃ ثلاث ومائۃ والف

یعنی سورۂ ابراہیم اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے پہلی ذوالحجہ ۱۱۰۳ھ کی صبح کو ختم ہوئی۔

(اور فقیر اویسی غفرلہٗ نے قریب پانچ بجے دن بروز ایمان افروز سوموار شریف بتاریخ ۴ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ بمطابق ۲ اپریل ۱۹۷۹ء اپنی تعمیر کردہ مسجد حامد آباد ضلع رحیم یار خان کا شتانے وعظ نصیحت بدعوت حاجی جام محمد ملاڑ ترجمہ ختم کیا بتوفیقہ تعالیٰ و بوسیلۃ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین)

بعون اللہ الکریم بوسیلۃ حبیبہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم سورۃ ابراہیم کی کتابت محمد شریف نگل خوشنویس نے بروز سوموار مورخہ ۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ بمطابق ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ میں مکمل کی۔

Scanned with CamScanner

سورۃ الحجر

سورۃ الحجر وھی مکیۃ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	وآیاتہا تسع و تسعون
الۤرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○		۱

ترجمہ: یہ کتاب اور قرآن مبین کے آیات ہیں۔

تفسیر سورۃ الحجر۔ یہ سورۃ مکیہ ہے اس کی ۹۹ آیات ہیں۔ کذا فی التفاسیر الشریفہ۔

تفسیر عالمانہ

مسلک اول: الۤرٰ یہ سورۃ کا نام ہے یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ سورۃ وہ ہے جس کا نام الۤرٰ ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ حروف مقطعہ کے متعلق بہت سے اقوال ہیں۔ ایک جماعت کا مذہب ہے کہ اس میں گفتگو نامناسب ہے بلکہ اس کے متعلق گفتگو کرنا بڑی جرأت کا کام ہے جو نہایت ناموزوں ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حروفِ مقطعہ کی تفسیر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس میں ہم گفتگو کریں تو اس کے متعلق متکلف متصور رہوں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ فرمائیے:

وما انا من المتکلفین۔ اور میں متکلف نہیں ہُوں۔

تشریح از صاحبِ روح البیان

فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حروفِ مقطعات کے بارے میں گفتگو کرنے کے متعلق غیر متکلف ہونے کا فرمایا ہے ورنہ ذوقِ صحیح اور مشرب شافی میں ان کے معانی اہلِ ذوق اور اولیاء کرام کو حاصل ہوسکتے ہیں لیکن ہمارے جیسوں کو ان کے معانی کے بیان کی طاقت نہیں دی گئی اس لیے کہ یہی متعلقات حروف و الفاظ کا مخزن ہیں۔ یہ (حروف مقطعات) معانی و حقائق کا مخزن ہی نہیں بلکہ یہ مخزن ایسے منتہی پر ہے جہاں تک رسائی کسی فردِ بشر کے لیے ممکن نہیں (جب تک فضلِ ایزدی شاملِ حال نہ ہو اور یہ مرتبہ اولیاء کرام و انبیاء عظام علیہم السلام کا ہے)۔

مسئلہ: حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشادِ گرامی سے ثابت ہُوا کہ ان کے علوم کا حصول دائرہ امکان میں ہے۔

Scanned with CamScanner

بعض لوگوں (وہابی، دیو بندی، مودودی) کا خیال ہے کہ،

ردّ وہابیہ دیوبندیہ

ان ھذہ الحروف من اسرار استأثر اللہ بعلمها۔

یہ حروف (مقطعات) اللہ تعالیٰ کے خصوصی اسرار ہیں سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔

(اس کا جواب صاحبِ رُوح البیان یُوں لکھتے ہیں کہ)

ففی حق القاصرین عن فهم حقائق القرآن والخالین عن ذوق هٰذا الشأن و علم عالم الشاهدة والعیان والا فالذی استأثر الله بعلمه انما هی الممتنعات وهی ما لم یشم رائحة الوجود بل بقی فی غیب العلم المکنون بخلاف هذه الحروف فانها ظهرت فی عالم العین وما هو کذٰلك لا بد وان یتعلق به علم الاکملین لکونه من مقدوراتهم۔
(ج ۴ ص ۴۳۹)

حقائق قرآن سے قاصرین کے فہم کی کمی ہے اور وہ حقائق قرآنی سے بالکل محروم ہیں اور نہ انہیں عالم مشاہدہ وعیان سے کچھ علم نصیب ہے تو کہتے ہیں کہ متشابہات کا علم اولیاء کرام کو نہیں ورنہ ظاہر ہے اللہ نے وہ علم اپنے لیے مخصوص فرمایا ہے جو معدوم ہے اور آسے ممتنعات کہتے ہیں اور ممتنعات وُہ ہیں جو عالم وجود میں نہیں آسکے اور یہ حروف تو عالم عین میں ہیں اور جو شئے عالم عین میں ہے ان کے علوم کاملین اولیاء کو حاصل ہیں اس لیے کہ یہ ان کے مقدورات میں ہے۔

وہابیوں دیوبندیوں کا دُوسرا ردّ

(عام طور پر وہابی دیو بندی وغیرہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی فلاں شان کا علمِ غیب مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک لازم آتا ہے اس کا جواب بھی صاحبِ روح البیان سینکڑوں سال پہلے دے گئے ہیں۔ کما قال:)

فالفرق بین الخالق والمخلوق ان علم الخالق عام شامل بخلاف علم المخلوق۔
(ج ۴ ص ۴۳۹)

خالق و مخلوق کے علم میں بڑا فرق ہے اس لیے کہ خالق کا علم محیط کل شئی ہے بخلاف علم مخلوق کے کہ وہ ایسا نہیں۔

(اس کے بعد صاحبِ رُوح البیان نصیحت فرماتے ہیں کہ)

فافهم هداك الله۔

تجھے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

(فقیر اویسی غفرلہٗ عرض کرتا ہے کہ وہابیہ نے خواہ مخواہ خلقِ خدا پر شرک کی رٹ لگا رکھی ہے ورنہ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو صاحبِ روح البیان نے فرمایا)

ف: بعض نے کہا کہ الٓمّٓ کا ہر حرف کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے مثلاً الف اسم اللہ کی طرف اور لام جبریل کی طرف اور میم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یعنی یہ کلام من جانب اللہ بواسطہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

Scanned with CamScanner

تِلْكَ یہ سورۃ عظیم الشان اٰیٰتُ الْکِتٰبِ کتاب کامل کی آیتیں ہیں اور وہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے کتاب کہا جائے۔ کتاب کے اطلاق کی مستحق یہی کتاب ہے۔ چنانچہ الکتاب کا الف لام یہی معنی دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات قرآن مجید کا بعض حصہ ہیں۔ یا یہ سورۃ کلام منزل من اللہ کی بعض آیات ہیں۔ یا یہ سورۃ لوح محفوظ کی آیات ہیں وَقُرْاٰنٍ اور قرآن مجید عظیم الشان ہے مُّبِیْنٍ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو ظاہر کرنے والا ہے یا سبیل الرشد والغی کو واضح کرنے والا ہے یا حق و باطل کا بتانے والا ہے یا حلال و حرام کا امتیاز کرتا ہے۔ یہ اَبَانَ (متعدی) سے ہے اور اسے لازم بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ قرآن کا معاملہ اعجاز میں ظاہر ہے۔ تاکہ تدبر کرنے والوں کے لیے اس کے معانی واضح ہوں یا یہ کہ جن پر نازل ہوا ہے ان کے لیے آسان ہے کیونکہ یہ ان کی لغت اور ان کے طور طریق پر نازل ہوا ہے۔ القرآن کا عطف الکتاب پر عطف الصفتین علی الاخری کے قبیل سے ہے۔ یعنی یہ کلام وہ ہے جو کتابیۃ و قرآنیۃ کی جامع ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تلك کا اشارہ الٓرٰ کی طرف ہے۔ یعنی الٓرٰ کا ہر ایک حرف علیحدہ علیحدہ کتاب کی آیات میں سے مستقل آیۃ ہے۔ اور یہ بھی قرآن مجید ہے مثلاً الف کا اشارہ اللّٰہُ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم کی طرف اور لام کا اشارہ وللہ ملك السمٰوٰت والارض یغفر لمن یشاء کی طرف اور راء کا اشارہ ربنا ظلمنا الخ کی طرف ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہی تینوں آیات کی قسم یاد فرمائی ہے اس قسم کا اشارہ انہی تینوں حروف سے کیا اس کے بعد وقرآن مبین میں سارے قرآن مجید کی قسم یاد فرمائی۔

الحمد للہ علی احسانہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ کہ فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ نمبر ۱۳ کے
ترجمہ سے شب بدھ ۱۱ ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ کو
فارغ ہوا۔

Scanned with CamScanner

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
وما ابرئ نفسی الخ مع ترجمہ	۳
یوسف علیہ السلام نفس امارہ کی کیوں برأت کی	۴
وما ابرئ نفسی کی صوفیانہ تقریر	۵
انبیاء علیہم السلام کے نفوس مطہر کیوں	۵
شیر اور بیل اور نا اتفاقی کا قصہ	۶
یوسف علیہ السلام جیل سے نکلے	۸
یوسف علیہ السلام کا شاہانہ استقبال	۹
وقال الملک ائتونی بہ کی تفسیر صوفیانہ	۱۰
اجعلنی علیٰ خزائن الارض الخ کی عالمانہ تفسیر	۱۱
یوسف علیہ السلام کا معجزہ	۱۲
تیمور لنگ کی کہانی	۱۳
سابق عزیز مصر فوت ہوا اور یوسف نے یہی عہدہ سنبھالا	۱۴
زلیخا کا عشق اور زلیخا کے نام پر سب کچھ لٹا دینا	۱۵
زلیخا کا جھونپڑا	۱۶
یوسف کا محل	۱۷
زلیخا کی کرامت	۱۸
زلیخا کی جوانی لوٹ آئی	۱۹
نکاح یوسف علیہ السلام بہ زلیخا	۲۰
یوسف علیہ السلام کی دعا مستجاب	۲۱
سابق عزیز مصر نامرد تھا	۲۱
یوسف علیہ السلام کا عشق زلیخا سے	۲۲
اجعلنی علیٰ خزائن الارض الخ کی تفسیر صوفیانہ	۲۳
کذلک مکنا فی الارض کی تفسیر عالمانہ	۲۴
یوسف علیہ السلام کی تاج پوشی	۲۵
ولاجر الآخرة الخ کی تفسیر صوفیانہ	۲۸
وجاء اخوة یوسف الخ اصل عبارت اور ترجمہ	۲۹
وجاء اخوة یوسف الخ کی تفسیر عالمانہ	۳۱
بعض مفسرین کا قول کہ یعقوب علیہ السلام کے ملک میں قحط	۳۱
یوسف علیہ السلام کو بھائی نہ پہچان سکے، اس کی وجہ	۳۲
علم کے باوجود لاعلمی کا اظہار	۳۳
اظہار علم قرآن سے	۳۵
عالم، علوی، فرجی، بازاری کی کہانی اور ان کی رسوائی	۳۶
وقال لفتیٰنہ الخ کی تفسیر عالمانہ	۳۸
معجزہ دانیال علیہ السلام	۳۹
حضور علیہ السلام کا معجزہ	۴۰
نیک عورت اور حسینہ کی کہانی عجیب	۴۰
ولما فتحوا الخ کی تفسیر عالمانہ	۴۲
یوسف علیہ السلام کے بھائی اور وسیلہ مصطفیٰ	۴۳
حاجی کی کہانی اور ولی اللہ کی کرامت	۴۵

Scanned with CamScanner

بدنظری کی تفصیل	۴۶	قالوا واقبلوا الخ کی تفسیر	۶۵
سوال لاعلمی یعقوب علیہ السلام اور اس کا جواب	۴۷	بنیامین چور نکلا اس کی براءت کی دلیل	۶۶
حسنین کریمین رضی اللہ عنہما پر نظرِ بد کا اثر	۴۸	حیلۂ اسقاط پر ردِّ وہابیہ	۶۸
اقلیم ہند کے عجیب لوگ	۵۰	قالوا ان یسرق الخ کی تفسیر عالمانہ	۶۹
سلطان محمود غزنوی کی ناکامی	۵۰	یوسف علیہ السلام کیسے چور تھے	۷۰
بدالعین کا مجرب بدر فوت ہوا	۵۱	بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ	۷۱
چاند پر نظر اور وہ بے نور ہوگیا	۵۱	قالوا یا ایھا العزیز الخ کی تفسیر	۷۲
موذی جانور ڈسے تو اسے مار دو ، اس کی حکمت	۵۱	وہابی کی خشک تفسیر	۷۳
بدنظری کا ثبوت	۵۱	فلما استیئسوا منہ الخ (رکوع ۳) اور ترجمہ	۷۴
بچوں وغیرہ کو سیاہ داغ لگانے کا ثبوت	۵۲	ظلم تین قسم ہے	۷۵
کھیتوں میں ہڈیاں اور سیاہ کپڑا لٹکانا	۵۲	تفسیر عالمانہ فلما استیئسوا الخ	۷۶
ردِّ وہابیہ	۵۲	حسینہ عورت اور صابرہ شاکرہ	۷۸
جبریل کا حضور علیہ السلام کے لیے دعا کرنا	۵۲	عسی اللہ ان یاتینی الخ سے یعقوب علیہ السلام کا علم	۷۹
بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے جھاڑ پھونک کا جواز	۵۳	دو حکایتیں	۸۰
تعویذات کا جواز	۵۳	وتولی عنھم الخ کی تفسیر عالمانہ	۸۱
درندوں سے بچنے کا وظیفہ اور محبوبانِ خدا کے تصرفات	۵۳	یعقوب علیہ السلام کے علم پر اعتراض ان کے جوابات	۸۲
یامر و لامر کی تحقیق اور مجرب وظیفہ	۵۵	ابلیس کا یوسف پر طعن اور اس کا جواب	۸۳
نبوی وظیفہ ، بدنظر سے بچنا اور بُوم وغیرہ کا اجرا	۵۶	احادیث قدسیہ و فائدہ صوفیہ	۸۴
ماکان یغنی عنھم الخ کی تفسیر	۵۷	ماتم حسین یا شیعوں کا ناٹک یعنی }	۸۵ حاشیہ
ولما دخلوا علی یوسف (رکوع ۲) اور ترجمہ	۵۸	ماتمیوں کے کرتب کی تفصیل }	
انبیاء و اولیا کے علوم کو عوام نہیں جانتے	۵۹	سطیحہ دجّال کی تردید	۸۶
ولما دخلوا علی یوسف الخ کی تفسیر عالمانہ	۶۰	نابینا صحابہ کرام کی فہرست	۸۸
فلما جھزھم بجھازھم الخ کی تفسیر	۶۲	قالوا تاللہ تفتؤا الخ کی تفسیر	۸۹
تفسیر شیعہ کا استدلال اور اس کا رد	۶۳	تفسیر نبوی دربارہ آیت مذکورہ	۹۲
تورات کے دلائل	۶۴	یعقوب علیہ السلام یوسف کا جملہ حال جانتے تھے	۹۳

Scanned with CamScanner

28

ولا تیئسوا من روح اللہ الخ کی تفسیر	۹۴	گدھی ویُوسفی خواب کا فرق	۱۲۶
جزرسے میں پھنسا ہوا ناامید انسان امید پا گیا	۹۵	لقمان کی حکمت	۱۲۷
یبنی اذھبوا فتحسسوا الخ کی تفسیر صوفیانہ	۹۶	یعقوب علیہ السلام کا علم دربارہ یوسف علیہ السلام	۱۲۹
فلما دخلوا علیہ الخ کی تفسیر	۹۷	زلیخا و یوسف علیہ السلام کی اولاد کی تفصیل	۱۳۰
یعقوب علیہ السلام کے خط کا مضمون جو انھوں نے عزیزِ مصر کو لکھا	۹۸	مختارِ کل صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ	۱۳۱
بکری دُودھ کے بجائے شہد دیتی تھی	۹۹	اختیارِ کل کا ثبوت	۱۳۱
سلطان محمود کے شیخ کا واقعہ	۱۰۰	حکایت بہلول دانا	۱۳۱
جئنا ببضاعۃ الخ کی صوفیانہ تفسیر	۱۰۲	وصالِ یعقوب علیہ السلام	۱۳۱
یوسف علیہ السلام کا جواب نامہ	۱۰۳	رب قد اٰتیتنی الخ	۱۳۲
قالوا تاللہ لقد اٰثرك الخ کی تفسیر عالمانہ	۱۰۴	اگر بہ درمشیٔ فاطر	۱۳۴
حضور علیہ السلام کا علمِ غیب	۱۰۵	الموت تحفۃ المومن الخ	۱۳۴
ماں کے گستاخ کی سزا، ایک کہانی	۱۰۶	الحقنی بالصالحین پر سوال کا جواب	۱۳۵
یوسف علیہ السلام کی قمیص کا واقعہ	۱۰۷	یُوسف علیہ السلام کی جدائی پر زلیخا کی بے قراری	۱۳۶
خرقۂ ولایت از مشائخ	۱۰۸	یوسف علیہ السلام نے دو شہر تیار کیے	۱۳۸
خرقہ کے لیے وہابیہ کا اعتراض و جواب	۱۰۹	موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یُوسف علیہ السلام کا مزار	۱۳۹
ولی اللہ کی پوشاک اور شفائے بیماراں		موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	۱۳۹
ولما فصلت العیر الخ (رکوع) کا ترجمہ	۱۱۰	سیانی بڑھیا کا واقعہ	۱۴۰
آیۂ مذکورہ کی تفسیر	۱۱۱	وما اکثر الناس الخ کی شانِ نزول	۱۴۲
واپی کشش فائدہ اور یوسف علیہ السلام کا قمیص کون سے گیا	۱۱۲	وکاین من اٰیۃ الخ (رکوع) اور ترجمہ	۱۴۳
خوشبو سونگھی یعقوب علیہ السلام نے اور بایزید کا واقعہ	۱۱۳	وما یؤمن اکثرھم باللہ الخ کی شانِ نزول	۱۴۴
فلما ان جاء البشیر الخ کی تفسیر صوفیانہ	۱۱۷	واسطی نیشاپوری کی کہانی	۱۴۵
فلما دخلوا علٰی یوسف الخ کی تفسیر	۱۲۰	افأمنوا ان تاتیھم الخ کی تفسیر	۱۴۵
یعقوب علیہ السلام کا استقبال	۱۲۱	اچانک موت کی تفصیل	۱۴۵
ورفع ابویہ الخ	۱۲۳	قل ھٰذہ سبیلی الخ کی تفسیر	۱۴۶
سرکاری خواب کی تشریح	۱۲۵	حکایت و کرامت	۱۴۸

Scanned with CamScanner

ہارون الرشید کے صاحبزادے کی کرامت	۱۴۸	ایک اور عجیب دریا	۱۶۸
وما ارسلنا من قبلک الخ کی تفسیر	۱۴۹	عجائبات سیر و سیاحت	۱۶۹
شہر اور دیہات کا فرق	۱۴۹	لطائف انسان	۱۶۹
دیہات کی مذمت	۱۵۰	ابدال کی نشانیاں	۱۷۰
افلم یسیروا فی الارض الخ کی تفسیر	۱۵۱	لفظ کرم کی تحقیق	۱۷۱
حتی اذا استیئس الرسل الخ کی تفسیر	۱۵۲	مختلف ثمرات کے اثرات	۱۷۲
لقد کان فی قصصھم الخ کی تفسیر	۱۵۳	فائدہ صوفیانہ	۱۷۴
اختتام سورہ یوسف کی تاریخ	۱۵۵	ان فی ذالک الخ کی تفسیر عالمانہ	۱۷۴
سورہ الرعد کا پہلا رکوع اور اس کا ترجمہ	۱۵۶	تفسیر صوفیانہ درباره انسان	۱۷۵
المرا کی تفسیر	۱۵۷	وان تعجب فعجب الخ کی تفسیر	۱۷۶
حروف مقطعات کے متعلق فائدہ صوفیانہ	۱۵۸	اولئک الذین کفروا بربھم الخ کی تفسیر	۱۷۷
اللہ الذی رفع السموات الخ کی تفسیر	۱۵۹	گنہگار کی قبر میں اژدہا	۱۷۹
استوی علی العرش الخ کی تاویلات	۱۶۰	حکایت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام	۱۸۰
وسخر الشمس والقمر الخ کی تفسیر	۱۶۱	خوف و رجا کا فرق	۱۸۱
وکشف الغطاء الخ قول علی کی تشریح	۱۶۲	وحی واذوی	۱۸۱
علم سلوک کے چٹکلے	۱۶۳	ویقول الذین کفروا الخ کی تفسیر	۱۸۳
کعبہ معظمہ اور زمین کا عجوبہ	۱۶۴	امام غزالی کی تقریر	۱۸۴
کعبہ کوہ جودی پہاڑ سے بنا ہے	۱۶۴	شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸۴
زمین کا سب سے پہلا پہاڑ	۱۶۴	ظہور مہدی کا مسئلہ	۱۸۴
اُحد افضل ہے جملہ جبال سے	۱۶۵	حضرت مہدی کی چند علامات	۱۸۵
ہر پہاڑ کی جڑ کوہ قاف میں ہے	۱۶۵	اللہ یعلم ما تحمل الخ (رکوع) اور اس کا ترجمہ	۱۸۶
دریائے نیل کا کنارہ نہ مل سکا	۱۶۷	اللہ یعلم ما تحمل الخ کی تفسیر	۱۸۷
ایک پہاڑ کا عجیب عجوبہ	۱۶۷	رحم کیا شے ہے	۱۸۸
نیل دریائے اخضر	۱۶۷	ماں کے پیٹ کے اندر بچہ کے ٹھہرنے کی مدت	۱۸۹
دریائے نیل کی تاثیر	۱۶۷	ابو منصور بچہ نو ماہ سے زائد ٹھہرے	۱۸۹

Scanned with CamScanner

سجدۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۸۹
ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تحقیق اور چار چار پانچ پانچ بچوں کی پیدائش	۱۹۰
عالم الغیب الخ کی تفسیر اور غیب کا معنیٰ	۱۹۱
عالم باطن کی شان اور فضیلتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۹۲
سواء منکم الخ کی تفسیر عالمانہ	۱۹۲
ہر بندے کے ساتھ کے فرشتے محافظ ہیں	۱۹۲
محافظ فرشتے اور ان کی ڈیوٹی	۱۹۵
درود شریف کی فضیلت	۱۹۵
کراماً کاتبین موت کے بعد قبر پر رہتے ہیں	۱۹۶
اعمالِ صالحہ کی برکات	۱۹۶
حضرت ابراہیم بن ادھم کا واقعہ	۱۹۷
٭ فراق سے حالات و ہیئات کی تبدیلی	۱۹۷
بدعملی سے کن لوگوں کی شکلیں بدلیں	۱۹۸
واذا اراد اللہ الخ کی تفسیر	۱۹۹
ھو الذی یریکم البرق الخ کی تفسیر	۲۰۰
بادلوں کے متعلق فلسفیانہ و اسلامی تحقیق	۲۰۱
وظیفہ بجلی روکنے کا	۲۰۳
گستاخِ نبی پر بجلی گری	۲۰۴
ایک اور گستاخ پر عذاب	۲۰۴
لہ دعوت الحق الخ کی تفسیر	۲۰۶
والذین یدعون من دونہ الخ کی تفسیر	۲۰۷
فرعون کی زاری اور قتلِ باری	۲۰۸
ہرنی کا قصہ اور ولی کی کرامت	۲۰۸
وللہ یسجد من فی السمٰوٰت الخ کی تفسیر	۲۰۹
سجدۂ شکر کے احکام اور سجدۂ تعظیم	۲۱۱
قل من رب السمٰوٰت الخ کی تفسیر	۲۱۱
قل ھل یستوی الاعمیٰ الخ کی تفسیر	۲۱۲
وجعلوا للہ شرکاء الخ کی تفسیر	۲۱۳
نیکیاں اور برائیاں کس سے اور فیصلہ صدیق	۲۱۵
وہ اشیاء جو پگھلنے کے بعد اپنی حالت پر ہیں	۲۱۸
للذین استجابوا لربھم الخ کی تفسیر	۲۱۹
بہشت کا سوال اس لیے کہ وہاں دیدارِ حق ہوگا	۲۲۰
جس کا حساب ہوگا وہ ہلاک اس کی تشریح	۲۲۱
موسیٰ علیہ السلام کا سوال اللہ تعالیٰ کا جواب	۲۲۳
افمن یعلم انما انزل الیک الخ (رکوع) اور ترجمہ)	۲۲۵
آیہ مذکورہ کی تفسیر	۲۲۵
اعضاء مکلفہ کتنے ہیں	۲۲۷
بعض اشیاء کو مشروط بشرط استعمال جائز	۲۲۷
صلہ رحمی کے مسائل فقہیہ	۲۲۸
حکایت اویس قرنی رضی اللہ عنہ	۲۳۰
والذین صبروا ابتغاء الخ کی تفسیر	۲۳۱
صبر کے اسباب	۲۳۲
شقیق بن مبارک	۲۳۲
واجب دو قسم ہے	۲۳۴
بخیلوں کی مذمت اور حکایت	۲۳۵
ایصالِ ثواب اور ردِّ وہابیہ	۲۳۶
مسئلہ شفاعت اور ردِّ وہابیہ	۲۳۸
حسب نسب پر فخر کی مذمت	۲۳۸
بہشتی کا ٹھاٹھ باٹھ	۲۳۹
فقراء کی فضیلت	۲۳۹

عبدالواحد بن زید اور ایک نومسلم	۲۴۰
ملائکہ کو دنیا میں بلا حجاب دیکھنا	۲۴۱
عبودیت و محبت	۲۴۲
فساد فی الارض کے مسائل	۲۴۳
روحانی نسخہ و امراضِ نفسانی کا علاج	۲۴۶
اہل سنت کے لیے لغوی فائدہ	۲۴۷
بادشاہ کا پیالہ اور درویش کی کہانی	۲۴۷
ویقول الذین کفروا الخ (رکوع) کا ترجمہ	۲۴۹
ویقول الذین کفروا الخ کی تفسیر	۲۴۹
ضلال و ہدایت کے معنی میں ردِّ وہابیہ	۲۵۰
قلب چار قسم ہے	۲۵۱
امراض نفسانی کا علاج روحانی	۲۵۲
ذکر الٰہی کے فضائل	۲۵۲
بدعت اور وہابیہ دیوبندیہ	۲۵۳
عبداللہ بن مسعود والی روایت بدعت کی تردید اور جوابات	۲۵۳
ذاکرین کی اقسام	۲۵۴
خادم کی تسبیح ہی کا وظیفہ، مرشد کی سیر کا وظیفہ اور ضرورت مرشد	۲۵۵
والذین آمنوا وعملوا الصالحات کی تفسیر	۲۵۶
طوبیٰ کا تعارف، بہشت میں فیضان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان و عمل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے	۲۵۶
طوبیٰ کا مزید تعارف	۲۵۷
عقیدت کی برکت یعنی ڈاکو اور عورت کا واقعہ	۲۶۱
ولو انا قوانا الخ کی شانِ نزول	۲۶۲
وہابیوں اور دیوبندیوں کی غلطی کا ازالہ	۲۶۳
ولایت کا حصول اور اس کا گر	۲۶۳
قرآن کی کرامت کو آگ ظاہری نہیں جلاتی	۲۶۳
حضرت علی، ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ کی آپس کی محبت اور پیار	۲۶۴
ولقد استہزیٔ الخ (رکوع) اور اس کا ترجمہ	۲۶۷
آیہ مذکورہ کی تفسیر عالمانہ	۲۶۸
نبوت و ولایت کی گستاخی اور گستاخ کا انجام	۲۶۹
ولی کا گستاخ	۲۷۰
ولعذاب الاٰخرۃ اشق الخ کی تفسیر	۲۷۴
شب معراج اور عذاب	۲۷۵
ابن مرشد کی کہانی	۲۷۵
نہریں چار اور مراتب چار	۲۷۶
حضرت شبلی کی کہانی	۲۷۹
والذین آتیناھم الکتاب الخ کی تفسیر	۲۷۹
قل انما امرت الخ کی تفسیر	۲۸۰
عبودیت کا بہترین مطلب	۲۸۲
عبودیت نبی رسالت سے افضل ہے	۲۸۴
ولقد ارسلنا الخ (رکوع) اور ترجمہ	۲۸۴
آیت مذکورہ کی تفسیر	۲۸۵
شانِ نزول	۲۸۵
خصوصیت نبوی	۲۸۶
یہود و نصاریٰ کا رد	۲۸۶
وماکان مومن الخ کی تفسیر	۲۸۸

Scanned with CamScanner

ردّ وہابیہ	۲۸۸	اللہ الذی رفع السمٰوٰت الخ کی تفسیر	۳۱۲
قل اہل کتاب کی شانِ نزول	۲۸۸	ویل للکٰفرین الخ کی تفسیر	۳۱۳
یمحوا اللہ ما یشاء الخ کی تفسیریں	۲۸۸	ویصدّون عن سبیل اللہ الخ کی تفسیر	۳۱۴
ولایت کی شان	۲۸۹	اولیاء کرام کی شان	۳۱۵
فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی حکایت	۲۸۹	وما ارسلنا من رسول الخ کی شانِ نزول	۳۱۵
عندہ ام الکتاب کی تفسیر و بقیہ یمحوا اللہ ما یشاء	۲۹۱	چار کس ہمسفر لیکن ایک دوسرے کی بولی سے بے خبر	۳۱۷
لوح چار قسم ہے	۲۹۲	ولی امّی و عجمی یکدم عربی و عالم بن گیا	۳۱۷
اٹھارہ ہزار عالم کی تفصیل	۲۹۳	تصورِ شیخ کا فائدہ	۳۱۹
دعا سے بدل جاتی ہیں تقدیریں	۲۹۴	ولقد ارسلنا موسیٰ الخ کی تفسیر	۳۲۰
اولم یروا انا نأتی الخ کی تفسیر	۲۹۶	وذکّرھم بایام اللہ کی تفسیر	۳۲۱
فضیلت علماء و برکت علم دین	۲۹۷	واذ قال موسیٰ لقومہ اذکروا الخ کی تفسیر	۳۲۲
دُنیا کی تباہی کے اسباب	۲۹۸	فرعون اور قتل آل بنی اسرائیل	۳۲۴
وقد مکر الذین من قبلھم الخ کی تفسیر	۲۹۹	رکوع ۲ یعنی واذ تاذن ربکم الخ	۳۲۵
سماعِ موتیٰ کا ثبوت	۳۰۰	اور اس کا ترجمہ	
ابولہب کا بد انجام	۳۰۱	واذ تاذن ربکم الخ کی تفسیر عالمانہ	۳۲۶
کعبہ شریف پر گندگی ڈالنے کا بُرا انجام	۳۰۲	چھ اعمال سے چھ نعمتوں کی محرومی	۳۲۸
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے رسول ہیں	۳۰۴	وقال موسیٰ ان تکفروا الخ کی تفسیر	۳۳۰
عرش پر لکھا نام محمد ۔ زآدم یافتے توبہ	۳۰۵	عرب دو قسم ہیں	۳۳۱
		حدیث شریف	۳۳۲
عرش کا چین نام محمد اور پتے پتے پر نام محمد	۳۰۶	ثبوت علم غیب کلی	۳۳۲
سورۂ ابراہیم کا پہلا رکوع اور اس کا ترجمہ	۳۰۷	وہابیوں کے سوال کا جواب ۱	۳۳۲
الٓرا کی تفسیر و تاویل	۳۰۸	" " " " " ۲	۳۳۳
نظرِ اولیاء میں کیمیا	۳۰۹	" " " " " ۳	۳۳۳
عرشی کا منکرین کو نظم میں جواب	۳۰۹	تفسیر جادلھم سلم الخ	۳۳۴
صوفی کا مقام	۳۰۹	مُریدبٌ کی تحقیق	۳۳۴

Scanned with CamScanner

- حکایت امام اعظم اور کمیونسٹ کا جواب ۴۳۵
- یدعوکو االخ کی تفسیر عالمانہ ۴۳۵
- ویؤخرکم الیٰ اجل مسمّی الخ کی عالمانہ تفسیر ۴۳۵
- وما کان لنا ان ناتیکم الخ کی عالمانہ تفسیر ۴۳۶
- ولنصبرن علیٰ ما اذیتمونا الخ کی تفسیر ۴۳۷
- توکل کی اقسام ۴۳۸
- منصور حلاج کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے تب بھی ہنس رہے تھے ۴۳۸
- منصور قدس سرہٗ کے اشعار عربی جو انھوں نے بوقتِ وفات پڑھے ۴۳۹
- بچھوؤں سے بچنے کا وظیفہ ۴۳۹
- وقال الذین کفروا (رکوع) مع اس کا ترجمہ ۴۴۰
- بچھوؤں اور کیچوؤں پر دعویٰ دائر ۴۴۱
- موذی کیڑے اور بچھو سے بچنے کا وظیفہ ۴۴۱
- وقال الذین کفروا الخ کی تفسیر عالمانہ ۴۴۱
- ظالم کی جائداد مظلوم کو مل گئی ۴۴۲
- تفسیر واستفتحوا الخ ۴۴۳
- ولید بن یزید کو قرآن کی گستاخی پر سزا ۴۴۴
- عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت و ابن زبیر کی شہادت کا موجب کون ۴۴۴
- بعض بنو امیہ کی مذمت ۴۴۵
- نشہ آور اشیاء استعمال کرنے کا انجام ۴۴۶
- میلاد شریف کی برکت اور ابولہب کو میلاد سے فائدہ ۴۴۷
- ابوطالب جہنم میں اور کافر کی شفاعت ۴۴۸
- حضور علیہ السلام کی خصوصیت ۴۴۸

- مثل الذین کفروا بربہم الخ کی تفسیر ۴۴۹
- ابوجہل کے بھائی حارث کی کہانی ۴۵۰
- عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد کی حیران کن کہانی ۴۵۱
- عبد اللہ بن جدعان سخی تھا لیکن کافر تھا اس لیے جہنم میں داخل ہوا ۴۵۲
- حاتم طائی کی لڑکی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی ۴۵۳
- حاتم طائی سے دوزخ نے حیاء کیا ۴۵۳
- اول ما خلق . روحہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۵۴
- وما ذلک علی اللہ بعزیز کی تفسیر ۴۵۵
- پہاڑ کی کہانی جس نے جہنم کے خوف سے گریہ کیا ۴۵۵
- فرشتے نے زمین سے برکت و شفقت اٹھالی ۴۵۶
- فقال الضعفٰؤا الخ کی تفسیر ۴۵۷
- سواء علینا الخ کی تفسیر ۴۵۸
- رکوع وقال الشیطان لما قضی الامر الخ مع اس کا ترجمہ ۴۵۹
- وقال الشیطان الخ کی تفسیر عالمانہ ۴۶۰
- آیہ مذکورہ کی تفسیر صوفیانہ ۴۶۳
- نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک ۴۶۴
- نورِ مصطفےٰ کا مشتاق آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام ۴۶۴
- صلوٰۃ الوتر کا آغاز ۴۶۴
- تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھانے کی حکمت ۴۶۵
- صلوٰۃ الوتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھانے کی حکمت ۴۶۵
- وتر واجب کیوں ۴۶۵

Scanned with CamScanner

الم ترکیف ضرب اللہ الخ کی تفسیر عالمانہ	۲۶۵	سخر لکم الانہار سے پانچ بڑے دریا مراد ہیں	۲۸۵
ہندوانہ ابوجہل یعنی حنظل	۲۶۶	دن افضل ہے یا رات	۲۸۶
کھجور کے فضائل	۲۶۶	کنت کنزاً مخفیاً الخ	۲۸۶
شجرۃ طیبۃ الخ کی عجیب مثال	۲۶۷	شب میلاد تمام راتوں سے افضل ہے	۲۸۷
تفسیر صوفیانہ	۲۶۸	نعمتوں کی اقسام	۲۸۸
یثبت اللہ الذین امنوا الخ کی تفسیر	۲۶۹	نعمت سے حضور علیہ السلام مراد ہیں	۲۸۸
شمسون کے حالات	۲۷۰	قول وہابی کش	۲۸۸
مرنے کے بعد روح اور جسم کا تعلق	۲۷۱	آنکھ نعمت ہے ایک حکایت	۲۸۹
بشر حافی کی بہشت	۲۷۲	بادشاہ کی شاہی کی قدر پانی کا ایک پیالہ	۲۸۹
حضور علیہ السلام کی دعا	۲۷۲	اللہ الذی خلق السموٰت الخ کی صوفیانہ تفسیر	۲۹۰
یثبت اللہ الذین الخ کی شانِ نزول	۲۷۳	رکوع و اذ قال ابراھیم الخ مع ترجمہ	۲۹۱
حدیث ضعیف فضائل میں قابل قبول	۲۷۴	یہ جہان تیرے لیے اور تو خدا کے واسطے	۲۹۲
بابرکت راتیں اور ان کی تفصیل	۲۷۴	ابراہیم علیہ السلام کی دعا مستجاب ایک سوال کا جواب	۲۹۳
اولیا کے فضائل	۲۷۴	نکتہ و قاعدہ تفسیریہ	۲۹۴
رکوع الم تر الی الذین بدلوا الخ مع ترجمہ	۲۷۶	عارفانہ تفسیر و منکرین عصمت انبیا علیہم السلام کا رد	۲۹۵
آیت مذکورہ کی تفسیر عالمانہ	۲۷۶	بت کرجن کو مسلمان جن نے قتل کیا	۲۹۶
آیت مذکورہ سے مسائل حل ہوئے	۲۷۸	ربنا انی اسکنت الخ کی تفسیر	۲۹۸
کفرانِ نعمت کے نقصانات	۲۷۸	لا یسعنی ارضی الخ حدیث قدسی	۲۹۹
بُرا دوست جہنم میں لے جاتا ہے	۲۷۹	طائف شریف ملک شام کا ایک قطعہ ہے	۳۰۱
جہنم صرف شریروں کا گھر ہے	۲۷۹	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مکہ معظمہ میں کیوں سکونت اختیار کی	۳۰۲
قل لعبادی الذین الخ کی تفسیر	۲۸۰		
حضور علیہ السلام کا دعا جہنم کی نظر میں	۲۸۲	آبِ زمزم اسمٰعیل علیہ السلام کا صدقہ	۳۰۳
اللہ الذی خلق السموٰت الخ کی تفسیر	۲۸۲	ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی	۳۰۴
کھجور عجوہ کے برکات	۲۸۲	الحمد للہ الذی وھب لی الخ کی تفسیر	۳۰۵
خربوزہ، انار، انگور، گلاب بہشت کی اشیاء ہیں	۲۸۲	ابراہیم علیہ السلام کے والدین کون تھے	۳۰۶

Scanned with CamScanner

آزر قیامت میں گوہ کی شکل میں	۴۰۷
امانت کے وقت موت اپنے لیے نہیں بلکہ جملہ معتقدوں کے لیے دعا مانگے	۴۰۸
ولا تحسبن اللّٰہ غافلاً الخ مع ترجمہ	۴۰۹
انسان کو تین دو تین نصیب	۴۱۰
وانذر الناس الخ کی تفسیر	۴۱۲
وقد مکروا مکرھم الخ کی تفسیر	۴۱۹
نمرود نے اللہ تعالیٰ کو تیر پھینکے	۴۲۰
جابر از حکومت کی بنیاد نمرود نے رکھی، نمرود کو مچھر نے مارا	۴۲۱
یوم تبدل الارض الخ کی تفسیر	۴۲۲
وتری المجرمین الخ کی تفسیر	۴۲۳
سورۃ الحجر کی پہلی آیت مع ترجمہ	۴۲۸
حروفِ مقطعات کا علم اللہ تعالیٰ کے راز ہیں	۴۲۹
حروفِ مقطعات کے علوم انبیاء و اولیاء کو حاصل ہیں	۴۲۹
خالق و مخلوق کے علم کا فرق اور رد وہابیہ	۴۲۹
تفسیر کے ترجمہ سے فراغت کی تاریخ	۴۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفیض حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ

فیوض الرحمٰن اُردو ترجمہ تفسیر

روح البیان

پارہ ۱۴

مفسر

حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ

مترجم

شیخ التفسیر مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی

رضوی کتاب گھر رجسٹرڈ

۴۲۵، اُردو مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶

فون: 011-23264524

Scanned with CamScanner

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نیوایڈیشن ۲۰۰۹ء ★ کوئی صاحب بلا اجازت عکس نہ لیں

نام کتاب : فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان

مصنف : علامہ الشیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : شیخ التفسیر علامہ محمد فیض احمد اُویسی مدظلہ العالی

باہتمام : حافظ محمد قمر الدین رضوی

ناشر : رضوی کتاب گھر دہلی

پارہ : (۱۴)

صفحات : ۳۷۶

تعداد اشاعت : ۱۱۰۰

مطبع : رضوی پریس ایجنسی، دہلی

ہدیہ مکمل سیٹ :

RAZVI KITAB GHAR

425, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6

Ph:.011-23264524 Email:razvikitabghar@yahoo.co.in

مہاراشٹر میں اہلسنت کا مرکزی کتب خانہ

رضوی کتاب گھر ۱۱۴
غیبی نگر، بھیونڈی ضلع تھانہ
Ph :. 02522-220609

نیو رضوی کتاب گھر
نزد امجدیہ ہائی اسکول، غیبی پیر روڈ، بھیونڈی ضلع تھانہ
Mob:. 09823625741

Scanned with CamScanner

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ
يَعْلَمُونَ ۝ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا
يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ
إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۝
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا
يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ
يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝

ترجمہ: (قیامت میں) کافر بہت آرزوئیں کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے۔ انھیں چھوڑیے وہ (دنیا میں) کھائیں اور نفع اٹھائیں اور انھیں آرزوئے دنیا کھیل میں ڈالے وہ عنقریب جان لیں گے، ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے ایک میعاد معلوم لکھی ہوئی تھی کوئی جماعت اپنے وقت سے نہ پہلے جا سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے اور کافروں نے کہا اے وہ شخص جس پر کتاب اتاری گئی ہے بیشک تم مجنون ہو تم ہمارے ہاں فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔ ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر حق کے ساتھ (اور جب وہ اترتے ہیں تو پھر) اس وقت کافروں کو مہلت نہیں دی جاتی بیشک ہم نے قرآن نازل فرمایا اور بے شک ہم خود اس کے محافظ ہیں اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے اگلی اُمتوں میں رسول بھیجے اور ان کے ہاں کوئی رسول نہیں آتا مگر وہ اس سے ہنسی کرتے تھے ایسے ہی ہم اس ہنسی کو مجرموں کے دلوں میں راہ دیتے ہیں اور وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہی پہلے لوگوں کا طریقہ رہا۔ اگر ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں تو وہ دن کو اس میں چڑھتے تو ضرور کہتے کہ ہماری نگاہیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم وہ ہیں کہ جن پر جادو ہوا ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ رُبَمَا یہ رُبَّ تکثیریہ ہے (کما فی مغنی اللبیب) بمعنے بارہا۔ یَوَدُّ آخرت میں آرزو کریں گے الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں قرآن مجید کو نہیں مانا تھا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ کاش وُہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر و نواہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے۔

ف: یَوَدُّ کا فعل محذوف ہے اور لو کانوا مسلمین اس فعل محذوف پر دلالت کرتا ہے۔

آیت کا خلاصہ قیامت میں کافر آرزو کریں گے کہ کاش وہ اسلام قبول کر لیتے۔

سوال: لَوْ تمنائیہ ہے تو اس کا جواب کہاں ہے؟

جواب: چونکہ آیت میں ان کی آرزو کے مضمون کو حکایتاً بیان کیا گیا ہے اسی لیے اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔

سوال: لو کانوا مسلمین بصیغۂ غائب کیوں حالانکہ کلام کا تقاضا ہے کہ یہ لَوْ کُنَّا مسلمین ہو۔

جواب: چونکہ قیامت کے حالات میں سے ان کے ایک حال کا ذکر ہے اسی لیے بحیثیت اخبار صیغہ غائب کا موزوں ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ لَوْ ایسے فعل کے بعد واقع ہوا ہے جس میں تمنا کا معنیٰ نہیں اس لیے ان کے نزدیک یہ لو مصدریہ ہے اس اعتبار سے ان کے نزدیک لو کانوا مسلمین بتاویل مفرد یَوَدُّ کا مفعول بہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ وہ مسلمان کہ جنہیں بعض جرائم و معاصی کی وجہ سے جہنم میں ڈالا جائے گا جہنم میں ان کی کافروں سے ملاقات ہوگی تو کافر مسلمانوں کو کہیں گے کیا تم مسلمان نہیں تھے؟ وہ کہیں گے یقیناً ہم مسلمان تھے۔ پھر کافر انھیں طنزاً کہیں گے کہ تمھیں اسلام جہنم سے کیوں نہیں بچاتا؟ مسلمان جواب دیں گے چونکہ دنیا میں ہم سے غلطیاں سرزد ہوئی تھیں یہ ان غلطیوں کی سزا مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کافروں کے اس طنز سے غصہ آئے گا اور مسلمانوں پر رحم و کرم فرما کر حکم دے گا کہ مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کیا جائے۔ جب مسلمانوں کو جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل کیا جائے گا تو اس وقت کافر کہیں گے: لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم و کرم سے بہت سے پیارے بندوں کی شفاعت قبول کرتے کرتے آخر میں اعلان فرمائے گا کہ جہنم میں جتنے اہلِ اسلام کسی جرم و خطا سے سزا پا رہے ہیں سب کو نکال کر بہشت میں بھیج دو۔ اس اعلان عام سے کافر حسرت کے طور اسلام کی آرزو کریں گے:

یعنی اس وقت ان کی آرزو کی ایک خاص عجیب کیفیت ہوگی جو قابلِ دید ہوگی اور وہ جہنم میں ہر وقت اسلام لانے کی تمنا کرتے رہیں گے اور اُن کی یہ آرزو اہلِ اسلام کے دخول و خروج نار سے پہلے بھی ہوگی اور بعد بھی۔ جیسا کہ رُبَّ تکثیریہ اس تقریر کی تائید کرتا ہے۔

تفاسیر ⊙ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں کفروا بمعنے فسقوا اور مسلمین بمعنے مطیعین ہے۔ یعنی قیامت میں فاسق و فاجر آرزو کریں گے کہ کاش وُہ بجائے نافرمانی کے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے۔

Scanned with CamScanner

○ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کفروا بمعنے کسلوا اور مسلمین بمعنے مجتھدین ہے یعنی قیامت میں عبادات سے سستی کرنے والے آرزو کریں گے کہ کاش وہ عبادات میں جدّ و جہد کرتے۔

○ بعض حضرات نے فرمایا کہ کفروا بمعنے غفلوا اور مسلمین بمعنے ذاکرین ہے۔ یعنی قیامت میں غافل لوگ آرزو کریں گے کہ کاش ہم ہر وقت ذکر و فکر میں زندگی بسر کرتے ؎

۱ اگر مردہ مسکین زبان داشتے

بفریاد و زاری فغان داشتے

۲ کہ اے زندہ چون ہست امکان گفت

لب از ذکر چون مردہ برہم مخفت

۳ چو ما را بغفلت بشد روزگار

تو بارے دمے چند فرصت شمار

(ترجمہ : ۱۔ اگر مسکین مردہ زبان رکھتا تو فریاد و زاری سے شور مچاتا۔

۲۔ کہ اے زندہ بھائی! جب تجھے بولنے کا امکان ہے تو پھر مُردوں کی طرح ذکرِ الٰہی سے خاموش کیوں ہے۔

۳۔ ہمارا غفلت سے وقت ضائع ہو گیا تم ان لمحات کو غنیمت جانو۔)

ملامت گر حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دُنیا سے جو بھی رخصت ہوتا ہے وہ نادم ہو کر حسرت کرتا ہوا اور اپنے آپ کو ملامت کر کے مرتا ہے۔ کافر اس لیے ملامت کرتا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ اسے کفر پر سخت سزا ملتی ہے تو وہ حسرت کرتا ہے کہ کاش وہ مسلمان ہوتا اور مومن اپنی کوتاہیوں پر کہ وہ آدابِ عبودیت نہ بجا لا سکا اور نعمتِ الٰہی پر شکر نہ کر سکا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے انعامات کی عزت و تکریم کر سکا۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت ابن العربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں پر کفر بمعنے کفرانِ نعمت ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی نعمتوں کو بے خبری اور جہالت سے ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ ان پر لازم تھا کہ وہ ان نعمتوں کا شکر کرتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور منت و کرم کو سمجھتے لیکن قیامت میں جب انھیں اس کا احساس ہوگا تو پشیمان ہوں گے۔

صاحبِ رُوح البیان کا محققانہ فیصلہ فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ اگرچہ آیت میں لفظ کفر عام ہے اور یہ کفر وحدت اور نعمت دونوں کو شامل ہے لیکن پہلے معنے میں نصًّا اور صراحۃً واقع ہے۔ لیکن دُوسرے معانی سے بھی انکار نہ کرنا چاہیے (جیسا کہ وہابیہ دیوبندیہ مودودیہ کی عادت ہے

کو تفسیر صوفیانہ کو مطلقاً ٹھکرا دیتے ہیں[1] اس لیے کہ وہ معانی از قبیل اشارات قرآنیہ اور مدلولات محتملہ ہیں۔ اہل حق وہ ہے جو تمام معانی کو حق مان کر سب پر عمل کرتا ہے اس لیے بہترین راستہ یہی ہے کہ قرآن مجید کے تمام معانی محتملہ پر عمل کیا جائے، اسے خیر السبل (تصوف) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی راستہ حق اور مبنی بر صدق و عرفان ہے[2]

تفسیر عالمانہ ذَرْهُمْ اے میرے پیارے حبیب کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کو اپنے حال پہ چھوڑ دیجئے۔ جن امور کی آپ انہیں نصیحت فرماتے ہیں وہ انہیں ماننے والے نہیں اور نہ ہی وہ ان سے باز آ سکتے ہیں۔

ف: یہ آیت آیت قتال سے منسوخ ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

کاشفی نے لکھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تحقیر و تذلیل فرمائی ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کافر کسی کام کے نہیں اور نہ ہی وہ کسی حساب میں ہیں فلہٰذا دنیا میں انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دیجئے۔

يَأْكُلُوا وہ جانوروں کی طرح کھا پی لیں وَيَتَمَتَّعُوا اور دنیا اور شہوات سے نفع اٹھائیں۔

ف: ان کا اس حالت میں دوام مراد ہے نہ احداث اس لیے کہ وہ اس حالت میں پہلے سے ہی ایسے تھے پھر حضور علیہ السلام کو حکم ہوا کہ انہیں اسی حالت پر رہنے دیجئے۔

ف: ان دونوں فعلوں میں لام مقدر ہے جیسا کہ اس پر ذرھم دلالت کرتا ہے یا مجازاً امر کا جواب ہیں بایں معنی کہ یہ دونوں امر کو متضمن ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں نہ صرف اپنی حالت پہ چھوڑ دیئے بلکہ انہیں حکم فرمائیے کہ دنیا و شہوات میں جتنا چاہو انہماک کر لو۔

وَيُلْهِهِمُ اور آپ کی فرمانبرداری یا آخرت کی استعداد سے انہیں غافل کر رہا ہے الْأَمَلُ ان کا لمبی عمریں پانا اور اپنے حالات میں برابر رہنا اور ان کا یہ وہم و گمان کرنا کہ وہ بھلائی میں ہیں۔ صائب نے فرمایا کہ: ؎

در سرایں غافلاں طول امل دانی کہ چیست
آشیاں کردست مارے در کبوتر خانہ

(ترجمہ: غافلوں کا لمبی آرزو سے دھوکا کھانا ایسے ہے جیسے کبوتر خانے میں سانپ گھس جائے۔)

ف: بحر العلوم میں ہے کہ آرزو میں پڑنا بھی اس امت کے لیے رحمت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو ان کے بہت سے امور معطل ہو جاتے بلکہ زندگی دوبھر ہو جاتی اور کسی کام کو سرانجام نہ دے سکتے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انما الامل رحمة الله لامتی بیشک لمبی آرزو میری امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان میں دیکھیے ۱۲ اویسی غفرلہٗ
[2] ولکن الوھابیة قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

لو لا الامل ما ارضعت ام ولدا و لا غرس غارس شجرا۔ (رواہ انس)

رحمت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو کوئی ماں اپنے بچے کو دودھ پلاتی اور نہ کوئی درخت بونے والا درخت بوتا۔

نکتہ : اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر خرچہ میں ہر وقت اخلاص ضروری نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونا ضروری ہے اور نہ ہوا جا سکتا ہے اور ایسا ہونا بھی منجملہ رحمت ہے اور وہ صرف اسی امت کو نصیب ہوا۔ اس لیے کہ اگر ہر وقت ایسے ہو تو معاشں کے جملہ امور میں خلل پڑ جائے۔ اسی لیے عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ،

لو لا الحمق لخربت الدنیا۔ اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا برباد ہو جاتی۔

اعجوبہ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اگر تمام لوگ عقلمند ہوتے تو نہ ہمیں ٹھنڈا پانی نصیب ہوتا اور نہ کھجوریں نصیب ہوتیں۔ یعنی کھجور توڑنے کے لیے یا ٹھنڈا پانی حاصل کرنے کے لیے عقلمندوں سے کہا جائے کہ وہ لمبی لمبی کھجوروں پر چڑھیں یا کنواں کھودیں تو وہ اسے گوارہ نہیں کریں گے۔ (کذا فی الیواقیت)

ف : شرح الطریقہ میں لکھا ہے کہ الامل یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کا طول چاہے اس سے وہ خواہش رکھے کہ اس کی ہر مراد پوری ہو غلط ہو یا صحیح۔ ایسی آرزو شرعاً مذموم ہے۔

ف : مذموم امل کے چار اسباب ہیں :

- طاعت میں سستی کرنا یا اسے دنیوی امور میں ثانوی حیثیت دینا۔
- توبہ کا معاملہ کچھ نہ سمجھنا یا اسے بالکل چھوڑ دینا۔
- ذکر موت پر دل کا سخت ہونا۔
- دنیا جمع کرنے کی حرص کرنا۔ آخرت کے امور چھوڑ کر دنیوی امور میں منہمک ہو جانا۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عنقریب اپنے بُرے اعمال کی سزا دیکھ کر معلوم کر لیں گے۔ اس میں وعید ہے کفار کو بھی اور فساق کو بھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ذرھم یاکلوا ویتمتعوا ویلھھم الامل اس میں تہدید ہے ان لوگوں کو جو اسلام کی حلاوت کا ذائقہ پا کر پھر اپنی گندی عادات میں لوٹ جاتے اور دنیوی شہوات میں سخت منہمک ہو جاتے ہیں اور دنیوی نقش و نگار میں خوش رہتے ہیں انھیں شہوات دنیا کے حصول اور دنیوی نعمتوں سے نفع پانے پر تہدید کرتے ہوئے فرمایا فسوف تعلمون انواع سعادات و کرامات اور درجات و قربات سے خسارہ پانے اور اور احوال سنیہ اور مقامات علیہ سے محروم ہو جانے اسی طرح کمینی دنیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری اور ذلت و خواری اور مہجوری و مفارقت اور محرومی کی آگ کی سزا پانے کو عنقریب معلوم کر لیں گے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَهْلَكْنَا یہاں یہ بتانا مطلوب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے تاقیامت تاخیر عذاب کیوں اور انھیں دُوسری اُمتوں کے زمرہ میں کیوں داخل نہیں کیا گیا یعنی جیسے دوسری امتوں کو عجلت کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا گیا ویسے اِنھیں (امتِ محمدی) کیوں نہیں مبتلا کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا اور ہم نے ہلاک نہیں کیا مِنْ قَرْيَةٍ عالم دُنیا کی بستیوں میں سے کسی بستی کو اگر کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کے مکینوں کو تباہ کر کے، جیسے بہت سی اُمتوں کے ساتھ ایسا ہُوا کہ اس بستی کے مکین تباہ و برباد ہو گئے اور ساتھ بستیاں بھی مٹ گئیں یا صرف ان کے مکینوں کو ہلاک کر کے جیسے بعض دُوسری اُمتوں سے ہوا کہ بستیاں تو محفوظ رہیں لیکن ان کے مکین ہلاک و فنا ہو گئے۔ اِلَّا وَلَهَا مگر حالانکہ ان کے متعلق كِتَابٌ میعاد مقرر جو لوحِ محفوظ میں مندرج تھی کہ جس کی رعایت ضروری اور لازمی ہوتی ہے اس میں تبدیلی کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اسی طرح ہوتا ہے جیسے ان کے لیے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے مَعْلُوْمٌ معلوم ہے کہ اس سے نہ غفلت کی جا سکتی ہے اور نہ وہ بھُولی جا سکتی ہے۔ اس کے متعلق تقدم و تاخر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ترکیب نمبر ۱ کتاب مبتدا اس کی خبر ظرف (مقدم) ہے اور جملہ لفظ قریۃ سے حال ہے اس لیے کہ وہ عام ہے خصوصاً اس وقت جب اس پر مِن داخل ہوا تو وہ مؤکد ہو کر اور عام ہو گیا۔ اس معنے پر اس میں موصوفیت کا مفہوم نکلا تو جملہ حال ہُوا اس میں صفت کا مفہوم ملحوظ ہے۔ اس کے متعلق پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے بستیوں میں کسی بستی کو کسی وقت بھی ہلاک نہیں کیا مگر اس کی ہلاکت کے لیے وقتِ مقرر لکھ دیا ہے کہ ہم اس وقت سے پہلے اسے ہلاک نہیں کریں گے۔ وقت سے پہلے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کی ہلاکت سے چشم پوشی کی جا رہی ہے یا اس کی تباہی سے بھُول ہو گئی ہے۔ اس سے تقدم و تاخر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ترکیب نمبر ۲ یا یہ قریۃ مقدرہ کی صفت ہے پھر یہی لفظ قریۃ مذکورہ اسی قریۃ مقدرہ سے بدل بنے گا۔ یہی نحویوں کا مختار مذہب ہے۔ اس معنے پر یہ جملہ مذکورہ قریۃ کے لیے بمنزلہ صفت کے ہوگا۔ اب عبارت یوں ہوگی:

وما اهلكنا قرية من القرىٰ الا قرية لها كتاب معلوم۔

سوال: اگر اسے صفت بنایا جائے تو درمیان میں حرف واو (ولها كتاب معلوم) کیسا۔

جواب: اگرچہ قیاساً اس واؤ کا نہ ہونا ضروری ہے لیکن اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا آپس میں قوی تعلق ہے اس لیے کہ واؤ میں جمع و ربط کا معنیٰ ہوتا ہے اور وہ گہرے تعلق پر دلالت کرتا ہے۔

مَا تَسْبِقُ ما نافیہ مِنْ زائدہ ہے اُمَّةٍ ہلاک ہونیوالی امتوں سے کوئی اُمت اَجَلَهَا اپنی لکھی ہُوئی تقدیر سے۔ یعنی کسی اُمت کی ہلاکت لکھی ہوئی تقدیر سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ اور نہ ہی وہ ہلاکت مقررہ سے مؤخر ہوں گے۔

سوال: ومایستاخرون کے بعد عنہ کا ہونا لازمی تھا لیکن اسے حذف کر دیا گیا ہے اس کی وجہ؟

Scanned with CamScanner

جواب : چونکہ معنوی لحاظ سے اس کا محذوف ہونا معلوم ہو جاتا ہے اس لیے اس کے اظہار کی ضرورت نہ رہی اور محذوف اس لیے ہوا تاکہ آیات کے فواصل برابر رہیں۔

نکتہ : صیغہ مضارع لانے میں اشارہ ہے کہ کفار اگرچہ اپنی ہلاکت کا مطالبہ کریں تب بھی ان کے لیے ہلاکت محال ہے اس لیے کہ ان کی ہلاکت میعاد مقررہ سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی۔

سوال : ولہا میں ضمیر مؤنث اور یستاخرون میں صیغہ جمع مذکر۔ یہ کیوں ؟

جواب : ولہا میں قریۃ کے لفظ کا اعتبار ہے اور یستاخرون میں اس کا معنیٰ یعنی اہل کا اعتبار ہے اور قریۃ کے اہل ذوی العقول جمع مذکر ہیں۔ عورتیں مردوں میں تبعاً کالمذکور ہوتی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ماتسبق من امۃ اجلہا کوئی اُمت اپنی میعاد پر سبقت نہیں کر سکتی جب تک کہ ان سے وہ اسباب سرزد نہ ہوں جو ان کی ہلاکت اور تباہی کا موجب ہیں۔ یعنی جب وہ حقوق انسانی کو نفسانی و شہوانی امور سے ضائع کرتے ہیں تو تباہی و بربادی کا نشانہ بن جاتے ہیں وما یستاخرون یعنی جب ان کی تباہی و بربادی کے اسباب ان سے سرزد ہوتے ہیں تو ایک لحظہ بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

طریقے بدست آر و صلحے بجوے
شفیعے بر انگیز و عذرے بگوے
کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پُر شد بدور زمان

(ترجمہ : اچھا طریقہ ہاتھ میں لے کر صلح تلاش کیجئے کوئی سفارشی بھی لے جا اور عذر معقول بھی پیش کر کے
پھر ایک لمحہ بھی مُہلت نہ ملے گی جب دورِ زمانہ نے گرفت کا منصوبہ بنایا۔)

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ نفس امارہ کے تزکیہ میں جدوجہد کرے اور اس کی گندی اور غلط صفات کو مٹانے کی کوشش کرے۔ اور اہلِ حق کو یہ تو معلوم ہے ہی کہ دُنیا ایک چھوٹی سی بستی ہے اور آخرت ایک بڑا شہر۔ اور یہ بستی (دنیا) آباد نہیں ہو سکتی جب تک اس پر سواد اعظم (مشایخ کرام) کی توجہ نہ ہو اس لیے کہ وہی ہر ایک جائے پناہ ہیں۔ ایسی جائے پناہ کی تلاش میں اگر کوئی سالک راستے ہی میں مر جائے تو بھی اسے اجر و ثواب نصیب ہوگا اگرچہ دیر کے بعد۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ قریۂ جسد کی تعمیر کے لیے کوشش کرے اور دُنیا کے ان مشاغل میں مشغول رہے جو تعمیرِ نفس میں مفید ہوں پھر فانی فی اللہ حضرات کی صحبت سے بھی اسے فنا فی اللہ و بقا باللہ کا مقام نصیب ہو جائے گا جبکہ سب کو معلوم ہے کہ موت اپنے وقت پر آئے گی اور وہ کسی کو بھی معلوم نہیں (الا ماشاء اللہ) تو سالک پر لازم ہے کہ وہ اس کی تیاری میں ہر وقت لگا رہے بلکہ موت کو ہر وقت سامنے رکھے اُمیدیں نہ بڑھائے اچھے عمل کیلیے

Scanned with CamScanner

کوشاں رہے سُستی و کاہلی دُور کرے تاکہ عبادت و طاعت میں فرق نہ آئے۔

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت اسامہ بن زید نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک لونڈی سو دینار میں خریدی ایک ماہ کے ادھار پر۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اسامہ پر تعجب ہے کہ اس نے اتنی بڑی اُمید پر لونڈی خرید لی اسے کیا معلوم کہ وہ اس وقت تک زندہ بچ جائے گا۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میری آنکھ جب جھپکتی ہے اور اس کی اُوپر کی پلک جب اوپر اٹھتی ہے تو مجھے امید نہیں ہوتی کہ وہ واپس آئے اسی طرح جب میں تر منہ میں ڈالتا ہوں تو مجھے خبر نہیں ہوتی کہ اس تمہ کو نگل بھی سکوں گا یا اس سے پہلے موت آجائے گی ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدم زادہ! یاد رکھو کہ اگر تمہیں عقل ہے تو تم اپنی جانوں کو موت کے لیے ہر وقت تیار رکھو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تمہیں موت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ لازماً آئے گی اور تم اسے روک نہیں سکتے۔

ف: حدیث شریف میں "وما انتم بمعجزین" آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ وہ تم پر موت وارد نہ کرے ۔ تمہارے لیے موت اور حساب و کتاب اور حشر و نشر کا وعدہ ہوا ہے وہ لازماً پورا ہو گا ۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا اور مشرکین عرب اور کفارِ مکہ نے اپنی انتہائی سرکشی اور بہت بڑی گمراہی کے انہماک سے کہا۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت عبداللہ بن امیہ کے حق میں نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اے وُہ شخص کہ جس پر ذکر یعنی قرآن نازل ہوا ہے۔

سوال: کفار و مشرکین تو حضور علیہ السلام پر نزولِ قرآن کے قائل ہی نہیں تھے تو پھر یہاں اُن سے خطاب کیسا؟

جواب: کفار نے یہ خطاب حضور علیہ السلام کو علیٰ طریق تہکم یعنی ٹھٹھا مخول کے طور پر کیا ہے۔

اسی لیے آگے آپ کو مجنون سے تعبیر کیا ہے (معاذ اللہ) چنانچہ کہا اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ بیشک آپ مجنون ہیں (معاذ اللہ) اس سے ثابت ہوا کہ انھوں نے یہ ندا بطور استہزاء کی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کا اعتقاد اور آپ کو مجنون سمجھنے کا تصور جمع نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ: اب معنی یہ ہوا کہ اے نبی علیہ السلام! آپ تو مجنونانہ گفت گو کرتے ہیں (معاذ اللہ) مثلاً کہتے ہیں کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اتارا ہے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ کفار کا مطلب یہ تھا کہ اے نبی علیہ السلام! آپ مجنون ہی ہیں (معاذ اللہ) کہ ہم سے نقد چھین کر اُدھار کا سودا کرتے ہیں (ان کا نقد یہی تھا کہ بُتوں کی پرستش کرتے اور دنیوی اسباب میں منہمک تھے اور حضور سرور عالم

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا درس دے کر سنوارنے کا حکم فرماتے)

ف: اس آیت کا جواب سورۃ ن والقلم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

مانت بنعمۃ ربک بمجنون۔ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجنون نہیں ہیں۔

کیونکہ آپ کو بہت بلند مرتبہ نبوت سے نوازا گیا ہے اور پھر عقل کا تو حساب ہی کیا کہ دُنیا نے عالم اور سفلی وعلوی عقول آپ کے عقل پہ قربان)

جس کو ملا ان سے ملا اور شانِ ولایت و نبوت

فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ جنون نقصان اور عیب ہے۔ اس نقص وعیب سے انبیاء اور کامل اولیاء کا منزہ ہونا ضروری ہے ایسے نقص وعیب ان کی طرف منسوب کرنا بھی ناروا ہے۔ وہ حضرات تو عقول وافہام کا مرکز ومنبع ہوتے ہیں ان کی طرف نقص وعیب کی نسبت کیسی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ:

ولا عقل من العقول الاوھو مستفیض من العقل الاول وھو الروح المحمدی۔ دنیا کی کوئی عقل ایسی نہیں جو عقل اول سے فیض نہ پاتی ہو اور عقلِ اوّل سے روحِ محمدی مراد ہے۔

(ج ۴ ص ۴۴۴)

ف: جسے آخرت کے امور سے تعلق ہے وہ اسی عقل سے نوازا گیا ہے وُہ اس شخص کے نزدیک بے عقل ہے جو دنیوی امور میں منہمک ہو کر اپنے آپ کو عقیل وفہیم سمجھتا ہے اسی طرح اس کے برعکس کہ آخرت کے امور سے تعلق رکھنے والا دنیوی امور کے منہمک کو بے عقل سمجھتا ہے۔

جنون مقبول یعنی عشق

ہاں ایک جنون محبانِ خدا کے نزدیک مقبول ومحبوب ہے وُہ جنون یہ ہے کہ بندہ عشق کی بندگی سے سرشار ہو۔ حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا ؎

جننا مثل مجنون بلیلی
شغفنا حب جیران بسلمٰی

(ترجمہ: ہم لیلیٰ کے مجنوں جیسے مجنون ہیں ہمیں جیران وسلمٰی جیسی محبت واُلفت ہے۔)

شرح البیت: یعنی ہم ازل تا ابد معشوق وجوحق اور محبوب جمال مطلق کی محبت وعشق کے مجنون ہیں جیسے مجنوں ایک معشوق لیلیٰ مخلوق کے عشق میں مجنون سمجھا جاتا ہے اور وہ ایک محبوب جمال مقید کی محبت میں گرفتار تھا اور ہم محبوب جمال مطلق کے عشق میں مبتلا ہیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا: ؎

روزن عالم غیبست دل اہلِ جنون
من وآن شہر کہ دیوانہ فراوان باشد

Scanned with CamScanner

ترجمہ: حقیق اہلِ جنون (اولیاء اللہ) کا دل عالم غیب کا دریچہ ہے ہم عوام (اولیاء کرام کے عشاق)
اسی شہر عالم غیب کے مجنون اور دیوانے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَوْ مَا حرف تحضیض ہے بمعنے ھَلّا اور فارسی میں چرا یعنی کیوں تَأْتِيْنَا ہمارے ہاں نہیں لاتے بِالْمَلٰٓئِكَةِ با، تعدیہ کی ہے۔ فرشتوں کو جو تمہاری نبوت کی اور تبلیغ و انذار میں تمہاری معاونت کریں۔ یہ آیت لولا انزل علیہ ملك فیکون معه نذیرا کی طرح ہے۔ یعنی اس پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوتا جو ان کے ساتھ ڈرانے والا ہو۔ یعنی اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اپنی نبوت و رسالت کے معاملے میں سچے ہیں تو فرشتوں کو لائیے تاکہ وہ آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں یا وہ فرشتے آکر ہمیں آپ کی تکذیب پر سخت عذاب میں مبتلا کریں جیسے پہلی اُمتوں کے ساتھ ہوتا تھا کہ جب وہ اُمتیں اپنے رُسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتیں تو فرشتے نازل ہو کر ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرتے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر آپ اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں تو کیجئے جیسا ہمارا مطالبہ ہے۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ میرا خدا تعالیٰ بڑی قدرت رکھتا ہے تو اسے کہو تمہیں اس کی ضرورت بھی کیا ہے کہ تم اپنا مشن کامیاب کرو۔ تو اسکی آسان صورت یہی ہے کہ تم ہمیں سخت سے سخت تر عذاب میں مبتلا کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم فرشتوں کو حق کے موافق نازل کرتے ہیں یعنی جیسے ہماری حکمت کا تقاضا اور جس طرح سنۃ الٰہیہ کا اجرا ہوتا ہے تو فرشتے حق کے موافق ہو کر نازل ہوتے ہیں۔ باقی رہا کفار کے مطالبے کو پُورا کرنا، یہ اس لیے ضروری نہیں کہ ان کا یہ مطالبہ مبنی بر حقیقت نہیں بلکہ وہ تو بطورِ حقارت ایسا کہہ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ اس لائق بھی نہیں کہ ان کا مطالبہ پُورا کیا جائے اس لیے کہ مطالبہ اس کا پُورا کیا جاتا ہے جس کی کچھ قدر و منزلت ہو اور یہ لوگ تو ہمارے ہاں ذرہ برابر وقعت نہیں رکھتے۔ قطع نظر اس کے مطالبہ پُورا کرنے میں حکمت کا تقاضا بھی ضروری ہے اور ان کے مطالبے میں ہماری حکمت کا تقاضا بھی نہیں پھر کیوں خواہ مخواہ ہم ان کی بات پُوری کریں۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے سابقہ امتوں کی رُسل کرام علیہم السلام کی تکذیب پر جڑ کاٹ دی تھی۔ اگر ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اجراء تا قیامت کس طرح ہوگا وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ اِذًا جواب وجزاء ہے شرط مقدر کی اذن مرکب ہے اِذ سے جو کہ اسم ہے بمعنے حِيْنَ اور اِنْ شرطیہ سے، ان دونوں کو آپس میں ملانے سے اِذَنْ ہو گیا پھر درمیانی ہمزہ کو بوجہ ثقالت حذف کر دیا گیا۔ حرف اِنْ شرطیہ دلالت کرتا ہے کہ اس کے بعد فعل مقدر ہے۔ یہ عبارت یُوں تھی، وما کانوا اذا ان کان ما طلبوه منظرین یعنی مطالبہ کے بعد ان کو اگر مہلت نہ دی جاتی تو انھیں فوراً عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔ الانظار بمعنے التاخیر ہے یعنی مہلت دینا۔ یعنی اگر فرشتے نازل ہوں تو پھر انھیں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی مہلت نہ ملے جیسے دُوسری اُمم کا حال ہوا کہ جُونہی انھوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان سے استہزاء کیا تو فرشتے اُترے اور مکذبین کو سنبھلنے بھی نہ دیا آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی انھیں نیست و نابُود کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی اس عذاب کے استحقاق میں کچھ کم نہیں لیکن چونکہ ہماری قضا و قدر کے قلم نے ان کے لیے قیامت تک عذاب کو مؤخر کر دیا ہے۔ اس لیے

Scanned with CamScanner

اب انھیں عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ میں ہے کہ انھیں مہلت دے کر ان کے عذاب میں اضافہ کرے اور یہ اگر نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ لیکن ان کی اولاد میں بعض ایسے خوش بخت پیدا ہوں گے جنھیں دولتِ اسلام نصیب ہو گی۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ ما ننزل الملٰئکۃ الا بالحق کا مطلب یہ ہے کہ ہم فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دیتے ہیں تو وہ اسی حکم سے عذابِ الٰہی لاتے ہیں یعنی فرشتے اصلی صورت میں تشریف لا کر ان پر عذابِ الٰہی نازل کرتے ہیں۔ جیسے ثمود کی قوم کے عذاب کے وقت جبریل علیہ السلام اصلی صورت میں نظر آئے تھے یا مرتے وقت ہر بندے کو فرشتوں کی اصلی صورت دکھائی دے گی۔ وما کانوا اذن یعنی ہم فرشتوں کو اصلی صورت میں زمین پر بھیجیں تو منظرین یہ مہلت دیے گئے لوگوں سے نہیں ہوں گے۔ یعنی یہ کافر فرشتوں کی اصلی صورت دیکھتے ہی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

اِنَّا نَحْنُ بے شک ہم اپنی عظمت شان اور بلندئ درگاہ کے باوجود۔

ف: نَحْنُ فاصلہ کا نہیں اس لیے کہ فاصلہ کی ضمیر دو اسموں کے درمیان واقع ہوتی ہے اور یہ دو اسموں کے درمیان واقع نہیں بلکہ مبتدا ہے۔ (کذا فی الحواشی)

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ہم نے اسی ذکر (قرآن) کو نازل کیا جس کا وہ انکار کرتے ہیں اور انھیں اس سے بھی انکار ہے کہ وہ آپ پر نازل ہوا۔ کیونکہ یہ لوگ تو آپ کو مجنون سمجھتے ہیں۔ (معاذاللہ)

نکتہ: کفار نے نزل علیہ الذکر میں فاعل کا ذکر نہیں کیا بلکہ اسے عام فاعل کی حیثیت سے فعل مجہول استعمال کیا۔ ان کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ یہ ایک ایسا فعل ہے جس کا نہ کوئی مصدر ہے نہ فاعل۔

نکتہ: کاشفی نے فرمایا کہ قرآن مجید کو ذکر سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ کتاب بہت شرافت والی ہے اس لیے کہ بھی ذکر بمعنے شرافت آتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جو بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اسے دُنیا و آخرت کی شرافت اور بزرگی نصیب ہو گی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بل اتیناھم بذکرھم بلکہ ہم نے انھیں ذکر کی وجہ سے دیا۔ یعنی قرآن مجید میں ہی ان کی عزت و شرافت ہے۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اور ہم ہی ہر وقت اس کی حفاظت کریں گے کہ طعن بازوں کی طعنہ زنی اور اس کی حقانیت میں جھگڑنے والے کے جھگڑے اور اس کی تکذیب کرنے والے کی تکذیب اور استہزاء کرنے والے کے استہزاء اور تحریف و تبدیل اور زیادۃ و نقصان وغیرہ سے اس کی حفاظت کریں گے۔

ف: تبیان میں ہے کہ ہم قرآن مجید کی شیاطین کے وساوس اور ان کے خلط ملط کرنے سے حفاظت کریں گے۔ یعنی شیطان کو ہمت نہ ہو سکے گی کہ اس میں کچھ باطل اضافہ کرے یا اس کے حق سے کچھ کمی کرے۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے لیے ہماری خصوصی نگرانی ہو گی اگرچہ انسان اس میں تحریف و تبدیل کی قدرت رکھتے بھی ہوں گے لیکن اس میں تحریف و تبدیل نہیں کر سکیں گے جیسے توراۃ و انجیل وغیرہ میں کی گئی۔ فلہٰذا اللہ تعالیٰ ان کے

Scanned with CamScanner

اور اون کو اس کی تحریف و تبدیل سے پھیر دے گا۔
ف ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم قرآن مجید کی حفاظت کریں گے بایں معنی کہ علماء کرام کو اس کی خدمت پر لگادیں گے کہ اس کے ہر فن پر مستقل تصانیف لکھیں گے۔ مثلاً تفاسیر اور فن قرأت وغیرہ وغیرہ۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق
گر بمیری تو نمیرد این سبق

۲ من کتاب معجزت را رافعم
بیش و کم کن را ز قرآن مانعم

۳ من ترا اندر دو عالم حافظم
طاعنانرا از حدیثت دافعم

۴ کس نتاند بیش و کم کردن درو
تو بہ از من حافظے دیگر مجو

۵ رونقت را روز روز افزون کنم
نام تو بر زر و بر نقرہ زنم

۶ منبر و محراب سازم بہر تو
در محبت قہر من شد قہر تو

۷ چاکرانت شہرہا گیرند و جاہ
دین تو گیرد ز ماہی تا بماہ

۸ تا قیامت باقیش داریم ما
تو مترس از نسخ دین اے مصطفیٰ

(ترجمہ : ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الطاف حق نے وعدہ کیا کہ اگرچہ آپ کا وصال ہوگا لیکن یہ سبق یعنی قرآن زندہ و پائندہ رہے گا۔
۲۔ میں معجزات کی کتاب کو بلند کرنے والا ہوں قرآن کی کمی و بیشی سے میں خود مانع ہوں۔
۳۔ میں آپ کا دونوں جہانوں کا محافظ ہوں میں طعن و تشنیع کرنے والوں کی طعن و تشنیع دفع کرنیوالا ہوں۔
۴۔ اس میں کمی و بیشی کرنے کی کسی کو طاقت ہی نہیں مجھ سے بڑھ کر اس کا اور کوئی محافظ نہیں ہوگا۔

Scanned with CamScanner

۵۔ آپ کی رونق کو بلند و بالا کرے گا۔ آپ کا نام زر و سیم سے کندہ کرواؤں گا۔

۶۔ محراب و منبر کو آپ کے لیے سنواروں گا آپ کی محبت میری محبت آپ کا غضب میرا غضب ہے۔

۷۔ آپ کے غلاموں کو بین الاقوامی شہرت ہوگی اور آپ کا دین ہمہ گیر ہوگا۔

۸۔ قیامت تک آپ کا دین باقی رہے گا اے محبوب! آپ اپنے دین کے نسخ کا خوف نہ کریں۔)

مجدد دین کی پہچان —— حدیث شریف

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (رواہ ابوداؤد فی سننہ۔)

اللہ تعالیٰ ہر صدی کی ابتداء میں ایک ایسا بندہ مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید فرمائے گا۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ جب تک قرآن مجید اس عالم دنیا میں موجود رہے گا اس وقت تک قرآن مجید کے ماہرین علماء، مفسرین محدثین، فقہاء اور قراء و حفاظ پیدا ہوتے رہیں گے۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ:

انہ یرفع القرآن فی اٰخر الزمان من المصاحف فیصبح الناس فاذا الورق ابیض یلوح لیس فیہ حرف ثم ینسخ القرآن من القلوب فلا یذکر منہ کلمۃ ثم یرجع الناس الی الاشعار والاغانی واخبار الجاھلیۃ۔ (کما فی فصل الخطاب)

آخری زمانے یعنی قرب قیامت میں قرآن مجید مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا جب قرآن مجید کے حروف اٹھا لیے جائیں گے اور لوگ اپنے قرآن مجید کے اوراق کو دیکھیں گے تو وہ صرف کاغذ ہی ہوں گے ان سے حروف منتشر شدہ ہوں گے۔ پھر لوگوں کے دلوں سے قرآن مجید اٹھا لیا جائے گا۔ اس کے بعد انہیں قرآن مجید کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے گا اس وقت لوگ زمانۂ جاہلیت کے اشعار، غزلیات اور دنیوی اخبارات کے خوگر ہو جائیں گے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ و معانی سے تمسک کرے اور ان کی پوری نگہداشت کرے کیونکہ نجات اسی میں ہے۔

فضیلت حفظ القرآن —— حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے کہ:

من استظھر القرآن خفف عن والدیہ العذاب وان کانا

جو شخص قرآن مجید حفظ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے والدین کے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے اگرچہ وہ

Scanned with CamScanner

مشرکین ۔ | مشرک ہی ہوں گے

حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے کہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) :

اقرؤا القرآن واستظهروه فان اللہ لا یعذب قلبا وعی القرآن۔

قرآن مجید پڑھو اور اسے حفظ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جس کے دل میں قرآن مجید محفوظ ہوا۔

حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے کہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) :

لو جعل القرآن فی اھاب ثم القی فی النار ما احترق۔

اگر قرآن مجید کو ایک چمڑے میں بند کرکے اسے آگ میں ڈالا جائے تو آگ اسے نہیں جلائے گی۔

یعنی جسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے حفظ کی دولت سے نوازتا ہے وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے گا۔

حکایت حافظ فرزدق شاعر

فرزدق سے پوچھا گیا کہ جریر تیری ہجو کرتے ہوئے تجھے بیڑی (لوہے کی زنجیر جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہے) سے کیوں عار دلاتا ہے؛ اس نے کہا کہ وہ صحیح کہتا ہے۔ اس لیے کہ ایک دن میرے والد گرامی نے مجھے اپنی معیت میں کہیں لے جانے کا حکم فرمایا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو میں ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہم ایک مقام پر پہنچے جہاں ایک بزرگ تنہائی میں بیٹھے تھے۔ میرے والد صاحب نے جونہی انھیں دیکھا تو نہایت عاجزانہ و منکسرانہ صورت اختیار کر لی اور ان کے قریب پہنچ کر سلام عرض کیا لیکن اُنھوں نے ذرہ برابر بھی توجہ نہ فرمائی۔ میرے والد گرامی نے دوبارہ نہایت خشوع و خضوع اور عجز و انکسار سے دوبارہ سلام عرض کیا تو اس بزرگ نے معمولی سا متوجہ ہو کر سلام کا جواب دیا۔ میرے والد ماجد نے پہلے سے کہیں زیادہ عجز و نیاز کے ساتھ عرض کی کہ میرا یہ لڑکا (فرزدق) شاعر ہے اور بڑے بہترین قصائد لکھتا ہے۔ اس بزرگ نے بڑی لاپرواہی اور بے اعتنائی سے میرے والد گرامی کو صرف اتنا فرمایا کہ اپنے بیٹے سے فرمائیے کہ وہ قرآن مجید پڑھے بلکہ اسے حفظ کرلے ؎

در قیامت نرسد شعر بفریاد کسے
کہ سراسر سخنش حکمت یونان گردد

(ترجمہ: قیامت میں اسے اشعار کوئی فائدہ نہیں دیں گے اس لیے کہ اشعار تو صرف حکمتِ یونان سے ہیں اور بس۔)[1]

حکایتِ دیگر

مولانا سیف الدین المناری (رحمہ اللہ تعالیٰ) جو اپنے زمانے کے بہت بڑے مایۂ ناز عالمِ دین تھے نے فرمایا کہ

---

[1] اس کا بقایا آگے آتا ہے ۱۲

Scanned with CamScanner

میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے سخن کی عالمِ دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی، بولتا تو معلوم ہوتا کہ شیر گرج رہا ہے۔ لیکن جب فوت ہوا تو اس کی آواز اتنی پست تھی کہ کان لگانے سے بھی اچھی طرح سنائی نہ دیتی تھی کیونکہ اس کا وہ دنیوی کلام کسبی تھا اور بہ تکلف اس نے تیار کیا تھا۔ ایسا کلام جب بڑھاپے اور امراض کے حملوں سے سست اور بیکار ہو جاتا ہے تو پھر حفا رقتِ روح یعنی نزع کی تکلیف کب برداشت ہو سکتی ہے۔

فرزدق کے واقعہ کا بقایا حصہ

(فرزدق کہتا ہے کہ اس بزرگ سے اتنا سُن کر) میرے والدِ گرامی لوٹتے تو راستے میں مَیں نے عرض کی: ابا جان! آپ نے کمال کر دیا اتنے قابل ہونے کے باوجود آپ ایسے کمزور انسان کے پاس کیوں گئے؛ پھر ان کی لاپرواہی کا بھی کمال ہے کہ آپ کے سلام کا جواب تک دینا گوارا نہ کیا اور آپ کے عجز و انکسار کے باوجود معمولی توجہ نہ فرمائی۔ والدِ گرامی نے فرمایا: بیٹے! تجھے کیا معلوم وہ کون تھے۔ میں نے عرض کی: بتایئے وہ کون تھے؛ والدِ گرامی نے فرمایا: یہی تو تھے حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ۔ میں نے عرض کی: انہوں نے مجھے حفظِ قرآن کا حکم فرمایا ہے تو اب میں جب تک قرآن مجید یاد نہ کر لوں کوئی دوسرا کام نہ کروں گا چنانچہ میں نے اپنے پاؤں میں بیڑی ڈال لی اور تہیہ کر لیا کہ جب تک قرآن مجید یاد نہ کروں اس وقت تک اپنے پاؤں سے بیڑی نہیں ہٹاؤں گا۔ بحمدہٖ تعالیٰ ایسے ہی ہوا کہ میں نے اپنے پاؤں سے بیڑی اس وقت ہٹائی جب مجھے قرآن مجید مکمل یاد ہو گیا۔

سبق: غور فرمایئے کہ یہ لوگ اتنی شہرت کے مالک ہونے کے باوجود قرآن مجید کے حفظ اور اس کی تلاوت میں کس قدر اہتمام فرماتے۔

حکایت امام زفر

حضرت امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اپنے وصال سے دو سال قبل قرآن مجید کی تعلیم اور تلاوت میں مشغول ہوئے، باقی تمام معاملات ترک کر دیئے۔ اسی اثناء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ کسی نے آپ سے موت کے بعد خواب میں پوچھا: حضرت! کیسے گزری؟ فرمایا: اگر زفر کو یہ دو سال نصیب نہ ہوتے تو زفر مارا جاتا۔

عجیب تفسیر

کاشفی نے لکھا کہ آیت میں لہٗ کا مرجع حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم اپنے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے نگہبان ہیں۔ اس معنے کی تائید واللّٰہ یعصمک من الناس سے بھی ہوتی ہے ؎

گر جملہ جہانم خصم گردند
نترسم چو نگہدارم تو باشی
ز شادی در ہمہ عالم نگنجم
اگر یک لحظہ غمخوارم تو باشی

(ترجمہ: اگر سارا جہان میرا دشمن ہو جائے مجھے کسی کا خوف نہیں جبکہ تم میرے نگہبان ہو۔ جب

Scanned with CamScanner

حالت میں بھی پُر مسرت رہتا ہوں جبکہ ایک لحظہ بھر آپ میری غمخواری کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

آیہ انا نحن نزلنا الذکر (ہم نے ذکر اہل ایمان کے قلوب میں نازل فرمایا) میں اشارہ ہے کہ ذکر سے لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) مراد ہے۔ چنانچہ آیت،

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے قلوب پر ہم نے ایمان لکھا۔

اور آیت،

ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین۔ اللہ وہ ہے جس نے اہل ایمان کے قلوب پر سکینہ نازل فرمائی۔

سے تائید ہوتی ہے کہ جب منافق لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) کہتا ہے تو نہ اس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے نہ اس کے دل پر یہ کلمہ اثر کرتا ہے اسی لیے وہ ایمان حقیقی سے کورا رہتا ہے۔ و انا لہ لحٰفظون اور ہم اہل ایمان کے قلوب کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب میں ذکر محفوظ نہ فرمائے تو مومن اسے محفوظ نہ کر سکے کیونکہ مومن تو فطرۃً نسیان کا مارا ہوا ہے

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اور بیشک ہم نے رسل کرام کو بھیجا۔ اگرچہ رسل کرام لفظوں میں مذکور نہیں لیکن مابعد کے قرینے سے گویا وہ مذکور ہیں۔ مِنْ قَبْلِكَ یہ ارسلنا کے متعلق ہے یعنی آپ سے پہلے فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں میں۔ شِیَع، شیعۃ کی جمع ہے بمعنی الفرقۃ المتفقۃ علی طریقۃ و مذھب یعنی وہ گروہ جو ایک ہی طریقہ اور مذہب پر متفق ہو۔ اور وہ اس سے اس لیے موسوم ہے کہ شیعۃ کا حقیقی معنیٰ ہے تابعداری۔ چونکہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے تابعدار ہوتے ہیں اس لیے انہیں شیعہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں: شایعہ ای تابعہ۔ یعنی فلاں شخص فلاں کے تابع ہوا۔ اور ان (فرقہ روافض) کو شیعہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اتباع کے مدعی ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام (خلیفہ بلافصل) ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ امامت (خلافت) صرف ان کا یا ان کی اولاد کا حق ہے اور بس۔

قاعدہ: شیع کی الاولین کی اضافت اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے۔ یہ فراء کا مذہب ہے۔ اس کے نزدیک یہ عبارت دراصل فی الشیع الاولین تھا اور بصریین کہتے ہیں کہ یہاں مضاف موصوف محذوف ہے۔ یہ دراصل فی شیع الامم الاولین تھا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے پہلی امتوں میں رسول بھیجا اور ہر امت کا علیحدہ علیحدہ رسول تھا تاکہ وہ امتیں اپنے اپنے رسول کی تابعداری کریں۔

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ اور نہیں آیا ان امتوں میں کسی ایک کے ہاں ایک مخصوص رسول اِلَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ مگر تھے وہ ان کے ساتھ استہزاء کرتے، جیسے کفار مکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرتے ہیں۔

مسئلہ: آیت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ان جاہل کافروں کی

Scanned with CamScanner

باتوں سے ملال نہ کیجئے اس لیے کہ ہمیشہ جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام سے استہزا کرتے آئے ہیں۔

قاعدہ: یہ جملہ محلاً منصوب' یا تیھم کے مفعول کی ضمیر سے حال مقدرہ ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اتیان سے حدوث مقصود ہو۔ یا یہ جملہ محلاً مرفوع رسول کی صفت ہے۔ اس لیے کہ رسول دراصل مرفوع فاعل ہے کہ ما یاتی کا فاعل ہے۔

کَذٰلِكَ یعنی قلوب اولین میں استہزاء داخل کرنے کی طرح **نَسْلُكُهُ** ہم اسی ادخال کو داخل کرتے ہیں۔

حلِ لغات: السلك یعنی ایک شے دُوسری میں داخل کرنا۔ جیسے تاگہ سوئی میں داخل کرنا اور تیر کو تیر خوردہ میں پیوست کرنا۔

فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ مجرمین کے دل میں۔ یعنی استہزاء ان کے قلوب میں پیدا کرتا اور سنوارتا ہے۔ المجرمین سے کفارِ مکہ اور ان کے وہ ساتھی مراد ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استہزاء و تکذیب میں ان کے تابع ہوئے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وہ قرآن مجید پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور یہ جملہ سابقہ کا بیان ہے۔

ف: مولانا ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس سابق کلام کی طرف اشارہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کفار جب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ استہزا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی تسلی دے دیتا تھا۔ اس معنے پر نسلکه اور به کی ضمیر کا مرجع الذکر ہوگا اور لا یؤمنون نسلکه کی ضمیر سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو رُسل کرام علیہم السلام سے استہزاء کرتے تھے ان کے دلوں میں بھی ہم نے داخل کیا اور اہل مکہ کے دلوں میں بھی استہزاء کا تصور ڈالتے ہیں۔ یا اس سے مطلق مجرمین مراد ہیں۔ جب ان کے دل میں استہزاء کا تصور داخل ہو جاتا تو وہ اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب کرتے۔ جیسے یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سنتے تھے باوجودیکہ قرآن مجید ان کے قلوب میں اتر جاتا لیکن ایمان نہ لاتے اس لئے کہ ان میں قبولِ حق کی استعداد نہیں تھی کیونکہ وہ ازلی محروم القسمت اور رسوائے زمانہ تھے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

کسے را کہ پندار در سر بود

مپندار ہرگز کہ حق بشنود

ز علمش ملال آید از وعظ ننگ

شقائق بباراں نروید ز سنگ

(**ترجمہ:** جس کے سر میں باطل ہو اس کے متعلق یہ خیال بھی نہ کریں کہ وہ حق سُنے گا۔ اسے تو اپنے علم سے عار اور وعظ سے شرم آئے گی۔ اور ظاہر ہے کہ شقائق (پھول) پتھر سے پیدا نہیں ہو سکتا)

ف: حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعلانِ نبوت کرتے ہی انھوں نے تکذیب شروع کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به۔

Scanned with CamScanner

یعنی نبوت کا اعلان ہوتے ہی انہوں نے بلا توقف بغیر سوچے سمجھے آپ کی تکذیب کر دی۔ اس معنے پر اسے حال مقدرہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ جیسے طیبی نے اسے حال مقدرہ بنایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نسلکہ یعنی کفر کو داخل کرتے ہیں فی قلوب المجرمین لا یؤمنون مجرمین کے دلوں میں، اس کے بعد وہ اپنے اسی جرم کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جرم کی وجہ سے کفار کے دل میں کفر داخل ہوتا ہے۔ جیسے عمل صالح سے مومنین کے دلوں میں ایمان داخل ہوتا ہے۔ اس معنے کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے وہ یہ کہ:

بل طبع اللہ بکفرھم فلا یومنون الا قلیلاً۔

یعنی ان کے دلوں پر مہر ہے ان میں سے بہت تھوڑے ایمان لائیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اور بیشک پہلے لوگوں کا طریقہ گزرا ہے۔ یعنی پہلے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکذبین کو ہلاک و تباہ کرتا رہا ہے۔ ان لوگوں میں جتنے تباہ و برباد ہوئے صرف اسی لیے کہ انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کے ساتھ استہزاء کیا اور ان کی تکذیب کی۔

مسئلہ: اس میں اہل مکہ کو استہزاء و تکذیب پر وعید سنائی گئی ہے ؎

نہ ہرگز شنیدم دریں عمر خویش
کہ بد مرد را نیکی آمد بہ پیش

(ترجمہ: ہم نے کبھی نہیں سنا کہ بُرے مرد کو بھلائی نصیب ہو۔)

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اور ان بدبختوں پر جو عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ اگر ہم کوئی دروازہ کھول دیں۔ اس سے مطلقاً کوئی دروازہ مراد ہے نہ کہ خاص۔ گویا کہا گیا کہ ہم ان کے لیے اگر آسمان پر چڑھنا آسان کر دیں فَظَلُّوْا بحر العلوم میں لکھا ہے کہ الظلول بمعنے الصیرورۃ ہے۔ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ اکثر افعال ناقصہ صیرورۃ کے معنے میں مستعمل ہیں اب ظلوا بمعنے صاروا ہوگا۔ یعنی پس وہ ہو جائیں فِيْهِ اسی دروازہ میں يَعْرُجُوْنَ چڑھنے والے آلہ سے یا آلہ کے بغیر، پھر آسمان کے عجائبات اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں فرشتے آسمان پر لے جائیں تاکہ وُہ پہنچ کر آسمانوں کے عجائبات کا مشاہدہ کریں۔

قاعدہ: ظل جب کسی فعل پر داخل ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ وہ فعل دن میں ہوا اس میں رات مراد نہیں ہوتی۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ملائکہ آسمان پر لے جائیں تاکہ وہاں کے عجائبات صاف اور واضح طور پر دیکھیں جیسے دن میں کسی شے کو کھلا اور واضح طور پر دیکھا جاتا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ وُہ لوگ آسمانوں پر جا کر فرشتوں کو اوپر جاتے اور نیچے اترتے ہُوئے صاف اور واضح طور پر دیکھیں۔

Scanned with CamScanner

لَقَالُوْا اپنے انتہائی عناد اور نہایت وہم و گمان میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کہیں گے اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بیشک ہماری آنکھوں پر جادو کیا گیا ہے یعنی ان سے رویت کا احساس مٹا دیا گیا ہے۔ ان کا خیال ہوگا کہ یہ صورتیں جب عالم وجود میں نہیں تو ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے وہم و خیال ہے یا ہم پر جادو ہوا ہے۔

حل لغات : قاموس میں لکھا ہے کہ سکرت ابصارنا ای حبست عن النظر وحیرت او غطیت وغشیت۔ یعنی ہماری آنکھیں دیکھنے سے روک گئیں اور تحیر میں ڈالی گئیں یا کسی شے سے ڈھانپی گئی ہیں یا ان پر پردہ ڈالا گیا ہے۔

اور تہذیب المصادر میں ہے السکر بمعنے بند بستن یعنی پٹی باندھ دینا۔ اسی لیے کاشفی نے یہی معنی کیا ہے کہ کافر کہیں گے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کے دیکھنے سے اندھا بنا دیا گیا ہے۔

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ بلکہ ہم لوگ جادو کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی ہمارے اوپر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کیا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے وہ معجزہ دیکھ کر کہا کرتے تھے سحر مستمر۔ خلاصہ کلام یہ کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو بھی اپنی انتہائی سرکشی اور انکار جحود کی وجہ سے خواہ مخواہ انکار کریں گے۔ کذا فی الکواشی

ف : حصر کے دو حرف لگا کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ اپنی بدبختی میں ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے کہ جو شے بھی انھیں نبوت کے واسطے سے دکھائی جاتی اس کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے اور اسے محض جادو سمجھتے اور بس۔

ف : حصر ابصار میں ہوگی نہ کہ تسکیر (سُكِّرَتْ) میں۔ گویا وہ کہتے کہ جادو صرف ہماری آنکھوں پر اثر انداز ہوا ہے ورنہ ہمارے عقول تو بحال ہیں۔ اگرچہ ہماری آنکھوں پر جادو کا اثر ہے لیکن پھر بھی ہم ان باتوں کو سمجھتے ہیں جو تم ہمیں دکھا رہے ہو۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں اگر ہے تو حقانیت کے برعکس ہے۔ پہلے جملے میں ابصار کی حصر کے قائل رہے لیکن بل نحن کہہ کر ظاہر کرتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو اتنا ذی اثر ہے کہ وہ عقول پر بھی چل گیا ہے ؎

اے رسول ما تو جادو نیستی
آنچنانکہ ہیچ مجنوں نیستی

(ترجمہ : اے رسول پاک ! آپ جادوگر نہیں۔ ایسا نہیں کہ آپ کو جادوگر کہا جا سکے)

ف : جادو بھی خرق عادت کے طور پر واقع ہوتا ہے لیکن ہر وہ خرق عادت جو اولیاء کرام سے واقع ہو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یعنی اصل فطرت کے اعتبار سے اصحاب نفوس قویہ سے بھی کبھی خرق عادت کا صدور ہوتا ہے۔ یہ دو قسم ہیں :

(۱) طبعاً خیر و برکت کا حامل

(۲) شریر

طبعاً خیر و برکت کا حامل اگر مقام ولایت پر پہنچا ہو تو وہ ولی ہے۔ جو مقام ولایت پہ نہ پہنچیں وہ مومنین صالحین ہوتے ہیں۔

دوسرا شریر، وہ خبیث جادوگر ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

ان ہر دو میں عالم شہادت میں تصرف کے مجاز ہوتے ہیں۔ جس قدر اسباب مہیا ہوتے ہیں اسی قدر تصرف کا صدور ہوتا ہے اگر انھیں مکمل اسباب میسر ہوں تو عالمِ شہادت پر پُورا تصرف رکھتے ہیں جیسے فرعون کے جادوگروں کو حاصل تھا۔ اگر اسباب قلیل ہوں تو جادو کا ظہور بھی کم حیثیت سے صادر ہوتا ہے۔

ف : جادو کو بقا نہیں ہوتی بخلاف معجزہ کے کہ وہ دائمی اور باقی رہتا ہے لہ جیسے قرآن مجید ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ تاقیامت باقی رہے گا۔

ف : جادو کو معارضہ کے طور بنایا جا سکتا ہے لیکن معجزہ کی کوئی شے معارضہ نہیں کر سکتی۔

ف : جادو، کہانت، رمل، حصّی اور اسی طرح کے دیگر طلسمات فاسق وفاجر سے صادر ہوتے ہیں بخلاف معجزہ کے کہ اس کے لیے فسق وفجور کا نہ ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

مسئلہ : رمل اور دیگر حسابِ نجوم وغیرہ سے عوض لینا حرام ہے۔ کما فی فتح القریب

ف : الشیخ صلاح الدین الصفدی کتاب اختلاف الائمہ میں رقمطراز ہیں کہ جادو بھی ایک منتر ہے۔ اسی طرح اور ٹوٹکے جو لوگوں میں رائج ہیں کہ ابدان وقلوب پر اثر ڈال کر انھیں بیمار یا قتل کر دیتے ہیں یا عورتوں کو طلاق دلوا دیتے ہیں یہ حق ہے یعنی خارج میں ان کا وجود ہے۔ یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہ کوئی ان کی حقیقت ہے اور نہ ہی ابدان وقلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جعفر استرآبادی رحمہ اللہ شافعی المذہب بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔

مسئلہ : مذکورہ بالا فنون کا سیکھنا حرام ہے۔ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

مسئلہ : کہانت، شعبدہ، نجوم اور دیگر حساب وکتاب کا سیکھنا بھی حرام ہے۔

مسئلہ : مرگی والے پر اس ارادے سے جھاڑ پھونک کرنا کہ اسے جن نے پکڑا ہے اور وہ اس جھاڑ پھونک سے بھاگ جائے گا یا وہ اس کے قابو میں آجائے گا یہ خیال غلط ہے۔ یہ بھی منجملہ جادو کی اقسام میں سے ہے۔

مسئلہ : حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا۔

مسئلہ : حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی اپنی عورت سے کچھ نقد دے کر اپنا علاج کرائے جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ شرعاً کسی کو نقصان پہنچانا حرام ہے۔ جب کوئی کسی کو فائدہ پہنچانے تو اسے فائدہ پہنچانا چاہیے۔ چونکہ اس سے اس کا اپنا فائدہ ہے اس لیے جائز ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی جادو کو مستقل طور پر مؤثر مانتا ہے تو وہ مشرک ہے۔ اسی طرح فال، کہانت اور جادو کو مستقل طور مؤثر سمجھنا کفر ہے اسی طرح جس کے لیے کہانت کی جائے یا فال نکالی جائے یا جادو کیا جائے وہ بھی کافر ہے اگرچہ وہ ان امور کو مستقل طور پر مانتا ہو۔

لہ اس سے وہابیوں دیوبندیوں کا رد ہو گیا وہ کہا کرتے ہیں کہ معجزہ وقتی طور پر ہوتا ہے اور بس۔

Scanned with CamScanner

اسی طرح ان امور کے حق عقیدہ رکھنے والے کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہے۔ اگر عقیدہ نہیں رکھتا لیکن ان کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ کافر تو نہیں لیکن فاسق ضرور ہے اور وہ بندہ حرام فعل کا مرتکب سمجھا جائے گا۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من تطیر او تطیر لہ او تکہن او تکہن لہ او سحر او سحر لہ۔

وہ ہم سے نہیں جو فال نکالتا ہے یا اس کے لیے فال نکالی جاتی ہے یا کہانت کرتا ہے یا اس کے لیے کہانت کی جاتی ہے یا جادو کرتا ہے یا اس کے لیے جادو کیا جاتا ہے۔

ف: اس حدیث شریف سے بھی یہی مراد ہے کہ اگر وہ ان امور کو مستقل طور موثر سمجھتا ہے تو وہ خارج از اسلام ہے۔ اگر وہ ان امور کو مستقل طور موثر تو نہیں سمجھتا لیکن ان کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فاسق و فاجر ہے۔ اب لیس منا کا معنیٰ ہوگا کہ وہ ہماری سنت کے خلاف کرتا ہے اور سنت کے خلاف کرنے والا فاسق و فاجر ہوتا ہے۔ اس لیے لیس منا کا معنیٰ فقہاء کرام نے لیس من اھل سنتنا و عامل طریقتنا و مستحق شفاعتنا کیا ہے۔ یعنی ایسا بندہ اہلسنت نہیں اور نہ ہی ہماری طریقت پر ہے اور نہ ہی وہ ہماری شفاعت کا مستحق ہے۔

مسئلہ: تعویذ گلے میں ڈالنا جائز ہے[1] اس لیے کہ تعویذ ایک دعا مجرب کا نام ہے اس میں آیاتِ قرآنی ہوتی ہیں یا اس میں بعض اسماءِ الٰہیہ لکھے جاتے ہیں۔ اور ان سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ بلا[2] ٹل جائے۔

مسئلہ: ایسے تعویذ کے لیے ہدایت کر دی جائے کہ قضاءِ حاجت (یعنی پیشاب اور پاخانہ) کے وقت اور عورت سے جماع کرتے وقت اتار دے۔ کذا فی التاتارخانیہ

مسئلہ: بعض فقہا فرماتے ہیں:

تعویذ کو ان اوقات میں بھی اتارنا ضروری نہیں اس لیے کہ وہ تعویذ کسی شے (کپڑے، چمڑے، چاندی وغیرہ) سے پوشیدہ ہوتا ہے لیکن اتارنا افضل ہے۔

کذا فی شرح الکردی علی الطریقۃ

---

[1] غیر مقلدین وہابیہ اور مودودی وغیرہ اس کے مخالف ہیں ۱۲

[2] اگرچہ دافع البلاء اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن مفسر نے تعویذ کو دافع البلاء کہا ہے۔ یہ مجازاً اگر تعویذ کے لیے لکھنا کہنا جائز ہے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی جائز ہے ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا
مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ
اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَاۗىِٕنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ
فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ
نُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝
وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: بیشک ہم نے آسمان برج (ستارے) بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے سجایا اور اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا مگر وہ جو چھپ کر کچھ سننے جائے تو روشن شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے لنگر (پہاڑ) ڈالے اور اس میں ہم نے ہر شے اندازے سے اگائی اور ہم نے تمہارے لیے اس میں روزی کا سامان بنایا اور انھیں بھی ہم نے بنایا جنھیں تم رزق نہیں دیتے اور کوئی شے نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے اور ہم نے پانی سے بھری ہوئی ہواؤں کو بھیجا تو ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر وہ ہم نے تمھیں پینے کے لیے دیا اور تم کوئی اس کے خزانچی نہیں اور بیشک ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں اور بیشک ہمیں تمہارے آگے بڑھنے والے معلوم ہیں اور ہمیں تمہارے پیچھے رہنے والوں کا بھی علم ہے اور بیشک تمہارا رب (قیامت میں) انھیں اکٹھا کرے گا بیشک وہی حکمت والا علم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ جَعَلْنَا الجعل ہنا بمعنے الخلق والابداع یعنی ہم نے پیدا کیا۔ والمعنی بالفارسیہ [وبدرستی کہ ما آفریدیم وپیدا کردیم] فِي السَّمَاۗءِ یہ جعلنا کے متعلق ہے بُرُوْجًا آسمان میں بروج یعنی ایسے محلات جہاں سات ستارے اترتے ہیں اور وہ ساتوں آسمانوں میں ہیں۔ چنانچہ نصاب الصبیان میں ان ساتوں کو ترتیب وار بیان فرمایا گیا ہے ؎

ہفت کوکب ہفت گیتی را
گاہ ازیشاں مدار و گاہ خلل
قمرست و عطارد و زہرہ
شمس و مریخ و مشتری و زحل

Scanned with CamScanner

(ترجمہ: سات ستاروں پر زمانے کا دار و مدار ہے۔ انہی سے جہان میں خلل پڑتا ہے۔ وہ سات ستارے یہ ہیں:

① قمر ② عطارد ③ زہرہ ④ شمس ⑤ مریخ

⑥ مشتری ⑦ زحل)

ف: بروج بارہ ہیں۔ ان میں ہر ایک کی ہیئت و شکل مختلف ہے اور ان کے خواص اور اسماء بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ بروج یہ ہیں:

① حمل	② ثور	③ جوزا
④ سرطان	⑤ اسد	⑥ سنبلہ
⑦ میزان	⑧ عقرب	⑨ قوس
⑩ جدی	⑪ دلو	⑫ حوت

ہم نے بروج و منازل کے متعلق سورۂ یونس کے اوائل میں مفصل تحریر کیا ہے۔

ف: بروج کو قصور سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ بروج محلات کی شکلوں میں ہیں اور بروج تبرج سے مشتق ہے۔ ان کے ظہور کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

ف: شرح التقویم میں ہے کہ البرج بمعنے الحصن ہے اور حصن سے یہ مطلوب ہوتا ہے کہ اس میں غیر داخل نہ ہو اور نہ کوئی غیر وہاں پہنچ پائے۔

ف: دورِ فلک کی تقسیم کی جاتی ہے اور ان کی ہر تقسیم کو برج کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر برج کا طول تیس درجے اور عرض اسّی درجے ہے اور یہ طول و عرض کا سلسلہ ایک قطب سے دوسرے قطب تک ہوتا ہے۔ ان کی ہر تقسیم کے اندر کے احاطے کا نام برج ہے۔

راکٹ برج میں نہیں پہنچا

چونکہ انہی اقسام میں وہم ہو سکتا ہے کہ عالمِ سفلی کا کوئی فرد ان میں داخل ہو جائے اگرچہ معنوی لحاظ سے بروج کا معنیٰ موانع (روکنے والے) کے ہیں لیکن ان میں مجازی معنے کا امکان بھی ہے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجعلنا السماء سقفاً محفوظاً۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے۔

یہ جملہ بروج کے لفظی و معنوی مطالب سے مناسبت رکھتا ہے۔

لہ لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں جونہی راکٹوں کا شور اٹھا عوام جہال نے تو ماننا ہی تھا سمجھدار علماء نے بھی تصدیق کر ڈالی کہ واقعی ان برجوں میں راکٹ پہنچ گیا۔ حالانکہ وہ محض ایک بڑ تھی۔ ۱۲۔ مزید تحقیق تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

وَ زَیَّنّٰھَا اور ہم نے اسے سنگارا۔ یعنی ان بروج کو مختلف شکلوں میں تیار کیا اور ستاروں کو بھی مختلف صورتوں میں پیدا کیا، وہ سیارے ہوں یا ثوابت۔

ف : بعض کواکب کو سیارات اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ افلاک پر بہت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ اور ثوابت کو اس لیے ثوابت کہا جاتا ہے کہ جب سے انھیں پیدا کیا گیا ہے وہ ایک ہی جگہ ثابت اور قائم ہیں یا اس لیے کہ ان کی حرکات ثابت ہیں یا اس لیے کہ وہ بھی حرکت سے افلاک پر چلتے ہیں۔ اس لیے بعض سائنس والوں کا خیال ہے کہ آسمان ساکن نہیں بلکہ متحرک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمان تو ساکن ہیں لیکن افلاک متحرک ہیں۔

ف : اکثر متاخرین کی رائے یہی ہے کہ ہر ستر سال شمسی میں اور اڑسٹھ سال قمری میں ستارہ ثابت کا صرف ایک دورہ ختم ہوتا ہے اور ایک برج ایک ہزار سال میں یہ دورہ مکمل کرتا ہے اور اس کے بروج کا آنے جانے کا کامل دورہ چوبیس ہزار سال میں پورا ہوتا ہے ثوابت کو بیابانیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ انہی کے ذریعہ جنگلوں کے سفر طے کیے جاتے ہیں۔ اور چونکہ عجمی لوگ اپنے سفر بیابان میں انہی کے وسیلے سے طے کرتے ہیں۔ بنا بریں انھیں بیابانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ف : تمام ثوابت ستارے آٹھویں فلک پر ہیں۔ اسی کو کرسی بھی کہا جاتا ہے اسے اس اطلس کے کپڑے سے تشبیہ دی جاتی ہے جو نقش و نگار سے خالی ہو۔ اس کے اوپر ہی فلک الافلاک یعنی عرش الٰہی ہے اسے مطلق اطلس سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ اس کے اُوپر کوئی ستارہ نہیں اسے بھی اسی اطلس کے کپڑے سے تشبیہ دیتے ہیں جس پر کوئی نقش نہ ہو۔

ف : افلاک کی حرکت بالارادہ اور ستاروں کی حرکت بالعرض ہے اس لیے کہ ہر ستارہ افلاک میں ایسے مرکوز ہے جیسے نگینہ پانی میں ڈبوئی گئی ہو۔

ف : جن ستاروں کا حکماء کو ان کے اوصاف کے ساتھ علم ہوا ہے وہ کل ایک ہزار انتیس ہیں۔ ان میں بعض سیارے (چلنے والے) اور بعض ثوابت (نہ چلنے والے یا خفیف سی حرکت کرنے والے) ہیں۔

ف : حکماء کو معلوم ہو یا نہ ہو کُل ستارے آسمان کا سنگار ہیں جیسے زمین کے لیے بھی وہ زینت ہیں۔

لِلنّٰظِرِیْنَ دیکھنے والوں کے لیے۔ یعنی ہر اس شخص کو وُہ بھلے معلوم ہوتے ہیں جو انھیں دیکھتا ہے۔ یہ ظاہری معنی ہے اور شریعت میں ناظرین بمعنے متفکرین (تفکر کرنے والے) معتبرین (عبرت پکڑنے والے) المستدلین (اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی بہترین حکمت پر استدلال کرنیوالے) مراد ہیں۔ اس معنی پر تزیین بمعنے نظام بدیع پر ترتیب دینا۔ وہ نظام بدیع آثار حسنہ کے تابع ہے۔

ف : ناظرین کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ صرف وہی لوگ اس سے نفع پاتے ہیں۔ باقی لوگوں کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست

Scanned with CamScanner

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت
سموم ہوا کشت عمرت بسوخت
بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک
کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

(ترجمہ: وہ آنکھیں صنعت باری تعالیٰ دیکھنے کے لیے ہیں۔ اے دوست! اپنے بھائی کے عیب سے آنکھ بند کر لے ہوا کے غبار نے تیری آنکھیں سی دی ہیں ہوا کی زہر نے تیری عمر کی کھیتی جلا ڈالی ہے۔ اپنی آنکھ سے غفلت کا سُرمہ نکال لے کہ کل مرنے کے بعد تم خود مٹی کی آنکھ کا سُرمہ بننے والے ہو۔)

وَحَفِظْنٰهَا اور ہم نے آسمان کو محفوظ رکھا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ہر شیطان راندۂ درگاہ سے۔

ف: شیطان کو رجیم اس لیے کہتے ہیں کہ جب وہ آسمانوں کی طرف چڑھنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے چنگاریاں مار مار کر نیچے بھگایا جاتا ہے۔ وہ آسمانوں پر چڑھ کر اہلیانِ آسمان میں تصرف کرنا اور ان کے احوال معلوم کرنا چاہتا ہے۔

ف: کلام میں اضافی معنیٰ مطلوب ہے اس لیے ذات شیطان سے حفاظت مطلوب نہیں بلکہ اس کی شرارت سے بچاؤ کی ضرورت ہے۔ جہاں پر بھی شیطان کے اسماء و صفات پر الف لام داخل ہوگا وہاں پر شیطان سے استعاذہ مطلوب ہوگا اور وہ الف لام استغراق کا ہوگا۔ اس سے اس کی تمام اجناس مراد ہوں گی۔ کما فی بحر العلوم

مسئلہ: استعاذہ صرف شیطان سے ہوتا ہے یا ہمزاد سے بھی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انسان کیلیے اس کا ہمزاد مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ	اور جو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روگردانی کریگا
شیطاناً فھو لہ قرین۔	ہم اس کے اوپر شیطان مسلط کر دیں گے وہی اُس کا ساتھی رہے گا۔

شانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ آپ کے ساتھ شیطان کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں آپ کے ساتھ جو شیطان رہتا ہے اس کے متعلق شبہ ہو سکتا تھا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ وہ مسلمان ہو گیا۔

شیطان کی سخت شرارت سے پناہ صرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم شیطان سے محفوظ ہیں لیکن پھر بھی آپ شیطان سے پناہ مانگتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ بھی شیطان سے پناہ مانگتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

Scanned with CamScanner

ولا انا ولكن الله تعالیٰ اعانني عليه حتى اسلم فلا يامرني الا بخير۔

وہ کمینہ مجھ پر بھی حملہ کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی کہ میرا ساتھی شیطان مسلمان ہوگیا ہے۔ اب وہ مجھے خیر و بھلائی کے سوا اور کوئی مشورہ نہیں دیتا۔

ازالۂ وہم اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو شیطان سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہ تھی لیکن آپ نے اپنی اُمت کے سمجھانے کے لیے شیطان سے پناہ مانگی تاکہ ایک طرف انھیں شیطان سے پناہ مانگنے کا طریقہ معلوم ہو جائے اور دوسری طرف انھیں اس پناہ سے ثواب نصیب ہو۔

حدیث شریف ان عرش ابليس على البحر الا خضر وجنوده حوله واقربهم اليه اشدهم بأسا ويسئل كلا منهم عن عمله واغوائه ولا يمشي هو الا في الامور العظام۔

ابلیس کا تخت بحر اخضر میں موجود ہے اس کے گرد اس کا لشکر ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اس کے لشکر میں جو سب سے شریر ہوتا ہے وہ اس کے قریب ترین ہوتا ہے اور ہر صبح و شام وہ ہر شیطان کی کارروائی دیکھتا ہے۔ خود ابلیس بہت بڑے امور کے سوا اپنے تخت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتا۔

شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس مختصر تقریر سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معاملہ مہتم بالشان ہے ان کا کوئی معاملہ انسانوں جیسا نہیں اسی لیے ابلیس کی ذریات کو آپ کے پاس نہیں جانے دیا جاتا۔ اور نہ ہی ابلیس آپ کے ہاں پہنچ سکتا ہے۔

ایک عجیب دلیل درباره شانِ نبوت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق شیطان کے تسلط کا خیال کسی گندے تصور میں آسکتا ہے ورنہ آپ کی امت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن سے خود شیطان (ابلیس) ڈرتا ہے۔ باقی رہا آپ کا شیطان سے پناہ مانگنا تو اس کی ایک دو وجہیں پہلے بھی عرض کی گئیں، ایک یہ بھی ہے جو فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے شیطان سے پناہ مانگتے تھے تاکہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل ہو۔

نکتہ وہابیت سوز فقیر (صاحبِ رُوح البیان) لکھتا ہے کہ شیطان ابلیس اور اس کی اولاد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں جا سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ آپ کے قریب جاتے تو آپ کے نور سے جل کر راکھ ہو جاتے۔ (صاحبِ روح البیان کی اصل عبارت اس طرح ہے: لانه يحترق من نور

علیہ السلام فلا یقرب منہ)

سوال: قرآن مجید میں ہے:

و اما ینزغنك من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ ۔

اگر آپ کو شیطان سے کوئی وسوسہ وغیرہ پہنچے تو اللہ سے پناہ مانگو ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر شیطان کا حملہ ہو سکتا ہے ۔

جواب: یہ بالفرض والتقدیر کی بنا پر ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے:

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون ۔

بیشک وہ لوگ جو متقی ہیں انھیں جب شیطان محسوس مس کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں ۔

اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام متقیوں کو شیطان مس کرتا ہے بلکہ بعض کے لیے ہوتا ہے ۔ وہ بھی ذکر الٰہی کی برکت سے محفوظ ہو جاتے ہیں

سوال: قرآن سے ثابت ہے کہ شیطان کا حملہ نبی علیہ السلام پر بھی ہوتا ہے ۔ چنانچہ آیت و ما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ دلالت کرتی ہے ۔ یعنی ہم نے آپ سے قبل جتنے رسول اور نبی علیہم السلام بھیجے ہیں ان کی قرأت میں شیطان بھی اپنی قرأت کر لیتا تھا ۔

جواب: آیت کا مطلب ظاہر ہے اس میں اشکال نہیں کیونکہ ان کی قرأت میں اپنی قرأت ملانا کوئی عیب نہیں اور شیطان کو خود اعتراف ہے کہ انبیاء علیہم السلام مخلصین میں سے ہیں ۔ اور اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ:

اغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین ۔

یعنی میں ان کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندوں پر میرا حملہ نہ ہو سکے گا ۔ لیکن چونکہ وہ اپنی عادت پر مجبور ہے اس لیے جب یہ حضرات اللہ تعالیٰ کا کلام تلاوت کرتے ہیں تو وہ اپنی جدوجہد جاری رکھتا ہے اگرچہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی مراد کو نہیں پہنچ سکے گا ۔

مسئلہ: ہر شیطان سے پناہ مانگنا چاہیے خواہ وہ ایذا پہنچائے یا نہ ۔ کیونکہ وہ بنی آدم کے ساتھ بہت پرانی عداوت رکھتا ہے اس لیے بنو آدم کو ان سے ہوشیار رہنا چاہیے ۔

تجربہ برائے افہام مسئلہ حاضر و ناظر ابلیس گمراہ کرنے میں بنی آدم کے قلوب پر بیک وقت تمام پر وسوسہ ڈال سکتا ہے اور وہ خود اپنے مقام پر موجود رہتا ہے جیسے ملک الموت ایک مقام پر بیٹھ کر ارواح قبض کر لیتا ہے (ایسے ہی نبی علیہ السلام کے مسئلہ حاضر و ناظر کو سمجھئے کہ مدینہ طیبہ میں رہ کر عالم کائنات کے ذرہ ذرہ پر جلوہ گر ہیں[1])

---

[1] لکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ استثناء متصل ہے بایں معنی کہ مسترق (چوری کرنے والا) بھی شیطان کی جنس سے ہے۔ اگر آسمان کی حفاظت سے یہ مراد ہو کہ شیطان کو آسمانوں سے مطلقاً روکا جاتا ہے اور نہ ہی ان میں اسے کسی قسم کا تصرف کرنے دیا جاتا ہے۔ یا یہ استثناء منقطع ہے اب الا بمعنے لیکن ہوگا۔ اس وقت حفاظت سے مراد یہ ہوگی کہ شیطان نہ آسمان میں داخل ہو سکتا ہے نہ ان میں تصرف کر سکتا ہے۔

حل لغات: الاستراق از باب افتعال بمعنے چوری کرنا۔ اور المسترق المستمع چپکے سے کسی کی بات سننے والا۔ کذا فی القاموس۔ اور السمع بمعنے المسموع۔

ف: کاشفی نے کہا کہ شیطان سخن مسموع کو چراتا ہے اور استراق السمع بمعنے اختلاسہ سرا ہے۔ یعنی شیطان کا راز کو چپٹ لگانا۔

ف: شیطان کو ڈاکوؤں سے تشبیہ دی۔ اس لیے کہ جیسے ڈاکو سامان چراتا ہے ویسے ہی شیطان بھی آسمان سے کوئی شے چوری کرتا ہے۔

فَاَتْبَعَهٗ پس اس کے پیچھے لگتا ہے۔ یعنی اس کے پیچھے لگ کر اسے جلا دیتا ہے۔

فرق مابین اَتبع و تبع اتبع از اتباع بمعنے دوسرے کو اپنے ساتھ ملا لینا۔ اور تَبِعَ از تبع بمعنے خود کسی کے پیچھے لگنا۔

شِهَابٌ بمعنے لہبٌ محرق یعنی چمکدار شعلہ ناریہ۔ مُبِیْنٌ یعنی آشکارا ظاہر کہ دیکھنے والے کو صاف اور واضح نظر آئے۔

ف: یاد رہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یوں ہوتا تھا کہ شیطان آسمان پر جا کر اہل آسمان کے اسرار سے آگاہی حاصل کر لیتا تھا لیکن آقائے کونین رسول ثقلین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو شروع میں شیطان کو آسمان پر جاتے ہوئے نار کی چنگاریاں ماری جاتی تھیں جنہیں ہر ایک واضح طور پر دیکھا کرتا تھا۔ پھر شیطان کی آسمانوں پر جانے کی مکمل طور پر پابندی لگا دی گئی؎

مہ برآمد و بازار تیرگی بشکست
گلے شگفت و ہیا ہوسے خار آخر شد

(ترجمہ: چاند نمودار ہوا تو اندھیرے مٹ گئے۔ گل کھلا تو کانٹے ختم ہو گئے۔)

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شیطان کو آسمانوں پر جانے کی اجازت تھی جب عیسیٰ علیہ السلام کا تولد ہوا تو شیاطین کو صرف تین آسمانوں پر جانے سے روکا گیا۔ جب حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ظہور مبارک ہوا تو چنگاریاں مار کر تمام آسمانوں پر جانے سے شیاطین کو روکا گیا۔

Scanned with CamScanner

ف : آج مخلوقات میں جنات کی خبریں مشہور ہیں وہ صرف زمین کی خبریں ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ وہ بھی ایسے ہے جیسے چور چپ کر مکان سے کوئی چیز اٹھالیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر جنات کوئی آنے والی خبر سناتے ہیں تو نرا جھوٹ ہوتا ہے۔ کما فی آکام المرجان۔

حدیث شریف مروی ہے کہ ملائکہ آسمان سے زمین کے کنارے پر آکر کچھ آسمان کی وہ باتیں کرتے ہیں جو قضا و قدر سے تعلق رکھتی ہیں انہیں شیاطین سُن کر کاہنوں تک پہنچاتے ہیں جنہیں کاہن سو قسم کے جھوٹ مُوٹ ملا کر عوام کو بہکاتے ہیں۔

ف : تفاسیر میں لکھا ہے کہ شیاطین ایک دوسرے پر بیٹھ کر آسمانِ دنیا پر چڑھ جاتے ہیں یا ان کا بڑا شیطان اُوپر چڑھ جاتا ہے تو آسمانوں کی باتیں چرا کر اپنے نیچے والے کو بتاتا ہے وہ کاہنوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے وہ اپنی طرف سے کئی باتیں بڑھاتے ہیں پھر شیاطین کو چنگاریاں مار کر نیچے کو بھگایا جاتا ہے۔

ف : ستاروں کو شیاطین پر نہیں مارا جاتا کیونکہ وہ ستارے تو افلاک میں مرکوز ہیں اور وہ ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتے۔ شیاطین کو نار کی چنگاریاں ماری جاتی ہیں جو دُور سے ستارے کی مانند نظر آتی ہیں۔ ان سے بعض شیاطین کے چہرے، بعض کے ماتھے، بعض کے ہاتھ جل جاتے ہیں۔ بعض کی ان چنگاریوں سے عقل ماری جاتی ہے۔ انہی وجوہ سے پھر وہ آسمان پر جانے کا نام نہیں لیتے۔ البتہ وہ ان چنگاریوں کے لگنے سے چھلاوہ کی شکل بن کر جنگلوں میں رہ کر لوگوں کو طرح طرح سے بہلاتے پھسلاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے انسانوں کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے چھلاوے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اس لیے ان کی شرارتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ف : ابن الاثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ الغول بمعنے چھلاوہ الغیلان کی جمع ہے۔ یہ شیاطین جنات کی ایک قسم ہے۔ اہلِ عرب کا گمان ہے کہ چونکہ وہ جنگل میں لوگوں کو نظر آجاتا ہے اس لیے وہ ان سے بچنے کے لیے گوناں گوں شکلیں اختیار کر کے ان کو راستہ بھلا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتا ہے۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ غول یعنی چھلاوے کے وجود کا انکار نہیں ہو سکتا۔ البتہ شریعت مطہرہ نے اس کے مختلف شکلوں میں بدلنے اور بنو آدم کو ہلاکت میں ڈالنے کا انکار کیا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تفاسیر کے مضامین سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ سابقہ امم میں اس کا مختلف شکلوں میں بدلنا اور بنو آدم کو ہلاک کرنا ثابت ہے اس لیے شریعت مطہرہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ سابقہ امم میں اس کی اس کارروائی سے انکار نہیں لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اس کی یہ کارروائی ختم ہو گئی۔ اب اگرچہ مذکورہ بالا چھلاوہ (غول) عالم دنیا بالخصوص جنگلوں میں موجود ہے لیکن مذکورہ بالا شرارتوں پر قادر نہیں۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا غول و لکن (ہماری شریعت میں) غول (گوناگوں شکلیں) نہ بدلتا

السعالی ۔ کرنے والا جن جسے چھلاوہ کہا جاتا ہے) نہیں ہے
اس کے جادو چل جانے کا مستند حق ہے۔

یعنی شیطان چھلاوہ بن کر اب نہ کسی کو راستہ بھلا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ جہال کا غلط گمان ہے۔

ف: حدیث شریف میں السعالی کا لفظ واقع ہے اسے سین مفتوحہ اور عین مفتوحہ سے پڑھنا چاہیے بمعنیٰ سحرة الجن یعنی جنوں کے جادوگر۔ وہ السعلاۃ بالکسر کی جمع ہے۔ یعنی جنات میں بعض افراد ایسے ہیں جو انسانوں کو گوناگوں توہمات میں مبتلا کرتے ہیں۔

ف: انوار الشارق میں ہے کہ محققین نے فرمایا: الغول (چھلاوہ) ایک ایسی شے ہے جس کا عالمِ دُنیا میں کوئی وجود ہی نہیں وہ ایک ہوا ہے جس سے لوگوں کو خواہ مخواہ ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا: ؎

الجود والغول والعنقاء ثالثة
اسماء اشیاء لم توجد ولم تکن

(ترجمہ: جود، غول، عنقاء ان تینوں کے نام تو ہیں لیکن نہ وہ ہیں اور نہ ان کا کوئی وجود ہے۔)

ف: اہلِ عرب کا (جاہلیت کے دور میں) خیال تھا کہ جب انسان جنگل میں یکہ و تنہا ہو تو غول (چھلاوہ) اس کے سامنے آجاتا ہے جس کی صورت انسانی اور پاؤں گدھے جیسے ہوتے ہیں۔

سوال: مثنوی شریف میں ہے: ؎

ذکرِ حق کن بانگ غولاں را بسوز
چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غول (چھلاوہ) کی آواز مٹا دے اسی کرگس سے نرگس کی آنکھ جلا دے)

ف: اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ غول (چھلاوہ) کا وجود ہے۔ اور مثنوی شریف قرآن کا مغز کہلاتی ہے۔

جواب: چونکہ مثنوی شریف میں عرفانی باتوں کو تشبیہات سے سمجھایا گیا ہے اسی لیے مولانا روم علیہ الرحمۃ نے غول سے شیطان بلکہ ہر وہ شے مراد لی ہے جو ذکرِ حق سے روکے۔ چنانچہ شعر مذکور میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا قدس سرہٗ نے سالک کو سبق دیا ہے کہ ذکرِ حق سے وساوس شیطانی و نفسانی کا قلع قمع کر دو اس لیے کہ حدیث شریف میں قاعدہ مرقوم ہے کہ ذکرِ الٰہی سے شیطان دور بھاگتا ہے۔

اعجوبہ: جنات کے دماغ بنی آدم جیسے نہیں ہوتے (یعنی جنات کے دماغ بنی آدم سے کمتر ہوتے ہیں) اس لیے شیاطین جہیر الصوت (بلند آواز) کو برداشت نہ کرتے ہوئے ذکرِ الٰہی بالجہر سے بھاگ جاتے ہیں۔

نکتہ: یہی وجہ ہے کہ مشائخ اپنے مریدین کو ذکر بالجہر کی تلقین کرتے ہیں، کیونکہ جب ذکر بالجہر کیا جاتا ہے تو ذکرِ الٰہی کے ڈر سے

Scanned with CamScanner

31 شیطان جل جاتا ہے اور جہری ذکر کی تاب نہ لاتے ہوئے راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔

صُوفیانہ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ نفس امّارہ کی شرارت اور شیطان خبیث کو بھگانے کی چنگاری ذکرِ الٰہی ہے، جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ : فاتبعه شهابٌ مّبين ۔

شرعی مسئلہ ابوبکر رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تکبیر بالجہر صرف ایام تشریق میں ہونی چاہیے۔ ہاں دشمن کو بھگانا یا چوروں کو ڈرانا ہو تو جہر سے تکبیر کہی جاسکتی ہے۔

نکتہ صوفیانہ فقیر (اسماعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس اور سب سے شریر تر چور شیطان ہے اس لیے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہر وقت ذکر بالجہر کرتے کراتے ہیں تاکہ اپنے دشمن نفس اور شیطان چور کی شرارت سے بچ جائیں۔

ردِ وہابیہ (اکثر وہابیہ دیوبندیہ مشائخ کرام کے ان مشاغل پر ردّ و قدح کرتے ہوئے ایسے مشاغل و اوراد بالخصوص ذکر بالجہر سے روکتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کی تردید میں صاحب روح البیان قدس سرہٗ رقمطراز ہیں کہ)

والعاقل لا يستريبُ فيه اصلاً ولا يصيخ	سمجھدار تو اس سے ہرگز شک نہیں کرسکتا اور
الیٰ قول المنكر رأسا۔	نہ ہی منکر کے قول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ف : محمد بن طلحہ نے عقد الفرید میں رقم فرمایا ہے کہ بادشہ وقت کا کلام بارعب بنانے کا ارادہ ہو تو کلام کو جہر (زور) سے بولے تاکہ سامعین پر رُعب چھا جائے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رُوح اپنے قویٰ و اعضا میں ایسے ہے جیسے بادشاہ رعایا میں۔ جیسے بادشاہ کو اپنی رعایا کا انتظام درست رکھنا لازمی اور ضروری ہوتا ہے ایسے ہی رُوح کو اپنی رعایا کا انتظام و انصرام صحیح رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہاں بلاضرورت بھی اعضاؤ و قویٰ کو تکالیف میں نہ ڈالا جائے بلکہ رُوح پر لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کی ضرورت کے مطابق انتظامی امور پر توجہ رکھے۔ اہل شہود اس نکتہ کو خُوب جانتے ہیں انھیں ان امور کا بخوبی علم ہے اس لیے وہ لحظہ بھر بھی اس سے تغافل نہیں برتتے۔

تفسیر عالمانہ وَالْاَرْضَ الارض علی شریطۃ التفسیر کے قانون پر منصوب ہے مَدَدْنٰهَا ہم نے زمین کو تمہارے ٹھہرنے کے لیے بچھونا بنایا۔

لہ اس سے معلوم ہوا کہ اب جلسوں میں جو نعرۂ تکبیر زور سے لگایا جاتا ہے مکروہ ہے لیکن تاویلاً جائز ہے۔ اگر یہ تاویلاً جائز ہے تو نعرۂ رسالت بھی جائز ہے۔ اس مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے فقیر کا رسالہ " ما بہ الکفایہ فی اثبات نعرۂ رسالت " ملاحظہ ہو۔
اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

ف : یعنی زمین کو کعبہ سے پانی پر بچھانا شروع کیا۔

حدیث شریف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کعبہ معظمہ کو زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اسی مقام پر پیدا کیا گیا۔ اس وقت وہ برف کا ایک ڈھیلا نظر آتا تھا اور اس پر دو فرشتے مامور تھے جو اس کے گرد تسبیح پڑھتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا زمین بچھانے کا ارادہ ہوا تو اسی مقام (کعبہ) سے زمین کو بچھایا گیا۔ اسی کعبہ کو تمام زمین کے درمیان میں رکھا گیا۔

ف : زمین کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش میٹھے پانی پر تھا۔ جب عرش پانی پر متحرک تھرایا تو اس پر لکھا گیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (اس کلمہ مبارکہ کی برکت سے) عرشِ الٰہی ساکن ہو گیا۔

تخلیقِ سماوات جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پانی پر ہوا چلائی۔ پانی ہوا سے اُچھلا تو اس سے ایک دُھواں آسمانوں کی طرف اُٹھا۔ اس دُھوئیں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمان پیدا فرمائے۔ اس کے بعد کعبہ والی جگہ سے پانی ہٹا تو وہ جگہ خشک ہو گئی۔

ف : ایک روایت میں ارسل علی الماء ریحاً ھفافۃ فصفقت الریح الماء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانی پر تیز ہوا چلائی تو ہوا نے پانی کو متحرک کیا تو اس سے بیت اللہ کے مقام پر ایک پتھر نمودار ہوا جو ایک قبہ کی شکل تھا۔ اسی سے ہی اللہ تعالیٰ نے زمین کو طول و عرض میں پھیلایا۔ یہی مقام بیت اللہ آباد (ربع مسکون) کی درمیانی جگہ ہے۔

ف : کل زمین مسکونہ و غیر مسکونہ کا درمیانی حصہ جہاں سردیوں اور گرمیوں میں موسم معتدل رہتا ہے وہاں دن اور رات ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔

ف : زمین کے بعض ٹکڑے بہشت سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس، تمام مساجد اور وہ مقامات جو عبادتِ الٰہی کے لیے مخصوص کیے جائیں۔ بالخصوص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور قبر انور کا درمیانی حصہ بہشت کی کیاریوں میں سے ایک ہے۔ جو شخص بھی ان مقامات پر نیت خالص اور سچے اعتقاد سے زیارت کے لیے حاضری دے تو وہ دُنیا و آخرت کے مصائب و تکالیف سے محفوظ ہو جائے گا۔

ایں چہ زمین است کہ عرش بریں
رشک برد با ہمہ رفعت بدیں
چونکہ نیم محرم دیوار تو
می نگرم بر در و دیوار تو
آنکہ شرف یافت بدیدار تو
جان چہ بود تا کند ایثار تو

(ترجمہ: یہ زمین کیسی مبارک ہے کہ اس پر عرش بریں بھی رشک کرتا ہے چونکہ میں تیرا محرم راز نہیں اسی لیے میری نگاہ صرف آپ کی در و دیوار تک نگاہ جاتی ہے اور جس خوش قسمت کو تیرا دیدار نصیب ہو جاتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ تیرے نام پر جان فدا کرے۔)

وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ اور ہم نے زمین پر بہت مضبوط پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے اگر وہ پہاڑ زمین پر نہ ہوتے تو زمین کو قرار نصیب نہ ہوتا اور نہ کوئی شخص اس پر ٹھہر سکتا۔ رواسی رسا رسواً و رسوا سے ہے بمعنے ثبت۔ پہاڑوں کو لنگر سے تشبیہ دے کر ان کی تحقیر اور قلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اگرچہ وہ فی نفسہٖ ایک عظیم مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں چند لنگروں سے تشبیہ دی جو ہاتھ میں لے کر کسی شے پر پھینک دی جائیں تاکہ ناظرین کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ معلوم ہو کر اگرچہ یہ پہاڑ عظیم مخلوق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے لاشئے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے زمین پر پہاڑوں کو لنگر بنا دیا جب زمین کی تخلیق کے بعد زمین تھرتھرائی تو اللہ تعالیٰ نے گویا پہاڑوں سے فرمایا ہو جاؤ تو وہ پیدا ہو کر زمین پر لنگر کی طرح جم گئے۔ پہاڑوں کے نمودار ہوتے ہی زمین کی تھرتھراہٹ ختم ہو گئی۔ اس سے کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ یہ کیسے اور کس چیز سے پیدا ہوئے۔

ف: سوائے ٹیلوں کے بڑے چھوٹے کل پہاڑ چھ ہزار چھ سو تہتر ہیں۔ کذا فی زہرۃ الریاض

ف: زمین پر سب سے پہلا پہاڑ ابو قبیس پیدا کیا گیا جو مکہ معظمہ میں ہے۔

ف: سب سے افضل جبل اُحد بضمتین ہے اور وہ مدینہ طیبہ میں ہے۔ کذا قال السیوطی

اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف احد یحبنا و نحبہ۔ (جبل) اُحد ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

اعجوبہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکل کر اقلیم ہند کے ایک بہت بڑے پہاڑ پر تشریف لائے۔ اس پہاڑ کو بحر کے باشی ایک دن کی مسافت پر دور سے دیکھ لیتے ہیں۔ اسی پہاڑ کے ایک پتھر پر آدم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نقش موجود ہے۔ یہی پہاڑ آسمان کے قریب تر ہے۔ کما فی انسان العیون۔ یہ پہاڑ سراندیپ سے منسوب ہے اور سراندیپ اقلیم ہند کے ایک شہر کا نام ہے۔

ف: پہاڑ زمین پر اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے بے شمار فوائد مضمر رکھے ہیں۔

ف: عالمِ اکوان میں پہاڑ بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کامل کو جبل (پہاڑ) سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

حکایت کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کامل نے خواب دیکھا کہ بغداد پر تیز اور تاریکی سے پُر ہواؤں نے عراق کے پہاڑوں کو تہس نہس کر دیا ہے۔ صبح کو خبر پھیل گئی کہ اسی رات ہلاکو خاں نے بغداد پر چڑھائی کی ہے جس نے

Scanned with CamScanner

بغداد کے شاہ پیر اولیاء، علماء، امراء اور بیشمار لوگوں کو مار ڈالا ہے ؎

سرگشتہ بود خواہ ولی خواہ نبی
در وادیٔ ما ادری ما یفعل بی

(ترجمہ: ہر نبی اور ہر ولی ما ادری ما یفعل بی یعنی فناہیت کا شکار ہوگا۔)

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین بشریت بنائی تو تھرتھرانے لگی تو اس پر صفات قلب اور عقل کے پہاڑ گاڑ دیے ؎

کشتیٔ بے لنگر آمد مرد شر
کہ ز باد کژ نمی یابد حذر
لنگر عقلست عاقل را امان
لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

(ترجمہ: شریر مرد کی کشتی بے لنگر ہوتی ہے اسے مہلک ہوا کا خطرہ نہیں ہوتا عاقل کے لیے عقل لنگر ہے۔ چاہیے کہ عقل والوں سے عقل کی خیرات مانگی جائے۔

تفسیرِ عالمانہ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا اور ہم نے زمین میں اُگائے۔

ف: زمین کی قید اس لیے لگائی کہ پہاڑوں میں پہلے تو میوے پیدا نہیں ہوتے، اگر ہوتے ہیں تو اکثر ان سے انسان نفع حاصل نہیں کرتا یا اس لیے کہ زمین کے میوہ جات سے ہر چھوٹا بڑا منتفع ہوتا ہے اس سے میوہ جات کا حصول آسان ہے بخلاف پہاڑوں کے کہ ان سے میوہ جات کا انتفاع ناممکن ہے اسی لیے زمین مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ہر طرح کے میوہ جات سے موزوں ہے یعنی ذاتاً وصفتاً و مقداراً میزان حکمت کے مطابق ہے، یہ محاورہ کلام موزوں کے مطابق ہے یعنی ہم نے زمین میں بہترین میوہ جات اُگائے کہ جس سے مکمل طور نفع جات حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کی کھیتی اور درخت وغیرہ موزوں طور پر مفید ہیں یا اس کے میوہ جات اور اناج کو تول اور ناپ سے دیا اور لیا جا سکتا ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ معایش پر یاء باقی رکھی جائے اس لیے کہ اس کا مادہ عیش ہے۔ اس معنے پر یہ اصلی ہے اور مفاعل کی یاء اصلیہ کو باقی رکھا جاتا ہے۔ معایش معیشۃ کی ہے۔ ہر وہ شے کہ جس سے انسانی معاشرہ قائم ہو جیسے مطاعم (کھانے کی چیزیں) و ملابس (پہننے کی اشیاء) اور دیگر وہ اشیاء جن سے انسانی بقاء کا تعلق ہے وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ اس کا عطف معایش پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے معاش کے اسباب بنانے اور تمہارے لیے وہ لوگ بنانے جنہیں تم رزق دینے والے نہیں۔ مثلاً تمہارے اہل و عیال، نوکر چاکر اور جانور وغیرہ۔ تغلیباً غیر ذوی العقول بھی ان میں شامل ہیں ہمارے اس اضافے سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جس میں کہا گیا ہے کہ مَن تو ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور تم نے ترجمہ میں جانور وغیرہ کیسے مراد لیے۔

Scanned with CamScanner

اس عبارت سے ان وہموں کا ازالہ ہوگیا کہ ہمارے اہل وعیال اور نوکروں چاکروں کا کیا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے

ازالہ وہم فرمایا یہ محض تمہارا خبط ہے (جیسے ہمارے دور میں نئی تہذیب کے کمزور فہم انسان کا خیال ہے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے منصوبہ بندی جیسی لعنت پر کروڑوں روپے ضائع کیے جارہے ہیں) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں غلط خیالی کیوں ہے جب میں نے فرمادیا ہے کہ تمہارا اور تمہارے اہل وعیال وغیرہم کا رزق میرے ذمۂ کرم ہے۔ یا من لستم کا لکم پر عطف ہے اس لیے کہ لکم محلاً منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے اہل وعیال کا رازق ہے جنہیں تم روزی نہیں دے سکتے۔ اس معنے پر جار ومجرور کا عطف جار ومجرور پر ہوگا۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ یہ اشیائے ممکنہ میں سے کوئی شے ایسی نہیں اِلَّا عِنْدَنَا مگر ہمارے ہاں، یعنی ہمارے فرمان کے تابع ہیں۔ خَزَآئِنُهٗ اسی کے خزانے۔ یہ خزانہ کی جمع ہے بمعنے مخزون۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں صرف نفیس مال محفوظ کیا جائے۔ عرف عام میں ملوک وسلاطین کے وہ مخفی خزانے مراد ہیں جہاں رعایا کے رزق چھپائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدورات کو خزانوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کے خزانے عوام کی معلومات سے پوشیدہ ہیں اور وہاں کسی کو دستبرد کی ہمت نہیں باوجودیکہ لوگوں کو ان کی سخت ضرورت ہے اور ان کی وہ رغبت بھی رکھتے ہیں نیز پوشیدگی کے لحاظ سے بھی انہیں تشبیہ ہے اس لیے کہ وہ مقدورات صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہیں کہ وہ جب چاہے موجود ہوسکتی ہیں گویا وہ اس قدر تیار رکھی ہیں کہ بمجرد ارادۂ الٰہی کے وہ موجود ہوجائیں گی اور انہیں بادشاہوں کے خزانوں کے نفیس اموال سے بھی اسی معنیٰ پر تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا۔ اس تقریر پر خزائنہ میں استعارہ تخییلیہ ہے۔

فائدہ صوفیانہ فقیر (اسمٰعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ میرے شیخ کامل اور مرشد اکمل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ خزائن میں اعیان ثابتہ کی طرف اشارہ ہے کہ ہر شے اعیان ثابتہ سے فیض پاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا ظہور معلوم اور احوال کے اقتضا کے مطابق ہوتا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کسی قسم کا ظلم نہیں کرتا البتہ لوگ اپنے اوپر خود ظلم کرتے ہیں۔

وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اور ہم کسی شے کو نہیں اتارتے یعنی پیدا نہیں کرتے اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ مگر درانحالیکہ وہ شے مقدار معلوم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے یعنی جس طرح حکمت کا تقاضا ہوتا ہے وہ شے اسی کی حکمت کے تابع ہوکر پیدا ہوجاتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نقص وعیب کا شائبہ تک نہیں اسی لیے ہر وہ شے جو پیدا ہوگی وہ علم الٰہی کے تقاضوں کے مطابق ہوگی۔

نکتہ: چونکہ فضل الٰہی کے نزول کا مرکز عالم علوی ہے اور اشیا کا ورود عالم سفلی کی طرف ہوتا ہے اسی لیے اسے تنزل سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

وانزل لکم من الانعام ثمانیة ازواج۔ اور ہم نے تمہارے لیے آٹھ جوڑے نازل فرمائے

جیسے ان اشیا کے تدریجاً نزول کی وجہ سے انہیں تنزیل سے تعبیر فرمایا ہے۔

Scanned with CamScanner

ف : تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ خزائنہ بمعنے مفاتیح رزقہ۔ انہیں خزائن المطر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے وما ننزلہ اس کا مرجع المطر ہے الا بقدر معلوم اس سے بارش کا پیمانہ اور وزن معلوم مراد ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بقدر معلوم کا مطلب یہ ہے کہ بارش کے اندازے کو بارش کے نگران فرشتے جانتے ہیں کہ کس مقدار اور کس پیمانے پر بارش نازل کرنی ہے۔ طوفانِ نوح کے وقت اوزان اور پیمانے کا تصور ختم ہو گیا تھا۔ یہ طوفان مسلسل چالیس روز تک رہا۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ ہر وہ شے جس سے بندے نفع یاب ہوں گے اس کی تخلیق و تکوین پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ اور جسے جتنا عطا فرماتا ہے وہ اس کے لائق ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ بندہ اس مقدار سے زائد کا اہل نہیں ہے۔ وہی جانتا ہے کہ بندوں کے لیے کون سی اور کتنی نعمتیں بہتر اور ان کے منافع کے قریب تر ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر لفظ علمنا محذوف ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ کون سی نعمت سے بندہ ضرر سے محفوظ ہوگا اور کون سی نعمت اسے نفع بخشتی ہے اور کون سی ضرر پہنچاتی ہے۔ اس لیے فرمایا :

و لو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق فراخ فرما دے تو وہ زمین پر بغاوت کریں گے۔ لیکن وہ اندازے کے مطابق رزق اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے معاملات کو جانتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کے مختلف خزانے ہیں جو انہی اشیاء کے مناسب حال ہیں۔ مثلاً جس جسم کو مقدر فرمایا تو اس کی مناسبت سے ایک خزانہ اس کی صورت کا، ایک خزانہ اسم کا، ایک خزانہ اس کے معنیٰ کا، ایک خزانہ رنگ و بو کا، ایک خزانہ اس کے طعم کا، ایک خزانہ طبع کا، ایک خزانہ خواص کا، ایک خزانہ احوال مختلفہ کے دور کا جو ہر روز گزرتے ہیں، ایک خزانہ نفع و نقصان کا، ایک خزانہ ظلمت و نور کا، ایک خزانہ ملکوت وغیرہ کا مقدر فرمایا۔ یعنی لطف اور قہر الٰہی کے مطابق خزینے مقدر کیے گئے ہیں۔ ہر شے میں لطف و قہر الٰہی کے خزینے مخفی ہیں۔ حضرت انسان جمیع صفاتِ الٰہی کا خزانہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم ازل سے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق ہر شے کا خزانہ زمین پر نازل فرماتے ہیں اور ہم ہی اپنی ایجادات کی حکمت کو جانتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ یہ حال مقدرہ ہے۔ الریاح ریح کی جمع ہے ریح لاقح اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو بارش برسانے والے بادل ساتھ لائے۔ یہ لقحت الناقۃ سے مشتق ہے۔ یعنی اونٹنی گابھن ہو گئی۔ والقحہا الفحل اور اونٹنی کو اس کے نر نے گابھن بنایا۔ اور چونکہ ہوا پانی کو بادل سمیت اٹھا لاتی ہے اس لیے اسے لاقح سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ہوا ایسے بادل اٹھا کر لائے جن میں بارش نہ ہو اسے عقیم کہا جاتا ہے۔

ف : ابو عبیدہ نے فرمایا کہ لواقح بمعنے ملاقح ہے اور وہ ملقحۃ کی جمع ہے۔ چونکہ ایسی ہوائیں بادلوں اور درختوں کو

Scanned with CamScanner

تربیت بخشتی ہیں اور انکی نشوونما میں مدد ہوتی ہیں یہاں تک کہ ثمرات کے پکنے تک درختوں کو ان کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوئیں۔

بعض (لغوی) کہتے ہیں کہ انہی ہواؤں کی بدولت بادلوں سے پانی نکل کر اشجار میں ثمرات کی پختگی کا باعث بنتا ہے۔

اسی لیے انھیں لواقح کہاجاتا ہے۔

قاعدہ : لفظ الریاح خیر کے لیے اور الریح شر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی (مندرجہ ذیل) دعا سے (یہی) معلوم ہوتا ہے :

اللھم اجعلھا ریاحاً ولا یجعلھا ریحاً۔ اے اللہ تعالیٰ! انہیں ریاح بنا ریح نہ بنانا۔

سوال : قرآن مجید میں ہے :

وجرین بھم بریح طیبة۔

اس آیت میں ریح کو خیر میں استعمال کیا گیا ہے۔ آیت وحدیث اور تمہارے قاعدے میں تطبیق نہیں۔

جواب : چونکہ ریح کو طیبہ سے مقید کیا گیا ہے اس لیے ریح میں خیر کا معنیٰ پایا گیا ہے ورنہ مطلقاً لفظ ریح شر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب بھی رات یا دن کو ہوا چلتی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے دعا کرتے :

اللھم ان کان بک الیوم سخط علیٰ احد من خلقک بعثتھا تعذیبا له فلا تھلکنا فی الھالکین وان کنت بعثتھا رحمة فبارک لنا فیه۔

اے اللہ تعالیٰ! اگر آج کسی بندے پر تجھے ناراضگی ہے اور اس ہوا کو اس کے لیے عذاب بنا کر بھیجا ہے تو ہمیں بچاتا اور اگر اس ہوا کو رحمت بنا کر بھیجا ہے تو اسے ہمارے لیے بھی بابرکت بنانا۔

پھر اگر اس سے بادل نمودار ہوکر بارش برساتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے :

رب لک الحمد وذھب السخط ونزلة الرحمة۔

اے رب تعالیٰ! تیرے لیے حمد و ثنا ہے تیرا غضب گیا اور تیری رحمت کا نزول ہو گیا[۱]

ف : مطرف رحمہ اللہ نے فرمایا :

اگر ایک لمحہ کے لیے ہوا بند ہوجائے تو زمین و آسمان کے درمیان بدبو پھیل جائے۔

---

[۱] ہمیں سبق دیا گیا ہے کہ ایسے حال میں ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیے۔۱۲

Scanned with CamScanner

فَاَنْزَلْنَا ایسے بارش برسانے والے بادلوں کے نمودار ہونے پر ہم نے نازل کیا مِنَ السَّمَآءِ آسمان سے یعنی اوپر سے۔
قاعدہ ہے کہ سر سے اوپر والی شے کو سماء کہا جاتا ہے اور یہی معنی یہاں پر مراد ہے اس سے مراد فلک نہیں۔ مَآءً پانی کا بعض حصہ۔
اس کی تنکیر سے ہم نے 'بعض حصہ' معنی کیا ہے۔ اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ بارش نے وقت آسمان کا تمام پانی نازل نہیں ہوتا
بلکہ اتنا نازل ہوتا ہے جتنا بندوں کے لیے نافع اور غیر مضر ہوتا ہے۔ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ پس ہم نے تمہیں اس سے پانی پلایا اور
تمہیں قدرت دی کہ تم اس سے جانوروں کو پانی پلاؤ۔ الارشاد میں ہے کہ یہ سقینا کموہ سے زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ اس میں
اشارہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے اس پانی کو تیار فرمایا اس میں سے جتنا چاہو اور جیسے چاہو استعمال کرو۔

قاعدہ: قرآن مجید میں اس کلمہ کے سب سے زیادہ حروف ہیں اس لیے کہ اس کے گیارہ حروف ہیں اور یہ انلزمکموھا سے بھی
زیادہ ہیں کیونکہ اس کے کل دس حروف ہیں۔

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ اور تم نہیں اس نازل شدہ پانی کو بِخٰزِنِيْنَ جمع کر کے رکھنے والے۔ یعنی ہم ہی اس کی
قدرت رکھتے ہیں کہ اسے پیدا کر کے بادلوں میں جمع کر دیا پھر اس میں سے زمین پر نازل کیا لیکن تم اس پر قدرت نہیں رکھتے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے آسمان سے پانی نازل کرنے کے بعد بھی تم اسے قابو میں رکھنے کی
قدرت نہیں رکھتے کہ اسے اپنے تالابوں، کنووں یا چشموں میں بند کر سکو بلکہ وہ بھی میری قدرت ہے کہ میں اسے ان خزانوں میں محفوظ
رکھتا ہوں تاکہ بوقتِ ضرورت تم ان سے پانی حاصل کر سکو ورنہ پانی کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ زمین پر آتے ہی گڑھوں میں گھس جائے۔

ف: الغور بمعنے زمین میں دھنس جانا۔

حضرت امام ماتریدی رحمہ اللہ اپنی تاویلات میں تحریر فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے
وہ اپنے خزانوں کا خود مالک ہے وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں خرچ کرتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ اور ہم ہی اجسام میں حیات پیدا کرتے ہیں۔ اس میں ضمیر کی تقدیم حصر کے لیے ہے وہ یا تو پہلی
ضمیر کی تاکید ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر فعل ہے۔ پھر جملہ خبریہ بن کر انا کی خبر ہے اسے ضمیر الفصل بنانا جائز نہیں اس لیے کہ
ضمیر الفصل دو اسموں کے درمیان واقع ہوتی ہے اور یہاں ایک اسم ہے تو دوسرا فعل۔ وَنُمِيْتُ اور ہم ہی اجسام سے حیات کو
مٹاتے اور زائل کرتے ہیں۔ اور کبھی احیاء و اماتۃ کو عام رکھا جاتا ہے جو حیوانات و نباتات دونوں کو شامل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ
کو قدرت ہے کہ حیوانات میں حیات اور نباتات پر بارش برسا کر موسم ربیع میں تازگی بخشتا ہے اور موسم خریف میں ان سے خشکی
اور تازگی ختم کر کے انہیں بے رونق کر دیتا ہے اور اہلِ ایمان کو ایمان سے زندگی بخشتا ہے اور اہلِ کفر کو کفر میں مبتلا کر کے ان کے
قلوب کو مُردہ بناتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ لطائف قشیریہ میں مذکور ہے کہ ہم قلوب کو انوارِ مشاہدہ سے تازگی بخشتے اور نفوس کو نارِ مجاہدہ سے مٹاتے ہیں
یا یہ معنی ہے کہ طاعات و عبادات سے ہم تمہیں زندہ کرتے اور متابعت شہوات سے ہم تمہیں مارتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کی وصیت حضرت الشیخ الاکبر الاطہر نے اپنے ولد حضرت صدرالدین قونوی قدس سرہٗ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اپنی کتنی اولاد و اصحاب کو مار ڈالا اور جو مر گئے ان سے اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی اب وہ تمہارے کام کے ہیں جنہیں تم نے مارا یا قتل کیا۔ وہ تجلی ذات دائمی ابدی کے مشاہدات ہیں کہ جنہیں کسی قسم کا حجاب اور پردہ نہیں اور نہ ہی کاملین کو ان کے سوا کوئی چارہ ہے۔ اس پر حضرت صدرالدین قونوی نے عرض کی یہ شرف مجھے حاصل ہے کہ اگرچہ مجھ سے میری اولاد و اصحاب قتل ہو گئے لیکن بحمدہٖ تعالیٰ آپ جیسا شیخ کامل مُردوں کو زندہ کرنے والا بھی تو ہے فلہٰذا براہِ کرم میرے ان مُردگان کو آپ ہی زندہ فرمادیں۔ اس کی مزید تفصیل شرح الفصوص میں ہے۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ محی و ممیت بمعنے موجد (خالق) ہے۔ اگر تخلیق کا تعلق وجود سے ہو تو اس فعل کو احیاء سے اور اگر اس کا تعلق موت سے ہو تو اسے اماتت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حیات و ممات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ان دونوں صفتوں کا فعل من افعال الٰہیہ سے تعلق ہے۔

وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ وارث کا معنی باقی ہے۔ اور میت کے وارث کو بھی اسی معنے پر وارث کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے موروث کے مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم ہی تمام مخلوق کی فنا کے بعد باقی اور تمام مجازی مالکوں کے مرنے کے بعد ہم ہی ہر شے کے واحد مالک ہیں۔ اس معنے پر ہم اولاً و آخراً ہر طرح مالک ہیں فنا کے بعد کسی کو کسی شے پر تصرف کا حق نہیں، نہ صورۃً نہ مجازاً۔

تنبیہ: اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح متاخر کا اپنے متقدم کا وارث ہونا ضروری نہیں جیسے عموماً ہمارے ظاہری حال کا قاعدہ ہے کہ ہر متاخر اپنے متقدم کا وارث ہوتا ہے۔ صاحبانِ مکاشفہ و اربابِ مشاہدہ و معائنہ اب بھی اپنا معاملہ اسی طرح سمجھتے ہیں جیسے انہوں نے عدم سے پہلے سمجھا تھا اس لیے کہ عارفین تو ہر وقت قیامت کے تصور میں رہتے ہیں اور وہ حضرات اب بھی اپنے رب کریم سے ہمکلام ہیں اور اس کے کلام سے محظوظ ہوتے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا کلام حرف و صوت سے پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ اب بھی انہیں فرماتا ہے، لمن الملک الیوم۔ وہ گویا یقین کر کے زبانِ حال سے عرض کرتے ہیں، للّٰہ الواحد القہار۔ گویا ہر وقت اور ہر لحظہ یہی سوال و جواب جاری رہتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وانا لنحن نحی اور ہم ہی اپنے انوار جمال سے اولیاء اللہ کے قلوب کو زندہ کرتے ہیں و نمیت اور ہم ہی نظرات جلال کی سطوت سے ان کے نفوس کو موت دیتے ہیں و نحن الوارثون اور ہم ہی ان کے وجود کو فانی کر کے انہیں اپنی بقا کے ساتھ باقی رکھنے والے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) پشہ آمد از حدیقہ وز گیاہ   وز سلیمان گشتہ پشہ داد خواہ

(۲) کای سلیمان معدلت می گستری   بر شیاطین و آدمی زاد و پری

(۳) مشکلات هر ضعیفی از تو حل   پشه باشد در ضعیفی خود مثل

(۴) داد ده ما را ازیں غم کن جدا   دست گیر ای دست تو دست خدا

(۵) پس سلیمان گفت ای انصاف جو   داد و انصاف از کہ میخواہی بگو

(۶) کیست آں ظالم کہ از باد بروت   ظلم کرست و خراشیدہ است روت

○

(۷) گفت پشہ داد من از دست باد   کو دو دست ظلم ما را بر گشاد

(۸) بانگ زد آں شہ کہ ای باد صبا   پشہ افغان کرد از ظلمت بیا

(۹) ہین مقابل شو تو با خصم و بگو   پاسخ خصم و بکن دفع عدو

(۱۰) باد چوں بشنید آمد تیز تیز   پشہ بگرفت آں زماں راہ گریز

(۱۱) پس سلیمان گفت ای پشہ کجا   باش تا بر ہر دو رانم من قضا

(۱۲) گفت ای شہ مرگ من از بود اوست   خود سیاہ ایں روز من از دُود اوست

(۱۳) او چوں آمد من کجا یابم قرار   کو بر آرد از نہاد من دمار

(۱۴) ہمچنیں جویای درگاہ خدا   چوں خدا آمد شود جوینده لا

(۱۵) گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست   لیک ز اول آں بقا اندر فناست

(۱۶) سایہہای کہ بود جویای نور   نیست گردد چوں کند نورش ظہور

(۱۷) عقل ماند چو باشد سر دہ او   كل شيءٍ هالكٌ إلّا وجههٗ

(۱۸) ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست   ہست اندر نیستی خود طرفہ ایست

(ترجمہ) ۱۔ ایک مچھر باغ کی گھاس سے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔

۲۔ اے سلیمان (علیہ السلام)! آپ کا عدل شیاطین، آدمیوں اور پریوں پر ہے۔

۳۔ ہر ضعیف کی ہر مشکل آپ حل فرماتے ہیں اور مچھر تو ضعیفی میں ویسے ہی مشہور ہے۔

۴۔ میرا انصاف فرمائیے اور مجھے غم سے آزاد کیجئے اور میری مدد فرمائیے کیونکہ آپ کی مدد یعنی اللہ کی مدد ہے۔

۵۔ سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا بتا تو سہی تُو کس سے انصاف چاہتا ہے۔

۶۔ وہ کون سا ظالم ہے جس نے تجھے ظلم کا نشانہ بنایا اور وہ کون سا ظالم ہے جس نے تجھے ستایا۔

۷۔ مچھر نے کہا یہی ہوا تو ہے جو مچھر پر دونوں ہاتھوں سے ظلم کرتی ہے۔

۸۔ سلیمان (علیہ السلام) نے بادِ صبا کو حکم دیا کہ میرے ہاں جلد حاضر ہو کر تُو مچھر پر ظلم کرتی ہے۔

Scanned with CamScanner

۹۔ اپنے مدعی کے سامنے حاضر ہو کر اس کا جوابِ دعویٰ بیان کر۔

۱۰۔ ہوا نے فوراً حاضری دی لیکن مچھر ہوا کو دیکھ کر رفو چکر ہو گیا۔

۱۱۔ سلیمان (علیہ السلام) نے حکم دیا حاضر ہو تاکہ میں دونوں کی بات سن سکوں اور فیصلہ کر سکوں۔

۱۲۔ مچھر نے کہا: حضرت! اس کے ہونے سے ہی تو مجھے موت گھیر لیتی ہے اس کا دھواں تو میرے زخم ابھارتا ہے۔

۱۳۔ اس کے آنے سے مجھے قرار کہاں، کیونکہ یہی تو آ کر مجھے تہس نہس کر دیتی ہے۔

۱۴۔ ایسے ہی طالبِ خدا کا حال ہے کہ جب اللہ کے جلوے اس پر غالب ہوتے ہیں تو وہ فنا ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ اگرچہ بندہ اس وصال سے بقا پاتا ہے لیکن اس بقا سے پہلے فنا ضروری ہے۔

۱۶۔ وہ سایہ جو نور کا متلاشی ہو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب نور ظاہر ہوتا ہے تو سایہ مٹ جاتا ہے۔

۱۷۔ عقل کب باقی رہ سکتی ہے جبکہ کل شئے ہالک ہے سوائے ذاتِ حق کے۔

۱۸۔ اس کی ذات کے سامنے تمام ہست و نیست کر فنا ہے ہست بھی نیستی کا ایک حصہ ہے۔)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ بے شک ہمیں معلوم ہیں تم سے پہلے مرنے والے یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر تا حال جو لوگ فوت ہو چکے ہیں انھیں ہم جانتے ہیں وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ اور ہمیں وہ بھی معلوم ہیں جو تم سے ولادت اور موت میں متاخر ہیں یعنی قیامت تک آنے والے یا متقدمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام، جہاد، اطاعت اور عبادت میں تم سے متقدم ہیں۔ اور متاخرین جو اسلام، جہاد، اطاعت اور عبادت میں تم سے متاخر ہیں۔ ان میں سے کسی کے حالات مجھ سے مخفی نہیں وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ اور بیشک تیرا رب تعالیٰ ہی يَحْشُرُهُمْ انھیں اٹھائے گا یعنی جزا و سزا کے لیے قیامت میں متقدمین و متاخرین کو جمع فرمائے گا اور وہ اس پر قادر بھی ہے اور صرف وہی ان کا متولی ہے۔ اس میں قیامت کے منکرین کا رد ہے اِنَّهٗ حَكِيْمٌ وہ بہت بڑا حکیم ہے اپنے جملہ امور میں بہت مضبوطی رکھتا ہے۔ حکمت علم کو متضمن ہے یعنی وہ حقائق الاشیاء کو مکمل طور پر جانتا ہے اور افعال جس طرح صادر ہونا چاہیے انھیں ویسے ہی پورے طور لا سکتا ہے۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جس کی اس طرح کی صفت ہو۔

سوال: اگر یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے تو پھر فلاسفہ کو حکیم (صفت حکمت) سے کیوں موصوف کرتے ہیں۔

جواب: وہاں حکمت سے معقولات پر عبور مراد ہے اور عقل کے نتیجے کا دوسرا نام حکمت ہے اور عقل مخلوق کی صفت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر لفظ عاقل کا اطلاق جائز نہیں۔ اسی طرح مخلوق میں سے کسی کو حکیم کہنا بھی ناجائز ہے۔ ہاں بطور مجاز اسے حکیم کہا جا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازے۔[1] کذا فی التاویلات النجمیہ

حاشیہ بر صفحہ نمبر ۴۳

عَلِیْمٌ" علیم ہے۔ یعنی اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

نکتہ: حکیم کی صفت کی تقدیم موقع محل کے مطابق ہے کہ قیامت میں اٹھا کر بندوں سے حساب و کتاب لے گا۔ اسی مقتضی پر حکیم کو علیم سے مقدم لانا موزوں تھا۔ اسی لیے اسے مقدم کیا گیا ہے۔

شانِ نزول ۱ امام واحدی اپنی کتاب "اسباب النزول" میں رقمطراز ہیں کہ ایک بی بی نہایت حسینہ وجمیلہ نماز کی حاضری دیتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کا حکم فرماتے تو نمازی اسے نماز میں دیکھتے رہتے یہاں تک کہ بعض حضرات عمداً مردوں کی پچھلی صف میں کھڑے ہو کر رکوع میں جاتے ہوئے بغلوں کے نیچے سے اس بی بی کو دیکھا کرتے تھے تو یہی آیت نازل ہوئی۔

شانِ نزول ۲ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب عورتوں کو نماز باجماعت مسجد میں حاضری کی اجازت تھی جب عورتیں نماز میں حاضر ہوتیں تو جس مرد کے دل میں عورتوں کو دیکھنے کی خواہش ہوتی وہ سب سے پچھلی صف میں کھڑا ہوتا اسی طرح جس عورت کو مردوں کے دیکھنے کا شوق ہوتا وہ مردوں کی صف سے قریب تر کھڑی ہوتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی سب سے بہتر صف پہلی اور عورتوں کی سب سے بہتر صف پچھلی ہے۔ اسی طرح مردوں کی سب سے بری صف پچھلی اور عورتوں کی سب سے بری صف پہلی ہے۔

مسئلہ: یہ حکم عمومی نہیں بلکہ اس وقت ہے جب مرد عورتیں ایک جگہ اکٹھے نماز پڑھیں ورنہ اگر عورتیں علیٰحدہ اپنی جماعت کرا رہی ہوں تو اس وقت ان کی بہتر صف پہلی اور کمتر آخری صف ہو گی اس لیے کہ ارتفع الحکم برفع العلۃ یعنی علت کے ارتفاع سے حکم مرتفع ہو جاتا ہے۔

ف: بری اور بہتر صف سے اجر و ثواب کی قلت و کثرت مراد ہے۔ یعنی جو صف بہتر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اجر و ثواب بہت زیادہ نصیب ہوگا اور جو صف بُری ہے انھیں ثواب بہت کم ملے گا۔

نکتہ: عورتوں کی آخری صف کو فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ وہ مردوں کے اختلاط سے دُور ہو جاتی ہیں۔ اس معنے پر انھیں سکونِ قلب نصیب ہوگا کہ نہ وہ مردوں کی دیکھیں گی نہ غلط قسم کا وسوسہ ان کے دل میں آئے گا۔ اسی طرح مردوں کا حال ہے کہ انھیں پہلی صف میں کھڑے ہونے سے عورتوں سے دُوری حاصل ہوگی تو سکونِ قلب نصیب ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) لہ اسی طرح وہابیہ دیوبندیہ کو سمجھنا چاہیے کہ علم غیب، حاضر و ناظر اور دیگر وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں انبیاء و اولیاء پر مجازاً ان کا اطلاق جائز ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "تسکین الخواطر" دیکھیے۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

ف : جس پہلی صف کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے اس سے وہ صف مراد ہے جو امام کو متصل ہے صف کے لوگ امام کے قریب ہوں یا بعید ثواب میں تمام برابر ہوں گے۔

مسئلہ : بعض اوقات صف میں خلل پڑجاتا ہے مثلاً درمیان میں منبر یا چھوٹا بڑا امکان یا کوئی اور شے آڑ بن جاتی ہے تب بھی ثواب میں کسی قسم کا نقص نہیں آئے گا۔ یہی صحیح ہے۔

ف : بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صف اول سے مسجد کے اندر والے لوگ مراد ہیں۔ اگر کوئی مسجد سے باہر صفِ اول میں کھڑا ہے تو اسے صفِ اول کا ثواب نہیں ملے گا اسی طرح جسے بھی صفِ اول میں کوئی شے آڑ بن جائے وہ صف سے منقطع ہو گیا تو اسے پہلی صف والا ثواب نصیب نہیں ہوگا۔ ہاں امام سے متصل بلا آڑ کھڑے ہونے سے صفِ اول کا ثواب ملتا ہے خواہ وہ پچھلی صفوں میں ہو۔ (پہلا قول صحیح ہے)

مسئلہ : بعض فقہاء نے فرمایا کہ صفِ اول کے حکم میں وہ شخص ہے جو مسجد میں سب سے پہلے داخل ہو خواہ نماز کی ادائیگی کے وقت اسے امام سے دُور پچھلی صف میں ہی جگہ ملے۔

شانِ نزول ۳ اور حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صف اول میں نماز ادا کرنے کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ کرام نماز میں سبقت کرتے جس سے مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نہ رہتی۔ قبیلۂ بنو عذرہ کے مکانات مسجد نبوی سے دُور تھے وہ دیر سے پہنچنے پر بارگاہِ رسالت میں شاکی ہوئے اور اجازت چاہی کہ ہم بھی مسجد نبوی کے قریب مکانات خریدیں تاکہ دوسرے صحابہ کرام کی طرح صفِ اول کی شرافت سے مشرف ہوں۔ ان کی اس کارروائی پر یہ آیت نازل ہوئی اور انھیں خوشخبری دی گئی کہ تمھیں اپنی نیت کے مطابق اولیت کا اجر و ثواب نصیب ہوگا۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تمہیں ایسا عمل بتاؤں جس سے تمہاری خطائیں معاف اور درجات بلند ہوں۔ سب نے عرض کی ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تکالیف میں وضو اور مساجد میں حاضری کے لیے زیادہ قدم چل کر آنا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

مسئلہ : جس کا گھر مسجد سے دُور ہو اور وہ مسجد کی حاضری پر قدرت رکھتا ہے تو اسے مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے چل کر آنے میں بہت بڑا ثواب ہے یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جسے مسجد تک آنے کی فرصت بھی ہے اور اس کے آنے سے کوئی اہم دینی کام نقصان پذیر نہیں ہوتا اگرچہ فرض کفایہ میں سے ہو مثلاً اشتغال علمی اور تعلیم و تعلم میں نقص آتا ہے تو ایسے شخص کے لیے گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ (لیکن اس سے کوئی مخصوص بزرگ ہی مستثنیٰ ہو سکتا ہے ورنہ جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنا ہر لحاظ سے افضل ہے) اسی طرح جو مسجد تک چل کر آنے کی ہمت نہیں رکھتا مثلاً ضعیف ہے یا بیمار وغیرہ، تو اس کے لیے گھر میں نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

سوال : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد کے قریبی گھر کو بعیدی گھر سے وہی فضیلت ہے جو محاذِ جنگ پر لڑنے والے

Scanned with CamScanner

رواہ احمد فی مسندہ
مجاہد کو جنگ پر دبانے والے پر۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی افضل ہے جو مسجد کے قریب ہے لیکن تم نے پہلے ثابت کیا ہے کہ جو مسجد سے
دور ہو وہ نماز پڑھنے کے لیے آئے گا تو اسے بہت زیادہ ثواب ہے۔
جواب : حدیث شریف مذکور میں مسجد سے قریبی گھر کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ اور مسلم ہے ۔ اور پہلے بیان میں نمازی کی حیثیت کا ذکر
ہے۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے لیکن سمجھدار کی نظروں میں تو اعتراض ہے ہی نہیں کیونکہ دار (گھر) کی فضیلت کا مسئلہ اور
ہے اور دُور سے چل کر آنے والے کا مسئلہ اور۔ یہ ایسے ہے جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا:
نحوست تین چیزوں میں ہے :
① عورت
② دار (گھر)
③ گھوڑا
ظاہر ہے کہ جو گھر مسجد سے دُور ہو گا وہاں اذان وغیرہ سنائی نہیں دے گی۔ بایں معنی وہ گھر افضل ہوا جہاں اذان سُنائی دیتی ہے
اور وہ عبادت گاہ کے قریب تر ہے۔ اور وہ گھر منحوس ہے جو عبادت گاہ سے دُور ہے نہ اُسے آوازِ حق سنائی دیتی ہے نہ اس کا
مکین عبادت کے لیے شوق کرتا ہے۔ (یہ اکثری بات ہے ورنہ بہت سے بدبخت مسجد کے قریب ہونے کے باوجود عبادتِ الٰہی سے
محروم ہوتے ہیں اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ اگرچہ وہ مسجد (عبادت گاہ) سے دور ہوتے ہیں لیکن عبادتِ الٰہی سے سرشار
ہوتے ہیں)
ف : بہتر ہے کہ ائمہ (خلفاء اسلام) کو اس بُعد سے مستثنیٰ رکھا جائے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
بعد اسلامی خلفاء کے گھر مسجد شریف کے قریب رہے اور انھیں وہی ثواب نصیب ہو گا جیسے دُور سے چل کر آنے والے کو۔
مسئلہ : علماء کا اختلاف ہے کہ دُور چل کر کسی مسجد میں جا کر نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے یا مسجد کے قریبی گھر سے۔ صحیح تر یہ ہے
کہ جو گھر مسجد کے قریب تر ہے اس کے مکین کے لیے اسی میں نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے اگرچہ اس میں اکیلے ہی نماز پڑھی جائے
حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
حدیث شریف لاصلاۃ لجار المسجد الا فی المسجد ۔ رواہ الدارقطنی
مسجد کے ہمسایہ کی نماز مسجد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔
مسئلہ : محلہ والوں (ہمسائیگان) پر مسجد کا حق بنتا ہے۔ اور اس کی ہمسائیگی کا حق اس میں نماز ادا کرنا ہے۔
مسئلہ : قریبی مسجد میں جماعت سے نماز نہیں ہوتی لیکن دُور والی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے تو شرع پاک کا
حکم ہے کہ قریب والی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اس قریبی مسجد میں اکیلا نماز پڑھے گا تو بھی اسے جماعت کا ثواب ملے گا۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ : مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ قریبی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہی تمام فقہاء کا مذہب ہے۔ مسجد کی آبادی اس میں نماز پڑھنے کا نام ہے۔ یہ نہیں کہ مسجد تو بنا دی رنگین اور بہترین، لیکن نماز کے لیے ایک وقت جانا بھی نصیب نہ ہو تو ایسی مسجد کو بظاہر تو آباد سمجھا جائے گا لیکن درحقیقت یہ مسجد ویران ہے۔ اس کے برعکس اگر مسجد ہے تو خستہ حال لیکن نمازیوں سے پُر ہے تو وہ مسجد آباد ہے۔ اگر کسی مفلس کو مسجد کی تعمیر کی ہمت نہیں تو وہ اس میں نماز پڑھ کر ہی یہ حق ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ : مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا گویا اس مسجد کو از سرِ نو زندگی بخشنا ہے۔

مسئلہ : اگر قریبی مسجد میں نماز باجماعت نہیں ملی لیکن بعید والی مسجد میں جماعت مل سکتی ہے تو اس بعید کی مسجد میں جماعت کے لیے جا سکتا ہے۔

مسئلہ : گھر میں نماز پڑھتا ہے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اور اگر مسجد میں جائے گا تو نماز تنہا پڑھنی پڑے گی تو اس وقت گھر میں باجماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ گھر میں دوسرے نماز باجماعت کا اہتمام کر رہے ہوں اور اس کا اس میں کسی قسم کا دخل نہ ہو۔ اگر اس کا بس چلے تو جماعت کا اہتمام مسجد ہی میں کرے [لہ]۔

مسئلہ : مسجد کی ہمسائگی دائیں بائیں آگے پیچھے چالیس گھروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بعض فقہا کا خیال ہے کہ جہاں تک مؤذن کی اذان کی آواز پہنچے ان گھروں کو مسجد کا ہمسایہ کہا جائے گا۔ پہلا قول صحیح ہے اس لیے کہ آواز آواز میں فرق ہوتا ہے بالخصوص دورِ حاضرہ میں لاؤڈ سپیکر (LOUD SPEAKER) کی وجہ سے مسجد کی ہمسائگی کا معیار قائم نہ رہ سکے گا۔

ف : آیت میں المستقدمین سے مراد اول وقت میں نماز پڑھنے والے نمازی ہیں اور المستاخرین سے دیر سے نماز پڑھنے والے نمازی مراد ہیں۔

حدیث شریف

حدیث شریف میں ہے،

اول الوقت رضوان اللہ و وسط الوقت رحمۃ اللہ و اخر الوقت عفو اللہ تعالیٰ۔

(نماز کے) اول وقت میں رضائے الٰہی اور درمیانی وقت میں رحمتِ حق اور آخری وقت میں اللہ تعالیٰ کی معافی (نصیب ہوتی ہے)۔

حدیث شریف در تائید مذہب احناف

شرح کتاب الشہاب للقضاعی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

نَوِّرُوْا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔

صبح کی نماز کو روشنی میں ادا کرو اس لیے کہ اسی میں اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

[لہ] بعض حضرات بالخصوص علماء و اعظین اور بعض مشائخ (نام کے، گدی نشین) اوّلاً تو نماز پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھتے ہیں تو وہ مسجد میں جانے کے بجائے اپنی نشست گاہ پر ہی جماعت کا اہتمام کر لیتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

شرح الحدیث المذکور

(شرح کتاب الشہاب للقضاعی میں ہے کہ) اس حدیث شریف میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی تائید ملتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صبح کو نماز دیر سے پڑھی جائے لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ قضا ہو جائے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز اوّل وقت میں ادا کرنا افضل ہے اس لیے کہ حدیث شریف میں اول وقت کو رضوان اللہ سے اور آخر وقت کو عفو اللہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عفو گناہ کے بعد ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخری وقت میں نماز پڑھنا گناہ ہے (تقریباً آجکل کے وہابی غیر مقلدین اور ان کے خفیہ بھائی دیو بندی بھی یہی کہہ دیا کرتے ہیں)

دلیل از احناف

حضرت ابو محمد نیشاپوری نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آخر الوقت سے نماز فوت ہو جانے کے بعد کا وقت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ نماز قضا کر کے پڑھنا گناہ ہے اسی لیے اسے عفو اللہ سے تعبیر کرنا صحیح ہوا یعنی آخر الوقت سے نماز کی ادائیگی کا آخری وقت مراد نہیں جیسا کہ حدیث شریف کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ اس جواب پر حدیث شریف کے اول الوقت سے نماز کا تمام وقت مراد ہے اور آخر الوقت سے قضا۔ چنانچہ ان کی اس تقریر کی تائید اسئلۃ الحکم سے ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ وقت دو ہیں:

- وقت الاداء
- وقت القضاء

وقت الاداء تو وہی ہے جو نماز کی ادائیگی کا وقت ہے کہ اس میں نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیا جائے۔

وقت القضاء اس کے بعد کا وقت ہے کہ جس میں نماز قضا پڑھی جا سکے۔ اسی کو حدیث شریف میں آخر الوقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ بندے سے کوتاہی ہوئی کہ اس نے نماز بے وقت پڑھی اس طرح وہ گناہ کا مرتکب ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے معاف کر دیا۔ بایں معنیٰ اسے عفو اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نکتہ: اول الوقت کو رضوان اللہ کہنے میں ایک یہ نکتہ ہے کہ نماز کا پہلا وقت بمنزلہ کنجی کے ہے۔ جب اسے چابی نصیب ہوئی تو اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے حرم خاص میں داخل ہوا اس معنے پر اسے رضوان اللہ سے تعبیر کیا گیا۔ اور ظاہر ہے جو کسی شے کا آغاز کرتا ہے اسے اختتام بھی حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ جونہی کام کو ختم کرے گا اسے آغاز بھی نصیب ہوا اور انجام بھی۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ نماز کے لیے اول وقت یا وقت سے پہلے اہتمام کرے جونہی نماز کا وقت آئے نماز میں مشغول ہو جائے اگرچہ نوافل ہی سہی تاکہ اسے حدیث شریف کے مطابق نوازشاتِ الٰہی نصیب ہوں۔

مسائل فقہیانہ

چند مسائل میں نمازوں میں تاخیر مستحب ہے:

① موسمِ گرما میں ظہر کی تاخیر

② اول وقت میں پانی نہ ملے تو پانی کی تلاش میں نماز کو آخر وقت میں ادا کرنا۔

([illegible])

Scanned with CamScanner

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ
السَّمُومِ ۝ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ فَإِذَا
سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّا
إِبْلِيسَ أَبَىٰ أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۝
قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا
فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي
لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ هَٰذَا
صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَ
إِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ۝

ترجمہ: اور بیشک ہم نے انسانوں کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو وہ ایک سیاہ بدبودار اور گارا تھی اور اس سے پہلے جن کو بے دھوئیں کی تیز آگ سے بنایا اور یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آدمی کو بجتی مٹی سے (جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے) پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اسے مکمل کر لوں اور اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تم سب اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا۔ تو سوائے ابلیس کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں سے نہیں ہوتا کہا میرے لائق نہیں کہ میں بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو سیاہ بدبودار گارے سے تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس بہشت سے نکل جا اس لیے کہ تو مردود ہے بیشک تجھ پر تا یوم قیامت لعنت ہے ابلیس نے عرض کی اے میرے رب تعالیٰ مجھے اس وقت تک مہلت دے کہ جس میں وہ اٹھائے جائیں فرمایا تو ان میں سے ہے جنہیں اس معلوم وقت کے دن تک مہلت دی گئی ہے کہا اے میرے رب تعالیٰ جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا میں انھیں زمین پر نافرمانی خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے ان (محبوب) بندوں کے جو ان میں سے تیرے چنے ہوئے ہیں فرمایا یہ سیدھا راستہ میری طرف پہنچتا ہے بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں سوائے ان گمراہوں کے جو تیرے نقش قدم پہ چلیں گے اور بیشک دوزخ ان سب کا وعدہ ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لیے ایک حصہ تقسیم شدہ ہے۔

Scanned with CamScanner

(بقیہ ص ۴۹)

③ جب طعام کی خواہش کا غلبہ ہو (یعنی بھوک لگی ہوئی ہو) اور طعام بھی موجود ہو۔

④ نماز باجماعت ملنے کا یقین ہو۔

⑤ ایسے مقامات پہ قیام ہے جہاں جانا شرعاً ممنوع ہے تو وہاں سے دوسرے مقام پہ جانے کے لیے تاخیر سے نماز پڑھنا۔ مثلاً ٹیکس وصول کرنے کی جگہ، بازار، سود خوری کا مرکز، سنار کی دکان یعنی جہاں سودی کاروبار ہوتا ہو، جیسے سودی بینک۔ ایسے مقامات پہ نماز تو کجا وہاں محض جانے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ جب تک شدید ضرورت نہ ہو وہاں نہ جائے اس لیے کہ ایسے مقامات سود کے مراکز ہیں اور گناہوں کے مراکز سے دور رہنا بہتر ہے۔

سبق: نماز وغیرہ کی اہمیت معلوم کرنے کے بعد سالک پر لازم ہے کہ وہ عبادت وطاعت میں زندگی بسر کرے تاکہ اس پر نفس و شیطان کا حملہ نہ ہو اس لیے کہ یہ دونوں ہر وقت انسان کو بہکانے کی کوشش میں رہتے ہیں اسی لیے سالک کو لازم ہے کہ ان کی شرارت سے آگاہ رہے تاکہ پھر پچھتانا نہ پڑے بلکہ بعض اوقات ان کا ایسا سخت حملہ ہوتا ہے کہ جس سے انسان کو عمر بھر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ کذا فی شرح المہذب

مثنوی شریف میں ہے ؎

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق

نیست فردا گفتن از شرط طریق

(ترجمہ: صوفی ابن الوقت ہوتا ہے اسے مہلت سے کسی قسم کی غرض ہوتی ہی نہیں۔)

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اور نوعِ انسانی کو ہم نے پیدا کیا۔ یعنی انسان کی اصل تخلیق ہی ایک عجیب امر پر مشتمل ہے کہ اس کی تخلیق اجمالی طور پر گویا تمام انسانی تخلیق کا نمونہ ہے مِنْ صَلْصَالٍ بجتی ہوئی مٹی سے۔ یعنی وہ گارا جو خشک ہو جسے آگ پر پکایا نہ جائے۔ مصلصل بمعنے یصوت عند نقرہ یعنی ٹھوکر لگانے سے آواز دیتا ہے اور جب مٹی کو گارا بنا کر اسے آگ پر پکایا جائے تو اسے عربی میں الفخار کہا جاتا ہے مِنْ حَمَاٍ جب گارے کو پانی میں پڑے ہوئے چند روز گزر جائیں تو اس میں بدبُو پیدا ہو جاتی ہے اسے عربی میں حماء کہتے ہیں مَسْنُوْنٍ یہ حماء کی صفت ہے بمعنے بدبودار یعنی ہر وہ گارا جو کئی روز پانی میں پڑے رہنے کی وجہ سے بدبُودار ہو جائے جیسے حوض یا گندی نالیوں میں بدبودار سیاہ رنگ کا گارا نظر آتا ہے۔ یا مسنون بمعنے مصور من سنۃ الوجہ سے مشتق ہے بمعنے مصبوب من سن الماء صبہ۔ یعنی وہ شے جس سے ہیئت انسانی ڈھالی جائے۔ جیسے قوالب میں جواہر سے صورتیں ڈھالی جاتی ہیں۔ جیسے قلعی، تانبہ و دیگر دھاتیں پگھلا کر

اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔ اب اس کی تقریر کی جائے گی کہ گویا اللہ تعالیٰ نے سیاہ گارے کو پھلا کر انسانی ڈھانچہ کو مکمل طور پر تیار فرمایا۔ خشک ہونے پر اسے ٹھنکا کر دیکھا تو بجنے لگا۔ اسی لیے فرمایا،

فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے اور وہی احسن الخالقین ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے تیار فرمایا بایں طور کہ چند روز اس مٹی پر بارش برسائی وہ مٹی گارہ بن گئی اسی حالت میں کئی روز گزر گئے۔ چونکہ گارہ پانی میں پڑے رہنے سے اس میں سڑاند اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ مٹی بھی بدبودار اور سیاہ رنگ کی ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تصویر کھینچی یعنی ان کی صورت بنائی ۔ اسی معنے پر مسنون بمعنے مصور (بالفتح) ہوگا۔ پھر اسے بھی چند روز تک ایسے ہی چھوڑے رکھا تاکہ خشک ہو جائے۔ جب وہ مٹی خشک ہو گئی تو بجنے لگی۔ اسے صلصال سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف : ایک حالت سے دوسری حالت تک چالیس روز کا وقفہ رکھا گیا۔ یہ کل چار وقفے تھے۔ جب آدم علیہ السلام میں رُوح پھونکی گئی تو وہ جمعہ کا دن اور عصر کے بعد کی گھڑی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق دنیا کے کسی ایک باغیچہ میں ہوئی۔ یہی اکابر اہل اللہ کا مذہب ہے۔

وَالْجَآنَّ اس سے ابوالجن مراد ہے۔

ف : روضہ میں مرقوم ہے کہ ابلیس ہی ابوالجن ہے اور جان جن کی اسم جمع ہے۔ کما فی القاموس، اور جن چونکہ پوشیدہ ہوتے ہیں اس لیے انہیں جن بمعنے پوشیدہ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے اس سے مطلق جن یعنی اسم جنس مراد ہو۔ جیسا کہ الانسان بول کر مطلق جنس انسان مراد لی جاتی ہے۔ پھر اسم جنس سے ہر فرد مراد لیا جاتا ہے۔ اسم جنس بمنزلہ ایک مادہ کے ہوتا ہے اس سے گویا باقی افراد پیدا ہوئے۔

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ ہم نے اسے انسان کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمایا مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ سخت اور گرم ترین آگ سے۔

ف : السموم لغت میں الریح الحارۃ (گرم ہوا) اور بمعنے الریح الحارۃ فیھا نار (وہ گرم ہوا جس میں آگ ہو) کو کہا جاتا ہے۔

ف : السموم اور الحرور میں فرق یہ ہے کہ السموم اکثر دن کو ہوتی ہے اور الحرور وہ گرم ہوا جو رات کے وقت ہوتی ہے کبھی کبھار یہ دن کو بھی ہوتی ہے۔ کما فی القاموس۔ اور سموم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ اپنی لطافت طبع کی وجہ سے مسام میں اثر کر جاتی ہے بالخصوص وہ مقامات جو سوراخ رکھتے ہوں مثلاً منہ، کان، ناک وغیرہ۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ سموم وہ آگ ہے کہ جس میں دُھواں نہ ہو۔ اور آسمان کی صواعق (بجلیاں) اکثر اسی قسم سے ہوتی ہیں۔ صواعق وہ بجلیاں جو آسمان اور حجاب کے درمیان ہوتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ بجلی زمین پر گرانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پہلے اس حجاب کو پھاڑتا ہے اس سے بجلی نکل کر زمین پر گرتی ہے۔ یہ جو بجلی گرتے وقت زور دار کڑک سنائی دیتی ہے یہ اسی حجاب کے پھٹنے کی آواز ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

نکتہ : جن کی تخلیق سے پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر محض انسانی شرافت کی وجہ سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ انسان جن سے اشرف و افضل ہے۔ ورنہ سب کو معلوم ہے کہ جن انسان سے پہلے پیدا ہوا تھا۔

ف : جنات اور آدم علیہ السلام کی تخلیق کا درمیانی فاصلہ ساٹھ ہزار سال کا ہے۔

ف : اہلِ علم محققین کا اتفاق ہے کہ عالم ملائکہ عالم جنات سے تخلیق میں مقدم ہے جیسے عالم جن عالم انسان سے پہلے ہے ان سابقین کا ملک حضرت آدم علیہ السلام کو منتقل ہوا تاکہ آدم زادے سابقین کے حالات سے عبرت پکڑیں اور سابقین پر حضرت آدم اور ان کی اولاد کی فضیلت اور شرافت معلوم ہو کہ یہ باوجودیکہ تخلیق میں سب کے بعد ہیں لیکن سابقین کے افسر ہیں۔ آدم زادوں کی مثال سابقین کے لیے ایسے ہے جیسے انگشتری میں نگینہ۔ انھیں اگر خاتم المخلوقات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور وہ اس لائق ہیں کہ انھیں نتیجۃ الکائنات ونسخۃ الکلیات کہا جائے کیونکہ یہ تمام محسوسات و معقولات کا خلاصہ ہیں۔ اسی انسان سے کمالِ وجود کی تکمیل ہوئی کیونکہ یہ ہر دو صفات جمالیہ و جلالیہ اور لطف و قہر کا جامع ہے بخلاف ملائکہ کہ وہ صرف ایک صفت کے حامل ہیں یعنی ان میں صرف صفتِ لطف پائی جاتی ہے حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

(ترجمہ : ملائکہ کو حسنِ طاعت سے نوازا گیا تو کیا ہوا عشق کی چنگاری تو حضرت آدم کو نصیب ہوئی)

ردِّ وہابیہ آدم علیہ السلام سے پہلے مٹی کی ساخت کی کوئی مخلوق نہیں تھی[1]۔ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مٹی سے بنایا گیا تاکہ ان میں عبودیت کے لیے تواضع فطری امر ہو اور خاشع خاضع اور منکسر الحال ہو کر زندگی بسر کریں اور انھیں طبعی طور سربسجود ہونے کا شوق دامنگیر ہو اس لیے کہ سجدہ ہی عبودیت کا مدار کا مرکز ہے اور قاعدہ ہے کہ :

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

یعنی مٹی کی جنسیت سے انھیں تواضع جیسی دولت نصیب ہوگی۔ یہی راز تھا کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے پیش آئے اور ابلیس نے تکبر کیا اور تواضع سے کوسوں دُور ہٹ کر سجدہ سے انکار کر دیا۔ گویا اس نے اپنی جنس نار کی طرف جھکاؤ کیا۔

نکتہ : اہلِ حکمت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آدم علیہ السلام کو ابتداءً ہی ایک ہیئت سے پیدا کرتا لیکن تدریجاً تخلیق فرمائی کہ پہلے مٹی، پھر گارا، پھر سیاہ بدبودار گارا، پھر بجنے والی مٹی۔ تاکہ حکمت کاملہ کا اظہار ہو نیز اس لیے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ملائکہ کو مشاہدہ ہو۔ اس میں ان کی بھی مصلحت تھی اور دُوسری مخلوق کی بھی۔ اس لیے کہ انسانی تخلیق بہ نسبت دوسری مخلوق کے عجیب تر ہے

---

[1] بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس مٹی کی ساخت سے ہزاروں سال پہلے موجود تھے۔ ہم اہلسنت اسی وجہ سے حضور علیہ السلام کو نور کہتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ ہم آپ کی بشریت کے بھی قائل ہیں۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

شکل وصورت کے اعتبار سے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کے رب تعالیٰ نے فرمایا

لِلْمَلٰٓئِكَةِ ملائکہ سے خلافتِ زمین کے بارے میں۔

ف: فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ ان سجدہ کرنے والے ملائکہ کے متعلق سخت اختلاف ہے لیکن صحیح قول وہی ہے جو اکابر اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ ان سے وہی فرشتے مراد ہیں جو عالم ارواح سے عالم اجسام میں تشریف لاتے ہیں ان میں جبریل علیہ السلام بھی داخل ہیں اسی طرح ان کے تمام اکابر واصاغر فرشتے شامل ہیں وہ سماوی تھے یا ارضی اس لیے کہ وہ سب کے سب جسمانی ہیں اگرچہ ان کے اجسام لطیف ہیں۔ اس معنے پر الملئکۃ کی لام استغراق جنس کی ہوگی۔ ارشاد ربانی ہے،

استکبرت ام کنت من العالین۔

اس میں العالین سے وہ فرشتے مراد ہیں جو عالم ارواح میں نورِ شہودِ حق میں ہمہ وقت مستغرق ہیں یہاں تک کہ انھیں اپنی بھی خبر نہیں چہ جائیکہ انھیں آدم علیہ السلام وغیرہ کا علم ہو۔ وہ اس نوعِ عالم انسانی سے افضل ہیں لیکن صرف شرافتِ حال میں نہ کہ جمعیت و کمال میں۔ یاد رہے کہ انسان ارضیہ سماویہ ملائکہ سے رتبہ و فضیلت و کمال بلکہ شرفِ حال سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ وہ ایسا عنصر ہے جو اللہ کے ہاتھ سے پیدا شدہ ہے اسی لیے ملائکہ کو نہ یہ شرف نصیب ہے نہ وہ اس کے رتبۂ کمال کو پہنچ سکتے ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام وگلابے بخاک آدم ریز

(ترجمہ: فرشتہ عشق نہیں جانتا اس لیے یہ قصہ نہ چھیڑئیے ہاں خاک آدم میں گلاب چھڑک دیجئے یعنی عشق صرف آدم سے مخصوص ہے)

اِنِّىْ خَالِقٌۢ بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں اور وہ پیدا ہو کر رہے گا۔ اس کے تحقق پر صیغۂ اسم فاعل دلالت کرتا ہے بَشَرًا قاموس میں ہے کہ البشر محرکہ ہے یعنی پہلے دونوں حرفوں کو زبر سے پڑھنا چاہیے۔ یعنی آدم زادہ مرد ہو یا عورت ایک ہو یا زیادہ اسے تثنیہ بھی پڑھا جا سکتا ہے یعنی بشرین اور اس کی جمع ابشار آتی ہے۔ انسانؔ کے ظاہری جسم کو کہا جا سکتا ہے۔ مِنْ صَلْصَالٍ یہ خالق کے متعلق ہے یا بشر کی صفت ہے یعنی وہ بشر جو بجنے والی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کالی اور بدبودار مٹی سے۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے بیان کی ہے۔

لہ اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بشریت اطلاق صحیح ہے اس لیے کہ آپ بشریت کے لباس میں ہیں لیکن اسے آپ کی حقیقت کہنا حماقت وجہالت ہے۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

ف : اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق بطور امتحان ملائکہ کرام سے مشورہ لیا تاکہ ان میں طیب اور خبیث کا امتیاز ہو جائے یعنی ان سے ابلیس علیحدہ ہو جائے۔ چنانچہ اس امتحان میں ملائکہ کرام کامیاب ہو گئے اور ابلیس تباہ و برباد ہوا۔ اسی لیے عرب کا مشہور مقولہ ہے :

عند الامتحان یکرم الرجل او یھان ۔ بوقت امتحان انسان کی عزت ہوتی ہے یا ذلت۔

ف : بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تحقیق سے پہلے ملائکہ کرام کو خبر دی تاکہ ملائکہ کرام یقین کریں کہ آخر فنا ہے اور دنیا اور اس کی چمک دمک مٹ کر رہ جائے گی ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ :

اسکن انت و زوجك الجنۃ۔

قاعدہ ہے کہ سکونت عاریۃ کے مکان میں ہوتی ہے اسی لیے آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کو سکونت کا لفظ کہہ کر انہیں یقین دلایا کہ بالآخر تم نے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔ صاحب نے فرمایا : ؎

میائے فنا را از علائق نیست پروائے

نیند یشد ز خاک آنکس کہ دامن در کمر دارد

(ترجمہ : فنا کے لیے یقین رکھنے والے کو تعلقات کی پروا نہیں ہوتی جس کا دامن کمر سے مضبوط بندھا ہو وہ مٹی سے نہیں گھبراتا۔)

ف : آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات سے اس لیے بعد میں پیدا فرمایا تاکہ انہیں خاتم المخلوقات کے لقب سے نوازا جائے۔ جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائے تو آپ کو خاتم الانبیاء کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ یہ مرتبہ بڑا ذی شان ہے جیسے بادشاہ کے خاص دروازۂ خزانہ پر مہر ثبت ہوتی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ مقام نہایت مہتم بالشان ہے۔

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ جب میں نے آدم علیہ السلام کی صورت کو صورت انسانیہ اور خلقت بشریہ میں برابر کیا وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اور اس میں میں نے اپنی رُوح پھونکی۔ النفخ بمعنے اجراء الریح الی تجویف جسم صالح یعنی اچھے جسم کی کوکھ میں ہوا ڈالنا۔ اس ہوا کو بند کرنے اور اس کی خالی جگہ کو پُر کرنا، اس سے آدم علیہ السلام کی حیات کی ایجاد مراد ہے ورنہ اس وقت نہ نفخ تھا نہ منفوخ بلکہ وہاں تو صرف موجد (بصیغہ اسم فاعل یعنی اللہ تعالیٰ) کی موجد (بصیغہ اسم مفعول) یعنی آدم علیہ السلام سے ملاقات کا ایک خاص طریقہ تھا۔ یا کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہویت کے جلووں اور اپنی صفات و افعال کے انوار سے آدم علیہ السلام کو نوازا۔

ف : الشیخ عز الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہاں پر نفخ سے یہ مراد ہے کہ آدم علیہ السلام کے جسم میں روح کے نور کا ایک شعلہ اٹھا۔ چونکہ یہی نفخ اس شعلہ کے اُٹھنے کا سبب بنا تھا اسی لیے اس شعلہ کو نفخ سے تعبیر کیا گیا ہے ورنہ نفخ

Scanned with CamScanner

پھونکنے کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ ہاں اس سے یہ جو نور کا شعلہ مراد لیا گیا ہے وہ محال نہیں۔ بہرحال نفخ سے جو شے حاصل ہوئی یعنی شعلۂ نور، اسے نفخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف وہ سبب کہ جس روح کا نور شعلہ زن ہوا وہ کسی فاعل کی صفت ہے اور وہی اس محل کے قابل کی بھی صفت ہے۔ فاعل کی صفت ہو تو اس وقت اس سے مطلق مراد ہے یعنی وہ وجود جو تمام موجودات وجود کا سرچشمہ ہے وہی ہر موجود کا بالذات فیض رسان ہے باقی موجودات کا وجود اسی کے وجود سے ہے اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو قدرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کی مثال سورج کے فیضان کی ہے کہ اس کا نور ہر اس شے کو فیض پہنچا رہا ہے جو اس کے نور کے حصول کی استعداد رکھتا ہے جبکہ اس شے اور سورج کے درمیان سے حجابات اٹھ جائیں۔ یاد رہے کہ نور کو ملونات قبول کرتے ہیں نہ کہ ہوا اس لیے کہ ہوا میں تلون نہیں ہے اور محل قابل کی صفت یہ ہے کہ اس میں استواء و اعتدال ہو اور وہ تسویۃ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا، فاذا سویتہ اور قابل محل کی مثال شیشے کے صیقل کی ہے کہ جیسے شیشہ صیقل سے پہلے کسی صورت کو قبول نہیں کرتا اگرچہ اسی صورت کو اس کے سامنے بھی رکھ دیا جائے لیکن جب اسے صیقل کیا جائے تو صاحبِ صورت کی صورت اس میں صاف نظر آتی ہے جب وہی صاحبِ صورت اس شیشہ کے سامنے ہو۔ اسی طرح جب نطفہ میں استواء حاصل ہو جائے تو اس میں روح پیدا ہو جاتی ہے ؎

آن صفائے آئینہ وصف دلست
صورت بے منتہا را قابلست
اہل صیقل رستہ اند از بو و رنگ
ہر دمے بینند خوبی بے درنگ

(ترجمہ: جس کا دل شیشے کی طرح صاف و شفاف ہے بے منتہا صورت کے قابل وہی ہے۔
اہل صیقل ہر بو و رنگ سے پاک ہیں وہ ہر آن حسن حقیقی کا نظارہ دیکھتے ہیں۔)

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے نفخ و تسویۃ وغیرہ کو اپنی ذات کی طرف اس لیے منسوب فرمایا ہے کہ ان امور کو بلا واسطہ بلا کیف خود ذات حق نے سرانجام دیا۔ اسی طرح روح کو بھی اپنی طرف منسوب فرمانے میں یہی راز ہے کہ نفس رحمانی سے حضرت انسان کو نوازا۔ اس کے اس وجود کو ظلِ رحمانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی ظل رحمانی کی طرف الم تر الی ربک کیف مد الظل میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور اسے نفخ سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ جب ذات حق نے بلا واسطہ حضرت انسان کی تخلیق فرمائی تو اسے تسویہ بالیدین سے اسماء جمالیہ لطفیہ اور جلالیہ قہریہ کی معرفت بھی عطا ہوئی۔

الجوبہ حضرت الشیخ عز الدین نے فرمایا کہ روح جہت و مکان سے منزہ ہے اس کے اندر جمیع اشیاء کے علم و اطلاع کی قوت ہے اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا ورنہ دوسرے جسمانیات بھی اسی کے ہیں لیکن ان میں مذکورہ بالا اوصاف نہیں ہیں۔

Scanned with CamScanner

نکتہ: حضرت امام المجدد کی قدس سرہٗ کتاب البرہان کی فصل کتاب الانسان میں رقمطراز ہیں کہ فطرت اولیٰ میں جوہر انسانی کی حقیقت واحدہ صاحب قوائے کثیرہ ہے۔ اسی کو صوفیہ کرام روح و قلب سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما اسے نفسِ ناطقہ کہتے ہیں۔ جب اس کا بدن سے تعلق ہوا تو اس کے وہی قوائے کثیرہ منتشر ہونے ان سے اسی جوہر کا نور چھپ گیا اسی تعلق سے اسے مراتب کثیرہ حاصل ہوئے جب جوہر انسان تخلیق انسانی کے ڈھانچے کے پردوں سے محجوب ہوا تو اس کے اندر امور طبعیہ نے حلول کیا تو اسے نفس سے تعبیر کیا گیا اور جب یہ ان حجابات سے متجرد ہو اور اس کا نور کھل جائے تو اسے عقل کہتے ہیں۔ جب متوجہ الی اللہ اور راجع الی العالم القدسی ہو۔ اور اسے اس عالم کا مشاہدہ بھی نصیب ہو تو اس وقت اسے رُوح سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر اسے معرفت حق اور اس کے صفات و اسماء جمعاً و تفصیلاً کی اطلاع حاصل ہو تو اسے قلب سے موسوم کرتے ہیں اور اگر اسے جزئیات کا ادراک ہو اور اسے ملکات و النیات (جو کہ یہی افعال کے مراکز ہیں) کی اطلاع نصیب ہو جائے تو اسے نفس کہتے ہیں۔

فقیر (حق) عرض کرتا ہے کہ اہل سنت کی جماعت جس میں امام غزالی و رازی رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں اس مسئلہ میں حکماء و **راز و رموز** صوفیہ سے متفق ہے کہ روح ایک امر مجرد (بلا جسم) ہے۔ یہ بدن میں حلول نہیں رکھتا اسے بدن سے وہی تعلق ہے جو عاشق کو معشوق سے۔ اور جسم کے جملہ امور ایسی خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ف: روح دو قسم ہے:

○ سلطانی

○ حیوانی

پہلا عالم امر سے تعلق رکھتا ہے اسے مفارق بھی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ جسم سے جدا ہو جاتا ہے اور یہی جسم کے تصرف و تدبیر کا مالک ہے۔ یہی روح جسم فانی کے فنا ہونے سے خراب نہیں ہوتا البتہ موت کے بعد وہ روح اس جسم میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کا جسم میں رہنے کا مرکز قلب صنوبری ہے اور قلب بھی عالم ملکوت کی شے ہے۔ یاد رہے کہ "تعریفات" میں مرقوم ہے کہ روح اعظم یہی روح انسانی ہے یہی مظہر ذات الٰہیہ ہے۔ دُوسرا یعنی روح حیوانی، یہ عالم خلق سے ہے اسے قلب و عقل و نفس بھی کہا جاتا ہے۔ یہی روح تمام اعضائے بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ "تعریفات" میں ہے کہ:

الروح الحیوانی جسم لطیف منبعہ تجویف	روح حیوانی ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز قلب
القلب الجسمانی و ینتشر بواسطۃ العروق	جسمانی کا اندرونی حصّہ ہے وہ عروق و ضوارب
الضوارب الی سائر اجزاء البدن و اقوی	کے ذریعے وہ اجزائے بدن کی طرف پھیلتا ہے
مظاھرہ الدم ومحل تعینہ ھو الدماغ و	اور روح کے اقوی مظاہر سے خون ہے۔ اسی
ھو اثر الروح السلطانی و مبدأ الافعال	روح حیوانی کا مرکز دماغ ہے لیکن یہ روح حیوانی
والحرکات وھو بمنزلۃ الصفت من الذات	روح سلطانی کا جلوہ ہے۔ یہی روح حیوانی افعالُ

Scanned with CamScanner

فكمان الافعال الالٰهية تنبق على اجتماع الذات بالصفة كذلك الافعال تنفرع عن اجتماع الروح السلطاني بالروح الحيواني وكمالات الصفات الالٰهية الكمالية كانت فى بطن غيب الذات الاحدية قبل وجود هذه الافعال والآثار كذلك هذا الروح الحيواني كان بالقوة فى باطن الروح السلطاني قبل تعلقه بهذا البدن ـ

حرکات انسانی کا مبدأ ہے یہی روح ذات سے بجز اصفت کے ہے جیسے افعال الٰہی کا صدور ذات کی صفت سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے اسی طرح روح سلطانی وحیوانی کے اجتماع سے افعال انسانی کا صدور ہوتا ہے جیسے صفات الٰہیہ کمالیہ بطون غیب ذات احدیت میں پوشیدہ تھیں یعنی یہ افعال وآثار اس وجود سے قبل صفات الٰہیہ کمالیہ میں مخفی تھے۔ پھر جونہی افعال و آثار ظاہر ہوئے تو وہ صفاتِ الٰہیہ بھی ظاہر ہو گئیں اسی طرح روح حیوانی اس بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے روح سلطانی کے بطون میں بالقوۃ موجود تھا۔

اسرارِ صوفیانہ

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) میرے شیخ (پیرومرشد) قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریروں میں رقم فرمایا کہ غیب السر کا دُوسرا نام السر الاخفی ہے۔ یہی وجود مطلق کا سر السر ہے۔ یعنی وہ وجود مطلق جو جمیع تعینات سلبیہ و ایجابیہ علی الاطلاق بے قید تھا اسے الذاتی الاصلی الحقیقی الوجودی کہتے ہیں اسے اطلاق فی النسبی الوھمی الاعتباری نہیں کہا جاسکتا۔ اور قاعدہ ہے کہ السر التعین الاول الاحدی کا مظہر ہے اور روح سلطانی تعین ثانی صفاتی واحد فرقی کا مظہر ہے۔ اور روح حیوانی تعین ثالث فعلی کا مظہر ہے درحقیقت ذاتِ حق کے درمیان کوئی حجاب و نقاب نہیں۔ اگر کچھ نظر آتا ہے تو یہ نفس کی ذاتی جہالت ہے اور یہ سب کچھ نفس کی اپنی غفلت ہے اگر نفس سے جہالت اور غفلت دُور ہوجائے تو ذاتِ حق کا اس طرح مشاہدہ و معائنہ ہوگا جیسے سورج کو سر کی آنکھوں سے کھلم کھلا دیکھا جاتا ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے حجابات دُور فرما دے تاکہ غیوب کے دروازے ہمارے سامنے آجائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتب سماویہ میں نازل فرمایا:

اعرف نفسك يا انسان تعرف ربك ـ

اے انسان! پہلے اپنے آپ کو پہچان پھر مجھے بھی پہچان لے گا۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعرفکم بنفسه اعرفکم

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی ذات سے پہچانتا ہوں

Scanned with CamScanner

بوجہ۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے نفوس سے پہچانتا ہوں۔

ف : اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا فضل وکرم ہے کہ اسے اپنے عرفان کے طریقے خود سکھاتا ہے باوجودیکہ انسانی ڈھانچہ نہایت ہی چھوٹا ہے لیکن اس کے اندر اتنے بڑے عجائبات جمع فرمائے ہیں کہ عالم کبیر کے جملہ عجائبات اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اسے جملہ عالم کا خلاصہ کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا ؎

آدمی چیست برزخی جامع

صورت خلق و حق دروواقع

متصل با دقائق جبروت

مشتمل بر حقائق ملکوت

ترجمہ : اگر حق پوچھو تو آدمی ایک برزخی جامع ہے یعنی حق و خلق کا مجموعہ ہے دقائق جبروتی دیکھنے ہوں تو اسی انسان میں ہیں اور حقائق ملکوتی بھی اسی میں ملتے ہیں۔

یہ صرف اس لیے کہ انسان کو تفکر کا مرتبہ نصیب ہو تاکہ اسے عرفان حق آسانی سے حاصل ہو اور یہی (تفکر) اشرف العلوم واجل المعارف ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی استعداد مکمل کی تو اس میں رُوح پھونکی یہاں تک کہ اس روح کے آثار اعضاء انسانی کے ذرے ذرے میں اثر کر گئے۔ اس پر انسان زندہ ہو کر حساس اور متنفس ہوا۔

فَقَعُوْا لَهٗ پس گر جاؤ۔ یہ وقع یقع کا امر ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف سر جھکانے کا حکم نہیں ہوا جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ پورے طور پر سجدہ کیا تھا۔ کما قال ای اسقطوا لہ۔ سٰجِدِیْنَ درانحالیکہ وہ سجدہ کرنے والے تھے کیونکہ انہیں ایسے ہی حکم ہوا تھا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی تھی اور آدم علیہ السلام کو جُھک کر سلام کیا تھا اس میں ان کی تعلیم بھی مطلوب تھی گویا دراصل انہیں یُوں حکم ہُوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بناؤ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت وقدرت کے آثار کا ظہور ہو۔

صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ کی تحقیق

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مجھے میرے شیخ اور پیر ومرشد قدس سرہٗ کی خواب میں زیارت ہوئی بہت مسرور نظر آتے تھے میں نے موت کے متعلق چند باتیں پُوچھیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ہمیشہ باوضو رہتا تھا جب میری روح قبض ہُوئی تو مجھے ایک گلی نظر آئی میں اس میں داخل ہو گیا اس میں ایک چشمہ دیکھا اس سے وضو کیا کیونکہ نزع روح سے وضو ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے بعد میری روح کو آسمان پر لیجایا گیا پھر جب جنازہ تیار ہوا تو میری روح لوٹ آئی میں نے اپنا جنازہ حاضرین کے ساتھ ادا کیا۔ میں نے عرض کی کہ کیا موت کے بعد بھی ویسے ہی عقل و ادراک باقی رہتی ہے جیسے ہم اس دنیا میں فہم وادراک رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں مرنے کے بعد بھی فہم وادراک باقی رہتا ہے۔ اس کے بعد میرے پیرومرشد نے مجھ سے ملایا اور چل پڑے۔ تھوڑی دیر تبسم فرماتے رہے اور نہایت راحت و سرور سے فرمایا کہ

Scanned with CamScanner

میرے ساتھ اعتقاد کو مضبوط رکھنا۔ اور یہ کہ آپ نے تاکیداً دوبار فرمایا۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا۔

اس خواب سے چند فائدے حاصل ہوئے ؛

فائدے

○ نزع روح کے وقت وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ تجدید غسل کی مشروعیت میں ایک وجہ یہ بھی ہے۔

○ مومن کامل حیات و ممات دونوں حالتوں میں پاک رہتے ہیں بے وضو ہو جانے سے بندہ نجس نہیں ہو جاتا۔ اگر نجس ہو جانا مان لیا جائے تو یہ نجس ناقص ہے۔ خلاصہ یہ کہ مومن کامل نجس نہیں ہو جاتا اسے غسل دینے میں شریعت کی تکمیل کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے کہ دنیا ناقص ہے اور اس کے جملہ امور بہ نسبت کامل کے ناقص ہیں۔

○ موت کے بعد عقل و ادراک اپنے حال پر رہتا ہے اس لیے کہ عقل و ادراک و ایمان و ولایت روح کی صفات ہیں اور رُوح کی صفات موت سے تبدیل نہیں ہوتیں۔

○ کامل کی رُوح اپنے جنازہ پر تشریف لاتی ہے نماز میں لوگوں کے برابر ہوتے ہیں۔ اس معنے پر کہا جاتا ہے کہ کامل ساجد بھی ہے مسجود لہ بھی۔ اور مرتبہ حقیقت میں یہی ہے کہ خود اور خود مسجود لہ ہے۔

○ انسان کی نماز جنازہ میں یہی راز ہے کہ وہاں آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے مسجود الیہ بنایا۔ اب یہاں انسان خود اسے مسجود الیہ بنا رہے ہیں تاکہ انھیں ملائکہ کی سنت نصیب ہو اور حضرت انسان کے اعزاز و اکرام کا اظہار ہو۔

سوال : یہاں تو سجدہ نہیں بلکہ ثنا و درود و دعا ہوتی ہے اس طرح سے مناسبت کا ثبوت نہ ملا۔

جواب : چونکہ ملائکہ کرام کے لیے آدم علیہ السلام کو بحیثیت سجدہ روا تھی اور ہمارے لیے دعا و درود اور ثنا اس قدر اعزاز و اکرام کے لیے کافی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے فاذا سویتہ جب میں نے اسے اپنے نفخ کے قابل بنایا تو اسی لیے اس کی طرف اپنی رُوح کو مضاف فرمایا و نفخت فیہ من روحی اس اضافت میں شرافت انسانی کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ روح کو ملکوت اعلیٰ کے مراتب حاصل ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا مکمل طور قرب نصیب ہے۔ کما قال تعالیٰ :

نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔

بایں معنیٰ اسے نفخ سے خصوصیت ہے اس لیے کہ یہ شرافت صرف اسی روح کو نصیب ہوئی باقی مخلوقات کو یہ شرف نہیں فقعوا لہ ساجدین انھیں سجدہ کا اس لیے حکم ہوا کہ جب روح کو نفخ حق سے اعلیٰ مراتب کے قُرب سے نکال کر اسفل السافلین جسم میں مقید کیا گیا۔ پھر رُوحانیات اور ملائکہ مقربین کو عبور فرمایا اگرچہ یہ نور سے پیدا کیے ہیں لیکن حضرت انسان کے نور صفاتی میں ملائکہ کے نوری صفاتی مندرج ہو گئے جیسے سورج کے نُور میں ستاروں کے انوار میں مندرج ہو جاتے ہیں پھر اس نے جن و شیاطین کو عبور فرمایا اسی سے حواس و قویٰ نے استفادہ کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرت کے ہاتھ سے روح کو جسم سے معلق فرمایا اسے لطف و قہر الٰہی سے خمیر کیا گیا اور اسے تجلی حق کی استعداد بخشی ؛

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کے ڈھانچہ کی تکمیل اور نفخ روح کے بعد ملائکہ کرام نے سجدہ کیا كُلُّهُمْ سب کے سب۔ یہاں تک کہ ان میں کوئی ایک بھی باقی نہ رہا ارضی و سماوی تمام ملائکہ ساجد ہوئے اَجْمَعُوْنَ تمام یعنی پس و پیش ہو کر سجدہ نہ کیا بلکہ سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا۔

فقیر (اسمٰعیل حقی) عرض کرتا ہے کہ :

نورِ محمدی کو سجدہ هذا فى الحقيقة للنور المنطبع فى مرأة آدم عليه السلام وهو النور المحمدى و الحقيقة الاحمدية

یہ درحقیقت اس نور کی تعظیم تھی جو آئینۂ آدم علیہ السلام میں تھا اور وہ نور محمدی و حقیقت احمدی تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت حافظ (رحمہ اللہ) نے کیا خوب فرمایا : ؎

ملک در سجدۂ آدم زمیں بوس تو نیت کرد
کہ در حسن تو لطفے یافت بیش از طور انسانی

ترجمہ : آدم علیہ السلام کو سجدہ کرتے وقت فرشتے کے سجدے سے آپ کی ذات پاک مراد تھی اس لیے کہ فرشتے کو جو لطف آپ سے نصیب ہوا وہ اسے انسانی حقیقت سے نہ ملا۔

ف : اجمعون تاکید در تاکید ہے لیکن ان دونوں معنوں میں وضع کے لحاظ سے جمع اور معیت کا معنیٰ موجود ہے جیسا کہ عام قاعدہ ہے ہر لفظ کے استعمال (مجازی) میں اصلی معنیٰ ضرور ملحوظ ہوتا ہے جب ہم معنی دوسرے ہم معنی کی تاکید کے لیے واقع ہو تو دونوں میں معنے کا اعتبار ضرور ہوتا ہے یہاں پر بھی ایسے ہے کہ اگرچہ دونوں احاطۂ کل کو چاہتے ہیں لیکن چونکہ دوسرا معنیٰ پہلے کے لیے تاکید کے طور پر واقع ہوا اسی لیے اس میں بھی تاکید کے وقت احاطہ کا معنیٰ ملحوظ ہے یہ اس لیے کہ قرآن مجید کا کوئی لفظ زائد اور لغو نہیں۔ علاوہ ازیں سجدہ ایک اہم عمل ہے اس میں ضروری ہے کہ سجدے کا بہترین مفہوم لیا جائے۔ اور بہترین مفہوم یہی ہے کہ سب ملائکہ نے مل کر سجدہ کیا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہ آیت تفسیر القرآن بالقرآن کی نظیر ہے۔ مثلاً فسجد الملٰئكة میں ظاہر ہے کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ صیغہ جمع پر الف لام کے داخل ہونے سے اس میں عموم کا مفہوم لازم آتا ہے کہ اس کے جملہ افراد اس کے حکم میں داخل ہیں۔ لیکن یہ مفرد کی طرح ہے کہ جب اس پر الف ولام داخل ہو تو اس میں جملہ افراد مراد ہوتے ہیں۔ لیکن اس قاعدہ پر تخصیص کا بھی اس میں احتمال ہے۔ اس میں بعض افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ واذ قالت الملٰئكة میں جمع کے صیغے پر الف ولام کے داخلے کے باوجود صرف جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ اسی طرح فسجد الملٰئكة میں جمع کا صیغہ ہے لیکن اس میں بعض بھی مراد ہو سکتے تھے۔ پھر جب كلهم فرمایا تو یہ احتمال بھی منقطع ہو گیا۔

سوال : اس میں ابلیس کا استثناء کیا گیا ہے اس لحاظ سے بھی احتمال پیدا ہو گیا کہ الملٰئكة کلهم جمع با مؤکد سہی لیکن تخصیص ابلیس

ہوئی ورنہ تخصیص کا احتمال بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علم اصول کا قاعدہ ہے۔

جواب : یہ استثناء تخصیص کے لیے نہیں بلکہ ابلیس کی شرارت کے اظہار کے لیے ہے۔

اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ مگر ابلیس۔ از ابلس یعنی ناامید ہوا اور حیران ہوا۔ یا یہ عجمی اسم ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ لفظ ابلیس کسی سے مشتق نہیں۔ یہی جمہور کے نزدیک صحیح تر ہے یہ استثناء متصل ہے کیونکہ استثناء متصل اصل ہے اور یہ ابلیس ملائکہ میں پوشیدہ رہتا تھا اگرچہ جن تھا لیکن تغلیباً ملائکہ میں شمار ہوتا تھا اسی لیے سجدہ کے لیے وہ بھی ملائکہ کی طرح مامور تھا۔ بایں معنی تغلیباً فسجد الملائكة میں داخل تھا جیسے احکامِ شرعیہ میں مردوں کا نام لیا گیا ہے لیکن عورتیں بھی تغلیباً شامل ہیں۔ اسی طرح یہ بھی تغلیباً ملائکہ میں شامل تھا، انھی سے مستثنیٰ ہوا۔ سو ذیتھم الاھند ا کی طرح یہ بھی استثناء متصل ہے۔

اعجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی ایک جماعت کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کے لیے حکم فرمایا اس جماعت نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نارِ جہنم سے جلا ڈالا۔ اس کے بعد تمام ملائکہ کو حکم ہوا جن میں ابلیس بھی شامل تھا ان سب نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا صرف ابلیس نے انکار کیا۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہاں پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں :

اعتراض : عبادت کرنا ملائکہ کی عادت طبعیہ ہے تو پھر انھوں نے تردد کیوں کیا۔ اور پھر ابلیس اگر ملائکہ میں داخل سمجھا جائے تو پھر اس کا انکار و امتناع کیوں بالخصوص جبکہ آدم علیہ السلام کے اندر نورِ جلال موجزن تھا اسے ابلیس نے مشاہدہ کیا ہوگا تو اسے خوفِ الٰہی سے سجدہ لازم تھا۔

جواب : یہ حکمتِ الٰہی پر مبنی تھا اور ابلیس کو نورِ محبوبِ خدا نظر بھی نہ آیا تھا۔

اعتراض ۲ : پہلے تم تحقیق کر چکے ہو کہ تمام ملائکہ جمع ہو کر ساجد ہوئے اب تم نے ایک جماعت کے لیے علٰحدہ سجدے کی روایت بیان کر دی ان دونوں میں مطابقت کیسی؟

جواب : روایت ثانی غیر معتبر ہے اگر اعتبار کیا جائے تو بھی سجدہ کرنے والوں کے لیے اجتماع و معیت کا معنیٰ اپنے مقام پر حق ہے۔

اَبٰى اَنۡ يَّكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ اس نے انکار کیا کہ وہ کسی کو مسجود الیہ بنا کر سجدہ کرے۔

حلِ لغات : یأباہ و یأبیہ اباء و اباءۃ بمعنے کرھہ و ابیتہ ایاہ۔ یعنی کسی شے سے کراہت کرنا۔ کما فی القاموس۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی نے کہا کہ شیطان نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ جواب ملا کہ اس کا سجدہ کسی تردد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس نے عمداً تکبر کرتے ہوئے سجدہ سے انکار کر دیا۔

ف : یہ استثناء منفصل بھی ہو سکتا ہے پھر اسے مابعد سے متصل کرنا پڑے گا وہ یہ کہ شیطان (ابلیس) نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔

Scanned with CamScanner

ف : یہ ابلیس کی خفتِ عقل کی دلیل ہے کہ اس نے ایک معصیت سے تین گناہوں کا ارتکاب کیا :

① مخالفت امرِ الٰہی

② آدم علیہ السلام کی تحقیر کرتے ہوئے تکبر کا ارتکاب

③ ملائکہ مقربین کے سلک میں شمولیت سے انکار

ف : حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے روح القدس میں لکھا کہ ابلیس کو آدم علیہ السلام اور اس کی ہر حالت دکھ میں ڈالتی ہے جب وہ سر بسجود ہوتے ہیں تو اس وقت اسے سخت ترین تکلیف پہنچتی ہے کیونکہ اس کی خطا سجدہ کرنے سے تھی اس لیے کثرت سجود سے اسے سخت غم و حزن لاحق ہوتا ہے۔ انسان شیطان کی شرارت سے کسی وقت بھی نہیں بچ سکتا ہاں بوقتِ سجدہ شیطان کی شرارت سے بچ جاتا ہے اس لیے کہ انسان کے سجدہ کے وقت غم و حزن میں پڑ کر اپنی پریشانی میں مصروف ہو جاتا ہے اسی لیے اس وقت انسان اس کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف جب انسان تلاوتِ قرآن کے سجدۂ تلاوت پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان اس سے ہٹ کر خوب روتا ہے اور کہتا ہے کہ ابنِ آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے فرمانِ الٰہی پر عمل کر کے بہشت حاصل کی اور میں نے سجدہ سے انکار کیا تو مجھے جہنم نصیب ہوئی۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ بوقتِ سجدہ انسان شیطان کی شرارت سے محفوظ ہو جاتا ہے باقی تمام حالتوں میں شیطان انسان پر حملہ کرتا رہتا ہے۔

سوال : سجدہ کے وقت بھی تو غلط قسم کے خطرات وساوس کا ہجوم رہتا ہے لیکن حدیث شریف میں اس کے خلاف بتایا گیا ہے۔

جواب : یہ وساوس ربانی، ملکی یا نفسانی ہوتے ہیں اس میں شیطان کو لامحالہ کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ ہاں جب انسان سجدہ سے فراغت پاتا ہے تو اس کے بعد شیطان غم و حزن سے نجات پا کر بدستورِ سابق انسان پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے :

(۱) آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمی با حذر عاقل کسیست

(۲) خلق پنہاں زشتشان و خوابشان
می زند بر دل بہر دم کوبشان

(۳) بہر غسل ار در روے در جویبار
بر تو آسیبی زند در آب خار

Scanned with CamScanner

(۴) گرچہ پنہاں خار در آبست پست
چونکہ در تو می خلد دانی کہ ہست

(۵) خار خار و حیلہا و وسوسہ
از ہزاران کس بود یک کسہ

(۶) باش تا حسہائے تو مبدل شود
تا بینی شان و مشکل حل شود

ترجمہ ۱۔ آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں وہ آدمی عقلمند ہے جو ہر وقت خطرے میں رہے۔
۲۔ پوشیدہ مخلوق انسان پر برائی اور نیکی ڈالتی ہے یعنی ہر وقت دل پر ان کے اثرات پڑتے ہیں۔
۳۔ غسل کے لیے جب نہر میں غوطہ لگاتا ہے تو نہر کے اندر کانٹے بچھا دیتے ہیں۔
۴۔ اگرچہ کانٹا پانی میں پوشیدہ ہوتا ہے لیکن چبھنے پر محسوس ہوتا ہے۔
۵۔ خار سے مراد شیطان کے حیلے اور وسوسے ہیں جو ہزاروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔
۶۔ تم ایسا طریقہ اختیار کرو کہ وہ وسوسے نہ آئیں اس کے بعد تمہاری مشکل حل ہو جائے گی۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ اور سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی نے پوچھا کہ جب شیطان نے سجدے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا، جواب ملا قال فرمایا اللہ تعالیٰ نے یَاإِبْلِيسُ مَالَكَ اے ابلیس! تجھے کیا ہوا اور سجدہ نہ کرنے کا سبب تو بتا۔ أَنْ لَا تَكُونَ یہ کہ تو نہیں ہے مَعَ السّٰجِدِيْنَ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ۔ یعنی باوجودیکہ وہ ملائکہ بھی شرافت اور بزرگی میں تجھ سے کم نہیں تاہم انہوں نے سجدہ کیا اور تو اس سے محروم ہو گیا۔

ف: اور یہ توبیخ کے لیے ہے اور اس میں صرف ایک گناہ پر اسے نہیں ڈانٹا گیا بلکہ اسے مذکورہ بالا تینوں گناہوں پر زجرو توبیخ کے لیے ہے۔

قَالَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ یعنی شیطان نے جواب دیا لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ یہ لام نفی کی تاکید کے لیے ہے یعنی یہ میری شان کے منافی ہے اور میرے لائق نہیں کہ میں سجدہ کروں لِبَشَرٍ ایک بشر کو جو کثیف جسم والا ہے اور میں جوہر روحانی ہوں خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ تو نے اسے ایک خشک مٹی سے پیدا فرمایا مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ اور وہ بھی کالی سیاہ اور بدبودار۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے عرض کر دی ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام خسیس تر عنصر یعنی مٹی سے پیدا ہوئے۔ اور میں اس سے اشرف ہوں میرا جوہر آتشی ہے پھر جوہر روحانی لطیف کثیف جسم کی کس طرح فرمانبرداری اور کیسے اسے سجدہ کرے۔

ف: ابلیس لعین نے آدم علیہ السلام کے ظاہر کو دیکھا اس بدبخت کی آدم علیہ السلام کے باطن پر نگاہ نہ گئی۔ اس نے آدم علیہ السلام کی کثافت کی ویرانگی کو دیکھا لیکن اس بدبخت نے نہ دیکھا کہ اسی ویرانہ کے اندر ایک گنج بے بہا مدفون ہے۔

Scanned with CamScanner

گنجست دریں خانہ کہ در کون نگنجد
ایں گنج خراب از پے آں گنج نہانست
فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت
سلطان زمین و سلیمان زمانست

ترجمہ : اس گھر میں ایسا خزانہ ہے جو عالم کون میں نہیں سما سکتا اور یہ ویرانہ صرف مخفی خزانے کے لیے ہے خلاصہ یہ کہ جسے اس گھر کی راہ ملی وہ زمین کا بادشاہ اور اپنے زمانے کا سلیمان ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون تمام ملائکہ نے اس لیے سجدہ کیا کہ ان میں انقیاد نوریہ کا جوہر تھا اور ان کے اندر نصیحت قبول کرنے کی خصوصیت تھی الا ابلیس ابیٰ ان یکون مع الساجدین اور ابلیس اس لیے محروم رہا کہ اس کے اندر تمرد ناریہ موجود تھا اور اس کے اندر جہالت نے گھر کیا ہوا تھا اور وہ اس گھمنڈ میں مارا گیا کہ وہ عالم ہے قال شیطان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ابلیس مالک ان لا تکون مع الساجدین اے ابلیس ! بتا تیرے سجدہ نہ کرنے کی کون سی دلیل ہے قال الم اکن لاسجد لبشر خلقتہ من صلصال من حما مسنون شیطان نے جواب دیا کہ میرے ہاں یہ دلیل ہے کہ تُو نے مجھے جوہر لطیف نورانی علوی سے بنایا اور آدم علیہ السلام کو کثیف ظلمانی سفلی سے پیدا کیا اس لیے میں اس سے اعلیٰ اور بہتر ہُوں ۔ اس دلیل سے شیطان نے ثابت کیا کہ آدم علیہ السلام مسجود الیہ بننے کے اہل نہیں اس لیے کہ وہ کم درجہ والے ہیں اور اس کا گمان یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو آدم علیہ السلام کی بشریت کے پیش نظر سجدہ کا حکم دیا ہے ۔ اور سمجھا کہ وہ تو مٹی سے بنائے گئے ہیں لیکن وہ بدبخت اس راز سے غافل رہا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ ان کی اس خلافت کی وجہ سے کرایا ہے جو ان کی رُوح میں امانت کے طور رکھی تھی اور پھر ان کی روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا اور اس نے نفخ کی شرافت کو بھی نہ دیکھا اور نہ ہی اس کا خیال اس طرف گیا کہ اسی آدم یعنی مٹی کے پتلے کو اسماء کی تعلیم سے نوازا ہے ۔ انہی شرافتوں اور بزرگیوں سے وہ جلال وجمال کی تجلیات کے مستحق ہوئے ہیں ۔

اعجوبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ابلیس کو اگر بھینگا ، یک چشم کہا جائے تو بجا ہے کہ اس نے گویا ایک آنکھ سے آدم علیہ السلام کی بشریت کو دیکھا اور اس کی نگاہ کوتاہ بین ان کی صفات مذمومہ حیوانیہ سبعیہ پر پڑی کہ ان سے فساد اور خونریزی جیسی قباحتیں سرزد ہوں گی اس کی دوسری آنکھ بند رہی کہ یہی آدم خلافت کے اسرار کا رازدان ہے ان کی روحانیت کو خلافت کے اسرار و رموز کا مرکز بنایا گیا ہے اور ان کو یہ شان و شرف علم اسماء اور نفخ روح اور اللہ تعالیٰ کی طرف خصوصی اضافت سے نصیب ہوا ہے۔ ان کے علاوہ آدم علیہ السلام اور بھی بہت بڑے کمالات کے حامل تھے لیکن دیدۂ کور کو نظر نہ آئیں اسی لیے وہ (ابلیس) ملعون ٹھہرا۔

Scanned with CamScanner

ف : فقیر (حق) عرض کرتا ہے کہ میرے شیخ کامل اور مرشد اکمل نے بعض تحریرات میں رقم فرمایا کہ ارض اور حقائق ارض اپنے 33
وجود میں اطمینان و احسان سے معمور ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ ساکن ہے اور سکون رکھتی ہے اور خاموشی سے بھرپور ہے اس لیے
کہ یہ اپنے مقاصد و مطالب میں فائز و کامیاب ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلندی در اصل پستی میں ہے اسی لیے ارض نے
اپنے قلب میں رضا و تسلیم کو محفوظ کر رکھا ہے اسی لیے اس کا مقام بھی رضا و تسلیم ہے اور یہی اس کا دین ہے یہی اس کا
اسلام ہے۔

کسی شاعر نے میرے شیخ کامل کے کلام کو یوں ادا فرمایا ہے : ؎

ارس را در بیاباں جوش باشد
بدریا چوں رسد خاموش باشد

ترجمہ : ارس کو جنگل میں جوش ہوتا ہے لیکن جب دریا میں پہنچتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے۔

صائب رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

عاشقاں را تا فنا از شادی و غم چارہ نیست
سیل را پست و بلندی ہست تا دریا شدن

ترجمہ : عشاق کو فنا کے بعد نہ غم نہ خوشی۔ جیسے سیلاب کو بلندی و پستی کی منزلیں اس وقت طے کرنی پڑتی ہیں
جب دریا تک نہیں پہنچتا جب دریا میں پہنچ جاتا ہے تو بلندی و پستی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاخْرُجْ مِنْهَا بہشت سے نکل جا۔ یہ اہانت اور دھکی کا امر ہے۔ جیسے
فَاذْهَبْ میں دھکی اور اہانت ہے منہا کی ضمیر الجنۃ کی طرف راجع ہے اس کا بہشت میں داخلہ
وسوسے کے لیے ممنوع نہیں تھا اسی طرح اس کا آسمانوں سے نکلنا بھی اس کے منافی نہیں جیسے اس سے ملکوتی لباس اتارنا اور
اس سے ملکوتی صفات چھین لینا اس کے منافی نہیں جیسے کہ مطرودین و مغضوبین کے لیے ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس نے
فخر و تکبر کیا تو اس کی شکل تبدیل کر دی گئی یعنی پہلے سفید تھا تو پھر کالا سیاہ بنا دیا گیا۔ پہلے حسین تھا پھر قبیح بنا دیا گیا۔ پہلے
ملکوتی صفت تھا پھر اسے اظلم بنا دیا۔

ف : ابو القاسم انصاری نے فرمایا کہ ملک، جن اور انسان کو علیحدہ علیحدہ صورتیں دی گئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو ظاہراً و
باطناً انسانی صورت بخشتا ہے تو اسے ملکیت سے نکال دیتا ہے۔ اسی طرح باقیوں کا قیاس کیجئے۔

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ کیونکہ تو رجیم ہے۔ یہ الرجم بالحجر سے ہے یعنی کسی شے کو پتھر سے مارنا۔ اس سے اس کا درگاہ سے
ہٹانا مراد ہے اس لیے کہ جسے اپنے قرب سے ہٹاتے ہیں تو اسے پتھر مار کر بھگاتے ہیں۔ یعنی اے ابلیس! تو راندۂ درگاہ ہے
تجھ سے خدا کی رحمت و بھلائی اور کرامت ہٹالی گئی ہے۔ یا یہ مرجم بالشہب سے لیا گیا ہے یعنی وہ جسے چنگاریوں سے

Scanned with CamScanner

مارا گیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے شیطان بنایا گیا۔ یعنی یہ بھی منجملہ شیاطین کے ہے جسے چنگاریاں مار کر بھگایا جاتا ہے۔ اس میں اس کے شبہے کا جواب بھی ہے اور وعید بھی اس لیے کہ جو بھی نصِ قطعی کے سامنے اپنا قیاس پیش کرتا ہے وہ رجیم ملعون ہے۔ وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اور بیشک میری لعنت ہے تیرے اوپر اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ قیامت تک یعنی یوم جزاء و عقوبت کے دن۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے سزا ملے گی لیکن بدیر۔ اگرچہ لعنت بھی اس کے لیے ایک بہت بڑی سزا ہے لیکن اس کا نتیجہ دیر سے صادر ہوگا اور شیطان کی انتہا جزا کے دن ہوگی۔ یعنی دنیا میں اس پر لعنت برستی رہے گی جب قیامت کا دن آئے گا تو اس پر لعنت ہوگی اور اس کے ساتھ عذاب بھی مقترن ہو جائے گا۔ لیکن عذابِ الٰہی سے اسے لعنت محسوس نہ ہوگی۔

ف: تبیان میں ہے کہ یہ الٰی تابیدی ہے توقیتی نہیں۔ جیسے ایک مقام پر ما دامت السموٰت فرما کر تابید مراد لی گئی ہے اس پر قیامت میں بھی لعنت واقع ہوگی۔ اس کی دلیل فاذن موذن بینهم ان لعنة الله علی الظالمین بھی ہے۔ یہ لعنت بھی دردناک عذاب سے مقارن ہو کر واقع ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور عافیت کی درخواست کرتے ہیں شیطان کو لعنت کا اس لیے مورد ٹھہرایا کہ وہ فطری طور پر اس کا مستحق تھا اور ازل میں اس کے لیے ایسے ہی لکھا تھا۔ گویا لعنت شیطان کے لیے ابدالآباد تک غذا بنا دی گئی۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

گر جہاں باغی پر از نعمت شود

قسم مور و مار ہم خاکی بود

کرم سرگین درمیان آں حدث

در جہاں نقلے نداند جز خبث

(ترجمہ: اگرچہ جہان کا باغ نعمت سے پُر ہو جائے تب بھی مور و مار کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہی ملے گا۔ گوبر کا کیڑا گوبر کھا کر بھی گندگی نکالے گا کیونکہ وہ گندگی کے سوا کچھ نہیں جانتا)

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ابلیس نفس کو حکم ہوا کہ وہ آدم یعنی روح کو سجدہ کرے اور نفس کی عادت ہے کہ طاعتِ الٰہی سے انکار کرے اور خلیفۃ اللہ سے بغض و عداوت رکھے اور اس کے سجدے سے رک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور وہ دونوں کفر و ایمان کی قبولیت کی استعداد رکھتے ہیں فانك رجیم اس لیے کہ تو ہمارے جوار سے مطرود ہے اس لیے کہ تو نے ایمان کے بجائے کفر کو قبول کیا وان علیك اللعنة اور تیرے اوپر لعنت ہے اس لیے کہ لعنت صفت قہر الٰہی کے نتیجے کا نام ہے۔ یعنی اے نفس! تو ہمارے مقبول بندوں سے دور ہے الٰی یوم الدّین جزا کے دن تک۔ یعنی جب دین کی رات دین کے دن میں داخل ہوگی اور ہمارے شواہد روح کے مشرق سے طلوع ہوں گے جن سے نفوس کی زمین انوار و شواہد سے چمک اٹھے گی۔ اس سے ان نفوس کو اطمینان نصیب ہوگا اور ان کے مذموم حیوانیہ مظلمہ اور گندے عادات و اخلاق روحانیہ حمیدہ نورانیہ اخلاق سے متبدل ہو کر ارجعی کے خطاب کے اہل ہو جائیں گے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

Scanned with CamScanner

قَالَ ابلیس لعین نے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار فَاَنْظِرْنِیْ یہ فعل محذوف سے متعلق ہے جس پر فاخرج الخ دلالت کرتا ہے۔ یعنی ابلیس نے کہا کہ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے رجیم بنایا ہے تو مجھے مہلت دے دے اور میری عمر بڑھا دے اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قیامت تک یعنی جب آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سزا و جزا کے لیے اٹھائے جائیں یعنی ان کے فنا ہونے کے بعد بھی میں زندہ رہوں۔ البعث النشر کی طرح مرنے کے بعد اٹھنے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے شیطان کا ارادہ یہ تھا کہ مجھے بنی آدم کو گمراہ کرنے اور ان پر ہر طرح کے مکر و فریب کے جال بچھانے اور ان کے مرنے کے بعد زندہ رہنے کی قوت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پہلی بات تو مان لی لیکن دوسری بات سے انکار فرما دیا کما قال تعالیٰ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ پس بیشک تو مہلت دیے ہوؤں سے ہے یعنی تو منجملہ ان لوگوں سے ہے جن کے لیے ازل سے حیات کی گھڑیاں بڑھا دی گئی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس کے علاوہ اور بھی ایسے افراد ہیں جو بنو آدم کے فنا ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک زندہ رہیں گے وہ ملائکہ کرام ہیں نہ وہ نر ہیں نہ مادہ اور نہ وہ بچے جنتے ہیں نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں قیامت تک ان پر موت نہیں آئے گی۔

ف: شیاطین نر بھی ہیں مادہ بھی لیکن وہ بچے جنتے ہیں اور انہیں ابلیس کی طرح ہمیشہ زندہ رہنا ہے۔ جن بچے جنتے ہیں ان میں نر بھی ہیں اور مادہ بھی اور ان پر موت بھی وارد ہوتی ہے۔

حکایت حجاج بن یوسف کو معلوم ہوا کہ ارض چین میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں کوئی راستہ بھول جاتا ہے تو بھولے ہوئے کو غیبی آواز آتی ہے کہ ادھر آؤ راستہ یہاں ہے۔ لیکن بولنے والے نظر نہیں آتے تھے۔ حجاج نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تم وہاں پہنچ کر عمداً راستہ بھول جانا لیکن "جب ادھر آؤ" کی آواز آئے تو ان پر فوراً حملہ کر دینا۔ چنانچہ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو عمداً راستہ بھول گئے۔ حسب دستور آواز آئی انہوں نے حملہ کیا تو وہی غیبی آواز پھر آئی کہ تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اور یہاں کب سے مقیم ہو؟ جواب ملا کہ ہمیں صدیوں کا تو کوئی علم نہیں البتہ اتنا جانتے ہیں کہ یہ چین آٹھ بار برباد ہو کر آٹھ بار آباد ہوا ہے ہم اس وقت سے آج تک یہاں موجود ہیں۔ چین ایک سلطنت کا نام ہے جو جانب مشرق واقع ہے وہاں کے برتن مشہور ہیں اور خطۂ ہند کے ختم پر ملک چین شروع ہو جاتا ہے۔

ابلیس پر جب بڑا عرصہ گزر جاتا ہے تو اسے بڑھاپے کے بعد جوانی بخشی جاتی ہے اور وہ تیس سال کا جوان ہو جاتا ہے۔

اعجوبہ ف: مروی ہے کہ ابلیس کو خضر علیہ السلام ہر ایک سو بیس سال کے بعد نئی جوانی بخشتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بڑھاپے سے جوانی پاتا ہے انک من المنظرین کا یہی مطلب ہے۔ کذا فی الاخبار الصحیحہ

ازالۂ وہم اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب ابلیس کے علو مرتبت پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اہانت کے طور یہ خطاب فرمایا تھا اور اس گفتگو سے اسے ذلیل کرنا مطلوب تھا۔ کذا فی التفاسیر

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بالمشافہ کلام نہیں فرمایا اور نہ ہی درمیانی حجابات اٹھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ فرشتے کے واسطے سے کلام فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کلام جو بلا واسطہ ہو وہ رحمت اور خوشنودی اور اعزاز و

Scanned with CamScanner

اکرام کے طور پر تھا۔ دیکھیے موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی ہوئی تو انہیں ہمارے نبی اکرم اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے سوا باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس طرح جتنا کلام ابلیس سے ہوا تمام کا تمام بواسطہ ملک تھا۔

سوال : فرشتے سے ہمکلامی بھی تو اس کی شرافت کی دلیل ہے۔

جواب : محض فرشتے کو کسی پیغام رسانی کے لیے بھیجنے سے کسی کی شرافت ثابت نہیں ہوجاتی جیسے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون و ہامان کی طرف بھیجا گیا تو اس سے فرعون و ہامان کی بزرگی ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہی اس سے ان کی شرافت وکرامت مطلوب تھی۔

کذا فی آکام المرجان۔

اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ وقتِ معلوم تک یعنی وہ دن جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معیّن ہے نہ اس سے آگے بڑھیگا نہ پیچھے۔ یعنی نفخۂ اولیٰ سے خلقِ خدا کی موت کے بعد تک اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ اسی حالت کو چالیس سال گزریں گے۔ چالیس سال کے بعد نفخۂ ثانیہ ہوگا ؎

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال

بجز ملک فرمان دہ لایزال

ترجمہ : تمام تخت و ملک فنا ہوجائیں گے بجز احکم الحاکمین کے ملک کے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ مخلوق کی فنا کا زمانہ نفخۂ اولیٰ ہے اسے نفخۂ صعقہ سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ اسی صعقہ سے تمام مخلوق کی موت واقع ہوگی پھر نفخۂ ثانیہ سے تمام خلوق زندہ ہوگی۔ ان دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ گزرے گا۔ یہی قول مشہور تر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابلیس چالیس سال مُردہ رہے گا اس کے بعد اسے بھی دوسری مخلوق کے ساتھ اٹھایا جائیگا۔

ف : سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ یہ نفخۂ ثانیہ وہی ہے جس سے پہلے نفخۂ فزع واقع ہوگا کہ اس سے تمام زمین و آسمان والے گھبرا جائیں گے یعنی انہیں نہایت ہوگی اس وقت زمین ایسے ہوگی جیسے کشتی دریا میں ہچکولے کھاتی ہے جسے موجوں کے تھپیڑے سے ایک جگہ قرار نہ ہو۔ اس وقت پہاڑ بادلوں کی طرح تیز دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے اور آسمان پھٹ جائیں گے اور سُورج اور چاند بے نور ہوجائیں گے۔

ف : حضرت وہب نے فرمایا کہ ابلیس نے جس دن کی مہلت مانگی اس سے بدر کا دن مراد ہے اس لیے کہ اسی دن اسے ملائکہ کرام نے قتل کردیا تھا۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے طلوع الشمس من المغرب کا دن مراد ہے جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو ابلیس سجدہ میں گر جائے گا اور زور زور سے پکار کر کہے گا کہ اے اللہ تعالیٰ! اب مجھے جس کے لیے سجدے کا حکم دے گا میں اسے سجدہ کروں گا اس کی اس گریہ وزاری پر اس کی تمام اولاد جمع ہوجائے گی اور کہے گی حضرت! اتنی گریہ وزاری کیوں؟ وہ جواب دے گا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک دن تک زندہ رہنے کی اجازت چاہی تھی۔ اب وہ دن گزر گیا ہے اس لیے روتا ہوں اس کے بعد ایک پرندہ (جسے دابۃ الارض کہا جاتا ہے) صفا کے ایک سوراخ سے نکلے گا

Scanned with CamScanner

اس کا پہلا قدم الطاکیہ پر پڑے گا وہ ابلیس پر آکر قدم رکھے گا اس کے قدم رکھنے سے ابلیس مر جائے گا۔ پہلا قول ان اقوال سے مشہور تر ہے۔

حکایت

احنف بن قیس نے کہا کہ میں مدینہ منورہ میں حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ کے گرد بہت بڑا ہجوم ہے ان کے درمیان کعب الاحبار باتیں سنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ جب آدم علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو عرض کی، یا اللہ! آج مجھے میرا دشمن ابلیس دیکھ کر خوش ہو گا کہ میں مر رہا ہوں اور وہ قیامت تک زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! آپ کو موت آئے گی تو آپ بہشت میں تشریف لے جائیں گے اور وہ ابلیس بد بخت جتنی دیر زندہ رہے گا اسے سخت ترین عذاب ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اولین و آخرین کی موت کا عذاب اس (ابلیس) اکیلے کو ہو گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ملک الموت سے فرمایا کہ مجھے ابلیس کی موت کا کچھ نمونہ بتائیے۔ ملک الموت علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ابلیس کی موت کا نمونہ بتایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! اتنا ہی کافی ہے۔ اس کیفیت کی وضاحت کے لیے لوگوں نے آدم علیہ السلام سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا، چپ رہو یہ بتانے کی بات نہیں۔ لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ملک الموت علیہ السلام کو نفخۂ اولیٰ کا حکم دے گا کہ اے عزرائیل! میں نے تجھے چودہ طبق یعنی ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کی طاقت بخشی ہے اور میں تمہیں اپنے تمام غیظ و غضب کا لباس پہناتا ہوں تم میرے غیظ و غضب کو لے کر ابلیس رجیم کے ہاں جاؤ اور اپنے ساتھ جہنم کے ستر ہزار سخت گیر فرشتے لے جاؤ جو سر تا پا غیظ و غضب ہوں اور ان میں ہر ایک کے ساتھ جہنم کی بیڑیاں اور جہنم کے طوق ہوں، اس کے بعد اس ابلیس کی بدبودار روح کو جہنم کے ستر ہزار چابک مار کر نکالو اور جہنم کے داروغہ کو حکم دو کہ وہ جہنم کے دروازے کھول دے۔ یہ حکم سن کر ملک الموت ابلیس کے ہاں اسی غضبناک صورت میں تشریف لائیں گے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ ان کی وہ ڈراؤنی شکل اگر دنیا والے دیکھ لیں تو مر جائیں۔ جب ملک الموت علیہ السلام ابلیس کے قریب آئیں گے تو ابلیس سے فرمائیں گے، ٹھہر جا اے خبیث! میں تجھے موت کا مزہ چکھاتا ہوں تو نے کتنے زمانے پانے اور بے شمار خلقِ خدا کو گمراہ کیا، اب تیری موت کا وقت آ پہنچا ہے۔ ابلیس یہ سن کر مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن ملک الموت اس کے سامنے آجائیں گے تو وہ سب سے مغرب بھاگے گا لیکن ملک الموت پھر سامنے آجائیں گے۔ اس کے بعد ابلیس دریا کے اندر غوطہ لگانے گا اور اس سے پناہ مانگے گا۔ مایوسی کے بعد پھر وہ زمین کے اندر غوطہ لگانے گا مگر وہ بھی اسے بچا نہ سکے گی۔ علیٰ ہذا القیاس کوئی شے اسے پناہ نہ دے گی اور نہ ہی وہ ملک الموت علیہ السلام کی گرفت سے بچ سکے گا۔ یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر انور پر جائے گا وہاں سے زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک منہ پر مٹی ملتا ہوا بھاگتا رہے گا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچے گا جہاں آدم علیہ السلام آسمان سے زمین پر اترے تھے وہاں دوزخ کے فرشتے جو ملک الموت کے ساتھ آئے تھے اس کو لوہے کی بیڑیاں پہنا دیں گے۔ زمین اس کے لیے آگ کے انگارے بن جائے گی۔ جہنم کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے اور ان جہنم کی بیڑیوں سے اسے خوب جکڑ لیں گے۔ اس وقت ابلیس پر نزع روح طاری ہو گا اور وہ بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہو گا۔

Scanned with CamScanner

ع

ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت

(ترجمہ: جس نے جو کچھ بویا وہی کاٹے گا)

اعجوبہ کہا جاتا ہے کہ ابلیس کی موت کی اطلاع حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو دی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا آج اپنے دشمن کا حال دیکھیے کہ اسے کیسے دردناک عذاب سے موت کا مزہ چکھایا جا رہا ہے جب آدم و حوا علیہما السلام ابلیس کی حالتِ زار دیکھیں گے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے:

ربنا اتممت علینا نعمتک۔ اے اللہ تعالیٰ ہم تیری عطا کردہ نعمتوں پر شکر گزار ہیں۔

ب

شکر خدا کہ ہر چہ طلب کردم از خدا
بر منتہائے ہمت خود کامراں شدم

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے اس سے جو مانگا وہ مجھے مل گیا اور میں اپنے مقصد میں انتہائی طور پر کامیاب ہو گیا)

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کی درخواست پر اسے عرصہ دراز کی مہلت دے دی تاکہ اس کی طویل المدۃ عبادت کا بدلہ ہو جائے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ اس نے زمین و آسمان کے چپے چپے پر عبادت کی۔ اس سے بندوں کو تنبیہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتا دنیا میں کافر کو اور آخرت میں مومن کو جزا دیتا ہے۔ کذا فی اسئلۃ الحکم۔

نکتہ: ایک اور مقام پر کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے دشمنوں کو مہلت نہ دی بلکہ انہیں فوراً ہلاک و تباہ کر دیا۔ جیسا کہ فرعون، نمرود اور شداد کا حال سب کو معلوم ہے۔ لیکن آدم علیہ السلام کے دشمن ابلیس کو بہت بڑی مہلت ملی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ابلیس آدم علیہ السلام کا بالواسطہ دشمن تھا بالاصالۃ وہ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو ایسا راستہ دے دیتا ہے اور عذاب میں انہیں بہت بڑی ڈھیل دیتا ہے اور انہیں اس کا علم تک نہیں ہونے دیتا پھر انہیں ایسے سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے جو دوسرے بدبختوں کے عذاب سے سخت تر ہوتا ہے اور ابلیس کو اسی لیے قیامت تک مہلت ملی تاکہ عاقل اس سے عبرت حاصل کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لمبی عمر کوئی خصوصی نعمت نہیں بلکہ بسا اوقات یہ طوالتِ عمر عذابِ الٰہی کا سبب بھی بن جاتی ہے جیسے رئیس الکفار والاشرار ابلیس ملعون کا حال ہے اور اس کو یہ سزا بے ادبی گستاخی اور نافرمانی کی وجہ سے نصیب ہوئی اور لمبی عمر مانگنا بھی اسی بدبخت ابلیس کا خاصہ ہے ورنہ بڑے بڑے متکبرین، فراعنہ اور باغی گزرے ہیں کسی نے اپنی بدبختی کے دوران لمبی عمر کی آرزو نہیں کی۔

قَالَ ابلیس نے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا

Scanned with CamScanner

بآ قسمیہ اور مآ مصدریہ اور جواب قسم لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ ہے۔ یعنی مجھے تیرے گمراہ کرنے کی قسم میں آدم زادوں کو معاصی اور شہوات بھلے کر کے دکھاؤں گا اس معنے پر اس کا مفعول محذوف ہے۔ الاغواء بمعنے بے راہ کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: غوی غوایۃً بمعنے ضل۔ اور التزیین بمعنے سنگارنا۔ فِی الْاَرْضِ زمین یعنی دنیا میں جو دار الغرور ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ:

اخلد الی الارض۔

اس میں الارض سے دنیا مراد لی گئی ہے۔ ایسے ہی یہاں پر زمین کو دنیا سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ زمین دنیا کے مال و متاع وغیرہ کا مرکز ہے۔

ف: تبیان میں ہے شیطان نے کہا کہ میں آدم زادوں کے لیے زمین کو ایسا سنگاروں گا کہ اس پر ان کا خوب دل لگ جائے گا اور صرف اس کو ہی اپنی قرارگاہ اور آرام و چین کا مرکز سمجھیں گے۔

سوال: شیطان نے یہاں اغواء کی قسم اور دوسرے مقام پر بعزتک کہہ کر اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور اس کی سلطنت و عزت کی قسم کھائی، یہ کیسے۔

جواب ۱: ان دونوں قسموں میں منافات نہیں اس لیے اغواء عزت کے فروع کی ایک فرع اور اس کے آثار کا اثر ہے۔

جواب ۲: ممکن ہے اس نے دونوں قسمیں کھائی ہوں جنھیں مختلف طریق پر بیان کیا گیا ہے کہ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کے افعال کی ایک صفت یعنی اغواء کو اور دوسرے مقام پر اس کی ذات کی صفت یعنی عزت کا ذکر کیا گیا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مفسرین کی جماعت کا خیال ہے کہ اغویتنی میں باء سببیہ ہے یعنی شیطان نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ! جس کے سبب سے تُو نے مجھے گمراہ کیا میں اس کی اولاد کی نظروں میں گناہ سنگار کر کے دکھاؤں گا۔

ف: سعدی المفتی بھی اسی معنے کو ترجیح دیتے ہیں اور فرمایا کہ اغواء کی قسم غیر متعارف ہے اور قسمیں عرف پر موقوف ہیں فلہٰذا یہاں پر باء قسمیہ کے بجائے باء سببیہ بنانا چاہیے یعنی قاعدہ شرعیہ ہے کہ جو الفاظ قسم عرف عوام میں ہوں انہی الفاظ سے قسم کھائی جائے اور جو الفاظ غیر معروف ہوں ان سے قسم نہ کھائی جائے۔

صُوفیانہ نکتہ فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ کامل اور رہبر اکمل سے سُنا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان ذاتی کا اظہار کرتے ہوئے ادب کے لیجے میں عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا۔ اور ابلیس دولت ادب سے محروم تھا اسی لیے کہہ دیا بما اغویتنی۔ یعنی اغواء کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیا۔

ف: غوایۃ اس کے عین علمی اور شان غیبی میں ثابت تھی اس کا اس عالم میں ظہور کا تقاضا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر فرما دیا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ محال شے کو ظاہر نہیں فرماتا اور نہ ہی ایسی شے کو جو مقدر نہ ہو اسی لیے ماننا پڑے گا کہ غوایۃ بھی ازل میں عین علمی اور شان غیبی میں ثابت تھی لیکن اسے صراحۃً اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا گمراہی ہے۔

سوال: صوفیہ کرام تو صرف سعادت کو ازلاً مانتے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں: السعادۃ الازلیۃ والعنایۃ الرحمانیۃ۔ اگر غوایۃ

Scanned with CamScanner

بھی ازل سے ہوتی تو اسے بھی السعادۃ کی طرح کہا جاتا۔

جواب : پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اسے صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے اسی ادب کے پیش نظر صوفیہ کرام نے سعادت کو ازلی کہا اور شقاوت کا ذکر نہیں کیا ورنہ ہر وہ شے جو ظاہر ہونے والی تھی ہر ایک کے وجود کا مرکز اصلی وجود حق ہے۔ اس مسئلہ کو سوچ سمجھ کر یاد رکھو کیونکہ اس میں بہت باریکی ہے۔

حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش بود

ترجمہ : ہمارے شیخ نے فرمایا کہ خطا صنعت کے قلم پر نہیں چلی نظر پاک پر آفرین ہو کہ وہ خطا پوش ہے۔

وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور سب کو گمراہ کرنے یعنی غوایۃ وضلالۃ پر ابھاروں گا **اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ** سوائے تیرے مخلص بندوں کے یعنی تیرے وہ بندے جنہیں تو نے اپنی اطاعت کے لیے چن لیا اور انہیں شرک جلی و خفی سے محفوظ و معصوم فرمایا ان پر میرا فریب اور دھوکا اثر انداز نہ ہوگا اس لیے کہ وہی حقیقی اہل توحید اور اچھی بصیرت کے حامل ہیں وہ میری فریب کاریوں سے پورے طور پر آگاہ ہونے کی وجہ سے میری دستبرد سے بچ جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے عبادك المخلصين سے وہ حضرات مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے جذبات الطاف کے ساتھ حبس الوجود سے خالص کر کے انہیں اپنی ہویت میں فنا کیا۔

صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے لکھا کہ صادق اور مخلص بکسر اللام ہم معنیٰ ہیں یعنی وہ شخص جو صفات نفسانیہ کے شوائب سے مطلقاً خالص ہو۔ اور المخلص بالفتح اور الصدیق ہم معنیٰ ہیں یعنی وہ شوائب غیریت سے خالص ہو۔

ف : دوسری قسم بہ نسبت اوّل کے افضل و اعلیٰ ہے اور احاطہ کے لحاظ سے اکثر و اوسع ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ دوسرے گروہ میں شمولیت کی جدوجہد کرے ان کے ساتھ شامل ہونے کی برکت سے اغیار بلکہ تمام مصائب و مشکلات سے حفاظت نصیب ہوگی۔

نکتہ برائے صدق سچائی کی شرافت اور بزرگی کی دلیل اور کیا چاہیے جسے شیطان لعین جیسے خبیث نے بھی جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا یہاں تک کہہ دیا کہ سب کو گمراہ کروں گا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چوں سرو چمن

ترجمہ: سچائی کا طریقہ صاف پانی سے اور آزادی کا طریقہ سرو چمن سے سیکھئے۔

حدیث شریف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا کہ ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! آدم زادوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ارواح ان کے اجسام میں رہیں گی یہ بات اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم کھا کر کہی اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح قسم یاد کر کے فرمایا کہ اے ابلیس! مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ وہ جب تک مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں بھی اُن کی غلطیاں معاف کرتا رہوں گا۔

حدیث شریف دیگر مروی ہے کہ جب ابلیس کو لعنتی بنایا گیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے رب العالمین! مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بنو آدم کے قلوب پر ان کے مرتے دم تک قبضہ جماؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم کہ میں بھی ان کی موت تک توبہ کا دروازہ ان کے لیے کھلا رکھوں گا۔

نکتہ در تخلیق ابلیس اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ آدم زادوں میں امتیاز ہو جائے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا دوست کون ہے اور دشمن کون۔ ان میں سعادت مند کون ہے اور بدبخت کون۔ اس کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے تاکہ سعادت مند انہی کی اقتداء کریں اور ابلیس کی تخلیق اس لیے ہوئی کہ بدبخت اس کی اقتداء کریں۔ اس طرح سعادت مندوں اور بدبختوں کے درمیان فرق ہوگا۔

ف: اس تقریر سے واضح ہوا کہ ابلیس جہنم کا دلال ہے اور اس کا سامان دنیا ہے اور اس نے اپنا یہی سامان جب کافروں کو پیش کیا تو انہوں نے پوچھا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ تو شیطان نے کہا دینِ حق کا چھوڑنا۔ کافروں نے دین بیچ کر دنیا خرید لی لیکن زہاد نے دنیا کو سہ طلاق دے کر دین اختیار کیا اور دنیا سے رغبت والوں نے شیطان سے کہا کہ ہمیں اس کی جنس چکھائیے۔ شیطان نے انہیں کہا چونکہ تمہیں دین کی رغبت نہیں بلکہ دنیا سے محبت رکھتے ہو اس لیے چکھنے کے لیے تمہیں پہلے اپنی آنکھیں اور کان گروی رکھنے پڑیں گے۔ انہوں نے مان لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ دُنیا کا دنیا کی خبروں اور اس کی چہل پہل اور رونق سے دل لگا رہتا ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنی آنکھیں اور کان شیطان کے پاس گروی رکھے ہیں اور اس نے انہیں یہ دنیا صرف چکھنے کے لیے دی ہے اب تو یہ اہلِ دُنیا دین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور دنیا سے مکمل طور پر بہرہ مند ہیں اسی لیے یہ نہ دنیا کا عیب سن سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے قبائح دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کی چہل پہل اور رونق پر فریفتہ رہتے ہیں۔ اس وجہ سے حدیث شریف میں کہا گیا ہے،

حبك الشئ يعمى ويصم۔ محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

حکایت بعض لوگ حضرت ابو مدین کے ہاں حاضر ہوئے اور شیطان کے وسوسہ کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، ابھی تھوڑی دیر ہوئی مجھ سے شیطان چلا گیا ہے وہ تمہاری شکایت کرتا تھا۔ یعنی تم اس سے شاکی ہو اور وہ تم سے، بلکہ اس نے مجھ سے عرض کی کہ آپ اپنے مریدین معتقدین متعلقین وغیرہم سے فرمائیے کہ وہ میری دنیا کا نام نہ لیں میں ان کے دین کا نام نہیں لوں گا۔ وہ میری دنیا کے درپے آزار ہوتے ہیں تو میں ان کی آخرت کے پیچھے لگ جاتا ہوں۔

Scanned with CamScanner

ف : حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان کے چار دشمن ہیں :

① دنیا اس کا ہتھیار خلقِ خدا کا میل جول ہے۔ اگر اسے قید کرنا مطلوب ہو تو دنیا کے جیل خانہ یعنی خلقِ خدا سے علیحدگی اختیار کرو
اس لیے کہ :

السلامۃ فی الوحدۃ سلامتی تنہائی میں ہے۔

(حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے)

جامی بملک و مال جو ہر سفلہ دل منبد
کنج فراغ و کنج قناعت ترا بس است

ترجمہ : اے جامی ! ملک و مال ایک گھٹیا جوہر ہے اس سے دل لگانا اچھا نہیں تیرے لیے گوشۂ فراغت اور گوشۂ قناعت ضروری ہے۔

② انسان کا دوسرا دشمن شیطان ہے اس کا ہتھیار پیٹ بھر کر طعام کھانا ہے اسے قید کرنا ہو تو بھوکے رہو۔

؎

جوع باشد غذائے اہلِ صفا
محنت و ابتلائے اہلِ ہوا

ترجمہ : اہلِ صفا کی غذا بھوک ہے لیکن شہوت پرستوں کے لیے بھوک محنت اور دکھ درد ہے۔

③ انسان کا تیسرا دشمن اس کا اپنا نفس ہے اس کا ہتھیار نیند ہے اسے بیداری سے قید کیا جا سکتا ہے۔

؎

نرگس اندر خواب غفلت یافت بلبل صد وصال
خفتہ تا بینا بود دولت بہ بیداراں رسد

ترجمہ : نرگس غفلت میں سوتی رہی بلبل بیداری کی وجہ سے وصلِ یار سے ہمکنار ہوئی سونے والے کو کیا نصیب ہو جبکہ جاگنے والے دولت لے جاتے ہیں۔

④ انسان کا چوتھا دشمن خواہشاتِ نفسانی ہیں اس کا ہتھیار زیادہ بولنا ہے اسے خاموشی سے قید کیا جائے۔

؎

اگر بسیار دانی اندکے گوئے
یکے را صد مگو صد را یکے گوئے

ترجمہ : بہت زیادہ معلومات کے باوجود کم بیان کرو ایک کلام کو سو بار بیان کرنے کے عادی مت بنو

Scanned with CamScanner

بلکہ ہر بات کو ایسا سمیٹ لو کہ اسے صرف ایک بار کہو۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا ھٰذَا مخلصین کا تیرے اغوا سے بچ جانا صِرَاطٌ ایک حق راستہ ہے عَلَیَّ میری رعایت کی وجہ سے۔ یعنی یہ وہ راستہ ہے جس کے لیے ہمارے ذمہ کرم حق بنتا ہے کہ ہم اس کی نگرانی کریں اور اس کا ثابت ہونا ضروری اور اس کا وقوع لازم ہے۔ ہم نے عَلَیَّ کا معنی ذمۂ کرم اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب اور ضروری نہیں۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔ (خلافاً للمعتزلہ) مُسْتَقِیْمٌ ایسا سیدھا راستہ ہے کہ اس میں نہ تو ٹیڑھا پن ہے اور نہ ہی اس سے انحراف ہو سکتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ یہی راستہ خالص حق کا راستہ ہے اور یہی موصل الی اللہ ہے اس میں ٹیڑھا پن نہیں کہ جس پر چل کر گمراہ ہو جائے۔

سوال: لفظ علیٰ کی ضرورت کیا تھی جب اللہ تعالیٰ پر واجب بھی کوئی شے نہیں اس کے بجائے کوئی اور حرف مثلاً الیٰ لایا جاتا۔

جواب: لفظ علیٰ سے استقامت یعنی راستے کے مستقیم ہونے کی تاکید مطلوب تھی اور واضح کرنا تھا کہ جو بھی اس راہ پر چل رہا ہے وہ لازماً منزلِ مقصود پر پہنچے گا جیسے کوئی کسی شے پر سوار ہو کر اسی شے پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے ایسے ہی اس راہ پہ چلنے والا اپنی راہ پر گویا قدرت رکھتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ اس میں بندے کو مقصود پہ کامیابی کی خوشخبری دی گئی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی شے کے وجوب کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ عِبَادِیْ بیشک میرے وہ بندے جن کے متعلق پہلے تصریح کی گئی ہے کہ وہ مخلصین ہیں وہ اس لائق ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب (مضاف) ہوں اس لیے کہ وہ اپنے ایمان میں مخلص اور اپنے وجود سے بالکل فارغ ہو کر فنا سے وجود حق میں فانی ہیں اور انہیں ماسوی اللہ سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ اے شیطان! تجھے ان کے دلوں پر سُلْطٰنٌ کسی قسم کا تسلط نہیں اور نہ ہی تو ان پر کسی قسم کا تصرف کر کے انہیں گمراہ کر سکتا ہے۔

شیطان کی کہانی اس کی اپنی زبانی

شیطان ابلیس سے کسی نے دریافت کیا کہ تم ابو مدین (ولی کامل) کو گمراہ کرنے میں کس حد تک کامیابی کی امید رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا ہمارا انہیں گمراہ کرنا ایسے ہے جیسے بحر محیط میں پیشاب کیا جائے۔ یعنی ہم اپنی عادت پہ مجبور ہو کر اگر انہیں کچھ کہتے بھی ہیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا، جیسے بہت بڑے دریا میں اگر پیشاب کر دیا جائے تو دریا کا کیا بگڑتا ہے یا جیسے سورج کے انوار کو پھونکوں سے بجھایا جائے۔ یعنی جیسے انوارِ شمسی کو پھونکوں سے بجھانے والا ایک احمق اور پاگل سمجھا جاتا ہے ایسے ہی حضرت ابو مدین رضی اللہ عنہ کو گمراہ کرنے والے کو ہم اپنی برادری (شیطانوں) میں اسے پاگل اور مجنون سمجھتے ہیں۔ کذا فی اسئلۃ الحکم۔

ولی کامل شیطان سے بے خبر

کسی نے اللہ والے سے پوچھا کہ آپ کو جب شیطان بہکاتا ہے تو آپ اس کے

ساتھ کیا کارروائی کرتے ہیں ؟ انہوں نے فرمایا ہمیں کیا معلوم کہ شیطان کیا بلا ہے ہم نے تو جب سے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی ہو۔
اس وقت سے ہمیں سوائے حق کے کسی چیز کی خبر ہی نہیں۔ مندرجہ ذیل قطعہ ہمارے حال پر دلالت کرتا ہے ؎

([illegible])

تسترت عن دھری بظل جنابہ
فعینی تری دھری و لیس یرانیا
فلو تسأل الایام ما اسمی مادرت
و این مکانی ما عرفنا مکانیا

ترجمہ : اس نے اپنی جناب میں ہمیں ایسا چھپایا ہے کہ نہ میری آنکھ زمانے کو دیکھتی ہے اور نہ ہی وہ نظر آتا ہے اگر مجھ سے کوئی میرا نام مکان پوچھے تو میں کہوں گا کہ مجھے نہ نام آتا ہے اور نہ مجھے اپنے مکان کی خبر ہے۔

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ مگر وہ لوگ جو تیری تابعداری کریںگے ان کو تُو گمراہ کر سکے گا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ شیطان جنہیں گمراہ کرتا ہے وہ اس معنے پر نہیں کہ سلطان یعنے قہر و غلبہ ہے بلکہ اس معنے پر ہے کہ وہ لوگ شیطان کی تابعداری کرنے سے گمراہ ہوں گے اور وہ بھی غلط طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے۔ جس پر شیطان کو انھیں وسوسہ میں ڈالنے کا موقع مل جائے گا۔ اسی کو شیطان اپنے لیے سلطان کا تصرف یا قہر و غلبہ سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی اسے تزیین کہتا ہے۔

سوال : اس آیت سے تو صراحۃً واضح ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بعض اولیاء کرام پر شیطان کا تسلط ناممکن ہے حالانکہ شیطان کا حملہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ثابت ہے اسی طرح بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کیلیے بھی۔

جواب : شیطان اپنی عادت سے مجبور ہے اس نے اگرچہ حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کے حملوں سے محفوظ رکھا اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی۔ بلکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہوگیا تھا (بخلاف دوسرے انسانوں کے کہ ان کا شیطان کافر ہی رہتا ہے)۔

اعجوبہ

ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان نے حملہ کیا تو آپ نے اس کے گلے میں چادر کا پھندا ڈال کر گرفتار کر لیا حتیٰ کہ اسے حضور علیہ السلام سے معافی مانگنی پڑی اور آپ نے شانِ رحمۃ للعالمینی کے پیشِ نظر اسے معاف فرما کر چھوڑ دیا اور شیطان کا حضور علیہ السلام پر حملہ کرنے کا حال ایسے ہے جیسے پروانہ چراغ کی روشنی پر حملہ کرتا ہے تو آگ سے جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

وسوسۂ شیطانی ایمان کی علامت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری اور اہلِ کتاب کی نماز میں یہی فرق ہے کہ ہماری نمازوں میں شیطان وسوسہ

Scanned with CamScanner

پاتا ہے اور ان کی نمازوں میں نہیں ڈالتا اس لیے کہ انھیں جب کفر جیسی لعنت میں مبتلا کر چکا ہے تو اب ان کے دوسرے اعمال میں وسوسہ ڈال کر کیا کرے گا۔ جب کوئی اس کی کارکردگی سے موافقت کر لیتا ہے یعنی جب کوئی کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب تو میرے وسوسے سے محفوظ ہو گیا کیونکہ تو نے میرے ساتھ موافقت کر لی ہے۔ لیکن اہلِ ایمان سے اس کی ہر وقت لڑائی رہتی ہے کیونکہ مومن شیطان کے مشن کے مخالف ہیں اور مخالف سے لڑائی لازمی امر ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث شریف ان الشیطان یوسوس لکم ما لو تکلمتم بہ کفرتم فعلیکم بقرأۃ قل ھو اللہ احد۔

شیطان تمہارے دل میں ایسے گندے وسوسے ڈالتا ہے اگر تم اسے زبان پر لاؤ تو کافر ہو جاؤگے اسی لیے تم پر لازم ہے کہ جب وہ تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے وسوسہ ڈالے تو تم پڑھ لیا کرو قل ھو اللہ احد۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر دلپذیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) میرے شیخ کامل و مرشد اکمل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عباد الرحمٰن سے علماء باعمل اور صلحاء اکمل مراد ہیں۔ الذین یمشون علی الارض ھوناً و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الآیہ) یعنی وہ لوگ ہیں کہ وہ جب زمین پر چلتے ہیں تو وقار سے، اگر انھیں جاہل لوگ بکتے ہیں تو وہ انھیں سلامتی کی دعا سے نوازتے ہیں۔ یہی حضرات ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان عبادی لیس لک علیھم سلطان اور علماء بے عمل اور فساق جاہل وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں تو تکبر اور رعونت سے۔ اور جب ان سے علماء باعمل کوئی بات کرتے ہیں تو وہ انھیں سخت اور فحش کلام سے جواب دیتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے حق میں کہا گیا ہے الا من اتبعک من الغاوین۔

سبق: اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایسے علم خبیث سے بچو جو خبیثوں کو نصیب ہوا۔ یعنی خبیث علم سے اجتناب سے یہ مراد ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰت، اور اے قلبِ سلیم والو! علم طیب (پاکیزہ) حاصل کرو یعنی علم کے مطابق عمل کرو۔ اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے، الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات، علم پر عمل کرنے والے حضرات راشدین مہدیین ہیں تم بھی ان کے زمرہ میں شریک ہو کر کامیابی حاصل کروگے۔ دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی سدھر جائے گی جب تمہارے قلوب کو علم نافع اور عملِ صالح حاصل ہو۔

ف: جمیع علوم سے نافع تر علمِ الٰہی (تصوف) ہے جو تجلی الٰہی و فیض رحمانی و الہام ربانی سے نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تاکید آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ میں بار بار کی گئی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ علم اس تجلی رحمانی و فیضِ ربانی اور الہامِ یزدانی سے اس وقت تک نصیب نہیں ہوتا جب تک شریعتِ مطہرہ کے مطابق طبیعت کی اصلاح نہ کی جائے طریقت کے موافق نفس کا تزکیہ نہ کیا جائے اور جب

قلب کی صفائی اور فنا کو معرفت سے جلا نصیب نہ ہو۔ اسی طرح جب رُوح و سِر کا تصفیہ حقیقت کے ذریعے سے ہو تب کہیں مکمل و اکمل توحید کی دولت نصیب ہوگی۔ ان اصولوں کی پابندی سے اشمل التجرید و افضل التفرید ہی نہیں بلکہ جمیع ماسوی اللہ کا ترک بھی نصیب ہوگا۔ حتیٰ کہ طلب و قصد و توجہ ماسوی اللہ یعنی شغلیات فانیہ بالکل دل سے محو ہو جائیں گی۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کی طرف جاؤ۔ یاد رہے کہ یہ مقام مخصوص سابقون کو نصیب ہوا، یہی لوگ مقربین حق کہلاتے ہیں۔ انتہیٰ کلام الشیخ فی اللائحات البرقیات۔
حضرت جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا:

از عالم صورت کہ ہمہ نقش خیالست
رہ سوے حقیقت نبری در چہ خیالی

ترجمہ: اس عالم ظاہری میں تمام نقوش صرف خیالی ہیں جب تک حقیقت کی طرف نہ جاؤ گے تو یہ سمجھو کہ خیالی نقوش میں مبتلا ہو۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ اور بیشک جہنم۔ یہ لفظ فارسی الاصل اور معرب ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے رکیۃ جھنام یعنی وہ گڑھا جس کی گہرائی لاانتہاری ہو۔ گویا فارسی میں اس کا ترجمہ ہے: چہ نم۔

ف: تفسیر الفاتحۃ للفناری میں مرقوم ہے کہ جہنم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے بئرِ جھنام اس کنویں کو کہا جاتا ہے جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہ ہو۔

ف: جہنم کی گہرائی پچھتر سو سال کی مسافت ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے یہی دوزخ بڑی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں کے لیے یہی جیل خانہ بنایا ہے (نعوذ باللہ منہا بجاہ حبیبہ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

لَمَوْعِدُهُمْ شیطان کے متبعین کے وعدہ کی جگہ یعنی انکا مرجع اَجْمَعِيْنَ سب کا۔ یہ هُمْ ضمیر کی تاکید اور اس کا حال اس کی اضافت ہے موعد اس کا عامل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ اسم مکان ہے اور اسم مکان عامل نہیں ہوتا لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اس جہنم کے سات دروازے ہیں انہی دروازوں سے جہنمیوں کو داخل کیا جائے گا وہ دروازے ایک دوسرے کے اوپر نیچے طبقات کے مطابق ہیں ہر طبقے کا علیحدہ دروازہ ہے لِكُلِّ بَابٍ ہر دروازہ کھلا ہوا ہے یعنی طبقات کے مطابق ہر طبقے کا دروازہ ہے مِّنْهُمْ شیطان کے متبعین میں سے یہ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ سے حال ہے یعنی ہر ٹکڑا تقسیم شدہ ہے اور ہر طبقہ کے مطابق جدا جدا ہے جس کی جس طرح کی استعداد ہوگی اسی کے مطابق اسی دروازہ سے اسے داخل کیا جائے گا۔ طبقۂ اولیٰ ان مسلمان گنہگاروں کے لیے ہے جو معاصی اور جرائم کی سزا پائیں گے۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ جہنم کا طبقہ علیا خالی رہے گا وہ اس لیے کہ یہ طبقہ اہلِ ایمان گنہگاروں سے مختص ہے لیکن چونکہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا اسی لیے وہ طبقہ خالی پڑا رہے گا۔ باقی طبقات کفار و مشرکین سے پُر ہوں گے۔

Scanned with CamScanner

ف : جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان یعنی معرفتِ الٰہی ہوگی اسے جہنّم سے نکال لیا جائے گا۔

رمز صاحبِ روح البیانؒ برائے شیخ اکبر قدس سرّہٗ

(صاحبِ روح البیانؒ نے فرمایا کہ) شیخ اکبر قدس سرّہٗ کے ارشاد مذکور کا ایک مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ دُوسرا مطلب اور بھی ہے لیکن چونکہ وہ ایک راز ہے جو صرف اہلِ عرفان جانتے ہیں اسی لیے اسے ظاہر کرنا مناسب نہیں۔

ف : ○ طبقۂ اُولیٰ اہلِ ایمان گنہگاروں کے لیے جو بعد کو بالکل خالی رہے گا۔

○ طبقۂ ثانیہ یہودیوں کے لیے

○ طبقۂ ثالثہ نصاریٰ کے لیے

○ طبقۂ رابعہ صابئین (ستارہ پرستوں) کے لیے

○ طبقۂ خامسہ مجوس کے لیے

○ طبقۂ سادسہ مشرکین کے لیے

○ طبقۂ سابعہ منافقین کے لیے ہے۔

ف : اہلِ علم کا نار کے طبقات کی ترتیب میں اختلاف ہے اکثر اہلِ علم کا خیال ہے کہ

○ پہلے طبقے کا نام جہنّم ہے۔ اس کے مابعد طبقات میں بدستور اختلاف ہے کما فی حواشی سعدی چلپی المفتی۔

ف : جہنّم کی وجہ تسمیہ ہم نے بیان کر دی ہے۔

○ دوسرے طبقے کا نام لظیٰ ہے۔ وہ اس لیے کہ لظیٰ آگ کی شدت کو کہا جاتا ہے۔

○ تیسرے طبقے کا نام ہے الحطمة ہے یعنی روندنے والی (چونکہ اس میں داخل ہونے والے آگ کی سختی سے چکنا چور ہو جائیں گے اسی لیے اسے حطمہ کہا جاتا ہے)

○ چوتھے طبقے کا نام السعیر یعنی سخت شعلوں والی ہے (اس کے شعلے بہت سخت ہوں گے، اس لیے اس نام سے موسوم ہوا)

○ پانچویں کا نام سقر ہے یعنی سخت بھڑکنے والی (چونکہ اس کے شعلے سخت بھڑک اُٹھنے والے ہیں اس لیے اسے سقر کہا جاتا ہے)

○ چھٹے کا نام الجحیم ہے یعنی سخت گہرائی والی۔

○ ساتویں کا نام الہاویة ہے یعنی اپنے نچلے حصے میں دبا دینے والی۔ (چونکہ جو بھی اس کے اندر ڈالا جائے گا وہ فوراً اس کی تہہ میں چلا جائے گا اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اللھم اجرنا من النار بجاہ النبی سیّد الابرار صلی اللہ علیہ وسلم)

ف : بحر العلوم میں ہے ان ساتوں طبقات جہنّم میں وہ داخل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ان ساتوں اعضاء سے نافرمانی کرتا ہے۔

① آنکھ ② کان

④ زبان ④ پیٹ
⑤ فرج ⑥ پاؤں
⑦ ہاتھ

ان اعضا اور جہنم کے طبقات کی بہتر ترتیب وہی ہے جو فتوحات شریف میں درج ہے۔ اعضاء کی ترتیب یہ ہے۔

① سمع ② بصر
③ لسان ④ دونوں ہاتھ
⑤ دونوں پاؤں ⑥ فرج
⑦ بطن

یہی اعضا ابواب جہنم کے طبقات کے مراتب ہیں جو شخص ان اعضاء کو مناہی (برائیوں) سے محفوظ رکھتا ہے وہ جہنم کے طبقات سے بچ جائے گا ورنہ انہی اعضاء کی خرابیوں سے جہنم میں جانا پڑے گا سے

ہفت در دوزخند در تن تو
ساختہ نقششان در و در بند
بین کر در دست تست قفل امروز
در ہر ہفت محکم اندر بند

ترجمہ: تیرے جسم میں سات دوزخ ہیں انھیں تیرے جسم میں منقش کیا گیا ہے آج اس کا تالا تمہارے ہاتھ میں ہے اس لیے ان ساتوں دروازوں کو مضبوطی سے بند کر لو (ورنہ پچھتاؤ گے)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وان جہنم سے بُعد و فراق کی سزا مراد ہے کہ عُشاق کو ہجر و فراق کی آگ سے جلایا جائے گا۔ لموعدهم اجمعين لها سبعة ابواب یعنی اس بُعد و فراق کے اسباب سات اعمال ہیں:

① حرص ② شرہ (لالچ) ③ حقد (کینہ) ④ حسد ⑤ غضب ⑥ شہوت ⑦ تکبر

لکل باب یعنی ابلیس کے تبعین یعنی نفس امارہ کے اوصاف سے موصوفین کے لیے جزء مقسوم مقرر کردہ حصہ ہے یعنی نفس کے جس قدر اوصاف سے موصوف ہو گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے بعید ہو گا۔

ف: دوزخ کے سات دروازے اور اس کے طبقات اُوپر نیچے ہیں اور بہشت کے آٹھ دروازے ہیں اس کے بھی مختلف درجات بلندی و پستی میں مقرر کیے گئے ہیں اس لیے کہ بہشت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور فضل میں زیادہ کرنا بھی اس کا کرم ہے اور دوزخ سزا ہے اور سزا میں زیادہ کرنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔

Scanned with CamScanner

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ۝ اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ
مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ
نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝ وَنَبِّئْهُمْ
عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ؕ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ۝
قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ۝ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلٰى أَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ
فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِينَ ۝ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ
مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّآلُّونَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا
أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ إِلَّا اٰلَ لُوطٍ ؕ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا امْرَأَتَهُ
قَدَّرْنَا ۙ إِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِينَ ۝

ترجمہ: بے شک پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (حکم ہوگا) ان میں سلامتی سے امن والے ہوکر داخل ہوجاؤ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے پر جو کینے تھے ہم سب کھینچ لیں گے اور آپس میں بھائی بھائی ہوکر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ نہ انھیں اس میں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ میرے بندوں کو خبر کردو کہ صرف میں ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں اور بے شک میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے اور انھیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا حال سناؤ جب وہ اس کے پاس آئے تو عرض کی السلام علیکم۔ فرمایا ہمیں تم سے ڈر محسوس ہوتا ہے انہوں نے عرض کی مت ڈرو ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں فرمایا کیا اس کی خوشخبری دیتے ہو کہ مجھے بڑھاپا آگیا ہے تو پھر مجھے کاہے کی خوشخبری دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے آپ ناامیدوں سے نہ ہوں۔ فرمایا کہ گمراہوں کے سوا اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے اور کون ناامید ہوسکتا ہے۔ فرمایا اے رسولو! تو پھر تمہارا کیا کام ہے۔ عرض کی ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں سوائے لوط علیہ السلام کے پیروکاروں کے کہ ان سب کو ہم بچالیں گے مگر اس کی بیوی کہ ہم اس کے لیے مقدر کرچکے ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔

(بقیہ ص ۸۰)

ف: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اذان کے سات اور اقامت کے آٹھ کلمات ہیں جو شخص محض رضائے الٰہی کے لیے اذان و اقامت پڑھتا ہے اس پر جہنم کے دروازے بند اور بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے۔

Scanned with CamScanner

ف : جہنم میں سخت ترین عذاب ابلیس کو ہو گا اس لیے کہ شرک کی بنیاد اسی نے رکھی بلکہ ہر برائی کا سرچشمہ ابلیس لعین ہے۔ اسی لیے اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور چونکہ اس کی اصل تخلیق آگ سے ہے اس لیے اسے زمہریر یعنی آگ کے برعکس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ اتقا تین قسم ہے،

۱۔ اتقا عن محارم اللہ با وامر اللہ

۲۔ اتقا عن الدنیا و شھواتھا بالآخرۃ و درجاتھا

۳۔ اتقا عما سوی اللہ باللہ و صفاتھا

یعنی پہلا عوام کا اتقا ہے، دوسرا خواص کا، تیسرا اخص الخواص کا۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ یعنی متقین باغات اور چشموں میں ٹھہرنے والے ہیں یعنی ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بہشت اور چشمہ نصیب ہوگا۔ جیسا کہ قاعدہ عربیہ کا تقاضا ہے کہ جمع جمع کے یا استغراق کے بالمقابل ہو تو مجموعی طور پر ہر فرد علیحدہ علیحدہ مراد ہوتا ہے۔ یا یہ معنی ہے کہ ہر فرد کے لیے وہ دونوں تیار کیے گئے ہیں۔ اسی معنے پر یہ الف ولام استغراق افرادی ہوگا۔

ف : کاشفی میں لکھا ہے کہ بہشت کے چشمے چار چیزوں سے رواں دواں ہوں گے:

① دودھ

② شراباً طہورا

③ شہد

④ ٹھنڈا اور میٹھا پانی

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہلِ اتقا آخرت میں باغات اور چشموں میں ایسے قرار پائیں گے جیسے دنیا میں پاتے تھے وہ اس لیے کہ ان کو دنیا کے اسباب سے حاصل کیا تھا۔ اس کی نظیر کفار کی سزا ہے۔ چنانچہ ان کے حق میں بھی اسی طرح فرمایا کہ،

ان الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا۔

یعنی جہنم کے انگارے ان کے پیٹ میں اسی لیے ڈالے جائیں گے کہ یتامیٰ کے اموال کھانے کا سبب دنیا میں یہی پیٹ بنا۔

اُدْخُلُوْهَا یعنی فرشتوں کے ذریعے انہیں کہا جائے گا۔ یعنی جب اہلِ اتقا بہشت کے دروازے پر پہنچیں گے یا ایک بہشت سے دوسری بہشت کی طرف متوجہ ہوں گے تو انہیں فرشتے کہیں گے اے متقیو! انہی بہشتوں میں داخل ہو جاؤ حالانکہ تم متلبس ہو۔ بِسَلٰمٍ سلام کے ساتھ۔ یعنی اب تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پہنچیں گے۔ یاد رہے

ہر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے بندے کو جذباتِ الٰہیہ سے نوازا جائے گا۔ کذافی التاویلات النجمیہ۔

اٰمِنِیْنَ در انحالیکہ تم امن و سلامتی سے درکنار ہو گے۔ یہ دوسرا حال ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین وصول الی اللہ کے موانع اور وصول کے بعد خوف سے امن و سلامتی میں ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیر الی اللہ سوائے اللہ تعالیٰ کی مدد کے محال ہے۔ جب تک بندے کو جذباتِ الٰہیہ نصیب نہ ہوں وہ واصل باللہ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ میں ٹھہر گئے۔ لیکن آگے کا سفر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جذباتِ الٰہیہ کے ذریعے سے کیا۔

چناں گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند

قاب قوسین کے مقام پر رفرف نے چھوڑا تو او ادنیٰ کے مقام پر قربِ الٰہی کا نہایت اعلیٰ مقام ہے۔ "ادنُ منی یا حبیب" کے جذباتِ الٰہیہ سے پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے امن و سلامتی کا یہی مطلب ہے کہ بندے کو دخول کے بعد سے موانع امن و سلامتی سے نہ کوئی شے مانع ہو اور نہ وصول کے بعد خروج ہو۔

وَنَزَعْنَا اور ہم نکالیں گے **مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ** جو کچھ بہشتیوں کے سینوں میں ہوگا **مِنْ غِلٍّ** کینے سے۔
یعنی وہ جو آپس میں ایک دوسرے سے دنیا میں کسی وجہ سے دشمنی رکھتے تھے وہ آخرت میں ختم ہو جائے گی۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

شیعہ کا رد قیامت میں میں، عثمان، طلحہ اور زبیر (امیر معاویہ) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) انہی سے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کینہ بھی نفسِ امارہ کے اوصافِ ذمیمہ اور بشریت کے صفات سے ہے۔ اس کا

مسئلہ صوفیانہ نفوس انسانی سے نکلنا محال ہے ہاں جس سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نکال لے۔ جس سے اللہ تعالیٰ غل و غش نہ نکالے تو اس کے لیے بہشت میں دخول کے باوجود خروج کا خوف رہے گا جیسے حضرت آدم علیہ السلام تزکیہ نفس کے بغیر اور صفات ذمیمہ کو اپنے سے نکالے بغیر بہشت میں داخل ہوئے تو بہشت سے اس غل و غش کی وجہ سے نکالے گئے جو اسی نفس امارہ اور بشریت کے اوصاف میں سے ایک تھی۔ اسی لیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وعصیٰ اٰدم ربہ۔ اس کے بعد ان کے حق میں فرمایا ثم اجتباہ ربہ۔ اس کے باوجود بھی آدم علیہ السلام سے جب تک توبہ کی وجہ سے یہ غل و غش نہیں نکالی وہ بہشت میں داخل نہیں ہوئے۔

ف: خیر دحق کہتا ہے کہ غل و غش بعض خوش قسمت لوگوں سے دنیا میں نکالی جاتی ہے۔ یعنی اوصافِ قبیحہ سے نفس کا تزکیہ اور اخلاق رذیلہ سے قلب کی صفائی کی جاتی ہے جیسے اولیاء کاملین کو حاصل ہوا۔ اور بعض سے آخرت میں

Scanned with CamScanner

جیسے ناقص انسانوں کی کیفیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صاف قلوب والوں سے بنائے۔ آمین۔

اِخْوَانًا بھائی بھائی یہ جنات کی ضمیر سے حال ہے۔

ف : کاشفی نے فرمایا کہ جب بہشتی بہشت میں آ جائیں گے تو آپس میں بھائی بھائی ہو کر گزاریں گے کسی کی کسی کے ساتھ مخالفت نہ ہوگی۔ اور گزشتہ را صلوٰۃ کہہ دیں گے۔

شانِ نزول اس آیت میں لفظ اخوانا کے اضافہ کے متعلق مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی۔ اسی لیے انہیں بھائی بھائی کہا گیا کہ دنیا میں اگرچہ ان کا آپس میں تھا اختلاف رہا لیکن بہشت میں بھائی بھائی ہوں گے (لیکن شیعہ پارٹی کا تعصب دیکھیے کہ ان میں اختلاف نہ ہونے کے باوجود بھی ان کا اختلاف ظاہر کرتے ہیں) عوام اہلِ ایمان کے لیے بھی اسی طرح ہوگا۔

نکتہ فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان آپس میں مخاصمت وغیرہ ہوئی لیکن تاہم وہ معارف و علوم کے لحاظ سے متفق و متحد بلکہ بھائی بھائی تھے اور دنیاوی جھگڑے اور اختلاف کی وجہ سے آخرت میں مراتب و درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کم نہ ہوں گے۔

عَلٰی سُرُرٍ بھائی بن کر تختوں پر بیٹھے نظر آئیں گے اور سب کے تخت جواہر سے مرصع ہوں گے۔ **مُّتَقٰبِلِیْنَ** آمنے سامنے۔ یعنی ایک دوسرے کو پیٹھ دیے ہوئے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے بالمقابل چہرے نظر آئیں گے۔

مسئلہ : دنیا میں اختلافات کے باوجود ایک دوسرے سے حسد و بغض اور عداوت و کینہ سے مبرا تھے۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کے چہرے فرحت و سرور سے بھر جائیں گے جیسے ایک مہجور دوست کی عرصہ کے بعد ملاقات میسر آتی ہے تو خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ایسے ہی ان کی حالت ہوگی اور اپنے جمیع احوال میں ایک دوسرے کے موافق ہوں گے صرف اس لیے کہ دنیا میں بظاہر ان میں اختلافات ہوئے لیکن اس وقت ان کے دل آپس میں صاف تھے۔

لَا یَمَسُّھُمْ انہیں نہیں پہنچے گا **فِیْہَا** بہشت میں **نَصَبٌ** کوئی دکھ اور رنج و مشقت، اس لیے کہ بہشت عیش و عشرت اور راحت و فرحت کا گھر ہے پھر اس میں رنج و مشقت کیسی۔ نصب کی تنکیر بھی تعلیل ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ نصبٌ بمعنے تعبٌ ہے یعنی کسی شے کے حاصل کرنے کے لیے انہیں کسی قسم کی تکلیف اور مشقت نہیں اٹھانی پڑے گی جیسے دنیا میں کسی شے کے حصول کے لیے کئی طرح کے حیلے کرنے پڑتے ہیں یا اس کے لیے کم یا زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ بہشت میں ایسے نہیں ہوگا بلکہ وہاں ہر شے فراوان اور بلا تکلف میسر ہوگی۔ ادھر بہشتی کو خیال آئے گا ادھر شے تیار ملے گی۔

وَمَا ھُمْ مِّنْھَا بِمُخْرَجِیْنَ اور وہ بہشت سے نکالے بھی نہیں جائیں گے بلکہ ابدالآباد تک اس میں اقامت پذیر رہیں گے کیونکہ کامل نعمت وہی سمجھی جاتی ہے جو دائمی ہو۔

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لا یمسہم فیھا نصب یعنی کسی کی بہشت میں بلندیٔ درجات دوسرے کو حسد میں نہیں ڈالے گی بلکہ جو کوئی جس درجہ میں ہوگا اسی پر خوش ہوگا اور وہ اسی میں مقیم ہوگا ! اسے نہ تو نکال کر نیچے والے درجے پر مجبور کیا جائے اور نہ ہی اوپر والے درجے پر پہنچایا جائے گا بلکہ وہ اپنے درجے پر راضی ہوگا ' اسی لیے کہ اس وقت حسد کی جڑ کاٹ دی جائے گی ۔

پاک و صافی شو از چاہ طبیعت بدر آ تے
کہ صفائی ندہد آب ترُاب آلود

ترجمہ : پاک و صاف ہو جاؤ اور طبیعت کے کنوئیں سے باہر آ جاؤ اس لیے کہ جس پانی میں مٹی ہو وہ صاف نہیں ہوتا۔

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلا زمرہ جو بہشت میں داخل ہوگا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکدار ہوں گے اس میں نہ وہ تھوکیں گے نہ کھنکار ڈالیں گے اور نہ ہی پاخانہ کریں گے ۔ بہشت میں سب کے برتن سونے کے ہوں گے اسی طرح ان کی کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اور ان کی ہانڈیاں خوشبودار اور ان کے پسینے مشک کی طرح ہوں گے ہر ایک کی دو حوریں ہوں گی جن کے حُسن کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں کی ہڈیاں گوشت میں سے نظر آئیں گی یعنی ان کی سفیدی اور نمکینیٔ طبع سے حُسن نکھرا ہوا ہوگا لیکن باوجود اس کے ایک کو دوسرے پر حسد نہ ہوگا اور نہ ہی بغض و عداوت ، بلکہ ہر صبح و شام تسبیح و تہلیل میں منہمک رہیں گے ۔ (رواہ البخاری)

ف : فتح القریب میں مرقوم ہے کہ وہاں کی تسبیح و تہلیل اندازوں پر ہوگی یعنی دنیا کی صبح و شام کے مقدار ، ورنہ وہاں نہ صبح نہ شام ۔ نہ دن نہ رات ۔ اس لیے کہ یہ اوقات لیل و نہار کے اختلاف سورج اور چاند کی گردش سے ہوتے ہیں اور وہاں نہ اختلاف اللیل و النہار اور نہ شمس و قمر ۔

ف : قرطبی نے فرمایا کہ بہشت کی تسبیح و تہلیل متکلفانہ اور بطریق وجوب نہیں ہوگی اس لیے کہ بہشت میں تکلیف اور وجوب کہاں ۔ کیونکہ وہ توجزا کا مرکز ہے البتہ بطریق الہام و تیسیر ہوگا ۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تسبیح و تہلیل و تکبیر ان کے دلوں پر الہام فرمائے گا ایسے جیسے ہیں دنیا میں مختلف خیالات دل میں گزرتے ہیں وہاں تصورات و خیالات ہوں گے لیکن وہ تصورات و خیالات یہی تسبیح و تہلیل و تکبیر ہوگی ۔

نکتہ اس تسبیح و تہلیل نفس کے خیالات و تصورات سے تشبیہ میں یہ نکتہ ہے کہ نفس میں یہ خیالات بلا تکلف ابھرتے ہیں اور ان کے بغیر چارہ ہی نہیں اور نہ ہی انسان انہیں دُور کر سکتا ہے اسی طرح بہشت میں اس قسم کے تصورات و خیالات (تسبیح و تہلیل و تکبیر) بلا تکلف دل پر گزریں گے ۔

نکتہ چونکہ آخرت میں بندوں کے قلوب انوارِ الٰہی سے معمور اور آنکھیں دیدارِ الٰہی کی دولت سے مسرور ہوں گی ۔ اسی لیے اب نعمتِ الٰہی کی یاد اور اس کی ۔ ۔ ت کے سوا اور کیا تصور ہو سکتا ہے ۔ اسی لیے زبانیں ذکر میں مشغول اور قلب اس کے تصور میں

Scanned with CamScanner

مسرور ہوں گے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اسی کا ذکر ہوتا ہے اور اسی کا فکر۔

تفسیر عالمانہ نَبِّئْ عِبَادِیْ میرے بندوں کو خبر دو اور انھیں جتلا دو کہ اَنِّیْٓ بے شک میں اَنَا صرف میں یہ مسند کو مسند الیہ پر قصر کی وجہ سے کہا گیا ہے الْغَفُوْرُ بخش دیتا ہوں اسے جو بخشش کا طالب ہو الرَّحِیْمُ اور بخشتا ہوں اسے جو گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ یعنی ان کے عیوب کی ستاری اور ان کے ذنوب کی غفاری اور ان کی توبہ کو قبول صرف میں اکیلا کرتا ہوں اور انھیں نعمتوں سے مالا مال صرف میں کرتا ہوں۔ میرے سوا ان امور کا اہل کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وَ اَنَّ عَذَابِیْ اور بے شک میرا عذاب صرف اس کے لیے ہے جو گناہ کرتا ہے اور نہ ہی توبہ سے منحرف ہے بلکہ بغاوت کر کے مجھ سے منہ موڑتا ہے هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ تو اس کے لیے میرا عذاب دردناک ہے۔ یہ بھی پہلے جملے کی طرح ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے فرمایا کہ انھیں خبر دیجیے کہ اگر کسی شے کا نام عذاب ہے تو وہ صرف میرا ہے۔ اور کسی کو عذاب دینا نہیں آتا۔ اگر کوئی کسی کو عذاب دیتا ہے تو وہ عذاب نہیں۔ اگر ہے تو وہ صرف میری طرف منسوب ہے۔

نکتہ جیسے مغفرت و رحمت کو صراحۃً اپنی صفت بتلایا یہاں عذاب میں اپنی صفت کو صراحۃً نہیں فرمایا۔ مثلاً فرمایا انا المعذب المولم صرف اس لیے کہ بندوں کو معلوم ہو مغفرت و رحمت اللہ تعالیٰ کی ذات کا تقاضا ہے لیکن عذاب کرنا اس کا ذاتی تقاضا نہیں بلکہ عذاب کسی خارجی وجہ سے متحقق ہوتا ہے اور وعدہ لطف کو ترجیح دیتا ہے اور صفت عفو سے اسے پیار ہے (وغیرہ وغیرہ) ص

گرچہ جرم من از عدد بیش است
سبقت رحمتے ازاں بیش است
چہ عجب گر عذاب ننماید
بر گنہ پیشگاں بخشاید

ترجمہ: اگرچہ میرے گناہ گنتی سے باہر ہیں لیکن تیری رحمت اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کیا عجب کہ تو کریم گناہ پر سزا دے بلکہ گناہوں سے پہلے ہی بخش دیا جاؤں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو حضرات عبودیت سے مخصوص ہیں حقیقۃً وہ خالص مخلص (احرار) بندے ہیں کہ انھیں ماسوی اللہ کی عبودیت سے آزادی حاصل ہے۔ نہ انھیں خواہش نفسانی ستاتی ہے نہ وہ دنیوی امور سے پریشان ہوتے ہیں اور نہ ہی عقبیٰ و آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ یہی حضرات صفات لطف و رحمت کے مظہر ہیں۔ اور عذاب ہر اس شخص کو ہوگا جو خواہشِ نفسانی اور دنیا فانی اور ماسوی اللہ کا پجاری ہے۔ ایسے لوگ صفات قہر و عزت جلال کے مظہر ہیں۔

دوسری تقریر صوفیانہ سیرالی اللہ والے سیاحوں کی سیر اور اسی طرف پرواز کرنے والوں کی پرواز بوائے عبودیت اور

Scanned with CamScanner

فضائے ربوبیت میں ہوتی ہے۔ اور یہ لوگ ایسی سیر میں خوف و رجاء کے قدموں پر چلتے اور انس و ہیبت کے پروں پر مستقل طور پر اڑتے ہیں یعنی اسی سیر میں زیادتی و کمی سے ہٹ کر پرواز کرتے ہیں۔

حکایت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کی ایک مقام پر ملاقات ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام کے سامنے ہنسے یحییٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ آپ کی ہنسی پر مجھے تعجب ہے کیا آپ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ آپ کو میں غمگین پاتا ہوں کیا آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہیں۔ دونوں نے یہی مشورہ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کا انتظار کریں جو حکم ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی پیغام بھیجا کہ آپ دونوں میرے محبوب ہیں کیونکہ آپ دونوں کو میرے ساتھ نیک گمان ہے۔ لیکن مجھے خوش چہرہ اور ہنستا رُخ زیادہ پسند ہے جبکہ اسے میری رحمت سے وابستگی ہے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ہر وقت مغموم دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے الٰہ العٰلمین! میں نے تجھ سے بچہ مانگا تھا راحت کے لیے۔ اب اس کے غم سے بھی میں غمگین ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ آپ نے مجھ سے ولی مانگا تھا اور آپ کو ولی مل گیا ہے اور ولی اس طرح ہوتے ہیں۔

ف: حضرت مسروق نے فرمایا کہ خوف امید سے پہلے ہونا چاہیے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کو ایسے مقام پر بنایا ہے جہاں پہلے دوزخ کو عبور کرنا پڑتا ہے۔

ف: فقیر (حقی) عرض کرتا ہے کہ واقعی خوف کا امید سے پہلے ہونا لازمی ہے اس لیے کہ خوف اصل ہے اور رجاء اس کی فرع اور خوف سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور تمام فاسد آرزوئیں خوف سے مٹ جاتی ہیں اگرچہ رجاء کا متعلق یعنی عفو و رحمت اصل ہیں لیکن شے کے متعلق اصل ہونے کی وجہ سے وہ شے خود اصل نہیں ہوتی یہ ہم مانتے ہیں کہ رجاء کا متعلق رحمت سابق اور واسع اور اصل ہے لیکن یہ صفات الٰہی کی نسبت کی حیثیت سے ہے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں ہے اگر بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ ہوتا تو کسی حرام کو نہ چھوڑتا یعنی ہر برائی کا ارتکاب کرتا کیونکہ اسے یقین ہوتا کہ وہ بخشا جائے گا۔ اسی طرح اگر اسے اللہ تعالیٰ کی سزا کا علم ہو جائے تو اپنا گلا گھونٹ کر مر جائے۔ یعنی عبادتِ الٰہی میں اتنا مصروف رہے کہ ایک سیکنڈ بھی نفس کو آرام اور قرار نہ ہو۔ تو لازماً اسے موت گھیر لیتی اور تا دمِ زیست گناہ کا خیال نہ کرتا۔

عشق کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کے اسباب و وسیلے تو بے شمار ہیں لیکن سب سے بلند و بالا اور افضل و اعلیٰ عشق و محبت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انس و جان صرف اس عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے جو موصل الی المعرفۃ الالٰہیہ والجذبۃ الربانیہ ہو۔ اور اس کا دوسرا نام عشق و محبت ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہر چند غرق بحرِ گناہم زشش جہت
گر آشنائے عشق شوم غرقِ رحمتم

ترجمہ : میں شش جہات سے گناہوں کے دریا میں غرق ہوں اگر میں عشق آشنا ہو جاؤں تو رحمت میں غرق ہو جاؤں۔

ف : عذاب کے اسباب بھی لا تعد و لا تحصی ہیں۔ ان سب کا سرتاج جہل یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لاعلمی اور اس کی صفات سے بے خبری، عذابِ الٰہی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

سبق عاقل کو چاہیے کہ طریق عشق و محبت و معرفت اتنی بڑی جدو جہد کرے کہ منزل مقصود تک پہنچ جانے اور دنیا کے تمام جھگڑے ختم کرکے طلب و اجتہاد میں زندگی بسر کر دے۔ اس کے بعد راحت و سرور کے سوا اور کچھ نہیں اس لیے کہ جو اپنے مقصود کو پا لیتا ہے وہ تمام تکالیف و مصائب سے راحت حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے صوفیہ کرام کا مشہور مقولہ ایسے شخص کے لیے صادق آتا ہے:

الصوفی لا مذھب لہ ۔ صوفی کا کوئی مذہب نہیں۔

یعنی صوفی اللہ تعالیٰ کی طلب میں صرف ایک راہ پر نہیں چلتا بلکہ اس سے جس طرح بن پڑتی ہے اللہ تعالیٰ کو پانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اس سے بعض جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے۔ البتہ اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ چونکہ راہ سلوک کو طے کر رہا ہوتا ہے اور اس کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس لیے کہ وہ ایک طور طریق پر نہیں رہ سکتا بلکہ وہ ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے کبھی وہ گاہے خوف میں ہوتا ہے تو گاہے امن میں، یہاں تک کہ وہ ان تمام اضافات کو عبور کرکے مستقل حال حاصل کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا علم و عمل برابر ہو جاتا ہے اس حالت میں عبادت میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ مرتے دم تک اسے سوائے عبادت کے اور کوئی مشغلہ نہیں بھاتا۔

تفسیر عالمانہ وَنَبِّئْهُمْ اور اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کو خبر دیجیے عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق۔

ف : لفظ ضیف قلیل وکثیر دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس وقت ملائکہ کرام بھیس بدل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کہاں تشریف لائے۔ وہ گیارہ حضرات تھے ان کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔

الجواب ان ملائکہ کرام نے صرف بھیس بدل رکھے تھے بلکہ بہت بڑے حسین و جمیل بے ریش لڑکوں کی شکل میں حاضر ہوئے اور انھیں ضیف (مہمان) سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لنگر خانے میں بصورت مہمان تشریف لائے تھے یا اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ مہمان نوازی کے تصور میں تھے آپ نے اسی تصور پر انھیں مہمان سمجھا۔ ان کی اس سمجھ پر اللہ تعالیٰ نے انھیں مہمان (ضیف) سے تعبیر فرمایا ہے۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ یہ ظرف ضیف کے متعلق ہے اس لیے کہ ضیف در اصل مصدر ہے۔ یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ملائکہ کرام حاضر ہوئے فَقَالُوا تو ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوتے ہی کہا سَلَامًا السلام علیکم۔ یعنی ہم آپ کے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وعلیکم السلام۔ یہ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام

Scanned with CamScanner

گھر تشریف لے گئے اور بکرے کا بھنا ہوا گوشت لائے۔ لیکن مہمانوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔ ابراہیم علیہ السلام کو ان کا یہ فعل بہت عجیب معلوم ہوا قَالَ تو فرمانے لگے اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ہمیں تم سے خطرہ ہے۔ الوجل سے مشتق ہے بمعنے اضطراب النفس لتوقع مکروہ۔ (کسی دکھ اور درد کے وقوع کے خطرے سے نفس کا بے چین ہو جانا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے خطرے کا اظہار اس لیے فرمایا کہ آپ نے مہمان نوازی کے شوق میں بہترین بکرے کا گوشت گھی میں بھون کر پیش کیا لیکن انھوں نے اسے منہ تک نہ لگایا۔ اس لیے آپ کا ان سے خطرے کا احساس لازمی امر تھا۔ علاوہ ازیں ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں جب کوئی کسی کے گھر کا کھانا نہ کھاتا تو لازماً اس کا یہ فعل صاحبِ خانہ کے لیے کسی سختی اور تکلیف پر محمول کیا جاتا تھا۔ اسی قاعدہ کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف کھانا ایک لازمی امر تھا۔ نہ یہ کہ محض انہی ملائکہ کرام کے اس فعل سے ابراہیم علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی (جیسا کہ وہابی دیوبندی کہا کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو لاعلمی سے یہ خطرہ لاحق ہوا[1]) قَالُوْا ملائکہ کرام نے فرمایا لَا تَوْجَلْ اے ابراہیم علیہ السلام! گھبرائیے نہیں۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اور لا توجل کی علت بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں اور خوشخبری کے ساتھ گھبراہٹ کیسی، بلکہ خوشی کے ہوتے ہوئے غم والم چھوڑ جاتے ہیں اور بالخصوص ایسا فرحت بخش جس میں ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اہل وعیال کی بقا اور تا دیر سلامتی وعافیت کی اطلاع ہو۔ البشارۃ بمعنے ایسی خبر دینا کہ جس سے مخبر کا سرور ظاہر ہو۔ خلاصہ یہ کہ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی گھبرائیے نہیں ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں بِغُلٰمٍ صاحبزادے کی ولادت کی جن کا اسم گرامی حضرت اسحاق علیہ السلام ہے عَلِيْمٍ[2] بالغ ہوتے ہی صاحبِ علم ہوں گے یعنی جب بالغ ہوں گے تو انھیں نبوت عطا ہو گی تو اس معنے پر بہت بڑے علوم کے حامل ہوں گے قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم مجھے بچے کی خوشخبری دیتے ہو عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ اس وقت جبکہ بڑھاپا میرے اوپر اثر انداز ہو چکا ہے۔ یہ استفہام تعجب واستبعاد کا مادہ ہے۔ علٰی بمعنے مع ہے یعنی باوجودیکہ بڑھاپا مجھے محیط ہو چکا ہے پھر بھی مجھے بچہ پیدا ہوگا!

---

[1] علم یا لاعلمی کی بحث فقیر کی تصنیف "تفسیر اویسی" میں دیکھیے۔

[2] یہاں پر دیوبندیوں اور وہابیوں کی غلط فہمی دور ہونی چاہیے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی کوئی صفت کسی نبی یا ولی (علٰی نبینا وعلیہم السلام) کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ یہی وجہ ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم علیہ السلام کے لیے علم غیب (کلی)، انھیں حاضر و ناظر ماننا، نور کہنا، ان سے غائبانہ مدد مانگنا وغیرہ شرک ہے۔ دلیل یہی دیتے ہیں کہ یہ صفات باری تعالٰی کے ہیں اور انھیں نبی علیہ السلام کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ بعض صفاتِ باری تعالٰی انبیاء و اولیاء بلکہ عام انسانوں کے لیے ثابت ہیں مگر عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ صفات اللہ تعالٰی کے ذاتی ہیں اور مخلوق کے لیے عطائی۔ مثلاً علیم اللہ تعالٰی کی صفت ہے لیکن آیت ہٰذا میں علیم اسحاق علیہ السلام کے لیے وارد ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ صفت اللہ تعالٰی کی ہے لیکن عطائی طور پر اسحاق علیہ السلام کے لیے ہے۔ ایسے ہی علم غیب (کلی)، حاضر و ناظر، نور و استمداد وغیرہ سمجھیے۔ اویسی غفرلہٗ

کیونکہ عادتاً یہ بات بعید از قیاس ہے۔ میں بھی بوڑھا اور میری اہلیہ بھی بوڑھی ہے ایسے بوڑھوں سے بچے کی پیدائش عجیب معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ علیٰ ان مسنی الکبر ، البشر تمونی سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کیا تم مجھ کو خوشخبری دیتے ہو درانحالیکہ میں بوڑھا ہوں۔ یا علیٰ بمعنے بعد ہے۔ یعنی کیا مجھے خوشخبری دیتے ہو بعد اس کے کہ مجھے بڑھاپے نے آگھیرا ہے **فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ** یہ ما استفہامیہ تعجب کے معنے پر داخل ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھ جیسے بوڑھے کو کیا عجیب خوشخبری سناتے ہو۔

ف : تفسیر بخاری میں لکھا ہے کہ مجھے کس نوعیت کی خوشخبری سناتے ہو۔

ف : تبشرون کا نون مخفف اور مفتوح ہے اس لیے کہ یہ نون جمع کا ہے۔ اسے مخفف کے طور پر مکسور بھی پڑھا گیا ہے اس لیے کہ یہ دراصل تبشرونی تھا۔ یاء کو حذف کر کے کسرہ کو اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فرشتوں نے کہا کہ ہم آپ کو حق یعنی ہر اس امر کی خوشخبری سناتے ہیں جو ہو کر رہے گا **فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ** پس آپ نا امید نہ ہوں یعنی ان لوگوں سے نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہو جاتے ہیں۔ بلکہ آپ تو ان خوش بختوں سے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ ماں باپ کے بغیر بھی انسان کو پیدا فرما سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرت سے کون سی بڑی بات ہے کہ وہ شیخ فانی (سخت بوڑھے) اور بانجھ بڑھی عورت سے بچہ پیدا کر دے۔

ف : دراصل اس کلام سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھ جیسے بوڑھے پر آپ کا اتنا فضل عمیم اور لطفِ عظیم ہو رہا ہے ورنہ عادۃً یہ بات بعید از قیاس ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس نعمتِ عظمیٰ کو اظہارِ تشکر کے لیے تعجب کے رنگ میں بیان فرمایا ہے ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت سے بعید سمجھ کر تعجب کریں (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس کا قرینہ فلا تکن من القنطین بھی ہے ورنہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واقعی شک ہوتا تو اس کے بجائے اللہ تعالیٰ فرماتا فلا تکن من الممترین[1]۔ یا اس جیسے الفاظ جو شک پر دلالت کرتے۔

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بھلا کون نا امید ہو سکتا ہے استفہام انکاری ہے یعنی مجھے کسی قسم کا شک نہیں **مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ** اپنے رب تعالیٰ کی رحمت سے، وہ قادر ہے اپنے بندوں سے جس طرح کا معاملہ کرے، اس میں وہ شک نہیں کرتے **اِلَّا الضَّآلُّوْنَ** مگر گمراہ لوگ یعنی جنہیں طریقِ معرفت و صواب نصیب نہیں۔ اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت اور اس کے کمالِ علم و قدرت کی معرفت حاصل نہیں۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے فرمایا:

لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکفرین ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہیں ہوتے مگر کافر۔

ف : اس جملہ سے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سے نا امیدی کی نفی بلیغ ترین طریقہ سے کی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کسی قسم کی نا امیدی نہیں، نے صرف اپنے بڑھاپے کو دیکھ کر کہا کہ باوجودیکہ مجھے اس سن میں

---

[1] شک کرنے والوں سے نہ ہو۔ ۱۲

Scanned with CamScanner

نا امیدی ہونی چاہیے لیکن اس کا فضل وکرم ہے اور اس کی کریمی ہے میں نے اپنے پیے تعجب کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ محترمہ کے بڑھاپے کے باوجود صاحبزادے کی ولادت کی خوشخبری سے سالک کو اشارہ ہے کہ اگر وہ طالب صادق ہے اگرچہ بڑھاپے میں ہی سہی، طلب صدق پر مبنی ہو تو جسم وقویٰ کی کمزوری اور نفس سے جہاد بے عجز۔ اور اس کی شرارتوں کی تاب نہ لانے اور طاعات میں مجبور کرنے اور اعمال بدنیہ کی طاقت مسلوب ہونے اور شیطان کے وسوسے میں مبتلا کرنے کے باوجود بھی مطلوب حاصل ہو سکتا ہے اگرچہ انسانی کمال کا حصول جوانی اور عمر کے کمال پر مبنی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ فضل وکرم کرے تو ناممکن نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے بندوں پر جس طرح چاہے فضل وکرم فرماتے۔ اسی لیے صوفیاء کرام کا مقولہ مشہور ہے کہ:

صوفی چالیس سال کے بعد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے لیکن پھر بھی اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ یہ خلوص قلب سے طاعات میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے محروم نہیں فرمائے گا کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو بڑھاپے میں صاحبزادہ عطا فرمایا ایسے ہی اس طالب صادق کے روح کی صلب اور قلب کی رحم غلام علیم یعنی علوم لدنیہ اور رسوم وغیرہ سے نوازیگا اس غلام سے اللہ تعالیٰ کا وہ واعظ مراد ہے جو ہر مومن بندے کے قلب پر وعظ کرتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بڑھاپے میں اس دولت سے نوازے گئے۔ جیسے حضرت قفال وحضرت قدوری رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ حضرات اگرچہ بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکے تھے تاہم طلب حق میں صادق تھے اسی لیے ایسے بے پایاں علوم سے نوازے گئے کہ ان کے معاصرین دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم ہر حال میں نصیب ہوتا ہے بشرطیکہ طلب سچی اور خلوص قلبی ہو۔

تنبیہ

شرح الحکم میں ہے کہ جو شخص اس تصور میں رہے کہ مجھ پر تو ہر وقت شہوت کا بھوت سوار ہے اور میں ہر وقت غلط کاریوں میں مبتلا رہتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کیسے اس غلطی سے بچائے گا تو سمجھو وہ احمق ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھ کر ایسے پراگندہ تصور جما رہا ہے۔ ورنہ وہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور وکان اللّٰہ علیٰ کل شئ مقتدرا اسی کا ارشاد گرامی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر ایک کو شامل ہے۔ بظاہر وہ شے اس کی صلاحیت رکھتی ہو یا نہ، ہم سوچیں کہ بہت سے ایسے بندے جو بظاہر بہت بڑے ابتر اور گندے تھے جب ان پر فضلِ باری ہوا تو دنیا والے ان پر رشک کرتے رہ گئے۔ مثلاً حضرت ابراہیم بن ادھم، فضیل بن عیاض، ابن المبارک، ذی النون (مصری) اور مالک بن دینار وغیرہم۔ اسی طرح اور کاملین اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ جن کی ابتدائی زندگی غلط کاریوں میں گزری لیکن بعد میں وہ کمالی پایۂ اہلِ کمال کے قبلہ وکعبہ بن گئے۔ ؎

تا سقاهم ربهم آید جواب
تشنہ باش واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: سقاهم ربهم کا جواب آنے تک پیاسا رہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Scanned with CamScanner

ف : تاج العروس میں ہے کہ جس کی عمر مقصود ہے اسے چاہیے کہ جو ایسے ذکر میں مشغول ہو جو جامع الاذکار ہو مثلاً :

سبحان اللہ عدد خلقہ ۔ اللہ کی تسبیح ہے اس کی مخلوق کی گنتی کے برابر۔

اسی طرح کے اور اذکار ۔

ف : عمر مقصود سے مراد یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو اور اس تصور میں ہو کہ موت کا گھڑیال بج رہا ہے نہ معلوم اس کی روانگی کس وقت ہوتی ہے ۔ گویا وہ سمجھتا ہے کہ موت سر پر ہے ، یا وہ ایسے امراضِ مہلکہ میں مبتلا ہے جو جان لیوا ثابت ہوتے ہیں ۔ تو اسے چاہیے کہ وہ مذکورہ دعا میں یاد کر کے ان کا بہت زیادہ ورد رکھے ۔

سے

دع التکاسل تغنم قد جری مثل

کہ زاد راہروان چستیست و چالاکی

ترجمہ : سستی چھوڑ کر وقت کو غنیمت جانیے جیسے مثل مشہور ہے

کہ راہروانِ حق کا زاد چستی اور چالاکی ہے ۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ اے فرشتو ! بتاؤ تمہارا معاملہ کیا ہے اور کس کام کے لیے آئے ہو ۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو کوئی بھاری مہم درپیش ہے ۔

ف : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قرائن سے معلوم کر لیا کہ یہ فرشتے انھیں بشارت دینے نہیں آئے بلکہ انھیں کسی دوسرے کام کیلئے بھیجا گیا ہے ۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم صرف بشارت دینے کے لیے تو نہیں آئے بلکہ تمہیں کوئی اور مہم درپیش ہے ۔ اب بتاؤ وہ مہم کون سی ہے جسے تم سر کرنے آئے ہو ۔

قَالُوْٓا وہ بولے اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ کہ بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ۔ یعنی وہ لوگ جو جرائم و معاصی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں اور معصیت کی حدود پھلانگ چکے ہیں ۔ ان سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم مراد ہے ۔ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ مگر لوط علیہ السلام کا خاندان ۔ یہ استثناء متصل ہے ۔ اس کا مستثنیٰ منہ مجرمین کی ضمیر ہے ۔ یعنی ہم (فرشتے) ان سب لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں جنھوں نے لوط علیہ السلام کی قوم سے جرائم اور زیادتیاں کیں سوائے لوط علیہ السلام کے خاندان عالیشان کے ۔ لیکن یہاں پر آلؑ سے ان پر ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں ۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ لفظ قوم اور ملائکہ کا ارسال ہر دو مجرمین کو شامل ہیں ۔ اسی طرح غیر مجرموں کو بھی ۔ یعنی ہم عذاب پہنچا

لہ اس سے شیعہ کا مذہب ہے جبکہ وہ آل صرف اولادِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مانتے ہیں ۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات ، صحابہ کرام اور مومنین بھی آل ہیں ۔ تفصیل فقیر کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں دیکھیے ۔

Scanned with CamScanner

کے لیے آئے ہیں۔ لیکن مجرمین پر پتھر برسائیں گے اور اہلِ ایمان کو نجات دیں گے۔

سوال: آلِ لوط میں خود لوط علیہ السلام تو شامل نہیں۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) لوط علیہ السلام استثنا میں شامل نہیں ہوئے۔

جواب: چونکہ آل کی نجات لوط علیہ السلام کی وجہ سے ہے جب تابع مذکور ہوئے تو متبوع بطریقِ اولیٰ شامل ہو گیا۔

ف: حضرت لوط بن ہاران بن تارخ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ یہ (لوطؑ) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے۔ نار گلزار بن جانے کے واقعہ کے بعد انہی کے ساتھ شام کے علاقہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ انھوں (لوطؑ) نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ختنہ کرایا تھا جبکہ ان کی عمر ترپن سال تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اسّی یا ایک سو سال کے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں قیام پذیر ہو گئے۔ فلسطین شام و مصر کے درمیانی علاقے کا نام ہے۔ اس میں رملہ، غزہ، عسقلان و دیگر بلاد و قصبات شامل ہیں۔ اور حضرت لوط علیہ السلام اردن میں ٹھہر گئے۔ اردن شام کے علاقے کا ایک شہر ہے۔ پیچھے حضرت لوط علیہ السلام سدوم (بالدال) والوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ یہ لوگ لواطت (لونڈے بازی) جیسے قبیح عمل میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ملائکہ کرام کو بھیجا۔

إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ہم لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کو اس عذاب سے بچا لیں گے جس میں دوسرے مجرم مبتلا ہوں گے حالانکہ لوط علیہ السلام کے ماننے والے ان مجرمین کے شہروں کے درمیان میں مقیم تھے إِلَّا امْرَأَتَهُ مگر لوط علیہ السلام کی عورت۔ یہ ھُمْ ضمیر کا مستثنیٰ ہے اور اس کا اسم و اھلہ ہے۔ قَدَّرْنَا ہم نے مقدر کیا اور حکم فرمایا کہ إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ بے شک وہ کافر مجرم لوگوں کے ساتھ رہ جائے گی تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ تباہ و برباد ہو۔

سوال: قدرنا کے فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کے لائق ہے لیکن اسے فرشتوں نے اپنی طرف کر دیا۔ یہ شرک ہے۔[1]

جواب: چونکہ ملائکہ کرام کو کمال قرب حاصل ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کے ساتھ قرب و اختصاص رکھتے ہوں تو مالک کے بجائے اپنے نام اسناد کریں تو جائز ہے۔ جیسے بادشاہ کے مخصوص لوگ کہہ دیتے ہیں امرنا کذا ہم نے حکم دیا۔ حالانکہ وہ حکم ان کا نہیں ہوتا بلکہ ان کے مالک کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی فرشتوں کا کہنا اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔[2]

---

[1] جیسے وہابی دیوبندی کہتے ہیں ۱۲

[2] جیسے ہم اہلسنت انبیاء و اولیاء کے لیے کہتے ہیں۔ ع

گفتہ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لیکن وہابی اسے شرک کہتے ہیں۔ ناظرین خود غور فرمالیں کہ یہ شرک کیونکر ہوا۔

Scanned with CamScanner

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۙ﴿﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ ﴿﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿﴾ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ
وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿﴾ وَقَضَيْنَاۤ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿﴾ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَيْفِيْ
فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۙ﴿﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿﴾ قَالُوْۤا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ قَالَ
هٰۤؤُلَآءِ بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۙ﴿﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۙ﴿﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾
وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۙ﴿﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿﴾

ترجمہ: پھر جب فرشتے لوط علیہ السلام کے گھر آئے لوط علیہ السلام نے فرمایا تم اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ انھوں نے عرض کی بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک وشبہ کرتے تھے اور ہم آپ کے ہاں سچا حکم لائے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔ سو آپ اہل کو کچھ رات رہے سے کر باہر چلے جائیے اور آپ ان کے پیچھے چلیے اور تم میں کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں کا تمھیں حکم ہوا ہے اور ہم نے اسے اس حکم کا فیصلہ سنا دیا کہ صبح ہوتے ہی کافروں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ اور شہر والے لوط علیہ السلام کے ہاں خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا یہ میرے مہمان ہیں، مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، مجھے شرمسار نہ کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے تمھیں جہاں کے معاملے میں دخل دینے سے نہیں روکا تھا۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا قوم کی یہ لڑکیاں میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنا چاہتے ہو۔ اے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ کی جان کی قسم بے شک وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے سو سورج نکلتے ہی انھیں ایک ہولناک آواز نے آ پکڑا تو ہم نے اس بستی کو تہ و بالا کر دیا اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔ بے شک اس میں فہم و فراست والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور بے شک وہ بستی ایک آمد و رفت کے چلتے راستے پر ہے بیشک اس میں اہل ایمان کے لیے نشانیاں ہیں اور بے شک جھاڑی والے ظالم تھے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور بیشک یہ دونوں بستیاں کھلے راستے پر واقع ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ پس وہ فرشتے جب لوط والوں کے ہاں آئے قَالَ لوط علیہ السلام نے فرمایا اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ بے شک تم اجنبی لوگ ہو یعنی مسافر معلوم ہوتے ہو

Scanned with CamScanner

لیکن تمہارے اوپر سفر کے آثار بھی نمایاں ہیں اور یہ بھی ہمیں یقین ہے کہ تم اس شہر کے نہیں ہو۔ اس لیے مجھے تم سے خطرہ محسوس ہوتا ہے
قَالُوْا فرشتوں نے کہا کہ تم خطرہ محسوس نہ کرو۔ ہم آپ کو نقصان پہنچانے یا اضطراب میں ڈالنے کے لیے نہیں آئے بَلْ جِئْنٰكَ
بلکہ ہم آپ کے لیے وہ چیز لائے ہیں بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ جس میں یہ لوگ شک کرتے ہیں۔ یعنی وہ عذاب جسے دیکھ کر آپ
خوش ہوں گے اور اپنے دشمنوں کو تباہ ہوتے دیکھ کر دل کو تسکین دیں گے۔ آپ کے دشمن اس میں شک کرتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے
تھے۔ وَاَتَيْنٰكَ اور ہم آپ کے ہاں لائے ہیں بِالْحَقِّ یعنی وہ یقینی امر کہ جس کے وقوع میں ذرہ بھر بھی شک کی گنجائش نہیں۔
اور وہ یقیناً ہو کر رہے گا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم سچے ہیں۔ یعنی ہم نازل ہو کر جس عذاب کی خبر دیتے ہیں اس میں ہم
سچے ہیں فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ پس اپنے اہل کو لے جائیے۔ اَسْرِ، اَلسُّرٰى سے ہے بمعنے رات کو جانا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے یعنی اپنے اہل کو شہر سے باہر رات کے وقت لے جائیے۔

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ رات کے ایک حصے میں۔ یعنی جب رات کا ایک حصہ گزر جانے وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ ادبار، دبر
کی جمع ہے۔ بمعنے ہر شے کا پیچھا۔ یعنی آپ ان کے پیچھے انھیں شہر سے فی الفور لے جائیے اور آپ ان کے پیچھے ہو کر چلیں تاکہ آپ کو
ان کے حالات مکمل طور پر معلوم ہو سکیں یا ان میں سے کوئی پیچھے رہ جانے تو اس کا پتہ چل سکے۔ علاوہ ازیں آپ سے حیا کرتے ہوئے
پیچھے بھی نہیں دیکھیں گے اور نہ ہی کوئی غلطی کر سکیں گے۔

ف: برہان القرآن میں ہے کہ جب لوط علیہ السلام نے انھیں روانہ کیا تو ان کے پیچھے ایک جھنڈا لگایا گیا وہی لوط علیہ السلام
کے ماننے والوں کی دلالت کرتا تھا۔ اسی لیے لوط علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ اپنے ماننے والوں کے پیچھے چلیں۔

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اور متوجہ نہ ہو تم میں سے اور نہ ان میں سے اَحَدٌ کوئی ایک، تاکہ پیچھے نہ دیکھے کیونکہ ہولناک عذاب
سے خطرہ لاحق ہوگا یا پیچھے دیکھنے سے اس لیے روکا گیا ہے تاکہ چلنے میں کمی واقع نہ ہو۔ اس لیے کہ جو شخص چلتے چلتے پیچھے دیکھے
تو اس کی رفتار میں کمی آ جاتی ہے۔

سوال: یہاں الا امراتك کیوں نہ کہا، جیسا سورۂ ہود میں فرمایا۔

جواب: چونکہ یہاں الا امراتہ پہلے کہا گیا ہے۔ اسی قرینے پر اکتفا کرتے ہوئے الا امراتك نہیں کہا۔

وَامْضُوْا اور جاؤ حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ جہاں حکم دیے جاتے ہو۔ یعنی جس علاقہ کے لیے تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے یعنی
شام یا مصر یا زغر کو چلے جاؤ۔

ف: زغر ایک بستی کا نام ہے جو شام کے علاقے میں ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام کے ماننے والوں کے شہر کبھی تباہ نہیں ہوں گے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ اور ہم نے فیصلہ کیا یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیج کر قطعی فیصلہ کیا ہے۔ ذٰلِكَ الْاَمْرَ
اسی امر کا الامر مبہم ہے۔ اس کی تفسیر یہ جملہ کرتا ہے اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ بے شک ان لوگوں کی جڑ مَقْطُوْعٌ کاٹی ہوئی ہے بلکہ ان کا

Scanned with CamScanner

بنیادیں ہلا دی جائیں گی۔ یعنی ان لوگوں کو ایسا تباہ و برباد کیا جائے گا کہ سرے سے ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ یہاں تک کہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔ مُصْبِحِیْنَ یہ ھٰؤلاء سے حال ہے یعنی ان کی ہلاکت صبح کے وقت ہو گی۔ یعنی ان کی تباہی و بربادی کا وقت صبح متعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ان موعدھم الصبح (بے شک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ کے دشمن صبح کے وقت تباہ و برباد ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مسائل فقہیہ آیات میں اشارہ ہے کہ قرابت داری، رشتہ داری، نسب یا کسی کے ساتھ زندگی بسر کرنا بے سود ہے جب تک اس میں عمل نافع اور عمل صالح نہ ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی اہلیہ کو استثنا کر کے اسے تباہ و برباد ہونے والوں میں شامل کر دیا۔ یہاں تک کہ زوجیت کا رشتہ بھی اسے فائدہ نہ دے سکا۔ ایسے ہی ابوۃ و بنوۃ کا رشتہ کنعان کو مفید نہ ہوا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

با بداں یار گشت ہمسرِ آلِ لوط
خاندانِ نبوت گم شد

(ترجمہ: بُروں کے ساتھ آلِ لوط نے صحبت کی تو نبوت کے خاندان سے علٰحدہ ہوئی)

نکتہ: چونکہ لوط علیہ السلام کی گھر والی حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ صورۃً اکٹھی رہی لیکن سیرت کے لحاظ سے کافروں کے ساتھ رہی اور لوط علیہ السلام کی سیرت نہ اپنا سکی۔ اندرونی طور پر وہ کافروں کے ساتھ تھی اور ظاہری طور پر لوط علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ اسی لیے لوط علیہ السلام کے ساتھ ازدواجی رشتہ اسے نافع نہ ہوا۔

؎

بیش اند ناس صورت ونسناس سیرتان
خلقے کہ آدم اند بخلق و کرم کم اند

(ترجمہ: بظاہر تو انسان ہے حقیقت میں نسناس ہیں تخلیق میں آدمی ہیں لیکن خلق و کرم سے خالی)

ف: نسناس ایک بحری حیوان ہے جس کی ظاہری صورت انسانی ہے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: شک کرنا کافروں کی صفت ہے۔ جیسے یقین اہلِ ایمان کا شیوہ ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

افت و خیزاں میرود مرغ گماں
با یکے پر بر امید آشیاں
چوں ز ظن وارست علمش رو نمود
شد دو پر آں مرغ پرہا را کشود

(ترجمہ: تیر خوردہ پرندہ افتاں خیزاں اس امید پر ابھی گھونسلے میں پہنچتا ہوں۔ جب گمان سے علم تک پہنچا تو اس کے دو پر کھل گئے)

Scanned with CamScanner

مسئلہ: سالکِ طریق پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طرف ملتفت نہ ہو' اس لیے کہ اس کا انتہائی مقصد اور مطلب اعلیٰ یہی ہے۔ اسے چاہیے کہ وُہ اپنی زندگی امرِ الٰہی کے مطابق ڈھالے۔ امرِ الٰہی سے عالمِ حقیقت مراد ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اسی لیے بلند تر سمجھا گیا ہے کہ آپ شبِ معراج سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی جانب متوجہ نہ ہوئے بلکہ اپنی توجہ صرف قاب قوسین کی طرف رکھی۔ اسی کو عالمِ صفات سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر مقامِ او ادنیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی عالمِ ذات ہے۔ آپ کو کوئی شے آڑے نہ آسکی۔ ایسے ہی مہاجرین حضرات کا حال تھا یعنی وُہ جو ایک مرتبہ یا ایک مقام سے دوسرے مرتبہ یا مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نشانِ عشق چہ پرسی ز ہر نشان بگسل
کہ تا اسیر نشانی بہ بے نشان نرسی

(ترجمہ: نشانِ عشق کیا پُوچھتے ہو، ہر نشان کو چھوڑ دے کیونکہ جب تک نشان میں گرفتار ہو بے نشان کو نہ پاسکو گے)

اے اللہ تعالیٰ! ہمیں موطنِ نفس میں ٹھہرنے سے بچنے کی توفیق عطا فرما اور میدانِ قدس وانس میں پہنچنے کا موقع بخش (آمین)

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ اور شہر والے آئے۔ جب لوط علیہ السلام کی گھر والی نے لوط علیہ السلام کے گھر میں نہایت حسین وجمیل بے ریش مہمان لڑکے دیکھے تو فوراً اپنی برادری کو اطلاع دے دی۔ تو وُہ سنتے ہی حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں پہنچ گئے۔ المدینہ سے اہلِ سدوم مراد ہیں۔ سدوم کے ساتھ لوط علیہ السلام کی قوم کے دیگر کُل چار یا سات شہر تھے ان میں سب سے بڑا شہر سدوم تھا یہاں کا حاکم ظلم میں اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔

ف: دریاق الذنوب لابن الجوزی میں ہے کہ ان کے کل شہر بستیوں سمیت پچاس تھے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ خوشیاں مناتے ہوئے۔ الاستبشار بمعنے خوش ہونا۔ یعنی اظہارِ مسرت کرتے ہوئے آئے۔ انھیں یہی خوشی تھی کہ لوط علیہ السلام کے گھر جو پری وش بے ریش لڑکے ہیں ان سے چھین کر مزے اڑائیں گے قَالَ جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بدبخت ان کے مہمانوں پر بدنیتی سے ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں تو فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ یہ میرے مہمان ہیں چونکہ ملائکہ کرام مہمانوں کے لباس میں حاضر ہوئے تھے اسی لیے لوط علیہ السلام نے انھیں مہمان سے موسوم فرمایا۔ فَلَا تَفْضَحُوْنِ سو مجھے ان کے سامنے شرمسار نہ کرو۔ یعنی ان کی برائی کے درپے ہوئے ہو تو مجھے سخت رسوائی ہوگی اور یہ سمجھیں گے کہ میری اپنی قوم میں میری کوئی عزت وتوقیر نہیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مہمانوں کی بے عزتی کرکے مجھے رسوا نہ کرو کیونکہ مہمان کی بے عزتی دراصل میزبان کی بے عزتی ہوتی ہے۔ جیسے ہمسایہ کی بے عزتی اپنی بے عزتی ہوتی ہے۔

حل لغات: فَضَحَهٗ، مَنَعَهٗ کی طرح، یعنی کسی کے عیوب اور وہ امور ظاہر کرنا جو اس کے لیے عار کا سبب بنیں۔

Scanned with CamScanner

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ یعنی ایسے گھناؤنے فعل کا ارتکاب کر رہے ہو جو میری اور تمہاری بدنامی کا موجب ہے۔ خدا تعالیٰ سے ڈر کر اس قبیح فعل سے باز آجاؤ۔ یا یہ معنی ہے کہ تم ایسی بُرائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو نہ صرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا موجب ہے بلکہ میرے خلاف محاذ آرائی ہے۔ یہ تمہارے لیے نہایت نامناسب ہے۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ اس سے اجتناب کرو۔ وَلَا تُخْزُوْنِ اور مجھے ذلیل وخوار نہ کرو ان مہمانوں کی بے عزتی کر کے جنہیں میں نے اپنے گھر پناہ دے رکھی ہے۔ میری لاج رکھو تم ان سے ایک گندے فعل کا ارادہ کر کے آئے ہو۔ مختصر یہ کہ تم مجھے مہمانوں کے سامنے خوار و خجل نہ کرو۔ یہ اَلْخِزْیُ سے مشتق ہے بمعنے الھوان یعنی ذلت وخواری۔ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ کافروں نے کہا کیا ہم آپ کو دنیا والے تمام لوگوں سے نہیں روکا تھا۔ یعنی ہم نے آپ کو بار بار کہا کہ ایسے لوگوں کی حمایت سے باز آجاؤ۔ حضرت لوط علیہ السلام کی عادت کریمہ تھی کہ جب وہ بدبخت غریب لوگوں کے لڑکوں سے بدفعلی کرتے تو لوط علیہ السلام غریبوں کی حمایت کرتے ہوئے ان نالائقوں کو ملامت کرتے اور ایسی برائی سے بچنے کی تلقین فرماتے اور وہ بدبخت لوط علیہ السلام کو ہر بار یہی کہا کرتے کہ آپ ہمیں ایسی وعظ ونصیحت کرنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ اس دفعہ بھی جب وہ بدبخت لوط علیہ السلام کے مہمانوں سے زیادتی کی نیت سے آپ کے گھر آئے تو آپ نے پہلے کی طرح نصیحت فرمائی۔ لیکن وہ عادت سے مجبور تھے زبردستی لوط علیہ السلام کے مکان میں گھسنے لگے۔ جب لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ نالائق اپنی حرکت قبیحہ سے نہیں رکتے تو قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ فرمایا یہ میری لڑکیاں ہیں یعنی مجھ پر ایمان لانے والوں کی بالغ لڑکیاں موجود ہیں تم ان سے نکاح کرلو۔

ف: یہ در اصل بنات قومی تھا اس لیے کہ معتقدین کی لڑکیاں اپنی لڑکیاں ہوا کرتی ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام شفقت و تربیت کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ ان کے لڑکے لڑکیاں اور عورتیں سب اس کی روحانی اولاد ہوتی ہے۔ یا بنات سے لوط علیہ السلام کی اپنی حقیقی لڑکیاں مراد لی جائیں۔ لوط علیہ السلام کا مقصد یہی تھا کہ اے بدبختو! اگر تم واقعی اپنی ہوس رانی میں مجبور ہو تو میری لڑکیوں سے نکاح کرلو لیکن میرے مہمانوں کو کچھ نہ کہو۔

ف: لوط علیہ السلام نے یہ پیش کش اسی لیے فرمائی کہ قبل ازیں وہ لوگ لوط علیہ السلام سے آپ کی لڑکیوں کا رشتہ مانگتے تھے مگر آپ نے انکار کر دیا تھا ایک تو ان کی خباثت کی وجہ سے اور دیگر وہ آپ کے قریبی رشتہ دار بھی نہیں تھے۔ یہ بات نہیں تھی کہ ان کا نکاح آپ کی صاحبزادیوں سے نہیں ہوسکتا تھا بوجہ ان کے کفر کے۔ پہلی شریعتوں بلکہ ابتدائے اسلام میں کافروں سے رشتہ ناطہ جائز تھا۔

ف: حضرت لوط علیہ السلام کی مہمان نوازی اور ایثار کی داد دیجیے کہ آپ مہمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی خاطر اپنی لڑکیاں بھی غیروں کے حوالے کرنے کو تیار ہو گئے۔

ف: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سدوم والوں سے دو بڑے لیڈر تھے۔ ان دونوں کی بات ان سب کے لیے حرف آخر

Scanned with CamScanner

سمجھی جاتی تھی لوط علیہ السلام نے سوچا ہوگا کہ اپنی صاحبزادیوں کا رشتہ ان دونوں کو دے دوں تاکہ مہمانوں کی عزت بچ جائے۔
اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ اگر تم کچھ کرتے ہو۔ یعنی اگر تم شہوت رانی کے خواہشمند ہو تو جائز طریق سے کرو۔ یعنی وہ طریقہ اختیار کرو
جو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا۔ جرائم کا ارتکاب کیوں کرتے ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کی شہوت رانی کے لیے
پیدا فرمایا نہ کہ لڑکوں کو۔

مسائل فقیہہ

① مہمان نوازی، غربا پروری انبیا علیہم السلام و اولیاء کرام کی سیرت ہے۔ اور یہ بھی ذکر جمیل کے اسباب میں داخل ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا؎

تیمار غریباں سبب ذکر جمیلست
جاناں مگر ایں قاعدہ در شہر شما نیست

(ترجمہ: ذکر جمیل کا سبب غریبوں کی تیمارداری ہے لیکن اے محبوب! شاید تمہارے شہر میں یہ عادت نہیں ہے)

اور شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

غریب آشنا باش و سیاح دوست
کہ سیاح جلاب نام نکوست

(ترجمہ: غریبوں کی قدر پہچاننے والا ہو اس لیے سیاح نام مشہور کرتے ہیں)

حدیث شریف

جس نے نماز ادا کی، زکوٰۃ دی اور رمضان کا روزہ رکھا اور مہمان نوازی کی تو وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ (کما فی الترغیب)

② ہر مومن متقی پر لازم ہے کہ وہ امکانی صورت میں برائی کا انسداد کرے۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام لواطت کو روکنے کیلیے اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ لوگ آپ کی برادری کے بھی نہیں تھے۔ آپ کی آمادگی صرف فساد اور برائی کے تدارک کے لیے تھی۔

③ شہوت رانی عورتوں سے ہونی چاہیے نہ کہ لڑکوں سے۔

اسی لیے فقہا کرام فرماتے ہیں:
ضرورالنظر فی الامرد اشد لامتناع الوصول فی المشرع لانہ لا یحل الاستمتاع بالامرد ابدا۔

بے شک بے ریش کو محض دیکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں بلکہ سخت تر خطرہ بے ریش کو دیکھنے میں ہے شریعت نے ان کو دیکھنے سے بھی روکا ہے اور شہوانی حیثیت سے ان سے کسی قسم کا نفع اٹھانا حرام ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

Scanned with CamScanner

۱ خرابت کند شاہد خانہ کن
برو خانہ آباد گرداں بزن

۲ نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش بود بلبلے

۳ مکن بد بفرزند مردم نگاہ
کہ فرزند خویشت بر آید تباہ

۴ چرا طفل یکروزہ ہوشش نبرد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

۵ محقق ہمی بیند از آب و گل
کہ در خوبرویاں چین و چگل

ترجمہ: ۱۔ تجھے محبوب خراب کرے گا فلہٰذا اس سے بچ کر نکاح کر۔ یعنی گھر بیوی سے آباد ہوگا لڑکوں سے نہیں۔

۲۔ اس گل سے خواہش پوری نہ ہوگی جس کا ہر صبح کو نیا عاشق ہو۔

۳۔ غیروں کے لڑکوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھ ورنہ تیرا اپنا لڑکا تباہ ہوگا۔

۴۔ بھلا شیر خوار بچے نے اس کا ہوش کیوں نہ اڑایا۔ کیونکہ صنعتِ باری تعالیٰ میں بڑا چھوٹا برابر ہے۔

۵۔ محقق تو آب و گل کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے جیسے چین و چگل کے خوبروں کو دیکھا جاتا ہے]

لَعَمْرُكَ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔ یہی قول مشہور ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

ف: العمر بالفتح والضم کا ایک ہی معنیٰ ہے بمعنے البقاء۔ لیکن اہلِ عرب تخصیص کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر بالفتح ہو تو اس میں قسم کا معنیٰ ہوگا اس لیے کہ قسم کثیر الاستعمال ہے اور اس کی کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہلکی حرکت دی گئی ہے اور اخف الحرکات فتح ہے قسم کی کثرتِ استعمال میں تخفیف ملحوظِ خاطر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی خبر بھی حذف کر دی گئی ہے۔ یہ در اصل لعمرك قسمی تھا اور کہیں اس کا فعل محذوف کر دیتے ہیں جیسے تاللہ میں۔ وغیرہ وغیرہ

اِنَّهُمْ بے شک وہ قوم لوط علیہ السلام **لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ** یعنی اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ کی جان کی قسم بیشک وہ اپنی مستی میں ہیں۔ اس سے گمراہی مراد ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ لواطت کی نحوست میں ایسے پھنسے ہیں کہ ان کی عقل ماری گئی جنھیں خطا و صواب کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں تھا ورنہ اگر انھیں سمجھ ہوتی تو انھیں یقین ہوتا کہ لواطت نہایت قبیح فعل ہے اور لڑکیوں سے نکاح نہایت اعلیٰ اور مبنی بر صواب ہے۔ **یَعْمَهُوْنَ** مدہوش رہتے۔ یعنی متحیر اور شکی تھے پھر وہ کب نصیحت قبول کرتے۔

Scanned with CamScanner

حلِ لغات: قاموس میں ہے:

العمه التردد فی الضلال والتحیر فی منازعة او طریق او ان لا یعرف الحجة ۔ یعنی ضلال میں تردد منازعہ یا طریق میں تحیر، یا ہر وہ جسے حجت کی پہچان نہ ہو۔ بروزن جعل و فرح۔ اس کا مصدر عمہا و عمہا و عموہا و عمہانا۔ اور اس کا فاعل عمہ و عامہ آتا ہے۔ اور یعمہون ضمیر جار مجرور سے حال ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ:
ماخلق اللہ تعالٰی نفسا اکرم علی اللہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما سمعت اللہ اقسم بحیاۃ احد غیرہ ۔ یعنی اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام سے مکرم ترکسی کو پیدا نہیں فرمایا اور نہ ہی ہم نے سنا کہ آپ کے سوا کسی اور کی حیات کی قسم یاد فرمائی ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ وہ مرتبہ ہے جو عالم دنیا میں سوائے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہ ہوا نہ ہوگا۔ ازل سے ابد تک اللہ تعالٰی نے یہ مرتبہ صرف اپنے محبوب کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے باوجودیکہ آپ کی ذات فانی اور اللہ تعالٰی کی ذات باقی ہے۔ باقی نے فانی کی قسم یاد فرمائی حالانکہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا:

انك میت ۔ بے شک تم دنیا سے رخصت ہونے والے ہو۔

۱ چوں نبی از ہستیٔ خود سر بتافت
فرق پاکش از لعمرک تاج یافت

۲ داشت از حق زندگی در بندگی
شد لعمرک جلوۂ آں زندگی

[ترجمہ: ۱۔ جب نبی علیہ السلام نے اپنی ہستی کا دعویٰ ختم کیا تو لعمرک کا تاج آپ کے سر پر رکھا گیا۔
۲۔ آپ نے اپنی زندگی بندگی کے لیے وقف فرمائی تو آپ کی زندگی لعمرک میں جلوہ گر ہوئی۔]

ف: اللہ تعالٰی نے اپنی ذات کی قسم قرآن مجید میں صرف سات مقامات پر یاد فرمائی ہے باقی قسمیں مخلوق کی ہیں۔ مثلاً والتین والزیتون، والصّٰفّٰت، والشمس، والضحیٰ وغیرہ وغیرہ۔

سوال: اللہ تعالٰی کی قسم یاد کرنے کا کیا معنیٰ، اگر مومن کے لیے ہے تو مومن تو اس کے ہر ارشادِ گرامی پر ایمان رکھتا ہے اسے قسم کی ضرورت ہی نہیں اگر کافر کے لیے ہے تو وہ ہرگز نہیں مانے گا خواہ ہزار قسمیں ہوں پھر قسم کا کیا فائدہ؟

جواب: چونکہ قرآن مجید اہلِ عرب کی لغت پر اترا ہے اور ان کی عادت ہے کہ وہ کسی معاملہ کو موکد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے قسم لاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

غیر اللہ کی قسم سے ممانعت بھی فرمائی۔

سوال : اگر یہ مقصد ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی قسم کی کیا ضرورت ہے۔

مثلاً والتین دراصل

جواب : ① بعض مفسرین نے یہاں مضاف محذوف مانا ہے اور فرمایا کہ یہ قسم خود اللہ تعالیٰ کی ہے۔

ورب العصر تھا۔

ورب التین اور والشمس دراصل ورب الشمس اور العصر دراصل واجب عمرک تھا۔

② اہل عرب انہی اشیاء کو معظم سمجھتے تھے، انہی کی تعظیم کے پیشِ نظر قسمیں یاد کر کے قرآن مجید اتارا گیا۔

ذات کی قسم

③ قسم سے مقسم بہ کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اور کوئی شے معظم و مکرم تر نہیں۔ اسی لیے کبھی اپنی

یاد فرمائی تاکہ مخلوق کو اس کی تعظیم و تکریم کا تصور ہو اور کبھی اپنی مخلوق کی قسم یاد فرمائی تاکہ معلوم ہو کہ مصنوعات کی تعظیم درحقیقت صانع کی

تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مفعول کا ذکر فاعل کو مستلزم ہے کیونکہ کوئی مفعول فاعل کے تصور کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ وہ مالک و مختار

جس کی قسم چاہے یاد فرمائے۔ البتہ مخلوق کے لیے ممانعت ہے کہ اس کے بغیر کسی کی قسم نہ کھائے۔ مخلوق کو اس کی نظیر پر منت جتلانے

سے روکا کہ کسی غیر پر منت نہ جتلائے لیکن خود اپنے لیے فرمایا:

بل اللہ یمن علیکم۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر احسان فرماتا ہے۔

اور مخلوق کو فرمایا کہ اپنی بڑائی بیان نہ کریں لیکن اپنی بڑائی متعدد مقامات پر بیان فرمائی۔

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی قسم پر لعمرک وغیرہ اسی لیے یاد فرمایا تاکہ امت کو

شانِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم ہو کہ محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی اللہ جل وعلا کے ہاں کتنی قدر ہے۔ مختصر یہ کہ قسم یا تو

کسی منفعت کے پیشِ نظر ہوتی ہے یا اس سے مقسم بہ کی عظمت مطلوب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی قسم یاد کر کے ان اشیاء کی عظمت کا

اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً والتین، والزیتون وغیرہ۔

مسئلہ : دورِ جاہلیت میں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے کی عادت تھی، رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی کہ آباؤ اجداد کی

قسمیں مت کھاؤ۔ اور یوں ہی غیر اللہ کی قسموں سے احتراز کریں۔

مسئلہ : مخلوق کی قسمیں کھانے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔ مالکی مکروہ بتاتے ہیں اور حنابلہ حرام۔ اور امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ

ہمارے (شوافع) کے نزدیک حرام نہیں مکروہ ہے۔ لیکن عراقی نے شرح ترمذی میں قید لگائی کہ یہ اس وقت حرام ہے جب اس میں

لات و عزیٰ و ملت اسلام کا لفظ ہو۔

نکتہ : غیر اللہ کی قسم سے ممانعت کی وجہ ظاہر ہے کہ قسم میں مقسم بہ کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوتی ہے اور حقیقی عزت و عظمت تو صرف اللہ تعالیٰ

کے لیے مخصوص ہے اس لیے کہ تعظیم و تکریم میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ چونکہ خود مالک و مختار ہے وہ جس کی چاہے

تعظیم و تکریم کا اظہار فرمائے۔ کون ہے اس سے پوچھنے والا۔ وہ چاہے تو اپنی ذات کی قسم یاد فرمائے چاہے تو اپنی مخلوق میں کسی کو

یاد فرمائے۔ (کما فی فتح القریب)

مسئلہ : عمری و دیگر وہ قسمیں جن میں مخلوق کی قسمیں مذکور ہوتی ہیں بظاہر تو وہ قسمیں ہیں لیکن درحقیقت ان سے مضمون کی تاکید مطلوب

Scanned with CamScanner

ہوتی ہے اس لیے کہ تاکید کا سبب سے مضبوط اور مستحکم مضمون وہ ہوتا ہے جس میں قسم مذکور ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی قسم میں امتیاز کے طور کفارہ وغیرہ لازم کیا جاتا ہے اور غیر اللہ کی قسم میں کفارہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ اس معنے پر غیر اللہ کی قسم شرعی نہ ہوئی بلکہ لغوی ہوئی۔ باقی رہا تعظیم تکریم کا شبہ، تو وہ ظاہر ہے کہ تعظیم و تکریم غیر اللہ کے لیے جائز شرعاً جائز ہے۔ اسس تقریر کی بنا پر اگر کوئی غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو عند الاحناف لاباس بہ (جائز) ہے یعنی مباح ہے حرام یا مکروہ نہیں۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

قد افلح وابیہ۔ مجھے اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہوگیا۔ (کذا فی الفروق)

تفسیر عالمانہ فَاَخَذَتْهُمُ پس پکڑ لوط علیہ السلام کو پکڑا الصَّيْحَةُ جبرائیل علیہ السلام کی سخت آواز نے مُشْرِقِيْنَ صبح کے وقت۔ یعنی درانحالیکہ وہ سورج کے طلوع کے وقت میں داخل ہونے والے تھے شروق الشمس بمعنے طلوع الشمس ہے۔

ف : عذاب کی ابتداء صبح صادق کے وقت سے ہوئی۔ جیسے فرمایا گیا:

ان دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین۔

اور اس کی انتہا طلوعِ شمس کے وقت ہوئی۔ اس لیے کہ جب جبرائیل علیہ السلام نے ان کی زمین کو جڑ سے اکھاڑا اور اسے آسمان پر لے جا کر دے مارا۔ اس کے بعد ایک سخت اور تیز آواز آئی۔ اس معنے پر مصبحین و مشرقین میں مطابقت ہوگئی کہ ان کے عذاب کی ابتدا صبح سے ہوئی اور انتہا طلوعِ شمس کے وقت۔ اسس تقریر سے مقطوع کا معنیٰ بھی بحال رہا اس لیے کہ اسم فاعل و مفعول حال کے معنے میں آتے ہیں اور قطع ابتدائی حالت میں ہوئی۔ فلہٰذا ہم نے عرض کر دیا ہے کہ انتہاءً اگر قطع کا اعتبار ہو تو معنیٰ مجازی ہوگا۔ اسس تقریر پر مقطوع بمعنے حال القطع من قریب ہوگا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا پس ہم نے ان بستیوں کے بالائی حصے کو **سَافِلَهَا** نیچے کر دیا یعنی ان کی بستیاں زیر و زبر ہوگئیں۔ اسس کی صورت یہ ہوئی کہ بستیوں کو زمین سمیت آسمان پر لیجایا گیا۔ جونہی وہ آسمان کے قریب پہنچیں تو انھیں الٹ دیا گیا۔

ف : عالیہا جعلنا کا مفعول اول اور سافلہا مفعول ثانی ہے۔ یہ طریقہ زیادہ ہولناک ہے بہ نسبت انھیں اپنی حالت میں اوپر سے نیچے گرانے سے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ بستیوں کو اُلٹنے سے پہلے عذاب کو دُہرانے کی خاطر ہم نے ان کے اوپر برسائے **حِجَارَةً** پتھر **مِّنْ سِجِّيْلٍ** کنکریوں کی شکل میں یعنی پتھروں کو گارے میں گوندھ کر پختہ کر کے ان پر بارش کی طرح پھینکے گئے۔ بایں معنیٰ ان پر دو قسم کے عذاب نازل ہوئے، زمین میں دھنسنا اور پتھروں سے مارا جانا۔

ف : قاموس میں ہے السجیل بروزن السکیت، وہ پتھر جو مٹی کے ڈھیلوں کی طرح ہوں۔ سنگ، گل کا معرب ہے۔ ایک قسم کا کچا پتھر۔ یا اس سے مٹی کے وہ روڑے مراد ہیں جنھیں جہنم کی آگ میں پکایا گیا اور ان میں ہر ایک پر قوم لوط کے ایک ایک کافر کا نام لکھا گیا۔ یا من سجل، سجیل ما کتب لھم سے ہے۔ یعنی ان کے لیے لکھا جا چکا تھا کہ وہ اسس قسم کے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وما ادراک ما سجین کتاب مرقوم تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔ وہ ایک

Scanned with CamScanner

کتاب سے لکھی ہوئی۔ اس تحریر پر السجیل یعنے التسجین ہوگا۔

ف : واہری نے فرمایا میرے نزدیک یہ تمام توجیہات سے صحیح اور واضح تر ہے۔

ف : کرماشی نے لکھا کہ ہم نے ان پر روڑے برسائے جو ان سے الگ ہوگئے تھے یعنی جو افراد شہر میں موجود نہ تھے ان کو بھی انہی کنکروں سے عذاب پہنچایا گیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک اس قصہ میں جو ابھی مذکور ہوا کہ قوم لوط کا ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے درپے آزار ہونا اور ان کے شہروں کا اُٹھایا جانا اور شہروں کے مقیمین اور ان سے غائبین پر کنکریوں کا برسنا۔ لَاٰیٰتٍ علامات ہیں کہ ان سے حقیقۃ الحال پر استدلال کرکے عبرت حاصل کریں۔ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ بصیرت والوں کے لیے۔ یعنی وہ لوگ تفکر و تدبر کرتے اور حقیقت حال کو دیکھتے اور اس میں گہری نظر رکھتے ہوئے۔

ف : متوسمین سے فراست والے حضرات مراد ہیں کہ وہ ایسی باتوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انھیں اپنی فراست اور ہر شے کی علامات سے اس کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

توسمت فی فلان کذا ای عرفت وسمہ فیہ ای اثرہ و علامتہ یعنی میں نے فلاں کو علامت اور نشانی سے پہچانا۔

اور کہتے ہیں:

توسم الشئ تحیرہ و تفرسہ۔ یعنی کسی شے کی حقیقت کو معلوم کرنا وغیرہ۔

وَاِنَّهَا اور بے شک وہ اُلٹی ہوئی بستیاں لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ایک شارع عام پر واقع ہیں۔ یعنی ان کا محلِ وقوع ایسے موقع پہ ہے جہاں ہر ایک ہر وقت گزرتا ہے اور ان بستیوں کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ آج بھی مکہ معظمہ اور ملک شام کے درمیان ان بستیوں کی بربادی کے نشانات محسوس ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں تاکہ آنے والی نسلیں انھیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ بالخصوص اے اہل قریش [یعنی اے مکے والو! اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفو!] جب تم وہاں سے گزرو تو ان سے عبرت پکڑو کیونکہ یہ بستیاں تمھاری گزرگاہ پر ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک ان بستیوں میں یعنی ان کے نشانات لوگوں کی گزرگاہ پر واقع ہیں یعنی آتے جاتے ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔ لَاٰیَةً البتہ بہت بڑی عبرت ہے لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اہل ایمان کے لیے۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں انھیں یقین ہے کہ قوم لوط علیہ السلام کو جو سخت ترین عذاب لاحق ہوا ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ہوا۔

ف : اہلِ ایمان کے برعکس منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ قضیہ اتفاقیہ یا گردشِ افلاک کی وجہ سے ہوا۔

ف : پہلی آیت میں جمع اور اس میں آیت کو واحد لانے میں اشارہ ہے کہ آج قصہ والی تمام نشانیاں تو موجود نہیں بلکہ ان کا بقیہ ہے اور وہ واحد ہے۔ اور پہلی آیت میں تمام قصہ سنا کر لَاٰیٰتٍ کہا گیا۔

قاعدہ : برہان القرآن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر جمع آیات لانے میں دلائل کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور واحد

آیت لانے میں مدلول علیہ مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں آیت کو واحد لانے کے بعد مومنین کا ذکر ہوا ہے۔ وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مقر ہیں لہٰذا ان کے لیے آیہ واحد [مفرد] کافی ہے بخلاف مخالفین کے کہ انہیں وحدانیتِ حق کا اقرار نہیں اسی لیے ان کے لیے آیات یعنی دلائل کی طرف اشارہ کیا گیا۔

مسئلہ: آیت میں فراست کی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی شے کی حقیقت پر غور و خوض کر کے اسے صحیح اور حق معلوم کرنا۔

حدیث شریف مع شرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کان فیما مضی قبلکم من الامم محدثون۔ تم میں سے پہلے لوگوں میں محدث گزرے ہیں۔ المحدث بفتح الدال المشددہ ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے دل میں منجانب اللہ کوئی بات القا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو فراست کے طور پر بیان کرے۔ پھر جیسے وہ کہے اسی طرح واقع ہو۔ گویا اسے ملأ الاعلیٰ (ملکوتی فرشتوں) نے بتایا تو اس نے بیان کیا۔ اولیائے کرام کے لیے یہ بہت بڑا مرتبہ و عہدہ سمجھا جاتا ہے۔ فانہ ان کان فی امتی ھذہ فانہ عمر بن الخطاب [رضی اللہ عنہ] میری امت میں اگر اس قسم کا کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب [رضی اللہ عنہ] ہیں۔[1]

سوال: اس سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بال برابر بھی ثابت نہیں ہوتی اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمون کو حرفِ شک سے بیان کیا ہے جب خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ میں شک ہے تو فضیلتِ فاروقی کیسی؟

جواب: نہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں بلکہ اس کے دوسرے جملہ میں بھی حرفِ شک واقع ہوا ہے۔ یعنی اگر امم سابقہ میں اس قسم کا محدث ہوگا تو میری امت میں ہوگا کیونکہ میری امت افضل الامم ہے۔ اور یقین ہے کہ پہلی امتوں میں محدث تھے۔ اس سے لازماً ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یقیناً محدث ہیں۔ اس طرح سے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں تحقیقِ انیق ہوئی اس لیے کہ ضابطہ منطقیہ میں ایسے قضایا ابلغ طور موکد سمجھے جاتے ہیں اور اصولی قاعدہ پر اسے کنایہ کے طور ذکر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے الکنایۃ ابلغ من الصراحۃ۔ یہ ایسے ہے جیسے میں کہوں ان یکن لی صدیق فھو فلان یعنی اگر میرا کوئی دوست ہے تو فلاں ہے۔ اس سے تاکید اور تحقیق مطلوب ہے کہ تم سب کو معلوم ہے کہ ضرور میرا کوئی دوست ہے اور وہ فلاں ہے۔ اس طرح سے اس دوست کو اپنے دوستوں کی دوستی کی اپنے سے تخصیص اور اس کی دوستی میں تاکید و تحقیق مقصود ہے تاکہ اس کی دوستی میں کمال صداقت کا اظہار ہو۔ اس سے کوئی احمق ہی یہ سمجھے گا کہ اس محاورہ میں متکلم نے تمام دوستوں کی نفی کی ہے۔ اسی طرح کوئی بیوقوف ہی یہ سمجھے گا کہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام نے اپنی امت سے محدث کی نفی فرمائی ہے۔ محاورہ مذکورہ سے قاعدہ منطقیہ وضابطہ اصولیہ سے روزِ روشن کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو گئی۔

---

[1] یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، شیعہ حضرات انہیں نہ معلوم کیا سے کیا بکتے ہیں۔ لیکن الحمد للہ شانِ فاروقی میں تو کمی نہیں آئے گی۔
(اویسی غفرلہٗ)

فضائلِ فراست

حدیث شریف ۱: [حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:]

اتقوا فراسة العلماء لا یشهدوا علیکم بشهادة فیکبکم الله بها یوم القیٰمة علیٰ مناخرکم فی النار فوالله انه لحق یقذفه الله فی قلوبهم و یجعله علیٰ ابصارهم۔

علما کی فراست سے بچو اگر انھوں نے تمہارے جرائم کی گواہی دے دی تو پھر تم جہنم میں اوندھے ڈالے جاؤ گے بخدا یہ فراست حق ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے قلوب پر القا کرتا ہے اور ان کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله و ینطق بتوفیق الله۔

مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا اور اس کی توفیق سے بولتا ہے۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے پڑھا:

ان فی ذٰلك لاٰیٰت للمتوسمین۔

بے شک اس میں فراست والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

تاکہ مضمون زیادہ مؤکد ہو جائے۔ (کذا فی بحر العلوم)

خواجہ عبد الخالق عجدوانی قدس سرہٗ کا قصہ

منقول ہے کہ حضرت خواجہ عبد الخالق عجدوانی قدس سرہٗ کی مجلس گرم تھی آپ کے معتقدین مریدین جمع تھے۔ آپ ان کو معرفت کی باتیں سنا رہے تھے اچانک ایک نوجوان حاضر ہوا جس کی ظاہری صورت زاہدوں جیسی تھی، خرقہ بغل میں اور مصلّٰی کاندھوں پر رکھے ہوئے تھا۔ حضرت خواجہ کی مجلس کے آداب کے پیشِ نظر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا جب مجلس برخاست ہونے لگی تو اس نوجوان نے سوال کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله۔

مومن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے۔

اس حدیث کا مطلب بتائیے؟ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ زنّار کو اپنے سے باہر پھینک کر دولتِ ایمان حاصل کر۔ نوجوان نے کہا: میں اور زنّار، یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ اس کے کاندھے سے مصلّٰی ہٹائیے۔ جونہی مصلّٰی کاندھے سے ہٹا اس کے نیچے سے زنّار نمودار ہوا۔ آپ کی کرامت دیکھ کر اس نوجوان نے زنّار توڑ ڈالا اور فوراً ایمان لے آیا۔ خواجہ صاحب نے مریدین سے فرمایا اب آؤ مل کر اس مسلم نوجوان کی باطنی زنّار توڑیں جس طرح اس نے ظاہری زنّار کو توڑا ہے۔ خواجہ صاحب کی اس تقریر کا ایسا اثر ہوا کہ مجلس میں آہ و فغاں کا شور برپا ہوا اور حاضرین خواجہ صاحب کے قدموں میں گر گئے اور تجدیدِ توبہ کی۔ ؎

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن
بر در حق تو مسلماں آمدن

عام را توبہ ز کار بد بود
خاص را توبہ ز دید خود بود

(ترجمہ: توبہ کا مطلب ہے پریشان ہونا یعنی حق تعالیٰ کی درگاہ میں از سرِ نو مسلمان ہو کر حاضر ہونا۔
عام توبہ ہے گناہوں سے باز آنا اور خاص توبہ اپنے آپ کو دیکھنے سے باز رہنا)

سبق

امم سابقہ کے کافروں کی تباہی اور اہلِ ایمان کی نجات میں ہمارے لیے تنبیہ ہے اور ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ اہلِ حق کا راہ اختیار کرو گے تو فلاح پاؤ گے۔ اگر اہلِ کفر کے راستہ پر گامزن ہو گے تو تباہ و برباد ہو گے۔ اور ہمیں سبق دیا گیا ہے کہ ان کے دیار کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

حکایت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بہت گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آنسوؤں سے آپ کا چہرہ مبارک تر ہو جاتا۔ گریہ وزاری کے جو صورت سے اس قدر روتے کہ آپ کی داڑھ کھل جاتی ایسے نبی علیہ السلام کا یہ حال تھا تو پھر ہم جیسے دنیا پرستوں کا کیا حال ہو گا جب دنیا ایک زہرِ قاتل ہے اور ہمارے نفوس ہم پر سوار ہیں تو ہمیں ایسا مرتبہ کہاں مل سکتا ہے۔ اس کے باوجود ہم غافل ہیں۔ ہمارے لیے نعماء کے کئی دور گزرتے ہیں لیکن ہم ان کی پرواہ تک نہیں کرتے اور انھیں ضائع کر دیتے ہیں اور انھیں یاد تک نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت بخشے اور ہمیں جہل و سفاہت سے بچائے اور ہمیں نفوس کے شروں سے محفوظ رکھے اس لیے کہ نفس ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو قرآنی نصائح سن کر عمل کرتے ہیں اور اس کے آیات دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں۔ اور ہماری مذکورہ بالا استدعا قبول فرمائے جب تک ہمارے جسم میں جان ہے اور جب تک ہم دنیا میں قیام پذیر ہیں۔ [آمین]

وَاِنْ كَانَ یہ اِن مخففہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان کا محذوف ہے اور لظالمین کی لام فرق بتانے کے لیے ہے کہ یہ اِن مخففہ ہے نہ شرطیہ۔ اب عبارت یوں ہوئی و انہ شان کان۔ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ان سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ گھنے درختوں کو ایکہ کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں بیشتر درخت بیری کی طرح گھنے تھے اس لیے انھیں اصحاب ایکہ کہا جاتا تھا۔

ف: قاموس میں ہے المقل المکی ایک درخت کے ثمر کو کہا کرتے ہیں۔ بہرحال وہ لوگ چونکہ ایسے درختوں کے باشی تھے اور تھے نابکار۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جیسے انھیں اہلِ مدین کا نبی بنایا گیا تھا۔ انھوں نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا۔

ف: بعض کہتے ہیں مدین اور ایکہ ایک ہی قوم ہے اس لیے کہ ایکہ مدین کے قریب ہے اور یہ چند درختوں کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔ یہ اصح ہے۔ (کما فی تفسیر ابی اللیث)

Scanned with CamScanner

ف: جوہری نے فرمایا کہ بعض نے اسے لیکہ پڑھا ہے اور لیکہ بھی ایک بستی کا نام ہے۔
ظٰلِمِيْنَ حد سے تجاوز کرنے والے، یعنی اصحاب ایکہ بہت ظالم تھے۔ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پس ہم نے یوم الظلہ میں عذاب بھیج کر ان سے بدلہ لیا۔

ف: تبیان میں لکھا ہے کہ مدین والوں کو صیحہ اور صاحبِ ایکہ کو نار کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ وہ اس طرح کہ ان پر سات دن مسلسل گرم ہوا چلتی رہی اس کی گرمی سے تنگ آ کر گھروں سے نکل کر درختوں کے سائے میں پناہ گزیں ہوگئے۔ جب سب کے سب درختوں کے تلے جمع ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کی ہوا بھیجی جس سے سب کے سب جل کر راکھ ہوگئے۔

ف: بعض تفاسیر میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بادل بھیجا۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ بادل بارش برسانے والا ہے۔ وہ بارش کی امید میں تھے کہ اس سے انگارے برسے جس سے وہ جل کر راکھ بن گئے۔ اسی لیے اس عذاب کو عذاب یوم الظلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا حال دیکھ کر بعض اہلِ عرب کا مقولہ مشہور ہوا کہ،

الشر اذا جاء من حیث لا یحتسب کان اعظم۔ ناگہانی شر سے غم بہت زیادہ ہوتا ہے۔

وَاِنَّهُمَا اور وہ دونوں یعنی قوم لوط کا مرکزی شہر سدوم اور ایکہ لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ کھلے راستہ پر واقع ہیں کہ وہ ایسے شارع عام ہیں کہ جہاں سے ہر خاص و عام کا ہر وقت گزر ہوتا ہے اور انھیں ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں۔

رفِ شیعہ جس کی اقتدا کی جائے اسے امام کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انی جاعلک للناس اماما۔ اے ابراہیم علیہ السلام! ہم نے آپ کو لوگوں کا امام بنایا۔ یعنی لوگ آپ کو اپنا مقتدا سمجھ کر آپ کی پیروی کریں گے اور کتاب کو بھی امام کہا جاتا ہے اس لیے کہ کتاب الٰہی میں جو احکام مذکور ہیں ہم ان کی اقتدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

یوم ندعو کل اناس بامامھم۔ ہم ہر ایک کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔
ای بکتابھم یعنی کتاب کے ساتھ بلائیں گے۔

اور فرمایا:

وکل شیء احصیناہ فی امام مبین۔ اور ہر شے کو ہم نے کتاب روشن میں گن رکھا ہے۔

یعنی لوحِ محفوظ میں۔ اور وہ (لوحِ محفوظ) بھی ایک کتاب ہے۔ راستے کو بھی امام کہتے ہیں اس لیے کہ مسافر اس کی اقتدا کرتا ہوا منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ اور وہ دھاگہ جس کو معمار مکانات بناتے وقت استعمال کرتا ہے 'امام' کہلاتا ہے۔ مطمر البناء فارسی لفظ زہ کا معرب ہے۔

قصۂ قومِ شعیب علیہ السلام

ابو الفرج بن الجوزی فرماتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی قوم کے افراد ناپ تول میں کمی کرتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں دعوتِ توحید کے ساتھ ساتھ اس بدعملی سے روکا اور فرمایا کہ ناپ تول میں کمی بیشی نہ کیا کرو۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف مع حکایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص سے گزرے جو طعام کی بیع و شرا کرتا تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا تو کس طرح بیع و شرا کرتا ہے؟ تو اس نے اپنا طریق کار بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعے سے مطلع فرمایا کہ آپ اس کے طعام کے اندر دیکھیں۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ پھیرا تو اندر سے پانی نکلا۔ آپ نے فرمایا:

لیس منا من غش۔ جو کھوٹ کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

ف: قاموس میں ہے غشہ ہر وہ شے جو خالص نہ ہو۔ اور پوشیدہ امر کے خلاف ظاہر کرنا المغشوش بمعنے غیر خالص۔ اس کا اسم الغش بالکسر آتا ہے۔

ف: تہذیب المصادر میں ہے الغش بمعنے خیانت کرنا۔ اس کا مادہ الغشش ہے بمعنے گدلا پانی۔

ف: الفتح القریب میں ہے کہ اس کا اصل اللبن المغشوش ہے۔ یعنی وہ دودھ جس میں پانی کی ملاوٹ ہو۔ جیسے دودھ فروش دھوکہ کرکے دودھ میں پانی ملاکر بیچتے ہیں۔

حکایت و حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک طعام بیچنے والے سے گزرے۔ اس نے اپنے طعام کو بڑا سجا کر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس طعام کو ادھر ادھر پھیرا تو ردی اور بے کار نکلا۔ آپ نے فرمایا:

ج هذا علی حدة وهذا علی حدة فمن غشنا فلیس منا۔ اچھے کو علیحدہ اور ردی اور بیکار کو علٰحدہ کر کے بیچو اس لیے کہ جو کھوٹ کرتا ہے وہ ہم سے نہیں۔

حکایتِ عجیبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص زمانۂ سابق میں شراب بیچتا تھا جبکہ اس زمانے میں شراب نوشی جائز تھی اور کشتی کا کاروبار بھی کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بندر بھی رہتا تھا۔ وہ اپنے شراب میں کھوٹ کرکے پانی ملا دیتا تھا۔ وہ اپنی پونجی ایک بٹوے میں محفوظ رکھتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا بٹوہ بندر کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ بندر بٹوہ لے کر کشتی کے بالائی حصے پر جا بیٹھا۔ بندر بٹوہ کھول کر ایک ایک دینار دریا میں پھینکتا رہا۔ اس طرح اس شخص کو یہ سبق مل رہا تھا کہ جو تیرا حق ہے وہ تجھے مل رہا ہے اور جس قدر تو نے پانی ملایا اتنے دینار پانی کی نذر ہو رہے ہیں۔

حدیث شریف: اذا ضیعت الامانة فانتظر الساعة۔ جب دیکھو کہ امانتیں ضائع ہو رہی ہیں تو یقین کرنا کہ قیامت قریب ہے۔

حدیث شریف: لیأتین علی الناس زمان لایبالی المرءمم اخذ المال من حلال او من حرام۔ لوگوں پر ایک دور ایسا آئے گا کہ کسی کو پرواہ نہ ہوگی کہ مال کہاں سے آرہا ہے، حلال کا ہے یا حرام کا۔

سبق: اے ابنِ آدم! تیری آنکھ اب حرام میں لگی ہوئی ہے اور تیری زبان گناہوں میں ملوث ہے اور تیرا جسم مالِ دنیا حاصل

(بر صفحہ ۱۱۱)

Scanned with CamScanner

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ وَكَانُوْا
يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ
لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا
مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ كَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ
اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَ
اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

ترجمہ: اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے رُوگرداں ہوئے اور وہ بے خوف ہوکر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے صبح ہوتے ہی انھیں ہولناک آواز نے آلیا پس جو کچھ وہ کماتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور بے شک قیامت آنے والی ہے تو تم خیر و خوبی سے درگزر کرتے رہو بیشک تمہارا رب تعالیٰ ہی پیدا کرنے والا علم والا ہے بیشک ہم نے آپ کو وہ سات آیتیں دیں جو بار بار دُہرائی جاتی ہیں اور عظیم الشان قرآن بھی۔ اور اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان کے کئی قسم کے لوگوں کو چند روزہ سامان دیا ہے اور ان کے لیے غم نہ کھایئے اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لیجیے اور فرمایئے کہ میں وہی ہوں جو (عذاب سے) کھلے طور ڈرانے والا ہوں، جیسا کہ ہم نے بانٹنے والوں پر نازل کیا کہ جنھوں نے کلامِ خدا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سو مجھے آپ کے رب تعالیٰ کی قسم جو کچھ وہ عمل کرتے تھے ہم ان سے ضرور پوچھیں گے۔ آپ کو جس بات کا حکم ہے انھیں آپ صاف صاف کہہ دیں اور مشرکین سے منہ پھیر لیجیے۔ آپ کی طرف سے ان ہنسنے والوں کے لیے ہم کافی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں وہ عنقریب جان لیں گے۔ اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہو جاتا ہے سو آپ اپنے رب تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہیں اور سجدہ کرنے والوں سے ہو جایئے اور آخری سانس تک اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کیجیے۔

Scanned with CamScanner

(صفحہ ۱۰۱ سے آگے)

کرنے میں پکا چور ہے ۔ ابھی وقت ہے بچ لے ۔ اے مسکین! تیری عمر ختم ہو جائے گی اور غفلت کے نشے میں تو چور چور ہے ، تو اپنی حفاظت کے لیے کون سی تدبیر رکھتا ہے! ؎

علیك بالقصد لا تطلب مكاشره
فالقصد افضل شئ انت طالبه
فلمرؤ يفرح بالدنيا و بهجتها
ولا يفكر ماكانت عواقبه
حتى اذا ذهبت عنه و فارقها
تبين الغبن فاشتدت مصائبه

[ترجمہ : میانہ روی اختیار کیجیے بہت زیادہ کی طلب نہ کیجیے اس لیے کہ تیری طلب میں میانہ روی بہتر ہے جو شخص دنیا اور اس کی رونق سے خوش ہوتا ہے وہ اس کے انجام سے بے خبر ہے ۔ جب دنیا اس سے جدا ہوتی ہے اس وقت اس کی خرابی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے نہ ہونے سے مصائب میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔]

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قناعت کن اے نفس بر اندکے
کہ سلطان و درویش بینی یکے
مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

[ترجمہ : اے نفس تھوڑے پر اکتفا کیجیے اس لیے کہ شاہ و گدا کو برابر کیجیے ۔ نفس شہوت پرست کا کہنا مت مان اس لیے کہ ہر لحظہ اس کا نیا قبلہ ہے ۔]

(تفسیر آیات صفحہ ۱۱۰)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ [اور بے شک حجر والوں نے رسولوں کو جھٹلایا]

حلِ لغات : الحجر بکسر الحا صالح علیہ السلام کی قوم یعنی ثمود کے علاقے کا نام ہے ۔ وہ مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان وادی القریٰ کے نزدیک واقع ہے ۔ وہ لوگ یہاں ٹھہرتے تھے اور وہ خالص عربی تھے ۔ حضرت صالح علیہ السلام نسب کے لحاظ سے ان سے افضل تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں ان میں رسول بنا کر بھیجا ۔ آپ اس وقت نوجوان تھے آپ نے انھیں تبلیغ فرمائی یہاں تک کہ بوڑھے ہو گئے ۔ چند غربا نے آپ کی اتباع کی باقی کورے کے کورے رہ گئے ۔

ے

گوئے توفیق وسلامت درمیان افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

[ترجمہ: توفیق وسلامت کی گیند درمیان میں رکھی گئی ہے کوئی بھی میدان میں نہ آیا تو قصور کس کا]

اصحاب الحجر یعنی قوم ثمود نے مرسلین یعنی صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

سوال: صالح علیہ السلام ایک تھے انھیں المرسلین سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

جواب: ایک نبی کی تکذیب گویا تمام انبیا کی تکذیب ہے کیونکہ باوجود مختلف ادوار واعصار کے ان کی دعوتِ توحید اور اصولِ دین ایک تھے۔ یہ ایسے ہے جیسے ہم کہتے ہیں: فلان یلبس الثیاب ویرکب الدواب۔ یعنی فلاں کپڑے پہنتا اور سواریوں پر سوار ہوتا ہے حالانکہ اس کی صرف ایک سواری اور ایک کپڑا ہوتا ہے۔

جیسے اصول الشرائع میں انبیا علیہم السلام کا کوئی اختلاف نہیں ایسے ہی اولیا کرام کے آپس میں اصول اخلاق میں کوئی

اولیاء کرام اختلاف نہیں بلکہ بسا اوقات ان کی عبادات بھی ایک ہوتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات کا مشرب ایک ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ سے بطور کشف والہام حاصل کرتے ہیں انہیں جو کچھ نصیب ہوتا ہے ذات وصفات وافعال سے نصیب ہوتا ہے ایسے ہی جو ایک ولی اللہ کا دشمن ہے گویا وہ سب کا دشمن ہے ؂

بے خبر کازار ایں آزار اوست

آب ایں خم متصل باآب جوست

[ترجمہ: وہ بے خبر ہے اسے معلوم نہیں کہ اس کا ایذا اسے کیونکہ مٹکے کا پانی درحقیقت دریا کا پانی ہے]

وَاٰتَیْنٰھُمْ اور ہم نے قوم ثمود کو دیں اٰیٰتِنَا اپنی آیات یعنی ناقہ جس میں آیات الٰہی تھیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اونٹنی کا پتھر سے نمودار ہونا بے شمار عجائب پر مشتمل تھا:

۱۔ اتنی موٹی اور لمبی چوڑی اونٹنی تھی کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔

۲۔ پتھر سے نکلتے ہی بچہ جننا اور وہ بھی اتنا موٹا اور طویل وعریض کہ وہ بھی اپنی نظیر آپ تھا۔

۳۔ دودھ اس قدر کثرت سے تھا کہ تمام قوم ثمود کو کفایت تھا۔

۴۔ ایک بار تمام کنویں کا پانی پی جانا وغیرہ۔

ف: فتح القریب میں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے کافی عرصہ قوم ثمود کو تبلیغ فرمائی تو انھوں نے یہی معجزہ طلب کیا کہ پتھر سے اونٹنی نمودار ہو۔ چنانچہ ان کے مطالبے کے مطابق اونٹنی پتھر سے نکلی۔ اس کا مفصل واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

فَکَانُوْا عَنْھَا پس ہوئے ان آیات سے مُعْرِضِیْنَ بالکل رُوگردان۔ نہ صرف روگردانی کرنے والوں سے بلکہ ان سے معاندہ

Scanned with CamScanner

مقابلہ کرنے لگے۔ جیسا کہ تفصیل سے گزرا کر اونٹنی سے کیا کیا گیا۔ الاعراض بمعنے کسی شے سے منہ پھیرنا۔

ف: اونٹنی کو قتل کر کے اس کا گوشت بدھ کے روز آپس میں تقسیم کیا۔

ف: ابن الجوزی نے لکھا کہ انہوں نے اونٹنی سے عبرت حاصل کی اور نہ ہی اس کا مزہ سے دودھ پینے پر شکر کیا۔ بلکہ منعم حقیقی سے سرکشی کی اور اکڑ گئے۔ اس کے لطف و کرم کو بھول گئے۔ اور ایسے اندھے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر آیت کو دیکھ کر کفر کرتے۔ چونکہ طبعاً خبیث تھے اس لیے اپنی گندی عادت سے باز نہ آئے۔ اور گمراہی ان کے مقدر میں تھی اس لیے گمراہ رہے اور گمراہ ہو کر مرے۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

بآبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے را کہ باشد سیاہ

[ترجمہ: گلیم اللہ اس بدبخت کے سیاہ بخت کو آبِ زمزم و آبِ کوثر سے سفید نہ بنا دے گا]

وَكَانُوا يَنْحِتُونَ اور تراشتے تھے۔ النحت بمعنے تراشنا۔ مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں سے۔ الجبال جبل کی جمع ہے بمعنے پہاڑ۔ فارسی میں کوہ۔

ف: قاموس میں ہے الجبل محرکۃ [بفتحتین] بمعنے وہ موٹی اور لمبی میخ جو زمین میں گاڑی جائے۔ اگر اکیلی ہو تو اسے امکۃ یا قنۃ کہتے ہیں۔ زیادہ ملی جلی ہوں تو انہیں جبل کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے پہاڑ کو جبل سے موسوم کرتے ہیں۔

بُيُوتًا بیت کی جمع ہے۔ اس جگہ کا نام ہے جو مسقف ہو۔ اور جس کے داخل ہونے کا ایک مقام ہو۔ اور وہ رات بسر کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ خواہ اس کی دیواریں چار ہوں یا تین۔ اور الدار وہ خالی میدان جو بلا لحاظ بنا کے ہو۔

آمِنِينَ در انحالیکہ وہ انہدام اور چوروں کی نقب اور تخریبِ اعدا سے محفوظ تھے کیونکہ وہ مضبوط طریقے سے تیار کیے گئے تھے۔ یہ حال مقدرہ ہے۔ یا وہ لوگ اگرچہ غافل تھے لیکن عذاب و حوادث سے محفوظ تھے۔ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ پس انہیں جبریل علیہ السلام کی چیخ نے آ دبوچا۔ جبریل علیہ السلام نے ان میں ایک دم چیخ ماری تو وہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ آسمان سے ایسی سخت آواز آئی جو زمین پر اٹھنے والی سب آوازوں کا مجموعہ تھی۔ اس سخت آواز سے ان کے قلوب پھٹ گئے۔ اور سورۂ اعراف میں فاخذتھم الرجفۃ ہے۔ الرجفہ بمعنے الزلزلہ۔ سخت آواز کے بعد جو ہوا کی موجوں سے اٹھتی ہے اسے زلزلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنے پر الرجفہ کو الصیحۃ کہنا مجاز ہو گا۔

مُصْبِحِينَ یہ ضمیر منصوب سے حال ہے یعنی در انحالیکہ وہ چوتھے دن یعنی اتوار کے دن صبح کے وقت داخل ہوئے۔

ف: صبح کا غیر ممتد وقت جو ضحوۂ کبریٰ [چاشت تک یعنی قبل زوال] تک ختم ہوتا ہے۔ ہفتہ کے پہلے تین دنوں میں پہلے دن کافروں کے چہرے زرد، دوسرے دن سرخ، تیسرے دن سیاہ ہو گئے۔ اسی دن تباہی و بربادی کے مستعد ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

قاعدہ ہے کہ سعادت مندوں کے سفید چہروں کے مقابلے میں بدبختوں کے چہرے زرد ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وجوہ یومئذ مسفرہ۔ اس دن بعض چہرے سفید، چمکدار اور روشن ہوں گے۔

اور کافروں کے سرخ چہروں کے مقابلہ میں نیک بختوں کے چہروں کا ذکر یوں ہوا:

وجوہ یومئذ ضاحکۃ۔ اس دن بعض چہرے ہنستے ہوں گے۔

اس کے بعد بدبختوں کے سیاہ چہروں کے مقابلے میں نیک بختوں کے چہروں کا ذکر مستبشرۃ [خوش چہرے] سے ہوا۔ مستبشرۃ ان چہروں کو کہا جاتا ہے جن سے سرور و فرحت کے آثار نمودار ہوں۔ جیسے بدبختوں کے چہرے سے بدبختی کا نشان سیاہی سے ظاہر ہوگا۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ پس انھیں بچا نہیں سکے گا یعنی جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو کوئی انھیں عذاب سے نہیں بچائے گا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مایغنی عنک ھذا ای ما یجدی عنک و ما ینفعک۔ یعنی تمھیں وہ کسی قسم کا فائدہ نہیں دے گا

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ وہ جو کرتے تھے۔ یعنی بڑے مضبوط گھر، کثرتِ مال اور وفرتِ افراد انھیں عتابِ الٰہی سے بچا نہیں سکیں گے۔

ف: مروی ہے کہ صالح علیہ السلام کی قوم جب تباہ و برباد ہوئی تو آپ اپنی ایمان دار جماعت کو لے کر شام کے علاقہ کو روانہ ہو گئے۔ اور رملہ یعنی فلسطین میں مقیم ہو گئے۔ پھر وہاں سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ اپنی قوم کو بیس سال تبلیغ کرنے کے بعد وہاں اٹھاون برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔

حدیث شریف حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام حجر سے گزرے، آپ نے ہمیں فرمایا کہ ظالمین یعنی کافرین [صالح علیہ السلام کی قوم کے افراد] کے گھروں سے روتے ہوئے گزرو اس خطرہ سے کہ کہیں تم بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ پھر حضور علیہ السلام نے سواریوں کو تیز کر دیا یہاں تک کہ ہم لوگ مقام حجر سے بہت دور نکل گئے۔ یہ غزوہ تبوک کے موقع کا معاملہ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر خائف ہوئے کہ شاید وہ یہاں سے گزرتے ہوئے نصیحت نہ پکڑیں اس لیے آپ نے انھیں تنبیہ فرمائی۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ ایسے مقامات پر سکونت پذیر نہ ہو جہاں ظالمین کافرین تباہ و برباد ہوئے اس خطرہ سے کہ جیسے ان پر عذاب نازل ہوا کہیں اس پر بھی نہ نازل ہو جائے۔ یا ان کی عادات اس پر اثر انداز نہ ہوں۔ ان مقامات کو خالی رکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان کی ویرانی سے عبرت حاصل کریں۔ اس لیے کہ وہ مقامات آنے والے لوگوں کے لیے نصیحت کا موجب بنتے ہیں۔ اگر انسان ان مقامات پر سکونت کا پروگرام بنائے تو وہی مقامات قساوتِ قلبی اور ظلم و جرم کا سبب بنیں گے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ : فقیر [حقی] کہتا ہے کہ جس طرح ایسے مقامات پر سکونت اور قیام کرنا منع ہے اسی طرح وہاں نماز پڑھنا اور سیر و سیاحت کے لیے بھی آنا جانا ممنوع ہے بلکہ بضرورت بھی نہ جانا چاہیے۔[1]

ف : اللہ تعالیٰ نے جس طرح از منہ کو متفاوت بنایا ہے اسی طرح امکنہ کو بھی کہ ان میں بعض افضل ہیں بعض ان سے کم بلکہ بعض منحوس اور منحوس ترین۔

مسئلہ : اوپر کا مسئلہ مبنی بر تقویٰ ہے۔ یعنی عزیمت کا تقاضا ہے کہ ایسے مقامات پر نہ جانا بہتر ہے ورنہ بوقتِ ضرورت وبلا ضرورت رخصت بھی ہے۔

نسخہ روحانی بندہ جب ظاہری اعضا کو مطلق العنان چھوڑ دے تو اس کے باطنی اعضا بھی مطلق العنان ہو جاتے ہیں۔ ظاہری اعضا کی خرابی سے بندے کا باطن بھی خراب ہو جاتا ہے بلکہ قلب کا ماسوی اللہ کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور عرفان اس وقت نصیب ہوتا ہے جب بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس کے دل سے غیر کا تصور بھی اٹھ جائے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اثنائے سفر میں ایک شہر کے کنارے پہنچا، ارادہ ہوا کہ شہر میں داخل ہوں۔ شہر کے کنارے ایک ذی شان بلڈنگ دیکھی اس کے نیچے نہر جاری نظر آئی، میں نے اس سے وضو کیا۔ عمارت کے اُوپر دیکھا تو ایک نہایت حسین وجمیل دوشیزہ نظر آئی اس نے مجھے دیکھ کر کہا کہ اے ذوالنون! میں نے تمہیں پہلی بار دیکھ کر سمجھا کہ تم مجنون ہو، لیکن جب تم نے وضو کیا تو سمجھا کہ عالم ہو۔ وضو کر کے جب آپ روانہ ہونے تو سمجھا کہ آپ عارف ہیں۔ لیکن اب مجھے معلوم ہُوا کہ آپ نہ مجنون ہیں نہ عالم ہیں، نہ عارف۔ میں نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ اگر آپ مجنون ہوتے تو وضو نہ کرتے۔ اگر آپ عالم ہوتے تو پرائے گھروں اور غیر محرم عورتوں کو نہ دیکھتے۔ اگر تم عارف ہوتے تو تمہارا دل غیر اللہ کی طرف مائل نہ ہوتا۔ خجندی نے فرمایا؂

سالک پاک رو نخوانندش
آنکہ از ماسوی منزہ نیست

آستیں کوتہی چہ سود انرا
کز دنیا دست کوتہ نیست

[ترجمہ : سالک اسے پاکباز نہیں کہتے جو ماسوی اللہ سے منزہ نہیں۔ وہ آستین جو خالی ہو اس کا کیا فائدہ۔ کہ وہ دنیا سے خالی ہاتھ نہیں]

---

[1] لیکن دورِ حاضر نے اس کے برعکس ان مقامات کو یادگاریں ٹھہرا کر سیر وتفریح کے اعلیٰ مراکز بنا دیے اور قوم کے کروڑوں روپے ضائع کر دیے اور کر رہے ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کو یعنی زمین و آسمان کی جنسوں کے مابین۔ اگر ان کے مابین کے اجزا مراد ہوتے تو وما بینھن ہوتا۔

ف: اس سے واضح ہوا کہ اولاً تمام آسمان ایک تھے پھر بعد کو ان کی تقسیم ہوئی۔ (کذا فی الکواشی)

اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے ساتھ۔ یعنی ان کی تخلیق نہیں، مگر در انحالیکہ وہ حق اور حکمت کے ساتھ متلبس ہے ان کی تخلیق ؛ باطل ہے اور عبث۔ یا بالحق بمعنے الی الحق ہے اس لیے کہ باء ' الی کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ اب معنی یہ ہو گا کہ آسمان و زمین کی تخلیق اس لیے ہے کہ بندے انھیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فرو گیر و دوست
در معرفت دیدۂ آدمیست
کہ بگشودہ بر آسمان و زمیست

(ترجمہ: دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کو دیکھنے کے لیے ہیں۔ اے دوست! اپنے بھائی کے عیب سے آنکھ بند کر۔ معرفت کے لیے بینائی عطا کی گئی تاکہ آسمان و زمین کو دیکھ کر معرفتِ الٰہی حاصل کرے)

وَاِنَّ السَّاعَةَ اور بے شک قیامت۔ چونکہ اس کے وقوع کی ہر وقت توقع رہتی ہے اس لیے اسے الساعۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کما فی المدارک)

ف: ابن الملک نے فرمایا، الساعۃ اس وقت کا نام ہے جس وقت قیامت قائم ہوگی۔ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ اس معمولی سی گھڑی میں ایک بہت عظیم حادثہ ہوگا۔

ف: اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ ساعۃ کو اس لیے الساعۃ کہتے ہیں کہ اس کی جانب وقوع میں سعی کی جا رہی ہے اور اس کی مسافت انفاس سے طے ہو رہی ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

لَاٰتِیَةٌ ضرور آئے گی۔ جیسا کہ اس کے بارے میں ایک فارسی مقولہ مشہور ہے:

اگرچہ قیامت دیر آید و لے می آید۔ اگرچہ قیامت دیر سے آئے لیکن آئے گی ضرور۔

پھر اسے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! تیرا رب تیرے دشمنوں سے تیرے لیے بدلہ ضرور لے گا کیونکہ انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی نیکیوں کی جزا دے گا اور انھیں ان کی برائیوں کی سزا دے گا۔ فلھذا زمین و آسمان کی تخلیق اسی لیے ہوئی ہے کہ نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا دی جائے۔ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ صفح عنہ بمعنے عفا یعنی معاف کیا اور صفحہ بمعنے اعراض و ترک ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مکذبین سے اچھے طریقے کے ساتھ درگزر فرمائیے اور ان کی ایذا پر حوصلہ کیجیے ان کے بدلے میں عجلت نہ فرمائیے بلکہ ان کے ساتھ درگزر

Scanned with CamScanner

اور صلہ کرنے والوں جیسا معاملہ کیجیے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ آپ ان کو اپنے حقوق معاف کرکے ان سے بدلہ لینے کے در پے نہ ہوں۔

اِنَّ رَبَّكَ بے شک تمہارا رب کہ جس نے تمہیں اتنے بلند مرتبے پر پہنچایا ہے هُوَ الْخَلّٰقُ وہی تمہارا اور ان سب کا بلکہ علی الاطلاق جمیع موجودات کا خالق ہے ؎

ف : کاشفی نے لکھا کہ :

اوست آفرینندۂ خلاق و افلاک یعنی خالق افلاک و انجم و — وہی افلاک و انجم اور جن و انس اور دیو پری
حیوان مردم و دیو و پری و مرغ را۔ — اور پرندوں کا خالق ہے۔

؎

خالق دریا و دشت و کوہ و تیہ
ملکت او بے حد و او بے شبیہ
نقش او کردست و نقاش من اوست
غیر اگر دعویٰ کند او ظلم جوست

[ترجمہ : وہ دریا و جنگل اور پہاڑ اور ویران کا خالق ہے۔ اے اللہ! تیرا ملک بے حد اور بے مثال ہے۔ اسی کو اس نے اور مجھے بھی اس نے بنایا۔ اس کے سوا اگر کوئی دعویٰ کرے تو ظالم ہے]

الْعَلِيْمُ وہ وفاق و نفاق کو جانتا ہے۔

ف : اللہ ارشاد میں ہے کہ وہ تمہارا اور ان کا تفصیل حال جانتا ہے۔ تمہارے اور ان کے درمیان جتنے امور ہوئے یا ہو رہے ہیں یا ہوں گے ایک ایک کو جانتا ہے۔ اور وہ اسی لائق ہے کہ جملہ امور اسی کے سپرد ہوں وہ جیسے چاہے فیصلہ فرمائے۔

مسئلہ : آیت میں حکم ہے کہ مخالف کے ساتھ اچھے خلق سے برتاؤ کیا جائے۔

شانِ حبیبُ الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ خوش خلق، حلیم تر اور بہت زیادہ معاف کرنے والے اور بہت زیادہ سخی تھے۔

مسئلہ تصوف : حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لوگوں کے عیوب سے درگزر کرنا مروّت و فتوت ہے۔

حکایت حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ درگزر کرنے اور معاف کرنے میں مشہور تھے یہاں تک کہ ایک دن آپ کو کسی نے گالی دی تو آپ سُنی اَن سُنی کرکے چل دیے۔ اس نے خود کہا کہ میں آپ کو ہی گالی دے رہا ہوں۔ آپ نے اسے جواب دیا کہ میں بھی تجھ سے ہی درگزر کر رہا ہوں۔ اس مضمون کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

خذ العفو و أمر بالمعروف و اعرض عن الجاهلين [معافی کا طریقہ اختیار کرکے ان لوگوں کو نیکی کا حکم دیجیے

Scanned with CamScanner

اعجابوں سے درگزر فرمایا ہے۔

حضرت امام مالک کی عجیب کہانی

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو جعفر بن سلیمان عباسی حاکم مدینہ طیبہ نے بہت زیادہ مارا یہاں تک کہ امام صاحب بیہوش ہو گئے۔ آپ کو بیہوشی کے عالم میں ہی اٹھا کر گھر پہنچایا گیا۔ آپ کو جب ہوش آیا تو فرمایا کہ جس نے مجھے مارا میں نے اسے بخش دیا۔ عرض کی گئی: اتنی جلدی کیوں معاف فرمادیا۔ آپ نے فرمایا: اگر میں اسی حالت میں مرجاتا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تو میں ان کے ہاں شرمسار ہوتا کہ میری وجہ سے ان کا کوئی رشتہ دار جہنم میں جائے۔

حکایت

منصور جب مدینہ طیبہ میں حاکم بن کر آیا تو اسے کہا گیا کہ جعفر سے بدلہ لو۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کی تمام غلطیاں معاف کر دیں محض اس لیے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار ہے۔

مقولہ عرب: الحلم ملح الاخلاق۔ اخلاق کا نمک حوصلہ ہے۔

حکایت

بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی ایک لونڈی کی وفات پر خوب روئیں۔ سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس کی بری عادات پر حوصلہ کرنے کا موقع نہ ملا، میں اس کوتاہی سے حسرت کے طور پر روتی ہوں۔ میری یہ لونڈی بیوقوف اور بدخلق بھی تھی۔ مجھ سے اس کی بدخلقی اور بیوقوفی پر حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما الا بالحق ارباب حق یعنی کاشفین بصفات الحق کے لیے آیات حق کو حق کے ساتھ ظاہر کرنے والا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مابین کا شعور صرف انسان کو ہے اس لیے کہ یہی آیات حق کا مظہر ہے۔ بنابریں ان کا شعور بھی صرف اسی کو ہونا چاہیے کما قال: ان فی خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف الیل والنھار لاٰیٰت لاولی الالباب [آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اور شب و روز کے مختلف ہونے میں اولی الالباب کے لیے آیات ہیں] اولی الالباب سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے اخلاق ربانیہ کا ثمر صفات انسانیہ کی آلائش سے صاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وما خلقنا السمٰوٰت میں السمٰوٰت سے سمٰوٰتِ الارواح والارض میں ارض سے ارض الاشباح اور وما بینھما سے نفوس و قلوب و اسرار و خفیات مراد ہیں۔ الا بالحق یعنی مذکورہ بالا اشیا کو صرف مظہر حق یعنی حضرت انسان کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس لیے کہ مذکورہ بالا اشیا صرف حضرت انسان کے لیے مختص ہیں دیگر مخلوق کا ان میں کسی قسم کا حصہ نہیں کیونکہ حضرت انسان مبانی ظاہرہ و معانی باطنہ کے لحاظ سے ذات و صفات حق کا آئینہ ہے۔ حضرت انسان تزکیہ و تصفیہ اور تخلیہ و تحلیہ کے بعد مظہر حق ہے اور اس کا اسے شعور بھی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہتا ہے کہ شیشے کا زنگ و آلائش دور ہوگا تو اس میں چہرہ صاف نظر آئے گا۔ ایسے ہی جو شخص اپنے سے انانیت کا زنگ دور کرتا ہے تو اس پر ہویت کے شہود کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے، وہ ربوبیت الحق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس وقت انا الحق کہنا اس کے لیے روا ہے۔ اسی طرح جو انانیت کے مٹنے کے بعد سبحانیت کی بنا پر سبحانی ما اعظم شانہ کہے تو اسے

کوئی ممانعت نہیں۔ وان الساعۃ لآتیۃ میں قیامتِ عشق مراد ہے کہ جب طالبین صادقین کے نفوس کو عشق محیط ہوتا ہے نفس مضمحل ہو کر مجاہدات و ریاضات سے مٹ جاتا ہے۔ اسے فنا کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب و صدق و اجتہادِ قلبی عشق سے حاصل ہوتا ہے۔ عشقِ قلبی کی یہ برکت ہوتی ہے کہ نفس خود بخود مٹ جاتا ہے کیونکہ کثرتِ اجتہاد و ریاضات سے قیامتِ عشق نے نفس کے صفات کو مار ڈالا۔ اور قاعدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ فاصفح الصفح الجمیل اسے طالبِ صادق! نفس کی رعونت مٹنے کے بعد اس کی تسلیم و رضا پر اس سے نرمی کیجیے۔ مثلاً اسے کسی کامل کی صحبت اور اس کے ملفوظات سے نفس کو تسلی دیجیے۔ اس پر سخت بوجھ مت ڈال اور نہ اسے ایسے مجاہدات و ریاضات میں ڈال جن کا یہ متحمل نہ ہو سکے۔ تزکیۂ نفس سے ایک ہی لحظہ سے نفس کو قیامت نصیب ہو سکتی ہے اور عشق کے بغیر ہزاروں سال کے بعد بھی نفس کو ایسی قیامت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ عشق جذبۂ حق کا دوسرا نام ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جذبات حق کا صرف ایک جذبہ عمل الثقلین کے برابر ہے"۔ ان ربك هو الخلاق العلیم میں اس کے مبالغہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی صورتیں، ان کے معانی اور حقائق پیدا کرتا ہے اور اپنی مخلوق کو جانتا ہے کہ ان میں ذات و صفات کی مظہریت کی استعداد کس میں ہے اور ان میں کون ذات و صفات کا مظہر بننے کی تیاری کا شعور رکھتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ [اور بے شک ہم نے آپ کو دیں]

شانِ نزول: حسین بن الفضل نے فرمایا کہ سات قافلے مختلف سازو سامان لے کر بصریٰ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ اس سامان میں جواہر و عنبر اور دیگر قیمتی اشیاء تھیں۔ اور یہ تمام سامان دشمنانِ اسلام کا تھا۔ مسلمانوں نے دیکھا تو کہنے لگے کاش! یہ سامان ہمارا ہوتا اور ہم اسے راہِ خدا میں خرچ کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم نے جو آپ کو سات آیتیں دی ہیں یہ سات قافلوں [کے سازو سامان] سے بہتر ہیں۔ اس کی تائید آنے والی آیۃ لا تمدن عینیك سے بھی ہوتی ہے۔ (کما فی اسباب النزول للواحدی)

ف: تیسیر میں ہے کہ قریش کے ہفت قافلے ایک ہی دن مکہ معظمہ میں آئے۔ ان کے سازو سامان میں بہترین پوشاکیں تھیں۔ حضور علیہ السلام کے دل میں خیال گزرا کہ مومن بھوکے اور کپڑوں سے تنگ ہیں اور مشرکین کے پاس اتنا زیادہ مال۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا، اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو دیں سَبْعًا سات آیتیں۔ اس سے سورہ فاتحہ مراد ہے۔ اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے ایک سو تیئیس حروف اور پچیس کلمات اور سات آیات ہیں۔ بعض کے نزدیک انعمت علیھم آیت ہے اور بسم اللہ اس میں شامل نہیں [یہی احناف کا مذہب ہے] اور بعض کے نزدیک انعمت علیھم آیت نہیں بلکہ بسم اللہ اس میں شامل ہو کر اس کی ایک آیت ہے۔

مِّنَ الْمَثَانِیْ قرآن مجید سے۔ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے جیسا کہ سورۂ زمر میں فرمایا:

اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابھا مثانی۔	اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسن الحدیث یعنی قرآن نازل فرمایا ہے۔ جس کے آیات ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

Scanned with CamScanner

حل لغات : المثانی، مثنی کی جمع ہے کہ اس میں احکام مکرر نازل کیے گئے ہیں۔ یعنی وعدہ وعید امر و نہی اور ثواب و عتاب اور قصص وغیرہ۔ (کذا فی الکاشی)

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن عظیم بھی آپ کو عنایت کیا گیا ہے اور اس کی قدر و منزلت ہمارے ہاں بہت بڑی ہے اور اس کا ثواب بھی بے شمار ہے۔ یہ عطف الکل علی البعض کے قبیل سے ہے۔ یعنی السبع جز ہے اور القرآن العظیم کل طور پر بھی ہے کہ یہ من بیانیہ ہو۔ اس معنے پر السبع اور المثانی ایک شے ہے۔ جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان میں من بیانیہ ہے۔ یعنی الرجس سے اجتناب کرو کیونکہ وہ بت ہیں۔

ف : فاتحہ کو مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ یا اس لیے کہ ایک رکعت میں اس کے ساتھ کوئی سورۃ ملا کر پھر دوسری رکعت میں اسے [فاتحہ کو] دوبارہ پڑھ کر پھر سورۃ پڑھی جاتی ہے۔ یا اس لیے کہ اس کا نصف اللہ تعالیٰ کی ثنا پر اور دوسرا نصف بندے کے مقصد پر مشتمل ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید سے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی سورۃ سکھاؤں جو فضیلت کے لحاظ سے قرآن مجید میں بہت بڑی ہے۔ انھوں نے عرض کی وہ کون سی سورت ہے؟ آپ نے فرمایا: الحمد للہ رب العالمین الخ یہی السبع المثانی اور القرآن العظیم ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے بعض حصے کو قرآن مجید کہنا جائز ہے۔

ف : فتح القریب میں ہے القرآن العظیم کا السبع المثانی کا عطف عطف الشئ علی نفسہ کے قبیل سے نہیں، کیونکہ یہ اس قبیل سے ہے کہ شے کے دو وصفوں کو ایک دوسرے پر عطف ڈالا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن مجید وہ ہے جو دو وصفوں کا جامع ہے۔

ف : فقیر [اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ] کہتا ہے چونکہ قرآن مجید کے بعض آیات سے سورۃ فاتحہ اعظم و افضل ہے اور بہت سے حقائق کی جامع ہے اس لیے اس پر کل قرآن کا اطلاق جائز ہے۔ یا یہ بایں معنیٰ مثانی ہے کہ اس کی ہر آیت دو رکعت والی نماز میں دو بار پڑھی جاتی ہے۔ اور یوں بھی ہے کہ چونکہ اس میں کل قرآن کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور یہ قرآن کا جزو بھی ہے۔ اس معنے پر اس میں کل قرآن کی حیثیت ملحوظ رکھ کر اسے کل قرآن کہا جائے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اور اپنی آنکھیں نہ پھیلایئے۔ مد النظر بمعنے تطویل النظر ہے۔ یعنی منظور الیہ یعنی جس شے کو دیکھا جا رہا ہے اس کے حسن کے پیش نظر اس کی طرف رغبت کرتے ہوئے آنکھ پھاڑ کر دیکھنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اسے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اسے محبت و رغبت سے بار بار نہ دیکھیے اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اس کی طرف کہ جس سے ہم نے نفع دیا ہے یعنی دنیا کی دو نعمتوں اور اس کی زینت اور اس کے محاسن اور اس کے نقش و نگار کو رغبت و تمنا کی نگاہ سے نہ دیکھیے کہ آپ کا خیال ہو کہ ہمیں بھی یہی مل جاتا۔ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کافروں کے بعض اقسام کو۔ مثلاً یہود و نصاریٰ اور مجوس و مشرکین کو، اس لیے کہ جو کچھ

Scanned with CamScanner

کافروں کو دنیوی سازو سامان مثلاً اموال و ذخائر وغیرہ ملے ہیں آپ کے فضائل و کمالات اور نبوت و قرآن کے بالمقابل کچھ بھی نہیں۔ آپ کا کمال بالذات و دوام للذات ہے کہ نعمتِ عظمیٰ ہے اس کی کوئی نعمت مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اور انھیں جو کچھ ملا ہے وہ عارضی ہے۔[۱]

پیش دریائے قدر و حرمت تو

نہ محیط فلک حبابے نیست

داری آں سلطنت کہ در نظرت

ملک کونین در حسابے نیست

[ترجمہ: آپ کی قدر و منزلت کے بالمقابل نو آسمان ایک حباب ہیں۔ آپ تو ایسی سلطنت کے مالک ہیں جس کے سامنے کونین کی کوئی وقعت نہیں]

اسی لیے آپ اپنی نعمت پر مسرور و مفروح رہیے۔ ان کے سازو سامان کو تصور میں نہ لائیے کیونکہ وہ صرف دنیوی اسباب ہیں۔

حدیث شریف: لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ ہمارے سے نہیں جو قرآن سے استغنا حاصل نہیں کرتا۔

اس حدیث کے حافظ نے چار وجہ بیان فرمائے ہیں:

شرح الحدیث ① التغنی بالقران سے مراد بلند آواز سے پڑھنا۔ ② الاستغنا بالقرآن یعنی صرف قرآن مجید کو اپنے جملہ احکام کے لیے کافی سمجھنا، کسی دوسری کتاب یا قانون کی ضرورت دل میں نہ لانا، اس لیے کہ جو فضیلت قرآن کو نصیب ہوئی اور کسی کتاب اور قانون کو نصیب نہیں ہوئی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جسے قرآن کی دولت نصیب ہے اور اس کے باوجود وہ سمجھتا ہے کہ فلاں کو فلاں دنیوی جاہ و جلال مجھ سے زائد نصیب ہوا ہے تو وہ بے وقوف ہے کیونکہ وہ اپنی عظیم دولت کو حقیر اور دوسرے کی حقیر چیز کو عظیم سمجھ رہا ہے۔ ③ تغرید الصوت یعنی قرآن مجید کو ایسے لہجے سے ادا کرنا کہ جس سے معنے میں خلل نہ پڑ جائے[۲] حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو اختیار فرمایا تاکہ عرب کے جملہ اشعار کو چھوڑ کر قرآن مجید پڑھیں اسی طریق سے جس طرح وہ اشعار پڑھتے ہیں۔ لیکن لازم ہے کہ اشعار کی طرح پڑھنے سے قرآن مجید کے معنی

---

[۱] اس سے دور حاضرہ کے جدید مسلم کو غور و فکر کرنا چاہیے جب وہ سمجھتا ہے کہ اسلام فرسودہ نظام ہے چھوڑ سوشلزم کا دامن پکڑتا ہے کبھی سیکولرازم کا۔ ۱۲

[۲] آج کل قرآن مجید کو اشعار کے طرز پر پڑھتے ہوئے معنے میں خلل ڈالنے والے حفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

میں غلل واقع نہ ہو۔ ⑦ تحسین الصوت یعنی قرآن مجید کو حسین لہجے سے پڑھنا جس میں اشعار کی طرز پیدا نہ ہو۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور کافروں کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کھائیے۔ اگر وہ آپ کی اتباع نہیں کرتے تو نہ کریں ان کے اتباع نہ کرنے سے اہلِ ایمان کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ میں نے ان کے لیے کفر مقدر کر دیا ہے۔

ف : کاشفی نے اس کا ترجمہ یوں لکھا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے یاروں کی غربی و مفلسی کا غم نہ کھائیے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اور اہلِ ایمان کے لیے تواضع کیجیے اور اپنے فقرا مومنین سے خلق سے پیش آیئے اور ان کے ساتھ نرمی کیجیے اور دولت مند مومنوں پر اہل ایمان فقرا کو ترجیح دیجیے۔ خفض الجناح یعنی پر بچھانا یعنی تواضع کرنا۔

ف : تہذیب المصادر میں ہے: الخفض یعنی کسی شے کو نیچے لے جانا۔ الرفع کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں لفظوں کو یکجا بیان فرمایا: خافضة رافعة یعنی ایک قوم کو بہشت کے بلند درجات میں بٹھائے گا اور دوسری قوم کو جہنم کے گڑھوں میں دبائے گا۔

ف : کشف الاسرار میں مرقوم ہے کہ خفض جناح سے خوش خلقی مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خوش خلقی کا تاج صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا ہے ؎

ذات ترا وصف نکو خوبیست
خوبیِ تو سرمایۂ نیکوئیست
روزِ اول دوختہ حکیم و قدیم
بر قدِ تو خلعتِ خلقِ عظیم

[ترجمہ: آپ کی ذات اچھے اوصاف سے متصف ہے۔ آپ کا وصف تمام اچھائیوں کا سرمایہ ہے۔ روزِ اول سے ہی حکیم قدیم نے آپ کے قدِ مبارک پر خلقِ عظیم کو سی دیا تھا]

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے کہ میں ڈر سنانے والا اور عذابِ الٰہی کے نزول کو ظاہر کرنے والا ہوں۔

شانِ نزول

انسان العیون میں ولقد اٰتینٰك سبعًا من المثانی والقرآن العظیم کے شانِ نزول کے متعلق مذکور ہے کہ ابوجہل کے لیے شام سے اس قدر مالِ کثیر لایا گیا جو سات قافلوں پر مشتمل تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے اس وقت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کپڑوں کے محتاج اور بھوکے تھے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صحابہ کرام کی حالتِ زار پر ترس آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے آپ کو سبعًا من المثانی دی جو ان کے ساتوں قافلوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لیے آپ ابوجہل کے قافلوں کو نہ دیکھیے کیونکہ وہ تو متاعِ دنیا اور نہایت خسیس شے ہے اور اپنے صحابہ کرام کے لیے بجائے غم کھانے کے ان کے ساتھ خوش اخلاقی

Scanned with CamScanner

استعمال کیجیے اس لیے کہ ان کے لیے آپ کی خوش اخلاقی دنیا بھر کی نعمتوں سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔

سورہ فاتحہ کے فضائل

○ زوائد الجامع الصغیر میں مرقوم ہے کہ سورۃ فاتحہ کو ایک پلڑے میں اور سالم قرآن مجید کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو سورۃ فاتحہ سات بار قرآن مجید سے بھاری ہوگی۔ [یعنی افضل ہوگی]

○ سورۃ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے۔

○ خواص القرآن میں مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ کو پاک برتن پر لکھ کر اسے پانی سے دھو کر مریض کو پلایا جائے تو مریض شفایاب ہو جائے گا [ان شاء اللہ تعالیٰ]

○ سورۃ فاتحہ کو شیشے کے برتن میں مشک سے لکھ کر گلاب کے پانی سے دھو کر کسی کند ذہن کو پلایا جائے تو وہ ذہین ہو جائیگا۔ اسی طرح اسے سات روز مسلسل پلایا جائے۔ [ان شاء اللہ تعالیٰ]

تفسیر صوفیانہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛ ولقد اتینٰک سبعًا ہم نے آپ کو سات ذاتی صفات عنایت فرمائی ہیں؛

۱۔ سمع ۲۔ بصر ۳۔ کلام ۴۔ حیات ۵۔ علم ۶۔ ارادہ ۷۔ قدرت

من المثانی یعنی المثانی کی خصوصیت سے۔ اس سے مظہریت ذاتی وصفاتی مراد ہے۔ یعنی مظہریت ذاتی وصفاتی جو صرف حضرتِ انسان کو نصیب ہوتی ہے وہ آپ کو ہم نے عنایت فرمائی۔ یاد رہے کہ مظہریت ذاتی وصفاتی انسان کے سوا کسی دوسری مخلوق کو نصیب نہیں ہوتی اور نہ ہوگی۔ اگرچہ ملائکہ نوری مخلوق ہیں لیکن وہ بھی اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی سے وعلم ادم الاسماء کلہا کا بھید کھلا کہ آدم علیہ السلام اسی مظہریت ذاتی وصفاتی سے مسجودِ ملائکہ ٹھہرے۔ الاسماءُ میں بعض اسماء ذاتی تھے اور بعض صفاتی۔ اور وہ صرف آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے۔ ملائکہ ان سے بے خبر تھے۔ وہ اسی لیے کہ آدم علیہ السلام اسماءُ ذاتی وصفاتی کے مظہر تھے اور ملائکہ مظہر نہیں تھے۔ اسی لیے انھیں بے خبر رکھا گیا تھا۔ ہاں ملائکہ بعض صفات کے مظہر ہیں لیکن وہ بھی اس طرح نہیں جیسے آدم علیہ السلام تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا؛ ثم عرضہم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھٰؤلاءِ ان کنتم صادقین۔ پھر آدم علیہ السلام نے ان اسماء کو ملائکہ کرام کے سامنے پیش کر کے فرمایا مجھے ان اسماء کی خبر دو اگر تم سچے ہو۔ چونکہ ملائکہ کرام بعض صفات کا مظہر تھے اس لیے آدم علیہ السلام کے سوال پر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ قالوا سبحانک لا علم لنا اِلّا ما علمتنا تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا علم ہے جتنا تُو نے ہمیں سکھایا۔ یہی راز تھا کہ ملائکہ کرام آدم علیہ السلام کے سامنے جھک گئے۔

والقراٰن العظیم اس سے وہ حقائق مراد ہیں جو قائم بذاتِ تعالیٰ ہیں اور یہی قرآن اللہ تعالیٰ کے اخلاقِ قدیمہ کا ایک خلق ہے جسے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص فرمایا؛ وانک لعلیٰ خلقٍ عظیم اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ خلقِ عظیم پر ہیں۔

Scanned with CamScanner

خلقِ عظیم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کے بارے میں کسی نے سوال کیا تو بی بی صاحبہ نے فرمایا :

کان خلقه قرآن - یعنی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

ولا تمدن عینیك الی ما متعنا به ازواجا منهم اس آیت میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عبد ، ولی یا نبی کو بلند مقامات پر فائز فرماتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ وہ جسمانی اور روحانی دونوں آنکھوں کو دنیوی اسباب اور اخروی انعامات سے ہٹالیں اور اہلِ دنیا و آخرت کا تصور بھی دل سے مٹادیں - ولا تحزن علیهم یعنی ان کے ساتھ رہ کر جو درجات و مقامات فوت ہو گئے ان کا بھی غم نہ کھائیے - یہ حضور علیہ السلام کے اس خاصہ کو بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ شبِ معراج بہت ارفع مقامات کو طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ کو انوار و تجلیات نے گھیر لیا لیکن آپ نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ انھیں خیال میں لائے جبکہ آپ محویت حق میں مستغرق تھے تو ان کی طرف توجہ کی کیا ضرورت تھی - اسی لیے فرمایا وہ مقامات ادنیٰ تھے ، وہ آپ کی توجہ سے رہ گئے تو کیا ہوا واخفض جناحك للمؤمنين اس مقامِ اعلیٰ پر اب آپ تواضع وانکساری سے کام لیں - اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیجیے تاکہ ہم آپ کو اور غیر منتہی نعمتوں سے مالامال کریں ۔ اس سے اور بلند مراتب سے رفعت بخشیں -

دُوسری تقریر یعنی جب آپ کو مقامِ محبوبیت نصیب ہوا تو وہی طرزِ ادا مومنین کو بھی سکھائیے تاکہ وہ بھی آپ کی اتباع سے یہ مراتب و درجات اور مقامِ محبوبیت حاصل کر سکیں - اس تقریر کی تائید آیت وقل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ [فرمائیے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو تمھیں اللہ تعالیٰ محبوب بنائے گا] سے ہوتی ہے - (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیرِ عالمانہ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ جیسا کہ ہم نے عذاب نازل کیا ان لوگوں پر جو تقسیم کرتے تھے - یہ قولِ ربانی ہے یہ قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں - اور یہ ولقد اٰتینٰك الآیہ کے متعلق ہے - اس لیے کہ اٰتینا ، انزلنا کے معنے کو متضمن ہے - یعنی ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی یعنی قرآن مجید ، جو یہود و نصاریٰ کی کتابوں تورات و انجیل کے مشابہ ہے - انھوں نے اپنی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا - کما قال :

اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ یعنی وہ قرآن جو آپ پر نازل ہوا -

عِضِيْنَ [ٹکڑے ٹکڑے کر دیا]

عضین بمعنے اجزاء ، یعنی ٹکڑے ٹکڑے - الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر ان کے اقتسام [تقسیم کرنے] کی کیفیت کی صفت ہے - یعنی انھوں نے قرآن مجید کو حق و باطل کی طرف تقسیم کیا محض عداوت اور بغض و حسد کی بنا پر - مثلاً جو آیات و احکام ان کی کتابوں کے موافق ہیں انھیں کہتے ہیں یہ حق ہیں اور جو آیات و احکام ان کی کتابوں کے موافق نہیں انھیں باطل

Scanned with CamScanner

کہتے ہیں۔ یہی معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

ف : قرآن مجید اور توراۃ و انجیل کی یہ تشبیہ انزال میں ہے اور ایسی وجہ تشبیہ عرب میں عام ہے۔

ف : درود ابراہیمی کی وجہ تشبیہ میں بھی یہی تقریر ہوگی ورنہ اس سے لازم آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اکمل و افضل ہوں اس لیے قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے۔ اس تقریر سے واضح ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو [اسی طرح توراۃ و انجیل کو بہ نسبت قرآن] مشبہ بہ تقدم فی الوجود کی حیثیت سے بنایا گیا ہے ورنہ کہاں ابراہیم علیہ السلام اور کہاں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہاں توراۃ و انجیل اور کہاں قرآن عظیم !

حلِ لغات : عضین عضۃ کی جمع ہے بمعنے الفرقۃ و القطعۃ یعنی ایک ٹکڑا۔ عضۃ دراصل عضوۃ بروزن فعلۃ عضی الشاۃ تعضیۃ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بکری کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

سوال : عضین کو جمع مذکر سالم پر کیوں لایا گیا ؟

جواب : قاعدہ ہے کہ جہاں واؤ محذوف ہو اس کے لیے صیغہ جمع مذکر سالم کا لایا جاتا ہے تاکہ دلالت کرے کہ یہاں واؤ محذوف ہے جیسے سنین و عزین میں کیا گیا۔

ف : قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں تشبیہ دی گئی ہے شئے ذی الجسد والروح سے۔ کہ جس طرح ایک ذی جسد و روح کے ٹکڑے کرنے سے اس کی نہ صرف زندگی ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کا نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔ وہ قرآن مجید کو اگرچہ بظاہر تو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے لیکن اس کے معانی و مفاہیم غلط بیان کیے تو گویا انہوں نے قرآن کی اصل روح اور اس کے نام و نشان کو مٹانے کی مذموم و ناکام کوشش کی۔ اس سے ان کے فعل کی قباحت و شناعت کا اظہار مطلوب ہے۔

دُوسری تقریر بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر المقتسمین سے وہ بارہ یا سولہ افراد مراد ہیں جنہیں ولید بن مغیرہ نے موسمِ حج میں مکہ معظمہ کے مختلف مقامات اور راستوں پر مقرر کیا تاکہ وہ حجاج کے دلوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غلط تاثر پیدا کریں۔ ولید بن مغیرہ کے حکم پر یہ لوگ مختلف چوکوں، چوراہوں اور راستوں پر پھیل گئے اور جو نیا آدمی حج کے لیے آتا کوئی اسے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون ہیں، کوئی کہتا وہ ساحر ہیں، کوئی کہتا وہ کاہن ہیں، کوئی کہتا وہ عراف ہیں، کوئی کہتا وہ شاعر ہیں، کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا۔ مگر وہ حجاج نہ بہکے اور متابعتِ رسول میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

[اگرچہ ان بدبختوں نے حجاج کو بہکانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا][1]

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی بشعر امام اہلسنت اعلیٰحضرت بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

Scanned with CamScanner

ف : چنانچہ ایسے ہوا کہ ان سب [حجاج کو بہکانے والوں] کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر اور اس سے قبل مختلف آفات و بلیات میں مبتلا کر کے تہس نہس کر دیا۔

اس تقریر پر الذین موصول اپنے صلہ سے مل کر انذر کا مفعول بہ ہے۔ یعنی وہ انذر جو النذیر میں متضمن ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی، انذر المقتسمین الخ یعنی ان لوگوں کو ڈرایئے جو قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں بایں معنی کہ کوئی [قرآن کو] کہتا ہے کہ یہ شعر ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ جادو ہے، کوئی کہتا ہے یہ کہانت ہے، کوئی اساطیر الاولین سے تعبیر کرتا ہے۔ انھیں فرما دیجیے کہ عنقریب تم عذاب میں مبتلا ہو گے۔

ف : ماضی بمعنے مستقبل ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو فعل یقیناً وقوع پذیر ہوا سے ماضی سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک معجزہ ہے کہ جو فعل ابھی واقع نہیں ہوا اس کی قبل از وقت خبر دے دی۔ [اسی کو ہم اہل السنت و الجماعت علمِ غیب سے تعبیر کرتے ہیں][1] یہی معنیٰ اظہر ہے اسے ابن اسحاق نے الکلہ لابن عساکر میں بیان فرمایا ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ مجھے آپ کے رب کی قسم کہ ہم سب سے سوال کریں گے قیامت میں۔ یعنی کفار کے تمام اقسام سے۔ وہ قرآن مجید کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے ہیں یا کوئی اور۔ یہ سوال بازپرس اور زجر و توبیخ کا ہوگا۔ یعنی انھیں کہا جائے گا کہ یہ کام تم نے کیوں کیے۔

سوال : دوسرے مقام پر فرمایا:

فیومئذ لایسال عن ذنبہ انس ولاجان ۔ پس اس دن گناہوں سے نہ انسانوں سے نہ جنوں سے سوال ہوگا۔

لیکن آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ ان سے سوال ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی۔

جواب : آیت ہذا کا مطلب یہ ہے کہ ان سے سوال اس معنے پر نہ ہوگا کہ ان سے معلومات حاصل ہوں اس لیے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، بلکہ ان کے متعلق زجراً و توبیخاً کہا جا رہا ہے۔ جیسے جب ہم کسی پر ناراض ہوتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ میں اس سے پوچھوں گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا مطلب اظہارِ ناراضگی ہے۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اس قدر ناقابلِ معافی مجرم ہیں کہ مرتے ہی جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ ان سے ان کے کردار کی تفصیل وغیرہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس سے جو وہ عمل کرتے تھے۔ دنیا میں جو قول و فعل کیا۔ یا ذکر نا تھا تو کر لیا وغیرہ۔

بحر العلوم میں سوال مذکور لکھ کر جواب لکھتے ہیں کہ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا۔ اس کے متعلق پچاس ہزار سال کی مقدار بتائی گئی ہے۔ اسی لیے اس دن کئی قسم کے زمانے اور کئی طرح کے حالات وقوع پذیر ہوں گے۔ بعض اوقات تو ان سے سوال

---

[1] جس پر وہابی دیوبندی شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں ۱۲

Scanned with CamScanner

اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی گفتگو ہوگی۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت میں تم ایک ہزار سال اندھیرے میں خاموش پڑے رہوگے قیامت میں ایک دور ایسا آئے گا کہ اس دن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقبل بعضہم علیٰ بعض یتسآءلون۔ وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔

اور ان پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔

ف: علماء کرام فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے متعلق سوال کرے گا کیونکہ یہی کلمۂ نجات ہے اور کلمۂ عُلیا ہے۔ اسے اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور چودہ طبقات دوسرے پلڑے میں، تو کلمۂ توحید ان چودہ طبقات سے بھاری ہوگا۔ اور یہ کلمہ جو کوئی ایک بار کہتا ہے اس کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ مغربی نے فرمایا: ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا بصیقل توحید ز آئینہ بردار
غبار شرک کہ تا پاک گردد از زنگار

[ترجمہ: اگر تم شیشہ چہرہ دیکھنے کے لیے رکھتے ہو تو اس شیشے کا کیا فائدہ جس پر تاریکی ہو۔ آئیے توحید کے صیقل سے شیشے کو صاف کیجیے تاکہ اس سے شرک کی غبار دور ہو۔ پھر شیشہ کی صفائی کے بعد چہرہ دیکھیے]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ وہ اپنے مقام و مرتبہ کا اظہار فرمائیں۔ اور وہ مقام و مرتبہ نبوت ہے۔ اور آپ کو حکم تھا کہ آپ اپنی تعریف سنائیں کہ آپ نذیر للکافرین اور بشیر للمومنین ہیں۔ اور آپ کو یہ بھی حکم تھا کہ آپ اہلِ ایمان کے لیے رحمت و شفقت فرمائیں بلکہ ان کے لیے تواضع فرمائیں۔ کما قال: و اخفض جناحک للمومنین تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفت لطف کا اظہار ہو۔ اور آپ کو حکم تھا کہ کفار کو تہدید و وعید سنائیں۔ کما قال قل انی انا النذیر المبین کما انزلنا مقتسمین یعنی اے کافرو! تمہارے اوپر عذاب نازل ہوگا جیسے مقتسمین پر نازل ہوا۔ المقتسمین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت دی کہ امورِ غیر شرعیہ کا ارتکاب کیا۔ ایسے لوگ قہرِ الٰہی کا مظہر ہیں۔ جیسے اعمالِ صالحہ کے پابند حضرات مظہرِ الطافِ الٰہی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف کے دروازے پر دستک دیتا ہے اسے معزز و مکرم بنایا جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے نعمتوں سے مالا مال کیا جاتا ہے۔ اور جو قہرِ الٰہی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے

Scanned with CamScanner

اس کی صرف اہانت کی جاتی ہے بلکہ اُسے دارین میں معذب و مقہور بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ المقتسمین کے متعلق مزید وضاحت فرمائی کہ الذین جعلوا القرآن عضین یعنی انھوں نے قرآن مجید کے اجزا کو اپنے اغراض و مقاصد پر تقسیم کر دیا۔ بعض تو صرف اس کی خالی تلاوت[1] کے پیچھے لگے انھیں قراء کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ قراۃِ قرآن کو اپنی روزی کا سبب سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے حفظ کر لیتے ہیں انھیں حفاظ القرآن کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات بھی حفظِ قرآن کو اپنی روزی کا ذریعہ سمجھتے ہیں [بعض حضرات تراویح اور شبینہ صرف دنیوی لالچ کے لیے پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ بچائے آمین] بعض حضرات قرآن مجید کی تفسیر پڑھ کر اس کے ذریعہ اپنی شہرت کو چار چاند لگاتے ہیں[2] اور اسی سے دنیا بٹورتے ہیں۔ بعض لوگ قرآن مجید کی آیات سے فقہی مسائل کا استخراج کر کے دنیا جمع کرتے ہیں۔ بعض لوگ قرآنی قصے اور اس سے کئی طرح کے عجائبات و مواعظ عوام کو سنا کر دولت کماتے ہیں۔ بعض لوگ قرآنی آیات پڑھ کر اپنے مذہب پہ استدلال کرتے ہیں۔ وہ اپنے غلط استدلال سے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا فوربك لنسئلنهم اجمعين عما كانوا يعملون یعنی انھوں نے جو عمل باللہ اور فی اللہ یا خواہشِ نفسانی پر صرف دنیوی منفعت کے لیے کئے ان سے سوال ہوگا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا يسأل الصادقين عن صدقهم صادقین سے ان کے صدق کے بارے میں سوال ہوگا یعنی وہ صدق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ملا۔ اس کے متعلق سوال ہوگا نہ وہ جو ان کے پاس ہے۔ یہی تفسیر حضرت جنید قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ اور یہی معنیٰ لطیف بلکہ الطف ہے اس لیے کہ ایمان و اسلام اور صدق لوگوں کے سامنے تو آسان ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں صعب تر ہے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اسلام اور صدق کو حقیقی بنائے، نہ لفظی و اعتباری جو بالکل مردود و نامقبول ہے۔

ف : ابو القاسم فقیہ سے منقول ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ صحیح اور درست ہوں تو ان میں نجات لیکن وہ ایک دوسرے کو ساتھ ملائے بغیر نامکمل رہتی ہیں:

۱۔ اسلام خالص عن الظلمة

۲۔ پاک غذا

۳۔ اعمال میں صدق للہ

حکایت دیاق الذہب میں مرقوم ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ عادل ہونے کے باوجود عدول سے خوفزدہ رہتے تھے۔ وصال کے بارہ سال بعد خواب میں آپ سے پوچھا گیا کیا حال ہے؛ تو آپ نے فرمایا حساب سے ابھی فارغ ہوا ہوں۔

---

[1] دورِ حاضرہ میں تجوید کا بڑا چرچا ہے۔ خدا کرے اس سے اور زیادہ ہو۔ لیکن قاری حضرات کو چاہیے کہ اسے روزی کا ذریعہ نہ بنائیں۔

[2] فقیر نے تفسیر کی کچھ خدمات کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ بطفیلِ حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس زمرہ سے بچائے۔ آمین
اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

سبق: یہ ان پاکباز بزرگوں کا حال ہے اس بیچارے کا کیا حال ہوگا جو ہر آن اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ایذا میں مصروف ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ پس ظاہر کیجیے اسے جس کا آپ کو حکم ہے۔ ما موصول اس کا عائد محذوف ہے یعنی جن چیزوں کا اسلام کا آپ کو حکم ہے اسے کھلم کھلا بیان کر دیجیے۔ اس سے اوامر و نواہی مراد ہیں۔

حلِ لغات: فاصدع 'صدع بالحجة سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بات کو واضح طور پر بیان کرے دراصل یہ الصدیع سے ماخوذ ہے بمعنے الفجر یعنی صبح۔ یا فاصدع بمعنے فافرق ہے۔ یعنی اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم! حق و باطل میں فرق کر دیجیے اور حق کو کھول کر بتائیے اور اسے اس کے غیر سے جدا کیجیے۔ اس وقت الصدع فی الزجاجة سے ماخوذ ہوگا۔ بمعنے الابانة۔ چنانچہ قاموس میں ہے کہ الصدع الشق فی شئ صلب ، الصدع یعنی کسی سخت شے میں چیر پیدا کرنا۔ اسی تقریر پر فاصدع بما تؤمر کا معنیٰ ہوگا کہ آپ کفار کو توحید کا اعلان کر کے ان کی جماعتوں کو چیر دیجیے۔

شانِ نزول اس آیت کے نزول سے قبل حضور علیہ السلام کفار سے چھپ کر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو آپ نے کھلم کھلا توحید کا درس دینا شروع کر دیا۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

تفسیر صوفیانہ —— اور —— ازالۂ اوہام وہابیہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شرائع و احکام کے متعلقہ امور کے اظہار پر مامور تھے لیکن معارف و حقائق کو مخفی رکھنے پر مجبور تھے سوائے خواص کے جو ان کے اہل تھے۔ جنہیں تاحال سینہ بسینہ وہ معارف و حقائق نصیب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رسید جاں بلب و دم نمی توانم زد
کہ سرِ عشق ہمی ترسم آشکار شود

[ترجمہ: میری جان لبوں پر ہے۔ لیکن دم نہیں مار سکتا اس لیے کہ خطرہ ہے کہ کہیں عشق کا راز ظاہر نہ ہو]

ازالۂ وہم [بعض جہال صوفیاء کہا کرتے ہیں کہ ان امور مخفیہ کے اظہار پر ہم مامور ہیں۔ ان کے رد میں صاحبِ روح البیان حضرت مولانا اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:]

واما ماصدر من بعضهم من دعوى المامورية في اظهار بعض الامور الباعثة على تفرق الناس واختلافهم في الدين فمن الجهل بالمراتب و عدم التمييز بين ماكان ملكيا ورحمانيا و بين ماكان نفسانيا وشيطانيا فان الطريق و المطلب عزيز المنال - والله الهادى الى حقيقة الحال - [ج ۵ ص ۴۹۱]	اور جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ بعض امور سے لوگوں کے متفرق ہونے کے باوجود ان اسرار کے اظہار پر مامور ہیں وہ جاہل ہیں انہیں اسرار ملکی و رحمانی کا علم نہیں بلکہ وہ نفسانی و شیطانی القاء اور اسرار رحمانی وغیرہ کے مابین تمیز نہیں رکھتے اور ایسے طریق والے بہت کم ہیں یعنی اولیاء اللہ۔ واللہ الہادی الی حقیقۃ الحال۔

Scanned with CamScanner

نکتہ عرفاں مجو از خاطرہ آلودگاں
جوہر مقصود را و نہائے پاک آمد صدف

[ترجمہ: جن کے دل غل وغش میں ملوث ہیں ان سے راز کی باتیں مت پوچھ۔ ہاں ایسے اسرار و رموز روشن دلوں کے ہاں ہیں]

تفسیر عالمانہ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اور مشرکین سے روگردانی کیجیے۔ یعنی جو کچھ وہ کہتے ہیں اس طرف توجہ نہ دیجیے۔ یعنی ان سے بدلہ نہ لیجیے۔

سوال: اگر کوئی سوال کرے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و مشرکین کو بددعائیں دیں اور وہ بددعائیں قبول فرمائی گئیں۔

اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ——— مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکم بن العاص کے قریب سے گزرے تو وہ حضور علیہ السلام کی نقلیں اتارنے لگا۔ حضور علیہ السلام نے مڑ کر دیکھ کر فرمایا:

اللھم اجعل بہ وزغا۔ اے اللہ تعالیٰ! اسے گرگٹ کی طرح بنا۔

حضور علیہ السلام کے کہنے پر وہ کانپا اور وہیں پر تھر تھرانے لگا۔ یہاں پر الوزغ بمعنے الارتعاش یعنی کانپنا، تھر تھرانا مراد ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام کا حکم کو بددعا کرنا ان کے عفو و حلم کے منافی نہیں اس لیے کہ اس وقت آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم بن العاص کے لیے بددعا کی اجازت عطا ہوئی بلکہ ہمارے نزدیک تو آپ کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کے اذن پر مبنی تھا۔ [جب ہم اولیاء اللہ کے لیے اس طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں تو وہ امام الانبیاء والاولیاء ہیں۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے

فان الوارث الکامل لا یصدر منہ الا ما فیہ اذن اللہ تعالیٰ فما ظنک باکمل الخلق علما وعملا وحالا۔ [روح البیان، ج ۴، ص ۲۹۴]

وارث کامل ولی کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام کے لیے عقیدہ ہو کیونکہ آپ علما و عملا و حالا جملہ مخلوق سے اکمل ہیں۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ بے شک ہم نے کفایت کی استہزاء کرنے والوں کی، ان کا قلع قمع کر دیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

ف: کاشفی میں ہے کہ ہم نے آپ کو استہزاء کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھا۔

اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہیں اِلٰهًا اٰخَرَ معبودانِ باطلہ کو۔

اسم موصول منصوب ہے کیونکہ وہ مستہزئین کی صفت ہے۔ اور انھیں اس لیے مذکورہ صفت سے موصوف فرمایا تاکہ حضور اکرم

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو۔ دوسرا اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے دشمنوں کو تنبیہ ہو کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرنے پر اللہ تعالیٰ نہ صرف سخت ناراض ہوتا ہے بلکہ فوراً سخت عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ تیسرا ان لوگوں کو معلوم ہو کہ شرک ایک ایسا جرم ہے جو بالکل ناقابلِ معافی ہے۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ پس وہ عنقریب جان لیں گے یعنی انھیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور اپنے کردار کا بدلہ دیکھ لیں گے۔ اس سے انھیں وعید سنائی گئی ہے۔

قاعدہ: سوف، لعل، عسیٰ ملوک کے وعدے میں واقع ہوتا ہے اور ان کی وعید میں اشارہ ہوتا ہے کہ وہ امر خواہ مخواہ ہوگا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ وعید ہے۔

شانِ نزول جمہور کا مذہب ہے کہ یہ آیت ان پانچ لیڈروں کے حق میں نازل ہوئی جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے میں سب سے پیش پیش تھے اور یہی لوگ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ استہزا کرتے تھے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں تباہ کر دیا اور ان کی تباہی و بربادی بدر سے پہلے واقع ہوئی

دشمنانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بد انجام

① حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ استہزا کرنے والوں میں ایک العاص بن وائل اسہمی یعنی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ کا والد جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو یہی بدبخت آپ کے پیچھے ناک چڑھاتا اور منہ کھولتا پھرتا تھا اور طرح طرح کی ہنسی مذاق کرتا تھا ایک دفعہ بارش میں اونٹ پر سوار ہو کر اپنے دو بیٹوں کے ساتھ کہیں جا رہا تھا تو کسی ایک وادی میں اترا تو زمین پہ قدم رکھا تو دھاڑیں مارنے لگا سانپ نے ڈس لیا ہے بہت بڑی جستجو کی گئی لیکن معلوم نہ ہو سکا اس سے اس کا پاؤں سوج گیا یہاں تک کہ اس کا پاؤں اونٹ کی گردن جیسا موٹا ہو گیا بالآخر اسی مرض سے وہیں پر واصلِ جہنم ہو گیا۔

② مذکورہ دشمنوں میں سے دوسرا الحارث بن القیس العطلیہ تھا اس نے نمکین مچھلی کھائی اس سے پیاس چھڑ گئی پانی پینے کے باوجود سیر نہ ہوتا تھا اتنا پانی پیا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا بالآخر وہیں مر گیا۔

③ الاسود بن المطلب بن الحارث بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے ایک تھا جس کا انجام یوں ہوا کہ وہ اپنے نوکر کے ساتھ سفر پر کہیں چلا ایک درخت کے نیچے آرام کے لیے ٹھہرا حضرت جبرئیل علیہ السلام آکر اس کے سر پر ٹھوکریں لگانے لگے اور وہ دھاڑیں مارتا تھا اس کا نوکر کہتا تھا کہ آپ خواہ مخواہ شور مچاتے ہیں مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا بالآخر وہ اسی طرح چیختا چلاتا مر گیا اس بدبخت کا کام تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشاروں غمزوں سے ہنسی مذاق کرتا تھا بلکہ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کو دیکھتا تو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

④ اسود بن عبد یغوث بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے ایک تھا وہ ایک گھر سے نکلا تو وہ گرم ہوا

کے جھٹکے سے کوئلے کی طرح کالا سیاہ ہوگیا جب وہ اپنے گھر واپس لوٹا تو اسے گھر والے بھی نہ پہچان سکے بلکہ اسے آتے دیکھ کر اجنبی سمجھتے ہوئے اسے گھر میں داخل ہونے سے نہ صرف روک دیا بلکہ اپنے گھر سے دھکیل دیا بالآخر وہ اسی ذلت و خواری کے ساتھ مرا تھا۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ یہ اسود حضور نبی کریم کا ماموں زاد تھا باوجود اتنا قریبی رشتہ دار ہونے کے حضور علیہ السلام کا مخالف تھا اس کی عادت تھی کہ جو نہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو دیکھتا تو ہنستے ہوئے کہتا لو دیکھو یہ ہیں کسریٰ اور قیصر کے شہنشاہ [وہ اس لیے کہ حضور کریم نے خبر دی تھی کہ میرے امتی عنقریب کسریٰ و قیصر کے شاہی محلوں پر قبضہ کریں گے]۔ وہ بدبخت اسی خبر کے پیشِ نظر مذاق کرتا تھا۔ اس وقت صحابہ کرام کی یہ حالت تھی کہ ان کے تن پر پھٹے پرانے کپڑے تھے اور ان کی معاشی و اقتصادی حالت نہایت زبوں تھی۔ [اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی خبرِ غیبی پر اعتبار نہ کرنا دشمنانِ نبی علیہ السلام کا شیوہ رہا ہے]

⑤ ولید بن مغیرہ یعنی حضرت خالد سیف من سیوف اللہ کا والد بھی حضور علیہ السلام کا سخت دشمن تھا اور یہی شخص ابوجہل کا سگا چچا تھا۔ اس کی بدانجامی کا واقعہ مشہور ہے۔ وہ کہیں جا رہا تھا، راستے میں ایک شخص تیر بنا رہا تھا، ایک تیر اس کے کپڑے سے چمٹ گیا۔ اس نے ازراہِ تکبر اسے اپنے کپڑے سے نہ اتارا، ویسے ہی اکڑتے ہوئے چلتا گیا۔ کہیں جا کر اس نے وہ کپڑا کندھے پر ڈالا تو وہی تیر اس کی اکحل رگ میں چبھ گیا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

ف: تفسیر کاشفی میں ہے کہ قریش کے پانچ لیڈر حضور سرورِ عالم کی دشمنی اور ایذا رسانی میں پیش پیش تھے، جہاں آپ کو دیکھتے ہنسی مذاق اور ٹھٹھا مخول کرتے۔ وہ طواف کرتے بھی حضور علیہ السلام کا نام مبارک لے لے کر مذاق اڑاتے تھے۔ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں رونق افروز تھے اور آپ کے ہاں جبریل علیہ السلام بھی حاضر تھے۔ مذکورہ بالا پانچ اشخاص حسبِ معمول حضور علیہ السلام کے ساتھ مذاق کرتے ہوئے طوافِ کعبہ میں مشغول ہوگئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یا رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم]! اگر اجازت ہو تو ان کا کام تمام کر ڈالوں، یعنی یہیں انہیں نیست و نابود کر دوں۔ آپ نے اجازت بخشی تو جبریل علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی، عاص بن وائل کے پاؤں کے تلووں، حارث بن قیس کی ناک، اسود بن یغوث کے چہرے اور اسود بن مطلب کی آنکھ کی طرف ذرا سا اشارہ کیا تو یہ پانچوں چند دنوں کے بعد تباہ و برباد ہوگئے۔ چنانچہ ولید تیر ساز کی دکان سے گزرا تو تیر کا پھل اس کے کپڑے کے دامن میں چمٹ گیا۔ اس نے ازراہِ تکبر اسے کپڑے سے الگ نہ کیا۔ وہ تیر کا پھل اس کی پنڈلی میں چبھ گیا جس سے رگ شریان کھل گئی۔ ایسا خون جاری ہوا کہ اس نے بند ہونے کا نام نہ لیا۔ بالآخر اسی سے مرا۔

گستاخوں کا انجامِ بد

عاص کے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا اس سے پاؤں متورم ہوگیا اور وہ واصلِ جہنم ہوا۔

حارث کی ناک سے خون اور گندا پانی جاری ہوا اس سے اس کا کام تمام ہوا۔

Scanned with CamScanner

اسود اپنے چہرے کو کسی وجہ سے مٹی اور کانٹوں پر مار مار کر مرگیا۔

اسود بن مطلب اندھا ہوا، غصے سے سر کو زمین پر پٹک پٹک کر مرگیا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کے ساتھ جو لوگ استہزاء و تضحیک کرتے ہیں ان کا کام میں خود تمام کروں گا۔ چنانچہ وہ وعدہ اس طرح پورا ہوا۔ حضور علیہ السلام کو کبھی کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑی اور دشمنانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔ ان کا انجام جس تباہی و بربادی سے ہوا ازمنہ سابقہ اس کی مثال دینے سے قاصر ہیں۔ انا کفینٰک المستھزئین میں یہی لوگ مراد ہیں۔ (کذا فی انسان العیون)

ف: یہ صرف ان کی شہرت کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرنے والے اور بھی بہت تھے منجملہ ان کے ابوجہل، ابولہب، عقبہ اور حکم بن العاص وغیرہ۔ یہ لوگ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے۔ کبھی آپ کے دروازے پر گندگی ڈال دیتے، کبھی آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے اور کبھی غمزوں اور اشاروں سے آپ کی تحقیر کرتے۔ وغیرہ وغیرہ

حکایت مثنوی

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آں دہاں کژ کرد و از تمسخر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند
باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف و علم من لدن
من ترا افسوس می کردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب و اہل
چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوبان نفس

[ترجمہ: جس بدبخت نے حضور علیہ السلام کی نقل اتارتے وقت چہرہ بگاڑا اس کا چہرہ بگڑ گیا پھر اس نے حضور علیہ السلام سے معافی مانگی۔ اللہ تعالیٰ جس کا پردہ چاک کرتا ہے تو اسے اللہ والوں کی عیب جوئی میں لگا دیتا ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ پردہ رکھتا ہے وہ لوگوں کی عیب پوشی کرتا ہے]

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ وانا کفینٰک المستھزءین یعنی جو لوگ شریعت کو اپنی جبلی عادت پر ڈھالتے ہیں اور محض اپنے وہم سے سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ والے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے دین سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انھیں ہنسی مذاق کی سزا دے گا اس لیے کہ یجعلون مع اللّٰہ الٰھًا اٰخر وہ اپنی عادات اور خواہشات اور دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شرعی امور کو استعمال کرتے ہیں[1]۔ فسوف یعلمون عنقریب انھیں معلوم ہوگا جب اللہ تعالیٰ انھیں ان کے کرتوتوں کی سزا دے گا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ) چنانچہ کسی [شاعر] نے کہا ؎

سوف تری اذا انجلی الغبار

افرس تحتک ام حمار

[ترجمہ: جب غبار ہٹ جائے گی تب تمھیں معلوم ہوگا کہ تیری سواری گھوڑا ہے یا گدھا]

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بے شک ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا سینہ مبارک تنگ ہو جاتا ہے بِمَا يَقُوْلُوْنَ کافروں کی باتوں سے۔ مثلاً جب وہ کفر و شرک بکتے اور قرآن پاک پر طعن کرتے اور اسلام اور آپ سے ٹھٹھا مخول کرتے ہیں تو آپ کو ان کی بکواسیات سے حزن و ملال ہوتا ہے۔

ف: لقد قد حضور علیہ السلام کے ملال کی تاکید پر دلالت کرتا ہے اور اس سے وعدہ وعید کی تاکید مطلوب ہے۔

قاعدہ: ابن حاجب نے لکھا کہ کبھی لفظ قد مضارع میں داخل ہو کر تحقیق کا فائدہ دیتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پس اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کیجیے۔ یعنی عجز و نیاز سے اس کی حمد بجا لا کر اس سے التجا کیجیے۔ یعنی جس وقت کوئی دکھ اور تکلیف آپ پر وارد ہو یا حزن و ملال آپ پر غالب آجائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس کیجیے۔

ف: کاشفی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی وہ تسبیح بیان کیجیے جس میں حمد الٰہی ہو۔ جیسے سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ۔ سبحان اللہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے نقص و عیب کے سلب کا اظہار ہوتا ہے۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ کے جن اسماء میں سلب کا مفہوم ہے وہ سب کے سب اسی کلمہ میں داخل ہیں۔ جب ہم نے کہا سبحان اللّٰہ تو ہم نے اللہ تعالیٰ سے تمام عیوب و نقائص [جو ہماری عقل میں آ سکتے ہیں] کی نفی کر دی۔ جب ہم نے الحمد للّٰہ کہا تو ہم نے اللہ تعالیٰ کے کمال و جلال [جو ہماری عقل و فہم میں آسکتا ہے] کا اثبات کیا۔

ف: اسماء سلبیہ مثلاً قدوس بمعنے ھو الطاھر عن عیب۔ اور السلام ھو الذی سلم من کل اٰفۃ۔ اور اسمائے اثباتیہ مثلاً علیم و قدیر اور سمیع و بصیر وغیرہ۔ اس معنیٰ پر حمد سے اللہ تعالیٰ کے کمال ذاتی و صفاتی کے جملہ افراد ثابت ہوسکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] مودودی اور تبلیغی، احراری اور دیوبندی گروہ شریعت اور اسلام کو ڈھال بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور ہو جاؤ سجدہ گزاروں سے۔ یعنی نماز سے تمام دُکھ دُور ہو جائیں گے۔

دکھوں کا مداوا ـــ نماز: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی یا تکلیف لاحق ہوتی تو آپ نماز سے پناہ لیتے [یعنی نوافل پڑھتے]

بحرالعلوم میں مرقوم ہے کہ کثرتِ سجود سے دُکھ ٹل جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سجدہ گزار لوگوں سے ہو جاؤ۔ اور بندے کی مراد اس وقت پوری ہوتی ہے جب کثرت سے بارگاہِ حق میں سر جھکایا جائے۔

نکتہ: صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ سجدے سے بندے کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔ اور انسان کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ اسے توجہ الی اللہ نصیب ہو۔ اور یہ حکم مبتدی کے لیے ہے۔ اور جو سالک منتہی ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ دائم الحضور ہو کر اپنے ظاہر و باطن کو برابر پاتا ہے اس لیے کہ وہ شب و روز خود بخود سربسجود رہتا ہے اور اسے ایسے سجود سے راحت و فرحت نصیب ہوتی ہے۔ اسے نماز سے ہی چین ملتا ہے۔ نماز نہ پڑھے تو وہ بے چین رہتا ہے۔ جیسا کہ اولیاء کرام کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے: ؎

یک ذوق سجدۂ پیشِ خدا
خوشتر آید از دو صد دولت ترا

[ترجمہ: وہ سجدہ جو تم ذوق سے کرتے ہو وہ ہزاروں دولتوں سے بہتر ہے]

ف: کاشفی کشف الاسرار میں رقم طراز ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ نے اپنے حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے فرمایا کہ اے محبوب [صلی اللہ علیہ وسلم]! ہمیں آپ کے حزن و ملال اور دشمنوں کی ایذا رسانی کا علم ہے۔ ہمارا حکم ہے کہ آپ حضورِ قلب سے نماز پڑھیے کیونکہ نماز میں مشاہدۂ یار ہوتا ہے اور دیدارِ یار سے دُکھ درد کا تحمل آسان ہو جاتا ہے۔

حکایت ایک عاشق زار کی ایک پیرِ طریقت سے منقول ہے کہ کسی عاشقِ زار کو بغداد کے ایک بھرے بازار میں کوڑوں کی مار پڑ رہی تھی لیکن وہ اُف تک نہ کرتا۔ لوگ متشوش تھے کہ اس کا ماجرا کیا ہے۔ کسی نے اس سے [اُف نہ کرنے کی] وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ جب مجھے مار پڑ رہی تھی تو میرا دوست میرے سامنے تھا اس کے دیدار کی وجہ سے مجھے کوڑوں کی مار کی خبر تک نہ رہی ؎

تو تیغ می زن و بگذار تا من بیدل
نظارہ کنم آں چہرۂ نگاریں را

[ترجمہ: تم مجھے تلوار سے گھائل کرتے رہو اور میں تمہارے چہرے کا نظارہ کرتا ہوں]

نکتہ: شرح الحکم میں ہے کہ قلوبِ اضطرار اور غم و الم احساس کرتے ہیں انہیں درحقیقت مشاہدہ محبوب سے محرومی ہے ورنہ جنھیں محبوب کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے ان کے لیے غم و الم اور حزن و ملال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مثلاً مصر کی عورتوں نے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے انہیں

Scanned with CamScanner

احساس تک نہ ہوا صرف اسی لیے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مشاہدہ میں مستغرق تھیں۔

حکایت ایک نوجوان کو بھرے مجمع میں زور زور سے کوڑے لگانے جارہے تھے ننانوے کوڑے تک پہنچے تو اس نے نہ فریاد کی اور نہ کسی سے بچاؤ کا سبب ڈھونڈا بلکہ آہ تک بھی اس سے سنی گئی لیکن جب آخری ایک کوڑا لگا تو دھاڑیں مارنے لگا۔ شیخ شبلی قدس سرہ اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے اس نوجوان سے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ ننانوے کوڑوں تک یار کے دیدار سے سرشار ہوتا رہا جب آخری کوڑا لگا تھا اس وقت میرے دوست نے نقاب اوڑھا کوڑے کے درد کا احساس ہوا اس پر شیخ شبلی قدس سرہ نے فرمایا کہ

من عرف اللہ لا یکون علیہ غم ابدا۔ جس نے اللہ کو پہچانا وہ دائمی غم سے محفوظ رہا۔

تفسیر عالمانہ وَاعْبُدْ رَبَّكَ اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کیجیے۔ یعنی عبادتِ الٰہی پر مداومت کیجیے۔ حَتّٰی يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ یہاں تک کہ یقین یعنی موت آجائے کیونکہ وہ لازماً آئے گی اور اس کا ہر ایک کو یقین ہے۔ جب موت آئے گی تو تمام شکوک و شبہات زائل ہوجائیں گے۔

نکتہ: دایتان کا اسناد موت کی طرف اس لیے ہے کہ موت ہر زندہ کی طرف متوجہ اور اس کی متلاشی ہے۔

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ عبادتِ الٰہی پر تادمِ زیست مداومت کیجیے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

واوصانی بالصلاۃ والزکاۃ ما دمت حیا۔ اور مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے تادمِ زیست نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم فرمایا ہے۔

نکتہ: نماز کا وقت موت تک اسی لیے متعین فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ عبادت کا انتہا تا مرگ ہے اس لیے کہ موت کے بعد تمام اعمال انسان سے منقطع ہوتے ہیں ہاں ان کا ثواب موت کے بعد حاصل ہوتا رہے گا لیکن یہ شرعی قانون کی بنا پر ہے ورنہ اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ عبادۃ کا انقطاع موت سے نہیں ہوتا بلکہ مردِ مومن کی عبادت بعد از مرگ بھی باقی رہتی ہے۔ اس لیے کہ مردِ مومن کی عبادت کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور قلب فانی نہیں بلکہ وہ تو ملکوتی عالم کی شے ہے اور ہر وہ شے جو ملکوتی ہو وہ فانی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے تعلقات منقطع ہوتے ہیں ہم اللہ سے اس کا وصال چاہتے ہیں اور ہر معاملہ میں اس پر اعتماد کا سوال کرتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکمِ ربانی اس طرح نہیں کہ میں مال جمع کروں یا تجارت کروں بلکہ میری طرف وحیِ ربانی اس لیے ہوتی ہے کہ میں سجدہ ریز ہوجاؤں اور تادمِ زیست عبادت پر مداومت کروں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ولقد نعلم انك یضیق صدرك یعنی ہمیں معلوم ہے کہ آپ بشریت اور غایت شفقت اور کمال غیرت سے دل تنگ ہوجاتے ہیں بما یقولون بے عمل خرقہ پوشوں کی باتوں سے کہ ان کی باتیں تو خرقہ پوشوں والی ہوتی ہیں اور اعمال شریروں والے۔ فسبح بحمد ربك آپ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیے کہ آپ ان بے عمل لوگوں میں نہیں ہیں وکن من الساجدین اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں شکرانہ کا سجدہ کیجیے واعبد ربك

Scanned with CamScanner

اور اپنے رب تعالیٰ کی خلوص سے عبادت کیجیے حتی یاتیك الیقین تاکہ آپ کو تا ابدالآباد یقین نصیب ہو۔ یاد رہے کہ عرفاء کرام کے نزدیک یقین بمعنی معرفت ہے اور مقامات معرفۃ لا انتہا ہیں یہی وجہ ہے کہ جب عارف معرفۃ کے ایک مقام کو طے کر لیتا ہے تو اسے اس مقام کا تو یقین ہو جاتا ہے لیکن اس کے بعد کے مقام کے متعلق اسے شک اور وہم گمان ہوتا ہے اسی لیے اسے اور یقین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ اسی شک و شبہ اور وہم و گمان کو زائل کرے اس طرح الی مالانہایۃ اس تقریر سے واضح ہوا کہ یہاں آیت میں یقین سے ابدالآباد مراد ہے۔

ف : عوارف میں ہے کہ وصال الٰہی کے طریقے آخرت کی زندگی میں بھی غیر منتہی ہیں۔ یہ دنیوی زندگی تو ویسے ہی لاشئی اور کالعدم ہے اسی لیے اس میں طریقۂ وصال کو غیر منتہی کیوں نہ کہا جائے ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست
ہر کجا کہ میرسی باﷲ مائست

[ترجمہ : اے بھائی ! یہ درگاہ غیر منتہی ہے جہاں پہنچو گے وہیں اللہ تعالیٰ ہوگا]

ف : بعض مشایخ فرماتے ہیں یقین اسم و رسم و علم و عین و حق پر مشتمل ہے۔ اسم و رسم عوام کے لیے اور علم الیقین اولیاء کرام کے لیے اور عین الیقین خواص اولیا کے لیے اور حق الیقین انبیا علیہم السلام کے لیے اور حق الیقین کی حقیقت صرف ہمارے نبی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔

تمت سورۃ الحجر فی ثالث عشر من شہر ربیع الاوّل فی سنۃ اربع ومائۃ والف۔

وتمت ترجمۃ ہذہ السورۃ من ید الفقیر القادری ابی الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ فی لیلۃ الاحد بعد صلوٰۃ العشاءؒ فی التاسع من الشہر الجمادی الاولیٰ فی سنۃ ستۃ وتسعین بعد ثلثمائۃ والف من ہجرۃ النبی الاعظم لہ المجد والشرف صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فی المسجد الشریف الموسوم بہ سیرانی الواقع فی البلدۃ بہاول پور من بلاد پاکستان فالحمد ﷲ علیٰ ذٰلک والصلوٰۃ والسلام کذٰلک علیٰ حبیب ربنا المالک۔ ۹/۹۶ھ - ۹/۷۶ء

Scanned with CamScanner

تفسیر سورۃ النحل

سورة النحل مكية وهي مائة و بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثمان وعشرون اٰية وستة عشر ركوعا

اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ
اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○
وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ
وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

ترجمہ : ابھی آیا حکمِ الٰہی فلہٰذا عجلت نہ کرو۔ پاکی اور برتری ہے اسے ان سے جو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ملائکہ کو روح یعنی وحی دے کر اپنے جن بندوں پر چاہتا ہے اپنے حکم سے نازل فرماتا ہے یہ کہ وہ انھیں ڈرائیں کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں فلہٰذا مجھ سے ڈرو۔ اس نے آسمان اور زمین ٹھیک بنائے۔ وہ اس سے برتر ہے جو اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس نے انسان کو نطفے سے بنایا تو جبھی کھلا جھگڑالو ہے، اور چوپائے پیدا کیے۔ ان میں تمھارے لیے گرم لباس اور دیگر بیشمار منافع ہیں اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔ اور ان میں تمھارا سنگار ہے جب تم انھیں شام کو واپس لاتے ہو اور جب چرنے کے لیے چھوڑتے ہو۔ اور وہ تمھارے بوجھ ایسے شہروں کی طرف اٹھا کر لے جاتے ہیں جہاں تم نہ پہنچ سکتے مگر ادھ مرے ہو کر۔ بیشک تمھارا پروردگار مہربان اور رحیم ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمھاری زینت کے لیے (پیدا کیے اور) پیدا کرے گا جن کا تمھیں علم نہیں ہے اور درمیانی راہ سیدھی اللہ تعالیٰ تک ہے اور بعض راہیں

بڑھتی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ پر لاتا۔

تفسیر عالمانہ

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ [ابھی آیا حکمِ الٰہی]

شانِ نزول : مروی ہے کہ کفار بطور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور تمسخر کہتے کہ عذابِ الٰہی کب آئے گا؟ اور آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے کہ عذاب آئے گا تو ہمیں ہمارے معبود [بت وغیرہ] بچالیں گے۔ تو یہ آیت اتری۔

ف : امر اللہ سے عذاب موعود مراد ہے کیونکہ اس کا تحقق اللہ تعالیٰ کے حکم نافذ و قضا غالب سے متعلق ہے۔ اسی لیے اے کافرو! تمہارا عذاب کا مطالبہ عبث ہے۔ اور ایتان امر اللہ سے عذاب کا قرب مراد ہے کہ جیسے وہ چاہیں ویسے ہی واقع ہو۔ اب جملہ مذکورہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے کفار! جس طرح تمہارے ساتھ عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا اس کے وقوع کا وقت آن پہنچا ہے۔

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے وقوع کے بارے میں عجلت مت کرو اس لیے کہ اس میں نہ تمہاری بھلائی ہے نہ نجات۔

ف : کافروں کا عذاب کے لیے عجلت کا مطالبہ کرنا اگرچہ استہزاءً تھا لیکن یہاں اسے حقیقت پر محمول کیا گیا ہے اور انہیں تہکم و استہزاء سے روکا گیا ہے۔ الاستعجال بمعنے وقت سے پہلے کسی شے کا مطالبہ کرنا۔

سُبْحٰنَهٗ اللہ تعالیٰ پاک ہے **وَتَعٰلٰى** اور برتر ہے **عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** یعنی اس کی ذات منزہ اور مقدس ہے اس سے کہ اس کا کوئی شریک بنایا جائے۔ تاکہ اس کا شریک کافروں کو اس کے عذاب سے بچائے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اقتربت الساعۃ وانشق القمر نازل ہوئی تو کافروں نے ایک دوسرے سے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان ہے کہ قیامت عنقریب آئیگی ہمیں ان کے اس قول کو آزمانا چاہیے۔ چنانچہ چند روز برائیوں کے ارتکاب سے رک گئے۔ جب دیکھا کہ ان پر کسی قسم کا عذاب نازل نہیں ہوا تو کہنے لگے ہمیں تو کوئی عذاب دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے اس کہنے پر اقترب للناس حسابھم نازل ہوا۔ اس کے نزول سے وہ گھبرا گئے کہ قیامت قریب ہے تو ہم غلطیاں کیوں کریں۔ جب ایام کثیرہ گزرے اور قیامت قائم نہ ہوئی تو کہنے لگے اے [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] ! جن باتوں سے ہمیں ڈراتے ہو ان میں سے تو کوئی ایک بھی واقع نہیں ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی : اتی امر اللہ یہ سن کر حضور علیہ السلام گھبرائے اور قیامت کے خوف سے کھڑے ہو گئے اور دوسرے لوگ بھی قیامت سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ سر اٹھا کر دیکھنے لگے کہ کہاں سے قیامت ہو رہی ہے۔ اس پر یہ جملہ نازل ہوا کہ فلا تستعجلوہ یعنی وقت سے پہلے قیام قیامت کا مطالبہ مت کرو۔ یہ سن کر تمام لوگ مطمئن ہوئے، اور حضور علیہ السلام جو گھبراہٹ سے کھڑے ہو گئے تھے وہ بھی بیٹھ گئے۔

Scanned with CamScanner

سوال: واقعہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قیامِ قیامت کا مطالبہ اہلِ ایمان کا بھی تھا اور یہ اہلِ ایمان کی شان کے خلاف ہے۔

جواب ۱: واقعہ سے ان کے مطالبہ کی تصریح ہرگز نہیں البتہ ان کی وقوعِ قیامت سے گھبراہٹ اور گمان تو ثابت ہوتا ہے اور یہ ان کی شان کے منافی نہیں۔

جواب ۲: استعجال [وقت سے پہلے وقوعِ قیامت کا مطالبہ] اہلِ ایمان سے صادر نہیں ہوا۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں ہے:

یستعجل بها الذین لا یؤمنون بها والذین	اہلِ کفر قیامت کے وقوع کے لیے عجلت کرتے ہیں
أمنوا مشفقون منها۔	اور اہلِ ایمان اس سے خوف زدہ ہیں۔

تحقیقی جواب ۳: در اصل واقعہ یوں ہوا کہ اہلِ ایمان اچانک وقوعِ قیامت کا سن کر گھبرا گئے۔ پھر جب فلا تستعجلوہ کو سنا تو ان کی گھبراہٹ دور ہوئی اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ اس میں کفار کو خطاب ہے۔ (کذا فی حواشی المفتی)

حدیث شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بعثت انا والساعة کهاتین۔ میں اور قیامت (دو انگلیوں یعنی سبابہ و وسطی کی طرف اشارہ کر کے) ایسے بھیجے گئے ہیں۔

شرح الحدیث

انگلیوں کی طرف اشارہ کرنے میں یہ اشارہ تھا کہ دنیا کے لمحات اس قدر باقی بچ گئے ہیں جیسے سبابہ سے وسطی کا زائد حصہ باقی ہے۔ اس میں قُربِ زمانی کو قربِ مساحت [فاصلہ] سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ ذہنوں میں متصور ہو کہ قیامت بہت قریب ہے۔

حدیث شریف

[حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:]

مثلی ومثل الساعة کفرسی رهان۔ میری اور قیامت کی مثال ان دو گھوڑوں کی سی ہے جو مقابلۃً دوڑتے ہیں لیکن دوڑنے میں برابر جا رہے ہوں۔

ف: حدیث شریف میں لفظ کفرسی رهان ہے۔ قاموس میں اس کی تفسیر وہی بیان کی ہے جو ہم نے حدیث شریف کے ترجمے میں عرض کر دی ہے۔ اور یہ تشبیہ بھی ابتدائی امر کے متعلق ہے ورنہ انجام بکار تو اس کے برعکس ہے کہ وقوعِ قیامت کا زمانہ مؤخر ہے اگرچہ تھوڑے عرصے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ

اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ میں اشارہ ہے کہ یہ ارشادِ گرامی ازل میں ہوا تھا اس لیے کہ ہم [اہلسنت] اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہی متکلم مانتے ہیں اگرچہ اس وقت مخاطب محبوس فی العدم تھے۔ اور اس وقت ان کے تین طبقات تھے:

Scanned with CamScanner

۱۔ غافل

۲۔ عاقل

۳۔ عاشق

غافلوں کو یہ خطاب بطور عتاب ہوا کیونکہ وہ دنیا اور اس کے نقش و نگار اور لذات و شہوات کے مشتاق تھے۔ انھیں اصحاب النفوس سے تعبیر کیا گیا ہے ؎

نفس اگرچہ زیرکست و خردہ دان
قبلہ اش دنیاست اورا مردہ دان

[ترجمہ: نفس اگرچہ زیرک اور باریک دان ہو تب بھی اس کا قبلہ دنیا ہے اور حقیقت میں وہ مردہ ہے]

عاقلین کو وہ خطاب ثواب کے وعدہ کے ساتھ تھا کیونکہ وہ طاعات و عبادات و اعمال صالحہ کے مشتاق تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ان اعمال صالحہ کے ذریعے بہشت اور اس کی دائمی نعمتوں کو حاصل کریں۔ انھیں اصحاب العقول کے نام سے موسوم کیا گیا ؎

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس مرو
کہ مستحق کرامت گنہگارانند

[ترجمہ: ہمارے نصیب میں بہشت ہے کیونکہ اس کرامت کے مستحق گنہگار ہی ہیں]

اور عشاق کو خطاب رب الارباب کے وصال کے لیے تھا کیونکہ انھیں ذاتِ ذوالجلال کے جمال کے مشاہدہ کی تمنا تھی، اور بس ؎

چہ سود از روزنِ جنت اگر شیریں معاذ اللہ
ز کوے خود درے در روضۂ فرہاد نکشاید

[ترجمہ: اس بہشت کے دریچے سے کیا فائدہ معاذ اللہ اگر شیریں اپنے دروازے کی کھڑکی فرہاد کے لیے نہ کھولے۔]

اس خطاب کے بعد ہر ایک طبقہ کو عدم سے وجود کی طرف عجلت تھی تاکہ عدم کی تکالیف سے نجات پاکر جلد تر مقصود کو پہنچیں اسی لیے ازل میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اتیٰ امر اللہ یعنی عنقریب وہ وقت آرہا ہے جس میں تمھارا ہر طبقہ عدم سے نکل کر وجود میں پہنچ کر ازلی قسمت کے مطابق اپنا مقسوم حاصل کرے گا فلا تستعجلوہ فلہٰذا عجلت ذکرو کیونکہ تمھارا مقسوم تمھیں ضرور نصیب ہوگا۔ ہماری اس تقریر پر آیہ و آتاکم من کل ما سألتموہ دلالت کرتی ہے۔ یعنی عدم میں تم نے جو کچھ مانگا اللہ تعالیٰ نے تمھیں عطا فرمایا اس لیے کہ وہ عدم میں تمھارے پوشیدہ اسرار کو سنتا تھا اور تمھارے مخفی بھیدوں کو دیکھتا تھا۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ وہ ذاتاً منزہ اور صفاتاً متعالی ہے اس کا کوئی شریک نہیں جو اس جیسا کام کرے۔ اس کے کوئی مشابہ نہیں جو اس کا بدل کہا جا سکے ؎

قہار بے منازع و غفار بے ملال
دیان بے معادل و سلطان بے سپاہ
با غیر او اضافت شاہے بود چنانک
بریک دو چوب پارہ ز شطرنج نام شاہ

[ترجمہ: وہ ایسا قہار ہے کہ اس کا کوئی منازع نہیں اور غفار بے ملال ہے وہ دیان بے معادل و سلطان بے سپاہ ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو کوئی نسبت نہیں۔ یوں سمجھیے کہ جیسے شطرنج میں ایک ہی نام کے دو بادشاہ اکٹھے نہیں ہو سکتے ایسے ہی اس کی خدائی میں کوئی دوسرا خدا نہیں ہو سکتا]

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ یہاں پر ملائکہ سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کیوں کہ ایک کے لیے تعظیماً جمع کا صیغہ لانا جائز ہے جبکہ وہ واحد سردار ہو اس کی تعظیم اور اس کی قدر و منزلت کی رفعت کی وجہ سے بھی جمع کا صیغہ لانا جائز ہے۔ یہاں پر جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ بھی مراد ہیں جو وحی کی حفاظت کے لیے جبریل علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوتے تھے۔ (کما قال السہیلی فی کتاب التعریف و الاعلام)

اب معنی یہ ہوا کہ وحی نازل ہونے کے وقت بعض ملائکہ کرام کبھی کبھی جبریل علیہ السلام کے ساتھ وحی لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تھے۔

اسرافیل کے حامل وحی ہونے کے متعلق عجیب نکتہ حضرت عامر شعبی سے باسناد صحیح مروی ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السّلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تین سال وحی لاتے رہے ان کی وحی ایک دو کلمات پر مشتمل ہوتی تھی ان کے بعد حضرت جبریل علیہ السّلام مسلسل وحی کے لیے مامور ہوئے اور اسرافیل علیہ السّلام کے وحی لانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ اسرافیل علیہ السّلام صور پھونکنے پر مامور ہیں ان کے صور پھونکنے سے تمام مخلوق ہلاک ہو گی تو پھر قیامت قائم ہو گی اور حضور علیہ السّلام کی نبوت سے واضح تھا کہ قیامت قریب ہے اور آپ کے وصال کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گا اسی مناسبت سے وہ ابتدائی دور میں وحی کے نازل کرنے پر مامور ہوئے۔

حدیث شریف مسلم شریف میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السّلام صرف الحمد شریف یعنی سورت فاتحہ لائے جو عرصہ تک تھوڑا تھوڑا کر کے بارگاہ رسالت میں پیش کی سورت فاتحہ کو جبریل علیہ السّلام نہیں لائے۔

خالد بن سنان کی وحی کے حامل خازن نار تھے ابن ابی خیثمہ نے خالد بن سنان عبسی کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ نبی تھے اور ان کی وحی کے لانے والے حضرت مالک یعنی خازن تھے اور ان کا معجزہ یعنی نار تھی کہ ان کے دور نبوت میں ظاہر ہوئی تھی اسے لوگ نار الحدثان کے نام سے تعبیر کرتے ہیں وہ ایک غار سے نکل کر لوگوں کو اپنی لپیٹ

Scanned with CamScanner

میں سے نکلتی تھی اور تمام انسانوں اور کھیتوں اور جانوروں کو جلا کر رکھ دیتی تھی اور وہ لوگ اسے ہٹا نہیں سکتے تھے۔ جسے حضرت خالد بن سنان نے اپنے عصا سے ہٹا اور پیچھے ہٹ کر اپنی غار میں گھس گئی جہاں سے نکلی تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی نہیں نکلی۔

نبوتِ خالد بن سنان کا ثبوت

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت خالد بن سنان نبی تھے لیکن قوم نے انھیں ضائع کر دیا یعنی انھوں نے جو احوال قبر کے متعلق بیان کیے تھے اسے قوم نے ضائع کر دیا۔

سوال: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے قریب تر ہوں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ یہ تمہاری مذکورہ بالا تقریر کے منافی ہے۔

جواب: اس سے حضور علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان کوئی ایسا نبی نہیں جو مخلوق کو دعوتِ توحید دے اور اسے شرعی احکام پر چلائے۔ اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا الآیہ کے تحت گزر چکی ہے۔

ذی القرنین کے ہاں زیاقیل فرشتہ کی حاضری

حضرت ذوالقرنین کے ہاں زیاقیل فرشتہ حاضر ہوتا تھا۔ یہ وہ فرشتہ ہے جو قربِ قیامت میں تمام زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ بعدہٗ تمام لوگ ساہرہ پر چلیں گے۔ اس فرشتے کو ذوالقرنین سے مناسبت بھی ہے کہ ذوالقرنین نے شرق وغرب پر قبضہ جما لیا تھا اس [زیاقیل] کی نسبت سے۔ ایسے ہی خالد بن سنان کے مناسب حال پر نار کا فرشتہ مقرر ہوا تھا۔ (کذا فی کتاب التعریف واسئلۃ الحکم)

بِالرُّوْحِ اس سے وحی مراد ہے منجملہ ان کے قرآن مجید ہے جسے بطور استعارہ روح سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے کہ روح کی طرح مُردہ قلوب کو زندہ کرتا ہے، ایسے قلوب جو جہالت کی وجہ سے مردہ ہوں۔ یا دین میں ایسے ہے جیسے جسم میں رُوح۔ یعنی وحی اور قرآن کو بطور استعارہ تحقیقیہ رُوح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی اور قرآن کو رُوح کہنے میں قرینہ یہ ہے کہ اس کا ان انذروا بدل ہے اور ان انذروا کا بدل بننا رُوح کے حقیقی معنے سے ناموزوں ہے جب تک اسے قرآن اور وحی کے معنے میں نہ لیا جائے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بیاں پر باء بمعنے مع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ملائکہ جبرائیل علیہ السلام کی معیت میں وحی لاتے ہیں۔ کاشفی نے لکھا کہ ہر فرشتہ جو زمین پر اترتا ہے اس کے ساتھ روح نگرانی کے طور ضرور آتا ہے اس لیے کہ جیسے انسانوں کے لیے محافظ فرشتے ہیں ایسے ہی ملائکہ کے لیے روح محافظ و نگران ہے۔

مِنْ اَمْرِهٖ یہ لفظ روح کا بیان ہے جبکہ رُوح سے وحی مراد لی گئی ہے اس لیے کہ وہ مامور بالخیر ہے اور خیر کے لیے ہی مبعوث ہوا ہے۔ اور وحی عالمِ امر سے ہے یعنی وُہ عالم امر جو عالم خلق کا بالمقابل ہے اگرچہ جبریل علیہ السلام عالم خلق سے متعلق ہیں۔ یا مِن امرہٖ ینزل کے متعلق ہے۔ اس وقت یہ مِن سببیہ ہوگا جیسے مما خطیاتهم میں مِن سببیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ملائکہ کرام وحی لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کی وجہ سے۔

عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اپنے ان بندوں پر جن کے لیے وُہ چاہتا ہے۔ اس سے وہ حضرات مراد ہیں جو وحی کے

Scanned with CamScanner

حامل ہونے کے صفات اور اس کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں۔ اَنْ اَنْذِرُوْا ، بالروح سے بدل ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی یغزل الملٰئکۃ متلبسین بان انذروا۔ اور بان انذروا ' بھذا القول کے معنے میں ہے اور اس کے مخاطب حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن پر ملائکہ کرام کا نزول ہوتا تھا اور اس کا اٰمر اللہ تعالیٰ ہے اور ملائکہ کرام اس امر کے ناقل ہیں جیسا کہ مبدل منہ یعنی بالروح کی بٰ سے معلوم ہوتا ہے اور ان مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان محذوف اس کا اسم ہے دراصل عبارت یوں ہے۔ ینزلھم متلبسین بان الشان اقول لکم انذروا۔ الانذار بمعنے الاعلام ہے مگر فرق یہ ہے کہ الانذار اعلام المحذور سے مخصوص ہے۔ یہ نذر بالشیٔ سے ہے۔ نذر از باب علم ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

وَاَنْذَرَهٗ بِالْاَمْرِ۔ یعنی اس کا مجرد اور مزید فیہ ہر دو متعدی ہیں۔ اس تقریر پر نَذَرَهٗ بمعنے عَلِمَهٗ اور اَنْذَرَهٗ بمعنے اَعْلَمَهٗ ہے اس کا باب تفعیل حَذَّرَهٗ بمعنے خَوَّفَهٗ آتا ہے۔ یعنی فلاں نے اسے پیغام پہنچا کر ڈرایا۔ (کذا فی القاموس

اب انذروا بمعنے اعلموا ہے۔ یعنی اے انبیاء علیہم السلام! لوگوں کو احکامِ الٰہی بتاؤ۔

اِنَّهٗ یہ ضمیر شان ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا یعنی شان یہ ہے کہ میرے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں اس لیے کہ میں ہی پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ہوں۔

ف : محذور سے ڈرانا لذاتہ نہیں بلکہ بایں معنیٰ ہے کہ منذرین شرک وغیرہ جیسے قبائح سے موصوف تھے اور انھیں ان قبائح سے ڈرایا گیا ہے۔ اسی لیے حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ لا الٰہ الا انا سے ڈرانے کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے امور ثابت کرتے جو اس کی شان کے لائق نہیں تھے۔ مثلاً اس کے لیے شرکا و انداد ماننا۔ اور ظاہر ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ایسے امور ثابت کیے جن کا وقوع ممتنع بالذات ہے۔ اسی غلطی کی وجہ سے ان سے انتقام لیا گیا۔

فَاتَّقُوْنِ پس مجھ سے ڈرو اور میرے سوا کسی کی پرستش نہ کرو ؎

مرا بندگی کنم کہ دارا منم
تو از بندگانی و مولا منم

[ترجمہ : تم میری عبادت کرو اس لیے کہ حاکم مطلق صرف میں ہوں اور تم سب میرے بندے ہو اور مولا صرف میں ہوں]

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور پیغامات انبیاء و رسل علیہم السلام کے ہاں پہنچائیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام پر یک وقت یعنی دفعۃً واحدۃً وحی نازل ہوتی جیسے تورات و انجیل و زبور حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت داؤد علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ ایسے ہی ابن کثیر و ابو عمر کی قرأت وَیُنْزِلُ از نُزِّلَ دلالت کرتی ہے۔ اور بعض حضرات پر علیٰ حسب المصالح اور موافق حوادث تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا، جیسے قرآن مجید جیسی بائیس سال کی مدت میں نازل ہوا۔ اسی پر باقی تمام قرّا کی قرأت وَیُنَزِّلُ از نَزَّلَ دلالت کرتی ہے۔

Scanned with CamScanner

38 ع

قاعدہ: تنزیل تدریج و تکثر کو اور انزال تدریج و دفعۃً واحدۃً ہر دو کو شامل ہے۔ یہ تنزیل اعم سے ہے۔

مسئلہ: نزولِ وحی جملۃً واحدۃً ہو یا تدریجاً امرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ جیسے وہ چاہتا ہے ویسے ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ نبوت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت سے عطا فرمائے۔ اس سے مقصود صرف یہی ہے کہ بندوں کو توحیدِ الٰہی کا علم ہو اور وہ اس کے ذریعہ سے تقویٰ و طہارت حاصل کر سکیں اور انہیں اوامر و نواہی پر پابندی کا طریقہ نصیب ہو۔

ف: توحید کا علم قوت علیہ اور تقویٰ قوت عملیہ کے منتہا کا نام ہے۔ اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان کفر و معاصی اور دیگر قبائح سے اجتناب کرے۔ اس میں حقوق العباد بھی شامل ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ

ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ میں اشارہ ہے کہ وحی کے ذریعے مواہب ربانیہ سے مردہ قلوب کو بعث نصیب ہوتی ہے۔ اور امرِ ربانی کی کئی اقسام ہیں:

١- جوارح کو تکالیفِ شرعیہ کی پابندی کا

٢- نفوس کو طریقت کے احکام سے تزکیہ کا

٣- ارواح کو حضرۃ الٰہیہ کی ملازمت کا حکم ہوا تاکہ مکاشفات کا حصول ہو۔

٤- خفیات کو حکم ہوا کہ تجلیِ صفات حاصل کریں تاکہ ذوات کا فنا نصیب ہو۔

علی من یشاء من عبادہ ان سے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام مراد ہیں۔ ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا یعنی تم اپنے وجود کے اوصاف کو میری انانیت میں فنا کر دو اور یقین کرو کہ میرے سوا کوئی موجود نہیں فاتقون میری انانیت کی وجہ سے اپنی انانیت کو خطرہ کرو۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر

[صاحبِ روح البیان حضرت مولانا اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ] میرے پیر و مرشد شیخ کامل روح اللہ روحہٗ نے اپنی تحریرات میں فرمایا کہ متقی یا تو اپنے نفس کے ساتھ حق سے ڈرتا ہے یا حق کے ساتھ اپنے نفس سے ڈرتا ہے۔ پہلا اپنے نقائص کو بجائے حق تعالیٰ کے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ گویا یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اپنے نفس کو ڈھال بناتا ہے۔ دوسرا کمالات کو اپنے نفس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ گویا یہ شخص اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے ڈھال بناتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عدم نقصان میں ہے اور وجود کمال ہیں۔ یعنی ان ہر دو سے اعلیٰ وہی ہے جو اپنے آپ کو معدوم اور اللہ تعالیٰ کے لیے وجود کا ثبوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ یعنی اے مومنو! عدم کو مطلقاً اپنی طرف منسوب کرو بایں معنیٰ کہ یہ نفوس من حیث ھی ھی دائماً ازلاً ابداً سرمداً معدوم ہیں ان کو وجود سے موصوف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر لفظاً انہیں وجود سے موصوف کیا جاتا ہے تو حق تعالیٰ کے فیضانِ جود کی وجہ سے۔ اور جسے اس طرح کا وجود حاصل ہوا سے من حیث الوجود موجود نہیں سمجھا جاتا جبکہ وہ من حیث ھی ھی دائماً مطلقاً معدوم ہو۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا

Scanned with CamScanner

واطیعوا پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی استطاعت کے مطابق سنو اور اطاعت کرو۔ (انتہی کلام الشیخ) ؎

گر تری جملہ در فضائے وجود
ہم خود انصاف دہ بگو حق گو
در ہمہ اوست پیش چشم شہود
چیست پنداری ہستی من و تو
پاک کن جامی از غبار دوئی
لوح خاطر کہ حق یکیست نہ دو

[ترجمہ: اگر فضائے وجود میں صرف تمہیں ہو تو انصاف سے بتاؤ اور حق بات کہو کہ چشم شہود میں تمام کائنات وہی ہے تو پھر یہ من و تو کا گمان کیوں۔ اے جامی! دوئی کی غبار سے دل کی تختی کو صاف کر کے یہ عقیدہ رکھو کہ حق صرف ایک ہے دو کا عقیدہ رکھنا غلط ہے]

تفسیر عالمانہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں پر السمٰوٰت سے اجرام علویہ اور الارض سے آثار سفلیہ مراد ہیں۔

ف: مروی ہے کہ زمین کی تخلیق سے پہلے اسی زمین والے مقام پر پانی ہی پانی تھا۔ کعبہ والی جگہ پر جھاگ کا ایک ٹکڑا جمع ہوگیا جو دُور سے ایک اُونچے سرخ ٹیلے کی طرح نظر آتا تھا اور یہ اتوار کا دن تھا۔ اس پانی کا بخار دُھوئیں کی طرح آسمان کی طرف اٹھا تو وہی دُھواں آسمان کی جگہ پر پہنچا۔ یاد رہے کہ زمین و آسمان کی درمیانی مسافت پانچ سو سال ہے۔ اسی طرح مشرق و مغرب کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے سبز موتی بنایا۔ اس سے آسمان پیدا فرمائے۔ پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے سورج، چاند، ستارے پیدا فرمائے۔ اس کے اسی کعبہ معظمہ والے مقام کے جھاگ[1] کے ٹکڑے سے زمین بچھائی گئی۔

بِالْحَقِّ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی حکمت بلیغہ اور مصلحتِ عظیمہ کے تحت ہوئی۔ یہ نہ سمجھنا کہ اس کی تخلیق عبث اور باطل محض ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

انما الکون خیال
وھو حق فی الحقیقۃ

[ترجمہ: کائنات خواب خیال ہے لیکن درحقیقت وہی حق ہے]

---

[1] یہ نورانی جھاگ کا وہی ٹکڑا ہے جس میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کا خمیر مبارک تھا اس کی تفصیل پہلے گزر رہی ہے اس سے خود سمجھیے کہ کعبہ کو عزت ملی تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

Scanned with CamScanner

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے ارواح و اشباح کو اپنے افعال کا مظہر بنایا۔ ارواح و اشباح میں جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے ان سب کا حقیقی فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ تَعٰلٰی اللہ تعالیٰ مقدس، برتر اور بزرگ ہے۔ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ اس سے جو شریک ٹھہرا رہے ہیں۔ حالانکہ جن چیزوں کو وہ مشرک ٹھہرا رہے ہیں وہ باطل محض ہیں، وہ ان میں تخلیق کی قدرت اور نہ ہی مارنے کے بعد زندہ اٹھانے کی طاقت۔

تفسیر صوفیانہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ذاتاً وصفاً و فعلاً اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے اس لیے کہ وہی حجاب و وسائط کا خالق ہے لیکن وسائط سے نہیں بلکہ بالذات ہر شے کی تخلیق فرمائی جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہو اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور صالح عمل یہ ہے کہ ہر عمل صرف رضائے حق کے لیے کرے اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ صوفیاء کرام ریاکار کو بھی مشرک کہتے ہیں۔

مرائی هر کسے معبود سازد
مرائی را ازاں گفتند مشرک

[ترجمہ : ریاکار ہر کس کو معبود بناتا ہے اسی لیے بزرگانِ دین نے ریاکار کو مشرک کہا ہے]

تفسیر عالمانہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ اس سے صرف اولادِ آدم مراد ہے اس لیے کہ خود آدم تو تراب اور بی بی حوا ان کی دائیں پسلی سے پیدا ہوئیں۔ ان کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی۔ اسی لیے یہاں صرف وہ اولاد مراد ہوگی جو نطفہ سے پیدا ہوئی ہے۔ مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ سے مرد کا پانی مراد ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے پانی سے پیدا فرمایا جو جمادِ محض تھا یعنی حس و حرکت اور فہم و ہیولیٰ سے فارغ جس کی نہ کوئی وضع تھی نہ شکل لیکن اس کے بعد اسے عقل و فہم سے نوازا گیا فَاِذَا هُوَ پھر تخلیق کے بعد۔ یہاں پر فا لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان تخلیق کے بعد فوراً ہی نسیان کے مرض کا شکار ہو گیا خَصِيْمٌ بمعنے بہت جھگڑالو۔ مُّبِيْنٌ اپنی دلیل کو ظاہر کرنے والا یا جھگڑے کرنے میں ایسا ظاہر ہو کہ جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں یعنی اپنے مطلب کے لیے ایسا مناظرہ و مجادلہ کرے جس طرح بن پڑے اپنے مقصد و مطلب کو دلائل (حقہ یا باطلہ) سے ثابت کر دکھلائے۔

مسئلہ: تکملہ میں مرقوم ہے کہ آیت میں عموم ہے یعنی ہر انسان فطرۃً ایسے ہی ہے۔

شانِ نزول المہدوی سے منقول ہے کہ آیت میں الانسان سے ابی بن خلف الجمحی مراد ہے کیونکہ وہ ایک دفعہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوسیدہ ہڈی لایا اور عرض کی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرے گا۔ اس کے سوال پر یہی آیت نازل ہوئی۔ سورہ یٰسٓ کی آخری آیت کا بھی یہی مفہوم ہے اور اس کے نزول کے لیے بھی یہی قول ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوگا کہ

انسان ابتدا میں جماد محض تھا پھر ہم نے اسے حس اور نطق بخشا اب ہمارے ساتھ جھگڑا کرتا ہے کیا اسے اتنا بھی شعور نہیں کہ ہم نے اسے ابتداءً پیدا فرمایا جبکہ اسے فہم و عقل نہیں تھا کیا اب ہم اس کے اعادہ پر قدرت نہیں رکھتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو ایک مردہ نطفہ سے بنایا جبکہ وہ اپنے وجود کا علم نہ تھا جب اسے علم و قدرت نصیب ہوئی تو اپنے خالق کے ساتھ مقابلہ کرنے لگا اور اپنی ہستی کو اس کی ہستی کے بالمقابل کھڑا کر دیا اور وجود و افاعیل میں اس کے ساتھ شریک ہونے کا مدعی بن بیٹھا۔

مسئلہ انسان کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ عادۃً وقاحت و جہل و تمادی فی کفران النعمۃ میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے کیونکہ خالق حق نے فرمایا کہ انسان کو نطفہ اور مٹی سے پیدا کیا گیا اسی لیے اس میں کبر و غرور کا ہی صدور ہوتا ہے حالانکہ وہ بقول عامۃ العلماء نطفۂ منی پلید سے پیدا کیا گیا ہے اسے اپنی حقیقت پہ نگاہ رکھ کر تواضع و انکسار کو اختیار کرنا چاہیئے تھا۔ ؎

نہ در ابتدا بودی آب منی　　　اگر مردی از سر بدر کن منی

[ترجمہ: اے انسان کیا تو ابتداء میں ایک قطرہ نہیں تھا اگر تو جوانمرد ہے تو اپنے سر سے غرور و تکبر کو نکال دے۔]

فضلات[1] مبارکہ طیب و طاہر تھے انسان العیون میں ہے کہ:

ان فضلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم طاھرۃ انتھی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں۔

اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات سے ہے جیسا کہ کتب سیر میں علمائے محدثین و فقہائے محققین نے تصریح کی ہے۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نطفہ مبارک کو سمجھنا آسان ہو گیا یعنی وہ بھی طیب طاہر ہے کہ وہ فضلات سے حکم میں خفیف تر ہے [کیونکہ فضلات نجاست غلیظہ اور منی نجاست خفیفہ ہے یعنی عوام انسان کا یہ حکم ہے اس سے صاحب روح البیان قدس سرہ کا مقصد یہ ہے کہ جب باتفاق العلماء الفقہاء والمحدثین رحمہم اللہ تعالیٰ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ طیب و طاہر ہیں تو منی مبارک کا پاک ہونا بطریق اولیٰ ہوگا افسوس ہے کہ ہمارے دور کے بعض لوگ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کو پلید اور نجس کہتے ہیں ہاں یہ چیزیں امت کے لیے تو طیب و طاہر ہیں لیکن ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نزاہت و طہارت میں ارفع اعلیٰ ہیں اسی لیے صرف اور صرف آپ کی ذات کے لیے فضلات وغیرہ طیب و طاہر ہوں گے اسی وجہ سے آپ ان اشیاء سے کپڑوں وغیرہ کو دھلواتے تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر یہ اشیاء عوام الناس کے لیے طیب و طاہر تھیں لیکن آپ نے اپنے سے دھونے کا حکم صادر فرمایا تاکہ احکام شرعیہ کا اجراء ہو۔][2]

---

[1] پیشاب و پاخانہ وغیرہما کو کہا جاتا ہے ۱۲

[2] یہ فقیر اویسی غفرلہٗ کا اضافہ ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

حکایت اہل ریاضت تحقیق میں ایک توحیدی ولی کامل کی حکایت مشہور ہے کہ ان کے فضلات سے بدبو کی بجائے خوشبو مہکتی تھی جیسے حضور اکرم علیہ السلام کے فضلات مبارکہ کے متعلق بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ جہاں قضا حاجت فرماتے ہیں وہاں خوشبو ہی خوشبو ہوتی ہے اور وہاں کوئی شے بھی نہیں ہوتی آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے خمیر بہشتی ہوتے ہیں اس لیے ان کے فضلات میں خوشبو ہوتی ہے اور انہیں زمین نگل جاتی ہے (خصائص کبریٰ)

ردّ وہابیہ دیوبندیہ اس حدیث مبارک کو مارکر سرے سے مانتے نہیں اور پھر اولیاء کرام کی مذکورہ بالا کرامت تو سنتے ہی نہیں وہی کہتے ہیں جسے سب جانتے ہیں ہماری بات تو وہ سننے کے لیے تیار نہیں ہم صاحب روح البیان کی تصریح دکھاتے ہیں حکم

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات [لہ]

وذلك ليس ببعيد لصفوة باطنهم وسريان آثار حالهم الى جميع اعضائهم واجزائهم فهم من النطفة صورة ومن النور معنى وليس غيرهم مثلهم لان معناهم ظهر فى صورة الوجود فغابوا من الغيبة ووصلوا الى عالم الشهود بخلاف غيرهم من ارباب الغفلة

اور یہ عقلاً بعید نہیں کیونکہ ان کے باطن صاف وشفاف ہوتے ہیں اور ان کے حال کے اثرات ان کے جملہ اعضا و اجزا میں پھیل جاتے بظاہر ان کی پیدائش نطفے سے اور معناً نور سے ہوتی ہے۔ ان کا غیر ان جیسا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان کا معنیٰ ظاہری وجود کی صورت میں ظاہر ہوا۔ وہ غیب سے غائب ہو کر شہود سے واصل ہو چکے ہیں بخلاف ارباب غفلت کے کہ وہ وانما غیبوبۃ میں ہیں۔

[مذکورہ بالا عبارت کو غور سے پڑھیے صاحب روح البیان رحمہ اللہ اولیاء کرام کے ظاہری اجسام کو بھی نور بتانے جا رہے ہیں اور یہاں وہابیوں کا یہ حال ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو نور نہیں مانتے بلکہ ماننے والوں کو مشرک اور بے دین کہتے ہیں [تلہ]

سبق [صاحب روح البیان حضرت مولانا اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر تمہیں ایسے مراتب کی تمنا ہے تو تمہیں عمل میں اخلاص کرنا چاہیے اور ریا وجدل وجدال کو ترک کر دینا لازم ہے اس لیے کہ ایسے بدبخت سرکش منکر کو توحید کی حقیقت

لہ اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ ۱۲ تلہ ایضاً سلہ صاحب روح البیان تو منکر شان اولیاء کو حقیقت توحید سے کوسوں دور بتاتے ہیں لیکن ہمارے دور کے منکر انکار کے باوجود خود کو توحید کے ٹھیکیدار اور دوسروں کو مشرک گردانتے ہیں حکم

عجب رنگ ہیں زمانے کے اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

کبھی نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ حقیقۃً توحید سے کوسوں دور ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالْاَنْعَامَ نعم کی جمع ہے کبھی اس کی عین کو ساکن کرکے پڑھا جاتا ہے اس سے اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ مراد ہوتی ہے۔ ان چاروں اجناس کے نرمادہ کو ملا کر انہیں ازواج ثمانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے اس لیے کہ ہر نر کو اپنے مادہ کی وجہ سے اور ہر مادہ کو اپنے نر کی وجہ سے زوج کہا جاتا ہے۔ اس معنے پر بکری کا نرمادہ، بھیڑ کا نرمادہ، اونٹ کا نرمادہ، گائے کا نرمادہ ازواج ثمانیہ ہوں گے۔ اس اصطلاح کی بنا پر گھوڑا، خچر، گدھا انعام کی تعریف سے خارج ہوں گے۔ ویسے انعام کا اطلاق زیادہ تر اونٹوں پر ہوتا ہے۔ اور یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ خَلَقَهَا لَكُمْ اس کا مفسر ہے۔ یعنی اے بنی آدم! ان جانوروں کو تمہارے منافع و مصالح کے لیے پیدا کیا گیا ہے بلکہ تمام مخلوقات تمہارے منافع و مصالح کے لیے پیدا کیا گیا۔ چنانچہ خلق لکم ما فی الارض جمیعا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح یہ آیت: سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منه۔ اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ کما قال:

واصطنعتك لنفسی۔ اور میں نے تجھے اپنی ذات کے لیے پیدا فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان صفاتِ الٰہی کا آئینہ اور اسمائے حق کی تجلیات کا مرکز ہے۔

فِيْهَا دِفْءٌ ان میں تمہارے لیے گرم کپڑے ہیں یعنی ان کی اُون اور بالوں سے گرم کپڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ دراصل دِفْءٌ ، حدة البرد [سخت سردی] کی نقیض ہے بمعنی موٹی اور گرم چیز۔ عرف میں ہر وہ کپڑا جس کے استعمال سے سردی دُور کی جائے، وہ بکری کے بالوں سے ہو یا بھیڑ کی اُون سے یا اونٹ وغیرہ کے بالوں سے۔

مسئلہ: چمڑے کو دباغت کے بعد لباس وغیرہ کے کام میں لانا جائز ہے چمڑا چاہے کسی جانور کا ہو۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے درندوں کے چمڑے سے لباس وغیرہ تیار کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ مبارک فنک کا تھا جسے آپ اعیاد میں استعمال فرماتے تھے۔

ف: الفنك بفتحتین ایک جانور ہے جس کی فروہ بہترین ہوتی ہے وہ ہر مزاج کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ (کذا فی القاموس)

ف: سردی سے بچنا ہم جیسے عوام کے لیے ہے ورنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر آگ نہیں سینکی۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام و اولیاء عظام [رضی اللہ عنہم و رحمہم اللہ تعالیٰ] کے متعلق منقول ہے اس لیے کہ باطنی حرارت کی وجہ سے انہیں ظاہری حرارت کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت صائب قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جمعے کہ پشت گرم بعشق ازل نیند
ناز سمور و منت سنجاب می کشند

[ترجمہ: جنہیں عشقِ ازل نصیب نہ ہو وہی سمور و سنجاب کے محتاج ہوتے ہیں]

وَمَنَافِعُ جانوروں کی نسل، ان کا دُودھ، ان کی سواری، انہیں کھیتی کے کام میں لگانا اور بیچ کر ان کا ثمن کھرا کرنا، اور

انھیں کر لیر پر مے کر پیے کھانا' یہ تمام منافع انسان کے لیے ہیں۔ وَمِنۡهَا تَأۡكُلُوۡنَ یہ مِنۡ تبعیضیہ ہے[۱] یعنی حلال جانوروں کی بھی وہ چیزیں کھاتے ہو جو کھانے کے لائق ہیں جیسے گوشت اور چربی وغیرہ۔ وہ اشیا جو حلال جانوروں کی نہیں کھائی جاتیں:

۱۔ غدہ ۲۔ قبل ۳۔ دبر ۴۔ ذکر ۵۔ خصیتین ۶۔ مرارہ ۷۔ مثانہ ۸۔ نخاع الصلب

۹۔ ہڈیاں ۱۰۔ خون۔ کیونکہ یہ حرام ہیں۔

ف: اس میں ظرف کی تقدیم فاصلہ کی رعایت کے لیے ہے اور اس لیے کہ کھانے کی چیزوں کو جانوروں میں سے عموماً معاش میں تقدیم حاصل ہے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی کھانے کے کام آتا ہے لیکن ان سے مقصود علاج ہے اگرچہ انھیں کھانے کے طور پہ بالعموم استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صید البر والبحر کا معاملہ ہے کہ ان کے گوشت سے دوا اور لذت وغیرہ مطلوب ہے۔ اس تقدیر پہ یہ قصر اضافی ہے بہ نسبت دوسرے حیوانات کے۔ یہاں تک کہ یہ سوال بھی رفع ہو گیا کہ روٹی وغیرہ بھی تو کھانے کے کام آتی ہے تو پھر یہاں کھانے کو صرف اَنعام (مخصوص جانوروں) کے ساتھ کیوں مختص کیا گیا ہے۔

وَلَكُمۡ فِيۡهَا اور تمہارے لیے ہیں مذکورہ تمام حیوانات اور ان کے منافع وغیرہ جَمَالٌ لوگوں کی نظروں میں زیب وزینت اور ان کے ہاں وجاہت کی وجہ سے۔ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ جب تم شام کے وقت انھیں چراگاہوں سے گھر کی طرف لیجاتے ہو۔ تریحون' اراحۃ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب جانوروں کو چراگاہ سے شام کے وقت واپس گھر لایا جائے۔ المراح بالضم المیم بمعنے موضع اراحۃ الابل والبقر والغنم۔ الاراحۃ سے مشتق ہے بمعنے شام کے وقت اونٹ' گائے' بکری کو واپس لانا۔ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ اور جب تم انھیں صبح کے وقت چراگاہ میں لیجاتے ہو۔ یعنی گھروں سے نکال کر چراگاہوں کی طرف لے جانے کے وقت بھی تمہارے لیے زیب وزینت بنتے ہیں۔ یہ سرح الراعی الابل سے مشتق ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب جانوروں کو چرانے کے لیے لیجایا جائے یا انھیں چراگاہ کی طرف روانہ کیا جائے۔

ف: تہذیب المصادر میں ہے کہ السروح بمعنے جانوروں کو چرانا۔ اور سرح لازم اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ سَرَحَتِ الۡمَاشِيَةُ [جانور چرے] اور سَرَحۡتُ الۡمَاشِيَةَ [میں نے جانوروں کو چرایا] دونوں طرح جائز ہے۔

سوال: جانوروں کا زیب وزینت بننا صرف ان دو وقتوں میں کیوں؟

جواب: جانوروں کے چرواہے عموماً جانوروں سے انہی اوقات میں اپنے گھروں کے صحنوں کو مزین کرتے ہیں اور سوار ہو کر باہر جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو زیب وزینت کا سبب بتایا گیا ہے (کما فی القاموس) اور پھر جانوروں کی عادت ہے کہ وہ آتے جاتے وقت شور مچاتے ہیں بالخصوص بکریاں اور بھیڑیں تو بہت زیادہ شور کرتی ہیں۔ عربی میں بھیڑ بکریوں کے شور کو الثغاء سے اور باقی تمام جانوروں کے شور کو الرغاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ مالکوں کو ایسے اوقات میں جانوروں کے شور کرنے سے خوشی ہوتی ہے بلکہ اسے وہ اپنی عزت وعظمت سمجھتے ہیں۔ اور عوام کی نظروں میں ایسے لوگ معزز ومکرم اور معظم و محترم سمجھے جاتے ہیں اسی لیے انھیں عرف عام میں مالدار کہا جاتا ہے۔ ہاں چراگاہ میں جانوروں کو زیب وزینت کا سبب نہیں

بنایا وہ صرف اس لیے کہ اس وقت دیکھنے والے عموماً نہیں دیکھتے اور نہ ہی جانوروں کو اپنے رہنے کی جگہوں میں دیکھ کر زیب و زینت کا سبب سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ زیب و زینت ان دونوں اوقات میں اور مالک کے گھر کے آگے رہنے سے ہے اور بس۔

نکتہ: سرح پر اراحۃ کی تقدیم اسی لیے ہے کہ اس میں زیب و زینت زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اراحۃ میں غیبوبۃ کے بعد حضور ہوتا ہے اور اس وقت سیر ہو کر دودھ سے پُر اور پیٹ بھرے ہوئے لوٹتے ہیں۔ اسی لیے اُن کا یہ منظر اچھا ہوتا ہے۔

حل لغات: جمال بمعنے الحسن فی الخلق والخلق عادات۔ اور جسم کے حُسن کو جمال کہا جاتا ہے۔ التجمل بمعنے التزین۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: جَمَّلَہٗ بمعنے زَیَّنَہٗ۔ حدیث شریف میں ہے:

جمال الرجل فصاحۃ لسانہ۔ زبان کی فصاحت انسان کی زینت ہے۔

اور فرمایا:

الجمال صواب المقال والکمال حسن الفعال۔ صحیح اور سچ بولنا انسان کا جمال اور اچھے اعمال اس کا کمال ہے۔

ع

بہایم خموشند و گویا بشر

پراگندہ گوئے از بہایم بتر

[ترجمہ: جانور خاموش اور انسان بکنے والا جانوروں سے بدتر ہے]

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ۔ ثقل (بفتح الثاء والقاف) کی جمع ہے بمعنے مسافر کا مال متاع اور اس کے خدام وحشم۔ یعنی وہ جانور تمہارے مال و متاع اور اسباب کا بوجھ اٹھاتے ہیں **اِلٰى بَلَدٍ** دُوسرے شہروں کی طرف خواہ وہ کتنے ہی دُور ہوں۔ اس میں اہلِ مکہ کا یمن و شام کی طرف تجارت کے لیے آنا جانا بھی داخل ہے **لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ** جہاں تم خالی ہاتھ بھی نہیں پہنچ سکتے تھے یعنی اگر تم اونٹوں وغیرہ پر سوار ہو کر نہ جاتے تو تم وہاں ہرگز نہ پہنچ سکتے تھے یا یہ کہ بفرضِ محال اگر اونٹ وغیرہ پیدا نہ کیے جاتے تو تم ان شہروں تک نہ پہنچ سکتے۔ **اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ**۔ الشق (بالکسر والفتح) بمعنے کلفت و مشقت۔ یہ اعم الاشیاء سے مستثنیٰ مفرغ ہے جس کی عبارت دراصل یوں تھی: لم تکونوا بالغیہ بشیء من الاشیاء الا بشق الانفس۔ **اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** بے شک تمہارا رب تمہارے لیے بہت مہربان ہے اور تمہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازتا ہے۔ یہ بھی اس کے رحم و کرم کی ایک علامت ہے کہ اس نے تمہارے لیے جانور پیدا فرمائے تاکہ ان سے منافع پاؤ اور اپنے امور میں سہولتیں حاصل کرسکو۔

حکایت و روایت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کسی جنگ کو سر کرنے کے لیے تشریف لے جارہے تھے راستہ میں بعض صحابہ کرام

Scanned with CamScanner

نے پرندے کے بچے اٹھا کر گود میں چھپا لیے وہ پرندہ بچوں کو حاصل کرنے کے لیے اڑ کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں گرتا جنہوں نے ان کے بچے اٹھا لیے تھے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صورتِ حال دیکھ کر فرمایا کہ تم پرندے کا حال دیکھ رہے ہو کہ وہ بچے کی وجہ سے کیسے جتن کر رہا ہے بخدا میرا رب اپنے بندوں پر اس پرندے سے کہیں زیادہ رحیم ہے ؎

فروماندگاں را برحمت قریب

تضرع کناں را بدعوت مجیب

[ترجمہ: عاجزوں کو اپنی رحمت سے قریب ہے زاری کرنے والوں کی دعا کو قبول کرنے والا ہے]

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کے منافع کے لیے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ان کے صفات حیوانیہ ذمیمہ سے معلومات حاصل کر کے اپنے سے ان صفات کو دور کر کے صفاتِ ملکیہ حمیدہ حاصل کریں تاکہ وہ ان گندے صفات سے احتراز کر سکیں اور ان کے مشابہ ہونے سے محفوظ ہو سکیں چنانچہ ایسے اوصاف والوں کے لیے ارشادِ رب العزت ہے:

اولئک کالانعام بل هم اضل۔

اور انسان میں حیوانات کے صفات اس لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ وہ ارواح کے بوجھ کو اٹھا کر انہیں جبروت کے شہروں تک لے جا سکیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ تیرا نفس تیری سواری ہے اس کے ساتھ نرمی کر۔

ف: اللہ تبارک تعالیٰ نے اونٹ، گائے، بکری اور بھیڑ پیدا کر کے انسان پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ان سے انسان کو بہت سے فوائد اور منافع حاصل ہوتے ہیں۔

ناقۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس پر آپ سوار ہوتے تھے اسے "الناقۃ القصوٰی" سے موسوم کرتے اور القصوٰی ہر اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کٹے ہوئے ہوں اور الجدوی ہر وہ اونٹنی جس کا کان یا ناک کٹی ہو اور العضباء ہر وہ اونٹنی جس کے کان کٹے ہوں۔

ف: بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ القاب اس کے ویسے ہی محبت سے رکھے گئے تھے نہ اس کی ناک کٹی ہوئی تھی نہ کان وغیرہ

ناقۂ رسول کے عجائبات یہ اونٹنی پہلے بالکل نہیں چل سکتی تھی حضور علیہ السلام کی برکت سے خوب چلتی تھی یہاں تک کہ تمام سواریوں سے آگے نکل جاتی تھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ بات شاق گزری حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے جسے بلند کرتا ہے اسے گھٹاتا بھی ہے۔ یہ وہی اونٹنی ہے جو حضور سرکارِ دو عالم کے وصال شریف کے بعد نہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی یہاں تک کہ مر گئی مروی ہے کہ قیامت کے دن بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اونٹنی پر سوار ہو کر میدانِ حشر میں تشریف لائیں گی۔

Scanned with CamScanner

اونٹ کے عادات شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اونٹ میں بہت بڑا حوصلہ ہے یہاں تک کہ ایک بچہ بھی اسکی ناک میں نکیل ڈالکر جہاں چاہے لے جا سکتا ہے اگرچہ سینکڑوں میل تک لے جائے سر جھکا کر چلتا رہتا ہے کسی متعلم پر بھی خلاف ورزی نہیں کرتا اور جہاں دیکھتا ہے کہ نقصان ہوگا تو اسے جتنا جبراً لیجانا چاہو نہیں جائے گا یہاں تک کہ نکیل توڑ کر بھاگ جائے گا۔

ف: دشمن کے ساتھ جتنا احسان و مروت کرو وہ بجائے نرم پڑنے کے اپنے مقصد میں مزید طمع و لالچ کرے گا

کسے کہ لطف کند با تو خاک پایش باش

وگر خلاف کند در دو چشمش آگن خاک

سخن بلطف و کرم با درشت گوئے مگوئے

کہ زنگ خوردہ نگردد بنرم سوہان پاک

[ترجمہ: اگر تیرے ساتھ کوئی شخص لطف و کرم کرے تو اس کے پاؤں کی مٹی ہوجا اگر وہ تیری خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کی دونوں آنکھوں کو مٹی سے بھر دے کسی سے بات کرو تو نرمی سے اگر سختی سے گفتگو کرتا ہے تو مرے سے نہ بولو اس لیے کہ جس لوہے پر زنگ چڑھ جائے وہ سوہان سے بھی صاف نہ ہوگا]

اُونٹ کے خواص حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ اونٹ کی اُون جلا کر راکھ کو بہتے خون پر ڈالا جائے تو خون رک جائے گا۔ وہ قراد جو اُونٹ سے چمٹا ہوا ہوتا ہے اسے عاشق کے بازوؤں میں باندھا جائے تو اس کا عشق زائل ہو جائے گا۔ اونٹ کا گوشت قوتِ باہ کے لیے مفید ہے۔

بقرہ کے فوائد البقر، بقرٌ سے مشتق ہے بمعنے شقٌ۔ چونکہ بقرہ کھیتی کے لیے زمین کو چیرتی ہے اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور حضرت محمد بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم کو باقر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کو جملہ علوم حاصل تھے اور آپ ہر علم میں حظ وافر رکھتے تھے۔

تجربہ اگر تم تجربہ دیکھنا چاہو تو ایک گھڑا زمین میں دفن کر دو اور اس کا اوپر والا حصہ [منہ] زمین کے باہر ہو اور اس کے اندرونی حصے کو گائے کی چربی مل دو۔ پھر دیکھیے کہ وہاں کے تمام کیڑے کوڑے اُس گھڑے میں جمع ہو جائیں گے۔

بچھو مار دوا گائے کی چربی کو گندھک سے ملا کر جس گھر میں دھواں دیا جائے تو گھر سے تمام موذی کیڑے کوڑے بالخصوص بچھو وغیرہ بھاگ جائیں گے۔

ف: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں کہ آپ نے گائے کا گوشت کھایا ہو اس لیے کہ اس کا گوشت تنفیہ کو نقصان دیتا ہے اور آپ کا اپنی ازواج مطہرات کے لیے گائے کو قربانی میں ذبح کرنا کھانے کے منافی نہیں۔ (کما فی انسان العیون)

Scanned with CamScanner

ف: بزرگوں کا فرمودہ ہے کہ تین اشخاص کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

۱۔ انسانوں کو بیچنے والا۔

۲۔ درختوں کو کاٹنے والا۔

۳۔ گائے ذبح کرنے والا۔

ف: اس سے وہ قصاب مراد ہے جو پیشہ کے طور پر کام کرتا ہے۔

فائدہ طبیہ: حضور اکرم نے فرمایا کہ گائے بھینس کا دودھ مکھن خوب کھاؤ پیو لیکن ان کے گوشت سے بچو اس لیے کہ ان کے دودھ مکھن میں شفاء اور ان کے گوشت میں بیماری ہے [سب کے لیے نہیں بعض افراد کے لیے]

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے قربانی کے لیے گائے ذبح فرمائی۔ (کذا قال الامام السخاوی)

نکتہ: گائے بھینس کا گوشت بیماری کا موجب صرف اہل عرب اور اس جیسے اور ان ممالک کے لیے ہو سکتا ہے جن کی آب وہوا خشک ہے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ حدیث مذکورہ مخصوص عنہ البعض ہے۔

ف: یہی تاویل مستحسن ہے ورنہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا جواب ہوگا کہ اگر معاذ اللہ گائے بھینس کا گوشت بیماری اور ناکارہ ہے تو پھر آقائے انام صلی اللہ علیہ وسلم قربت خداوندی کے لیے عید قربان میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے ہرگز ذبح نہ فرماتے جب کہ آپ خود اسے بیماری فرما رہے ہیں۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے گائے کی قربانی بیان جواز کے لیے کی ہو۔

ف: اس وقت سوائے گائے کے اور کوئی جانور میسر نہ ہوا ہو گا۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بھیڑ بکریوں کے بال اور اون سنگار اور ان کا دودھ مکھن وغیرہ معاش ہے یعنی ان کے بالوں اور اون سے بہترین لباس بنتا ہے یعنی ان کے ظاہر سے ایسی چیزیں تیار ہوتی ہیں جو زیب و زینت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے پیٹ کے اندر یعنی دودھ مکھن معاش کا سبب ہیں یعنی انسانی زندگی کی معاونت کرتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء کو بکریاں اور فقراء کو مرغیاں پالنے کا حکم فرمایا اور فرمایا مرغیاں اور بکریاں میری غریب امت کے لیے ہیں اور جمعہ ان کے لیے حج ہے اور جب اغنیاء بھی بکریاں پالنے لگیں تو اللہ تعالیٰ اس علاقے کو تباہ و برباد کرتا ہے [پناہ بخدا]

حدیث شریف میں ہے کہ بکریوں کو پالو اس لیے کہ ان میں برکت ہے۔

نکتہ: حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بکریوں میں برکت اس لیے کہ یہ سال میں ایک دفعہ بچہ جنتی ہیں پھر دیکھیے کہ ملک میں روزانہ کتنا ذبح ہوتی ہیں لیکن مجال ہے کہ ان میں کوئی کمی آ جائے بخلاف درندوں کے کہ ان کے بعض ایسے بھی ہیں کہ سال میں چھ سات بچے جنتے ہیں لیکن

Scanned with CamScanner

روئے زمین پر خال خال نظر آتے ہیں۔

حضور کی بکریاں چرانے والی بی بی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سو بکریاں اور سات اعنز تھے جنہیں بی بی ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا چراتی تھیں۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کی ایک مخصوص بکری تھی جس کا صرف آپ دودھ نوش فرماتے تھے اور جب وہ مر گئی اور اسے ذبح نہ کیا جا سکا تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس کے چمڑے کا کیا ہوا عرض کی گئی کہ بکری پر چونکہ چھری نہیں پھیری جا سکی اسی لیے ہم نے اسے مردار سمجھ کر ویسے ہی پھینک دیا آپ نے فرمایا کہ ایسے جانوروں کے چمڑے دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتے ہیں۔

کبش کا جگر جلا کر اس کی رطوبت دانتوں پر مل دیا جائے تو دانت سفید ہو جاتے ہیں اور اس کے سینگ جس درخت کے نیچے دفن کیے جائیں تو وہ بہت زیادہ پھلدار ہوگا اور اگر کوئی عورت نعجہ (دُنبی) کی اُون اپنے پاس رکھے تو وہ حاملہ نہ ہو سکے گی اگر کسی برتن کو سفید بھیڑ کی روں سے ڈھانپا جائے اور اس برتن میں شہد رکھی جائے تو چیونٹیاں وغیرہ اس میں داخل نہ ہوں گی۔

وَالْخَيْلَ اس کا عطف الانعام پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے گھوڑے۔ الخیل، الابل کی طرح اسم جنس ہے۔ اس کا اپنے لفظ سے کوئی واحد نہیں۔ گھوڑے دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ عتیق

۲۔ ہجین

ان دونوں میں مختلف طور پر فرق ہے۔ برذون کی موٹائی عام گھوڑے کی موٹائی سے زیادہ ہے اور عام گھوڑے کی موٹائی برذون سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور برذون عام گھوڑے سے اجمل ہے اور عام گھوڑا برذون سے تیز تر دوڑتا ہے۔

عتیق بمنزلہ ہرن کے ہے اور برذون بمنزلہ بکری کے ہے۔ عتیق وہ ہے جو ماں باپ سے عربی ہو۔ اسے عتیق بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ عیوب و طعن سے پاک ہے اور اس کا ماں باپ کی طرف سے کوئی نقص نہیں۔ اور کعبہ معظمہ کو بھی عتیق اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ کسی کی ملکیت نہیں۔ اور ملکیت بھی ایک نقص ہے اور وہ اس نقص سے پاک ہے۔

ہجین وہ ہے جس کا باپ عربی اور ماں عجمی ہو۔

ف: گھوڑے کو جنوب کی ہوا سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے پیدا ہوا۔ اس لیے کہ تمام دواب

Scanned with CamScanner

خمیس کے دن پیدا ہوئے اور آدم علیہ السلام جمعہ کے روز عصر کے بعد پیدا ہوئے۔

ف: گھوڑا گھوڑی سے پہلے پیدا ہوا آدم علیہ السلام کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے کیونکہ وہ بھی جو آسے پہلے پیدا ہوئے۔

ف: گھوڑے پر سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام سوار ہوئے دراصل یہ بھی وحشی جانور تھا اسی لیے اسے العراب کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا گھوڑے کی سواری اختیار کرو اس لیے کہ وہ تمہارے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے اور یہ گھوڑا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تابع کیے ہوا اور اس کا قصہ ہم نے سورۂ بقرہ تحت آیت و اذ یرفع ابراھیم القواعد میں تفصیل سے لکھا ہے۔

گھوڑوں سے محبت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ محبت گھوڑوں سے تھی۔

ف: سکندر جب اندھیروں سے گذر کر چشمۂ آبحیات میں پہنچنا چاہتے تھے۔ تو پوچھا کہ کون سا جانور تیز بینائی رکھتا ہے لوگوں نے دریافت کیا کہ گھوڑا تمام جانوروں سے تیز بینائی رکھتا ہے پھر پوچھا نر تیز ہے یا مادہ لوگوں نے کہا مادہ پھر پوچھا مادنیوں میں کونسی مادہ تو لوگوں نے کہا باکرہ یہ سن کر سکندر نے اپنے لشکر میں چھ ہزار گھوڑیاں جمع کرلیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کی تعداد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سات گھوڑے تھے۔

۱۔ الکسب —— اسے کسب اس لیے کہتے کہ یہ بہت تیز رفتار تھا۔ اسے کسب الماء والصبابہ سے تشبیہ دی گئی۔

۲۔ المرتجز —— یہ بہت اچھا ہنہناتا تھا اس وجہ سے اسے المرتجز کہا جاتا۔ یہ الرجز سے ماخوذ ہے۔ اور الرجز شعر کی ایک قسم ہے۔

۳۔ اللحیف —— جیسے امیر یا زبیر۔ اس کی دم لمبی تھی اور زمین ڈھانپتی تھی۔ گویا وہ زمین پر بچھا ہوا تھا۔ لحاف سے مشتق کر کے اسے الحیف کہا جاتا۔ بعض نے حاء مہملہ کے بجائے خاء منقوطہ سے پڑھا ہے اور وزن وہی بتایا جیسے امیر یا زبیر۔

۴۔ اللزاز —— یہ لاززتہ سے ماخوذ ہے بمعنی لاصقتہ۔ چونکہ وہ اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے اپنے مطلوب کو جلد پا لیتا تھا اس بنا پر اسے اللزاز سے تعبیر کیا گیا۔

۵۔ الورد —— وہ کمیت اور اشقر کے مابین واقع تھا۔ الکمیت بروزن زبیر۔ وہ گھوڑا جس میں سخت سرخی کی ملاوٹ ہو۔ اور الاشقر ہر وہ جانور جو سرخی اور گیرو رنگ سے ملاوٹ رکھتا ہو۔ اور عوام اسے اشقر کہتے ہیں جس کی سفیدی سرخی پر غالب ہو۔

۶۔ الظرب بکسر الظاء المعجمہ واسکان الراء والفاء بمعنی الکریم الجید۔ یعنی وہ گھوڑا جو بہترین اور اعلیٰ قسم کا ہو۔

Scanned with CamScanner

۷۔ السبحة بفتح السین المھملة واسکان الموحدة و فتح الحاء المھملة ۔ بمعنے تیز رفتار۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر رات گھوڑا یہ دُعا مانگتا ہے:

رب انك سخرتني لابن ادم وجعلت رزقي في يده اللهم فاجعلني احب اليه من اهله وولده۔

اے اللہ! تو نے مجھے آدم زادوں کے تابع کیا اور میرا رزق بھی ان کے قبضے میں دے دیا تو اب انہیں اور ان کے اہل و عیال میں محبت پیدا فرما۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب دو لشکر آپس میں مقابلہ کے لیے آمنے سامنے ہوتے ہیں تو گھوڑا کہتا ہے، سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

نکتہ: مروی ہے کہ بعض جانور اپنے سوار سے بہتر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ میں سوار کو غنیمت کے دو حصے ملتے ہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ گھوڑے کا ایک حصہ ہوگا چاہے وہ عربی ہو یا عجمی۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ۔ الخیل مطلق ہے عربی ہو یا عجمی۔

اعجوبہ گھوڑے کی تلی (طحال) نہیں ہوتی اس لیے وہ تیز رفتار ہے۔ ایسے ہی اُونٹ میں پتہ نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے وہ بزدل ہے۔

اعجوبہ: گھوڑا بھی بنی آدم کی طرح خواب دیکھتا ہے۔

عُسرِ ولادت کا علاج: گھوڑے کی لید کی دھونی دینے سے بچہ پیٹ سے بہت جلد نکل آتا ہے۔

ف: حافظ شرف دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الخیل میں رقمطراز ہیں کہ جس گھر میں فرس عتیق ہو اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

ازالۂ وہم: جس روایت میں گھوڑے کو منحوس کہا گیا ہے اس سے وہ گھوڑا مراد ہے جو جہاد کے کام نہ آئے اور نہ ہی اسے کسی نیک کام میں استعمال کیا جائے۔

مسئلہ: جس نے جہاد اور نیک کام کے گھوڑے کی خاطر جَو صاف کرکے کھانے کے لیے اس کے آگے رکھے تو اسے ہر جَو کے مقابلہ میں دس نیکیاں نصیب ہوں گی۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کو کون سا جانور محبوب تر ہے فرمایا گھوڑا۔ اسی لیے گھوڑا اولوالعزم پیغمبران علیہم السلام کی سواری رہا ہے۔

ف: ہود و شعیب و صالح و سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سواری اونٹ تھی اور عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کی سواری گدھا تھی اس لیے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر مجھے گھوڑے سے کیوں پیار نہ ہو۔

Scanned with CamScanner

وَالْبِغَالَ یہ بغل کی جمع ہے وہ گھوڑے اور گدھا کی نسل ہے ۔

ف : گھوڑے سے گدھی کو گابھن کرا کر خچر کی پیدائش کا آغاز سب سے پہلے قارون نے کیا اسی لیے خچر میں گدھے صابر اور گھوڑے جیسی قوت ہے سفروں میں بادشاہ عموماً اسی پر سفر کرتے تھے اور فقراء و مفلسین کی ضروریات زندگی اکثر اسی کے ذریعے سے ہوتی تھی ۔

گستاخِ نبوت کا انجام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کی لکڑیاں جمع کی جارہی تھیں تو یہی خچر سب سے زیادہ تیز رفتاری سے لکڑیاں جمع کر رہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے بد دعا کی جس سے اس کا سلسلہ نسل منقطع ہوا ورنہ آپ سے پہلے اس سے اولاد پیدا ہوتی تھی ۔

ف : اس روایت سے معلوم ہوا کہ قارون کے واقعہ سے پہلے ہی خچر کی نسل کا انقطاع ہو گیا تھا کیونکہ ابراہیم علیہ السلام قارون سے پہلے ہو گزرے ہیں ۔

فائدہ طبیہ : نر گھوڑے کے کھر جلا کر گھر میں دھونی دی جائے تو وہاں سے تمام موذی جانور اور چوہے وغیرہ بھاگ جائیں گے ۔ (کذا فی حیوٰۃ الحیوان)

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ خچر تھے :

۱ ۔ شہباء ۔ اسے دلدل بھی کہا جاتا ۔ یہ مقوقس والی مصر نے ہرقل کی جانب سے ہدیۃً بھجوایا تھا ۔ یہ دراصل القنفذ تھا ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عام سفروں اور مدینہ طیبہ میں سوار ہوتے تھے ۔ دلدل بہت عرصہ تک زندہ رہا یہاں تک کہ اس کے دانت ٹوٹ گئے تھے تو اس کے لیے جو کا دلیہ تیار کیا جاتا آخر عمر میں نابینا ہو گیا تھا ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد یہ دلدل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضے میں آیا اسی پر سوار ہو کر آپ نے خوارج کے ساتھ جنگ کی تھی ۔ ان کے بعد حضرت حسن اور حسین اور امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے دور میں سوار ہوتے رہے ۔

سوال : آداب کے خلاف ہے کہ حضور علیہ السلام کی سواری پر سوار ہوں ۔

جواب : صرف طلب نصرت و فتحمندی کی نیت سے سوار ہوتے تھے ورنہ انہیں علم تھا کہ بزرگ کی سواری پر سوار ہونا اور ان کی مسند پر بیٹھنا اور ان کی زوجہ سے نکاح کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے ۔ [یہی آداب ہم اہلسنت سکھاتے ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی تھا وہ ہم اہلسنت کو وراثۃً نصیب ہوا ہے]

۲ ۔ فضہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خچر کا نام تھا ۔

۳ ۔ ایک اور تھا اس کا نام الایلیہ تھا ۔

۴ ۔ بادشاہ کسریٰ نے بھی ایک خچر ہدیہ بھیجا تھا ۔

۵ ۔ ایک دومۃ الجندل کی طرف سے پیش ہوا تھا ۔

Scanned with CamScanner

۶۔ بادشاہ نجاشی نے بھی بھیجا تھا۔

وَالْحَمِیْرُ یہ حمار کی جمع ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے دو گدھے تھے،

۱۔ یَعْفُوْر

۲۔ عُفَیْرٌ ۔ عفرۃ بمعنے غبرۃ [یعنی خاکستری رنگ]

کتاب التعریف والاعلام میں مرقوم ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھا مبارک کا اسم عفیر تھا۔ اسے یعفور بھی کہا جاتا تھا۔

عاشقِ رسول کے عشق کی داستان

مروی ہے کہ یہ یعفور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر میں حاصل ہوا تھا۔ گدھے نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا نام زیاد بن شہاب ہے اور میرے آباؤ اجداد کے ساٹھ افراد کو یہ شرف ملا کہ ان پر انبیاء کرام علیہم السلام سوار ہوئے۔ آپ بھی اللہ کے نبی پاک ہیں۔ [صلی اللہ علیہ وسلم] آپ مجھے اپنی سواری کے لیے مشرف فرمائیے۔ یہ گدھا زندگی بھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہا جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کے وصال کی تاب نہ لا کر کنویں میں چھلانگ لگا کر مرگیا۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی صحابی کو اس کے گھر سے بلانا ہوتا تو اسی گدھے کو بھیج دیتے جب وہ اسی صحابی کے گھر پہنچتا تو سر مار کر اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا اسے سر کے اشارہ سے کہتا کہ آپ کو آقائے عالم مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں چنانچہ اس صحابی کو لے کر بارگاہ رسالت میں پہنچ جاتا۔

ف: تمام مخلوق سے ذلیل ترین گدھا ہے کسی شاعر نے کہا ہے

ولا یقیم علیٰ ضیم یراد بہ — الا الاذلان عیر الحی والوتد

ھذا علی الخسف مربوط برمتہ — وذا یشج فلا یرثی لہ احد

[ترجمہ: ظلم پر سوائے دو ذلیلوں کے اور کوئی صبر نہیں کرتا گدھا اور میخ اس کی ہڈیاں چور چور کی جاتی ہیں اور اسے دیوار میں گاڑا جاتا ہے اور ان کے مٹنے پر کسی کو افسوس نہیں ہوتا]

شرح البیت یعنی دنیا میں یہی دو چیزیں جو ظلم پر صبر کرتی ہیں گدھا اور میخ اور اس سے خبر دینا مطلوب۔ خلاصہ یہ کہ شاعر صبر علی الظلم سے روکتا، گدھے سے نفرت دلاتا اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے، جو شخص اونی [موٹے] کپڑے پہنتا، بکری کا دودھ دوہتا اور گدھے پر سوار ہوتا ہے اس کے دل میں تکبر اور بڑائی نہیں رہے گی۔

ف: [مذکورہ حدیث میں الاتن لفظ آتا ہے جس کی تشریح صاحب روح البیان قدس سرہ نے یوں کی] الاتن جمع الاتان۔ بمعنے الحمارۃ [گدھی]۔

Scanned with CamScanner

لِتَرْكَبُوْهَا جانوروں کے بڑے بڑے فوائد کے ساتھ ان کی تخلیق کی علت بتائی ہے ورنہ ان سے صرف سواری کا کام ہی نہیں لیا جاتا بلکہ ان پر بوجھ بھی لادا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان سے بے شمار منافع حاصل ہوتے ہیں۔ وَزِیْنَةً اس کا عطف لترکبوھا کے محل پر ہے۔ اور اس کا منصوب ہونا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے اور الف لام سے اس لیے خالی ہے کہ یہ متعلق بہ فعل کے فاعل کا فعل ہے بخلاف لترکبوھا کے کہ اس کا فاعل راکب ہے اور راکب مخلوق ہے بخلاف زینة کے کہ وہ زائن کا فعل ہے اور زائن خالق باری تعالیٰ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے عبارت دراصل تزینوھا زینة تھی۔

امام ابوحنیفہ کا انوکھا استدلال

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑے کی حرمت کی علت کا استدلال اسی آیت کے آخری جملہ سے کیا ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کے ذکر کے بعد فرمایا ہے کہ گھوڑے کی تخلیق غرض سواری اور زینة کے لیے ہوئی ہے اور بس بخلاف الانعام کے کہ وہاں رکوبٌ وزینةٌ کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ خیل، بغال، حمار کا گوشت حرام ہے۔ حالانکہ کھانے کا نفع تمام منافع سے قوی تر ہے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال معقول ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اپنی بڑی بڑی نعمتوں کے اظہار کے لیے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور حکیم وہ ہے کہ اپنی اعلیٰ نعمتوں کا ذکر کرے نہ کہ معمولی نعمتوں کا گھوڑا وغیرہ سے اعلیٰ نعمتوں کا مفہوم یونہی صحیح ہو سکتا ہے کہ ان سے رکوب و زینت اعلیٰ نعمت مطلوب ہے ورنہ اعلیٰ نعمت درحقیقت گوشت تھی گھوڑے وغیرہ میں اس کا ذکر نہ کرنا ہی اس کی حکمت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے کہ واقعی ان کا گوشت مطلوب نہیں ورنہ یہ حکمت کے خلاف ہے کہ اعلیٰ کا ذکر تو نہ ہو اور ادنیٰ نعمت کی تصریح ہو۔ (کذا فی المدارک)

مسئلہ: گھوڑے کی حلت کے متعلق امام یوسف و امام محمد و امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خلاف ہے وہ حضرات اس کے حلال ہونے کے قائل ہیں (کذا فی بحر العلوم) تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اور ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں یعنی مخلوقات کے انواع مثلاً حشرات و ہوام و طیور و حیوانات البحار و جبل قاف کے ماوراء کی مخلوق کا تم کو کوئی علم نہیں۔

حدیث شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امت پیدا فرمائی ان میں چھ سو دریائی اور چار سو بری ہے۔ اور مچھلی کی قسمیں تو ان گنت ہیں کہ ان کے اول و آخر کا علم نہیں وہ اس لیے کہ ان میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں بے شمار ہیں

حدیث شریف حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دنیا سے تیس گنا زائد اللہ تعالیٰ نے ایک سفید دھرتی پیدا فرمائی ہے۔ اور اس میں ان گنت مخلوق ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی بھی کی جاتی ہے یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت میں مصروف ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا وہ بھی ابنائے آدم میں ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آدم علیہ السلام کون ہیں پھر لوگوں نے عرض کی کہ انہیں ابلیس گمراہ بھی نہیں کرتا آپ نے فرمایا انہیں ابلیس کا بھی علم نہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت ویخلق ما لا تعلمون پڑھی (کذا فی البستان)

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرش کی دائیں جانب ایک نورانی نہر ہے جس کی چوڑائی

Scanned with CamScanner

چودہ طبقات آسمان و زمین اور سات دریاؤں کے برابر ہے روزانہ ہر سحر کو اس میں جبریل علیہ السّلام غسل کرتے ہیں اس غسل کی وجہ سے ان کی نورانیت اور جمال اور عظمت میں اضافہ ہو جاتا ہے جب نہر سے باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے جو پانی کے قطرات گرتے ہیں ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک ہزار اور فرشتہ پیدا فرماتا ہے انہی فرشتوں سے ستر ہزار فرشتے روزانہ بیت المعمور میں اور ستر ہزار مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں جنھیں قیامت تک پھر دوبارہ حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔

حدیث شریف جب جہنم کو پُر کیا جائے گا تو بہشت کہے گی یا اللہ دوزخ کو تو نے جبابرہ، فراعنہ، ملوک یعنی بڑے بڑے سرکش لنظالم متکبر بادشاہوں سے پر فرمایا ہے اور میرے میں نہایت غریب، مسکین، ضعیف انسانوں کو بھیجا ہے اور وہ بھی قلیل مقدار میں جس سے ابھی میں پر نہیں ہوئی بہشت کی استدعا پر اللہ تعالیٰ نئے انسانوں کو پیدا فرما کر بہشت میں داخل فرمائے گا ایسے لوگ بڑے خوش قسمت ہیں کہ بلا تکلیف اور ذائقہ موت چکھے بغیر بہشت میں داخل ہوں گے (کذا فی بحر العلوم)

ف اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما اوتیتم من العلم الا قلیلا - یہ حال اس مخلوق کا ہے جو قلیل المقدار ہونے کے باوجود ان گنت اور غیر محصور ہے حالانکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے اسماء و افعال کے مظاہر ہیں اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علوم کے بارے میں سکوت کا اظہار کرے اس لیے کہ انبیا علیہم السلام باوجودیکہ وہ علمی وسعت اور قلوب میں نورانیت حق میں بے نظیر تھے لیکن ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہارِ عجز کرتے تھے۔ پھر ہم تم کون ہیں جو کمزور وضعیف ہونے کے باوجود علم کا دعویٰ کریں ؎

در محفلے کہ خورشید اندر شمار ذرہ است

خود را بزرگ دیدن شرطِ ادب نباشد

[ترجمہ : اس محفل میں جہاں سورج ایک قطرہ سے بھی کمتر ہے وہاں اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا ادب کے خلاف ہے]

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویخلق یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اندر پیدا فرمائے گا جبکہ تم جذبۂ الٰہی کے اپنے مستقر کی طرف رجوع کرو گے۔ مالا تعلمون رجوع الیہ سے پہلے کے امور یعنی نورِ الٰہی کے فیض کو بلاواسطہ قبول کرنا۔

نکتہ : سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر رقم طراز ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت کے لیے کسی کو صراحۃً اس لیے نامزد نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے بھی ہیں جو اس سے بلاواسطہ فیض حاصل کرتے ہیں انھیں بباطن خلیفۃ اللہ اور بظاہر خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ وہ بندۂ خدا تابع بھی ہوتا ہے اور متبوع بھی اور سامع بھی ہوتا ہے اور مسموع بھی۔ دراصل وہ فیضِ الٰہی اسی معدن سے حاصل کرتا ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی لانے والا فرشتہ حاصل کرتا ہے۔ بلکہ وہ بندہ اسی معدن سے فیضِ الٰہی پاتا ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاواسطہ فیض پاتے ہیں۔ اسی کی طرف آیت ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی میں اشارہ ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری احکامِ الٰہی کے اضافہ کے قابل ہیں اور ولی اللہ کو یہ مرتبہ حاصل نہیں اس لیے کہ وہ نبوت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ بنا بریں وہ

Scanned with CamScanner

نبوت کے مرتبہ کو نہ پہنچنے کے سبب بہ نسبت نبی کے ناقص ہے۔

سبق غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کاملین کو کتنا عظیم مرتبہ بخشا ہے کہ وہ بلا واسطہ فیضِ الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قلوب کو اولیاء کاملین کی محبت اور خوش اعتقادی سے معمور فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کی متابعت کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت میں ہمیں ان کے ساتھ اور ان کے جھنڈے تلے اٹھائے اور جنت میں ہمیں ان کے رفقاء سے بنائے۔ [آمین]

تفسیر عالمانہ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ۔ القصد مصدر ہے بمعنے اسم فاعل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے سبیل قصد و قاصد بمعنے مستقیم۔ چلنے والے کے حال کو اسی کی طرف اسناد کیا گیا ہے۔ گویا وہ راستہ چلنے والے کی طرح قصد کرتا ہے اور وہ اس سے روگردانی نہیں کرتا اور سبیل سے طریق مراد ہے۔ چنانچہ اس کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیل بمعنے طریق ہو۔ اب اس جملہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ بموجب رحمت اور بوجہ حتمی وعدہ کریمہ کے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے ہم نے اس کا یہ ترجمہ اس لیے اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو راہِ مستقیم بیان فرمائے۔ اور راہِ مستقیم سے توحید مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں کہ وہ توحید کے لیے دلائل قایم فرمائے اور رسل کرام علیہم السلام کو بھیجے اور کتب و صحائف نازل فرمائے تاکہ لوگ دعوتِ اسلام قبول کریں۔ وَمِنْهَا یہ محلاً مرفوع ہے بوجہ اپنے مضمون کے یا موصوف محذوف ہونے کی بنا پر مبتدا ہے۔ کیونکہ یہ در اصل عبارت بعض السبیل یا بعض من السبیل تھی۔ منہا کی ضمیر السبیل کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ السبیل مذکر و مونث دونوں طرح مستعمل ہے۔

ف : لفظ سبیل و طریق و صراط تینوں مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں لیکن معنیٰ ان میں ایک لطیف فرق ہے وہ اس طرح کہ طریق وہ ہے جس پر چلنے والا چلے، اس پر چلنا معتاد ہو یا نہ۔ اور سبیل وہ ہے جس پر عادۃً چلنے والے چلتے ہوں۔ اور صراط وہ ہے کہ جس پر چلنے والے چلیں لیکن اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہ ہو بلکہ بالکل سیدھا ہو جس میں چلنے والے کو بھٹک جانے کا معمولی خطرہ بھی نہ ہو۔ اس اعتبار سے صراط دونوں (طریق و سبیل) سے اخص ہے۔

جَآئِرٌ مائل عن الحق یعنی حق سے منحرف کہ جس پر چلنے والا کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ یعنی گمراہی کا راستہ کہ جس کی گنتی ہمارے امکان سے باہر ہے جیسے یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور باقی تمام کافرانہ ملل اور اہل ہوا والبدع [جیسے مرزائیت، نجدیت، وہابیت، رفض، پرویزیت، چکڑالویت، مودودیت، دیوبندیت وغیرہا]

مسئلہ : اس سے واضح ہوا کہ سیدھا راستہ صرف دینِ اسلام اور مذہب مہذب اہل السنت والجماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہِ مستقیم اور حسنِ اعتقاد اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ٹیڑھے راستہ اور زیغ و زلل سے محفوظ فرمائے۔

ف : مرجع طریقۃ الجلوتیہ (بالجیم) حضرت شیخ محمود ہدائی الاسکداری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے ۲۲ رجمادی الآخرہ ۱۰۱۲ھ کی شب کو خواب میں اہلِ ادیان کے جھنڈوں کی صورتیں دیکھیں۔

Scanned with CamScanner

۱۔ اہلِ اسلام کے جھنڈے کا نقش ژون تھا ـــــــــ اور ان کا اللہ تعالیٰ سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ عالم اعلیٰ سے فیض حاصل کریں جیسے آں سے حضرت انسے کریم نے فیض حاصل کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما زاغ البصر وما طغیٰ ۔

۲۔ نصاریٰ کے جھنڈے کی صورت یوں تھی ـــــــــ یہی ان کے انحراف عن الحق کا نشان ہے۔

۳۔ یہود کے جھنڈے کی علامت یوں تھی ـــــــــ ان کا انحراف عن الحق " با نقلب ہے۔

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں مذکورہ توحید کی ایسی ہدایت عطا فرمائے جو موصل الی المطلوب ہو اور وہی تم سب کے ہدایت یافتہ ہونے کو مستلزم ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا ہے اس لیے کہ اس کی مشیت اس کی حکمت کے مطابق ہوتی ہے اور مذکورہ طریق کے لیے حکمتِ ایزدی نہیں اس لیے کہ عالم دنیا کا دارومدار تکلیف و ثواب وعقاب پر ہے اور یہ امر اختیار جزئی پر موقوف ہیں تاکہ اس پر سزا وجزا مرتب ہو سکے۔

ف : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق کے لیے علم ہوتا کہ وہ اہلِ توحید ہو سکتے ہیں تو سب کو راہِ ہدایت عطا فرما دیتا۔

میرے [اسماعیل حقی] نزدیک یہی معنیٰ موزوں ہے اس لیے کہ علمِ الٰہی کا تعلق معلومات سے ہے۔ جملہ احوال کا ظہور ویسے ہوتا ہے جیسے اعیان کا تقاضا از علمِ الٰہی ہوتا ہے۔ مثلاً ایمان وکفر، طاعت وعصیان اور کمال ونقصان جس کی ذات کا تقاضا ایمان وطاعت و کمال کے لیے ہوتا ہے اور وہ عالم عین ثابتہ میں اس کا اہل تھا تو اللہ تعالیٰ اسے عالم دنیا میں اس کا علم دیتا ہے۔ جب وہ اسی کو اپنے اختیار جزئی سے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت چاہتا ہے اور جو اس کے برعکس ہوتا ہے تو اسی عالم عنصری میں پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہدایت نہیں چاہتا۔ اگر اس طرح نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف آتا ہے اور وہ محال ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ہدایت [تخلیقی] میرے ہاتھ میں نہیں کیونکہ اگر ہدایت [تخلیقی] میرے ہاتھ میں ہوتی تو تمام روئے زمین پر کوئی کافر نہ ہوتا سب مسلمان ہو جاتے۔ بے شک ابلیس گمراہی کو اچھا کر کے دکھاتا ہے لیکن گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں کیونکہ گمراہی اگر اس کے ہاتھ میں ہوتی تو وہ تمام روئے زمین کے انسانوں کو گمراہ کر دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ (کذا فی تکقیع الاذہان)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

مکن بچشم حقارت ملامت من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

[ترجمہ : مجھ مست کو حقارت کے ساتھ ملامت نہ کرو اس لیے کہ معصیت و زہد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہے]

Scanned with CamScanner

اور فرمایا ؎

وریں چمن نکنم سرزنش بجز روئے
چنانکہ پرورشم می دہند و می رویم

[ترجمہ: اس چمنِ دنیا میں میں کسی کو ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ جیسی ہماری پرورش کی جاتی ہے ہم اسی طرح کرتے ہیں۔]

اور فرمایا ؎

رضا بداده بده وز جبیں گره بکشائے
کہ بر من و تو در اختیار نکشاده ست

[ترجمہ: عطائے حق پر راضی ہو اور جبیں بجبیں نہ ہو۔ اس لیے کہ میرے اور تیرے لیے اختیار نہیں کھولا گیا]

سبق: سالک پر لازم ہے کہ قیل وقال اور اعتزال وجدال کو ترک کرے اس لیے کہ رضا وتسلیم مقبولیت کا سبب ہے۔ اس کے خلاف حبیبِ کریم کا غضب لاتا ہے۔

حکایتِ حلاج — گستاخی کی سزا

سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ مشہد شریف کے شہر قرطبہ میں مقیم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام سے لے کر حضور تاجدارِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی اصلی صورتیں دکھائیں۔ ان میں سے حضرت ہود علیہ السلام مجھ سے مخاطب ہوئے اور مجھے انبیا علیہم السلام کے اس اجتماع کا سبب بتایا کہ ہم سب حلاج کی سفارش کے لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ حضور امام الانبیا علیہ السلام اسے معاف فرمادیں وہ اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیویہ کے بارے میں ایک گستاخی کی تھی۔ اس سے یہ گستاخی ہوئی کہ اس نے کہا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عظیم جاہ وجلال کے باوجود ہمت میں کمی کی۔ وہ اس طرح کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ فرما کر شفاعت کے بارے میں مختارِ کل بنایا تو پھر آپ نے کم ہمتی کی بنا پر صرف شفاعتی لاھل الکبائر من امتی کیوں فرمایا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ فرماتے شفاعتی لکل کافر ومؤمن۔ اس کے یوں کہنے پر حضور تاجدارِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور اسے زیارت سے مشرف فرمایا اور کہا اے منصور! تو کون ہے جو میری شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ عرض کی حضور! میں نے تو اپنی بساط کے مطابق ایسے ہی کہا اب آپ مجھے سمجھائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے حدیثِ قدسی سنی تھی جسے میں نے اللہ تعالیٰ سے حکایۃً بیان کیا کہ اذا احببت عبدا کنت لہ سمعا وبصرا و لسانا ویدا۔ حلاج نے عرض کی میں نے یہ حدیث سنی اور پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اللہ کا محبوب ہوں؟ اس نے عرض کی: بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں جب اللہ کا حبیب ہوں تو میری زبان کا کہا ہوا گفتۂ حق ہے۔ اس صورت میں شافع اور مشفوع الیہ کا فرق خود بتائیے۔ بلکہ اس قاعدے پر تو میرا وجود اس کی ذات میں گم ہوگیا۔ پھر اے منصور!

(باقی ص ۱۶۷ پر)

Scanned with CamScanner

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ
بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ۙ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ
وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ
اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔـا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا، اسی سے پینا ہے اور اسی سے درخت ہیں جن سے تم جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتیاں اور انار اور کھجور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے بیشک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند تمہارے لیے مسخر فرمائے اور ستارے اس کے حکم کے پابند ہیں۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقلمند ہیں۔ اور وہ زمین میں تمہارے لیے پیدا کیا رنگ برنگ۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان کے لیے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے دریا مسخر فرمائے کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاتے اور اس میں سے زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو۔ تم ان میں کشتیاں دیکھتے ہو جو پانی کو چیر کر چلتی ہیں اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور کہیں تم اس کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین میں لنگر ڈالے تاکہ وہ تمہیں بہا کر نہ لے جائے اور ندیاں اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ اور علامتیں بنائیں اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں تو کیا جو پیدا کرے وہ ایسا ہو جائے گا جو پیدا نہ کرے تو کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے اور تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرو تو گن نہ سکو گے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ وہ مردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں کہ لوگ قیامت میں کب اٹھائے جائیں گے۔

(بقیہ ص ١٦٥)

میرا کیا قصور۔ حلاج نے عرض کی، یا حضرت! میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوا آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ اس غلطی کا کفارہ بھی پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا کفارہ تیری جان ہے اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرے اور اپنے آپ کو میری شریعت کی تلوار سے قتل کروے۔ اس کے بعد وہی ہوا جو منصور کے بارے میں مشہور ہے۔

اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام نے شیخ اکبر قدس سرہٗ سے فرمایا کہ جب سے منصور دنیا سے رخصت ہوا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے محجوب ہے اور آج ہم اس کی سفارش کے لیے تمام انبیا [علیہم السلام] حاضر ہوئے ہیں۔

ف: فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اس واقعہ سے دو فائدے حاصل ہوئے:

١۔ اس سے حضرت منصور حلاج کی عظمت کا پتہ چلا کہ عظیم الشان انبیا علیہم السلام ان کی سفارش کیلیے تشریف لائے۔

٢۔ حضرت منصور حلاج بغداد میں ٣٠٩ھ کے آخر میں شہید کر دیے گئے۔ اور حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ٦٣٨ھ کو ہوا۔ ان کے درمیان تین سو انتیس (٣٢٩) سال کا وقفہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت منصور قدس سرہٗ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے تین سو انتیس سال محجوب رہے۔ [واللہ اعلم]

سبق حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سزا ایک علمی گستاخی کی وجہ سے تھی اسی لیے ہر مقرب حق پر لازم ہے کہ وہ نبوت کا پاس ادب کرے۔ غور کیجیے کہ جب منصور جیسے ولی کامل کو ایک علمی غلطی سے اتنی سخت سزا بھگتنی پڑی۔ پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی توہین اور ان کی ذات اقدس پر رکیک حملے اور قرآن مجید کی آیات میں ناجائز تاویلیں اور اپنے نفس کی خواہش کے مطابق تراجم کرتے اور شرعی امور کو اپنے خیالات و اوہام کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ یہی لوگ جانوروں کی طرح ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور انعام کا سوال کرتے ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ ١٦٥)

تفسیر عالمانہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ وہ جس نے اپنی قدرت قاہرہ سے نازل فرمایا مِنَ السَّمَآءِ بادل سے زمین کی طرف مَآءً پانی کی قسم یعنی بارش۔

بحر العلوم میں مرقوم ہے کہ مآءً کی تنکیر تبعیضیہ ہے۔ اس لیے کہ آسمان سے کل پانی نازل نہیں ہوتا بلکہ بعض نازل ہوتا ہے۔ لَكُمْ مِّنْهُ اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے ہے شَرَابٌ شراب یعنی وہ پانی جسے تم پیتے ہو۔ ظرف اول یعنی لکمْ شراب کی خبر مقدم ہے۔ اور ظرف ثانی یعنی منهُ، شرابٌ سے حال ہے۔ اور اس کا مِن تبعیضیہ ہے۔ وَمِنْهُ شَجَرٌ یہ مِن ابتدائیہ ہے۔ یعنی اسی سے اور اسی کے سبب سے درخت پیدا ہوتے ہیں جسے تم جانوروں کے لیے گھاس کے طور پر استعمال کرتے ہو۔ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین سے اُگتی ہیں وہ پنڈلی دار ہوں یا نہ۔

Scanned with CamScanner

حدیث عکرمہ حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ،

لا تاکلوا ثمن الشجر اشجار کا ثمن مت کھاؤ کیونکہ

فانہ سحت۔ وہ حرام ہے۔

ف : الکلاء (بالقصر) بمعنے ہر وہ خشک اور تر گھاس جو جانوروں کے چارے کے کام آتا ہے۔ گھاس کے ثمن کی حرمت کی وجہ سے دُوسری حدیث میں ہے کہ،

الناس شرکاء فی ثلاث الماء والکلاء والنار۔ لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے شریک ہیں، پانی، گھاس اور آگ۔

یعنی آگ جلانے اور اس کی روشنی میں سب برابر کے شریک ہیں نہ انگارے جو کسی نے اپنی محنت سے تیار کیے۔ اسی طرح پانی سے نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی مراد ہے نہ وہ جو کسی نے محنت کرکے اپنے برتنوں میں لے رکھا ہے۔

مسئلہ : ان کے حصول کا حیلہ شرعیہ یہ ہے کہ کسی سے زمین مستاجری پر اس شرط پہ لے کہ وہ وہاں خیمہ لگائے گا یا جانوروں کے ٹھہرانے کی جگہ بنائے گا۔ پھر گھاس کا مالک اس زمین کا گھاس اس مستاجر کو استعمال کی اجازت دے دے۔ اس طرح سے اس گھاس کا استعمال مستاجر کو جائز ہوگا۔ (کذا فی الکافی)

مسئلہ : درختوں کے پتوں کی بیع وشراء جائز ہے لیکن اس کے کچے پھلوں کی بیع وشراء ناجائز ہے۔ ہاں جب پک جائیں تو اس وقت بیچے لیکن خریدار کو ضروری ہے کہ وہ فوراً کاٹ لے۔ اس کے متعلق بھی حیلہ یہی ہے کہ درخت کے پتوں کو مع پھل کے خریدے۔ اس معنے پر پھل کی خرید وفروخت پتوں کے طفیل جائز ہوجائے گی۔ (کذا فی مشارق الانوار)

[آج کل باغات کی خرید وفروخت عام ہے جو شرعاً حرام ہے۔ اگر ہمارے مسلمان بھائی اسی مسئلہ کو مدِنظر رکھیں تو بیع حلال ہوگی اور شرعِ مطہرہ کے خلاف کام کرنے سے جو نقصاناتِ دنیوی اٹھاتے ہیں اس سے بھی بچ جائیں گے۔ وما علینا الا البلاغ]ؔ[1]

فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ یہ الاسامۃ سے ہے بمعنے جانوروں کو چرانے کے لیے باہر لے جانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے، سامت الماشیۃ۔ بمعنے سرعت۔ یعنی جانور چرنے کے لیے گئے۔ واسامہا صاحبہا اور جانوروں کے مالک نے انھیں چرایا۔ یہ السُّومہ (بالضم) بمعنے العلامۃ سے مشتق ہے۔ یہ اس لیے کہ جانوروں کے چرنے سے زمین پر نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ اب جملہ کا معنٰی یہ ہوا کہ درختوں سے تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو اور وہ چارہ تمہیں آسانی سے بلا تکلیف حاصل ہوتا ہے۔

ربط : اس کے بعد پانی کے دُوسرے فوائد بتاتے ہیں اور یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا پانی کے کوئی فائدے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

Scanned with CamScanner

یمی جی یانہ : جواب طلا و یُنۡبِتُ لَکُمۡ اللہ تعالیٰ تمہارے منافع ومصالح کے لیے اگاتا ہے پہلے آسمان سے نازل شدہ پانی کے سبب سے الزَّرۡعَ کھیتی جو تمہاری غذاؤں کا اصل مقصد ہے بلکہ تمام معاش کی یہی بنیاد ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس سے وہ غلہ مراد ہے جو غذاؤں کے حصول کے لیے کاشت کیا جاتا ہے۔ اور بحر العلوم میں لکھا ہے کہ ہر وہ شے جو بیج کے ذریعے سے اُگے۔ اپنے مصدر سے موسوم ہے۔ اس کی جمع زروع آتی ہے۔

آدم علیہ السلام نے کھیتی کا کام شروع کیا[1]

کعب الاحبار نے فرمایا کہ جس وقت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو میکائیل علیہ السلام آپ کے ہاں چند دانے گندم کے لائے اور عرض کی یہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق ہے آپ نے زمین کو نرم کر کے اس میں دانہ ڈال دیں مروی ہے کہ آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک ہر دانہ شتر مرغ کے انڈے کے برابر اگتا تھا جب لوگوں نے کفران نعمت کیا تو پھر مرغی کے انڈے کے برابر اگنے لگا اس کے بعد کبوتر کے انڈے کے برابر اگتا تھا پھر بندقہ کے برابر پھر چنے کے برابر بالآخر یہی مقدار رہ گئی جسے ہم اپنے دور میں دیکھ رہے ہیں۔

اعجوبہ : جو تم نے گندم دانہ کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے اس خیال سے کہ گندم دانہ کھا کر آدم علیہ السلام زمین پر اترے اور پانی میں قوم نوح غرق کی گئی۔

وَالزَّيۡتُوۡنَ یہ من وجہ سالن ہے اور من وجہ میوہ۔

ف : کاشفی نے لکھا یہاں پر الزیتون سے مراد زیتون کا درخت ہے۔

اعجوبہ : انسان العیون میں لکھا ہے کہ زیتون کا درخت تین ہزار سال قائم رہ سکتا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غار حرا میں خلوت نشین ہوتے تو آپ کی غذا کک اور زیتون تھی لفظ حرا بالمد والقصر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کو سالن اور تیل کے طور پر استعمال کرو اس لیے کہ اس کی تخلیق شجرۃ مبارکہ سے ہوئی ہے شجرۃ مبارکہ سے زیتون کا درخت مراد ہے اور اسے مبارک اس لیے کہا گیا کہ یہ برکت والی زمین کے سوا اور کہیں نہیں اگتا جیسے بیت المقدس کی زمین وغیرہ۔

وَالنَّخِيۡلَ - النخیل و النخل ایک شے ہے۔ یہ اسم جمع ہے اس کی واحد نخلۃ آتی ہے جیسے ثمر وثمرۃ۔

---

[1] قرآن پاک میں آتا ہے، یَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا۔ یعنی اے بنی آدم! ہم نے تم پر تمہارے عیب وغیرہ ڈھانکنے کے لیے تم پر پوشاک اتاری۔ یعنی آدم علیہ السلام کو کپڑا بننا سکھا دیا۔

تفسیر فتح العزیز میں مولانا عبد العزیزؒ ایک حدیث شریف نقل فرماتے ہیں کہ، اَوَّلُ مَنۡ حَاکَ اٰدَمُ عَلَیۡهِ السَّلَامُ۔ یعنی سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے کپڑا بُنا۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے، کَانَ اٰدَمُ حَرَّاثًا۔ یعنی آدم علیہ السلام کھیتی کرتے تھے۔

مذکورہ بالا آیت اور احادیث سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی بھی کرتے تھے اور کپڑا بھی بُنتے تھے۔ گویا یہ دونوں ہنر قدیم پیشوں میں سے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

حدیث شریف میں ہے کہ اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو اس لیے کہ یہ اس مٹی سے تیار ہوئی جو آدم علیہ السلام کے خمیر سے بچ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی درخت اس سے معزز و مکرم تر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی مریم بنت عمران نے کھجور کے نیچے عیسیٰ علیہ السلام کو جنا تھا۔ اپنی ان عورتوں کو، جو بچہ جنتی ہیں، تر کھجور کھلاؤ ورنہ خشک۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

وَالْاَعْنَابَ اسے جمع لانے میں اشارہ ہے کہ انگور کی مختلف اجناس ہوتی ہیں۔ انگور کی کرم کی وجہ واضع کی وضع سے نہیں بلکہ اس کا یہ نام دورِ جاہلیت کی پیداوار ہے۔ وہ اسے اس نام سے اس لیے موسوم کرتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اس سے شراب کشید ہوتی ہے وہ پینے والے کو جود و سخا پر اُبھارتا ہے۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو کرم کے نام سے موسوم کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ زمانۂ جاہلیت والوں کا مقرر کردہ نام ہے۔ پھر فرمایا، اس کا وہی نام لیا کرو جو واضع نے وضع کیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ مبارک یہ ہیں:

لا تقولوا الکرم ولکن قولوا العنب والحبلة۔

پھر اس ممانعت کی وجہ بھی بتائی کہ:

انما الکرم قلب المومن۔ [بیشک کرم تو مومن کا قلب ہے]

یعنی جاہلیت کے لوگوں نے شراب کو جود و سخا کا موجب سمجھ رکھا ہے' یہ غلط ہے۔ بلکہ جود و سخا کا اصل مادہ مومن کا قلب ہے اور شراب تو غفلت اور مستی پیدا کرتا ہے۔ اس سے اگر کوئی جود و سخا کا صدور ہوتا ہے تو وہ غیر شعوری ہے۔ اور ہر وہ فعل جو غیر شعوری طور پر ہو وہ قابلِ تحسین و آفرین نہیں ہوتا۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی نادان بچہ ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے لٹا دے اُسے نہ جُود کی خبر نہ سخا کا علم بلکہ اس کے اس جود و سخا کو فضول اور اسراف سے تعبیر کیا جائے گا۔ ایسے ہی نشہ اور غفلت سے لٹائے ہوئے مال کا حال ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار)

ف: ان مخصوص میوہ جات کی تصریح میں ان کا شرف ظاہر کرنا مطلوب ہے۔ اس کے بعد عام پھلوں وغیرہ کا بیان فرمایا۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ یہ من تبعیضیہ ہے۔ یعنی ان ثمرات کے کل کا بعض ہم نے بعض کی قید اس لیے لگائی ہے کہ کل ثمر پانی سے نہیں نکلتے، نہ ہی کل ثمرات یہاں عالمِ دنیا میں ہیں بلکہ وہ جنت میں نصیب ہوں گے۔ اسی لیے کل الثمرات کی بجائے من کل الثمرات فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کل ثمرات صرف بہشت میں ہوں گے۔

سوال: جب کل ثمرات دنیا میں ہیں ہی نہیں تو پھر کل الثمرات کہنے کا کیا فائدہ۔

جواب: ۱۔ تاکہ بندوں کو بہشت کے میوہ جات کی طرف رغبت ہو کہ جب عالمِ دنیا کے ان بعض ثمرات میں یہ لذت ہے تو پھر بہشت کے ثمرات کی کیا لذت ہوگی۔

۲۔ یہ عالمِ دنیا ضعیف اور کمزور علاقہ ہے۔ یہ کل ثمرات کا حامل نہیں اس لیے اس میں بعض ثمرات کے لیے کل کا ذکر کیا، اور ان سے وہ ثمرات مراد ہیں جنہیں عوام جانتے پہچانتے ہیں۔ اس تقریر پر یہ من صلہ کا ہے، جیسے یغفر لکم من ذنوبکم میں من

صدا کے طور واقع ہے۔ یہ گرفسوں کا مذہب ہے اور یہی زیادہ واضح ہے۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً بے شک انزال الماء و انبات الثمرات وغیرہ بہت بڑے عظیم دلائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ الوہیت میں منفرد ہے اور اس کے علم وقدرت وحکمت کے کمال کی حد و انتہا نہیں۔ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں کہ دانہ اور گٹھلی زمین کے اندر دبائی جاتی ہے اور اسے پانی کی تری پہنچتی ہے جس کے اثر سے دانہ اور گٹھلی نیچے سے پھٹتی ہے اس کے بعد اس سے چند باریک باریک جڑیں نکلتی ہیں جو پہلے زمین کے عمق میں پھیلتی ہیں۔ اس کے بعد دانہ کا اوپر کا حصہ پھٹتا ہے۔ اس سے اگر فی الواقع پھلنا پھولنا ہے تو پہلے اس کی پنڈلی ہو کر بڑھنے لگتی ہے پھر اسے پتے لگتے ہیں پھر پھول اور بیج اور پھل مختلفۃ الاشکال و الالوان والخواص والطبائع پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح گٹھلی کا طریقہ کار ہے جو دانے کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اور ان میں مواد کا اتحاد اور طبائع سفلیہ وتاثیرات علویہ برابر ہوتے ہیں کسی ایک میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ البتہ زمین کی وجہ سے بعد کو کمی بیشی اچھائی برائی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کمال میں اس کا کوئی مشابہ چہ جائیکہ احسن الاشیاء کو اس کے صفات میں اس کا شریک ٹھہرایا جائے بالخصوص الوہیت و استحقاق عبادت میں۔ عن ذلک علوا کبیرا ۔

روضۂ جاں بخش جانہا آفرید
غنچۂ کون و مکانہا آفرید

کرد از ہر شاخہا گل برگ و بار
جلوۂ او نقش دیگر آشکار

[ترجمہ: باغات کو جان بخشنے اور جانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے کون ومکان کے غنچوں کو پیدا فرمایا۔ پھر گل کی ہر شاخ اور برگ وپھل پیدا فرمائے۔ اور اس کے جلوے ہر نقش میں ظاہر ہیں]

ف: مطلوب کو حاصل کرنے کے لیے معانی اشیا میں قلب کے تصرف کو تفکر کہا جاتا ہے۔ مشایخ فرماتے ہیں کہ ذکر طریق حق ہے اور فکر معرفت کا وسیلہ ہے اور یہی سب سے بڑی طاعت ہے۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ عوام کو ذکر مفید ہے اس لیے کہ فکر سے انھیں اباطیل میں واقع ہونے کا خطرہ ہے بلکہ وہ شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے عوام اس میں مبتلا ہیں۔ البتہ اہل علم کو فکر مفید ہے بشرطیکہ انھیں بھی فکر مستقیم حاصل ہو ورنہ انھیں بھی فکر نقصان دہ ہے۔ اہل علم کو فکر اس لیے مفید ہے کہ ان کے ہاں علمی دلیل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ باطل خیالات وغلط شبہات کو دور کر سکتے ہیں اسی لیے ان کے لیے ذکر سے فکر افضل ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ سبعین سنۃ۔ [فکر کی ایک ساعت ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے]

حکایت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ وتر کی ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔ وہ اس لیے کہ آپ کو تدبر و تفکر پر قدرت حاصل تھی۔ جسے تدبر پر قدرت حاصل نہ ہو اسے ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح

Scanned with CamScanner

اس میں قرآن مجید کو سمجھنا اور اس کے مسائل پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی لیے فقہا کرام نے فرمایا کہ قرآن مجید کو سات یا تین یوم میں ختم کرنا چاہیے۔

تفسیر صُوفیانہ ھو الذی انزل من السماء ماء میں ماء سے فیضِ الٰہی مراد ہے۔ یعنی اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے اپنا فیض نازل فرمایا لکم منہ شراب یہاں شراب سے شرابِ عشق و محبت مراد ہے۔ یعنی اسی فیضِ الٰہی میں تمہارے قلوب کے لیے شرابِ عشق ہے۔ ومنہ شجر میں شجر سے قوائے بشریہ اور اس کے دواعی مراد ہیں۔ فیہ تسیمون یعنی اسی فیضِ الٰہی سے تمہاری بشریت کے قویٰ اور اس کے دواعی مراد ہیں جن میں تم اپنے نفوس کے جانوروں کو چراتے ہو ینبت لکم اور تمہاری ارواح کی غذائیں اسی فیضِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہیں یعنی طاعات کی کھیتیاں اور صدق کا زیتون اور اخلاقِ حمیدہ کی کھجوریں اور وارداتِ ربانیہ کے انگور ومن کل الثمرات یعنی ثمرات المعقولات والمشاہدات والمکاشفات و المکالمات والاحوال ان فی ذلک لاٰیۃ لقوم یتفکرون ان میں ان لوگوں کے لیے آیات ہیں جو ان صنائع حکمیہ میں نظرِ عقل کے ساتھ فکر کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَسَخَّرَ لَكُمُ اور تمہاری نیند و معاش اور عقد ثمار اور ان ثمرات کا پکنا تمہارے لیے مسخر فرمایا، الَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ کما قال: وھو الذی جعل الّیل والنہار خلفۃ۔ اللہ وہ ہے جس نے رات دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا۔

اعجوبہ: بعض نے کہا کہ رات آدم علیہ السلام کی طرح مذکر اور دن بی بی حوا علیہا السلام کی طرح مونث ہے۔ رات جنت سے ہے اور دن جہنم سے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی طور پر انسان کو رات سے زیادہ اُنس ہے بہ نسبت دن کے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ سورج اور چاند بھی تمہارے لیے مسخر ہیں کہ اپنے وقت پر چلتے اور بالاصالۃ و بالنیابۃ روشنی دیتے ہیں اور ان کے ذمے جن اشیا کی اصلاح مقرر ہے ان کی اصلاح کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ تمہارے منافع و مصالح کے لیے ہے شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آرے و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

[ترجمہ: بادل، ہوا، چاند اور سورج اور فلک کام میں ہیں تاکہ تم روٹی ہاتھ میں لے کر کھاتے وقت غفلت نہ کرو۔ یہ سب تیرے لیے سرگرداں اور تیرے فرماں بردار ہیں۔ یہ انصاف کے خلاف ہوگا اگر تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کرو]

ف: تسخیر یعنی کسی کو کسی کے تابع حکم کرنا اور اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ اشیا انسان کے اختیار میں دے دی گئی ہیں کہ وہ جیسے

Scanned with CamScanner

چاہیں انھیں چلائیں۔ چنانچہ فرمایا:

سبحٰن الذی سخر لنا ھذا۔ [اللہ پاک ہے جس نے سواری کو ہمارے قابو میں دے دیا]

ایسے ہی اور بھی نظائر ہیں۔ لیکن یہاں یہ معنٰی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ اسی طرح چلاتا ہے جس طرح تمہارے مصالح و منافع کا تقاضا ہے۔ یہ معنٰی نہیں کہ وہ تمہارے تحت قدرت ہیں اور تم جس طرح چاہو انھیں کام میں لاؤ۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ یہ مبتدا و خبر ہیں۔ یعنی تمام ستارے اپنی حرکات و اوضاع مثلاً تثلیث و تربیع وغیرہما میں اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں کہ اپنی مشیت کے مطابق ان کی تخلیق و تدبیر فرماتا ہے۔ یا اس کا یہ معنٰی ہے کہ یہ اشیا اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے مطابق پیدا کی گئی ہیں۔ نجوم، قمرین اور ملوین کی تسخیر میں فرق ہے۔ اس لیے وہاں جملہ فعلیہ اور یہاں جملہ اسمیہ لایا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ ان کے مصالح و منافع سے ہر ایک باخبر ہے، اگرچہ معمولی طور پر۔ لیکن ستاروں کی تسخیر عوام کی نظروں اور عقلوں سے باہر ہے۔ اور النجوم کو منصوب بھی پڑھا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس سے قبل فعل جعل محذوف ہے یا اس کا ماقبل کے منصوبات پر عطف ہے۔ اور مسخرات تمام مذکورہ بالا اشیا سے حال ہے اور اس کا عامل سَخَّرَ ہے جو نفع کے معنٰی میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے ذریعے سے نفع دیا درانحالیکہ یہ اشیا اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں یا اسی کی ایجاد و تقدیر سے پیدا کی گئی ہیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک مذکورہ بالا تسخیر مجملاً و مفصلاً میں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ البتہ روشن اور واضح دلائل ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔ یعنی اپنے عقول کو نظر و استدلال کے لیے کھولتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

سوال: ان آیات کو عقل سے اور ان سے پہلی آیات کو فکر سے متعلق کرنے میں کیا حکمت ہے۔

جواب: آثار علویہ متعدد ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و علم و حکمت علی الوحدانیت عقل سے سمجھی جاتی ہیں۔ اسی لیے انھیں عقل سے متعلق کیا گیا ہے ان میں تامل و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

عقل کیا شے ہے

اہل علم نے لکھا کہ عقل ایک چمکدار جوہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دماغ میں پیدا فرمایا اور اس کا نور قلب میں رکھا ہے جس کی وجہ سے غائب اشیا کو وسائط سے اور محسوسات کو مشاہدات سے ادراک کرتا ہے وہ قلب کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے جسد کے لیے روح۔ جس قلب میں عقل نہ ہو وہ مردہ ہے اس کا دل جانوروں جیسا سمجھنا چاہیے

حدیث شریف

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ تمام لوگوں سے بہتر عقل کس کی ہے؟ آپ نے فرمایا: جو رضائے الٰہی کی طرف راغب اور محارم اللہ سے مجتنب ہو۔

ف: عقل اور جسم کے لحاظ سے ضعیف ترین جانور چڑیا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ؎

لا بأس بالقوم من طول و من عظم

جسم البغال و احلام العصافیر

[ترجمہ: مخالفین کے لمبے چوڑے قد سے کیا خطرہ؟ ان کے جسم خچروں جیسے اور عقل چڑیوں جیسے ہیں]

Scanned with CamScanner

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ اس کا عطف النجوم پر ہے۔ اسے مرفوع پڑھا جائے یا منصوب۔ اور منصوب پڑھا جائے تو وہ جعل کا مفعول ہوگا جو یہاں پر محذوف مانا جائے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا فرمایا فِي الْأَرْضِ زمین میں حیوانات و نباتات، و دیگر اشیاء مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ان کے رنگ مختلف قسم کے ہیں اس لیے کہ اکثر اختلاف رنگ کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں تمہارے لیے مسخر فرمایا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس میں پیدا فرمائے ہیں خواص و احوال و کیفیات۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کو مختلف الاصناف بنایا ہے تاکہ تم جس صنف سے چاہو نفع پاؤ۔

ف: بحر العلوم میں مرقوم ہے کہ مختلفا الوانہ بمعنی ان کی ہیئت مختلف ہے کہ کوئی سبز ہے کوئی سفید، کوئی سرخ ہے کوئی سیاہ وغیرہ وغیرہ۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا اللیل والنہار پر عطف ڈالا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے انھیں پیدا فرمایا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمہارے قول کو مانا جائے تو خلق کے بعد تسخیر کا ذکر بے معنیٰ سا ہو جاتا ہے۔ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا ہے کہ پہلا دوسرے کو عقلاً مستلزم نہیں، اس لیے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ عزیز المرام صعب المنال ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ بے شک مذکورہ بالا تسخیر میں لَآيَةً آیات ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اس کی شان ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ایسے لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اگرچہ ایسی قوم کو دلائل دینے کی ضرورت نہیں لیکن چونکہ انھیں خدشہ ہے کہ وہ آئندہ ان باتوں کو بھول جائیں۔ اسی لیے ان کے لیے دلائل قائم کیے گئے تاکہ وہ ہر وقت نصیحت حاصل کر سکیں۔

تفسیر صوفیانہ وسخر لکم اللیل میں اللیل سے لیل البشریۃ اور والنہار سے نہار الروحانیۃ، والشمس سے شمس الروح اور القمر سے قمر القلب، والنجوم سے نجوم القوی والحواس الخمس مراد ہے۔ اور ان کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ انھیں بموافق شریعت و بقانون طریقت شیخ کامل اور نفس کے جملہ امراض کے ماہر حاذق کی نگرانی میں استعمال کیا جا سکے۔ یعنی وہ شیخ کامل جسے ولایت میں کامل تصرف اور ہدایت میں یکتا اور عنایت الٰہی میں بے نظیر ہو، ان فی ذلک بیشک ان میں شاہد ہیں لقوم یعقلون ایسی قوم کے لیے جو شواہد حق کے ساتھ عقل رکھتی ہے۔ انھیں تفکر کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا ہر فعل و قول معاینہ سے ہوتا ہے وما ذرا لکم اور وہ جو تمہارے مصالح کے لیے فی الارض تمہاری جبلت کی زمین میں استعدادات وغیرہ پیدا فرمائی ہیں مختلفا الوانہ رنگ برنگ ہیں۔ مثلاً کوئی ملکیہ ہیں اور کوئی شیطانیہ اور بعض حیوانیہ ہیں۔ ان فی ذلک لآیت لقوم یذکرون بے شک ان میں ایسے لوگوں کو نصیحت ہے جنھیں معلوم ہے کہ ان کے ارواح مختلف عوالم کو مختلف رنگوں میں عبور کرتے ہیں مثلاً عوالم ملکیہ و شیطانیہ و حیوانیہ۔ یہاں تک کہ انھیں اسفل سافلین کے مالک یعنی قلب میں قید کیا گیا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق: سالک پر لازم ہے کہ اہلِ غفلت سے سلسلہ منقطع کرکے اہلِ ذکر سے وابستہ ہو۔

نسخہ روحانیہ حضرت محمد بن فضل نے فرمایا کہ زبانی ذکر کفارات و درجات کا اور قلبی ذکر زلفی و قربات کا موجب ہے اور نصیحت حاصل کرنا قلب کی شان ہے اور قلب جسم کا امیر لیکن حق تعالیٰ کا اسیر ہے۔

حدیث شریف اگر شیاطین قلوبِ بنی آدم کو گھیرا نہ ڈالے ہوتے تو بنو آدم ملکوت السماوات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔

اس میں اشارہ ہے کہ قلب کے حجاب کا سبب شیاطین ہیں ورنہ ملکوت انسان کے قلب کے سامنے ہے۔

ف: اصحاب القلوب تین قسم ہیں:

۱۔ جانور جیسے۔ کما قال تعالیٰ: لہم قلوب لا یفقہون بہا۔

۲۔ بعض وہ ہیں جن کے اجساد تو آدمیوں جیسے ہیں لیکن ان کے قلوب اور ارواح شیاطین جیسے ہیں۔

۳۔ بعض اللہ تعالیٰ کے سایہ تلے ہوں گے جبکہ سوائے ظل الٰہی کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ترا دیدہ در سر نہادند و گوش
دہن جائے گفتار و دل جائے ہوش
مگر بازدانی نشیب از فراز
نگوئے کہ ایں کوتہ است یا دراز

[ترجمہ: تیرے سر میں آنکھیں اور کان بنائے گئے ہیں۔ اور بولنے کے لیے منہ اور ہوش سنبھالنے کے لیے دل بنایا گیا ہے تاکہ تجھے اپنے نشیب و فراز کا علم ہو۔ یہ نہیں کہ تو کہتا پھرے کہ فلاں پستہ قد ہے اور فلاں لمبا]

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو اپنی حکمت سے بنایا ہے اس لیے انہیں ایسے امور میں استعمال کرنا چاہیے جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ قاموس میں ہے کہ البحر بمعنے الماء الکثیر۔ اس کی جمع ابحر، بحور اور بحار آتی ہے۔ تفسیر الکواشی میں ہے کہ البحر سے کڑوا اور میٹھا ہر طرح کے دریا مراد ہیں اور دریا کی تسخیر کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے جس طرح چاہتے ہو نفع حاصل کرتے ہو۔ مثلاً اس میں کشتی و جہاز وغیرہ چلانا اور غوطہ لگا کر موتی نکالنا اور مچھلی وغیرہ کا شکار کرنا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ زمین کے تمام دریا اسی طوفان کا پانی ہیں جو نوح علیہ السلام کے زمانے میں آسمان سے اترا تھا اس لیے کہ قومِ نوح کی تباہی و بربادی کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو طوفان کا سارا پانی نگلنے کا حکم دیا تھا۔ جتنا اس سے ہو سکا

Scanned with CamScanner

وہ نکل گئی، جو بچ گیا اسے دریاؤں کی صورت میں زمین پر رکھا گیا۔ یہ عام دریاؤں کی بات ہے اور البحر المحیط تو طوفان کا پانی نہیں بلکہ خود زمین کی تخلیق کے وقت جتنی اس کی جھاگ تھی اسے دریائے محیط مقرر کیا گیا۔

مسئلہ: دریائی سفر جائز ہے بشرطیکہ تیرنا آتا ہو۔ اور سر بھی نہ چکراتا ہو۔ ورنہ سمجھیے کہ انسان اپنی موت کو دعوت دینے کے لیے دریائی سفر اختیار کر رہا ہے اور ترک فرائض کا اقدام علاوہ۔ اور یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے برابر ہے۔ (کما قال الجمہور)

مسئلہ: عورتوں کو عموماً دریائی سفر مکروہ ہے اس لیے کہ دریائی سفر میں پردہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی حالانکہ عورتوں کے لیے پردہ نہایت ضروری ہے۔ اور کشتی اور بالخصوص زورق میں بہت زیادہ بے پردگی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ تاکہ میٹھے یا کڑوے دریا سے کھاؤ **لَحْمًا طَرِيًّا** تازہ گوشت۔ طریًا، طراوۃ سے مشتق ہے۔ یعنی یہ ناقص واوی کا باب ہے مہموز اللام نہیں۔ اس سے مچھلی مراد ہے۔

نکات

- ○ صرف گوشت سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس کا نفع صرف کھانے تک محدود ہے۔ (کذا فی الارشاد)
- ○ اشارہ ہے کہ مچھلی وہ جانور ہے جسے ذبح کی بھی ضرورت نہیں، جیسے مکڑی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔
- ○ طریا میں اشارہ ہے کہ اس کے تازہ کھانے میں فائدہ ہے اس کا باسی گوشت سخت مضر ہے۔ جیسا کہ اطباء کرام نے فرمایا ہے۔
- ○ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ وہ قادر ہے کہ اس نے کڑوے میٹھے پانی سے ایک تر و تازہ گوشت والا حیوان پیدا فرمایا۔

ف: زعاق بروزن غراب یعنی ایسا سخت کڑوا پانی جو پیا نہ جا سکے۔

مسئلہ: اسے گوشت کہنے سے ثابت ہوا کہ جس نے قسم کھائی ہو کہ گوشت نہ کھائے گا اور مچھلی کھائی تو حانث ہوگا۔ یہ امام مالک اور حضرت ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ہمارے احناف اسے گوشت میں شامل نہیں فرماتے اس لیے اس کے کھانے سے قسم میں حانث کے قائل نہیں۔ امام مالکؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا قاعدہ مشہور ہے کہ قسم کا دارومدار عرف پر ہے اور عرف میں علی الاطلاق گوشت کا لفظ بولنے سے مچھلی کا مفہوم ذہن میں نہیں آتا [اسی قاعدہ کے مطابق ہم اہلسنت لفظ استمداد و استعانت و استغاثہ کو عرف میں سفارش کے معنے میں اور نذر اولیاء کے لفظ کو ہدیہ و تحفہ کے معنے میں لیتے ہیں لیکن وہابی، دیوبندی، نجدی اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ان کی کھلی ہٹ دھرمی ہے] اس قاعدہ کی نظیر کافر کو دابہ کہنے کا لفظ ہے کہ قرآن مجید میں ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا کا فر کو دابہ کہا گیا ہے لیکن قسم کے مسئلہ میں حانث ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً کہا گیا ہو کہ میں دابہ پر سوار نہ ہوں گا [اگر کوئی شخص کافر پر سوار ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید توضیح مطلوب ہو تو علامہ ابن العابدین شامی صاحب الفتاویٰ قدس سرہ کے رسالہ "نشر العرف" کا مطالعہ کیجیے]۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: حیوۃ الحیوان میں ہے کہ تمام حیوانات بحری حلال ہیں سوائے چند ایک کے، وہ یہ ہیں:

○ سرطان ○ مینڈک ○ کچھوا

[غیر مقلدین وہابی ان جملہ بالخصوص کچھوا کی حلت کے قائل ہیں] [صاحب حیاۃ الحیوان رقمطراز ہیں کہ] یہی مفتی بہ قول ہے۔

ف: کچھوا کی تمام قسمیں حرام ہیں وہ گتے کی شکل کا ہو یا خنزیر کی صورت کا، یا کسی اور شکل کا۔[1]

[حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:]

حدیث شریف اکل السمك یذھب بالحسد۔ [مچھلی کے کھانے سے حسد کا مرض ختم ہو جاتا ہے] (کذا فی بحر العلوم)

ف: جیسے خادم و دیگر خشکی حیوانات سانس لیتے ہیں ایسے ہی مچھلی پانی میں سانس لیتی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ ہماری سانس ناک کے ذریعے سے آتی جاتی ہے وہ گلپھڑوں کے ذریعے سے سانس کو قلب میں پہنچاتی ہے جیسے ہم ہوا سے زندہ ہیں وہ بھی اسی ہوا کے ذریعے زندہ ہے البتہ اس عالم دنیا کی ہوا کی ہمیں ضرورت ہے کیونکہ ہم اور ہمارے جیسے دوسرے حیوانات عالم ارض سے متعلق ہیں اور عالم ارض کو ہوا کی اشد ضرورت ہے اگر یہی ہوا مچھلی کو پہنچے تو وہ مر جاتی ہے چنانچہ مثنوی شریف میں ہے ؎

ماہیاں را بحر نگزارد بروں
خاکیاں را بحر نگزارد دروں

اصل ماہی آب و حیواں از گلست
حیلہ و تدبیر ایں جا باطلست

[ترجمہ: مچھلی کو دریا باہر نہیں جانے دیتا اور خاکیوں کو اپنے اندر نہیں گزارنے دیتا دراصل ہمارا جسم آب و گل سے ہے اور اسے اس دنیا میں حیلہ کوئی کام نہ دے گا]

وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ اور تم کڑوے دریا سے نکالتے ہو حِلْيَةً ہر وہ شے جو سونے اور چاندی سے تیار کر کے بطور زینت استعمال کی جائے یعنی زیورات۔ لیکن یہاں پر لؤلؤ اور حجر احمر یعنی مرجان مراد ہے۔ تَلْبَسُوْنَهَا اس سے تم اپنی عورتوں کو سنگارتے ہو۔

سوال: زیورات کو مردوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

جواب: ۱۔ عورتیں بھی مردوں سے ہیں۔

۲۔ عورتوں کا سنگار دراصل مردوں کے لیے ہوتا ہے۔ گویا یہ سنگار اور لباس مردوں کا ہے۔

وَتَرَى الْفُلْكَ اگر تم اے مخاطب وہاں موجود ہوتے تو کشتیوں کو دیکھتے مَوَاخِرَ فِيْهِ دریا میں چلنے والی، کبھی

---

[1] غیر مقلدین وہابیوں کی مرغوب غذا ان کو سلامت ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

آگے کبھی پیچھے، کبھی ہوا کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ یہ المخر سے مشتق ہے بمعنے پانی کو چیرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے، مخرت السفینۃ۔
از باب منع، بمعنے جرت وشقت الماء بجآجئھا جمع جؤجؤ بالضم بمعنے صدر السفینۃ۔

ف: فراء نے فرمایا کہ المخر بمعنے صوت جری الفلک بالریاح۔ یعنی ہواؤں کی وجہ سے کشتیوں کے جاری ہونے کے وقت کی آواز۔

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ اس کا عطف لتسخرجوا پر ہے۔ یعنی کشتیوں پر سوار ہو کر بطورِ تجارت اللہ تعالیٰ کے رزق کی وسعت طلب کرو کیونکہ بری تجارت کے بجائے بحری تجارت سے زیادہ منافعے حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی طرف اشارہ فرمایا: ؎

سود دریا نیک بود گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدے گر نیستی تشویش خار

[ترجمہ: دریا سے بہت منافع حاصل ہوتے اگر اس کی موج کا خطرہ نہ ہوتا گل کی صحبت اچھی ہے اگر کانٹے کا خوف نہ ہو۔]

حدیث شریف میں ہے کہ: من رکب البحر فی ارتجاجہ فقد برئت منہ الذمہ۔ [جو دریا کی موجوں کے باوجود اس میں سفر کرتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اٹھ گیا۔

ف: ارتجاج بمعنے موج سے دریا کا جوش مارنا اور موج بمعنے حرکت شدیدہ۔

———— حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا ذمہ کرم فرمایا سوائے اس شخص کے جو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالے جب وہ ایسے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری منقطع ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگرچہ دریا کی موجوں سے کوئی شخص کبھی بچ بھی جائے تب بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے کہ ایسے وقت میں دریا کا سفر نہیں چاہیئے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر کرو یعنی اس کی بڑی چھوٹی نعمتوں کے حقوق پہچانو اور پھر طاعت و توحید کا اظہار کر کے ان نعمتوں کے حقوق ادا کرو لعل استعارۃً بمعنی ارادہ ہے (کذا فی بحر العلوم)

نکتہ: انعامات کے بعد شکر کی تخصیص اس لیے ہے کہ دریا میں باوجودیکہ انسان کی ہلاکت مضمر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان ہلاکتوں کو انعامات میں تبدیل کر دیا اسی لیے بندے پر لازم ہوا کہ وہ اس کریم کی ایسی کرم نوازی پر شکر کرے۔

ف: صاحب کشف الاسرار نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بظاہر زمین پر دریا پیدا فرمائے جیسے قلزم، عُمان، عیطا اس طرح اور چھوٹے بڑے دریا اور جھیلیں اور جزیرے اور ان کو عبور کرنے کے لیے کشتیاں تیار فرمائیں لیکن باطناً اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس میں دریا ہی آنکھیں

ہیں اور اس دریا میں شغل، غم، حرص، غفلت، تفرقہ جیسی ہلاکتیں مضمر ہیں اور اس دریا کو عبور کرنے کے لیے توکل کی کشتیاں مقرر فرمائیں کہ جو بھی توکل کی کشتی پر سوار ہو کر شغل کو عبور کرتا ہے تو اسے فراغت کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور جو رضا کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ غم کو عبور کرکے راحت وسرور کو پاتا ہے جو قناعت کی کشتی پر چلتا ہے وہ حرص کے دریا کو عبور کرکے زہد کو حاصل کرتا ہے اور جو ذکر کی کشتی پر سوار ہوتا ہے وہ غفلت کے دریا کو عبور کرکے آگاہی کے ملک میں پہنچتا ہے اور جو توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ دریائے تفرقہ کو عبور کرکے جمعیت کے ساحل کو پالیتا ہے اور حقیقت کی کشتی سے تفرقہ کو عبور کرکے بقا پاتا ہے حقیقت یہ ہے بقا میں تفرقہ اور فنا میں جمعیت ہے اور وجود مد نظر ہو تو پھر تفرقہ میں مبتلا ہوگا اور بے خودی سے مرتبہ جمع نصیب ہوتا ہے ؎

بحساب خودی قلم در کش
در رہ بیخودی علم بر کش
تا بجاروب لا نروبے راہ
کے رسی در حریم الا اللہ

[ترجمہ: خودی پر قلم پھیر اور بیخودی کا علم بلند کر جب تک راہ کو صاف نہ کرو گے لا الٰہ الا اللہ کے آستانہ پر نہیں پہنچ سکو گے]

تفسیر صُوفیانہ ھو الذی سخر لکم البحر اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے علوم کے دریا مسخر فرمائے لتأکلوا منہ تاکہ ان سے فوائد غیبیہ اور مواہب سنیہ حاصل کرو و تستخرجوا منہ تاکہ تم علوم کے دریا سے جواہر المعانی و درر الحقائق نکال کر اپنے قلوب کے زیورات تیار کرو تاکہ تم اپنے ارواح کے لیے نور و بہا کے لباس تیار کرو اور تم علوم کے دریا میں مذاہب و شرائع کی کشتیاں تیرتی ہوئی ولتبتغوا من فضلہ اس سے اسرار خفیہ مراد ہیں یعنی تاکہ ملائکہ مقربین سے تم اسرار خفیہ تلاش کرو لعلکم تشکرون تاکہ تم ان جلیل نعمتوں اور عظیم عطیات کا شکر ادا کرو کہ جملہ عالم میں صرف تمہیں خصوصی طور پر ایسے انعامات سے نوازا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَاَلْقٰی اور اللہ تعالیٰ نے ڈالے اپنی قدرت قاہرہ سے فِی الْاَرْضِ زمین پر۔ زمین گیند کی شکل اور جملہ عالم کے وسط میں واقع ہے۔ الارض از تَاَرَّضَ بمعنے تَاَکُّلُ ہے چونکہ یہ اجساد بنی آدم کو کھا جاتی ہے اسی لیے اسے ارض سے تعبیر کرتے ہیں رَوَاسِیَ لنگر۔ یعنی جبال ثوابت بغیر سبب اور بغیر مدد کے کھڑے ہیں۔ پہاڑ گویا چند کنکریاں ہیں جنہیں کسی نے ہاتھ میں لے کر زمین پر پھینک دیا ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ یہ امور اگرچہ مخلوق کے لیے سخت مشکل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ترین ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین پر لنگر بنا دیا ہے۔ گویا انہیں فرمایا کہ لنگر ہو جاؤ تو وہ لنگر بن کر زمین میں گڑ گئے اور زمین بچ گئی۔ لیکن یاد رہے کہ پہلے زمین بچھائی گئی تو وہ ہلنے لگی۔ پھر اس میں پہاڑ گاڑ دیے گئے اس طرح وہ ہلنے سے رک گئی۔ یہ رسا الشیٔ سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ یہ راسیۃ کی جمع ہے اس کی تا تانیث کی ہے کیونکہ جبال کی صفت ہے۔ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ مفعول لہ ہے المید بمعنے الحرکۃ والمیل

Scanned with CamScanner

اس کی گردان ماد یمید میداً بمعنے تحرک [یتحرک تحرکا]۔ المائدہ بمعنے دسترخوان اسی سے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ خطرہ تھا کہ تمہیں کھینچ کے لے جائے۔ اسی لیے اس پر پہاڑ گاڑ دیے گئے تاکہ تم اچھی طرح مطمئن ہو کر اس پر زندگی بسر کرسکو۔

ف : زمین پیدا ہوتے ہی متحرک و مضطرب تھی اس لیے کہ پانی پر تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑ دیے اور زمین پر کل چھ ہزار چھ سو ستر پہاڑ ہیں۔ ان میں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور بڑے ٹیلے داخل نہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اسے زمین پر پہاڑ گاڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ یہ عالم دنیا اسباب سے متعلق ہے اسی لیے تم اس عالم میں زندگی بسر کرو تو اسباب کو ہر معاملہ میں مقدم رکھو [اس سے وہابی دیوبندی اپنے نظریہ پر نظر ثانی کریں کہ وہ وسیلہ کے جمیع مسائل کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں]

ف : اس سے ثابت ہوا کہ زمین پہاڑوں کے بغیر ایسی ہے جیسے جسم کا گوشت ہڈی کے بغیر ہو اور ظاہر ہے کہ ہر حیوان کا گوشت ہڈی سے قائم ہوتا ہے اس طرح زمین بھی پہاڑوں سے قائم ہے سطیح کاہن کے جسم پر سوائے گدی کی ہڈی کے اور کوئی ہڈی نہ تھی اس لیے کہ وہ دو عورتوں کے پانی سے پیدا ہوا تھا اسی لیے وہ نہ بیٹھ سکتا نہ کھڑا ہو سکتا تھا وہ سال میں ایک دفعہ باہر نکلتا تھا اسے یا تو کپڑے سے باندھ کر یا چاندی کے بنائے ہوئے صحیفے میں لپیٹ کر باہر لایا جاتا تھا وَاَنْهٰرًا یہ نہر کی جمع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کے جاری ہونے کی جگہ کو متحرک کیا ہے یعنی اللہ نے زمین پر نہریں جاری کیں یہاں پر القی بمعنی جعل ہے اور یہ جعل عام نہیں بلکہ ایک خاص قسم کا جعل ہے جو نہروں کے اجرائے مخصوص ہے اس سے دریائے فرات کوفہ میں اور دجلہ دریا بغداد میں اور جیحون بلخ کا جیحان اذنہ بلاد والارمن کا سیحون بلاد الہند کا اور سیحان مصیصہ کا اور نیل مصر کا ان کے علاوہ اور دریا اور نہریں چھلیں مراد ہیں جو زمین کے مختلف علاقوں میں بہ رہی ہیں وَسُبُلًا اور مختلف راستے یہ سبیل کی جمع ہے۔ یعنی وہ راستہ جو بالکل واضح اور کھلا ہو یعنے ہم نے زمین پر ہر علاقے میں کھلے اور واضح راستے بنائے ہیں تاکہ تم ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں آسانی سے پہنچ سکو لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اس ارادہ پر کہ تم اپنی منازل و مقاصد کا راہ پا سکو۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ راستہ چلو اگرچہ ٹیڑھا ہو اور شہروں میں زندگی بسر کرو اگرچہ ظلم و ستم ہو اور باکرہ سے نکاح کرو اگرچہ فاسدہ (بدخو) ہو

ع

زن نو کن اے دوست ہر نو بہار

کہ تقویم پارین نیاید بکار

[ترجمہ : اے دوست ! ہر سال نئی دلہن حاصل کرو اس لیے کہ پرانی تقویم بے کار ہو جاتی ہے]

وَعَلٰمٰتٍ اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر چلنے والوں کے لیے چند علامات بنائے ہیں۔

ف : اسابد مختلف قومیں جو دن کو راستے طے کریں۔ وہ علامات پہاڑ ہوں یا دریا، اشجار ہوں یا ہوا۔

حکایت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا جس کے افراد زمین کو سونگھ کر راستہ پہچانتے تھے۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور وہ دریاؤں اور جنگلوں میں ستاروں سے راستوں کا تعین کرتے ہیں اس لیے کہ رات کے

Scanned with CamScanner

وقت سوائے ستاروں کے راستہ طے کرنے کے لیے اور کوئی شے علامت نہیں بن سکتی۔

ف : ھُم کی ضمیر غالباً قریش مکہ کے لیے ہے کیونکہ یہی لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ اور ستاروں سے راستہ طے کرنے کے ماہر تھے اور اس فن میں مشہور تھے۔

سوال : پہلے مضمون میں خطاب اب غائب کی ضمیر لانے کا کیا فائدہ ؟

جواب : اسلوب کو بدلنے اور النجم کی تقدیم اور ضمیر فصل کے درمیان لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ معاملہ بالخصوص اہلِ مکہ کا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ستاروں سے بالخصوص اہلِ مکہ ہی سیدھی راہ پاتے ہیں۔ جب یہ ان کو مستلزم ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ شکر ادا کریں۔

بالنجم جنس یا خاص طور پر ثریا [کہکشاں] ، فرقدان ، بنات النعش ، جدی مراد ہے۔ انہی سے ہی رات کو جہات معلوم ہوتی ہیں کیونکہ یہی ستارے قطب شمالی [ستارہ] کے گرد گھومتے ہیں اور قطب شمالی اپنے مرکز کو نہیں چھوڑتا اور نہ ہی غائب ہوتا ہے۔ اور قطبِ شمالی بنات النعش صغریٰ کے وسط میں واقع ہے۔ اور جدی وہ اکیلا ستارہ ہے جو بنات النعش صغریٰ کے کونے پر واقع ہے اور فرقدان وہ ستارے ہیں جو بنات النعش صغریٰ کے دوسرے کنارے پر واقع اور النعش الصغریٰ میں شامل ہیں اور جدی بنات ہیں۔ اسی بنات النعش الصغریٰ کے قریب ہی بنات النعش الکبریٰ واقع ہے۔ اور یہ بھی سات ستارے ہیں۔ چار نعش کے اور تین بنات کے۔ اور ان کے اوسط کے بالمقابل ایک چھوٹا ستارا سُہٰی نامی کھڑا ہے اور وہ نہایت باریک ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کی بینائی کی تیزی اور کمی کا امتحان لیتے تھے۔ (کذا فی التکملہ لابن عساکر)

فرمانِ عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فنِ نجوم سیکھو اس لیے کہ اس سے تم صحیح راستے پر چل سکو گے اور قبلہ کو معلوم کر سکو گے اس سے زاید سے رُکو۔ اور علمِ انساب بھی سیکھو تاکہ تم صلہ رحمی کے حقوق ادا کر سکو۔

ف : مروی ہے کہ فنِ نجوم و حساب کی ایجاد حضرت ادریس علیہ السلام نے کی۔

ف : بعض اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم چار ہیں :

- فقہ ــــ دینی مسائل کے لیے
- طب ــــ بدن کی صحت کے لیے
- نجوم ــــ اوقات بینی کے لیے
- نحو ــــ زبان دانی کے لیے

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نجوم سے کچھ پڑھا گویا اس نے سحر کے فن کا ایک شعبہ سیکھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علمِ نجوم سیکھنا حرام ہے۔

Scanned with CamScanner

جواب: حافظ [ومیا ملی] رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علمِ نجوم اس شخص کے لیے حرام ہے جو آنے والے حوادث و واقعات کے مستقل بالذات جاننے کا مدعی ہو۔ مثلاً بتانے کہ فلاں دن بارش ہو گی فلاں وقت برف باری ہو گی اور فلاں دن آندھی آئے گی اور فلاں تاریخ سے اجناس کے نرخ گھٹ بڑھ جائیں گے [وغیرہ]۔ اور جو اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ ستاروں کی تاثیرات کی وجہ سے ہے کہ ان کی رفتار میں کیا تاثیریں ہیں۔ ان کے اقتران میں کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور افتراق میں کیا ہوتا ہے اور ان کے ظہور میں بعض اوقات کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

مسئلہ: یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے [اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہوتا]

حکایت ۵۸۲ھ میں میزان کے درجہ ثالثہ سے دقیقہ میں سبعہ سیارہ کا اقتران ہوا تو نجومیوں نے اعلان کر دیا کہ ربع مسکون (عالم دنیا) آندھیوں سے تباہ و برباد ہو جائے گا اور یہی وقت گندم کی صفائی کا تھا ہوائیں چلتیں تو کسان غلہ صاف کرتے لیکن ان دنوں درخت کا پتا تک متحرک نہ ہوا۔ اسی وجہ سے کسان غلہ نہ اٹھا سکے۔ اس لیے ایک استاد نے اپنے ایک شاگرد کو وصیت فرمائی کہ اگر تم غم سے دُور رہنا چاہتے ہو تو نجومیوں کے قریب نہ جاؤ۔ اگر اپنے منہ کی لذت چاہتے ہو تو طبیبوں سے اجتناب کرو

حکایت حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک نجومی باہر گیا ہوا تھا۔ جب گھر لوٹا تو دیکھا کہ اس کی عورت کے ساتھ بیگانہ مرد بیٹھا تھا۔ اُسے گالیاں دیں اور دھکے دیے۔ اس سے شور و غل اُٹھا۔ ایک بزرگ نے فرمایا: ؎

تو بر اوج فلک چہ دانی چیست
چو ندانی کہ در سرائے تو کیست

[ترجمہ: تُو آسمان کی بلندیوں کو کیا جانے جبکہ تجھے اتنی بھی خبر نہیں کہ تیرے گھر کیا ہو رہا ہے]

مسئلہ: علمِ نجوم اس قدر حاصل کرو کہ اس سے زوال و جہت قبلہ معلوم ہو اور پتہ چل سکے کہ کتنا وقت گزرا اور کتنا باقی رہا تو وہ حدیث مذکور کی نہی میں داخل نہیں [یعنی جائز ہے]۔

ف: فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اہلِ توحید اور محققینِ اسلام کو چند علوم کی سخت ضرورت ہوتی ہے:

○ نجوم
○ حکمت
○ ہیئت
○ ہندسہ
○ نحو [وغیرہ]

بشرطیکہ شرع کی بھی اجازت ہو۔ وہ اس لیے کہ ان علوم سے تفکر یعنی توحید و اسلام کے لیے غور و فکر میں مدد ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض۔ جب تک انسان مذکورہ بالا علوم سے کچھ بھی ذہن میں نہ رکھتا ہو گا تو مجہولِ مطلق میں کیسے

Scanned with CamScanner

غور و فکر کرے گا۔ اور معلومیۃ الامر کے لیے کچھ تو معلومات ہوں۔ جب کسی کا مقصد یہی ہو جو مذکور ہوا تو اسے علم نجوم کے حصول پر مطعون و مجروح نہ ٹھہرایا جائے۔

مسئلہ: سید شریف رحمہ اللہ نے فرمایا: نجوم کا فن اس لیے حاصل کرنا کہ اس کے ذریعہ توحید و اسلام کے مسائل کے لیے استدلال اور ان پر غور و فکر کیا جائے گا تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ان علوم سے قدرت باری تعالیٰ کے کمال کو دیکھنا چاہتا ہے تو بھی اس کے لیے اسے تحصیلِ علوم جائز ہے۔ بلکہ اسے اعظم الطاعات کہا جائے گا۔

صوفیا کا مسلک

اہلِ مشاہدات و مکاشفات [صوفیاء کرام] نجوم وغیرہ کے علوم ذکرِ الٰہی سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ ذکرِ الٰہی کی برکت سے صرف نجوم تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ انوار الملک والملکوت کا مطالعہ اور اسرار الجبروت واللاہوت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ پھر جو اسرار و رموز مخفی عیون سے غائب ہیں آفاق انفس میں اپنے سر کی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور حکماء و منجمین جن امور میں حیران و ششدر رہیں یہ حضرات ان کے ظاہر و باطن کو برابر دیکھتے ہیں۔

ف: ایک نجومی وہ ہے جو عالمِ آفاق میں ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کو جاتا ہے۔ ایک وہ کہ عالمِ انفس میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

حدیث شریف

میں ہے کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت کے ستارے ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

ف: یہ اقتدا و اہتدا بحسبِ توارث ہر زمانے میں قیامت تک جاری اور باقی ہے۔ اس لیے ہر سالک کے لیے رہبر ضروری ہے اور رہبر کا صاحبِ بصیرت اور کامل فی الولایت ہونا ضروری ہے۔ رہبر کا عنایتِ حق سے ہدایت میں کامل تصرف کا مالک ہونا لازمی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم
کہ من بخویش نمودم صد اہتمام و نشد

[ترجمہ: عشق کے کوچہ میں رہبر کے بغیر قدم ہرگز نہ رکھنا۔ میں نے اس کا بڑا اہتمام کیا لیکن رہبر کے بغیر کامیاب نہ ہو سکا]

تفسیرِ صوفیانہ

والقٰی فی الارض رواسی ان تمید بکم اور اللہ تعالیٰ نے بشریت کی زمین میں وقار و سکینہ کے جبال گاڑے تاکہ تمہیں صفاتِ بشریت اور جادۂ شریعت و طریقت کے خلاف نہ کر دیں وانھارا اور بنائیں تمہارے لیے حکمت کی نہریں وسبلاً اور طریقِ ہدایت لعلکم تہتدون تاکہ تم اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکو وعلامات اور نشانیاں بنائیں تاکہ شواہد و کشوف نصیب ہوں وبالنجم ہدایت من اللہ کے ستاروں سے ھم یھتدون سالکینِ راہِ حق اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پاتے ہیں یعنی انہیں عنایتِ الٰہی کا جذبہ نصیب ہوتا ہے جو انہیں وجودِ مجازی کی ظلمات سے نکال کر وجودِ حقیقی

Scanned with CamScanner

کے نور کی طرف لے جاتا ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: حضرت ابوالقاسم خزیمی الغزاری قدس سرہٗ نے کتاب اسئلۃ المقحمہ فی اجوبۃ المفحمہ میں تحریر کیا ہے کہ والقی فی الارض (الآیہ) سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک بندے کے لیے ہدایت و شکر کا ارادہ فرمایا اور جن بدنصیبوں کو ہدایت و شکر نصیب نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نہیں تھے بلکہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے محروم اور بدنصیب ہوئے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے لیے بھی اپنی نعمتیں عنایت فرمائیں اور انھیں شعور بھی دیا کہ واقعی یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں تاکہ انھیں شکرگزاری کا موقع میسر ہو۔ کما قال تعالیٰ: خلق السمٰوٰت والارض۔ اور فرمایا وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ اس کے بعد فرمایا کہ نعمتیں ادائیگیِ شکر چاہتی ہیں۔ انھی کے ذریعہ ہدایت نصیب ہوگی۔ لیکن بدبخت محروم ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ یہ دولت اسے نصیب ہوتی ہے جسے مشیتِ ایزدی نے نوازا ہو۔ کما قال: ولو شاء لہدٰکم اجمعین۔

تفسیر عالمانہ

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کیا کوئی ایسا ہے جو اتنی بڑی مصنوعاتِ مذکورہ پیدا کر سکتا ہے۔ یعنی یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اس کی طرح جو پیدا نہیں کر سکتے۔ یعنی وہ کسی شے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اس سے بت مراد ہیں۔ مَن عقلا کے لیے ہوتا ہے اگرچہ بُت غیر ذوی العقول ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے پرستار انھیں ذوی العقول مانتے تھے اسی لیے ان کے لیے ذوی العقول کا لفظ لایا گیا ہے یا اس لیے کہ اس کا بالمقابل خالق تعالیٰ ذوی العقول ہے۔ اسی لیے اس کے لیے بھی لفظ ذوی العقول لایا گیا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

فمنہم من یمشی علیٰ بطنہ ومنہم من یمشی علیٰ رجلین۔

یعنی یہاں بھی ذوی العقول کے صیغے غیر ذوی العقول پر بوجہ مناسبت کے استعمال کیے گئے ہیں۔ اور یہاں پر ہمزہ انکار کا ہے یعنی دلائل توحید کے ظہور کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت یا مشارکت ہے؟ یعنی نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ خالق کو مخلوق سے کسی طرح بھی مشابہت نہیں ہے۔ عاجز کو قادر کا شریک ٹھہرانا غایت درجے کا عناد ہے اور نہایت درجے کی حماقت و جہالت۔

سوال: خالق کی تشبیہ مخلوق سے کیوں؟ حالانکہ مخلوق کی تشبیہ خالق سے ہونی چاہیے۔

جواب: تخلیق میں ملکہ اور اس کے برعکس میں عدم ہے اور وجود کو عدم پر ترجیح ہے۔ اس لیے یُوں ہوا۔

اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ کیا تم دلائل کا لحاظ کر کے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو تاکہ تمھیں یقین ہو کہ جن عقاید پر اے اہلِ مکہ! تم ہو، وہ سراسر باطل اور گمراہی ہے۔ کیونکہ توحید کے دلائل نہایت واضح ہیں ان کے لیے تو نصیحت پذیری کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ التذکر بمعنے یاد کرنا۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ وہ نعمتیں جو تمھیں نصیب ہیں جو مذکور بھی نہیں ہوئیں اگر تم انھیں شمار کرو تو لَا تُحْصُوْهَا تم ان کی گنتی نہیں کر سکو گے اور نہ ہی تم ان کی تعداد جانتے ہو چہ جائیکہ تم ان کا شکر ادا کر سکو۔

Scanned with CamScanner

حلِ لغات: الاحصاء بمعنے عدہ (کما فی القاموس) دراصل اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب حساب کرتے تو کسی حد تک ٹھہر کر اس کے لیے ایک کنکری رکھ دیتے۔ بعدازاں پھر نئے سرے سے شروع کر دیتے۔ اسی مناسبت سے اس کا باب احصاء مقرر ہوا۔ آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسی نہیں کہ کنکریوں پر گنی جا سکیں بلکہ ان کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے ؎

عطائیست ہر مُو ازو بر تنم
چگونہ بہر مُوئے شکرے کنم

[ترجمہ: میرے ہر بال پر ہزاروں نعمتیں ہیں پھر میں ہر بال کی نعمتوں کا کس طرح شکر ادا کر سکتا ہوں]

اِنَّ اللّٰہَ لَغَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو چھپاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تاہم وہ تمہاری کوتاہیوں سے تجاوز فرماتا ہے رَّحِیْمٌ بہت بڑی رحمت اور عظیم نعمتوں والا ہے۔ باوجودیکہ تم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کی وجہ سے اس لائق ہو کہ تم سے رحمت الٰہی منقطع ہو جائے، وہ اپنی رحمت منقطع نہیں فرماتا۔ حالانکہ تم محرومی کے لائق ہو لیکن وہ تمہیں محروم نہیں کرتا اور کفران نعمت پر تم کو سزا نہیں دیتا۔

نکتہ: غفران کو رحمت پر مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ غفران میں تخلیہ ہے اور رحمت میں تحلیہ۔ تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوا کرتی ہے۔

ف: ابن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر انسان کے لیے نفس و قلب و محبت و دین و دنیا و طاعت و معصیت و ابتدا و انتہا اور وقت اور اصل و فصل ہے۔ نفس کی نعمت طاعات و احسان ہیں اور نفس ان میں منقلب ہوتا ہے۔ اور قلب کی نعمت یقین و ایمان ہے اور قلب ان دونوں میں منقلب ہوتا ہے۔ اور رُوح کی نعمت خوف و رجا ہے اور وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔ اور عقل کی نعمت حکمت و بیان ہے وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔ محبت کی نعمت الفت و مواصلت اور امن من الہجران ہے اور وہ ان میں منقلب ہوتا ہے۔
یہی وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا کی تفسیر ہے۔

ف: انسان تازیست اعمال صالح اور شکرِ الٰہی میں لگا رہے تب بھی صرف نعمتِ وجود کا شکر ادا نہیں کر سکتا، پھر باقی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکتا ہے۔ ؎

لو عشت الف عام — فی سجدۃ لربی
شکر الفضل یوم — لم اقض بالتمام
والعام الف شہر — والشہر الف یوم
والیوم الف حین — والحین الف عام

[ترجمہ: اگر میں ہزار سال زندہ رہوں اور سجدۂ رب میں ماتھا رگڑوں پھر بھی اس کے ایک دن کے فضل و کرم کا مکمل طور پر شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میرا ہر سال ایک ہزار ماہ کا ہو اور ہر ماہ ہزار دن کا اور ہر دن ہزار گھنٹے کا

Scanned with CamScanner

اور ہر گذشتہ ہزار سال کا تب بھی ادائیگی شکر محال و ناممکن ہے]

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

عذر تقصیر خدمت آوردم
کہ ندارم بطاعت استظہار
عاصیاں از گناہ توبہ کنند
عارفاں از عبادت استغفار

[ترجمہ : میں اپنی کوتاہی خدمت کا عذر پیش کر کے عرض کرتا ہوں کہ مجھے تیری طاعت بجا لانے کی طاقت نہیں گنہگار گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور عارف عبادت سے استغفار]

ف : اس سے ترکِ عمل مراد نہیں بلکہ اپنی عبادت و طاعت کو لاشئے سمجھو۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے آقا کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کرے۔ شیطان و نفس کی طاعت سے کوسوں دُور رہے کیونکہ اللہ کا فرمانبردار بندہ اور نافرمان برابر نہیں۔

حکایت بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ستر سال عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کے خلوص سے ملائکہ کو خبر کرے۔ چنانچہ ایک فرشتے کو بھیجا کہ وہ اس عابد سے کہہ دے کہ تو خواہ مخواہ عبادت میں لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی عبادت قبول نہیں کروں گا اور نہ اسے بہشت میں داخل کروں گا۔ جب فرشتے نے یہ پیغام اس عابد کو پہنچا دیا تو عابد نے جواب دیا ہم تو عبادت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ہمیں تو اس کے اذن کے سامنے سر جھکانا ہے اس کی مرضی ہے قبول کرے یا نہ کرے۔ فرشتہ واپس لوٹا اور عرض کی : یا الٰہ العالمین! تو جانتا ہے جو کچھ اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، اے فرشتو! سُن لو، جب وہ اپنی عبادت سے ہم سے کچھ نہیں مانگتا تو ہم بھی اسے محروم نہیں کرتے۔ فلہٰذا گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اُسے بخش دیا ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ عبادت کے وقت یہی نیت کرے کہ میں اس کے حکم کو بجا لا رہا ہوں اور بس۔ اس معاملہ میں درمیان سے نفسانی خیالات کو نکال دے کیونکہ یہی خیالات وصول الی الحقیقۃ کے لیے مانع ہیں۔ اگر کسی وقت اپنے آپ میں خامی دیکھے تو کثرت سے استغفار کرے کیونکہ استغفار گناہوں کی میل و کچیل کو خوب صاف کرتی ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وہ عقاید و اعمال جو تم اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہو اللہ تعالیٰ انھیں جانتا ہے وَمَا تُعْلِنُوْنَ اور جنھیں تم ظاہر کرتے ہو انھیں بھی جانتا ہے۔ یعنی اس کے علم محیط کے آگے تمہارے ظاہری و باطنی عقاید و اعمال برابر ہیں۔ اس لیے انسان پر لازم ہے کہ ان اعمال و عقاید سے بچے جو اس کی رضا کے خلاف ہوں وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ اور وہ ان کے معبودانِ باطلہ جن کی وہ پرستش کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

والذین یدعون ای والالہۃ الذین یعبدھم الکفار والدعاء بمعنی العبادۃ فی القرآن کثیر[1] [یدعون

ردِّ وہابیہ بمعنے یعبدون ہے اور دعا بمعنے عبادت قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوا ہے]

[اس سے ہمارے دور کے وہابیہ کا رد ہے کہ وہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پر دعا کو پکارنے کے معنے میں لے کر اہلسنت کو مشرک گردانتے ہیں حالانکہ صاحب روح البیان نے نہ صرف اس مقام پر بلکہ اکثر مقامات پر دعا بمعنے عبادت کا قاعدہ لکھا ہے یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں][2]

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یہ محلاً منصوب ہے بمعنے متجاوزین اللہ۔ یاد رہے کہ من دون بمعنے ادنٰی مکان من الشئی یعنی کسی شے کی قریب تر جگہ کو دُون کہا جاتا ہے۔ پھر تفاوت فی الاحوال والرتب کے لیے استعارۃً استعمال ہوتا ہے اس کے بعد وسعت دے کر تجاوز عن الحد الی الحد و تخطی فی الحکم الی الحکم کے لیے مستعمل ہے لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وہ بت کسی شے کو بھی پیدا نہیں کر سکتے یعنی ان کی شان کے لائق ہی نہیں کہ وہ تخلیق میں کچھ دخل دیں کیونکہ وہ تو عاجز محض ہیں۔

وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ ان کی شان اور ان کی ذات کا مقتضٰی یہ ہے کہ وہ مخلوق ہیں کیونکہ وہ ممکنات اور اپنی ماہیت و وجود میں موجد کے محتاج ہیں۔ قاموس میں ہے کہ الخالق فی صفاتہ المبدع للشئی المخترع علٰی غیر مثال سبق یعنی خالق اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی ہے۔ یعنی وہ ذات جو کسی شے کو ایسے طور پیدا فرمائے جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ۔ اموات میت کی جمع ہے۔ یہ اسم موصول کی دوسری خبر ہے یعنی بت جماد محض ہیں ان میں حیات ہے ہی نہیں اگرچہ قانون کا تقاضا ہے کہ اسے مَوَاتٌ پڑھا جائے۔ لیکن چونکہ بت پرست انھیں ذی حیات سمجھتے تھے اسی لیے اموات لایا گیا ہے۔

ف: قاموس میں ہے کہ موات بروزن غراب وسحاب ہے۔ وہ شے جس میں رُوح نہ ہو، اور وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو۔ اور احیاء، میت کی ضد ہے یعنی وہ سرے سے حیات کی قابلیت ہی نہیں رکھتے جیسے نطفہ اور انڈہ۔ وہ تو جماد محض ہیں ان میں حیات کی قابلیت نہیں ہے اور ان کے بت تو علی الاطلاق میت ہیں۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ الشعور بمعنے جاننا از باب نصر و شرف۔ مثلاً کہا جاتا ہے شعر بہ بمعنے علم بہ۔ اور اس کا مصدر شعر و شعور آتا ہے بمعنے فطن لہ وعقلہ اور ایان یہ مرکب ہے از ای استفہامیہ، اور آن بمعنے زمان سے، اس لیے یہ متٰی کے معنے میں آتا ہے۔ اس سے زمان کے متعلق سوال ہوتا ہے، اور این سے مکان کے متعلق۔ جب دونوں سے مرکب ہوا ہے تو اسم واحد ہو کر مبنی علی الفتح پڑھا جائے گا۔ جیسے بعلبک جب دو اسموں سے مرکب ہوا تو مبنی علی الفتح ہوا۔ اور بعث الموتٰی سے نشر یعنی ان کا زندہ کرنا مراد ہے۔ (کما فی القاموس) اب معنٰی یہ ہوگا کہ ان کے معبودان باطلہ کو علم نہیں کہ ان کے پجاری

(باقی بر صفحہ ۱۸۸)

---

[1] روح البیان ج ۵ ص ۲۳

[2] اضافہ از اویسی غفرلہ

إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۝

ترجمہ : تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ یقین کرو کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں تاکہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھائیں اور ان کے بوجھ بھی جنھیں لاعلمی سے گمراہ کرتے ہیں خبردار یہ بوجھ جو اٹھا رہے ہیں بہت برا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) مرنے کے بعد قبروں سے کب اٹھیں گے۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ الوہیت کو یہ علم ضروری ہے کہ قیامت میں اٹھنے کا کون سا وقت ہے۔ اور ساتھ ہی کفار کو تنبیہ ہے کہ تم پر موت آئے گی اور پھر مرنے کے بعد لازماً اٹھو گے۔ کفار مرنے کے تو قائل تھے لیکن مرنے کے بعد اٹھنے کے منکر تھے۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ہذا)

تفسیر عالمانہ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ تمہارا معبود ایک ہے وہ یکتا و یگانہ ہے ہم کسی شے کو اس کا شریک نہیں کرتے۔ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وہ لوگ جو آخرت اور اس کے احوال مثلاً بعث وجزا پر ایمان نہیں لاتے اور الایمان لغت میں بمعنے تصدیق بالقلب ہے اور شرع میں اعتقاد بالقلب و اقرار باللسان کو ایمان کہا جاتا ہے۔

ف : سہیل علیہ الرحمۃ نے کتاب الامالی میں تحریر کیا ہے کہ تصدیق و ایمان میں فرق یہ ہے کہ تصدیق کے مقابل خبر کا ہونا ضروری ہے اور ایمان کبھی خبر کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی فکر و نظر کے مقابلہ میں۔ مثلاً جب تم کسی عجیب و غریب صفت کو دیکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و صفت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہو اٰمنت۔ یہ ایمان خبر کے مقابلہ میں نہیں اس لیے کہ یہاں کوئی خبر نہیں ہے۔ ہاں جب کہیں سے کوئی خبر آئے تو تم کہو اٰمنت، تو یہاں تم نے ایک خبر کی ہے تب بھی تم نے اٰمنت ہی کہا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تصدیق قلبی طور پر بھی ہوتی ہے اگرچہ تم زبان سے کہو تب بھی اسے تصدیق ہی کہیں گے۔ مثلاً سمعت الحدیث فصدقتہ۔ سماعِ حدیث کے وقت جو تصدیق قلب میں تھی وہ اس قسم میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایمان میں اجتماع اللفظ مع العقد ضروری ہے

Scanned with CamScanner

لغۃً بھی اور شرعاً بھی۔

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ ان کے دل وحدانیتِ حق کے منکر ہیں یعنی انہیں معرفت نصیب نہیں۔ ہاں ان کے قلوب انکار سے موصوف ہیں وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ اور وہ مغرور ہیں یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو اعتراف وحدانیت سے روگرداں ہیں اور قبولِ حق سے انکار ان کا شیوہ اور جبلی عادت ہے۔ لَا جَرَمَ تحقیقی اور یقینی بات یہی ہے کہ اَنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ جانتا ہے وہ جو دل میں انکارِ حق چھپاتے ہیں وَمَا يُعْلِنُوْنَ اور ان کے غرور کو بھی جانتا ہے۔

تحقیقِ لَا جَرَمَ یہ حقاً کی طرح تحقیق و تاکید کے لیے آتا ہے۔ ابو البقاء نے فرمایا کہ لاجرم کے متعلق چار اقوال منقول ہیں :

- کلام ماضی کے متعلق واضح کرے گا کہ اسے رد نہیں کیا گیا۔ گویا اس کا معنیٰ ہو گا کہ معاملہ ایسے نہیں جیسے انھوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور جرم فعل ماضی ہے بمعنے کسب۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو جرم میں مضمر ہے اور اس کا مابعد منصوب علی المفعولیۃ ہے۔
- یہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ پھر وہ مفرد ہو کر حقاً کے معنے میں مستعمل ہے۔ اس کا مابعد محلاً مرفوع ہے گویا وہ مابعد حق کا فاعل ہے۔
- لاجرم بمعنے لامحالہ ہے۔ اس معنے پر اس کا مابعد مرفوع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مابعد محلاً منصوب یا مجرور ہے۔
- لا منع کے معنے میں ہے۔

اِنَّهٗ بیشک اللہ تعالیٰ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ توحید کا انکار کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ یہاں مستکبرین سے جنس مراد ہے۔ یعنی خواہ وہ مشرک ہوں یا مومن۔ الاستکبار اپنے آپ کو اپنے قدر سے بڑھانا اور حق کا انکار کرنا۔ متکبر اور مستکبر میں فرق یہ ہے کہ متکبر عام ہے بایں معنیٰ کہ اظہارِ حق کے لیے اپنے آپ کو بلند قدر ظاہر کرنا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتیہ میں متکبر بھی ہے اور جبار بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے : التکبر علی المتکبر صدقۃ۔
[متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔]

اور تکبر اظہارِ کبر باطل پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

ساصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق۔

اور الاستکبار صرف اظہار کبر باطل کے لیے مستعمل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے حق میں فرمایا : استکبر۔ یہی معنیٰ آیت ہذا میں مراد ہے۔

ف : عوارف میں ہے کہ انسان کا اپنے گمان میں اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنے کا نام کبر اور اس کے اظہار کا نام تکبر ہے۔

حدیث شریف میں ہے ؛ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو گا اور وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو گا۔

Scanned with CamScanner

ف : الخطابی نے فرمایا کہ اس میں دو تاویلیں ہیں :

۱۔ کبر سے کفر مراد ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس کے بالمقابل ایمان سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل سے کبر نکال لے گا اس کے بعد بندہ بہشت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ تکبر کے ساتھ بہشت میں داخل ہونا ممنوع ہے۔

ف : فتح القریب میں ہے کہ ان دونوں تاویلوں میں بُعد ہے اس لیے کہ سیاق نہی سے تکبر معروف معلوم ہوتا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو لوگوں سے بلند قدر سمجھنا اور انہیں حقیر جاننا اور حق کو نہ ماننا۔ بعض محدثین نے اس حدیث کی تاویل میں فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبر کی سزا کو پاکر انسان بہشت میں داخل ہوگا۔ سزا سے پہلے اس کا بہشت میں داخلہ ممنوع ہوگا۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ متکبر اگرچہ بہشت کا مستحق بھی ہو تب بھی متقین کے بعد داخل ہوگا۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے اے بنی آدم! میں نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور تمہاری واپسی بھی مٹی میں ہے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ میرے بندوں کے سامنے تکبر مت کرو نہ حسب ونسب میں نہ مال و دولت میں۔ اگر ایسا کرو گے تو تم میرے نزدیک ذرہ برابر سے بھی ذلیل تر ہو گے کیونکہ قیامت میں تمہیں اعمال کی جزا و سزا ملے گی وہاں حسب ونسب نہ پوچھا جائے گا اور متکبرین کو ذرہ برابر سے بھی کمتر بنا دوں گا جنہیں لوگ پاؤں تلے روندتے جائیں گے۔ جیسے دنیا میں جانور اپنے پیروں تلے معمولی چیزوں کو روندتے چلے جاتے ہیں۔

حکایت منقول ہے کہ دو مردوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حسب ونسب پر فخر کیا۔ ایک نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں یہاں تک کہ اس نے نو پشتوں تک اپنے بڑوں کے نام گنائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! اسے فرما دو کہ وہ نو جہنم میں ہیں ان کے ساتھ دسواں تو بھی جہنم میں ہوگا۔ اسی کے مطابق کسی شاعر نے کہا ؎

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا

فکم تحتها قوم هم منك ارفع

فان کنت فی عز وحرز و رفعة

فکم مات من قوم هم منك امنع

[ترجمہ : تم زمین پر تواضع سے چلو کیونکہ تجھ سے بھی بلند قدر ہو گزرے ہیں جو اس زمین کے اندر دبا دیے گئے ہیں۔ اگرچہ تم اس وقت عزت وشہرت کے مالک ہو اور محفوظ قلعوں میں بلند قدر ہو لیکن مرنے کے بعد وہی ہوگا جو آج تم دیکھ رہے ہو کہ زمین میں کتنے ایسے لوگ دبائے گئے ہیں جو تجھ سے محفوظ تر تھے]

Scanned with CamScanner

سبق

تواضع لازمی ہے اور فخر سے اجتناب ضروری ہے اس لیے کہ تواضع [انکساری و عاجزی] بہشت کے دروازوں میں سے ایک ہے اور فخر دوزخ کا ایک دروازہ ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور دوزخ کے دروازے اپنے اوپر بند رکھیں۔ ہمیں چاہیے کہ فقرِ معنوی یعنی فنا کلی طلب کریں اس لیے کہ اس سے فخر و استکبار کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور ریاست الحال اور سلطنۃ المقام قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنی ذات کو تواضع کے زیور سے آراستہ اور فنا کلی کی زینت سے پیراستہ کرے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنمائے
ور خود از گوہر جمشید و فریدون باشی

[ترجمہ: تاجِ شاہی چاہتا ہے تو ذاتی جوہر دکھا ورنہ اگرچہ جمشید و فریدون سے بھی تیرا رشتہ ہو تب بھی بیکار ہے]

یاالٰہی! ہمیں اہلِ تواضع سے بنا، اربابِ تملق سے نہ بنا۔ ہمیں اچھے عادات بخش تاکہ ہم اہلِ تحقیق سے ہو جائیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ [اور جب ان سے کہا جاتا ہے]

شانِ نزول

سعدی مفتی علیہ الرحمۃ نے لکھا کہ قریشِ مکہ کا اجتماع ہوا تو کہنے لگے کہ [حضرت] محمد [مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم] فصیح اللسان و شیریں زبان ہیں۔ جب بھی کسی سے بات کرتے ہیں تو اس کا دل موہ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کہنے لگے ایسا کرو کہ ہر چوک میں چند معزز اور بزرگ آدمی بٹھا دو تاکہ وہ ہر باہر سے آنے والے کو [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے پاس جانے سے باز رکھیں۔ تجربۃً ایک دو راتیں اس کام کو سرانجام دیا جائے۔ چنانچہ ہر چوک میں اس منصوبہ کے تحت اہلِ مکہ پھیل گئے اور ہر آنے والے سے کہتے کہ [معاذ اللہ] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] جھوٹے ہیں صرف چند بیوقوف ہی ان کی اتباع کرتے ہیں، مکہ کے معززین اور شرفا ان کو منہ تک نہیں لگاتے۔ یوں چند افراد پر ان کی بات اثر کر گئی لیکن جن کے مقدر میں ہدایت لکھی جا چکی تھی وہ کہتے کہ ہم اتنی دور سے سفر کر کے آئے ہیں اب تمہارے کہنے سے [حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے بغیر] چلے جائیں یہ نہایت ناموزوں بات ہے۔ اب صرف ایک دو فرلانگ ہی پر تو وہ [محمد صلی اللہ علیہ وسلم] تشریف فرما ہیں ہم کم از کم انھیں [صلی اللہ علیہ وسلم] دیکھ تو لیں۔ چنانچہ وہ لوگ جونہی مکہ معظمہ میں داخل ہوتے اہلِ ایمان سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتے تو اہلِ اسلام کہتے کہ ان کی زیارت کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ نہ صرف خیر و برکت عطا کرتے ہیں بلکہ بدقسمت کو رشکِ مسیحا بنا دیتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اور جب مشرکین متکبرین جھوٹی قسمیں کھانے والوں سے کہا جاتا ہے کہ مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ماذا انزل کی وجہ سے منصوب ہے جیسے ای شئ انزل ربکم یعنی [حضرت] محمد [مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم] پر تمہارے رب تعالیٰ نے کیا نازل فرمایا تو قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اصل جواب سے ہٹ کر دروغگوئی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان پر کچھ نہیں اترا بلکہ ان کے ہاں پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں۔ یہ معنیٰ اس وقت صحیح

ہوگا جب اسے مبتدا محذوف کی خبر مانا جائے۔ کیونکہ یہ لوگ سرے سے نزولِ قرآن مجید کے منکر تھے وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیرا اور جب متقی [اہلِ ایمان] لوگوں سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا نازل ہوا تو وہ صحیح اور حق بات کہتے ہوئے جواب دیتے ہیں کہ خیر و برکت نازل ہوئی ہے۔

ف : یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ماذا مرفوع بالابتدا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو نازل کیا ہے تمہارے رب [تعالیٰ] نے، وہ کیا ہے۔ تو کفار جواب دیتے ہیں کہ وہ بناوٹی باتیں ہیں یعنی [حضرت] محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] جن امور کے مدعی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ نہیں ہیں بلکہ انھوں [صلی اللہ علیہ وسلم] نے گزشتہ لوگوں کے چند بناوٹی قصے گھڑ لیے ہیں جنھیں وہ [صلی اللہ علیہ وسلم] عوام کو سنا کر اپنے دامِ تزویر میں پھنسا رہے ہیں [معاذ اللہ ثم معاذ اللہ] خلاصہ یہ کہ کفار نے حضور علیہ السلام پر الزام لگایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نہیں ملا۔ آپ جو کچھ بتاتے ہیں من گھڑت پرانے قصے ہیں [معاذ اللہ]۔

ف : القاموس میں ہے کہ الاساطیر وہ بناوٹی باتیں جن کا نہ سر ہو نہ منہ [بے اصل اور من گھڑت قصے]۔ جمع اسطار اسطیر بکسرہما، اسطور۔ و بالہاء فی الکل۔

لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ تاکہ اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں۔ یہ لام عاقبت کی ہے۔ یعنی ان باتوں سے ان کا گناہوں کا بوجھ اٹھانا مقصود نہیں بلکہ عوام کو بہکانا مطلوب ہے۔ یہ نتیجہ ان کے کردار سے ظاہر ہے کہ ان کی جدوجہد اسی لیے ہے کہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ جاسکیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ آپ سے دُوری اختیار کریں گے وہ گمراہ ہوجائیں گے (کما فی بحر العلوم)

الارشاد میں ہے کہ لام تعلیل کی ہے یعنی اس جدوجہد کی علت اور غرض و غایت صرف یہ ہے کہ وہ اپنے سر پر گناہوں کا بوجھ ڈالیں۔ یہ اس لیے کہ گمراہی کا انجام گناہوں کی گٹھڑیاں ہیں۔ اوزار' وزر کی جمع ہے بمعنے ثقل اور حمل سے ثقیل بوجھ کو اٹھانا مراد ہے۔

كَامِلَةً اس سے مقصد یہ ہے کہ ان کے وہی کامل بوجھ ان کے سر پر رکھے جائیں گے ان کے کسی دوسرے نیک عمل سے ان کا بوجھ ہلکا نہ ہوگا۔ یا کوئی دکھ اور رنج ان کے گناہوں کا کفارہ نہ بن سکے گا جیسے اہلِ ایمان کے گناہوں کے کفارہ جات منجانب اللہ مقرر ہیں۔ مثلاً ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک روزے سے دوسرے روزے تک، ایک حج سے دوسرے حج تک کے درمیانی عرصہ کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح شدائد و مصائب یعنی درد و آلام، بیماریاں، قحط، یہاں تک کہ کانٹا چبھنا اور قدم ڈگمگانا کفارہ گناہ ہیں۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ليحملوا کا ظرف ہے وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ اور جنھیں انھوں نے گمراہ کیا ان کے بعض گناہوں کا بوجھ یعنی وہ گناہ جو ان کے کہنے پر کیے تھے یا ان کے گناہوں کے ارتکاب کا سبب بنے تھے۔ کیونکہ یہ دونوں اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں یعنی کسی کو گمراہ کرنے اور دوسرے کو اس پر عمل کا گناہ مساوی ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ قیامت میں یہ تمام گناہ مجرم کے سر پر رکھے جائیں گے اور ساتھ ہی دوسرے آدمی کے وہ گناہ جو اس کے

Scanned with CamScanner

گمراہ کرنے سے بیٹے تھے۔

حدیث شریف میں ہے: "جس نے برائی کی بنیاد رکھی اس پر اس کے گناہ کا بوجھ اور اس کا بھی جس نے اس غلط طریقہ پر عمل کیا رکھا جائے گا۔" مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بنہد سنت بد اے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی

جمع گردد بروے آں جملہ بزہ
کو سرے بودہ است و ایشاں دم غزہ

[ترجمہ: جو برے طریقے کی بنیاد رکھتا ہے تاکہ اس کے بعد دوسرے لوگ اس کی تقلید کریں۔ تو اس کے پیروکاروں کے تمام گناہ اس کے سر ہوں گے جس نے اس کی بنیاد رکھی]

بِغَیْرِ عِلْمٍ یضلونہم کے فاعل سے حال ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی: یضلونہم غیر عالمین یعنی انھیں گمراہ کرتے وقت یہ نہیں جانتے تھے کہ واقعی جن امور کی انھیں دعوت دے رہے ہیں وہ گمراہی کا راستہ ہے اور اس گمراہ کرنے کے بدلے میں انھیں عذاب شدید میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یا بغیر علم، یضلونہم کے مفعول سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا درانحالیکہ وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ گمراہی کیا ہوتی ہے۔ بغیر علم کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ تنبیہ ہو کہ ان کا یہ طریقہ کار عقلمندوں کے نزدیک اچھا نہ تھا۔ ہاں اغبیا اور جہلا اسے اپناتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسئلہ سے جہل اور لاعلمی قابل عذر نہیں کیونکہ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ بحث و تحیص کرے اور سوچے کہ کون سا عمل حق اور قابلِ عمل ہے اور کونسا عمل باطل اور لائق پرہیز ہے۔

چشم باز و گوش باز و دام پیش
سوئے دامی می پرد با پر خویش

[ترجمہ: باوجودیکہ آنکھ روشن اور کان کھلے ہوئے ہوں لیکن جال آگے ہو اور تقدیر پڑے تو وہ پرندہ اسی جال کی طرف اڑتا ہے]

اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ساء، بئس کے حکم میں ہے۔ اس کی ضمیر کے لیے لازم ہے کہ اسے مبہم مانا جائے، اور اس کی تفسیر مَا یَزِرُوْنَ کرتا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔ اب عبارت یُوں ہوگی، بئس شیئاً یزرونہ یعنی بہت بُرا ہے وہ بوجھ جسے یہ لوگ اٹھا رہے ہیں۔

مسئلہ: قیامت میں کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا کیونکہ ہر شخص اسی گناہ کا بوجھ اٹھائے گا جو اس نے خود کیا ہے

Scanned with CamScanner

نہ کہ کسی دوسرے کے گناہ کا۔ اس لیے کہ یہ حکمتِ الٰہیہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہے کہ کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ اٹھائے۔

سوال: ابھی آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت میں دوسروں کے گناہ بھی اٹھائے جائیں گے۔ یہ مسئلہ آیت کے خلاف ہے۔

جواب: آیت میں اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کے گناہ کا بوجھ جو وہ بھی درحقیقت اس کا خود کردہ گناہ ہے۔ اس لیے گمراہ کرنا اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

سبق: عاقل سمجھدار وہ شخص ہے جو شریعت و طریقت کے بیان کردہ ضلال و اضلال کے طریقوں سے اجتناب کرے۔

مسئلہ: جس نے قرآن مجید کو محض قصے کہانیاں سمجھ کر پڑھا اور دوسروں کو بھی اسی حیثیت سے دعوت دی تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اسی طرح جو شخص قرآن مجید کے اشارات کو حقائق کے بجائے اباطیل پر محمول کرتا ہے تو وہ بوجہ انکار کے گمراہ ہوا اور طلابِ حق کو طریقۂ اقرار سے ہٹا کر گمراہ کیا۔ اس وجہ سے گویا اس نے ضلال و اضلال کے حجابات اپنے سر پر رکھے۔

قاعدہ صوفیانہ: جب ضلال و اضلال کے پردے کثیف اور دوہرے ہو جاتے ہیں تو سالک حق کی تحصیل سے کوسوں دور ہو جاتا ہے۔ اسے آثار کی رؤیت بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔

ف: اشاراتِ صحیحہ سے وہ اشارات مراد ہیں جن کی حقیقت کتاب و سنت سے ثابت ہو۔ اور یہ وہ اشارات ہیں جو اہلِ حق کو بطورِ الہام نصیب ہوتے ہیں۔ ہاں ان سے وہ اشارات مراد لینا گمراہی ہے جن کے مدعی ملاحدہ اور بے دین اور جہّال صوفیا ہیں کیونکہ ان کے یہ اشارات ان کی نفسانی خواہشات اور شیطانی شہوات سے ہوتے ہیں بلکہ انھیں اشارات کہنا بھی جرمِ عظیم ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

بر ہوا تاویلِ قرآں میکنی	پست و کژ شد از تو معنیٔ سنی
آں مگس بر برگِ کاہ و بولِ خر	ہمچو کشتیباں ہمی افراشت سر
گفت من بدریا و کشتی خواندہ ام	مدتے در فکرِ آں می ماندہ ام
اینک ایں دریا و ایں کشتی و من	مرد کشتیبان و اہل و رائے زن
بر سرِ دریا ہمی راند او عمد	می نمودش آں قدر بیروں ز حد
صاحبِ تاویلِ باطل چو مگس	وہمِ او بولِ خر و تصویرِ خس
گر مگس تاویل بگذارد برائے	آں مگس را بخت گرداند ہمائے

ترجمہ: تم ایک مکھی کی طرح تاویلِ قرآن کرتے ہو اس لیے تم کو قرآن کا حقیقی معنیٰ نہیں آتا۔ وہ مکھی گدھے کے پیشاب پر ایک خس پر بیٹھی تو کہنے لگی عرصے سے میں سنتی تھی کہ دریا، کشتی اور کشتیبان ہوتا ہے۔ آج مجھے دریا مد

(باقی صفحہ ۱۹۶ پر)

Scanned with CamScanner

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ
وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ
وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ
مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ
رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ
خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ هَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

ترجمہ: بیشک ان سے پہلے لوگوں نے بھی تدبیریں بنائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی چنائی کو نیو سے ڈھا دیا تو اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور ان پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انھیں خیال تک نہ تھا۔ پھر قیامت میں انھیں اللہ تعالیٰ رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑتے تھے۔ اور اہل علم کہیں گے کہ آج کافروں پر پوری رسوائی اور عذاب ہے وہ کافر جنھیں فرشتوں نے اس حال میں فوت کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے تو اب وہ صلح ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برائی نہیں کرتے ہیں۔ ہاں بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے تو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو تو تکبر والوں کا وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ اور خوف خدا والوں کو کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا تو کہتے ہیں بھلائی نازل فرمائی جنھوں نے نیکی کی ان کے لیے دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور یقیناً پرہیزگاروں کا کیا ہی اچھا گھر ہے وہ دائمی طور بسنے کے باغات ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہیں انھیں وہاں وہی عطا ہو گا جو ان کا جی چاہے گا اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو ایسا صلہ عطا فرماتا ہے۔ جن کی روح فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں وہ پاک ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم پہ سلامتی ہو اپنے اعمال کے عوض جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کا ہے کا انتظار کر رہے ہیں مگر ان کے ہاں فرشتے آئیں

Scanned with CamScanner

یا آپ کے پروردگار کا حکم آئے۔ اسی طرح ان سے پہلے والوں نے بھی کیا اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا لیکن وہ
خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے تو ان پر ان کی بداعمالیاں پہنچیں اور انھیں اس عذاب نے گھیر لیا جس پر وہ ہنستے تھے۔

[بقیہ صفحہ ۱۹۴] کشتی مل گئی ہے۔ اسی پیشاب میں خس پر تیرتی جا رہی تھی اور کہتی تھی کہ میں دریا میں کشتی چلا رہی ہوں۔ جو قرآن کی غلط تاویل کرتا ہے وہ اس مکھی کی طرح ہے۔ اگر مکھی واقعی دریا میں اس طرح سے تیرتی تو وہ واقعی ملاح کا درجہ پاتی لیکن جیسے مکھی دریا اور کشتی سے محروم تھی ایسے ہی قرآن کی غلط تاویل کرنے والے حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔

[تفسیر آیات صفحہ ۱۹۵]

تفسیر عالمانہ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ المکر بمعنے الخدیعۃ یعنی فریب ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ پہلے لوگوں کی طرح اہلِ مکہ نے بھی فریب کیا۔ اس معنے پر ان کا فریب ان کے لیے ہلاکت و تباہی کا موجب بنا نہ کہ دوسروں کے لیے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے:

من حفر لاخیه جبا وقع فیه منكبا۔

[جو دوسرے کے لیے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گرتا ہے]

ف: مدارک میں ہے کہ اس سے نمرود بن کنعان مراد ہے کہ اس نے بابل میں بہت بڑا محل بنوایا جو پانچ ہزار گز لمبا اور چھ میل چوڑا تھا اس ارادہ پر کہ وہ آسمان کے مکینوں سے جنگ لڑے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کو جھانک کر دیکھے کہ وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے اور کیا کر رہا ہے]

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ البنیان بمعنے البناء۔ اس کی جمع ابنیۃ آتی ہے اور قواعد، قاعدہ کی جمع ہے۔ اور قواعد البیت سے گھر کی بنیادیں مراد ہوتی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کی بنیادوں کو جڑوں سے اکھاڑ دے۔ اتاہ بمعنے اللہ تعالیٰ کا امر و حکم اور عذاب۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ ان کی بنیادوں کو جڑوں سے ضعیف بنا دیا جائے۔ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ تو اوپر سے ان پر چھت گر پڑی۔ کیونکہ جب مکان کی بنیاد گر جائے تو چھت کیسے ٹھہر سکتی ہے۔ اور فوقہم میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ گھروں کے اندر تھے تو چھتیں اُن کے اُوپر گر پڑیں۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ وہ اگر گھروں کے اندر نہ ہوں تو کہتے ہیں، سقط علینا البیت۔

اعجوبہ منقول ہے کہ ایسی سخت آندھی چلی کہ ان کے مکانوں کی چھتوں کو اس نے دریا میں پھینک دیا۔ پھر ان کے باقی مکانات ان پر گر پڑے۔ اس جانکاہ حالت سے وہ بڑبڑائے، چلائے اور مختلف قسم کی بولیاں بولنے لگے۔ اسی روز سے بولیاں مختلف ہوئیں۔ مختلف بولیوں سے وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھتے تھے۔ مروی ہے کہ وہ لوگ اس وقت تہتّر بولیاں

Scanned with CamScanner

مختلف قسم کی بولتے تھے۔ اس لیے اس علاقہ کو بابل کے نام سے موسوم کیا گیا ورنہ اس سے قبل وہاں صرف سریانی زبان بولی جاتی تھی۔

وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ اور ان پر عذاب یعنی تباہی و بربادی وہاں سے آئی جہاں سے آنے کا انھیں خیال تک نہ تھا بلکہ جس طرح کا انھوں نے منصوبہ بنایا تھا اسی طرح کی توقع رکھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ یہ اہل مکہ جو مکر و فریب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن مجید تو گذشتہ لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں ان پر دنیا میں اس طرح کا عذاب آئے گا جیسے پہلے لوگوں پر آیا جن کے متعلق انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

ف : دیلمی نے لکھا کہ اس سے مچھروں کا عذاب مراد ہے جو نمرود کے لشکر پر مسلط کیا گیا تھا۔

حکایت لباب میں لکھا ہے کہ نمرود کو اللہ تعالیٰ نے مچھروں کے عذاب میں مبتلا فرمایا ہوا اس طرح کہ نمرود کی ناک کے ذریعے مچھر اس کے دماغ میں پہنچا اور اس کے دماغ کو کھاتے کھاتے موٹا ہو گیا اور چار سو سال اس کے دماغ میں وہی مچھر رہا پھر اندر سے تکلیف پہنچاتا جب تک اس کے سر پر لوہے کے چابک نہ مارے جاتے اسے آرام نہ آتا شیخ فریدالدین نے منطق الطیر میں لکھا ہے

نیم پشہ بر سر دشمن گماشت

در سر او چار صد سالش بداشت

چوں دہد حکمش ضعیفے را مدد

سبلت خصم قوی را بر کند

[ترجمہ : چھوٹے سے مچھر کو دشمن پر مسلط فرمایا جو اس کے سر میں چار سو سال رہا جب اس کا حکم کسی ضعیف کی مدد کرتا ہے تو وہ مضبوط دشمن کی مونچھیں اکھیڑ لیتا ہے]

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ یہی عذاب دنیا اور قیامت میں ان کے لیے جزا ہو گی جو انھیں رسوا کرے گا یعنی ان افترا پردازوں اور فریب کاروں کو [جو ان سے پہلے گزرے ہیں] قیامت کے دن بھرے مجمع میں ذلیل و خوار کرے گا۔

ف : در اصل الخزی وہ ذلت ہے جس کے ظاہری حال سے شرم و ندامت لاحق ہوتی ہو۔ اور یہاں پر لفظ ثم، ما بین الجزائین کے تفاوت کے لیے ہے۔

وَيَقُوْلُ یہاں آخر تک ان کی رسوائی کا مضمون ہے۔ یعنی قیامت میں اللہ تعالیٰ انھیں توبیخاً و تفضیحاً فرمائے گا اَيْنَ شُرَكَآءِيَ میرے وہ شریک جنھیں اپنے گمان میں میرے شریک بھو کر الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ یہ دراصل تشاقون تھا انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کے ساتھ تم جھگڑتے تھے فِيْهِمْ بتوں کے بارے میں۔ بایں طور کہ جب انبیا علیہم السلام اور اہل اسلام نے تمھارے بتوں کا بطلان کیا۔

ف : استفہام سے بتوں کی شفاعت کے عقیدے کی غلط فہمی کا اظہار مطلوب ہے کہ اے بت پرستو تم انھیں شفاعت کا اہل سمجھتے تھے حالانکہ ایسے وہ غائب ہیں یا ان کے غلط عقیدہ کو بطریق استہزا صورۃ رد کیا گیا ہے یا ان کو اپنے دعویٰ میں لاجواب ظاہر کرنا ہے۔

Scanned with CamScanner

سوال: ایسی مکان کی طلب کے لیے ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجود تو ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر نہیں ہوں گے۔ اور مسلمانو! تم تو سرے سے ان کے وجود کے بھی قائل نہیں ہو۔

جواب: چونکہ کفار اپنے معبودوں کو ہر طرح کا مختار سمجھتے تھے اور ان کا گمان تھا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کو مجبور کر کے انہیں چھڑا لیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان فاسد کی تردید فرمائی کہ تم جن کو معبود و مختار سمجھتے ہو وہ بے بس بلکہ معدوم محض ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اور وہ لوگ جنہیں دنیا میں توحید کے دلائل کا علم دیا گیا جس کی وجہ سے وہ کفار کو توحید کی دعوت دیتے اور ان سے جھگڑا کرتے اور کفار ان کے ساتھ تکبر اور غرور سے پیش آتے وہ قیامت میں کہیں گے ان سے انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان مراد ہیں یعنی انہیں ترجیح کرتے ہوئے اور گالی دے کر کہیں گے۔

اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ فضیحت و ذلت یعنی خواری و رسوائی ہے آج کے دن۔ الیوم، الخزی کے متعلق ہے۔ الیوم میں اشارہ ہے کہ اس سے قبل عزت و احترام میں تھے وَالسُّوْٓءَ یعنی عذاب عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ اور اس کے آیات اور اس کے آیات اور رسل کرام علیہم السلام کے منکرین پر۔ یہ جنس اوعائی کے لیے قصر ہے تاکہ معلوم ہو کہ اہلِ ایمان گنہگاروں پر جو عذاب ہوگا وہ کافروں کی جنس سے نہ ہوگا بلکہ وہ کم اور نرم ہوگا اور کفار کا عذاب شدید بلکہ اشد ہوگا۔ علاوہ ازیں کافروں پر عذاب دائمی ہوگا اور مسلمان گنہگاروں کے لیے ایک مدت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہ محلاً مجرور اور الکافرین کی صفت ہے یعنی وہ کافر جنہیں فرشتے فوت کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دائمی رسوائی اور ذلت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو زندگی کے آخری لمحات تک کفر پر مداومت کریں گے ورنہ جسے دولتِ ایمان نصیب ہوگی اگرچہ موت سے قبل ہی سہی اسے دائمی عذاب نہ ہوگا۔

ف: الملائکۃ سے ملک الموت اور اس کے اعوان، اور توفی سے قبضِ ارواح مراد ہے۔

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی کفر پر مداومت کرنے والوں کا یہ حال ہوگا کہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور ان کا اپنے نفسوں پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ انھوں نے تکبر اور کفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو دائمی عذاب میں مبتلا کیا۔ اور ظلم بمعنے وضع الشئ علی غیر محلہ یعنی شے کو غیر محل پر رکھنا۔ اور کافروں پر ظلم کا اطلاق ظاہر ہے کہ نفس کو بجائے اطاعت الٰہی کے کفر و استکبار علی الملک الجبار پر استعمال کر کے فطرتِ خداوندی کو تبدیل کیا۔ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ اس کا و یقول ابن شرکاوی پر عطف ہے السلم بالتحریک بمعنے استسلام۔ یعنی آخرت میں عذابِ الٰہی کو دیکھ کر صلح و سلوک اور فرمانبرداری کی باتیں کریں گے اس دن تمام جھگڑے ختم کر دیں گے بلکہ دنیا میں جس طرح کا تکبر وغیرہ کرتے تھے اسے ترک کرتے ہوئے کہیں گے مَا كُنَّا نَعْمَلُ ہم دنیا میں عمل نہیں کرتے تھے مِنْ سُوْٓءٍ شرک کا۔ باوجودیکہ انھیں اپنے شرک و کفر کا علم ہوگا لیکن پھر بھی انکار کر دیں گے صرف اس وجہ سے کہ کسی طرح انھیں عذاب سے نجات حاصل ہو۔ بَلٰٓى یہ جواب اہلِ علم کی طرف سے ہوگا وہ کافروں کی تردید کرتے ہوئے اصل بات کو ثابت کریں گے یعنی کفار سے کہیں گے کہ تم کفر و شرک کا عمل کرتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے تھے۔ پس تمہیں اعمال کی جزا دے گا اور جزا کا یہی وقت ہے فلہٰذا اب تمہیں انکار فائدہ نہیں دے گا اور

Scanned with CamScanner

اور یہی درد و تنگی تمہارے لیے نافع ہوگی۔ فَادْخُلُوْٓا فا، تعقیب کی ہے اَبْوَابَ جَهَنَّمَ جہنم کے ان دروازوں میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے لیے تیار کر رکھے ہیں خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اگر یہاں پر دخول سے حدوث مراد ہو تو یہ حال مقدرہ ہوگا۔ اگر اس سے مطلق کون مراد ہو تو یہ حال مقارنت کا ہے فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ اس کا فا، فا، تعقیب پر عطف ہے اور لام تاکید کی قسم کے قائم مقام ہے۔ المثوی بمعنے المنزل ہے اور اس کا مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ جہنم ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ متکبرین کا ٹھکانا جہنم ہے۔

نکتہ: انھیں متکبرین کی صفت سے یاد کرنے میں اشارہ ہے کہ انھیں جہنم تکبر کی وجہ سے نصیب ہوئی اور تکبر سے توحید کا منکر یا مطلق متکبر مراد ہے خواہ کافر ہو یا مسلم۔

تکبر کے اقسام حضرت الشیخ علی سمرقندی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر بحر العلوم میں لکھا کہ تکبر کی تین اقسام ہیں:

۱۔ تکبر علی اللہ یہ تمام قسموں سے قبیح اور خبیث ترین ہے اس لیے کہ یہ جہل محض سے ہوتا ہے۔

۲۔ تکبر علی الرسل یہ اس شخص سے سرزد ہوتا ہے جو اپنے آپ کو معزز و مکرم سمجھ کر اس لیے انکار کرتا ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کے سامنے سر جھکائے اسے بھی قیامت میں اس متکبر کی طرح سخت عذاب ہوگا جو تکبر علی اللہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

۳۔ تکبر علی العباد وہ یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو معظم اور دوسروں کو حقیر سمجھے اسی لیے ان کی اچھی بات پر عمل کرنے سے انکار کرے بلکہ انھیں اپنی بڑائی کی دعوت دے اور انھیں نفرت کی نگاہ سے دیکھے اور انھیں ناشتہ سمجھے بلکہ ان کی برابری سے نفرت کرے ایسا متکبر بڑا جاہل ہے اور غضب حق کا مستحق ہے اگرچہ پہلے دو متکبروں سے درجہ میں بہت کم ہے کہ وہ دائمی کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اسے سزا کے طور چند روز مبتلا ہونا پڑے گا جب کہ تکبر سے توبہ کر کے مرے۔

ف: جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں (اولیاء) کے ساتھ تکبر کرتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی چادر شان چھینتا اور اللہ تعالیٰ کی صفت خاص سے چھینا چاہتا ہے۔

انجوبہ تصوف حضرت ابو الصالح حمدان بن احمد قصار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو فرعون سے بہتر سمجھتا ہے وہ بھی متکبر ہے مثنوی شریف میں ہے

آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست

لیک اژدرہات محبوس چہست

آتشت را ہیزم فرعون نیست

زانکہ چوں فرعون اورا عون نیست

[ترجمہ: جو کچھ فرعون میں تھا وہ تیرے اندر بھی ہے فرق صرف یہ ہے کہ تیرا اژدہا (نفس کی شرارت) کنوئیں میں مقید ہے اور تیری لکڑیوں میں فرعون والی آگ نہیں تیرے نفس کو وہ طاقت حاصل نہیں جو فرعون کو حاصل تھی]

نوح علیہ السلام کی وصیت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں دو باتوں کا حکم دیتا ہوں اور دو باتوں سے روکتا ہوں دو باتوں کے حکم میں پہلی بات لا الٰہ الا اللہ ہے اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں اور لا الٰہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا بھاری ہوگا اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں لوہے کے بڑے حلقے بنا کر رکھے جائیں اور ان پر لا الٰہ الا اللہ گرایا جائے تو ان تمام حلقوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دے گا دوسرا حکم سبحان اللہ وبحمدہ ہے اس لیے کہ یہ کلمہ ہر نبی علیہ السلام نماز میں پڑھتا رہا اور دو باتوں میں سے جن سے تمہیں روکتا ہوں ایک کفر دوسری کبر [تکبر] ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ عرب کے مختلف قبیلے اپنے نمائندے موسم حج میں بھیجتے تاکہ ان کو واپس جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبریں دیں جب نمائندے مکہ معظمہ میں داخل ہوتے تو مشرکین مکہ کے مختلف چوکوں پر کھڑے ہوئے آنے والوں کے سامنے قسمیں کھا کر کہتے کہ [معاذ اللہ حضرت] محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کذاب ساحر، کاہن ہیں وغیرہ فلہذا اے لوگو تم واپس چلے جاؤ اسے مل کر نقصان اٹھاؤ گے نمائندے کہتے ہم بہت برے نمائندے متصور ہوں گے اگر ہم محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] سے مل کر نہ جائیں۔ جب یہ نمائندے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے ملتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے صدق و امانت اور دیانت کی خبر دیتے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا۔

وَقِيلَ اس کے قائل وہی نمائندے ہیں جو مختلف علاقوں سے موسم حج میں حاضر ہوتے لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ان لوگوں سے کہتے جو کفر و شرک سے بچے ہوئے تھے یعنی مخلصین اہل ایمان کو مَاذَا یہ انزل ربکم کا مفعول ہے اَنْزَلَ رَبُّكُمْ یعنی تمہارے رب تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے قَالُوا اہلِ ایمان ان نمایندوں کو جواب دیتے کہ خَيْرًا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر خیر و برکت نازل فرمائی ہے۔ جواب سوال کے مطابق ہے اسی لیے لازماً تعبیر ہوا کہ واقعی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت نازل ہوئی اور یقیناً وہ اللہ تعالےٰ کے نبی برحق ہیں [صلی اللہ علیہ وسلم]۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ خیر سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ قرآن مجید جمیع خیرات وحسنات و برکات کا جامع ہے اور تمام دینی و دنیوی نیکیاں اور صوری و معنوی خوبیاں اس میں ہیں۔

لِلَّذِينَ اَحْسَنُوا یہاں اَحْسَنُوا سے نیک اعمال بالخصوص لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ [صلی اللہ علیہ وسلم] پڑھنا مراد ہے کیونکہ یہ کلمہ طیبہ جملہ حسنات سے احسن ہے اور یہ جملہ مستانفہ متقین کی مدح کے لیے لایا گیا ہے فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ متقیوں کو اس دنیا میں بھی اچھا اجر ہے۔ یہ انھیں اچھے اعمال کے بدلے کے طور پر نصیب ہوگا۔ مثلاً احسن عمل کی برکت سے خون، مال کی حفاظت، مدح و ثنا کا استحقاق، دشمنوں پر فتح مندی اور مکاشفات و مشاہدات کے دروازے کھل جانا۔ جنھیں یہ دولت نصیب ہوتی ہے انھیں شراباً طہوراً کے پیالے پینے کا شرف ملے گا۔

Scanned with CamScanner

یہ وہ صوت تجربہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو نیک عمل کرتا ہے اور اپنے اخلاق سنوارتا ہے اور اپنے احوال میں انقلاب پیدا

فائدہ صوفیانہ کرتا ہے کہ خلق سے روگردانی کر کے حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے نیکی نصیب ہوتی ہے وہ نیکی یہ ہے کہ دنیا میں

اسے اللہ تعالیٰ کاملین واصلین کے زمرہ میں شامل فرماتا ہے۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اور دار آخرت یعنی دار آخرت کا ثواب خَيْرٌ بہتر ہے اس ذخیرہ سے جو انہیں دار دنیا میں حاصل ہوا اس کا مطلب یہ ہے

کہ مطلقاً دار آخرت دار دنیا سے بہتر ہے اس لیے کہ آخرت بمنزلہ گوہر اور موتی کے ہے اور دار دنیا بمنزلہ ٹھیکریوں کے اور ظاہر ہے کہ گوہر اور موتی قیمت

میں ٹھیکریوں سے بہت زیادہ قیمتی ہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ ٹھیکریوں کو گوہر اور موتی سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ اور پرہیزگاروں کے لیے دار آخرت ایک بہتر سرائے ہے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں پر دار سے دنیا مراد ہے اس لیے کہ متقین دار آخرت کے لیے اسی دار میں سرمایہ جمع کرتے ہیں اور چونکہ

یہی دار دنیا دار آخرت کے عیش و عشرت کا سبب ہے اسی لیے متقی کے لیے یہی دار بہتر ہوتی ہے۔

ف: فقیر [اسماعیل حقی] کہتا ہے کہ اس معنے پر دنیا قابل ستائش ہے کہ اسی سے ہی متاع آخرت نصیب ہوتی اگر اس سے متاع

غرور حاصل ہو تو پھر دنیا قابل مذمت ہے چنانچہ حضرت مولانا روم قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و میزان وزن

۲ مال را کز بہر دین باشی حمول
نعم مال صالح خواندش رسول

۳ آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است

۴ چونکہ مال و ملک را از دل براند
زاں سلیماں خویش جز مسکین نخواند

۵ کوزۂ سربستہ اندر آب رفت
از دل پرباد فوق آب رفت

۶ باد درویشی چو در باطن بود
بر سر آب جہان ساکن بود

[ترجمہ : ۱۔ دنیا کیا ہے اللہ سے غافل ہونا، نہ کہ ساز و سامان اور چاندی اور بیوی بچے۔

۲۔ وہ مال دین کے لیے تو جس کا باربردار ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین مال فرمایا۔

Scanned with CamScanner

۳- کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے۔ کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے۔
۴- چونکہ مال اور ملک کو دل سے نکال دیا تھا اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے آپ کو مسکین کے علاوہ کچھ نہ کہا۔
۵- سربند گھڑا پیالہ گہرے پانی میں گیا اور ہوا سے پیٹ بھرا ہونے کی وجہ سے پانی پر تیرا۔
۶- جب دل میں فقیری کی ہوا بھری ہوگی دنیا کے پانی کے اُوپر پُرسکون ہوگا۔

فائدہ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ متقین واصلین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور انعام دارِ دنیا اور دارِ آخرت اور ہے جسے اس دارِ دنیا اور دارِ آخرت سے کوئی مناسبت نہیں وہ ہے مقام عندیہ میں مقعد الصدق کی دار، اور وہ بہت بہتر دار ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ عدن، علَم ہے۔ یعنی متقین کے لیے عدن کے باغات ہوں گے درانحالیکہ یَدْخُلُوْنَهَا ان میں وہ متقی داخل ہوں گے اور ان باغات کا حال یہ ہے کہ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان کے منازل کے نیچے چار نہریں جاری ہوں گی اور ہر منزل میں بہترین چشمے ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا لَهُمْ خبر مقدم ہے فِيْهَا یہ مبتدا موخر سے حال ہے۔ مَا يَشَآءُوْنَ مبتدا ہے۔ یعنی متقیوں کے لیے ان باغات میں وہی ہوگا جو ان کا جی چاہے گا۔

نکتہ: بیضاوی نے لکھا کہ تقدیم ظرف میں تنبیہ ہے کہ انسان کی ہر مراد صرف بہشت میں ہی پُوری ہوگی۔

سوال: فقیر [حقی] کہتا ہے کہ اگر کوئی بیضاوی کے قول مذکور کو لے کر سوال کرے کہ کیا بہشت میں اجازت ہوگی کہ انسان لواطت کی آرزو کرے اور وہ پوری کر دی جائے جس طرح کہ بعض بیوقوف لوگوں نے سمجھا ہے۔

جواب: قاعدہ ہے کہ جو فعل حکمتِ حق تعالیٰ کے خلاف ہو بندوں کو بہشت میں اس کا اشتہا بھی نہ ہوگا۔ اگر لواطت کا جواز مانا جائے تو پھر حقّاً ماں کے ساتھ بھی اشتہاء کا سوال پیدا ہوگا اور یہ اشتہاء باطل ہے جس کے بطلان پر تمام عقلاً متفق ہیں اسی طرح زنا، لواطت تمام مذاہب حقہ و باطلہ میں ہمیشہ حرام رہے ہیں کیونکہ یہ دونوں حکمتِ ایزدی کے خلاف ہیں بخلاف شراب وغیرہ کے کہ وہ دائمی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قیامت میں نہ صرف حلال بلکہ اس کی ایک نہر ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی تمنا نہ دے جو خبیث افعال سے متعلق ہو اور جسے طبائع سلیمہ نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔

سوال: کیا انبیاء و اولیاء کے درجات و منازل اور شہداء کے مراتب مانگنا بھی ناجائز ہوگا حالانکہ وہ تو شرعاً حرام نہیں۔ اگر ان کی آرزو کریں اور نہ ملیں تو آیت کے خلاف اگر مل جائیں تو پھر فرق مابین الانبیاء والشہداء والاولیاء والعوام کیا رہا۔

جواب: کاشفی نے لکھا کہ ایسے مراتب و کمالات و منازل مانگنے کی فکر نہ ہوگی اس لیے کہ یہ مراتب حسد کے طور مانگے جاتے ہیں یا غبطہ کے طور۔ اور یہ صفات بہشت میں نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں بہشتی سے زائد مراتب کی خواہش بھی ختم ہوگی اس لیے کہ وہ انہی مراتب و کمالات پر راضی ہوں گے جو انہیں عطا ہوئے ہوں گے۔

فائدہ صوفیانہ: آیت میں اشارہ ہے کہ متقین کی بہشت کی خواہش اور اس کی نعمتوں کی تمنا یہ ہوگی کہ وہ بہشت میں جہاں چاہیں

Scanned with CamScanner

جائیں اور بہشت سے نکل کر مقام عندیۃ میں مقعد صدق میں پہنچیں اسی لیے انھیں بہشت میں اور مقعد صدق کے متعلق جو چاہیں انھیں

نصیب ہوگا۔

کَذٰلِكَ ایسی مکمل جزا کی طرح یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ شرک و معاصی سے بچنے والے کو اللہ تعالیٰ جزا دے گا۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ المتقین کی صفت ہے۔ یعنی جب ملک الموت اور ان کے اعوان متقین کی ارواح قبض

کریں گے طَیِّبِیْنَ تو ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ ظلم علی النفس کی گرد و غبار سے پاک ہوں گے اس لیے کہ انھوں نے دُنیا

میں فطرۃ الٰہی کو تبدیل نہیں کیا ہوگا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ تقویٰ کا اصل اور اعلیٰ مقصد یہی ہے کہ انسان اپنے نفس پر ظلم کی گرد و غبار سے پاک رہ کر فطرۃ

الٰہی کی تبدیلی سے مرنے تک بچا رہے اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ ایسے تقوے کے حصول کی کوشش کریں۔

فائدہ صوفیانہ مشایخ نے فرمایا کہ طیبین میں اشارہ ہے کہ قبض ارواح کے وقت ان کے نفوس جناب قدس کی طرف کلی

طور پر متوجہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے پاکیزہ نفوس سے بنائے (آمین)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہمچنیں باد اجل با عارفاں

نرم و خوش ہمچوں نسیم یوسفاں

[ترجمہ: بادِ اجل عارفوں کی ایسی نرم و خوش ہوتی ہے جیسی یوسف جیسوں کی نسیم ہوتی ہے]

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نفوس ونفسِ شہوات و مخالفات سے پاک اور ان کے اخلاق

شرعی امور کے مطابق ہوتے ہیں یعنی طبعی مذمومات سے منزہ ہوتے ہیں اور ان کے احوال ملاحظات الکونین کی

میل کچیل سے صاف و شفاف ہوتے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ اور فرشتے ان کی ارواح قبض کرتے وقت علیٰ وجہ التعظیم والتبشیر کہتے ہیں سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ تم پر سلامتی ہو اور تم کو

مبارک ہو کہ اب تمھیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہ ہوگی۔

ف: قرطبی نے فرمایا کہ جب مومن کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس کے ہاں فرشتہ ملک الموت تشریف لا کر فرماتا ہے السلام

علیك یا ولی الله الله یقرئك السلام وبشره بالجنة [اے ولی اللہ! تمھیں اللہ تعالیٰ سلام فرماتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہے]

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ جنات عدن میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ وہ صرف تمھارے لیے تیار کی گئی ہیں۔ الجنة کا الف ولام عہد کا ہے

یاد رہے کہ یہاں داخلے سے بہشت میں داخل ہونے کا وقت مراد ہے۔ اسی لیے کاشفی نے لکھا کہ ملائکرام مومنین کو السلام علیك کہہ کر

فرمائیں گے کہ اے ایمان والو! کل قیامت میں جب تم اٹھو گے تو سیدھے بہشت میں چلے جاؤ گے کیونکہ وہ صرف تمھارے لیے تیار

کی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

ف : قبر بہشت کا ایک باغیچہ اور بہشت کی نعمتوں کا مقدمہ ہے۔ جو نیک اعمال لے کر قبر میں داخل ہوا گویا وہ بہشت میں اور اس کی لازوال نعمتوں میں داخل ہوا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بوجہ تمہارے تقویٰ اور طاعت وعمل پر ثابت قدم رہنے کے۔ اگرچہ یہ داخلہ محض فضلِ حق کی وجہ سے ہوگا۔ انھیں بہشت میں داخلے کا موجب نہ سمجھنا چاہیے [اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے کہ بہشت محض فضل ربانی سے نصیب ہوگی] البتہ بؔ سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل ربانی کا موجب اعمال صالحہ وصدق احوال ہیں کیونکہ بہشت کے منازل ومراتب اعمال واحوال کے مطابق نصیب ہوں گے۔

اہلِ عرب کا ایک مشہور مقولہ ہے :

مزرع یومك حصاد غدك۔

آج کی کھیتی کل کے دن کی زادِ راہ ہے۔

بکوش امروز تا تخمی بپاشی
کہ فردا بر جوی قادر نباشی
گر اینجا کشت کردن را نورزی
دراں خرمن بہ از ارزن نیرزی

[ترجمہ : آج جدوجہد کرکے بیج بو دے ورنہ کل قیامت میں تجھے ایک جَو بھی کہیں سے نصیب نہ ہوگا۔ اگر تم نے یہاں بیج نہ بویا تو کل قیامت میں تمہیں کچھ نصیب نہ ہوگا]

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین بہشت میں اعمال کی وجہ سے داخل ہوں گے اور اس میں عبور اصلاح اخلاق کی وجہ سے ہوگا اور مقعد صدق کا داخلہ اصلاح احوال کی برکت سے ہوگا۔ ہر متقی کو اسی قدر مقام نصیب ہوگا جس قدر اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ سے خلوص وصدق رکھا ہوگا۔

حدیث شریف

میں ہے : "عدن اللہ تعالیٰ کا مخصوص گھر ہے جس میں صرف تین گروہ داخل ہوں گے :

- انبیاء علیہم السلام
- صدیقین
- شہداء

اور اس کی ایسی نعمتیں ہیں جنھیں نہ کسی نے دیکھا نہ سنا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال گزرا ہوگا اللہ تعالیٰ اس دار (گھر) کو فرماتا ہے کہ وہ لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں جو تجھ میں داخل ہوں گے۔"

ف : بحر العلوم میں ہے کہ صدیقین سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسل کرام پر ایمان رکھتا ہے جو کسی ایک نبی علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار نہیں کرتا اور بحیثیت نبوت ان سب کو برابر مانتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

Scanned with CamScanner

والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولٰئك ھم الصدیقون ۔
اور یہ آیت جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں اس آیت پر دلالت کرتی ہے ۔

حدیث شریف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، اللہ تعالیٰ نے عدن کے اندر بلاواسطہ اپنے یدِ قدرت سے باغات تیار فرمائے ہیں اس کا گارہ مشک خالص ، اس کی مٹی اور بجری خالص موتی ، اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ، اس میں اپنی قدرت کاملہ سے درخت لگائے ۔ اور اس سے فرمایا ، بول کیا کہتی ہے ؟ تو اس [عدن] نے عرض کی قد افلح المومنون [بیشک اہلِ ایمان فلاح پا گئے] اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے ، تو مبارکباد کی مستحق ہے کہ تیرے اندر [روحانی] بادشاہ [انبیاء ، صدیقین وشہدا] ٹھہریں گے ۔

ف : قد افلح المومنون میں تنبیہ ہے کہ اس میں وہی لوگ ٹھہریں گے جو اللہ تعالیٰ اور رسل کرام علیہم السلام پر ایمان لائیں گے ۔

ف : فقیر [صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ] کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بہشت میں تمام اہلِ ایمان داخل ہوں گے لیکن مراتب ومنازل مختلف ہوں گے ۔ مثلاً فردوس وعدن خواص اور ان کے لواحقین کے لیے ، باقی بہشتیں عوام اہل ایمان کیلیے ۔

ف : یاد رہے کہ ایمان کا کمال اسرارِ ملکوت کے مکاشفہ اور انوارِ جبروت کے مشاہدے سے نصیب ہوتا ہے ۔ اور اس درجہ پر انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے پہلے صدیقِ اکبر یعنی خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ فائز ہوئے ۔ اور ہماری تقریرِ مذکور کی تائید ان الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات کانت لہم جنات الفردوس نزلا سے بھی ہوتی ہے ۔ اسی کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ اس مضمون کے مستحق آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہیں ۔ اور یہ ایک وصف ہے جو ایمان سے زائد ہے ۔ یعنی یہ وصف ایمان کے ارکان وشرائط میں داخل نہیں [جیسا کہ اہلِ سنت کا مذہب ہے] یعنی اعمال ایمان کا جز نہیں ۔

ف : یاد رہے کہ دنیا میں جس نے علوم نافعہ کی نشر واشاعت کی اور اخلاقِ حمیدہ سے متخلّق ہوا وہ قیامت میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوگا اور جس جنت عدن کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اسے ملے گی ۔ یہ تمام لوگوں سے انبیاء وشہداء وصدیقین کے بعد رفیع الدرجات ہوں گے ۔

تفسیر عالمانہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ کیا کفارِ مکہ انتظار کر رہے ہیں [یعنی انتظار نہیں کر رہے] اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ مگر یہ کہ آئیں ان کے ہاں فرشتے ۔ ملائکہ سے ملک الموت اور اس کے اعوان مراد ہیں اور ان کے آنے سے ارواح قبض کرنا مراد ہے ۔ یعنی ملائکہ کرام ان کی روحوں کو عذاب دے کر نکالتے ہیں اور عذاب کا موجب ان کے اپنے کردار ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ کفارِ مکہ قصداً عذاب کا انتظار کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ قبضِ ارواح کے وقت عذاب شدید میں مبتلا ہوں ۔ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ یا ان پر دنیاوی عذاب نازل ہو ۔ یہ عذاب ان پر یوم بدر میں نازل ہوا ۔ كَذٰلِكَ اسی طرح جیسے انھوں نے شرک وکفر وظلم وتکذیب واستہزا کا ارتکاب کیا ایسے ہی فَعَلَ الَّذِيْنَ کیا ان لوگوں نے جو گزرے ہیں مِنْ

(باقی بر صفحہ ۲۰۶)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى
اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ
كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

ترجمہ ۔ اور مشرکین نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے سوا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کسی شے کو نہ پوجتے اور نہ ہی اس کے حکم کے بغیر کسی شے کو حرام ٹھہراتے۔ ایسے ہی ان سے پہلے والوں نے کیا تو پیغمبروں کے ذمہ کیا ہے مگر واضح طور پیغام پہنچا دینا اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور شیطان سے دور رہو تو ان میں بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی تو زمین پر چلو پھرو پھر جھٹلانے والوں کا انجام دیکھو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ اگر تم ان کی ہدایت کے لیے حرص کرو تو (یاد رکھو) جسے اللہ گمراہ کرتا ہے اسے ہدایت نہیں دیتا اور نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہوگا اور انھوں نے زور لگا کر قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ (قیامت میں) مرنے والوں کو نہیں اٹھائے گا۔ ہاں سچا وعدہ اس کے ذمہ کرم پر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس لیے کہ ان پر وہ واضح کرے جس میں اختلاف کرتے تھے اور اس لیے کہ کافروں کو یقین ہوگا کہ واقعی وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کو چاہتے ہیں اس سے ہمارا صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوتا ہے کہ ہو جا، تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۵) قَبْلِهِمْ ان سے پہلے پہلی امتوں کے لوگ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا یعنی وہ عذاب جس میں یہ عنقریب مبتلا ہوں گے وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ لیکن وہ کفر و شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے اس لیے کہ یہ امور ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کے موجب تھے فَاَصَابَهُمْ یہ فاء عاطفہ ہے اس کا فعل الذین من قبلھم پر عطف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بحکم عدل انھیں پہنچا سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا ان کے اعمال و کردار کی سزا۔

سوال : سیئات تو نہیں پہنچے بلکہ انھیں ان سیئات کی وجہ سے عذاب پہنچا۔ یہاں سیئات کا ذکر کیسا؟

Scanned with CamScanner

جواب: قاعدہ مشہور ہے کہ سبب کو اپنے اسم کے سبب سے موسوم کیا جاتا ہے تاکہ اس کی فظاعت کا اظہار ہو [یعنی اسی طرح سے شے کی منقلت (اچھو یا بری) کا اظہار ہوتا ہے]۔ یہاں مضاف محذوف نہیں اس لیے کہ مضاف محذوف ماننے میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ شاید ان کے سیئات کے علاوہ اور بھی بُرے اعمال ہیں۔

وَحَاقَ بِهِم اور ان پر نازل ہو کر انہیں محیط ہو گیا۔ یہ حیق سے مشتق ہے بمعنے احاطۃ الشر [شر کا محیط ہونا] (کما فی القاموس) اور انسان پر اس کا اطلاق ہو تو معنیٰ ہو گا کہ وہ اپنے کسی بدعمل کی وجہ سے دُکھ درد اور تکالیف میں گھر گئے۔

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ وہ جو اس کے ساتھ استہزا کرتے تھے لیکن جب نزولِ عذاب کا وقت قریب ہوا تو انھیں اسی عذاب نے گھیر لیا جس سے وہ استہزاء کرتے تھے۔

[تفسیر آیات صفحہ ۲۰۶]

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا اور مشرکین نے کہا لَوْ شَاءَ اللَّهُ اور اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم غیر کی پرستش نہ کریں مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ تو ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرتے مِن شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا نہ ہی ہم اور نہ ہی ہمارے آباؤ اجداد کہ جن کی اقتدا میں ہم غیروں کی پوجا کرتے ہیں وَلَا حَرَّمْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ اور نہ ہی اس کے حکم سے ہٹ کر یعنی بحیرہ وسائبہ و وصیلہ اور حام کو حرام کرتے۔

مسئلہ: اہلسنّت کا مذہب ہے کہ کفر و معاصی و دیگر جرائم اللہ تعالیٰ کی مشیت و تخلیق سے ہیں۔ کفار اگرچہ اپنے دعوے میں سچے کہ کفر و معاصی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں لیکن وہ اس سے تحریم حلال پر استدلال کرتے تھے۔ اسی طرح اپنے کفر و معاصی و دیگر جرائم کے ارتکاب پر مشیتِ ایزدی کو دلیل بناتے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ کفر و معاصی جب مشیتِ ایزدی پر مبنی ہیں تو ہم پر تحریم گناہ نہیں اور نہ ہی گناہ کے ارتکاب پر انھیں عذاب ہو گا۔ اگرچہ ان کا یہ دعویٰ درست تھا لیکن چونکہ اس سے ان کا ارادہ مبنی بر باطل تھا اس لیے ان کا دعویٰ بھی باطل متصوّر ہو گا۔

ف: مدارک میں مرقوم ہے کہ کفار کا یہ قول استہزاءً تھا۔ اگر وہ بطورِ عقیدت کہتے تو بھی قابلِ قبول تھا۔ اس لیے حسین بن فضل نے فرمایا کہ اگر کفار یہ قول تعظیم و اجلال اور معرفتِ الٰہی سے کہتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مذمت نہ فرماتا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روئے

چنانکہ پرورشم میدہند میرویم

[ترجمہ: اس دنیا کے چمن میں میں ملامت کے لائق نہیں ہوں اس لیے کہ جس طرح سے میری پرورش ہوئی میں اسی راہ پر چلتا ہوں]

Scanned with CamScanner

اور فرمایا ؎

نقش مستوری و رندی نہ بدست من و تست
آنچہ سلطانِ ازل گفت بکن آں کردم

[ترجمہ: نیکی و بدی نہ تیرے ہاتھ میں ہے نہ میرے ہاتھ میں۔ اس لیے کہ جس طرح مجھے سلطانِ ازل نے فرمایا میں نے اسی طرح کیا]

ف: فقیر [اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ] کہتا ہے کہ جاہل غافل محجوب اور عارف کامل واصل الی المطلوب میں یہی فرق ہے کہ جاہل قبائح ومحاسن کو اللہ تعالیٰ کی طرف کرتا ہے اور عارف قبائح کو نفس کی طرف اور محاسن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور یہی توحید کا نچوڑ ہے۔

كَذٰلِكَ اسی فعل قبیح کی طرح فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ امم گزشتہ کے لوگوں نے کیا۔ یعنی انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام قرار دیا اور رسل کرام علیہم السلام کی نافرمانی کی۔ اور جب ان حضرات نے انھیں خطا پر متنبہ کیا اور حق کی راہ دکھائی تو مشرکین نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ رسل کرام علیہم السلام کا طریق کار نہیں اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ مگر تبلیغِ رسالت اور بطلانِ شرک کو واضح کر کے حق پر مطلع کرنا اور بتانا کہ شرک قبیح امر ہے نہ وہ قبولِ حق پر کسی کو مجبور کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی بات منواتے ہیں بلکہ حق کا اظہار کرتے ہیں پھر لوگوں کی مرضی ہے مانیں یا انکار کریں وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ بیشک ہم نے ہر گروہ میں بھیجا رَّسُوْلًا رسول خاص۔ جیسے ہم نے آپ کو بھیجا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ یہ اَنْ مفسرہ ہے بعثنا کی تفسیر کرتا ہے۔ یعنی ہم نے رسول کی زبان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو صرف وہی ایک معبود ہے وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ الطاغوت سے شیطان اور ہر وہ شخص مراد ہے جو گمراہی کی دعوت دے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے رسل کرام علیہم السلام بھیجے تاکہ اتمامِ حجت اور ان کی معذرت ختم ہو ورنہ اسے علم تھا کہ ان میں کون حق قبول کریگا اور کون انکار کرے گا۔ الطاغوت بروزن فعلوت طغیان سے مشتق ہے جیسے جبروت جبر سے اور ملکوت ملک سے۔ یہ در اصل طغیوت تھا۔ عین کو لام کی جگہ پر لا کر قلب مکانی کی گئی ہے اس کی تاء تانیث کی نہیں ہے۔ فَمِنْهُمْ گزشتہ امتوں میں سے بعض لوگ۔ یہ فاء فصیحہ ہے۔ یعنی انبیا علیہم السلام کو جس کام کے لیے بھیجا گیا انھوں نے اس کی تبلیغ فرمائی یعنی عبادتِ حق اور طاغوت سے اجتناب کا حکم سُنایا تو لوگ مختلف ہو گئے بعض ان میں وہ تھے مَّنْ هَدَى اللّٰهُ جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی۔ یہاں ھدایت بمعنے ہدایتِ خلق ہے یعنی بعض کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی جنھیں حق قبول کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ یعنی عبادتِ الٰہی بجا لائی اور طاغوت سے اجتناب کیا۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ انھوں نے کفر کو اختیار کیا تو پھر اللہ تعالےٰ نے ان کے اندر توفیق پیدا فرمائی۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ اور ان میں بعض وہ تھے جن پر گمراہی ثابت اور

Scanned with CamScanner

واجب ہوگئی اور مرتے دم تک اپنے عناد سے حق کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے عناد پر مُصر رہے اور اپنی قدرت و اختیار کو قبولِ حق کےلیے صرف نہ کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں ہدایت پیدا نہ فرمائی اور نہ ہی ان کے قلب کو پاک کرنے کا ارادہ فرمایا فَسِیْرُوْا اے معشرِ قریش! تم سفر کرو۔

سوال: تم نے قریش کی قید کیوں لگائی حالانکہ خطاب عام ہے۔

جواب: چونکہ کلام کا رُخ ان کی طرف ہے اسی قرینے پر ہم نے قریش کی قید لگائی۔

فِی الْاَرْضِ زمین پر فَانْظُرُوْا یعنے زمین کے مختلف علاقوں میں چل پھر کر دیکھو۔

ف: فاء تعقیب میں اشارہ ہے کہ بندوں پر نظر و استدلال واجب ہے تاکہ گمراہی سے بچ سکیں۔

کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ مکذبین کا انجام کیسا ہے۔ مکذبین سے عاد و ثمود اور ان جیسے دیگر کفار مراد ہیں۔ یعنی جن پر گمراہی واجب ہوگئی۔ یہ اس لیے کہ ان کے حالات اور ان کے منازل و دیار ہلاکت و عذاب دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اِنْ تَحْرِصْ یہ خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے عَلٰی ھُدٰھُمْ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہدایتِ قریش کی طلب میں جد وجہد کرتے ہیں فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب کوئی اپنے اختیار سے گمراہی و کفر چاہے تو اللہ تعالیٰ قہراً و جبراً اس میں ہدایت نہیں فرماتا وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ اور ان کا کوئی حامی کار نہیں ہوتا جو ان کی مدد کرکے ان سے عذاب دُور کرسکے اور ناصرین جمع کا صیغہ لھم کی ضمیر کی مناسبت سے ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ مقابلۃ الجمع بالجمع انقسام الاحاد الی الاحاد کا مقتضی ہوتا ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ انبیا علیہم السلام کو مخلوق کی طرف بھیجنے کا ایک راز یہ ہے کہ وہ انھیں عبادت الٰہی اور اجتناب عن طاغوت الہوٰی اور ماسوی اللہ کی پرستش سے بچنے کا حکم فرمائیں اور انھیں خالص عبادت کا طریقہ بتائیں کہ جس میں غیریت کا شائبہ تک نہ ہو اور انھیں ماسوی اللہ سے اجتناب کی کیفیت سمجھائیں تاکہ سالکین ان دو طریقوں سے بارگاہِ ذوالجلال میں پہنچ سکیں۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ جنھیں دُو قدم نصیب ہوئے وہ منزلِ مقصود پر پہنچ گئے:

۱۔ عبادۃ اللہ بالتوحید یعنی طلب و شوق اور محبت سے بالکلیہ توجہ الی اللہ۔

۲۔ الخروج عما سوی اللہ صدق و اجتہاد بلیغ سے بالکلیہ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک غلام خرید ا اس سے پُوچھا کیا کھاؤ گے؟ اس نے عرض کی جو عنایت ہوگا۔ آپ نے پُوچھا: کون سا کام کرو گے؟ عرض کی: جو حکم ہوگا۔ آپ نے فرمایا: تیرا کیا ارادہ ہے؟ عرض کی: آقا کے سامنے ارادے کیسے، میں آپ کا غلام ہوں میرے ارادے آپ کے ارادوں کے تابع ہیں، جو آپ چاہیں گے میں آپ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں گا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے غلام کی بات سُن کر اپنے آپ کو نصیحت فرمائی کہ تُو [ابراہیم بن ادھم] زندگی بھر اپنے آقا کے سامنے ایسی نیاز مندی نہ کرسکا تجھ سے تو یہی غلام بہتر ہے جس نے ایک ہی لمحے میں غلامی کا حق ادا کردیا۔

Scanned with CamScanner

سوال : طاعت راجح ہے یا ترکِ مخالفات ؟
جواب : معالجہ بالادویہ سے پرہیز زیادہ صحت بخشتا ہے۔ جیسے ہند کے اطبا کا اصول ہے کہ وہ بیمار کا علاج ترکِ طعام سے کرتے ہیں۔

ف : ابوالقاسم نے فرمایا کہ اخوت بذل وایثار سے طلب نہ کرو بلکہ اس کی طلب عوائم کے ترک اور برائیوں سے بچنے کا نام ہے۔

ف : ہمارے دور کے زاہدوں و عابدوں کا حال بھی عجیب ہے کہ واقعی عبادت میں سرگرم ہیں لیکن مخالفت حق و اتباع نفس کے بھی دھنی ہیں۔ اگر یہ بندگانِ خدا صرف فرائض و واجبات کی پابندی کرتے اور رذائل و مخالفاتِ حق سے باز رہتے تو ان کے لیے یہی بہتر تھا۔ اسی لیے مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

۱ بہر ایں بعض صحابہ از رسول
ملتمس بودند مکر نفس غول

۲ کوچہ آمیزد ز اغراض نہاں
در عبادت ہا و در اخلاص جاں

۳ فضل طاعت را نجستندے ازو
عیب ظاہر را نجستندے کہ کو

۴ مو بمو و ذرہ ذرہ مکر نفس
می شناسیدند چو گل از کرفس

[ترجمہ : ۱۔ اسی لیے بعض صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکر نفس کے متعلق زیادہ سوال کرتے تھے۔
۲۔ مثلاً کبھی عرض کرتے کہ یہ نفس چھپ کر ہمارے اخلاص اور عبادت میں کیوں روڑے اٹکاتا ہے۔
۳۔ وہ طاعت کے بارے میں سوال ذکر تے بلکہ نفس کے عیوب کے پیچھے لگے رہتے۔
۴۔ نفس کے مکر کے لیے وہ بال سے کھال اتارتے جیسے گرفس سے اس کے پھول نکالے جاتے ہیں]

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق الیقین کی ہدایت بخشے اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے حق میں وما لھم من ناصرین فرمایا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ الاقسام بمعنے قسم کھانا اور قسم بالفتحتین خدا تعالیٰ کی قسم کھانا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی۔

شانِ نزول ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ کسی مسلمان کا ایک مشرک پر قرضہ تھا۔ جب مسلمان اس مشرک سے قرضہ لینے گیا تو ان کا جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان نے قسم کھائی کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کی مرنے کے بعد

Scanned with CamScanner

زیارت ہوگی۔ مشرک نے کہا کیا مرنے کے بعد بھی اٹھنا ہے۔ یعنی اثنائے مکالمہ مشرک نے کہا کیا مرنے کے بعد بھی تجھے اُٹھنے کی امید ہے؟ مسلمان نے کہا، ہاں، مجھے یقین ہے کہ مرنے کے بعد ضرور اُٹھوں گا۔ مشرک نے بڑی شد و مد کے ساتھ وہ قسم کھائی جو ان کے مذہب میں شدید ترین سمجھی جاتی تھی اور کہا کہ مرنے کے بعد بالکل اُٹھنا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اپنی سخت ترین قسموں سے بات کو پختہ کرنے کے لیے وہ قسم کھاتے تھے

فوائد

○ اہل عرب کہتے ہیں: جهد الرجل فی كذا از باب منع بمعنے جد فيه وبالغ واجتهد یعنی بہت جد و جہد اور کوشش کی۔

○ قاموس میں ہے کہ جهد ايمانهم بمعنے بالغوا فی اليمين واجتهدوا۔ یعنی یہ لفظ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اپنی قسموں میں مبالغہ اور بڑی جد و جہد کرتے۔

○ جهد ايمانهم میں مصدر حال کے قائم مقام واقع ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: جاهدين فی ايمانهم یعنی اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں درانحالیکہ وہ اپنی قسموں میں مبالغہ کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان قسموں کو شدت اور سختی کے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں۔

○ تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ جهد ايمانهم ان کے نزدیک وہ قسم ہوتی جو وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے کھاتے۔ ورنہ عموماً اپنے اصنام اور آباؤ اجداد کی قسمیں کھاتے تھے۔ اسی لیے ان کے ہاں مشہور تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کو جهد ايمانهم سے تعبیر کرتے۔

لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ کہ اللہ تعالیٰ کسی مرنے والے کو مرنے کے بعد نہیں اٹھائے گا۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ بَلٰى نفی مذکور کا رد کر کے اثبات کیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ انھیں مرنے کے بعد ضرور زندہ کرے گا وَعْدًا اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں پختہ اور مضبوط وعدہ فرمایا ہے عَلَيْهِ کہ اسے ضرور پورا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی بالکل ممتنع ہے حَقًّا حق ہے وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ واقعی وُہ قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔ اور کافروں کا کہنا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہ ان کی جہالت کا ثبوت ہے کیونکہ ان کا اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت و حکمت و دیگر صفاتِ کمالیہ پر ایمان نہیں اور انھیں یہ خبر بھی نہیں کہ کون سا قول اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور کون سا نہیں۔ اور نہ انھیں تخلیق و تکوین کے اسرار و رموز کا پتہ تھا ورنہ ایسی بکواس نہ کرتے

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ یہ اظہار ما کان مبہما قبل ذلك سے عبارت ہے۔ یعنی جو شے اس سے قبل مبہم ہو اسے ظاہر کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو مرنے کے بعد اٹھائے گا مومن ہو یا کافر، تاکہ اس کی شان ظاہر ہو ان پر جو الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ اہلِ ایمان کے ساتھ اختلاف کرتے فِيْهِ اس کے متعلق جو بعث و جزا کے اثبات میں انھیں حق بتایا گیا۔ اسی طرح شرعِ مبین کے دوسرے مسائل جن میں اُنھوں نے اہلِ اسلام کے ساتھ اختلاف کیا۔

Scanned with CamScanner

سوال: مشرکین چونکہ منکر تھے ان کے لیے تو اظہار کی ضرورت تھی مگر اہلِ ایمان کے لیے کیوں؟ جبکہ وہ تو اس پر ایمان رکھتے تھے۔

جواب: اگرچہ ان کو اس کا علم تھا تاہم اس اضافہ سے انہیں علم الیقین بلکہ عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہوگا تاکہ انہیں احوال کی حقیقت کا مشاہدہ اور ان کی صورِ حقیقیہ کا معاینہ ہو۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں اور مشرکین اور منکرینِ بعث ونشر اور مکذبینِ وعدۂ حق کو علم ہو۔ قبور سے اٹھتے ہی انہیں یہ معلوم ہو جائے گا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ اس قول لا یبعث اللہ من یموت کے مطابق وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں بعث ونشر کی ایک حکمت یہ ہے کہ حق وباطل اور اہلِ حق و اہلِ باطل کے درمیان امتیاز ہو جبکہ اہلِ حق کو جزا اور اہلِ باطل کو سزا دی جائے گی۔

إِنَّمَا یہ ما کافہ ہے قَوْلُنَا یہ مبتدا ہے لِشَيْءٍ یعنی کسی شے کو، وہ چھوٹی ہو یا بڑی، جب ہمارا حکم ہوتا ہے۔ یہ لام تبلیغیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے، قلت لہ قم فقام۔

سوال: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معدوم پر بھی شے کا اطلاق جائز ہے جیسے آیت ہذا میں وجود سے قبل کی جملہ اشیاء کو شے کہا گیا ہے حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ اشیا معدومہ کو شے سے موسوم نہیں کیا جا سکتا۔

جواب: ان اشیاء معدومہ کو بوجہ تعلق بمشیت باری تعالیٰ کے شے کہا جا رہا ہے۔

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ ان معدوم اشیاء کو شے کہنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں کہ وہ عالمِ وجود میں آئیں گی اور جو اس کے علم میں نہیں اسے شے نہیں کہا جا سکتا۔

إِذَا أَرَدْنَاهُ یہ قولنا کا ظرف ہے یعنی وقت ارادتنا لوجوده جب ہم کسی شے کے وجود کا ارادہ کرتے ہیں أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے۔ یعنی اسے کہتے ہیں "ہو جا"۔ یہ کان تامہ ہے بمعنے الحدوث التام فَيَكُونُ فاء عاطفہ، اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ در اصل عبارت فنقول ذلك فيكون تھی یا شرط محذوف کی جزا ہے یعنی فاذا قلنا ذلك فهو يكون و يحدث بعد ذلك۔ یہ کلام سرعتِ ایجاد سے مجاز ہے یعنی اللہ تعالیٰ پر کسی شے کی ایجاد مشکل نہیں اس میں اس کی قدرت کی تاثیر کا بیان ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی مطاع اپنے مطیع کو حکم دے تو وہ فوراً اس کی اطاعت کرے۔ اس میں غائب کو شاہد کی تمثیل میں سمجھایا گیا ہے۔ یعنی جیسے کسی کا فرمانبردار غلام اپنے آقا کے حکم کو سنتے ہی بلا توقف وتاخیر عمل کرتا ہے ایسے ہی یہاں سمجھو اور یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے کہ یہاں نہ قول نہ مقول لہ، نہ آمر نہ مامور، جیسے محسوسات میں ہوتا ہے۔ اس سے دو سوالوں کا رد ہو گیا (۱) اس میں خطاب معدوم (۲) تحصیل الحاصل لازم آتی ہے۔ خطاب معدوم کی تقریر ظاہر ہے کہ اشیا جب تھیں ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے كُنْ کس سے کہا۔ دوسرا سوال یہ کہ اگر وہ پہلے موجود تھیں تو پھر کُن کہنے سے تحصیل الحاصل لازم آئے گی۔ جواب اوپر گزرا۔ وہ یہ کہ ہم نے پہلے کہہ دیا کہ یہ صرف سمجھانے کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ وہاں نہ قول نہ مقول لہ وغیرہ۔

Scanned with CamScanner

خلاصہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یہ کمال ہے کہ وہ معدوم کو موجود فرمانے میں دیر نہیں فرماتا تو پھر اس کے لیے قیامت میں اٹھانے میں کون سی شے مانع ہے حالانکہ یہ اس کے مقدورات میں ایک معمولی سے بہے سے

آنکہ پیش از وجود جاں بخشد

ہم تواند کہ بعد ازاں بخشد

چوں در آورد از عدم بوجود

چہ عجب باز اگر کند موجود

[ترجمہ: وہ ذات جو وجود سے پہلے جان بخشتی ہے اسے قدرت ہے کہ وہ وجود کو جان بخشے جب اس نے عدم سے اشیاء کو وجود بخشا پھر تعجب کیوں کہ وہ مارنے کے بعد زندہ فرمائے]

ف: فخر الاسلام رحمہ اللہ اور دیگر علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں کلام سے اس کی حقیقت مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ اشیاء کو لفظ کن فرما کر پیدا فرماتا ہے اگرچہ اس کے لیے اس کی ضرورت بھی نہیں اور وہ چاہے تو دوسرے کلمہ سے تخلیق فرمائے یا بغیر کسی کلمہ کے ایجاد فرمائے اب معنی یہ ہوا کہ معدوم شے کو فرماتا ہے کن۔ اس کے بعد وہ شے موجود ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: یاد رہے کہ اس کلمہ کن سے بھی کلام نفسی مراد ہے کیونکہ اس کا کلام حروف و اصوات سے منزہ ہے اس کے کلام کو لفظوں کی ضرورت نہیں کیونکہ کلام لفظی حروف و اصوات سے مرکب ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر کلام مرکب حادث ہوتا ہے اور حدوث اس ذات کے لیے محال ہے

صاحب روح البیانؒ کے مرشدؒ کی تقریر دلپذیر میرے صاحب روح البیان کے شیخ و مرشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ان اللہ فرد یحب الفرد بے شک اللہ تعالیٰ فرد اور فرد کو پسند کرتا ہے اس قول مبارک میں لفظ فرد تثلیث کو چاہتا ہے اور تثلیث سے ذات وصفت وفعل مراد ہے اور امر کی بنا اسی تثلیث پر ہے انما قولنا لشئ اذا اردنٰه ان نقول له كن فيكون میں بھی اسی تثلیث کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ذات کا ہونا واضح ہے اور ارادہ و قول اس کے فعل و صفت پر دلالت کرتے ہیں اگرچہ قول کا تقاضہ یہ ہے کہ جس سے قول ہو وہ سامنے موجود ہو لیکن ہم نے اس سے مجازی معنیٰ لیا ہے وہ یہ کہ موجد اسم فاعل کا موجد اسم مفعول سے تعلق یعنی ہویت کی تاثیر اور اس کی صفت وفعل کا ظہور موجد مخلوق میں ہو ملا اس دقیق تقریر کو خوب یاد کیجیے۔

نیز فرمایا کہ روح بارش کے قطرہ کے ساتھ نازل ہوتا ہے پھر جس تعین کے لیے اس کا تعلق ہوتا ہے اسی سے متعلق ہو جاتا ہے ایسے ہی جب رحم میں انسانی ڈھانچہ کی تکمیل ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ روح پھونکتا ہے یعنی روح کا تعین ظہور اسی ڈھانچہ کے لیے ہوتا ہے اس کی مثال آگ کی چنگاری ہے کہ جب اسے جلایا نہیں جاتا تو وہ ایک غیر متعین شے ہے لیکن جب پھونک ماری جاتی ہے تو وہ چنگاری شعلہ زن ہو کر مختلف تعینات میں ظہور پذیر ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نفخ روح کی حقیقت کا سمجھنا ہمارے بس میں نہیں اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور تعلق قدرت بالمعدومات اور بعد الموت کے عذاب کی کیفیت میں بحث چھیڑنا حماقت ہے۔

Scanned with CamScanner

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ
اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ
فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى
مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝
يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور وہ لوگ جنھوں نے مظلوم ہو کر اللہ کے لیے اپنا وطن چھوڑا دُنیا میں ہم انھیں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور بیشک آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش انھیں معلوم ہوتا۔ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور اپنے پروردگار پر ہی توکل کرتے ہیں۔ اور آپ سے پہلے ہم نے نہیں بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمھیں علم نہ ہو۔ انھیں روشن دلیلیں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وہ مضامین واضح طور پر بیان فرمائیں جو ان کی طرف اترے تاکہ وہ غور و فکر کریں تو کیا وہ لوگ جو بری تدبیریں کرتے ہیں اس سے بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسے موقع پر نازل ہو جس کا انھیں خیال بھی نہ ہو۔ یا انھیں چلتے پھرتے پکڑ لے۔ سو یہ خدا کو تھکا نہیں سکتے یا انھیں گھٹاتے گھٹاتے گرفتار کر لے۔ سو بیشک تمھارا پروردگار بڑا مہربان رحم والا ہے کیا انھوں نے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں بائیں جھکتے ہیں اور وہ اس کے حضور میں عاجز و ذلیل ہیں اور زمین و آسمان میں ہر چلنے والا اللہ تعالےٰ کو سجدہ کرتا ہے اور فرشتے بھی۔ اور وہ غرور نہیں کرتے اور وہ اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں جو ان پر ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور رضا کو مدنظر رکھ کر اس ارادہ پر ہجرت کی کہ اس کی طاعت اسی میں ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا یعنی جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اہلِ مکہ نے ظلم کیا اور انھیں مکہ معظمہ سے نکلنے پر مجبور کیا تو پہلے حبشہ کو پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے

Scanned with CamScanner

اور انھیں دو ہجرتیں نصیب ہوئیں۔ اس سے مطلقاً اہلِ ہجرت مراد ہے کیونکہ یہ سورۃ مکیہ ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں پر اہلِ مکہ مسلسل ظلم کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کی زمین میں متفرق ہو کر پھیل ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ تمھیں ایک جگہ پر جمع فرمائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم کہاں چلے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ حبشہ کو چلے جاؤ کیونکہ وہاں کا بادشاہ بہت اچھا آدمی ہے۔ اس کی سلطنت میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا اور یہ زمین صدق وسلامتی سے پُر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ تمھیں ان تکالیف اور مشقتوں سے بچا کر فرحت و سرور بخشے گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سن کر چند گنتی کے افراد ہجرت کر گئے۔ بعض محدثین نے فرمایا وہ اسّی سے کچھ اُوپر تھے۔ کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلے گئے۔ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ بی بی رقیہ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہجرت کی۔ اس طرح بعض مع اہل وعیال گئے بعض اکیلے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو محض دین کو بچانے کی نیت پر ہجرت کرے اگرچہ ایک بالشت بھر۔ تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور قیامت میں اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور محمد [مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم] کی رفاقت نصیب ہوگی۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ البتہ ہم انھیں بہتر جگہ سے سرفراز فرمائیں گے **فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً** دنیا میں بہتر منازل سے۔ مفسرین نے فرمایا: اس سے مدینہ منورہ مراد ہے۔ چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان مہاجرین کو مدینہ طیبہ کی سکونت کا شرف بخشا اور انھیں فتح ونصرت سے نوازا۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: بوأہ منزلا بمعنے انزلہ اور المباءۃ المنزل۔ حسنۃ منصوب علی الظرفیہ ہے یا لنبوئنھم کا مفعول ثانی ہے اگر اسے بمعنے لنعطینھم مانا جائے۔

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ اور وہ اجر جو ان کے لیے آخرت میں تیار کیا گیا وہ ان کی ہجرت سے **أَكْبَرُ** بہت بڑا ہے کیونکہ ہجرت کے فوائد انھیں دنیا میں نصیب ہوئے اور دنیا سے آخرت کے فوائد کہیں زیادہ اور بڑھیا ہیں۔

ف: یہاں وقف لازم ہے اس لیے کہ **لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ** کا جواب محذوف ہے اور یہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اگر ان کافروں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو دنیا وآخرت کی بہت بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا تو وہ ان کی موافقت میں دینِ اسلام کو قبول کرتے اور ضمیر جمع کو مؤمنین کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے اب معنی یہ ہوگا کہ اگر اہلِ ایمان مہاجرین کو معلوم ہوتا کہ مشاہدہ ربانی میں کتنا سرور وراحت ہے تو مجاہدہ اور صبر علی التکالیف میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور چاہتے کہ وہ زندہ درگور ہو جائیں۔ کیونکہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" سنی سنائی خبر آنکھوں دیکھے حال کا کب مقابلہ کر سکتی ہے۔

الَّذِينَ اس سے اہلِ ایمان مہاجرین مراد ہیں یعنی جن لوگوں نے **صَبَرُوا** یعنی حرمِ الٰہی جیسے محبوب وطن کی مفارقت پر صبر کیا کیونکہ جب اس حرم شریف کی محبت ہر انسان کے دل میں گھر کیے ہوئے ہے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کا گھر ہی حرم حق میں تھا۔

Scanned with CamScanner

حُبِّ مکہ معظمہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ طیبہ کو روانہ ہونے لگے تو مکہ معظمہ کو دیکھ کر رو پڑے اور فرمایا میں تیرے سے جدا ہو رہا ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مکرم شہر ہے اگر تیرے مکین مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو بخدا میں تجھے ہرگز چھوڑ کر نہ جاتا حضرت جامی نے فرمایا ؎

خشتاب ساربان کہ مرا پائے در گلست
در گردنم ز حلقۂ زلفش سلاسلست
تعجیل می کنی تو و پایم نمی رود
بیرون شدن ز منزل اصحاب مشکلست
چوں عاقبت ز صحبت یاراں بریدنیست
پیوند با کسے نکند ہر کہ عاقلست

[ترجمہ: اے ساربان آہستہ چل اس لیے کہ میرے پاؤں کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں اور میری گردن میں محبوب کی زلف کی زنجیر ہے تو جلدی کر رہا ہے اور میرے پاؤں نہیں چل سکتے اسی لیے گھر سے باہر جانا نہایت مشکل ہے لیکن جب کہ یاروں سے جدائی ضروری ہے اسی لیے کسی کے ساتھ تعلق جوڑنا دانا کا کام نہیں]

ف : اس طرح ان لوگوں نے اہل و عیال کی جدائی اور کفار کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں ارواح قربان کرکے صبر کیا وغیرہ وغیرہ۔

وَعَلٰی رَبِّهِمْ اور وہ صرف اپنے رب تعالیٰ پر يَتَوَكَّلُونَ توکل کیا اور غیروں سے انقطاع کلی اور ماسوی اللہ سے بالکل فراغت پائی بلکہ اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیے۔

نکتہ : مضارع بمعنے ماضی ہے تاکہ ان کے توکل کی صورت بدیعہ کا نقشہ ذہنوں میں مکمل طور پر اتر آئے۔

تفسیر صوفیانہ والذین ھاجروا فی اللہ اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے ابدان کو ان امور سے روکا جن سے شریعت پاک نے روکا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ رعایت طریقت کی وجہ سے قلوب کو حظوظ اخرویہ سے منع کیا اور ارواح کے ساتھ جذبات حقیقیہ کے سبب سے مقامات قربت و رؤیت کرامات سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کی بلکہ وہ وجود مجازی سے فارغ ہو کر بحرالوجود الحقیقی میں ایسے فنا ہوئے کہ ان میں سوائے ذات حق کے اور کوئی شے باقی نہیں رہی من بعد ما ظلموا بعد اس کے کہ وہ اسفل السافلین کی طرف لوٹائے گئے۔ لنبوئنھم ہم بھی انھیں دنیوی زندگی میں ہی اقرب القرب کے اعلیٰ مقام میں جگہ دیں گے ولاجر الاٰخرۃ اور دنیا سے خروج اور اوصاف بشریہ کی قید سے نجات پانے کا اجر اکبر اعظم اصفیٰ اور خوشگوار تر ہے۔ اس سے وہ اجر مراد ہے جس سے انھیں دنیا میں مراتب و کمالات نصیب ہونے لو کانوا یعلمون اگر انھیں اپنی قدر و منزلت معلوم ہوتی تو اس کا شکر ادا کرتے الذین صبروا وہ لوگ جنھوں نے اوامر الٰہی کے سامنے سر جھکایا اور نواہی بازی

Scanned with CamScanner

سے رُک گئے اور مشاہدات و مواصلات کے حصول کے ارادے پر مجاہدات و تکالیف و شدائد پر صبر کیا و علی ربہم یتوکلون اور طلب حق میں صبر کیا اور ذاتِ حق کے وجدان کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔

خلاصہ یہ کہ یہ لوگ صبر سے سیر الی اللہ کی طرف اور توکل سے ترقی کے منازل طے کر گئے اور ذاتِ حق میں فانی ہو کر لانہایۃ حیرۃ میں الی الابد متحیر ہو گئے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدہ صوفیانہ جو ذاتِ حق پر توکل کرتا اور صرف اسی کا ہو جاتا ہے تو اسے ہر معاملہ میں کفایت فرماتا ہے اگر کوئی شخص دنیا و اہل دنیا میں کھو گیا تو اس کا کام کبھی سرانجام نہ پائے گا اس لیے کہ اہل دنیا نفع پر قدرت نہیں پاتے اور نہ ہی وہ کسی بھلائی کو پہنچتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو۔

حکایت حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم مکہ مکرمہ میں تین روز مقیم رہے لیکن ہمیں کھانے کے لیے کچھ میسر نہ ہوا ہمارے سامنے والے مکان میں ایک درویش رہتا تھا اس کا پانی کا لوٹا ہمیشہ اس کے گھر میں لٹکا رہتا تھا اور ہم اسے کھانا کھاتے دیکھتے رہتے ایک دن میں نے انہیں عرض کی کہ ہم آپ کے مہمان ہیں انھوں نے فرمایا بہت اچھا جب شام کے کھانے کا وقت ہوا تو انھوں نے اپنی گدڑی سے دو درہم نکال کر دیے تاکہ ہم اس سے کھانا خریدیں میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کرامت کیسے حاصل ہوئی فرمایا اے ابو سعید صرف ایک حرف سے وہ یہ کہ دل سے مخلوق کے تصورات ہٹاؤ و پھر جو چاہو پاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا [اور ہم نے نہیں بھیجے]

شانِ نزول: جب مشرکینِ مکہ کو معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا اور انھیں دعوتِ اسلام پیش فرمائی اور عبادتِ الٰہی کا حکم فرمایا تو انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عظمت والا ہے اس کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اپنی توحید کے اعلان کے لیے کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے[1]۔ اگر اس نے رسول بھیجنا تھا تو فرشتہ بھیجتا، جو اس کے ہاں ہر وقت حاضر رہتے ہیں۔ ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی ہم نے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

مِنْ قَبْلِكَ امم ماضیہ میں آپ سے پہلے اِلَّا رِجَالًا مگر آدمی۔ ہم نے ملائکہ کو آدمیوں کا رسول بنا کر نہیں بھیجا۔

سوال: قرآن مجید میں ہے وجاعل الملائکۃ رسلا۔ اور ہم ملائکہ کو رسول بنا کر بھیجتے ہیں۔ یہ آیت مذکورہ آیت کے خلاف ہے۔

جواب: ملائکہ کرام بھی رسول ہیں لیکن ملائکہ کی طرف یا انبیاء کی طرف۔ وہ انسانوں کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے جاتے۔

قاعدہ: کوئی عورت بھی نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجی گئی اس لیے کہ عورت کو پردہ ضروری ہے اور نبوت کو کھلم کھلا تبلیغ ضروری ہے جو پردہ کے

---

[1] اس سے ہمیں مطعون کیا جاتا ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو بشر نہیں مانتے۔ یہ بہتانِ صریح ہے۔ ہم انھیں اپنے جیسا بشر نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی بشریت اتنی پاکیزہ ہوتی ہے کہ جلوہ ہائے حق سے متجلی ہو کر نورٌ علیٰ نور ہو جاتی ہے۔ بایں معنیٰ ہم انھیں بشر بھی مانتے ہیں اور نور بھی ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

منافی ہے۔

قاعدہ : کوئی لڑکا غیر بالغ بھی نبی یا رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

سوال : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت ملی یہ تمہارے قاعدہ کے منافی ہے۔

جواب : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جمہور امت نے اس قاعدے سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

ازالۂ توہم بعض لوگوں نے نبوت کے لیے چالیس سال کی شرط لگائی ہے ابن الجوزی نے فرمایا ، یہ شرط لیس بشئٍ ہے۔ [کوئی شے نہیں]

نُوْحِیْٓ اِلَیْہِمْ ملائکہ کرام کے ذریعے ہم ان کے ہاں وحی بھیجتے ہیں یہ قاعدہ اکثریہ ہے کہ اکثر طور انبیاء علیہم السلام کو وحی ملائکہ کے ذریعے پہنچی۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ نبوت ، رسالت ، ولایت قلوب میں امانت رکھی جاتی ہے جن قلوب کو تجارت اور دیگر کاروبار ذکر الٰہی سے غافل نہ کر سکیں ۔

نہ ہر کس سزاوار باشد بصدر

کرامت بفضلست و رتبت بقدر

[ترجمہ : ہر شخص سرفرازی کے لائق نہیں اس لیے کہ کرامت فضل اور رتبہ قدر کے مطابق ملتا ہے]

فَسْئَلُوْٓا اگر اے قریشِ مکہ ! تم شک کرتے ہو تو دریافت کرو اَھْلَ الذِّکْرِ اہلِ کتاب کے علماء سے وہی تمہیں بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے امم ماضیہ میں جتنے انبیا علیہم السلام بھیجے وہ تمام بشر تھے۔

سوال : اہلِ کتاب کے علماء سے پوچھنے کا حکم فرمانے میں کیا حکمت ہے ؟

جواب : چونکہ مشرکینِ مکہ اپنے بعض امور میں اہل کتاب کے علماء سے مشورہ لیا کرتے تھے اسی لیے اتمامِ حجت کے طور فرمایا کہ ان سے ہی دریافت کرو۔ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اگر تم اس مسئلہ کو نہیں جانتے۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو علماء کرام کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے

حکایت : حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اتنا بہت بڑا علمی مرتبہ کیسے پایا جب کہ آپ تمام اصول و فروع پر حاوی ہیں آپ نے یہی آیت پڑھی یعنی انسان پر لازم ہے کہ کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو علماء کرام سے پوچھنے سے عار نہ کرے۔

حدیث شریف : حکمت مومن کا گم شدہ سامان ہے وہ اسے جہاں پائے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

سبق : مومن پر لازم ہے کہ حکمت کو ایسے تلاش کرے جیسے گمشدہ سامان بڑی جدوجہد کر کے تلاش کیا جاتا ہے۔

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ معجزات وکتب کے ساتھ ۔ یہ باء فعل مقدر کے متعلق ہے اور سوال کا جواب ہے ۔سوال یہ ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کیا کیا دے کر بھیجے گئے ؛ جواب دیا گیا بالبینٰت والزبر یعنی وہ معجزات وکتب دے کر بھیجے گئے۔ البینات البینہ بمعنے الواضح ۔ اور الزبر الزبور بمعنے المزبور یعنی المکتوب کی جمع ہے ۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ

Scanned with CamScanner

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل فرمایا اور قرآن کو ذکر سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ غافلین کے لیے تنبیہ و تذکیر ہے یعنی وہ ذکر کا سبب ہے اطلاق المسبب علی السبب کے قبیل سے ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تاکہ آپ ہی تمام عرب و عجم کے لوگوں سے بیان فرمائیں مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ جو اس قرآن مجید میں احکام و شرائع وغیرہ ہیں۔ یعنی امم ماضیہ کے مختلف عذابوں سے تباہ و برباد ہونے کے واقعات اور ان کے وہ اعمال جو ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کے سبب بنے۔ آپ انھیں تفصیل کے ساتھ بتائیں تاکہ ان کی تسلی و تشفی ہو جائے۔

سوال: تم نے تفصیل کی قید کیوں لگائی حالانکہ قرآن مجید میں تفصیل کا ذکر نہیں۔

جواب: تبیین و نزل دونوں تفعیل کے باب ہیں اور تفصیل اس باب کے خواص میں سے ہے۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ التفکر یعنی تصرف القلب فی معانی الاشیاء لدرک المطلوب۔ مطلوب کے حصول کے لیے قلب کے معانی اشیاء میں متصرف ہونے کو تفکر کہا جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قرآن مجید کے نزول کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ جو کچھ آپ سے قرآن مجید کا بیان اور اس کے احکام سنتے ہیں ان میں غور و فکر کریں کہ آپ باوجودیکہ اُمّی ہیں اور آپ نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا اور نہ ہی کتب منزلہ کا مطالعہ کیا نہ سنا لیکن جب بیان فرماتے ہیں تو آپ کا بحرِ علم ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے جسے سن کر بڑے بڑے دانشور انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ آپ انہیں نورِ ذکر سے بہرہ ور فرمائیں تاکہ آپ کے غلام ذکر پر مداومت و مواظبت کریں جس کی برکت سے ان حضرات کے مقام کو پہنچیں جو آپ کی متابعت اور آپ کی سنّت پر چلتے ہیں۔

نسخہ جات برائے جلاء القلوب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاء قلب کا نسخہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تین باتوں سے دل کو جلاء نصیب ہوتی ہے:

۱۔ ذکر الٰہی سے

۲۔ تلاوتِ قرآن سے

۳۔ درود شریف سے

ف: خیر الاذکار کلمہ توحید ہے حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیمار قلب پانچ چیزوں سے تندرست ہوتا ہے:

۱۔ تدبر کے ساتھ تلاوت القرآن

۲۔ پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا

۳۔ قیام اللیل

۴۔ سحر کے وقت تضرع الی اللہ

۵۔ صحبتِ صالحین۔

Scanned with CamScanner

ف: اذکار الافکار میں ہے کہ افضل الذکر تلاوتِ قرآن ہے اور غیر ماثورہ ادعیہ کے پڑھنے سے افضل ہے۔ اور ادعیہ ماثورہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ادعیہ ماثورہ پڑھنا تلاوتِ قرآن سے افضل ہے۔ بعض نے کہا تلاوتِ قرآن افضل ہے۔

مسئلہ: نفائس المجالس میں ہے کہ تدبر و تفکر کا وجوب یاایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا سے ثابت ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لفظ اٰمنوا کے تکرار سے قلب کو مضبوط کرنے اور تجدید ایمان کا حکم فرمایا۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف جددوا ایمانکم بقول لا الٰہ الا اللہ۔ یعنی ایمان کو لا الٰہ الا اللہ سے تازہ کرو۔

ف: بعض مشایخ فرماتے ہیں: حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بھی ضعیف ہو جاتا ہے اور اس کے ضعف کا سبب زوالِ حُبِ الٰہی ہے اور اس کی تجدید توحیدِ حق سے ہوتی ہے۔

ف: کلمہ توحید نفی و اثبات سے مرکب ہے۔ نفی میں ماسوی المعبود اور اثبات میں ماھو المقصود کی طرف اشارہ ہے اسی سے ہی مرصد کمال شہود تک پہنچتا ہے اور یہ مرتبہ نورِ تلقین اور صادقین یعنی اولیاء کاملین کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: وکونوا مع الصادقین۔

ف: اولیاء کی صحبت دو قسم ہے

۱۔ ظاہری یعنی اہل صدق اولیاء کی مجلس میں حاضری کا لزوم و دوام۔

۲۔ معنوی یعنی ان کے اسرار و رموز کا حصول اور ان سے مناسبت معنوی پیدا کرنا یعنی کسی ایک ولی کامل کے ساتھ قلبی رابطہ قائم کرنا ہے

ز من اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر و روشن نتابد

[ترجمہ: اے دوست میری ایک نصیحت مان لے کسی صاحب دولت یعنی ولی کامل کے آستان پر بیٹھ جا کہ جب تک قطرہ صدف میں نہیں پہنچتا اس وقت تک نہ وہ قطرہ موتی بنتا ہے نہ وہ چمک سکتا ہے]

ف: اہلِ دعوۃ پر صرف اتنا ضروری ہے کہ وہ حق لوگوں تک پہنچا دیں اور واضح طور پر انہیں دلائل دے کر بتا دیں پھر اس دعوت کے مطابق عمل کرنا بندوں پر واجب ہے اور ان پر فرض ہے کہ جو کچھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم لائے ہیں انہیں دل و جان سے قبول کریں بلکہ اپنی جمیع مشکلات صاحبِ دعوت یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لے جائیں یا ان کے وارثین کاملین اولیاء کو عرض کریں اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ انہیں وہ علوم نصیب ہوں گے جن کا انہیں وہم تک نہ تھا اور وہ علمی و عملی کمالات تک پہنچیں گے اور نزول قرآن سے جو مقصد اصلی تھا وہی ان کو حاصل ہو جائے گا مبارکباد کے مستحق ہیں وہ حضرات جو جنان کے درجات پر فائز اور رویت حق سے مشرف ہوں گے۔

Scanned with CamScanner

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ ان سے اہلِ مکہ مراد ہیں اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکر و فریب کیا بلکہ اسی کوشش میں رہے کہ ان پر کوئی بھی ایمان نہ لائے اور انھوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ یہ فاء عاطفہ ہے۔ اس کا فعل مقدر پر عطف ہے اور انکار دونوں معطوفوں کی طرف اکٹھا ہی متوجہ ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ کیا انھوں نے غور و فکر نہیں کیا، کیا امن میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے بڑے دھوکے اور فریب کیے۔ جن کے حالات تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ اور السیّاٰت کا موصوف محذوف ہے۔ یہ دراصل المکرات السیّاٰت تھا۔ یا السّیّاٰت، مکروا کا مفعول بہ ہے بجکہ مکروا، فعلوا کے معنےٰ کو متضمن ہو۔ اب عبارت یوں ہوگی، فعلوا السیّاٰت وعملوا الکفر والمعاصی۔

اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ یہ اٰمِنَ کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے یہاں تک کہ غرق ہو کر زمین کے نچلے حصے میں پہنچ جائیں جیسے قارون اور اس کے ساتھیوں سے ہوا۔

اَلجوبہ: کرگی زمین پر دونوں پاؤں سے نہیں چلتی اس خطرہ سے کہ وہ زمین میں نہ دھنس جائے اگر چلتی ہے تو نہایت آہستہ۔

سبق: ایک جانور کہ جب دھنسنے کا ہر وقت خوف ہے تو جو انسان زمین پر غافل ہو کر بے دھڑک زندگی بسر کرے تو وہ عاقل نہیں بلکہ جاہل ہے۔

اَوْ یَاْتِیَہُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔ یا انہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب گھیرے کہ وہ ایسے حال میں ہوں کہ انھیں خبر بھی نہ ہو ؂

دیدی آں قہقہۂ کبک خراماں حافظ
کہ ز سر پنجۂ شاہین قضا غافل بود

[ترجمہ: اس کبک خراماں کے قہقہہ کو دیکھئے کہ وہ شاہین قضا کے سر پنجہ سے کتنا غافل ہے]

اَوْ یَاْخُذَہُمْ فِیْ تَقَلُّبِہِمْ ۔ تقلب بمعنی گھومنا پھرنا قاموس میں ہے تقلب فی الامور۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو جیسے چاہے تصرف کرے۔ اب معنےٰ یہ ہوگا کہ کفار کو دیکھئے کہ وہ زمین کی سیر و سیاحت اور کاروبار تجارت اور اسباب دنیا میں کیسے گھوم پھر رہے ہیں انہیں خیال تک نہیں گزرتا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس حالت میں پکڑ لے گا۔

ف: سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا اَوْ یَاْتِیَہُمُ الخ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ گرفت حالت نوم و سکون میں ہوا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ عذاب آسمان سے نازل ہوا اور یاخذھم الخ سے معلوم ہوتا کہ ان کو یہ حالت بحالت بیداری اور کاروبار میں مصروفیت کے وقت ہو کما قال:

فجاءھم باسنا بیاتا اوھم قائلون ان کے ہاں ہمارا عذاب آئے رات کو یا اس حال میں کہ وہ دوپہر کو آرام کر رہے ہوں۔

فَمَا ہُمْ بِمُعْجِزِیْنَ اور وہ نہیں اللہ واحد قہار کے عذاب سے نجات پانے والے اور وہ نہیں اس کی قضا و قدر سے بچ کر نکلنے والے۔ یہ اس لیے فرمایا تاکہ وہم نہ ہو کہ جب وہ لوگ گھومتے پھرتے اور مختلف علاقوں میں چلے جاتے ہیں تو ممکن ہے وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب اس کی گرفت کرتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔ (۱)

یعنی اسے مہلت دیتا اور اس کی عمر بڑھاتا ہے تاکہ ظلم میں اضافہ کرے جب اسے پکڑتا ہے تو اس کی سخت گرفت کرتا ہے اور پکڑنے کے بعد پھر نہیں چھوڑتا اور نہ ہی اسے کوئی چھڑا سکتا ہے۔

ف: حدیث شریف میں مظلوم کو تسلی اور ظالم کو وعید سنائی گئی ہے تاکہ ظالم مہلت پانے پر مغرور نہ ہو حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

مہا زور مندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط می نماند جہاں
نمی ترسی اے گرگ ناقص خرد
کہ روزے پلنگیت برہم درد

[ترجمہ: اے سردار غریبوں پر ظلم مت کر اس لیے کہ وقت برابر نہیں رہتا اے بے عقل بھیڑیا تو ڈرتا نہیں کہ کبھی تجھے بھی چیتا پھاڑ ڈالے گا]

اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ قاموس میں ہے کہ تخوف الشئ بمعنے تنقصهٗ۔ اس کی مثال میں آیت کا یہی جملہ پیش کیا گیا ہے۔

حکایت: ایک اعرابی کسی سے ملا تو اس سے سوال کیا ما فعل دینك۔ اس کے جواب میں کہا تخوفتہ بمعنے تنقصتہ۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)
اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں پکڑے بایں طور کہ انہیں نقصان میں مبتلا کر دے کہ کبھی موت کا شکار ہوں تو کبھی احوال میں کمی واقع ہو جائے یہاں تک کہ تھوڑا تھوڑا کر کے انہیں تباہ و برباد کر دے یعنی ان پر یک بارگی تباہی و بربادی نہ ہو بلکہ آہستہ آہستہ عذاب میں مبتلا ہوں خلاصہ یہ کہ پہلے جملے میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یک بارگی پکڑنا بھی آتا ہے اور تھوڑا تھوڑا عذاب دے کر بھی۔ مختصر یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ وہ جس طرح چاہے کفار کو تباہ و برباد کرے چاہے ان مذکورہ تینوں طریقوں میں سے ایک طریقہ اختیار کرے چاہے ان کے علاوہ دوسرے طور طریق سے دشمنوں کو ہلاک اور برباد کرے۔

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بے شک تمہارا رب رؤف و رحیم ہے اسی لیے تمہارے عذاب میں جلدی نہیں کرتا باوجودیکہ تم عذاب کے مستحق ہو لیکن اس کی رافت تمہیں بچاتی اور اس کی رحمت تمہاری نگرانی کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ کریم اپنے بندوں کے لیے رؤف ہے کہ انہیں حسنِ استعداد سے نوازا۔ اور ان کے لیے رحیم ہے کہ معاصی و جرائم کے ارتکاب سے استعداد کو ضائع کر دینے کے باوجود بندوں کی بہت جلد گرفت نہیں فرماتا بلکہ اگر تائب ہوں تو ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور پھر اسی بندے کو فضل و کرم اور احسان سے نوازتا ہے اور تخوف سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے نیک اعمال کے باوجود ان کی گرفت ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے اعمال میں ریا ہو گا یا اعمال صالح مبنی بر شہوات نفسانیہ ہوں گے اور عذاب الٰہی سے مراد یہ ہے کہ بندے کو مقبولیت حق اور بلند مراتب کے حصول سے محروم کر دیا جائے گا۔

Scanned with CamScanner

ف : عاقل وہ ہے جو اپنے جملہ امور میں ہوشیاری سے کام لے بلکہ سیئات سے دور بھاگے کیونکہ کیا معلوم کہ عذاب الٰہی کا نزول کس عمل سے ہوتا ہے۔

ف : اور سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو نہ اپنے نفس کی شرارت سے واقف ہے اور نہ حق تعالیٰ کے آداب کو مدِ نظر رکھتا ہے بلکہ وہ اپنے ارادوں پر زندگی بسر کر رہا ہے مثلاً کسی مرتبہ علیا پر فائز ہے اور گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی گرفت نہیں کرتا تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کی قبولیت کی دلیل ہے حالانکہ اس کی گرفت میں تاخیر اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے مہلت دی گئی ہے تاکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے لیکن اس نے جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے دوسرے معنی پر محمول کیا یہ اس کے نورِ بصیرت بجھ جانے کی علامت ہے اسے طریقت میں گستاخ الوہیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کی جہالت یوں ہے کہ جیسے وہ سمجھتا ہے کہ غلطی کے ارتکاب پر اگر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا تو اس سے وہ مرتبہ کیوں نہ چھین لیتا اس بے وقوف کو کیا خبر کہ اس سے چھین لیا ہو لیکن اسے خبر تک نہ ہو ورنہ کم از کم یہ نہیں سمجھتا کہ مقبولیت میں درجات شب و روز اضافہ ہوتا ہے اور یہاں تیرے لیے اضافہ کے بجائے ترقی رک گئی ہے ترقی کا رکنا بھی اس کریم کی ناراضگی کی علامت ہے اور یہی تیرے خسارہ کی دلیل ہے۔

بعض مشائخ نے اپنے مرید کو نصیحت کے طور فرمایا کہ بارگاہ حق کی ظاہری و باطنی بے ادبی و گستاخی سے بچنے کی کوشش کرنا اس لیے کہ جو اس بارگاہ کی ظاہری بے ادبی کرتا ہے تو اسے ظاہری سزا میں مبتلا کیا جاتا ہے اور جو باطنی بے ادبی کرتا ہے تو اسے باطنی سزا ملتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر بے ادب اور گستاخ الوہیت و نبوت و ولایت کو درگاہ حق سے دور کر دیا جاتا ہے اگرچہ وہ بہت بڑی نیکیوں سے آراستہ پیراستہ اور اپنے آپ کو قرب الی اللہ ہونے کا مدعی ہو اور وہ مردود اور راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی مقبول درگاہ سمجھتا ہو۔

نکتہ : حضرت رویم نے فرمایا عمل اگرچہ تھوڑا ہو لیکن ادب بہت زیادہ ہونا ضروری ہے انہوں نے عمل کو نمک سے اور ادب کو آٹے سے تعبیر فرمایا کما قال لابن خفیف "اجعل عملك ملحا و ادبك دقیقا" عمل اتنا ہو جتنا آٹے میں نمک اور ادب اس کے مقابل آٹے کی مقدار میں ہو۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

از خدا جوئیم توفیق و ادب
بے ادب محروم گشت از لطف رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ہر کہ نامردے کند در راہ دوست
رہزن مرداں شد و نامرد اوست

[ترجمہ: ہم اللہ سے ادب کی توفیق کی عرض کرتے ہیں بے ادب ہمیشہ لطف ربانی سے محروم ہوتا ہے بے ادب نہ صرف اپنے آپکو برباد کرتا ہے بلکہ اس کی نحوست کی آگ جملہ عالم کو لپیٹ لیتی ہے جو دوست راہ میں نامردی کرتا ہے وہ مردان خدا کا رہزن اور

بہت بڑا نام مراد ہے]

اے اللہ ہمیں اپنے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب کرنے والوں سے بنا۔[1]

اَوَلَمْ یَرَوْا یہ ہمزہ انکاریہ ہے اور درحقیقت نفی میں داخل ہے۔ قاعدہ ہے کہ انکار النفی سے نفی ہوتی ہے اور دوسرا قاعدہ ہے کہ نفی النفی سے اثبات حاصل ہوتا ہے اور یہاں رؤیت سے رویت بصریہ مراد ہے۔ اور رؤیت بصریہ سے تفکر ثابت ہوتا ہے اور ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کفار نے نہیں دیکھا۔ یعنی انھوں نے غور و فکر نہیں کیا۔ اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ یعنی جب انھوں نے ایسے صنائع دیکھے ہیں تو پھر غور و فکر کیوں نہیں کرتے تاکہ کمال قدرت الٰہی اور غلبۂ حق کا یقین کر کے اس سے ڈریں۔

مِنْ شَیْءٍ یہ ما موصولہ کا بیان ہے یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ تھوڑے تھوڑے سائے، ایک جانب سے دوسری جانب ڈھلتے ہیں یعنی جیسے اللہ خالق چاہتا ہے وہ اس کی حکمت کے مطابق چکر لگاتے ہیں۔

ف: تفیؤ کا باب افادہ کا مضارع ہو کر مستعمل ہے۔ تہذیب المصادر میں ہے کہ نصف النہار کے بعد سایہ کے رجوع کو عربی میں تفیؤ کہتے ہیں۔ اسی معنیٰ پر تفیؤ کا اطلاق دوپہر کے بعد یعنی شام کے سائے ڈھلنے کو کہا جائے گا۔ اس کی مثال یہی آیت یتفیؤ ظللہ ہے اور ظلال ظل کی جمع ہے بمعنے سایہ۔ یہ جملہ من شئ کی صفت ہے۔

ف: الارشاد میں لکھا ہے کہ اگرچہ ما موصولہ عموم کا مقتضی ہے لیکن یہاں پر جمادات مثلاً جبال، اشجار، احجار مراد ہیں کہ جن کے سایہ کا اثر سورج کے طلوع کے بعد چڑھتے اور ڈھلنے سے ظاہر ہوتا ہے اور حیوانات کا سایہ ان کے تحرک سے ظاہر ہوتا ہے حیوانات میں انسان بھی شامل ہیں[2] اور تبیان میں ہے کہ آیت میں صاحب سایہ سے اشجار اور مکانات مراد ہیں اس طرح ہر وہ جسم جس کے ساتھ سایہ قائم ہو۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ یہ یتفیؤ کے متعلق ہے۔ الشمائل شمال کی جمع ہے۔ اگر بالکسر ہو تو بمعنے ضد الیمین یعنی بائیں جانب۔ اگر بالفتح ہو تو اس کا معنیٰ ہے کہ وہ مقام جو مطلع الشمس و بنات النعش کے درمیان واقع ہے یا مطلع الشمس سے مسقط النسر الطائر تک کا مقام مراد ہے۔ (کما فی القاموس)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا کفار کو ان اشیا کو نہیں دیکھتے کہ جن کے سائے دائیں بائیں جانب ڈھلتے ہیں اور التبیان میں ہے کہ اشیاء کے سائے اول النہار دائیں جانب ہوتے ہیں اور آخر النہار بائیں جانب کہ جب کہ انسان متوجہ الی القبلہ ہو گویا اس میں انسان کی دائیں بائیں جانب سے استعارہ کر کے سایہ والی اشیا پر دائیں بائیں جانب کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سوال: یمین کو واحد اور شمائل کو جمع کر کے کیوں لایا گیا ہے؟

---

[1] صاحب روح البیان کی دعا سے گستاخانِ نبوت و صحابیت کو عبرت حاصل کرنی چاہیے ۱۲

[2] اس سے ہمارے حضور شفیع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں۔ تفصیل فقیر کی دیگر تصانیف میں ہے ۱۲ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

جواب: اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب دو علامتیں ایک شے میں جمع ہوں تو ایک کو لفظ کرکے دوسری پر اکتفا کیا جاتا ہے مثلاً وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم - ایسے ہی یخرجھم من الظلمات الی النور وغیرہ وغیرہ (کذا فی اسئلۃ المقحمۃ)

عجیب الشان تقریر آیت میں اشارہ ہے کہ مخلوقات دو قسم ہے:

۱۔ کسی شے کو درمیان میں واسطہ بنا کر پیدا کیا جائے جیسے عالم خلق اسے عالم اجسام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ کسی کے واسطہ کے بغیر شے کو پیدا کیا جائے جیسے عالم امر اسے عالم ارواح سے تعبیر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی تصریح فرمائی ہے کما قال تعالیٰ: الا لہ الخلق والامر۔

ف: عالمِ ارواح کو امر سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ زمانہ کی قید تعبیر امر کُن سے بلا واسطہ انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: خلقتك من قبل ولم تك شیئا - یعنی ہم نے تمہاری روح کو تمہارے جسم سے پہلے پیدا فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے: ان اللہ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی الف عام - بے شک اللہ تعالیٰ نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سُجَّدًا لِّلّٰہِ ان ظلال کا حال یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے ہیں یعنی اپنے گھٹنے بڑھنے اور دائیں بائیں ڈھلنے میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر چلتے ہیں وہ کسی قسم کی سرتابی نہیں کرسکتے جب کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم میں ہیں کہ جس طرح وہ چاہے اس طرح دائیں بائیں چلتے ہیں

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ [اور وہ اس کے حضور میں عاجز و ذلیل ہیں]

حلِ لغات: دخور بچوں منع وفرح از دخور و دخر بمعنے صغر و ذل و ادخرہ [ای اذلہ] (کذا فی القاموس)

یہ ظلالہٗ کی ضمیر سے حال ہے اور اس کی جمع باعتبار معنے کے ہے کیونکہ سایہ ہر ذی جسد کا ہوتا ہے وہ ذوی العقول ہو یا غیر ذوی العقول۔ اور صیغہ ذوی العقول لانے میں اشارہ ہے کہ دخور ذوی العقول کے خصوصیات سے ہے یا تغلیباً ذوی العقول کا صیغہ لایا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سایوں کا دائیں بائیں ڈھلنا ان کی فرمانبرداری کی دلیل ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے حکم پر چلتے ہیں اور ان سایوں کے اصحاب کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ہوئے اپنے آپ کو ذلیل کیفیت میں اس کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔

ربط: پہلے ان اجساد کے سجدے کا بیان تھا جو اجرام سفلیہ سے ہیں لیکن ثابتہ یعنی متحرک بالارادہ نہیں۔ اب ان کا ذکر ہو گا جو سایہ دار ہیں لیکن متحرک بالارادہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا: وللہ یسجد اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں۔ یعنی عجز و نیاز و خشوع و خضوع صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں، کسی دوسرے کے ساتھ ان کے سجدہ کو کوئی تعلق نہیں، نہ استقلالاً نہ اشتراکاً۔ یہ قصر قلب و افراد کے قبیل سے ہے۔

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وہ آسمانوں میں ہیں یعنی عالم علوی کی تمام مخلوق۔ اس تقریر پر سورج، چاند، ستارے اس میں داخل ہیں

Scanned with CamScanner

وَمَا فِي الْاَرْضِ اور وہ جو زمین کی مخلوق ہے مِنْ دَآبَّۃٍ ما فی الارض کا بیان ہے جیسا کہ واللہ خلق کل دابۃ من ماء سے ثابت ہوتا ہے کہ دابہ سے ہر شے مراد ہے جو زمین پر چلے اس لیے کہ آسمان کی مخلوق کو توالد و تناسل سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی قدموں سے چلتی ہے بلکہ وہ پروں سے اڑتی ہے۔

ازالۂ وہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آسمان کی مخلوق قدموں سے چلتی ہی نہیں۔ فقیر [اسماعیل حقی] کہتا ہے کہ قدموں سے چلنا اڑنے کے منافی نہیں اس طرح آسمانی مخلوق خصوصیت سے بعض ایسی ہے جو قدموں پر چلتی ہے اور جو مخلوق قدموں پر چلے اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کی تخلیق مادہ منویہ سے ہو اور ما عام ہے کہ وہ ذوالعقول ہو یا غیر ذوی العقول الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ چونکہ غیر ذوالعقول بہ نسبت ذوالعقول کے اکثر ہیں اسی لیے لفظ ما لایا گیا ہے۔

وَالْمَلٰٓئِکَۃُ اس کا عطف ما فی السمٰوٰت وما فی الارض پر ہے اور عام کے بعد خاص جبریل و میکائیل کے قبیل سے ہے محض ان کے اجلال شان و تعظیم کے لیے ہے وَهُمْ باوجودیکہ وہ عالیشان ہیں لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کر کے روگردانی نہیں کرتے، نہ ہی سجدے سے انہیں انکار ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔

ف: ہر شے اپنے شان و لائق اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہے جیسے ہر شے اپنے شان و لائق تسبیح کرتی ہے بعض زبان قال سے تسبیح کرتے ہیں اور بعض زبان حال سے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون زبان قال سے تسبیح کرتے ہیں اور کون زبان حال سے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں مسبح کردۂ ہر چیز را
ذات بے تمیز و باتمیز را
ہر یکے تسبیح بر نوعِ دگر
گوید او از حال آں ایں بے خبر
آدمی منکر ز تسبیح جماد
واں جماد اندر عبادت اوستاد

[ترجمہ: جب کہ تو نے ہر شے کو تسبیح کرنے والا بنایا ہے وہ بے تمیز ہے یا باتمیز ہر ایک کی تسبیح اپنی نوعیت کی ہے وہ بے خبر ہو کر ذات حق کی خبر دیتی ہے بعض آدمی جماد کی تسبیح سے منکر ہیں حالانکہ وہ جماد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرگرم ہے]

ف: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات حیوانات ہوں یا جمادات سب کو ان کے لائق سمع و بصر اور زبان اور فہم بخشا ہے جن کے ذریعے وہ کلام سنتے اور شواہد حق کو دیکھتے اور حق سے کلام کرتے اور اشارہ حق کو سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی مخلوق کا حال آیت ھذا وغیرہ میں بیان فرمایا ہے اور عالم عدم میں زمین و آسمان کو سمع بخشی جس سے انہوں نے کلام الٰہی سنا کہا قال ائتیا طوعا او کرھا پھر انہیں

Scanned with CamScanner

سمجھنے کی توفیق بخشی اور زبان عطا فرمائی۔ چنانچہ کلام مذکور سے کروش کی انتہا طائعین اس معنے پر ہر شے اپنی شان کے لایق زبان سے تسبیح کرتی ہے اور اسی شان کے لائق سربسجود ہوتی ہے۔ اسی لسان ملکوتی سے کنکریوں نے کلمہ پڑھا جسے ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرار دیا اسی قبیل سے ہے کہ تین پتھروں نے داؤد علیہ السلام سے گفتگو کی اور پہاڑ ان کے سامنے سر جھکا کر چلتے اور ان کے حکم کو مانتے۔ اللہ تعالے نے اس مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ اسی طرح ہر شے اللہ تعالی کو سجدہ کرتی ہے مگر ھم نہیں سمجھتے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اس آیت پر سجدۂ تلاوت ہے ان چودہ آیات تلاوت میں یہ تیسری آیت ہے حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فتوحات میں اس سجدے کو عالم بالا وادنیٰ سے تعبیر فرمایا کہ سب کے سب خدا تعالی کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہوئے سربسجود ہیں اسی لیے بندے پر بھی لازم ہے کہ ان کی اقتدا میں سربسجود ہو تا کہ یہ بھی ساجدین کے زمرہ میں شریک ہو۔

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ اپنے مالک امر سے خوف کرتے ہیں۔ یہ لا یستکبرون کی ضمیر سے حال ہے مِّنْ فَوْقِهِمْ یعنی اللہ تعالی کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے ڈرتے ہیں فوقھم سے باری تعالی کا قہر مراد ہے یعنی اس کے قہر کو مد نظر رکھ کر خوف زدہ ہیں۔ کما قال تعالی:

وھو القاھر فوق عبادہ۔ یعنی وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

اسی لیے ہم نے فوقھم سے قہر مراد لیا ہے۔ فوقھم' یخافون کا بدل ہے۔

ف: تبیان میں فوقھم کو یخافون سے حال بنایا گیا ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالی ان پر اوپر سے عذاب بھیج دے۔ بایں معنی فوقھم ظرف یخافون کے متعلق ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یخافون ربھم وہ اللہ تعالی سے ڈرتے ہیں کہ لائے عذاب فوقھم ان کے اوپر، اگر وہ اس کی نافرمانی کریں۔

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ اور وہی کرتے ہیں جو ان کا خالق انہیں حکم فرماتا ہے۔ اس کی طاعت کرو اور اس کی تقدیر کے سامنے سر جھکاؤ۔ اس کی طاعت سے سستی نہ کرو اور نہ اسے بوجھ سمجھو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ ملائکہ کرام بھی امر و نہی اور وعدہ وعید و خوف و رجا و دیگر احکامات کے مکلف ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ساتویں آسمان میں اللہ تعالی کے فرشتے ہیں کہ جب سے انہیں اللہ تعالی نے پیدا فرمایا وہ سربسجود ہیں اور قیامت تک سجدہ میں رہیں گے اللہ تعالی کے خوف سے ان کے کاندھے کانپ رہے ہیں جب قیامت آئے گی تو وہ سر اٹھائیں گے اور عرض کریں گے ماعبدناک حق عبادتک ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

اعجوبہ: لسان اشارہ میں یوں کہا گیا ہے کہ بارشیں اور پانی آسمان و زمین کے فرشتوں کے آنسو ہیں وہ اللہ تعالی کی معرفت جلال سے بقدر

Scanned with CamScanner

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ وَلَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ
ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ
يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ
نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ
سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ
كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي
التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ
الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو معبود مت ٹھہراؤ صرف وہی ایک معبود ہے ۔ بس مجھی سے ہی ڈرو اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی کا ہے اور صرف اسی کی فرمانبرداری لازم ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے ڈرو گے اور تمھارے پاس جو نعمت ہے تو وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو پھر اسی کی طرف پناہ لے جاتے ہو پھر جب وہ تم سے دُکھ ٹال دیتا ہے تو تم سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے تاکہ ہماری عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کریں تو چند روز عیش اڑا لو سو عنقریب معلوم کرلو گے اور یہ لوگ جو ہماری عطا کردہ نعمتوں میں سے ان کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کا انھیں علم ہی نہیں بخدا تم سے اس کا ضرور سوال ہوگا جو تم دنیا میں افترا بازیاں کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں مقرر کرتے ہیں اسی کو پاکی ہے اور اپنے لیے وہ جو ان کا جی چاہتا ہے اور جب ان میں سے کسی ایک کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے جس کی انھیں خوشخبری سنائی گئی اس کی برائی کے سبب سے قوم سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کیا وہ اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا ۔ خبردار یہ بہت بری تجویز کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کا برا حال ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان سب سے بلند و بالا ہے اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے ۔

(بقیہ تفسیر صفحہ گزشتہ) وسعت و طاقت خود فنا ہو کر رہتے ہیں ۔

سبق : انسان پر تعجب ہے کہ وہ باوجودیکہ گناہوں میں مستغرق ہے لیکن زمین پر ہنستا ہوا اکڑ کر چلتا ہے اسے کسی وقت بھی خوف خدا کا خیال نہیں آتا ۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ نے جمیع مکلف بندوں کو فرمایا کہ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ۔ اثنین الٰھین کی تاکید ہے۔ یعنی دو معبود نہ بناؤ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بے شک معبود صرف ایک ہے اور اس کا کوئی شریک ہے نہ شبیہ ؎

از ہمہ در صفات ذاتِ خدا
لیس شئ کمثلہ ابدا

[ترجمہ : ذاتِ خدا کی جملہ صفات میں کوئی مثل نہیں]

فَاِيَّايَ صرف مجھ سے فَارْهَبُوْنِ ڈرو وَلَهٗ اور صرف اسی کے لیے ہے مَا فِي السَّمٰوٰتِ وہ آسمانوں میں ہیں ملائکہ وَالْاَرْضِ اور زمینوں میں ہیں جن وانس وَلَهُ الدِّيْنُ اور اسی کے لیے ہر شے کی طاعت اور فرمانبرداری۔ وہ شے آسمانی ہے یا زمینی، اور ان کے مابین کی جملہ مخلوق اسی کی فرمانبردار ہے وَاصِبًا یہ دین سے حال ہے بمعنے واجب ثابت کہ اسے کسی قسم کا زوال نہیں اس لیے کہ صرف وہی معبود اور واجب الوجود ہے اس لائق ہے کہ صرف اسی سے ہی ڈرو۔ یہ وصب یصب وصوبا بمعنے دام وثبت سے ہے۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ یہ ہمزہ انکاریہ ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی: ابعد العلم بما ذکر۔ توحید اور خلقا وملکا ہر شے کا اسی کے ساتھ اختصاص کو جاننے کے بعد بھی کیا تم غیر اللہ کی اطاعت کرتے اور اس غیر سے ڈرتے ہو۔ وَمَا بِكُمْ اور وہ جو تمہارے ساتھ ملابس اور تمہارے مصاحب ہے مِنْ نِّعْمَةٍ جونسی نعمت ہو، جیسے دولت مندی اور صحت جسم اور خوشحالی وغیرہ فَمِنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ یہ ما شرطیہ یا موصولہ متضمن بمعنے شرط ہے باعتبار حصول کے نہیں بلکہ باعتبار اخبار کے۔ یعنی ان میں نعمتوں کا ہونا اخبار کے سبب ہے۔ یعنی خبر دی گئی ہے کہ تمام نعمتیں جو انھیں نصیب ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اس کی خبر دینا مطلوب نہیں کہ انھیں نعمتیں حاصل ہیں ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ پھر جب تمھیں دکھ یعنی فقر یا کوئی جسمانی بیماری اور قحط اور دیگر کوئی تکلیف معمولی یا زیادہ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ پھر اس کی طرف پناہ لیتے ہو اور عرض کرتے ہو کہ باری تعالیٰ! ہمارے دکھ درد ٹال دے۔

حلِ لغات : تجئرون، الجوار سے مشتق ہے بمعنے دعا واستغاثہ کے وقت آواز بلند کرنا۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ پھر جب اللہ تعالیٰ تم سے دکھ ٹالتا ہے تو اِذَا اچانک فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ تمہارا ایک گروہ یعنی کفار بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت کرکے شرک کرتے ہیں لِيَكْفُرُوْا تاکہ غیر اللہ کی عبادت کرکے کفر کریں بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ساتھ اس کے کہ ہم نے انھیں نعمت بخشی یعنی ان سے دکھ درد ٹالا۔ گویا شرک سے ان کی غرض وغایت کفرانِ نعمت کے سوا اور کوئی نہیں۔ لیکفروا کی لام میں استعارہ تبعیہ ہے اور لیکفروا کفران بمعنے ناشکری ہے۔ بعض نے لام عاقبت کی بتائی ہے۔ فَتَمَتَّعُوْا پس نفع پاؤ اپنی بقیہ عمر سے۔ یعنی عیش کرو اور متاعِ دنیا سے چندروز نفع حاصل کرلو۔ یہ امر تہدیدی ہے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تم اپنے انجام اور اس عذاب کو جو تمہارے اوپر نازل ہونے والا ہے

Scanned with CamScanner

عنقریب دیکھو گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارات ہیں۔ اکثر مخلوق غیر اللہ کی پرستش کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھہراتی ہے اور غیر اللہ سے مراد الھویٰ ہے۔ یعنی وہ شے جس کی طرف طبع مائل ہو اور نفس اپنی خواہش پوری کرانے پر مجبور کرے جس کی سے نہ معقول ہو نہ دلیل معقول۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افرأیت من اتخذ الٰہہ ھواہ۔

اسی لیے فرمایا، الٰھین اثنین اور نہ کہا جاتا: لا تتخذوا الٰھۃ۔ وہ اس لیے کہ بتوں کی پرستش بھی خواہش نفسانی کی وجہ سے ہوتی ہے

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما عبد اللہ ابغض علی اللہ من الھویٰ۔ — اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین غیر کی پرستش وہ ہے جو نفس کی خواہش سے ہو۔

پھر فرمایا:

انما ھو اللہ واحد۔ — بیشک تمہارا معبود وہی ایک ہے جس نے تمہاری خواہشات اور تمہارے خداؤں کو پیدا فرمایا۔

فایای فارھبون مجھ سے ڈرو اس لیے کہ میں ہی مستحق ہوں کہ میری طرف رجوع ہو میرے خوف کی وجہ سے۔ تمھیں خوف ہے تو نفس کی خواہشات اور معبودانِ باطلہ سے حالانکہ ان سے خوف بے سود ہے اس لیے کہ وہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔

حکایت کرامت ایک بزرگ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ دریا میں ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی میں اور میری زوجہ ایک تختہ پر دریا میں بہتے جا رہے تھے اسی اثنا میں میری عورت کو درد زہ شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے لڑکی پیدا ہوئی میری عورت نے چلا کر پکارا اور مجھ سے پانی مانگا اور کہتی تھی اگر مجھے پانی نہ ملا تو مر جاؤں گی میں نے اس سے کہا کہ ہمارے حال کو وہ ذات جانتی ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہمارے اس حال پر اللہ تعالیٰ کریم کو رحم آگیا میں نے جونہی اوپر کو دیکھا کہ ہوا میں ایک بزرگ بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر ہے اس نے اس زنجیر سے پانی کا لوٹا ہماری طرف لٹکا دیا اور لوٹا بھی یاقوت احمر کا تھا۔ وہاں سے فرمایا کہ اس سے سیر ہو کر پی لو ہم نے لوٹے کو پانی پیا جو عطر سے زیادہ خوشبودار اور برف سے سرد تر اور شہد سے بہت زیادہ میٹھا تھا میں نے پوچھا آپ کون ہیں انھوں نے فرمایا تیرے آقا کا غلام یعنی اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ۔ میں نے ان سے سوال کیا کہ آپ نے یہ مرتبہ کیسے پایا جواب دیا کہ ترک خواہشات سے یہ کہہ کر غائب ہو گیا انہیں آج تک میں نے کہیں نہیں دیکھا (رضی اللہ عنہ)۔

۲۔ دکھ ٹالنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے دکھ درد اسباب سے ٹالنا چاہتا ہے جو مسبب الاسباب کا لطف و کرم نہیں سمجھتا تو وہ مشرک ہے۔

ے بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے کہ دکھ اللہ تعالیٰ ٹالتا ہے۔ اور انبیاء و اولیاء اسباب و وسائل ہیں۔

Scanned with CamScanner

کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ اگر کوئی کام بادشاہ کا وکیل کرتا ہے تو تم اگرچہ بظاہر وکیل کا شکریہ ادا کرو گے لیکن درحقیقت سلطان کے شکر گزار ہو گے کہ اس نے اپنے وکیل سے کام کرا دیا اگرچہ بظاہر یہ کام وکیل نے کیا ہے لیکن درحقیقت وہی کام بادشاہ نے کیا ہے صرف یہ ہوا کہ سبب درمیان میں حائل ہوا۔ بس یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ کام تو اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے لیکن درمیان میں وسائل انبیاء و اولیاء ہیں۔ اور یہ بھی درحقیقت اسی کے بتائے ہوئے وسائل ہیں۔

۴۔ کفرانِ نعمت زوالِ نعمت کا سبب ہے۔ (من الاشارات)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

باشد آں کفرانِ نعمت در مثال
کہ کنی با محسن خود تو جدال
کہ نمی آید مرا ایں نیکوے
من برنجم زیں چہ رنجہ میشوے
لطف کن ایں نیکوئی را دور کن
من نخواہم عاقبت رنجور کن

[ترجمہ: ۱۔ یہ بھی ایک کفرانِ نعمت ہے کہ تو اپنے محسن کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔
۲۔ مجھے ایسی نیکی پسند نہیں جس سے تو ناراض ہوتا ہے۔
۳۔ براہِ کرم مجھ سے ایسی نیکی دور فرما جس سے تو ناراض ہے۔ اگر تو میری تکلیف سے خوش ہے تو مجھے وہی دے دے]

ہم اللہ تعالیٰ سے کفار و عذاب سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَيَجْعَلُوْنَ اس سے کفارِ مکہ مراد ہیں لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا۔ ما موصولہ سے اصنام مراد ہیں یعنی کفارِ مکہ بناتے ہیں ان بتوں کا حصہ جن کی حقیقت اور ان کے قدر جنہیں کو نہیں جانتے اور ان کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ نفع و ضرر پہنچائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اس میں سے جو ہم نے انھیں عطا کیا یعنی کھیتی اور جانور و دیگر مال اسباب سے بتوں کا حصہ نکالتے ان کے تقرب کی نیت پر۔ حصہ نکالتے وقت کہتے کہ یہ حصہ ان کے بتوں کا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا۔ یہ مضمون تفصیل سورہ الانعام میں مذکور ہے۔

ف: یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لا یعلمون کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہو اور چونکہ کفار انہیں ذوی العقول مانتے اسی لیے صیغہ جمع مذکر ذوی العقول کا جو مانع نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہوں نے ایسی اشیاء کے لیے حصہ مقرر کر رکھا ہے جنھیں نہ کسی شے کا علم ہے نہ شعور اور نہ ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہمارے لیے کیا کچھ کر رہا ہے۔

تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ یہ توبیخ و تقریع کا سوال ہے۔ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ یعنی ان کے متعلق تم سے سوال ہوگا جن کے

Scanned with CamScanner

متعلق تم دنیا میں افترا کرتے تھے یعنی تمہارا عقیدہ تھا کہ یہ بت واقعی عبادت کے مستحق ہیں اور ان کا تقرب ضروری اور لازمی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب النفوس والہویٰ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق طاعات وعبادات میں ریا کر کے غیروں کا حصہ مقرر کرتے ہیں حالانکہ جن کے لیے ریا کرتے ہیں انہیں ان کی حالی و حقیقت کا علم تک نہیں تاکہ وہ ان کے حق میں نیک گمان کریں یا انہیں اپنے ہاں کوئی مرتبہ دیں بلکہ وہ ان سے بالکل فارغ اور ان کے دل کے ارادوں اور ریاء کی نیت سے غافل ہیں ؎

بروئے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

[ترجمہ: ریا کے لیے خرقہ سینا آسان ہے اگر تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بیچنا چاہو۔]

تفسیر عالمانہ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ ان سے قبیلہ خزاعہ و کنانہ کے لوگ مراد ہیں وہ کہا کرتے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔

شانِ نزول بعض کفار کہا کرتے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ نے جنات سے رشتہ نکاح کیا اس سے فرشتے پیدا ہوئے اس بنا پر ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں کہا کرتے سُبْحٰنَهٗ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے کہ اس کے لیے کہا جائے کہ ملائکہ اس کی لڑکیاں ہیں وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان کے لیے وہی ہو جاتے ہیں یعنی لڑکے کیونکہ ان کے جی چاہتے کہ ان کی اولاد نرینہ ہو ما محلاً مرفوع مبتدأ اور ظرف اس کی خبر مقدم اور جملہ حالیہ ہے اب بتایا کہ وہ خود اپنے لیے لڑکیوں سے کراہت کرتے ہیں کما قال وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى۔ البشارۃ بمعنی وضع اصلی سے خبر دینا یہاں مضاف مقدر ہے دراصل بولادتہا تھا اب معنی یہ ہوا کہ کافروں کو اگر خبر دی جاتی کہ تمہارے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مشتق از الظلول بمعنی الصیرورۃ جیسے اکثر افعال ناقصہ صیرورۃ کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں یہاں بھی صیرورۃ کے معنی میں ہے اس کی گردان ظلّ یظلّ ہوتی ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کام کو دن کے وقت کرے اگرچہ اکثر طور پر بچوں کی ولادت شب کو ہوتی ہے لیکن ان کی ولادت کی خبر دن کو دی جاتی ہے لڑکیوں کی ولادت کی خبریں بالخصوص تاخیر کی جاتی ہے مُسْوَدًّا یعنی اندوہ و غم اور قوم سے شرمندگی کی وجہ سے ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ۔ یہ اسود الوجہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا چہرہ غم و اندوہ اور شرمندگی سے سیاہ ہو جائے اور الاسود بمعنی التشویر۔ عرب میں مستعمل التشویر بمعنے رسوا کرنا مثلاً کہا جاتا ہے شوّر بہ فتشوّر فلاں نے اس کے ساتھ وہ فعل کیا جس کا اظہار حیا و شرم کے خلاف ہے اس سے وہ شرمسار ہوا وَهُوَ كَظِيْمٌ درانحالیکہ وہ اپنی عورت پر غصہ سے بھرا ہوتا ہے کہ اس نے لڑکی کیوں جنی۔

تعبیرِ خواب تعبیر دان علماء نے بتایا ہے جس نے کسی کو دیکھا یا اسے کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہے اور اس کی عورت حاملہ ہو تو اس خواب کی تعبیر یہی ہے کہ اس کے ہاں لڑکی پیدا ہو گی يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ قوم یعنی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں اور ساتھیوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ دی ہوئی خبر کی برائی کی وجہ سے کہ وہ عار دلائیں گے یا اسے عار محسوس ہوتی ہے کہ اس کے گھر میں بچی کی پیدائش گویا اسے عقلمندوں کے زمرہ میں بھی نہیں رہنے دیا اَيُمْسِكُهٗ بحث تو لڑکی کی چل رہی ہے اب ضمیر مذکر کی کیوں (جواب) یہ ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے اور اس کے لیے تذکیر و تانیث برابر ہے یعنی بچی کی پیدائش سے وہ انسان متردد و مشوش ہوتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ کیا اس پیدا شدہ لڑکی کو اپنے ہاں زندہ رہنے دے۔ عَلٰى هُوْنٍ ذلت و خواری کی وجہ سے۔

Scanned with CamScanner

اَمْ يَدُسُّهٗ یا اسے چھپا دے فِی التُّرَابِ مٹی میں زندہ درگور کے طور پر۔ یعنی اس نومولود بچی کو بنو تمیم و بنو مضر کی طرح زندہ درگور کر دے۔

ف: بنو تمیم و بنو مضر کے لوگ اپنے اس گندے عقیدہ میں ایسے مبتلا تھے کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ فلاں گھر میں بچی پیدا ہوئی تھی اس میں ایک لمحے کے لیے بیٹھنا گوارا نہ کرتے بلکہ تادمِ زیست اس گھر میں داخل نہ ہوتے تھے اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ خبردار بڑا فیصلہ ہے وہ جو مشرکین عرب کرتے ہیں مثلاً ان کے نزدیک تو لڑکیوں کی یہ قدر و قیمت ہے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات کی طرف منسوب کرتے اور اپنے لیے لڑکوں کی پیدائش پسند کرتے خلاصہ یہ کہ ان کی خطا فاحش یہی تھی کہ جس شئے کو اپنے لیے ناپسند کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے لیے عقیدہ کے طور مانتے۔ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ جن کے قبائح ابھی مذکور ہوئے اور وہ آخرت پر بھی ایمان نہیں لاتے ان کے لیے مَثَلُ السَّوْءِ ایسی صفت ہے کہ اسے قبیح میں مثل کے طور بیان کیا جائے یعنی لڑکی کی پیدائش ان کے لیے کراہت ہے اور خود نرینہ اولاد سے خوش ہوتے ہیں اگر کسی بدقسمت کے ہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو اسے زندہ درگور کر دیتا صرف عار کو رفع کرنے اور تنگدستی کے خوف سے حالانکہ وہ لڑکیوں کے لیے محتاج تھے بایں معنی کہ اگر وہ کہیں بھی پیدا نہ ہوں تو نکاح کن سے کریں گے۔

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور اللہ تعالیٰ کے لیے عجیبۃ الشان صفات ہیں۔ مثلاً اس کا واجب الوجود ہونا اور غنائے مطلق سے موصوف ہونا اور مخلوقات کی جملہ صفاتِ حادثہ سے منزہ ہونا یعنی صفاتِ محمودہ اور قدیمہ سے موصوف ہونا وَهُوَ الْعَزِيْزُ اور وہ اپنی کمال قدرت میں متفرد ہے اور بالخصوص جس کی گرفت کرے تو اس کا بالمقابل نہیں الْحَكِيْمُ اور صاحبِ حکمت ہے کہ وہ بمقتضائے حکمت جس طرح چاہے کرتا ہے۔ یہ بھی اسی کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جسے چاہے اولادِ نرینہ سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے لڑکیاں عطا فرمائے۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اس کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاتا ہے اور اس کے ہر امر کو مانتا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے کہ یہ کرشمے اسی کے حکم اور ارادہ سے ظاہر ہوتے ہیں جس شے کے لیے وہ چاہے بندہ کو کیا مجال اس کے خلاف کرے اور نہ ہی بندے کے ارادہ سے کچھ ہو سکتا ہے حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

بدر و صاف ترا نیست حکم در کش

کہ ہر چہ ساقیٔ ما کرد عین الطافست

(ترجمہ: تجھے صفائی اور میل کچیل سے کیا تعلق، تو خاموشی اختیار کر اس لیے کہ ساقی نے جو کچھ کیا ہے وہ اسی کا لطف و کرم ہے)

مسئلہ: الشرعۃ (کتاب) میں ہے کہ جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو وہ بہ نسبت لڑکے کی پیدائش کے زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ اہلِ جاہلیت کی مخالفت ہو۔

Scanned with CamScanner

من برکۃ المرأۃ تبکیرھا بالبنات ۔

حدیث شریف ۱: عورت کے بابرکت ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ پہلے لڑکی جنے۔

چنانچہ قرآن مجید کی آیت یھب لمن یشاء اناثا و یھب لمن یشاء الذکور "جسے چاہے لڑکیاں دے جسے چاہے لڑکے" سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون کی ترتیب میں پہلے لڑکیوں کو بیان فرماتا ہے۔

حدیث شریف ۲: جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور اس نے ان کی نیک تربیت کی تو قیامت میں اس کی لڑکیاں اس کے لیے جہنم کا پردہ بن جائیں گی۔

ف: الابتلا بمعنے الامتحان لیکن اس کا اکثر استعمال رنج و محن میں ہوتا ہے اور لڑکیوں کی ولادت کو ابتلاء سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انسان کو زیادہ خوشی لڑکوں کی ولادت سے ہوتی ہے۔

ف: مصابیح (کتاب) کے بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں پر حدیث شریف میں لڑکیوں کے ساتھ احسان کرنے سے ان کی تزویج یعنی اپنی کفو برادری میں نکاح کر دینا مراد ہے لیکن موزوں ترین یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے یعنی کسی خاص مسئلہ کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے۔

مسئلہ وہابی و شیعہ کش: بعض فقہاء کرام نے فرمایا اپنی لڑکی معتزلی کے نکاح میں نہ دے اس لیے کہ اعتقادیات کا اختلاف بھی اختلاف دین کی طرح ہے یعنی جس طرح ہندو مسلم کا دین مختلف ہے ایسے ہی اعتقادی لحاظ سے سنی اور معتزلی کے اعتقادی مسائل میں فرق ہے ایسے ہی مرزائی شیعہ، دیوبندی، وہابی، خاکساری، پرویزی، مودودی کے اعتقادیات اور اہلسنت کے اعتقادیات میں کفر و اسلام جیسا فرق ہے فقیر اویسی غفرلہ چند ایک اعتقادیات کی فہرست کتاب "التحقیق الکامل" میں لکھ چکا ہے۔

مسئلہ: شان تقوی کے خلاف ہے کہ غیر مجانس سے صحبت ہو جب غیر مجانس کی صحبت سے احتراز ضروری ہے تو وہ کون سا بیوقوف ہو گا جو اپنی لڑکی بدعقیدہ کے بیاہ میں دے لیکن موجودہ دور میں اس طرح کے بیوقوفوں کی بہتات ہے (فالی اللہ المشتکی) ؎

آں یکے را صحبت اختیار یار
لا جرم شد پہلوئے فجار جار

[ترجمہ: سب پر نیک دوست کی صحبت ضروری ہے پھر اس کی کیا حالت ہو جس کا ہمسایہ فاجر ہو]

حدیث شریف ۳: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس اولاد کی دعا مانگی جس میں محنت و مشقت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے مجھے لڑکیاں عطا فرمائیں [واقعی بچیوں میں کوئی تکلیف نہیں لیکن اولاد نرینہ پناہ بخدا کسی خوش قسمت انسان کی اولاد نرینہ راحت و فرحت کا موجب ہو گی ورنہ اکثر دل و جگر جلانے والا معاملہ ہے]

حدیث شریف ۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں سے کراہت نہ کرو کہ میں بھی متعدد لڑکیوں کا باپ ہوں۔

[اس میں شیعوں کے اس غلط نظریہ کا رد ہے جو چار بنات کے قائل نہیں تحقیق مزید فقیر اویسی کے رسالہ "القول المقبول فی بنات الرسول" میں ہے]

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّىۚ
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ
وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰىؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ○
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِۙ وَهُدًى وَّ
رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَاؕ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ان کی غلطیوں پر گرفت فرماتا تو سطح زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن ایک میعاد مقرر تک انھیں مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو پل بھر نہ پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اور جنھیں اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تجویز کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بکتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے، یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے اور بے شک وہ جہنم میں سب سے پہلے جھونک دیے جائیں گے۔ بخدا ہم نے آپ سے پہلے کئی اُمتوں کے ہاں پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے اعمال انھیں بہتر کرکے دکھائے سو آج وہی ان کا یار ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور ہم نے آپ پر کتاب نہیں اتاری مگر اس لیے کہ آپ لوگوں پر وہ باتیں واضح فرمائیں جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس کے سبب سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ فرمایا بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو سنتے ہیں۔

(صفحہ ۲۳۴ سے آگے)

حکایت الروضہ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ یہ ہے کہ حجاج بن یوسف نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تمھیں کون سی آواز پسند ہے کسی نے کہا قاری تلاوتِ قرآن آدمی رات کرے مجھے اس سے خوب ذوق ہوتا ہے دوسرے نے کہا کہ میں اپنی عورت کو دردِ زہ میں مبتلا چھوڑ کر مسجد شریف نوافل پڑھنے جاؤں تو صبح کو مجھے لڑکے کی ولادت کا مژدہ سنایا جائے حجاج نے کہا بہت خوب۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی نے کہا بخدا مجھے تو وہ آواز نہایت لطف دیتی ہے کہ بھوک نے خوب ستایا ہو تو کہیں سے طعام خوانچوں کی کھٹ کھٹ سنائی دے حجاج نے کہا اے بنو تمیمیو تم زندگی بھر کھاؤ پیؤ کے تصورات میں غرق رہتے ہو۔

Scanned with CamScanner

ایها المحبوس فی رھن الطعام
سوف تنجو ان تحملت الفطام

چوں ملک تسبیح حق را کن غذا
تا رہی ہمچوں ملائک از اذیٰ

[ترجمہ : اے طعام کی رہن کا قیدی تو اس وقت نجات پائے گا جب تو قبر میں جائے گا فرشتے کی طرح تسبیح حق کو غذا بنا تاکہ فرشتوں کی طرح ہر دکھ تکلیف سے بچ جائے -]

(تفسیر آیات صفحہ ۲۳۵)

تفسیر عالمانہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ مفاعلہ کا باب، یہاں پر مجرد کے معنے میں ہے النَّاسَ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں یعنی کافروں کی گرفت فرماتا بِظُلْمِهِمْ ان کے ظلم یعنی کفر و معاصی کی وجہ سے مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا تو زمین پر کسی کو نہ چھوڑتا۔

سوال : تم نے زمین کا معنیٰ کہاں سے لیا ؟

جواب : لفظ الناس سے زمین کا معنیٰ اس لیے مراد لیا جاتا ہے کہ لوگوں کی بود و باش زمین پر ہے۔ اسی طرح من دابۃ سے بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ دابۃ اسے کہتے ہیں جو زمین پر چلے۔ اسی لیے عرب کا مقولہ مشہور ہے :

فلان افضل من علیہا و فلان اکرم من تحتہا۔

ان دونوں جملوں میں فوقہا و تحتہا سے زمین و آسمان مراد لیا جاتا ہے حالانکہ ان جملوں سے پہلے نہ آسمان کا ذکر ہوتا ہے نہ زمین کا۔

نیز ہر سمجھدار سامع و متکلم خود ہی سمجھ جاتا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے :

والذی شقہن خمسا من واحدۃ۔

یہاں ھن کی ضمیر اصابع (انگلیوں) کی طرف راجع ہے حالانکہ اس عبارت سے قبل اصابع کا ذکر نہیں ہوتا۔

سوال : عقل کا تقاضا ہے کہ ما ترک علیٰ ظھرھا ہو۔ لیکن یہاں صرف علیہا کہا گیا ہے۔

جواب : ظا، اور ذال قریب المخرج ہیں اور ان کا ایک جملہ میں جمع ہونا فصاحت کے خلاف ہے۔ اور ذال لو یؤاخذ میں مذکور ہے۔ اب ظھرھا کہا جاتا تو کلام غیر فصیح ہو جاتا۔ اسی لیے علیٰ ظھرھا کی بجائے علیہا کہا گیا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر کی وجہ سے انھیں تباہ و برباد کرنا چاہتا تو زمین پر کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا :

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔

Scanned with CamScanner

اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی تباہی و بربادی عذاب کی وجہ سے ہوتی ہے اور جانوروں کی ہلاکت ان کی موت طبعی کے تحت۔

ظلم کی نحوست

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو کہتے سنا وہ کہہ رہا تھا ظالم صرف اپنے آپ کو تباہ کرتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں ظالم کے ظلم کی نحوست ہمہ گیر ہوتی ہے یہاں تک کہ پرندہ اپنے گھونسلے میں بھی ظالم کے ظلم کی نحوست سے مرجاتا ہے۔

تاخیرِ عذاب

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ مخلوق کو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرتا تو تمام مخلوق عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آجاتی یہاں تک کہ جعلان[1] اپنے بلوں میں ہوں وہ بھی عذاب سے نہ بچ سکیں اور نہ ہی آسمان اپنی بارش کو روکے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرماتے ہوئے عذاب کو مؤخر فرماتا ہے۔

ف: صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ ظالم کے ظلم کا اثر ظاہر ابھی ہوتا ہے اور بعض بعض اسے یوں سمجھے کہ اگر کوئی اپنے گھر کو جلائے تو نہ صرف اس کا گھر جلے گا بلکہ ہمسایگان کے گھر بلکہ تمام محلہ بلکہ تمام شہر جل جائے گا اور ان کے ساتھ جانور اور کیڑے کوڑے بھی جل مریں گے ؎

بے ادب نہ تنہا خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

[ترجمہ: بے ادب نہ صرف خود برباد ہوا بلکہ اس نے تمام جہان کو جلا دیا]

وَلٰكِنْ وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت نہیں فرماتا بلکہ **يُؤَخِّرُهُمْ** انہیں اپنے فضل و کرم سے مہلت دیتا ہے **اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى** ایک میعاد مقرر تک یعنی جب تک ان کی عمریں ختم نہیں ہوتیں یا عذاب میں دیر کرتا ہے تاکہ وہ اولاد جن سکیں اور تعداد میں زیادہ ہو کر مریں۔ **فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ يَسْتَاْخِرُوْنَ** جب ان کا مقرر کردہ میعاد آتا ہے تو اس میعاد سے پیچھے نہیں ہوتے۔

نکتہ: مضارع کے صیغے میں اشارہ ہے کہ باوجودیکہ اس کی انہیں طلب ہے لیکن مؤخر کرنے سے عاجز ہیں ؎

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پُر شد بدورِ زمان

[ترجمہ: ایک لمحہ بھی انہیں مہلت نہیں دی جاتی جب دورِ زمانہ کا پیالہ پُر ہو جاتا ہے]

سَاعَةً تھوڑا سا لمحہ۔ اس سے قلتِ مدت مراد ہوتی ہے۔ **وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ** اور نہ اجل وقت سے پہلے آسکتا ہے۔

سوال: لا یستاخرون کے بعد اس کی ضرورت نہیں اس لیے کہ جو شے اپنے وقت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی وہ وقت سے پہلے کیسے آسکتی ہے۔

جواب: بطور مبالغہ کہا گیا ہے کہ مقرر کردہ وقت (اجل موت) اپنے وقت پر ضرور آئے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے اور اپنے گمان فاسد کے مطابق منسوب کرتے ہیں **مَا يَكْرَهُوْنَ** وہ چیزیں

---

[1] جعل جمع جعلان بضم اول و فتح ثانی، ایک سیاہ جانور جو سیاہ رنگ کے پَر رکھتا ہے بھڑ کی مانند 'گوبر گمیں' اور نباتات میں پیدا ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

جو اپنے لیے مکروہ سمجھتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے ملائکہ کرام کو لڑکیاں کہنا اور اس کی سلطنت و حکومت میں دوسروں کو شریک ٹھہرانا۔
وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ یہ تصف کا مفعول بہ ہے۔ علاوہ مذکورہ بالا خرابیوں کے ایک اور خرابی بھی ان میں ہے
وہ یہ کہ ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى یہ الکذب سے بدل الکل ہے بمعنے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین انجام ہے
یعنی کافر کہتے کہ اگر بفرض محال مان لیں کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بہشت سے نوازے گا۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر
کافر کا مقولہ یوں حکایۃً بیان فرمایا، ولئن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنی یعنی اگر میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں لوٹا
تو میرے لیے اس کے ہاں بہشت ہوگی۔

سوال: کافروں کے عقیدہ لا یبعث اللہ من یموت [اللہ تعالیٰ کسی مردے کو مرنے کے بعد زندہ نہیں اٹھائے گا] کی تصریح
میں موجود ہے تو پھر یہاں اس کا اعتراف کیسے؟

جواب: بفرض المحال والتقدیر کے طور اس دُوسری آیت میں معنیٰ کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے پہلے بھی لکھ دیا ہے۔

حکایت

کسی بزرگ نے ایک دولت مند کو فرمایا کہ قیامت میں تیرا کیا جواب ہوگا جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس دولت مند کا وہ مال بھی لاؤ جو
اس نے بادشاہ اور اس کے اعوان یا حکام وقت وغیرہ کو ہدیئے نذرانہ دیا چنانچہ بہترین جانور قیمتی کپڑے بیش بہا چیزیں لائی جائیں گی اس
کے بعد فرمائے گا وہ چیزیں بھی لاؤ جو اس نے میرے نام پہ خرچ کر دیں چنانچہ پھٹے پرانے اور بے کار اور وہ چیزیں لائی جائیں گی جن کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی
اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے دولت مند تجھے شرم نہ آئی اور اس حاضری کے وقت کو یاد بھی نہ کیا کہ بادشاہ اور حکام وقت کو اعلیٰ اور بہترین اور میرے نام پر
بے مقدار اشیاء یہ کہہ کر دولت مند کو اس بزرگ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

لَا جَرَمَ یہ کافروں کے قول مذکور کی تردید اور اس کی نقیض کی تائید میں لایا گیا ہے وہ مصدر بمعنے حقًّا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا
کہ حق یہی ہے کہ قیامت میں ایسے ہوگا اَنَّ لَهُمُ النَّارَ کہ وہ جس جنت کی اُمید رکھتے ہیں اس کے عوض انھیں جہنم نصیب ہوگی،
اور اس میں سوائے عذاب کے اور کچھ نہ ہوگا اور دُکھ درد کا مرکز یہی ہے وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ اور بے شک وُہ جہنم میں دھکیلے
جائیں گے۔ یعنی اس کی طرف انھیں لے جانے میں عجلت کی جائے گی۔ یہ افرطتہ سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو
پانی کی طلب میں سب سے پہلے بھیجا جائے۔ یا مفرطون بمعنے منسیون و متروکون فی النار ہے یعنی انھیں جہنم میں داخل
کرکے اتنا عرصہ دراز یکسر پڑا رہنے دیا جائے گا کہ گویا وہ بھول چکے ہیں۔ یہ افرطت فلانا خلفی سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں
جب کوئی کسی کو اپنے پیچھے کرکے کہیں چلا جائے تو پھر اسے یاد بھی نہ کرے۔

ربط: کفار کے بد انجام کے ذکر کے بعد اب رسول اکرم کو تسلی دلائی کہ آپ کو کفار جہالت و حماقت سے جو کچھ بکتے ہیں اس سے ملال کے بجائے ان
کی بکواسیات پر صبر کیجیے کیونکہ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ بخدا ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کے ہاں
رسل کرام بھیجے انھوں نے بھی ان امتوں کو حق کی دعوت دی لیکن انھوں نے رسل کرام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ تو شیطان نے ان کے سامنے ان کے اعمال بھلے کرکے دکھائے ان کے اعمال سے کفر و تکذیب الرسل

Scanned with CamScanner

وغیرہ مراد ہیں کہ جونہی شیطان نے یہ اعمال ان کے سامنے سنوار کر دکھلائے تو یہ لوگ ان اعمال قبیحہ پر ڈٹ پڑے **فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ** بس وہ شیطان آج ان کا ساتھی ہے اور بہت برا ساتھی ہے الیوم سے وہ دن مراد ہے جس دن شیطان نے ان کے لیے اعمال سنوارے یا اس سے دنیا کے دن مراد ہیں یعنی شیطان نے انہیں گمراہ کیا یا اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس لیے کہ شیطان اس دن اپنی مدد سے بھی عاجز ہوگا پھر تمہاری مدد کیسے کر سکے گا یہ حکایۃً آتیہ ہے یعنی قیامت کے دن ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ف: الولی بمعنی الناصر ہے۔

ف فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یوم سے یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ کا زمانہ اقدس مراد ہے اور ولیھم کی ضمیر ان کفار کی آنے والی نسل یعنی ان کی آل و اولاد وغیرہ مراد ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں تھے **وَلَهُمْ** اور ان کے لیے آخرت میں **عَذَابٌ أَلِيمٌ** دردناک عذاب ہے اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اور ہم نے آپ پر کتاب یعنی قرآن مجید اتارا اس میں اور کوئی غرض اور علت نہیں۔ **إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ** سوائے اس کے کہ آپ ان لوگوں کو بیان فرمائیں **الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ** وہ جو اس میں انہوں نے اختلاف کیا یعنی عقیدۂ توحید اور احوال آخرت اور حلال و حرام میں جو ان کا اختلاف ہے آپ انہیں قرآن مجید کی روشنی میں سمجھائیں۔ اس سے اہل ایمان اور کفار کا اختلاف مراد ہے۔ (کذا فی الکواشی)

وَهُدًى وَّرَحْمَةً ان کا لتبین کے محل پر عطف ہے۔ اور ان کا منصوب ہونا اس لیے ہے کہ یہ الذی انزل الکتاب کا فعل ہیں بخلاف لتبین کے کہ وہ منزل کا فعل نہیں بلکہ مخاطب کا ہے۔ یعنی قرآن مجید کو اس لیے نازل کیا ہے کہ وہ گمراہی سے ہدایت کا اور عذاب سے رحمت کا سبب بنے **لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ** اہل ایمان کے لیے ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ قرآن مجید سے صرف یہی اہل ایمان نفع پاتے ہیں۔

بدمذاہب کا رد

حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا قرآن مجید کے بغیر اور قرآن مجید کا اتصال رسول کریم کے سوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہنچا ان حضرات کے بغیر مشکل ہے جن کی وجہ سے اسلام کے ارکان قائم ہوئے یعنی صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور اولیا کاملین و علماء راسخین رضی اللہ عنہم اجمعین[ف]

مالک بن دینار کا ملفوظ

منقول ہے کہ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظ القرآن کو مخاطب ہو کر فرمایا اے حافظو تمہارے قلوب پر قرآن نے کیا اثر کیا ہے کیونکہ قرآن مومنین کے قلوب کی بہار ہے جیسے بارش سے زمین کی بہار ہے۔

جمیع العلوم فی القرآن

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب فتنے اٹھ کھڑے ہوں گے میں نے عرض کی آپ نے کہاں سے معلوم کیا آپ نے فرمایا کتاب اللہ (قرآن مجید) سے اس لیے کہ اس میں گزشتہ اور آئندہ اور موجودہ

[ف] اس سے منکرین حدیث یعنی پرویزی، چکڑالوی، شیعہ، غیر مقلد وہابی دیوبندی وغیرہم عبرت حاصل کریں۔ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

حالات کے ذرہ ذرہ کی خبر موجود ہے۔ؓ

ف : اس روایت پر اہل ایمان کا ایمان ہے کہ واقعی قرآن مجید میں ماکان وما یکون کے ذرہ ذرہ کا علم ہے یہ روایت نہ موٗول ہے اور نہ ہی سرسری اجمالی طور پر فرمایا گیا ہے اور قرآن مجید میں علمی وسعت کی کوئی حدود نہیں اسے علمائے کرام پڑھتے سمجھتے رہ گئے کیونکہ حبل اللہ المتین اور الذکر الحکیم اور الصراط المستقیم یہی کتاب ہے جو اس سے خبر دیتا ہے وہ سچا ہے جو اس سے فیصلہ کرتا ہے وہ عادل ہے جو اس پر عمل کرتا ہے وہ ماجور ہے جو اس کی دعوت دیتا ہے وہ صراط مستقیم کا راستہ بتاتا ہے۔

ف احکام القرآن کا بیان کرنا عوام کے لیے اور اس کے حقائق خواص کے لیے ہیں اور ان احکام و حقائق کو حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وارثین کاملین صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین فقہاء مجتہدین و اولیاء کاملین رضی اللہ عنہم اجمعین قرناً بعد قرنٍ باتبیعۃ الفرعیہ بیان کرتے ہیں۔

ف علمائے ظواہر عوام کے مسائل شرعیہ وضاحت کے طور کرتے اور علمائے بواطن ان کے باطنی حقائق سے کشف کے ذریعے عوام کی مشکل حل کرتے ہیں ہر ایک کا اپنا مشرب ہے جس کے ہاں حاضری دو گے بیڑا پار ہو گا اس لیے کہ علمائے ظواہر و مشائخ بواطن ہر دونوں دین کے مضبوط ستون ہیں۔

ف قرآن مجید کی آیات سے مواعظ حاصل کرنا بندے کو سعادۃ ابدیہ میں داخل کرتا اور حظوظ نفسانیہ سے نجات دلاتا ہے۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنی مملکت و سلطنت کے معاملات میں بہت بڑے مسرور تھے رات کو سوئے تو کسی نے ان کے ہاتھ میں ایک پرچہ پکڑا دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ اے ابراہیم فانی دنیا کو باقی رہنے والی دار آخرت پر ترجیح نہ دے اور نہ ہی اپنے ملک پہ مغرور ہو اس لیے کہ اس پہ تجھے اس وقت خوشی اور ناز مفید ہے جب وہ ملک معدوم نہ ہو جائے تجھے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لازمی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ** اس خواب سے گھبرا کر اٹھے اور کہا کہ مجھے اس سے تنبیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت اور ہدایت نصیب ہوئی ہے اس کے بعد تائب ہو کر اطاعت و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہر کہ دل بر عشوۂ گیتی نہاد
پُر حذر باش از غرور و جہل او
دامن او گیر گز ہمت فشاند
آستیں بر دنیا و بر اہل او

[ترجمہ : جس نے گیتی زمانہ کے عشووں پر جی لگایا اس کے غرور جہل سے پُرحذر ہو اس شخص کا دامن پکڑ جو دنیا اور اہل دنیا سے علیحدہ ہو گیا]

اللہ تعالیٰ ہمیں عصمۃ عن الھویٰ اور تمسک باسباب الہدیٰ کی دولت سے نوازے۔

ؓ ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات کائنات کے ابتدائے آفرینش سے تا دخول جنت و نار ذرہ ذرہ کا علم اللہ تعالیٰ سے عطا فرمائے گئے ہیں۔ جسے ہم اہلسنت علم کلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "علم غیب" میں ہے۔ دلائل میں سے ایک دلیل یہی ہے کہ قرآن مجید میں علم کل کے ذرہ ذرہ کا تفصیل بیان ہے۔ فقیر نے اس دعوے پر احسن البیان فی مقدمہ ترجمۃ القرآن" میں متعدد دلائل قائم کیے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ اور اللہ تعالیٰ نے آسمان یا بادل سے زمین پر نازل فرمایا مَآءً پانی ایک خاص قسم کا یعنی بارش۔ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ اس کے سبب سے ویران زمین کو آباد کیا۔ یعنی بارش کے سبب سے زمین پر قسم قسم کی کھیتیاں اگائیں بَعْدَ مَوْتِهَا زمین کی ویرانی یعنی خشک ہونے کے بعد۔

ف : زمین میں قوئ نامیہ کی رونق اور قسم و قسم کی نباتات کی سرسبزی کو احیاءً سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ صنعت حس و حرکت کو تقاضا کرتی ہے اور سرسبزی کے بعد خشکی کو موت بعد الحیات کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور فا اگرچہ تعقیب بلاتاخیر کے لیے آتی ہے اور یہاں دو معطوفوں کے درمیان واقع ہوتی ہے اس کا اپنے معنے میں نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک اس میں یعنی انزال السماء من السماء اور احیاء الارض میتة میں لَاٰيَةً البتہ دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم و قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ان کے بتوں کو ایسی قدرت و طاقت کہاں لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ایسے لوگوں کے جو سنتے ہیں یعنی ایسے نصائح سن کر تدبر و تفکر کرتے ہیں اور جو تدبر و تفکر سے محروم ہے وہ بہرہ ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

چوں سلیمان سوئے مرغانِ صبا
یک صفیری کرد آں جملہ را
جز مگر مرغے کہ بد بے جان و پر
یا چو ماہی گنگ بد از اصل کر
نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد
پیش وحی کبریا سمعش دہد

[ترجمہ : جب سلیمان علیہ السلام نے صبا کے تمام پرندوں کو آواز دی سوائے اس پرندے کے کہ جو بے جان و پر یا گونگا تھا، سب نے سن لیا بلکہ میں نے غلط کہا کہ گونگے وغیرہ نے نہ سنا بلکہ وہ ضرور سن لیتا کیونکہ وحی الٰہی میں ایسے گونگے بہرے کو سنانے کی برکت ہے ہاں ازلی بدقسمت نے سلیمان علیہ السلام کی آواز نہ سنی]

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ واللہ انزل من السماء ماءً سے قرآن مجید مراد ہے اس لیے کہ وہی اہل ایمان کے قلوب کی زندگی کا سبب ہے اس لیے کہ وہ قلوب جو جہالت کی موت کی وجہ سے مردہ تھیں انہیں قرآن مجید نے ایمان کی دولت سے دائمی زندگی بخشی ان فی ذٰلك لاٰیة لقوم یسمعون بیشک قرآن ان لوگوں کے لیے دلیل ہے جو قبولیت کے سماع سے قرآن سنتے ہیں تو گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہی براہ راست اس کا کلام سنتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کلام ازلی کے ساتھ ابداً متکلم ہے اور اس کلام کو صرف وہی سن سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کلام سننے کی توفیق کا اعزاز بخشے۔ کما قال تعالیٰ :

ولو علم اللہ فیھم خیراً لاسمعھم ۔ (اگر اللہ تعالیٰ کو ان کے متعلق بھلائی کا علم ہوتا تو انہیں سماع قبول کی دولت سے نوازتا) اللہ کبھی اپنے بندوں پر کتاب پڑھ کر کے ذریعے خارج سے اپنا کلام پڑھتا ہے اور کبھی اپنی ذات سے بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو کلام

Scanned with CamScanner

حق سننے کا اہل بنانے اور اپنے آپ کو گونگے اور اندھے پن سے بچائے اس لیے کہ جس میں یہ بیماری ہوتی ہے تو وہ کتاب کبیر کی تلاوت کے باوجود اس
کے حقائق و دقائق سے محروم رہتا ہے اور ہے کہ گونگا پن و مرض ہے کتاب کبیر یعنی قرآن کی تلاوت کے بعد اس کے حقائق تک نہیں پہنچنے دیتا اور
بہرے پن کے مرض سے قرآن مجید کی تلاوت کے بعد حقائق سے محرومی ہوتی ہے اور دراصل قرآن مجید انسان خود ہے اس لیے کہ انسان الٰہی کامل
ہے کیونکہ جو کچھ عالم کبیر میں ہے وہ تمام انسان میں موجود ہے ۔

ف : جن لوگوں کو سماع قبول نصیب ہوا جنہیں صوفیائے کرام محققین سے تعبیر کرتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر عمل جو قرب الی اللہ ہو کے
سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں یعنی امر و نہی پر فوراً عمل کرتے ہیں اور اس پر انہیں تکلیف محسوس نہیں ہوتی ان کے لیے قرآن مجید پر عمل کرنا ایسے
آسان ہوتا ہے جیسے ہمیں سننے اور پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح دوسری علامت یہ ہے کہ وہ حضرات دوسروں کی غیبت و بہتان سے
ان کے کان بہرے اور گلہ و غیبت سے ان کی زبان گنگ ہوتی ہے اور ان کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی میں ہر وقت غور و فکر
میں لگے رہتے ہیں ان کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ قرآن میں بحث و تمحیص اور جنگ و جدال سے بچتے ہیں ان کی پانچویں علامت یہ ہے کہ
وہ مزامیر اور ہر حرام بات نہیں سنتے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا :

واذا سمعتم آیات اللّٰہ یکفر بہا ویستھزا بہا فلا تقعدوا معہم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ
انکم اذا مثلہم ——————— [جب تم سنو کہ آیات الٰہی کے ساتھ کفر و استہزا کیا جاتا ہے تو تم ان کے ساتھ مت
بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری باتوں میں لگ جائیں اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے سنتے رہے تو تم بھی ان کی طرح ہو گے]

مسئلہ : کافر و منافق جب آیاتِ الٰہی سے استہزا کریں اور کوئی ان کی مجلس میں بیٹھے تو وہ بھی ان میں شمار ہو گا [اسی لیے ہم اہلسنت بدمذہب
کی مجلس اور جلسوں میں جانے سے عوام کو روکتے ہیں]

مسئلہ : جو اللہ والوں عارفوں کی پاک مجلسوں میں بیٹھتا ہے تو وہ بھی ان کی بھلائی اور خیر و برکت میں شریک ہے ۔

حدیث شریف

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انہم القوم لا یشقی بہم جلیسہم ۔

یہ (عارفین) وہ لوگ ہیں کہ ان کا ہمنشین کبھی محروم نہیں ہوتا ۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ دنیا میں طاعت پر زندگی بسر کرے اور آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھے اور آخرت کا معائنہ اور قرب حق کو ہر وقت تصور
میں لائے مولا کریم سے دعا ہے کہ ہمیں دنیا و آخرت میں صلحائے کاملین کی صحبت نصیب فرمائے آمین ۔

لہ اسی لیے خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا : " ایہا دل قرآن کتاب اے " یعنی انسان کا قلب ہی قرآن کتاب ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا
سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۚ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○

ترجمہ: اور بیشک چارپایوں میں تمہارے لیے عبرت ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں جو ان کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کے درمیان میں سے خالص دودھ جو پینے والوں کے گلے سے آسانی سے اترتا ہے اور کھجور اور انگور پھلوں میں سے کہ تم اس سے نبیذ[1] اور کھانے کی عمدہ چیزیں[2] بناتے ہو۔ بیشک اس میں عقلمندوں کے لیے نشانی ہے اور آپ کے پروردگار نے شہد کی مکھی کو الہام فرمایا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں اور چھتوں میں بھی، پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے بھی کھا اور اپنے رب کے راستوں پر چل جو تیرے لیے آسان اور نرم ہیں اور اس کے پیٹ سے پینے کی شے نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہیں جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں موت دے گا اور تمہارے بعض ایسے ہیں جنہیں ناکارہ عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی قدرت والا ہے۔

(تفسیر بر صفحہ آئندہ)

[1] مویز اور انگور وغیرہ کا رس جب اس قدر پکا لیا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہے اور تیز ہو جائے اسے نبیذ کہتے ہیں۔ یہ حد سکر تک نہ پہنچے اور نشہ نہ لائے تو شیخین کے نزدیک حلال ہے۔ بہت سی احادیث اور یہی آیت اس کی دلیل ہے۔۱۲

[2] جیسے سرکہ، رُب، خرما، مویز وغیرہ۔۱۲ — اویسی غفرلہ

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ لَکُمْ اے لوگو! تمہارے لیے فِی الْاَنْعَامِ، نَعَمٌ (بالتحریک) کی جمع ہے۔ اس کی چار اقسام ہیں:

۱۔ اُونٹ

۲۔ گائے

۳۔ بھیڑ

۴۔ بکری

لَعِبْرَۃً جانوروں میں عبرت۔ یعنی جہل سے علم کی طرف دلالت ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوا کہ جانور میں عبرت کیسی؟ جواب ملا کہ نُسْقِیْکُمْ ہم تمہیں پلاتے ہیں۔

حلِ لغات: زجاج نے فرمایا کہ سقیتہ و اسقیتہ کا ایک ہی معنی ہے۔ لیکن اسعد المنجد میں فرق کیا ہے وہ یہ کہ جب اسقیتہ کہا جائے گا تو اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ میں نے ہمیشہ اس کے لیے پانی پلانے کا انتظام کیا۔ اور سقیتہ کے معنے میں نے اسے ایک گھونٹ پانی پلایا۔

مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ یہ مِن تبعیضیہ ہے اس لیے کہ جانوروں کے بعض حصے میں دُودھ ہوتا ہے اور ہٖ لبعض الانعام کی طرف راجع ہے یعنی ان کی مادنیاں۔ کیونکہ دودھ تمام جانوروں میں نہیں۔ یا صرف المذکور کی طرف راجع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض جانوروں (جو دودھ والے ہیں) کے شکموں میں سے۔ (کذا قالہ الکسائی)

مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا مِن ابتدائیہ، اور نُسْقِیْکُمْ کے متعلق ہے اس لیے کہ گوبر اور خون کی درمیانی جگہ دودھ کا مرکز ہے۔ اور گوبر گھاس کا فضلہ ہے جو اوجھ میں جمع ہوتا ہے۔ اور اوجھ جانوروں میں ایسے ہے جیسے انسانوں میں معدہ۔ خَالِصًا صاف شفاف کہ جس میں نہ خون کے رنگ کی آمیزش ہوتی ہے نہ گوبر کی بدبُو کی ملاوٹ سَآئِغًا خوشگوار لِّلشّٰرِبِیْنَ پینے والوں کے لیے۔ یعنی حلق میں جلد تر اُترنے والا۔ بعض نے کہا کہ ہم نے صرف دُودھ کے پینے سے کبھی نہیں سنا کہ ہیضہ ہوا ہو۔ کھانے پینے کی اشیاء میں نافع ترین دُودھ ہے۔

طعام کھانے کے بعد کی دُعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھانے سے فراغت پاؤ تو کہو: اللھم بارک لنا فیہ واطعمنا خیراً منہ۔ اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے بہتر طعام عطا فرما۔

دُودھ پینے کے بعد کی دعا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دودھ پینے کے بعد کہے: اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ۔ اے اللہ! اس میں برکت دے اور زیادہ عطا فرما۔

Scanned with CamScanner

ف: الکواشی نے فرمایا وہ اس لیے کہ جب اوجھ گھاس کو پکاتی ہے تو نیچے کا حصہ گوبر اور درمیانی حصہ دودھ خالص بن جاتا ہے جس میں گوبر وغیرہ کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی اور اوپر کا حصہ خون اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھئے کہ دودھ اور خون و گوبر کے درمیان کیسا بہتر پردہ لگایا ہے کہ دودھ میں نہ گوبر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ خون باوجودیکہ ان تینوں کو آپس میں شدید اتصال ہے لیکن خون اور گوبر کا معمولی شائبہ رنگ یا بو بھی گوبر میں نہیں ہوتا پھر جگر کے اندر وہ کمال رکھا ہے کہ ان تینوں کی تقسیم اسی کے ذمہ ہے اور کیسی تقسیم کہ خون رگوں میں اور دودھ تھنوں اور گوبر اوجھ میں رہ جاتی ہے جیسے جانور اسے وقت پر نیچے گراتا ہے۔

سوال: دودھ اور خون تو اوجھ میں پیدا نہیں ہوتے اسی لیے ذبح کرتے وقت اوجھ میں نہ ہمیں دودھ نظر آتا ہے اور نہ خون۔

جواب: اوجھ کے نیچے گوبر کا اور اس کے درمیان میں دودھ کا اور اس کے اوپر خون کا مادہ ہے اسی لیے پستانوں میں دودھ کا مادہ ہے نہ کہ خون کا۔

ازالۂ وہم: بعض کہتے ہیں کہ پستانوں میں خون منعقد ہوتا ہے پھر وہی خون پستانوں میں پہنچ کر دودھ بن جاتا ہے اس لیے کہ پستانوں کی برودت خون سے دودھ بنا دیتی ہے وہ اس کے متعلق دلیل دیتے ہیں کہ جب پستانوں کو بیماری یا آفت پہنچتی ہے تو پستانوں سے بجائے دودھ کے خون اترتا ہے یہ ان کا قول غلط ہے ان کا دلیل میں یہ کہنا کہ آفت و بیماری سے دودھ کی بجائے خون اترتا ہے یہی تو ہماری دلیل ہے کہ بیماری سے ہی دودھ خون ہو گیا ہے جیسے کبھی پیپ اترتی ہے جتنا آفت و بیماری سخت ویسے ہی دودھ میں خرابی یہی قول جمہور زیادہ روشن اور واضح ہے۔ بلاغات زمخشری میں سے ہے

کما یحدث بین الخبیثین ابن لایکون

الفرث والدم یخرج منہما اللبن

ترجمہ مع توضیح: جیسے دودھ طیب و طاہر دو پلیدیوں کے درمیان سے نکلتا ہے یعنی گوبر و خون سے کہ دودھ پر ان کے اوصاف میں سے کوئی صفت اثر انداز نہیں ہوتی باوجودیکہ وہ دونوں دودھ کے بالکل قریب ہیں اسی طرح بعض خبیث ماں باپ سے طیب و طاہر بیٹا پیدا ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا عیب نہیں ہوتا اور نہ ہی خبیث ماں باپ کے اوصاف خبیثہ میں سے کوئی خبیث صفت اس پر اثر انداز ہوتی ہے ؎

می ز غوزہ شود شکر از نے

عسل از نحل حاصلست بقے

مگو ز نہار اصل عود چو بست

بہ بین دود وش چہ مستثنیٰ و خوبست

[ترجمہ: شراب انگور وغیرہ کے نچوڑنے اور شکر نے سے شہد مکھی کی قے سے حاصل ہوتی ہے یہ مت کہہ کر عود ایک لکڑی ہے بلکہ اس کے دھوئیں کو سونگھو کہ کیسی خوشبو ناک ہے]

صوفیانہ پند سود مند

حضرت شقیق سے اخلاص کے بارے میں سوال ہوا کہ وہ کس طرح ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ اسے اعمال میں اس طرح خالص رکھا جائے جیسے دودھ کو گوبر اور خون سے علیحدہ کیا جاتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرہ برابر ملاوٹ نہیں حتیٰ اسی لیے قوت القلوب میں لکھا ہے کہ مکمل ترین نعمت دودھ ہے اگر اس میں گوبر یا خون کی تھوڑی سی بھی ملاوٹ کا شائبہ ہوتا تو پینا تو در کنار دیکھنا بھی گراں

نہ ہوتا ایسے ہی بندگانِ حق کا معاملہ ہے کہ انہیں لازم ہے کہ وہ بارگاہ حق میں خالص عبادت پیش کریں اگر کسی بندۂ خدا کی عبادت میں ہمراہی گوبر اور خون ریا اور خواہش نفسانی کی ملاوٹ ہوئی تو وہ عبادت منہ پر ماری جائے گی اس لیے کہ ریا عبادت میں شرک خفی ہے اسی طرح خواہش نفسانی کے تحت عبادت بھی بیکار ہے اسی لیے لازم کہ عبادت میں ریا و ہوائے نفس کو جگہ نہ دے ۔

طاعت آلودہ نیاید بکار
مشک جگر سودہ نیاید بکار
ہر کہ ز آلودگی افتاد پاک
پیش نظر ہا نبود تابناک

(ترجمہ: ملاوٹ کی عبادت کام نہیں آتی اسی طرح مشک خراب شدہ بھی بیکار ہوتی ہے جو شخص ہر آلودگی سے پاک ہوتا ہے وہی اہل نظر کے نزدیک تابناک ہوتا ہے)

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ عاقل کو عبرت کرنی چاہیے کہ نفوس کے جانوروں کے بطون سے اسے الہام ربانی کا دودھ پلایا ہے جو کہ فرث الخواطر الشیطانی اور دم الخواطر النفسانی کے درمیان واقع ہے جسے اہل دل پی کر صراط مستقیم پر بلا تکلیف چلتے ہیں (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ اور ہم تمہیں پلاتے ہیں کھجوروں اور انگوروں کے ثمرات سے اور ان سے کھلاتے بھی ہیں۔

ربط: اس کھانے اور پلانے کی کنہ بتاتے ہیں کہ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ تم ان کے نچوڑ سے بناتے ہو سَكَرًا شراب۔ قاموس میں ہے کہ السکر (محرکۃ) بمعنے الخمر۔ یاد رہے کہ نبیذ کھجور سے تیار ہوتا ہے۔ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے کی ہے کیونکہ شراب کو قرآن نے حرام بتایا اور یہاں اسے نعمتوں میں گنایا ہے۔ حرام شے نعمت نہیں ہو سکتی جس سے لازماً نتیجہ نکلا کہ شراب نعمت تھی لیکن ایک وقت تک۔ جب حرمت کا نزول ہوا تو وہ نعمت نہ رہی بلکہ زحمت بن گئی۔

وَرِزْقًا حَسَنًا رزق حسن جیسے کھجور کا میوہ اور اس کا نچوڑ، اور انگور کا میوہ اور اس کا نچوڑ اور سرکہ۔

حدیث شریف میں ہے تمہارے لیے بہترین سرکہ انگوری ہے۔

کھانسی کا علاج

مامون الرشید (خلیفہ عباسی) مرو شہر میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے تو لوگوں نے بیماری کی وجہ سے کھانسنا شروع کر دیا۔ آپ نے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ جسے کھانسی ہو وہ سرکہ انگوری استعمال کرے۔ چنانچہ سرکہ انگوری استعمال کرنے سے لوگ کھانسی سے صحت یاب ہو گئے۔ (کذا فی الروضہ)

نکتہ: آیت مذکورہ پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ اور شراب اور رزق حسن کو کیسی بہتر ترتیب سے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً دودھ کی صنعت میں انسان کو کسی قسم کا دخل نہیں۔ اسی لیے اس کو نسقیکم سے تعبیر کیا ہے۔ اور شراب اور رزق حسن

Scanned with CamScanner

میں انسانی صنعت کو دخل ہے۔ اسی لیے ان کے بارے میں فرمایا تتخذون منہ" یعنی اے لوگو! شراب اور رزق حسن کی ساخت میں تمہارا دخل ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس دودھ پلانے وغیرہ میں لَاٰیَةً" البتہ دلیل روشن ہے لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ایسے لوگوں کے لیے جو اپنے عقول و افہام کو آیاتِ الٰہی کے لیے غور و فکر اور تامل و تدبر پر استعمال کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ومن ثمرات النخیل اور طاعات والاعناب اور مجاہدات کے ثمرات سے تتخذون یعنی ثمراتِ طاعات ومجاہدات و مکاشفات ومشاہدات ووقائع ارباب الطلب والاحوال العجیبہ سے حاصل کرتے ہو۔ سکرا ورزقا حسنا صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سکر سے وہ شراب مراد ہے جو نفس کو جب پلائی جاتی ہے تو نفس کو نشہ چڑھ جاتا ہے پھر اس نشہ کی وجہ سے نفس شرابی کی طرح مست ہو کر جھومتا ہے تو کبھی حق اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے اور کبھی رعونت (سرکشی) جوش وغضب (شرابی کی طرح) اس کے اقوال وافعال سے ریاء وسمعۃ کا صدور ہوتا ہے اور رزقِ حسن سے قلب اور روح کی شراب مراد ہے اور قلب وروح کو جب شراب نصیب ہوتی ہے تو روح وقلب کے شوق ومحبت وعشق وصدق وطلب میں اضافہ ہو جاتا ہے کسی شاعر نے کہا: ؎

شربت الحب کاساً بعد کاس
فما نفد الشراب وما رویت

[ترجمہ: میں عشق ومستی کے پیالے پیتا چلا گیا پھر نہ شراب ختم ہوتی اور نہ میری پیاس بجھتی۔]

اور فرمایا: ؎

سقانی شربت احیی فؤادی
بکاس الحب من بحر الوداد

[ترجمہ: مجھے محبوب نے صرف ایک گھونٹ عطا فرمایا جس سے میرا دل زندہ ہو گیا یعنی بحر عشق کے پیالے سے مجھے صرف ایک گھونٹ نصیب ہوا تو میرا دل زندہ ہو گیا]

ان فی ذٰلك لاٰیة لقوم یعقلون بیشک اس میں دلالت ہے ان لوگوں کے لیے جو اشارات حق کا عقل سے ادراک کرتے ہیں اور اسی عقل سے اشارات کو سمجھتے ہیں۔

ف: اہلِ تحقیق نے فرمایا کہ عقل ایک درخت ہے جس کا ثمر علم وحلم اور قاعدہ ہے کہ شے کا ثمر ہی شے کی شرافت اور بزرگی ظاہر کرتا ہے اور عقلمند انسان اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے کسی قوم کا نبی یعنی جیسے نبی علیہ السلام سے قوم علمی عملی فوائد حاصل کرتی ہے ایسے ہی عقلمند سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی

اللہ تعالیٰ نے عقل کے دو ہزار حصے کئے ایک ہزار حصے تمام انبیاء علیہم السلام کو ملے اور باقی ایک ہزار حصوں میں سے نو سو ننانوے حصے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے باقی ایک حصہ میں سے چار وانق تمام علماء اولیاء، محدثین، مفسرین، مجتہدین صحابہ کرام و عام علماء از آدم تا قیامت کو نصیب ہوئے اور ایک وانق دنیا بھر کے تمام مردوں کو اور نصف وانق دنیا بھر کی تمام عورتوں کو باقی نصف وانق دنیا کے تمام دیہاتیوں جاہلوں گنواروں کو۔

ف : وانق بالفتح و بالکسر درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں۔

ف : ایک بزرگ نے فرمایا کہ دنیا کی عمر قلیل لیکن اس کی حسرت آخرت میں بہت طویل ہوگی انسان اپنے لیے ہی آخرت کا کام کرتا ہے نیک کام کرے گا تو عزیز ہوگا ورنہ ذلیل۔

سبق : عاقل وہ ہے جو موت سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح میں جد و جہد کرتا ہے ہر خشک و تر اور اعلیٰ و ادنیٰ سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور غفلت اور ہوائے نفس کے نشے سے ہوشیار رہتا ہے بلکہ وہ ہر وقت ہدایت کی راہ پر چلتا ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

عقل جزوی را وزیر خود مگیر
عقل کل را ساز اے سلطان وزیر
کین ہوا پر حرص و حالی بین بود
عقل را اندیشہ یوم الدین بود

[ترجمہ: عقل جزوی کو وزیر مت بنا اے سلطان عقل کل کو وزیر بنا اس لیے کہ خواہش نفسانی پر حرص اور حال بین ہے عقل کل کو یوم الدین کی فکر رہتی ہے]

تفسیر عالمانہ

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رب نے وحی بھیجی اِلَى النَّحْلِ شہد کی مکھی کی طرف النحل یعنی شہد کی مکھی اور اس کا بھڑ یعنی اللہ تعالیٰ نے الہام کیا اور اس کے قلب میں ڈالا اور اسے بتایا وہ جو صرف اسے معلوم ہوا۔

مسئلہ : وحی کا اطلاق غیر نبی پر جائز ہے بشرطیکہ اس سے لغوی معنے مراد ہوا اصطلاحی معنی مراد لینا کفر ہے اس کا اطلاق غیر نبی پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کما قال جان ربك اوحی لھا اور اس کا اطلاق تنبیہ خفی پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حیوانات کو وحی کرنے کا یہ معنی ہے کہ ان کے دل میں تمنا پیدا فرمائی کہ وہ اپنے منافع طلب کریں اور ضر رساں چیزوں سے بچیں مثلاً کوے کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ زمین کھود کر قابیل کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو مٹی میں کس طرح دبائے مثنوی شریف میں ہے :

؎

پس بچنگال از زمین انگیخت گرد
زود زاغ مردہ را در گور کرد

Scanned with CamScanner

دفن کردش پس بپوشیدش بخاک
زاغ از الہام حق بد علمناک

[ترجمہ: پنجہ مار کر زمین کو کریدا اور اپنے کوّے مردہ کو قبر میں دفن کیا دفن کر کے اس پر مٹی ڈالی اس لیے کہ کوّے کو اللہ تعالیٰ سے یہ الہام کے طور پر علم ملا]

نحل کی وجہ تسمیہ زجاج نے کہا کہ شہد کی مکھی کو نحل اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نچوڑ لوگوں کو عطا فرمایا ہے اور لغت میں نحل بمعنی عطیہ ہے اس کی شرافت کی دلیل اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اوحیٰ ربك الی النحل۔

اعجوبہ: ہر مکھی جہنم میں جائے گی سوائے شہد کی مکھی کے (۲) عجائب المخلوقات میں ہے کہ عید الفطر رحمت کا دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کو شہد کی صنعت کا الہام فرمایا۔

مسئلہ: حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ شہد کی مکھی کا کھانا حرام ہے اگرچہ شہد حلال ہے جیسے انسان عورت کا گوشت حرام ہے لیکن اس کا دودھ حلال ہے

مسئلہ: شہد کی مکھی کو مارنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: شہد کی مکھی کا چھتہ بیچنا جائز ہے بشرطیکہ اسے دیکھ لیا جائے کہ کیا واقعی اس میں شہد ہے اور کتنا ورنہ بیع الغائب میں شمار ہوگی اور وہ ناجائز ہے کذا فی التحفہ اور التہذیب میں اس کے برعکس ہے۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زنبور اور دیگر حشرات کی طرح شہد کی مکھی کی بیع و فروخت ناجائز ہے ریشم کے کیڑے کی بیع جائز ہے جن سے ریشم تیار ہوتا ہے۔ اَنِ اتَّخِذِىْ اپنے لیے تیار کر، عبارت دراصل بان اتخذی تھی اس لیے کہ ان مصدریہ ہے اور صیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ نحل مذکر مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ مِنَ الْجِبَالِ پہاڑوں کے سوراخوں سے بُيُوْتًا رہنے سہنے کی جگہ کہ جہاں سے وہ گھوم پھر کر واپس آ جائیں شہد کی مکھی کی اس بنا کو (جہاں سے وہ شہد تیار کرتی ہے) بیوتاً سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اسے انسان کے گھر سے مشابہت ہوتی ہے اس لیے کہ شہد کا گھر مسدس متساویہ ہوتا ہے وہ پرکار و مسطر کے بغیر تیار کرتی ہے اور ایسی کامل مہارت کے ساتھ کہ جسے مہندس دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور باوجودیکہ ان کے ہاں ہر قسم کے آلات اور پیمانے ہوتے ہیں لیکن شہد کی مکھی کے گھر جیسا تیار کرنے سے عاجز ہیں۔

ف: گھر کو مسدس اس لیے تیار کرتی ہیں کہ وہ مثلث و مربع و مخمس سے وسیع تر ہوتا ہے اور ان کا گھر کچھ ایسی عجیب طرز سے تیار ہوتا ہے کہ اس میں کوئی سوراخ خالی نہیں ہوتا جیسے کہ عموماً مدورات اور مضلعات میں ہوتا ہے۔

ف: مِنْ تبعیضیہ ہے اس لیے کہ وہ پہاڑ کے کل حصوں میں اپنے گھر نہیں بناتیں اسی طرح وَمِنَ الشَّجَرِ میں بھی من تبعیضیہ ہے یعنی درختوں کے بعض حصوں میں اپنے گھر بنا۔ جب کہ اس درخت کا مالک آقامت پذیر نہ ہو اسی طرح وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ میں بھی من تبعیضیہ ہے کیونکہ انسان کی بلند تر بنائی چیزوں کے کل میں گھر نہیں بناتیں۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ مما یعرشون سے انگور یا مکان کی چھت یا دیواریں مراد ہیں۔

Scanned with CamScanner

ربط: حیوان کو راحت کے بعد کھانا اہم ضرورت ہے اسی لیے پہلے راحت کے اسباب بتائے اس کے بعد کھانے کا ذکر فرمایا اور چونکہ ہر درخت سے کھانا ملتا ہے اسی لیے اسے عموم کے صیغہ کے ساتھ لایا ہے اس میں اس کی عجیب صفت اور سہل الحصول کی طرف اشارہ ہے۔

ثُمَّ كُلِي پھر تو کھا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے ثمرات سے۔ اس میں کثرتِ رزق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اوتیت من کل شئ میں کثرت مراد ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ اے شہد کی مکھی جہاں سے اور جو ثمر تجھے پسند ہے وہاں سے حاصل کر تجھے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں میٹھا یا کھٹا یا کڑوا وغیرہ اس تقریر پر یہ عام مخصوص منہ البعض ہوگا اور اس کی مخصص عادت ہے فَاسْلُكِي یہ شرط محذوف کی جزا ہے دراصل عبارت یوں تھی فاذا اکلت الثمار الخ یعنی جب تو اپنے گھر سے مواضع بعیدہ سے پھل حاصل کرنا چاہے تو تو داخل ہوجا۔

سُبُلَ رَبِّكِ اپنے رب کے راستوں میں یعنی پہاڑوں اور درختوں میں یعنی وہ راستے جو تجھے تیرے رب تعالیٰ نے بتائے اور تجھے اپنے گھر واپس لوٹنے کا الہام فرمایا اگرچہ تو کتنا ہی دور چلی جائے تب بھی تو اپنے گھر واپس لوٹ آئے گی ذُلُلًا ذلول کی جمع ہے یعنی درانحالیکہ وہ راستے چلنے اور پہنچنے کے لیے آسان ہوں گے۔

ف: جب شہد کی مکھی کو اپنے قرب وجوار میں شہد کے لیے اسباب میسر نہیں آتے تو اپنی خوراک کی طلب کے لیے بہت دور علاقوں میں چلی جاتی ہے پھر جب گھر کو لوٹتی ہے تو نہ بھولتی ہے نہ بھٹکتی ہے۔

نکتہ: لفظ رب میں اشارہ فرمایا کہ یہ اس کا لطف عظیم ہے کہ اس نے شہد کی مکھی کی بہتر تربیت فرمائی ورنہ اسے راہ شناسی کب نصیب ہوتی یہ القطا پرندے کی طرح ہے وہ ایک پرندہ ہے جو راہ شناسی میں ضرب المثل ہے مثلاً کہا جاتا ہے اهدى من القطاة وہ اس لیے کہ وہ اپنے بچے گھونسلے میں چھوڑ کر پانی کی تلاش میں دس دن کبھی اس سے زائد دنوں کی مسافت پھرتی سے طے کر لیتی ہے اتنا طویل مسافت کو صبح سے شام تک طے کر لیتی ہے یعنی صبح کو گھونسلے سے نکل کر مسافت مذکورہ طے کر کے شام کو واپس آجاتی ہے (کذافی شرح الشمار)

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شہد کی مکھی کی کارروائی مذکورہ کا نتیجہ اور سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ شہد کی مکھی کے فوائد کیا ہیں جواب دیا کہ مکھی کے پیٹ سے قے کے ذریعے شہد نکلتا ہے شَرَابٌ شہد یہ مصدر بمعنے مفعول یعنی شراب بمعنی مشروب ہے کیونکہ شہد کو پیا جاتا ہے اسی لیے اسے شراب بمعنی مشروب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: شہد کی مکھی اشجار وازہار پھولوں کے اوراق کے اجزا لطیفہ طیبہ اور میٹھے کھاتی ہے اور ثمرات رطبہ اور اشیا عطریہ چوستی ہے پھر اپنے گھر میں اگل دیتی ہے تاکہ وہ غذا اسے سردیوں میں کام دے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے شہد بنا دیتا ہے اسی طرف ظہیر فاریابی نے ارشاد فرمایا ؎

بداں طمع کہ دہن خوش کنی ز غایت حرص
نشستہ منتظر کہ قے کند زنبور

[ترجمہ: غایت حرص میں تجھے طمع ہے کہ دہن وزبان کو میٹھا کرے اسی لیے تو انتظار میں ہے کہ زنبور قے کرے تو میں کھاؤں]

سوال: سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کا بہترین لباس ایک کیڑے کی تھوک اور اس کا بہترین

Scanned with CamScanner

پینے کی شے شہد کی گر بہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد اچھی شے نہیں۔

جواب: شہد کی لذت اور اس کی افضلیت میں کوئی شک نہیں لیکن دنیا کی شے ہے اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد دنیا کی مذمت کرنا ہے نہ کہ شہد کی مذمت مطلوب ہے۔

سوال: تم نے شہد کو مکھی کی قے کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گر بہ فرمایا۔

جواب: مقصد تو مذمتِ دنیا ہے اور چونکہ شہد مکھی کے پیٹ سے ہی خارج ہوتی ہے باین مناسبت کہ وہ منہ سے نکلتی ہے اسی لیے اسے قے سے تعبیر فرمایا اور چونکہ پیٹ کی شے خارج شدہ ہے اسی لیے اسے گربہ کہا گیا۔

عجوبہ: حیٰوۃ الحیوان میں ہے کہ شہد کی مکھی میں اللہ تعالیٰ نے زہر اور شہد کو جمع فرمایا ہے تاکہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہو کہ اس نے اپنی کمال قدرت سے موم رکھی کہ شہد کو رحمت بنایا اور موم کو زہر۔

سبق: یہی حال مومن کا ہے کہ اس کے عمل میں خوف و رجا کو یکجا کیا گیا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھئے کہ شہد کی مکھی باوجودیکہ مختلف درختوں اور مختلف شہروں سے کھاتی ہے لیکن شہد میٹھا ہے آکل و بلاد اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

این کر کرمنا ست و بالا مے رود

وحیش از زنبور کے کمتر بود

چونکہ اوحی الرب الی النحل آمدست

خانۂ وحیش پر از حلوا شدست

او بنور وحی حق عز و جل

کرد عالم را پر از شمع و عسل

[ترجمہ: ولقد کرمنا کے تاج والے اوپر کو پرواز کرتے ہیں ان کی وحی زنبور کی وحی سے کم نہیں۔ اوحی الرب الی النحل قرآن مجید میں ہے۔ اس وجہ سے اس کا سارا گھر شہد سے پُر ہے۔ اس نے وحی ربانی کے نور سے جملہ عالم کو شہد اور موم سے بھر دیا ہے]

عسل کو الحافظ الامین بھی کہا جاتا ہے وہ اس لیے کہ جو کچھ اس کے اندر بطور امانت رکھا جائے اس کی حفاظت کرتی ہے مثلاً میت پر لیپ دی جائے تو اس کی اولاد اور گوشت کو تین ماہ اور میوہ جات کو چھ ماہ محفوظ کر سکتی ہے اسی طرح جس چیز کے متعلق جلد خراب ہونے کا خطرہ ہو اسے شہد میں رکھا جائے تو وہ شے خراب نہیں ہوتی۔

ف: —— حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور حلوہ کو پسند فرماتے تھے۔

Scanned with CamScanner

ف: علماء نے فرمایا حلوہ سے مراد یہاں ہر میٹھی شے ہے۔

سوال: جب ہر میٹھی شے مراد ہے تو پھر شہد کا ذکر دوبارہ کیوں؟

جواب: شہد کی افضلیت و اہمیت کے اظہار کے لیے اس معنی پر ذکر الخاص بعد العام کے قبیل سے ہوگا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ رزق الٰہی سے طیبات اور لذیذ اطعمہ وغیرہ کھانا جائز ہے اور یہ زہد و تقویٰ کے منافی نہیں جبکہ جائز طریقہ سے ہو اور ضروریات زندگی میں تنگی و کمی نہ ہو۔

حدیث شریف: حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلی نعمت جو زمین سے اٹھائی جائے گی وہ شہد ہے۔

دنیا کی نعمتیں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ دنیا چھ چیزوں کا نام ہے (۱) مطعوم (۲) مشروب (۳) ملبوس (۴) مرکوب (۵) منکوح (۶) مشموم۔ اشرف المطعومات شہد ہے اور اشرف المشروبات پانی ہے اس میں نیک اور بُرا برابر ہیں۔ اشرف الملبوسات ریشم ہے اور وہ بھی ایک کیڑا کی تھوک ہے اور اشرف المرکوبات گھوڑا ہے لیکن اس پر سوار ہونے سے کئی جانیں تلف بھی ہو جاتی ہیں اور اشرف المشمومات مشک خالص ہے لیکن یہ بھی ایک جانور کا خون ہے اور اشرف المنکوحات عورت ہے اور یہ بھی ایک پانی کو دوسرے پانی سے ملانا ہے۔

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ اس کے مختلف رنگ ہیں سفید اور سبز اور زرد اور سیاہ رنگ کی شہد ہوتی ہے یہ اختلاف شہد کی مکھیوں کی سن کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے مثلاً سفید شہد ان کے نوجوانوں سے اور زرد ان کے انتہائی بوڑھوں سے اور سرخ ان کے درمیانی عمر والوں کی اور بعض اوقات ان کے رنگ کا اختلاف پھولوں کے مختلف رنگوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ف: کسی ایک حکیم نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ خلوتوں میں ایسے رہو جیسے شہد کی مکھی اپنے گھروں میں ہوتی ہے شاگردوں نے عرض کی وہ اپنے میں کیسے گزارتی ہیں انہوں نے فرمایا کہ وہ اپنے گھروں میں بہت بڑی صفائی رکھتی ہے یونہی گھر میں معمولی سی گرد یا خس دیکھے اسے فوراً باہر پھینک مارے گی تاکہ گھر کی صفائی میں آنچ نہ آئے اسی لیے وہ اپنا گھر نہایت تنگ اور مختصر بناتی ہے تاکہ صفائی اور ستھرائی میں سہولت ہو اور پھر شہد ٹھیک صورت سے گھر میں پھینکتی ہے) یعنی خراب نہ ہو یہی وجہ ہے کہ شہد سے جان میں پھرتی اور راحت و فرحت پیدا ہوتی اور سستی و کاہلی دور بھاگتی ہے۔

ملفوظ ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مومن شہد کی مکھی کی طرح ہے کہ وہ پاک غذا کھاتی اور پاک مشغلہ رکھتی ہے یعنی شہد دیتی ہے اور مومن کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ظاہر ہے کہ شہد کی مکھی میں یہ صفات ہیں،

۱- اپنے معاملہ یعنی شہد بنانے میں حاذق و ماہر ہے۔

۲- اسی صنعت میں فطین و ذکی و فہیم ہے۔

۳- تا حدِ امکان کسی کو ایذا نہیں دیتی۔

۴- ان گنت منافع رکھتی ہے جو اپنے لیے نہیں غیروں کے لیئے۔

۵- پلیدیوں گندگیوں غلاظتوں سے متنفر ہے۔

۶- پاک اور حلال غذا کھاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

۷۔ دوسروں کی دست نگر نہیں خود کما کر کھاتی ہے بلکہ یوں کہو کہ غیروں کو کما کر کھلاتی ہے۔

۸۔ اپنے امیر کی خوب اطاعت گزار ہے اسی طرح مومن میں مذکورہ خصلتیں ہوں تو پھر مرکز تجلیات حق بن جائے گا۔

شہد کو نقصان پہنچانے والی اشیاء: یہ اشیاء شہد کے لیے نقصان دہ ہیں (۱) تاریکی (۲) بادل (۳) ہوا (۴) دھواں (۵) پانی (۶) آگ

سبق: مومن کو بھی چھ چیزیں ضرر رساں ہیں (۱) ظلمت الغفلۃ (۲) غیم الشک شک کے بادل (۳) فتنہ کی ہوا (۴) دخان الحرام۔ حرام مال وغیرہ کا استعمال (۵) ماء السفہ (بیوقوفی) (۶) نار الہوی۔

فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے یعنی شہد ان دردوں کی دوا ہے جن کے متعلق اس میں شفا دینے کا مادہ رکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ہر مرض کی دوا ہے کما قال فی خزائن العرفان۔

فیہ شفاء للناس میں عموم کلی نہیں کہ ہر مرض کی دوا ہو یا ہر انسان کی شفا ہو اس کے عموم کلی کے نہ ہونے کی دلیل موجود ہے وہ یہ کہ نکرہ سیاق واثبات میں واقع ہے اور وہ عام نہیں بلکہ وہ نکرہ جو سیاق نفی میں واقع ہو وہ عام ہوتا ہے۔ والتفصیل فی الاتقان للسیوطی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہد بھی بیماریوں سے ویسے شفا دیتی ہے جیسے دوسرے ادویہ فائدہ بخشتے ہیں یعنی جیسے ان کے مخصوص خواص ہیں اس کے بھی ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ہر دو حضرات اسے عموم پر محمول فرماتے فقیر اویسی غفرلہ بھی اس کو ترجیح دیتا ہے اس لیے کہ اگر یہ دوسرے ادویہ کی طرح ہے تو پھر خصوصیت سے اس کا ذکر کیوں حالانکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ کسی شے کا خصوصیت سے ذکر کرنا اسے غیروں سے ممتاز ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے دوسرا قاعدہ عموم میں نہ ہونا اس کے عموم کلی کی نفی نہیں کرتا اس لیے کہ اس کا عموم دوسرے قاعدے سے ثابت ہے وہ ہو الحصر والتاخیر با فیہ التقدیم (چنانچہ مطول و علم معانی میں اور خود اتقان میں یہ قاعدہ موجود ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کے مقدمہ احسن البیان جلد دوم میں ہے)

ف: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فیہ شفاء للناس میں اشارہ ہے کہ شہد بذاتِ خود بہت سی بیماریوں کی شفا ہے مثلاً امراض بلغمیہ کو خالص شہد کا استعمال فائدہ بخشتا ہے یا ایسے دوسرے ادویہ میں ملا کر جیسے جملہ امراض کے اکثر و بیشتر ادویہ میں شہد کا ہونا ضروری ہے بلکہ کوئی معجون اور شربت ایسا نہیں جس میں شہد نہ ملائی جائے اور دور سابق میں اس کے لیے تمھی بھی صرف شہد ورنہ گڑ، شکر، کھانڈ، مصری وغیرہ تو قریب زمانہ کی صنعت اور وہ بھی چند مخصوص علاقوں تک محدود ہیں گویا یہ اشیاء بدعت ہیں جو لوگ بدعت سے گھبراتے ہیں اگر چہ سہی لیکن انہیں دیکھئے کہ اس بدعت کو کیسے ہڑپ کر جاتے ہیں اور انہیں ڈکار تک نہیں آتا اور نہ ہی انہیں کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار یاد آتا ہے اویسی غفرلہ بہر حال دور سابق میں اکثر ادویہ کے لیے شہد کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفےٰ

مروی ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے بھائی کو اسہال چل رہے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے شہد پلا دے اس نے واپس جا کر شہد پلائی تو اتنا مرض میں اضافہ ہو گیا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ شہد پلانے سے میرے بھائی کا مرض بڑھ گیا ہے آپ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ۔

خاموشی سے واپس جاکر بھائی کو دوبارہ شہد پلا دیا لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی پھر بارگاہ رسالت میں حاضری دی اور عرض کی حضور حسب الارشاد میں نے بھائی کو شہد پلایا تو اور اسہال کا زور ہو گیا آپ نے فرمایا: "اذهب فاسقه عسلا فقد صدق الله وكذب بطن اخيك. جا بھائی کو اور شہد پلا دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے تیرے بھائی کے پیٹ میں جھوٹ ہے۔" حسب الحکم شہد پلا دی اس سے ایسے صحیح اور تندرست ہو گیا جیسے اونٹ سے نکیل دور کی جائے تو خوش ہو کر بھاگتا ہے۔

قوتِ حافظہ کا نسخہ

ایک شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی اہلیہ کے ضعف حافظہ کی شکایت کی آپ نے فرمایا: اسے اپنے گھر واپس لوٹنے کی اہلیت ہے یعنی باہر جاکر گھر خود واپس لوٹ آتی ہے اس نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اسے کہو کہ وہ تمہیں مہر سے دو درہم بطیب خاطر دے دے یعنی حلال مال سے ان سے شہد اور دودھ خریدے اور ان کے ساتھ بارش کا پانی ملا کر منہ نہار پلائیے اللہ تعالیٰ اسے قوتِ حافظہ سے نواز دیگا۔

ف: حضرت حسن بن الفضل رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین آیتوں سے یہ نسخہ تیار فرمایا وہ تین آیتیں یہ ہیں:

۱ - وانزلنا من السماء ماء مبارکا - اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا اس سے بارش کے پانی کا جز لیا۔

۲ - خالصا سائغا للشاربین - دودھ خالص اور خوشگوار ہے پینے والوں کے لیے اس سے آپ نے دودھ کا جز لیا۔

۳ - فیه شفاء للناس سے شہد کا جز ملایا اور مہر کی قید "فکلوه هنیئا مریئا" کھاؤ اسے رچتا پچتا سے لگائی۔

ف: جب کسی نسخے میں (۱) برکت (۲) شفا (۳) رچتا پچتا مال (۴) خالص خوشگوار (دودھ) مل جائے تو پھر کیا تعجب کہ بیماری سے شفا نصیب نہ ہو۔

ہر درد کی دوا

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو آپ نے فرمایا پانی لاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وانزلنا من السماء ماء مبارکا۔ اس کے بعد فرمایا شہد لاؤ اس کی دلیل میں یہی آیت فیه شفاء للناس پڑھی اس کے بعد فرمایا تیل زیتون لاؤ اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے شجرۂ مبارکہ فرمایا ہے آپ نے سب کو ملا کر پیا اور شفایاب ہو گئے۔

ہر بیماری کا علاج

بعض حضرات سرمے کی طرح آنکھ میں شہد کو سلائی پر لگا کر آنکھ میں پھیرتے تھے۔ اور ہر بیماری کا علاج شہد سے کرتے تھے اور ایسی شہد جس میں پانی اور آگ و دھوئیں کی ملاوٹ نہ ہو اور اس میں تھوڑی سی مشک خالص ملا کر سرمے کی طرح آنکھ میں لگائی جائے تو نزول الماء دور ہو جاتا ہے۔

جوئیں مارنے کا نسخہ: شہد سر پر ملنے سے جوئیں مر جاتی ہیں۔

زہر اتارنے اور باولے کتے کاٹے کا علاج: شہد کو گرم پانی میں ملا کر پینے سے زہر اتر جاتا ہے باولے کتے کے کاٹے ہوئے کو شہد کا لعوق چاٹنا فائدہ دیتا ہے۔

نکتہ: امام الاولیاء حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شہد میں اس لیے شفا کی رکھی ہے کہ شہد کی مکھی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلت کا

Scanned with CamScanner

اظہار کیا اور ہر طرح کی اطاعت کی اور درخت کے ہر قسم کے ثمرات کڑوے میٹھے کھٹے کھائے اس نے اپنی شہوات کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عجز و نیاز کے پیش نظر اس کی شہد کو تمام بیماریوں کی شفا بنا دیا۔

سبق : اسی طرح انسان بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز کرے اور اس کی رضا کی خاطر ترکِ شہوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے کلام سے بیمار قلوب کو شفا بخشے گا۔

ف : شہد میں تین فائدے ہیں (۱) شفا (۲) حلاوت (۳) نرمی یہی مومن میں ہے کما قال اللہ تعالیٰ ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ۔

ف : نوجوان شہد کی مکھیوں سے بوڑھی مکھیوں کے شہد کا رنگ مختلف ہوتا ہے اسی طرح بعض افراد عبادت میں میانہ رو ہوتے ہیں اور بعض سبقت کرنے والے۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ شہد ہر مرض کی دوا ہے یعنی اجسام کی تمام بیماریوں کی شفا شہد میں ہے ایسے ہی قرآن مجید میں قلوب (ارواح) کی جملہ امراض کی شفا ہے۔

ف : تم دو شفاؤں کو لازم رکھو یعنی قرآن مجید اور شہد سے

رنج اگر بسیار شد کے غم خورم
چوں شفائے جان بیمارم توئی

[ترجمہ : بیماری اگرچہ بہت زیادہ ہے تو کیا غم اس لیے کہ تیرا جیسا محبوب میری شفا ہے]

حدیث شریف : اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں میں شفا رکھی ہے (۱) الحبۃ السوداء (کلونجی) (۲) حجامت پچھنے لگوانا (۳) شہد (۴) ماء السماء بارش کا پانی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک شہد کی مکھی میں لَاٰیَۃً قدرت کاملہ پر حجت ظاہرہ اور دلالت باہرہ ہے لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ایسے لوگوں کے لیے جو تفکر و تدبر کرتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ شہد کی مکھی نہایت صغیر جثہ اور بہت بڑی کمزور ہونے کی وجہ سے اتنا عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتی اس پر ضرور کسی ذات کی نظر عنایت ہے ورنہ دوسرے حشرات الارض بھی ہیں اور اس سے بہتر اور برتر پرندے بھی ہیں لیکن ان سے ایسی صنعت کہاں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہی کا خالق اس کا مددگار ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس میں اس گروہ کے لیے دلیل ہے جو تدبر و تفکر کرتے ہیں کہ شہد کی مکھی کو اتنا بہت بڑے بہترین امور کے سرانجام دینے میں الہام ربانی کی تائید شامل ہے ورنہ ایسی کمزور مخلوق سے اتنا بہت بڑا کارنامہ کیسا یہ اس کی نوازش ہے کہ اس نے ایسے ضعیف اور کمزور جانور میں ایسی صنعت اور دانشمندی امانت و ودیعت رکھی اس لیے وہ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں کہ ہم اس ذات کی فرمانبرداری سے کیوں انحراف کریں جبکہ اس کریم نے ایسے کمزور جانور میں بہترین شہد پیدا فرمائی تو وہ بھی انسانوں کے لیے اور وہ بھی کم بخت ہے جو اس کی نعمت کھا کر اس کے سامنے سر نہیں جھکاتا نیز جس طرح کے گھر شہد کی مکھی تیار کرتی ہے اسے دیکھ کر بہت بڑے کاریگر اور اونچے درجہ کے انجینئر انگشت بدنداں ہیں پھر وہ شہد نہ صرف لذیذ بلکہ جملہ امراض کی شفا بھی ہے اس لیے تفکر و تدبر کرنے والے حضرات شہد کی مکھی کے حالات سے قلوب و ارواح کی بیماریوں سے

شفا پاتے ہیں سے

شکر دل را نیک و ہم نمکین کند

کام جاں را چوں عسل شیریں کند

شربت شکر ار بکام جاں رسد

چاشنیٔ آں بماند تا ابد

[ترجمہ: شکر دل کو نیک اور نمکین کرتا ہے روح کو شہد کی طرح شیریں کرتا ہے شکر کی شربت اگر جان میں پہنچتی ہے تو اس کی چاشنی ہمیشہ تک رہتی ہے]

نکتہ: امام قشیری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اعلیٰ شے کو حقیر شے میں پوشیدہ رکھتا ہے مثلاً ابریشم کو کیڑے میں باوجودیکہ وہ اصغر الحیوانات اور نہایت کمزور ہے لیکن ابریشم جیسی قیمتی شے کو اس میں مخفی رکھا اسی طرح شہد کی مکھی اضعف الطیور ہے اور صدف بھی حیوانات بحریہ میں سے وحشی جانور ہے اس میں موتی بیش بہا پوشیدہ ہے اسی طرح سونا، چاندی اور فیروزہ پتھروں میں چھپائے ایسے ہی اپنی معرفت و محبت و عشق اہل ایمان کے قلوب میں چھپائے اور وہ عوام اہل ایمان میں رہتے ہیں جن میں بعض عاصی و مجرم ہیں اور خطاکار و گنہگار ہیں اور ان میں عارفین کاملین بھی ہیں سے

کسے را کہ نزدیک ظنت بد اوست

ندانی کہ صاحب ولایت ہم اوست

[ترجمہ: بہت سے لوگ تیرے گمان میں برے ہیں تجھے کیا خبر کہ وہی صاحب ولایت اور معرفت کے حامل ہوں]

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جملہ حیوانات باوجود کثرت کے اپنی شان کے لائق تصرف کرتے ہیں تو اللہ تبارک تعالیٰ کے عنایت کردہ عرفان والہام سے تصرف کرتے ہیں یہ بھی اس کا قانون اور اس کی حکمت قدیمہ کا تقاضا ہے ورنہ اپنے طور کون تصرف کر سکتا ہے۔

نکتہ: شہد کی مکھی کو الہام وحی سے مخصوص کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ انسان سے مشابہت رکھتی ہے بالخصوص اہل سلوک سے اسے مشابہت تمام حاصل ہے اس لیے کہ اہل سلوک عوام سے علیحدگی اختیار کرتے اور عزلت نشیں ہو کر عبادت حق میں مشغول ہوتے ہیں ایسے ہی شہد کی مکھی بھی پہاڑوں اور جنگلوں میں بسیرے تیار کرتی ہے یہی کیفیت ابتدائے نبوت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ ہفتہ ہفتہ عبادت کی مشغولی میں غار حرا میں گزار دیتے تھے بلکہ کبھی آپ کا اس حال میں مہینہ مہینہ بھی گزر جاتا تھا پھر جیسے اہل سلوک بیٹھنے اور لباس اور خوراک وغیرہ میں نظافت پسند ہیں ایسے ہی شہد کی مکھی کا حال ہے کہ وہ جب شہد کرتی ہے تو کسی صاف ستھرے پتھر یا نظیف و لطیف اینٹ پر تاکہ مٹی اور گرد و غبار وغیرہ نہ مل جائے ایسے شہد کی مکھی گندگی، غلاظت، گوبر وغیرہ پر نہیں بیٹھتی نہ ہی وہ مردار وغیرہ پر وہ بھی انسان کی طرح ایسی غلیظ اور گندی چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتی ہے یاد رہے کہ انسان کے بدن کے ثمرات اعمال صالحہ اور اس کے نفس کے ثمرات ریاضات و مجاہدات و محافظۃ الھوی اور

Scanned with CamScanner

اس کی طلب کے ثمرات ترک الدنیا وطلب العقبیٰ والترجا الی حضرۃ المولیٰ اور اس کی ترک کے ثمرات شواہد الحق والتطلع علی الغیوب والتقرب الی اللہ ہے یہ تمام اشیاء انسان کی روح کی غذائیں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی سے فرمایا کلی من کل الثمرات ایسے ہی سالکین راہ ہدیٰ سے فرمایا کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً۔

تفسیر عالمانہ

وَ اللّٰہُ اور اللہ تعالیٰ علم وقدرت کے لحاظ سے ہر شے کو محیط ہے خَلَقَکُمْ تمہیں پیدا فرمایا یعنی تم معدوم تھے تو تمہیں موجود فرمایا یعنی تمہیں ظلمات عدم سے انوار وجود کی طرف لایا ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ پھر تمہیں فوت کرے گا یعنی تمہاری ارواح قبض کرے گا کسی کو بچپن میں کسی کو ادھیڑ عمر میں کسی کو بڑھاپے میں تو چھوٹے بچے کو قدرت ہے کہ وہ اپنے اجل کو موخر کرے نہ ہی بوڑھے کو طاقت ہے کہ وہ وقت سے پہلے مرجائے اور بعض تم میں جوانی میں فوت ہو جاتے ہیں وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اور تم میں بعض وہ ہوتے ہیں کہ موت سے پہلے لوٹائے جاتے ہیں اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ رذیل خسیس وحقیر ترین عمر کی طرف یعنی بڑھاپے کی طرف کہ ایسے حال میں ہو جاتا ہے جیسے ننھا بچہ۔ جیسے ننھا بچہ قوت، جسم، عقل وفہم میں کمزور ہوتا ہے ایسے ہی بوڑھا بابا اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں بعض ساٹھ سال کی عمر میں ایسے بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہیں اور بعض سو سال ہو جانے کے باوجود بھی موٹے تگڑے ہوتے ہیں۔

ف: قتادہ نے فرمایا کہ نوے سال کے بعد انسان کاروبار اور تصرف سے معطل ہو جاتا ہے نہ ہی اس سے کوئی نیکی ہو سکتی ہے نہ ہی برائی اسی لیے محمد بن علی الواسطی نے اپنے لیے یوں دعا مانگی ہے

یارب لا تحینی الی زمن | اکون فیہ کلا علی احد
خذ بیدی قبل ان اقول لمن | القاہ عند القیام خذ بیدی

[ترجمہ: اے اللہ مجھے اس وقت تک زندہ نہ رکھنا کہ کسی پر بوجھ بنوں میری اس وقت سے پہلے موت دے دے کہ کسی دوسرے سے سہارا لوں]

حکایت حجاج نے ایک بوڑھے سے پوچھا کہ تیری خوراک کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ کھاتا ہوں تو بوجھل ہوتا ہوں نہیں کھاتا ہوں تو کمزور پڑ جاتا ہوں پھر پوچھا کہ تیری نیند کا کیا حال ہے کہا کہ مجمع میں نیند کرتا ہوں اور بستر پر نیند نہیں آتی پھر پوچھا تیرا اٹھنا بیٹھنا کیسا ہے کہا کہ میں بیٹھا ہوں تو زمین سے دور ہو جاتا ہوں اور جب بیٹھ جاتا ہوں تو زمین چمٹ جاتی ہے پھر پوچھا تیرے چلنے کا کیا حال ہے اس نے کہا کہ چلتے وقت پاؤں کو رستے جکڑ جاتے ہیں اور صرف بینگنی کی اڑ سے گرنے لگتا ہوں۔

لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا تاکہ جاننے کے باوجود نہ جان سکے یعنی اس کا بچوں جیسا حال ہو جاتا ہے کہ جیسے نا سمجھ ہر بات جلد بھول جاتا ہے ایسے ہی بوڑھے کا حال ہو جاتا ہے تجربہ شاہد ہے کہ بوڑھے آدمی کو جب کوئی بات بتائی جائے تو تھوڑی دیر کے بعد پھر پوچھا جائے اس سے اس بات کا پوچھا جائے تو کچھ نہیں بتا سکتا خلاصہ یہ کہ بوڑھا آدمی بات کو جلد تر بھول جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کے علم میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جب وہ بتائی ہوئی بات کو یاد نہیں رکھ سکتا تو مزید علم کو کیسے محفوظ رکھ سکے گا۔

سوال: لفظ کَیْ جب مذکور ہے تو پھر لام کَیْ کا کیا فائدہ؟

Scanned with CamScanner

جوابیہ : معنی تاکید کے لیے استعمال میں لائی گئی ہے اور یہ یرد کے متعلق ہے بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ لام جارہ اور سکے حرف مصدری ہے
اُن کی طرح کے بھی مصدریہ ہوتا ہے اور شیًا، لا یعلم کا مفعول بہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری زندگیوں کی مقداریں جانتا ہے۔

کاشفی نے لکھا کہ وہ دانا ہے اور اس کی دانائی پر جہل کا طاری ہونا محال ہے قَدِیۡرٌ وہ قدرت والا ہے کہ اس کی قدرت پر عجز کو گزر نہیں یعنی وہ قدرت رکھتا ہے کہ نوجوان کیلئے ہنستے کو موت دے دے اور بوڑھے کمزور پریشان حال کو تادیر زندہ رکھے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

اے بسا اسپ تیز رو کہ بماند

کہ خر لنگ جاں بمنزل برد

بس کہ در خاک دوستاں را

دفن کردند و زخم خوردہ نمرد

[ترجمہ : بہت سے تیز رفتار گھوڑے منزل سے رہ گئے لیکن لنگڑا گدھا جان سلامت سے کر منزل مقصود کو پہنچا بہت سے
عجیبوں نوجوانوں کو دفن کیا گیا لیکن زخم خوردہ بیمار کو موت نہ آئی]

مسئلہ : زندگی کے ایام قادر حکیم کی تقدیر پر ہیں ان کے اجسام اور مزاج اپنی تقدیر کے مطابق پیدا فرمائے اگر سب کی عمریں مقتضائے طبع پر موقوف ہوتیں تو مختلف عمر کے لوگ نہ ہوتے۔

زندگی کے ادوار اہل علم فرماتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے دور سات ہیں :

۱۔ دورِ طفولیت سات سال تک۔

۲۔ دورِ صبی چودہ سال تک۔

۳۔ دورِ شباب بتیس سال تک۔

۴۔ کہولت

۵۔ شیخوخت۔

۶۔ ہرم

۷۔ آخر العمر یعنی موت۔

الارشاد میں زندگی کے ادوار چار لکھے ہیں :

۱۔ نشو و نما کا سن

۲۔ سن الوقوف یعنی سنِ شباب

۳۔ سن الانحطاط القلیل یعنی سنِ کہولت

۴۔ سن الانحطاط الکبیر یعنی سن الشیخوخۃ۔

ف : تمام ادوار سے بڑا دور بڑھاپے کا ہے کہ اس میں بچوں جیسا حال ہو جاتا ہے یعنی عقل و قوت میں خلل پڑ جاتا ہے جب یہ سن شروع ہوتا ہے
نہ بیماری سے شفا ملتی ہے نہ کوئی دوا اثر کرتی ہے۔

Scanned with CamScanner

حضور کی ایک دعا

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے :

اعوذ بك من البخل و الکسل و ارذل العمر و عذاب القبر و فتنة الدجال و فتنة المحیا و الممات ۔

[اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل، سستی اور ارذل العمر اور عذابِ قبر اور فتنۂ دجال اور زندگی و موت کے فتنے سے پناہ مانگتا ہوں]

مومن کی شان

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ارذل العمر کی وعید کافر کے لیے ہے ورنہ اہل ایمان کی عمر کے اضافے سے عقل و فہم میں اضافہ ہوتا ہے صرف اس کے ایمان کی تعظیم و تکریم کی بنا پر۔

تلاوتِ قرآنِ پاک کی برکت : حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو ارذل العمر نقصان نہیں پہنچائے گا۔

ایسے ہی جو قرآن مجید کے آیات میں تدبر و تفکر اور ان پر عمل کرتا ہے (کذا فی تفسیر العیون)

انبیاء و اولیاء کی شان

فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ جنون اور پاگلپن وغیرہ واقعی نقص اور عیب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ وہ کاملین یعنی انبیاء و اولیاء کو اس بیماری میں مبتلا نہیں فرماتا۔

ف : مفسرین نے لکھا کہ علماء کو ارذل العمر کی خرابیوں میں مبتلا نہیں کیا جاتا کوئی اگرچہ اس عمر تک پہنچ جائے تو علمائے آخرت یعنی خوفِ خدا دل میں رکھنے یعنی باعمل علماء مراد ہیں اس سے مطلقاً ہر پڑھا لکھا مولوی عالم مراد نہیں اس لیے کہ ہم اپنے زمانہ کے بعض مولویوں کو دیکھ رہے ہیں کہ ان کی زندگی کے لمحات لہو و ہوس میں بسر ہوئے جب بڑھاپے میں مبتلا ہوئے تو ان کی عقل ماری گئی کہ بچوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے۔

مسئلہ : واقعی ارذل العمر کا دور نہایت مشکل اور سخت ترین زمانہ ہے لیکن یہی وقت مغفرت اور بلندی درجات حاصل کرنے کا ہے۔

حدیث شریف

انسان جب اسّی سال کا ہوتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھی اور برائیاں مٹتی ہیں جب نوّے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ سب گناہ بخش دیتا ہے بلکہ اس کو دنیا میں اسیر اللہ (اللہ کا قیدی) کا لقب دیا جاتا ہے پھر وہ قیامت میں اپنے گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔

بے ادبی اور گستاخی کی سزا

مروی ہے کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے فقر و فاقہ اور تنگدستی نے ستایا ہے آپ نے فرمایا غالباً تو کسی بوڑھے کے آگے آگے چلا ہوگا۔

سب سے پہلا بوڑھا : آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے بڑھاپے کے آثار ابراہیم علیہ السلام میں نمودار ہوئے عرض کی یا اللہ یہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا نور ہے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ تو پھر اپنے نور میں اضافہ فرما اور وقار عطا فرما۔

تجربہ : پہلے دور میں انسان کو اسّی سال کے بعد احتلام ہوتا تھا۔

ف : حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا چھوٹا بچہ دو ہزار سال کا ہو کر فوت ہوا۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ امتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عمریں اگرچہ چھوٹی ہیں لیکن ان پر فضلِ ربانی بہت زیادہ ہے اس لیے کہ یہ لوگ تھوڑے عرصہ میں بہت بلند مراتب حاصل کر لیتے ہیں جو پہلے لوگوں کو مدتوں کے بعد بھی حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

تجربہ : کسی حکیم نے فرمایا کہ انسان کی پچھلی زندگی بہتر ہوتی ہے اس لیے کہ اس کے آخری دور میں اس سے جہالت دور ہو جاتی ہے اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ
اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ
هُمْ یَكْفُرُوْنَ ۝ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْـًٔا وَّ
لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا
عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ
یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا
یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰی مَوْلٰىهُ ۙ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ؕ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ یَّاْمُرُ
بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ ع ۲ ۱۴

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت بخشی ہے تو جنہیں فضیلت بخشی گئی وہ اپنا رزق اپنی باندیوں غلاموں کو ایسے نہیں دیں گے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو پھر کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی سے تمہارے لیے عورتیں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے اور نواسے پیدا کیے اور تمہیں عمدہ چیزوں سے روزی بخشی تو پھر کیا باطل پر یقین اور نعمتِ الٰہی کے منکر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت گھڑو بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمائی (وہ یہ کہ) ایک غلام ہو دوسرے ایسے شخص کا جو خود کسی شے کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک ایسا ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا فرمایا ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ طور اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے تو کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔ جملہ تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں بلکہ ان کے اکثر تو جانتے ہی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے دیگر دو مردوں کی مثال بیان فرمائی ایک ان کا گونگا جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے آقا پر وبالِ جان ہے وہ اسے جدھر بھیجتا ہے کوئی صحیح کام کر کے نہیں لاتا کیا برابر ہو گا یہ اور وہ جو انصاف کا حکم کرتا ہے اور وہ خود بھی سیدھی راہ پر ہے۔

(ص ۲۵۹ سے آگے)

اور رائے پختہ ہو جاتی ہے اور عورت کی پچھلی عمر بہت بری ہوتی اس لیے کہ اس دور میں بد خلق اور تیز زبان ہو جاتی ہے اور آخری عمر میں پہنچنے سے بھی رہ جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

حدیث شریف: تمہارے نوجوانوں میں وہ بدترین جو بڈھوں سے مشابہت رکھیں اور وہ بڈھے بہت برے ہیں جو نوجوانوں سے مشابہت کریں

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مشابہت چند انواع پر مشتمل ہے:

شرح الحدیث از صاحب رُوح البیان ۱۔ اقوال ۲۔ احوال ۳۔ افعال ۴۔ قیام ۵۔ قعود ۶۔ لباس وغیرہ۔ یعنی ان امور میں ایک دوسرے کی نقل اتاری جاسکتی ہے۔ صوفی معنٰی شیخ (بوڑھا) ہے۔ اس لیے کہ اس کا مقصد فنا ہے یعنی کل اوصاف بشریہ سے فانی ہو جانا۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ بوڑھوں والا لباس پہنے اگرچہ نوجوان ہو۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جو چالیس سال کا ہو جائے اور اس کے شر پر خیر غالب نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کے لیے تیار رکھے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ساری زندگی کا عیش آخرت کے مقابلے میں صرف ایک لمحہ ہے اگر تم نے زندگی کے لمحات ضائع کر دیے تو سمجھو کہ تم نے ہمیشہ کا خسارہ پایا اور تحصیل خاسرین میں لکھا جائے گا۔ نیز آیت میں بقا بعد الفنا کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ فانی وہ ہے جو اپنے وجود مردود سے بالکل فارغ ہو جائے اور باقی وہ ہے جو وجود حقیقی میں گم ہو لکی لا یعلم بعد علم شیئا کا مطلب یہ ہے کہ اس کا انجام یہ ہو کہ اپنے علم کی فنا کے بعد خود کچھ نہ جانے بلکہ جو کچھ اسے معلوم ہو وہ اپنے رب تعالیٰ کے علم سے ہو (کذا فی التاویلات النجمیہ)

(تفسیر آیات صفحہ ۲۶۰)

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ تمہارے بعض کو بعض پر رزق کے بارے میں فضیلت بخشی ہے یعنی رزق میں متفرق درجے رکھے ہیں تم میں بعض دولت مند ہیں اور بعض تنگدست۔ بعض تم میں مالک ہیں اور بعض مملوک۔

ف: وہ مطعومات و مشروبات جو اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے لیے مقرر فرمائے ہیں اسے عرف شرع میں رزق کہا جاتا ہے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ رزق و دولت نہ عقل پر موقوف ہے نہ دانائی پر اور نہ کثرت جد و جہد پر۔ اور تنگ دستی بھی بیوقوفی اور کم عقلی اور جد و جہد میں کمی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ یہ دونوں منجانب اللہ ہوتے ہیں۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاھبہ

وجاھل جاھل تلقاہ مرزوقا

[ترجمہ: بہت سے بڑے دانا روزی سے تنگ ہوتے ہیں اور بہت سے جاہل خوشحال ہوتے ہیں]

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا:

سکندر را نمی بخشند آبے

بزور و زر میسر نیست ایں کار

Scanned with CamScanner

[ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے سکندر کو آبِ حیات نہ بخشا حالانکہ اسے طاقت اور دولت حاصل تھی]

ف : ابن الشیخ نے فرمایا یہ صرف مال و دولت اور رزق سے مخصوص نہیں بلکہ ہر معاملہ میں تقسیم ربانی ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کو ذکاوت بخشا کسی کو کند ذہنی، کسی کو شعور اور کسی کو جہالت، اور کسی کو حسن عطا فرمایا، کسی کو قبح۔ کسی کو تندرستی اور کسی کو بیماری وغیرہ

گنج زر گر نبود گنج قناعت باقیست

آنکہ آں داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

[ترجمہ : دولت کا خزانہ برباد ہو سکتا ہے لیکن گنجِ قناعت دائمی اور باقی ہوتی ہے۔ اُس نے بادشاہوں کو مٹنے والی شاہی بخشی اور گداگروں (فقیروں، درویشوں، اللہ والوں) کو دائمی شاہی عنایت فرمائی]

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلوب ارواح کو قلوب پر مکاشفات و مشاہدات کے رزق کے بارے میں فضیلت بخشی ہے۔ یعنی وہ مکاشفات و مشاہدات جو فنا کے بعد بقا میں سالک کو نصیب ہوتے ہیں اور قلوب کو نفوس پر زہد و ورع و تقویٰ و صدق و یقین اور ایمان و توکل و تسلیم و رضا کے رزق میں فضیلت بخشی اور نفوس کو ابدان پر تزکیہ و شدائد مجاہدات کی تکالیف کو برداشت کرنے اور مصائب و بلایا پر صبر اشارات طریقت کے ساتھ اعبائے شریعت کے اٹھانے اور اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ اخلاقِ ذمیمہ کو تبدیل کرنے کے رزق سے فضیلت بخشی اور کافروں کے ابدان پر اہلِ ایمان کے ابدان کو اعمالِ صالح (جو ارکانِ شریعت ہیں) کے رزق سے فضیلت بخشی اور انہیں تلاوتِ قرآن اور ذکر باللسان جو مشرف باخلاص بالجنان ہیں سے مشرف فرمایا۔

تفسیر عالمانہ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا یہ مَا نافیہ ہے اور الذین سے وہ مالک مراد ہیں جو رزق میں ممالیک (غلاموں) پر فضیلت رکھتے ہیں برآدِّی رِزْقِهِمْ با زائدہ ہے۔ برادی رزقہم دراصل رادین رزقہم تھا۔ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔ رادین بمعنے معطین ہے۔ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ان کے وہ ممالیک جو مخلوقیۃ و مرزوقیۃ میں ان کے شریک ہیں فَهُمْ اس کا مرجع آقا اور ممالیک دونوں ہیں فِيْهِ اس کا مرجع رزق ہے سَوَآءٌ فہم کی خاء ولالت کرتی ہے کہ تساوی کا ترتب الرد پر ہے۔ اب ترجمہ یوں ہوا کہ وہ ممالیک کو نہیں دے سکتے کہ وہ بھی آقاؤں کی طرح تصرف میں ان کے برابر اور تمیزِ امور میں ان کے شریک ہیں۔ ہاں چند چیزیں آقا اپنے مالیک کو دے سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے جن کو دنیا و دولت وغیرہ سے نوازا ہے وہ نہیں چاہتے کہ ان کے ممالیک (ماتحت) مال و دولت اور دُوسرے امور میں ان کے شریک ہوں حالانکہ وہ ممالیک (ماتحت) بشریت و مخلوقیت میں ان کی ہم جنس ہیں۔ غور کیجئے جب وہ اپنے ہم جنسوں کے لیے اپنے ممالیک (ماتحت) کو اپنے برابر نہیں چاہتے تو پھر وہ بیوقوف اللہ تعالیٰ کے بندوں بلکہ اس کی پیدا کردہ چیزوں کو اس کا شریک کیسے بناتے ہیں حالانکہ ان معمولی اشیا (بُت وغیرہ) کو اس قادرِ مطلق اور خالقِ برحق سے کیا نسبت۔ کہاں یہ عاجز بندے اور کہاں ربِ کائنات اور خالق الارض والسماوات۔

Scanned with CamScanner

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کی بت پرستی کی مثال نہایت قبیح طرز میں بیان فرمائی تاکہ وہ اپنی حماقت کا ماتم کریں۔ جبکہ وہ تلبیہ میں کہتے تھے لبیك لا شریك لك الا شریك هو لك ۔ (ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے کہ جسے تُو نے خود شریک بنایا ہے) اس سے وُہ اپنے معبود مراد لیتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے یہ معبود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خود شریک مقرر فرمائے ہیں (معاذ اللہ)

اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ فا عاطفہ ہے۔ اس کا فعل مقدر پر عطف ہے۔ اگرچہ بظاہر اسم پر داخل ہے لیکن معنًی اس کا دخول فعل پر ہے۔ اور جحود بمعنے انکار ہے۔ اور با صلہ کی ہے اس لیے کہ جحود کفر کے معنے کو متضمن ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ کفار جب جانتے ہیں کہ رزاق وہی ہے تو پھر عمداً اس کا شریک بنا کر اس کی نعمت کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ یہ معنٰی ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ کفار کے شرک کے ارتکاب کا تقاضا یُونہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام عطا کردہ نعمتوں کو اپنے بتوں کی طرف منسوب کریں۔ اور اس کا صاف انکار کردیں کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توحید و نفی شرک کی دعوت دیتا ہے تاکہ شرک و ظلمات کفر سے نجات پا کر توحید خالص اور انوارِ ایمان سے مشرف ہوں۔

سبق : بندے پر طاعت اور رضائے حق اور عرفان رب کے حصول کی جدوجہد ضروری ہے کیونکہ رزق تو اس نے اپنے فضل و کرم سے دینا ہے پھر ہم اس کی جدوجہد کیوں کریں۔

توراتِ شریف کے احکام مبارکہ

حضرت کعب الاحبار نے توراۃ شریف سے مندرجہ ذیل احکام نقل فرمائے ہیں :

۱۔ ابن آدم! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے فلہذا دنیا میں کھیل کود کو چھوڑ کر صرف میری عبادت میں مصروف ہوجا۔

۲۔ میں نے تیرا رزق ازل میں لکھا ہے اسی لیے اس کی جدوجہد میں دُکھ سر پہ نہ رکھ اور نہ ہی اپنی قسمت سے زاید کی امید رکھ اور نہ ہی اس سے کمی کی گھبراہٹ میں رہ۔ اگر تُو اپنی ازلی تقسیم پہ راضی ہے تو اس سے تیرا دل خوشی میں رہے گا بلکہ تو مسرور ہوکر زندگی بسر کرے گا۔ اور میرے ہاں بھی تُو پسندیدہ ہوگا۔ اگر تو اس پر راضی نہیں تو مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم، میں تیرے اُوپر دنیا کو ایسے مسلط کردوں گا کہ رات دن جنگل میں جانوروں کی طرح ذلیل و خوار ہو کر زندگی بسر کرے گا۔ لیکن ملے گا وہی جو میں نے تیرے لیے ازل میں لکھا ہے اور تُو میرے نزدیک مذموم اور ذلیل ترین انسان ہوگا۔

۳۔ اے ابنِ آدم! میں نے سات آسمان اور سات زمینیں تیرے لیے بنائی ہیں مجھے پھر بھی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ کیا تیری ایک دو روٹیوں سے میں تھک جاؤں گا! میں تیرا محب ہوں تجھے بھی لازم ہے کہ تُو میری محبت کی قدر پہچان کر صرف میرے ساتھ محبت کر۔

۴۔ تُو مجھ سے کل کا رزق طلب مت کر جیسا کہ میں تجھ سے کل کا عمل نہیں مانگتا۔ جب میں نافرمان کا رزق نہیں بھولتا تو فرمانبردار کیسے

رزق کو کیسے بھول جاؤں گا۔

ف: باب رزق میں بندگانِ خدا چند قسم ہیں:

۱۔ جس نے رزق کا حصول طلب رزق میں سمجھا ہے اسے لازم ہے کہ وہ حلال طیب رزق کمائے۔ مثلاً اپنے ہاتھ کی کمائی۔

۲۔ بعض ان میں وہ ہیں جو قناعت میں اپنا رزق سمجھتے ہیں۔ یہ لغت میں تقسیم الٰہی پر راضی ہونا ہے۔ اور اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں یہ ہے کہ بندے کو من بھاتی غذا نہ ملے تب بھی راضی ہو۔

۳۔ بعض وہ ہیں جو توکل میں رزق کا انحصار سمجھتے ہیں۔ یعنی انہیں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہوتا ہے اور خلقِ خدا سے بالکل مایوسی۔

۴۔ بعض حضرات نے اپنا رزق مجاہدہ و مشاہدہ میں سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔ [میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں وقت گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے]

اس میں مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور فرمایا:

جعل رزقی تحت ظل رمحی۔ [اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے تیر کے سائے تلے رکھا ہے]

اس میں مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ عبادت و مجاہدہ صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر کرے۔ اس میں جنت کی نعمتوں کا تصور ہو نہ دوزخ کے عذاب سے نجات کا خیال۔ اور اگر عبادت کی علت اور غرض و غایت جنت و دوزخ ہو تو ایسے عبادت گزار کا معبودِ حقیقی ثواب و عقاب ہوگا۔ اسی لیے مثنوی شریف میں فرمایا:

ہشت جنت ہفت دوزخ پیشِ من
ہست پیدا ہمچو بت پیشِ وثن

[ترجمہ: آٹھ بہشتیں اور سات دوزخ میرے آگے ہیں جیسے بُت پرست کے سامنے بُت]

وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک نے **جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنفُسِكُمْ** پیدا فرمائی ہیں تمہارے نفسوں سے یعنی تمہاری جنس سے **أَزْوَاجًا** تمہاری عورتیں تاکہ تم ان سے انس حاصل کرو اور ان کے ذریعے اپنی مصالح زندگی صحیح رکھ سکو تاکہ تم جیسی اولاد ان سے پیدا ہو۔

مسئلہ: اسی آیت سے بعض علما نے استدلال کیا ہے کہ انسان جن عورت سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ جنات ہمارے ہم جنس نہیں۔ تو پھر ان سے نکاح کیسا۔ لیکن اکثر علما کا فتویٰ یہ ہے کہ جنات سے انسانوں کا نکاح ممکن ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ بلقیس کی ماں جنیہ تھی۔

حکایت بلقیس کا والد بہت بڑا بادشاہ تھا۔ اس نے ایک جن عورت سے نکاح کیا تھا جس کا نام ریحانہ بنت السکن تھا

Scanned with CamScanner

اس سے ہی بلقیس پیدا ہوئی۔ اس کے متعلق مزید حکایات آکام المرجان میں مندرج ہیں۔

سوال : جنات میں آگ کا عنصر غالب ہے اس اعتبار سے آدمی کا نطفہ جنیہ عورت میں کیسے ٹھہر سکتا ہے اس لیے کہ شدۃ حرارت نار سے وہ نطفہ تو مضمحل ہو جاتا ہوگا۔ اسی طرح جنات کا نکاح انسان عورتوں سے بھی نہیں ہونا چاہیے۔

جواب : اگرچہ جنات ناری عنصر سے پیدا ہیں مگر وہ اپنے اس عنصر میں باقی نہیں رہتے بلکہ ان کی نار کھانے پینے توالد و تناسل سے جسم میں تحلیل ہو جاتی ہے جیسے آدمی کا عنصر مٹی ہے لیکن مذکورہ بالا امور سے مٹی کے اثرات باقی نہیں رہتے۔

۲۔ نار سے تو ابوالجن پیدا ہوا جیسے مٹی سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ایسے ہی نہ ہر جن نار ہے نہ ہر انسان مٹی۔

مسئلہ : بحری انسان سے بھی عام انسان نکاح کر سکتے ہیں۔

حکایت حیاۃ الحیوان میں مرقوم ہے کہ بحر اشام میں بسا اوقات ایسی صورتیں دکھائی دیتی ہیں جن کی شکل انسانی اور داڑھی سفید ہوتی ہے۔ اسے شیخ البحر سے موسوم کرتے ہیں۔ جب لوگ اسے دیکھتے ہیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ وہ سال خوشحالی سے لبریز ہوگا۔

حکایت ایک بادشاہ کے ہاں بحری انسان لایا گیا۔ بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ اس کے حالات سے آگاہی حاصل کرے۔ اس کا کسی عورت سے نکاح کر دیا گیا۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ماں اور باپ دونوں کی بولی سمجھتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تیرا باپ کیا کہتا ہے؟ اس نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ ہر حیوان کی دُم پیچھے کی طرف ہوتی ہے مگر ان (انسانوں) کا کیا ماجرا ہے کہ ان کی دُم (داڑھی) چہرے میں ہے۔

مسئلہ : بنات الماء کا نکاح عام انسان سے جائز ہے۔ اور ان سے توالد و تناسل کا سلسلہ بھی ہو سکتا ہے۔

وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم اور پیدا کیے ہیں تمہارے زن و شوہر سے بَنِينَ بچے وَحَفَدَةً حافد کی جمع ہے جو خدمت و طاعت میں عجلت کرے اسے حافد کہا جاتا ہے۔ چنانچہ دعائے قنوت میں ہم پڑھتے ہیں 'و نحفد' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نوکر چاکر پیدا فرمائے جو تمہاری خدمت و طاعت میں عجلت کرتے اور ہر وقت تمہاری مدد میں لگے رہتے ہیں' جیسے تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد وغیرہ تمہاری خدمت و طاعت اور معاونت کرتی ہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ بعض مفسرین نے حفدۃ سے لڑکیاں مراد لی ہیں اس لیے کہ بچیاں گھریلو کام میں ماں باپ کی خوب خدمت کرتی ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے کیونکہ وہ لڑکیوں کی ولادت پر چیں بر جبیں ہوتے تھے۔ اور یہ سورۃ ہے بھی مکیہ۔ لیکن یہ قول موزوں نہیں کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ اور مشرکین لڑکیوں کو نعمت کی بجائے عذاب سمجھتے تھے۔

وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ اور تمہیں طیبات میں سے رزق بخشا۔ طیبات سے لذیذ اشیاء مراد ہیں جیسے شہد وغیرہ۔ اور یہ من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ کل طیبات تو بہشت میں عطا ہوں گی اور دنیا کی طیبات معمولی نمونہ ہیں۔

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہاں پر طیبات سے عرف عام کی لذیذ ترین اشیاء مراد ہیں یعنی ہر شہر اور علاقہ کے موقع محل کے مطابق لذیذ اشیاء۔ اس سے نہ بہشت کی کل طیبات مراد ہیں اور نہ دنیا کی۔

اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ فاء کا فعل مقدر پر عطف ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: ایکفرون باللہ کیا تم ایسے بلند شان والے معبود کے ساتھ شرک کرکے باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں۔ باطل سے ان کے بت مراد ہیں۔ اسی طرح بحائر وغیرہ۔

وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ بایں معنیٰ کفر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے۔

ف: باطل سے بت یا ہر وہ امر مراد ہے جو شرک کا سبب ہو۔ اور نعمت اللہ سے اسلام، قرآن اور اس کی بیان کردہ توحید و احکام مراد ہیں۔

وحدۃ الوجود کی جھلک

محققین کے نزدیک باطل دو قسم ہے۔

۱۔ باطل حقیقی

۲۔ باطل مجازی

باطل حقیقی ـــــ یعنی جس کا نہ تحقق ہے نہ وجود نہ ثبوت۔ یعنی اس عالم میں اس پر تجلی حق واقع ہی نہیں ہوتی۔

باطل مجازی ـــــ یعنی یہی تعینات موجودہ، یہ باطل بایں معنیٰ ہیں کہ یہ فی نفسہٖ معدوم ہیں۔ کما قیل:

الا کل شیٔ ماخلا اللہ باطل۔ اللہ کے سوا سب باطل ہے اور مجازاً اس لیے ہے کہ یہی تعینات وجود اضافی کا آئینہ اور تجلیات کا مظہر ہیں اور ان پر ایمان لانے والا مطلقاً کافر ہے ؎

سالک پاک نخوانندش
آنکہ از ماسوی منزہ نیست

[ترجمہ: سالک اس شخص کو پاک نہیں کہتے جو ماسوی اللہ کو باطل نہیں مانتا]

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا الرزق مصدر ہے اور شیئاً منصوب علی المفعولیۃ ہے اور ما موصولہ سے معبودان باطلہ مراد ہیں۔ یعنی کفار ان کی عبادت کرتے ہیں جنھیں ان کے رزق دینے کی کسی قسم کی قدرت نہیں، نہ تو وہ آسمانوں سے بارش اتار سکتے ہیں نہ زمین سے انگوری اگا سکتے ہیں۔ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ اور نہ ہی انھیں استطاعت ہے کہ وہ اس کے مالک ہوں۔ انھیں استطاعت ہو بھی کیسے جبکہ وہ جماد محض ہیں فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ اور اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں مت بناؤ یعنی مخلوق کے ساتھ کسی معاملہ میں اس کی تشبیہ نہ دو اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ۔

سوال: تم نے تشبیہ کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا؟

Scanned with CamScanner

جواب: ضرب المثل میں ہوتا بھی یہی ہے کہ ایک حال کو دوسرے حال سے یا ایک قصے کو دوسرے قصے سے تشبیہ دی جائے اور اللہ تعالیٰ تو واحد حقیقی ہے ازلاً و ابداً اس کا کوئی شبہ نہیں ؎

در تصور ذات اورا گنج کو
تا در آید در تصور مثل او

ف: اس ارشاد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کو شئونِ مختلفہ سے کسی شان کے ساتھ تشبیہ مت دو۔ اور یہ لام مثلیہ ہے جیسے آیات:

۱۔ ضرب اللہ مثلا للذین کفروا امرأۃ نوح۔

۲۔ وضرب اللہ مثلا للذین اٰمنوا امرأۃ فرعون۔

۳۔ واضرب لھم مثلا اصحاب القریۃ وغیرہ۔

اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے افعال کی کنہ اور اس کی حکمت یعنی انجام کو جانتا ہے کیونکہ وہی تمہارے اعمال کی سزا دے گا۔ پھر جتنا گناہ بڑا ہوگا سزا اسی قدر سخت اور بڑی ہوگی وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اگر تم جانتے ہوتے تو گناہوں وغیرہ پر جرأت نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہی خطأ و ثواب کو جانتا ہے۔ انسان کی خطا یہ ہے کہ دنیا و ہوائے نفس اور مخلوق سے طلب مقاصد کے لیے عبادت کرتا ہے۔ اور اس کی یہ بھی خطا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہات بناتا ہے حالانکہ وجود کا مؤثر صرف وہی ہے۔ وہی مقصود ہے اور اسی کی طرف پہنچنا مطلوب ہے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ ابصار سے محجوب ہے ایسے ہی بصائر سے بھی۔ جیسے تم اس کی طلب میں ہو ایسے ہی ملأ الاعلیٰ بھی اس کی طلب میں سرگرداں ہیں۔

ف: اس لیے کہ نہ اس کے لیے زمان ہے نہ مکان۔ اگرچہ زمان و مکان اسی کے نور سے پُر ہیں۔ اہل سما اہل ارض کی طرح اس کی طلب میں ہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ! میں تجھے کہاں ملوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جہاں بھی تم مجھے ملنے کا ارادہ کرو گے مجھے وہیں پر ملوگے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملنے والا اسے زمان و مکان کے بغیر ملتا ہے کیونکہ یہ کلام قصد و وجدانی اور میل گلی میں ہے۔ اس لیے جو بھی جدوجہد کرتا ہے وہ ضرور مقصد کو حاصل کرتا ہے اور جو کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہ ضرور اس میں داخل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ملنے کا دروازہ قلب ہے اس لیے کہ بندہ معرفت الٰہی کے گھر میں اسی دروازے سے داخل ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد مشاہدہ ربانیہ کے صدد دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے انس، حضور، ذوق، صفا نصیب ہوتا ہے۔ اس وقت اس سے ہیبت، حیرت، وحشت، غفلت، کدورت اور جفا دور ہو جاتی ہیں۔ اے اللہ! ہمیں واصلین سے بنا۔ (آمین)

Scanned with CamScanner

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا ایک شے کے حال کو دوسری کے حال یا ایک قصے کو دوسرے قصے سے تشبیہ دینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک شے ذکر فرمائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان تباین حال کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمانۂ ماضی میں کوئی اس قسم کی مثال بیان فرمائی جس کی اب خبر دے رہا ہے بلکہ ابھی جو کچھ بیان فرمایا ہے یہی بطور انشا ہے **عَبْدًا مَّمْلُوْكًا** یہ مثلا سے بدل ہے۔ اور اس کی تفسیر ہے۔ اور اس مثل کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مملوکیت اور اس کے عجز و ضعف کا اظہار ہو۔ اور عبد کے مملوک میں اشارہ ہے کہ یہاں پر وہ عبد مراد ہے جو کسی کا زر خرید ہو ورنہ عبدیتِ الٰہی میں تو آزاد و مملوک دونوں برابر ہیں **لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ** وہ کسی شے پر تصرف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اس سے عبد ماذون و مکاتب خارج ہو گئے اس لیے کہ ان میں من وجہ تصرف کی قدرت ہوتی ہے **وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ** مَن موصوفہ ہے اور اس کا عطف عبدًا پر ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آزاد انسان جسے ہم نے رزق کا مالک بنایا۔ ہم نے آزاد انسان کا معنیٰ اس لیے کیا تاکہ عبدًا مملوکًا کے مطابق گفتگو ہو سکے **مِنَّا** ہماری جانب سے یعنی اللہ کبیر متعال سے **رِزْقًا حَسَنًا** حلال طیب رزق یا اس سے وہ رزق مراد ہے جو لوگوں کی نظروں میں مستحسن متصور ہو۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ وہ روزی جو بے اندازہ اور ان گنت ہو جس میں تصرف کرنے میں دشواری نہ ہو۔

فَهُوَ پس وہ آزاد انسان **يُنْفِقُ مِنْهُ** اس سے خرچ کر سکے۔ یہ ضمیر رزقِ حسن کی طرف راجع ہے **سِرًّا وَّجَهْرًا** یعنی حالتِ سِر اور حالتِ جہر میں۔ اور حالتِ سر کی تقدیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ چھپا کر خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ پنہان و آشکار سے مراد یہ ہے کہ وہ آزاد انسان ہر طرح کے تصرف کا مالک ہو اسے خرچ کرنے میں کسی سے رکاوٹ اور عار و شرم کا احساس نہ ہو۔

هَلْ يَسْتَوٗنَ کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔ جمع کی ضمیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہاں پر وہ لوگ مراد ہیں جو ایسے اوصاف سے متصف ہوں یعنی عبد اور آزاد جو اوصافِ مذکورہ سے موصوف ہوں وہ شان و قدر میں برابر نہیں۔ یہاں متعین فرد مراد نہیں اسی لیے صیغہ جمع کا موزوں ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ برابر ہیں یعنی برابر نہیں اس لیے کہ مملوک اپنے آقاؤں اور صاحبِ اقتدار لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ پھر جب مملوک اپنے آقا کے سامنے عاجز، کمزور اور ضعیف و ناتواں ہے تو پھر اس آزاد انسان کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے جو ہر طرح کے تصرف کا مالک ہو اور اس کے ہاں دنیا و دولت کی فراوانی ہو۔ اسی طرح بتوں کا حال ہے کہ وہ جمادِ محض ہیں پھر وہ خالق کائنات اور مالک جملہ تصرفات کے برابر کس طرح ہو سکتے ہیں ؎

ذاتِ تو بنورِ لایزالی
از شرک و شریک ہر دو خالی
آں بندہ کہ عاجز است و محتاج
کہ راہ بود بصاحب تاج

[ترجمہ : تیرا ذات نورِ لایزال سے موصوف، شرک و شریک سے بالکل منزہ و مبرا۔ اور وہ بندہ عاجز و محتاج ہے

پھر وہ صاحبِ تاج کا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے]

ف: کہاں یہ مٹی کے ڈھیلے (بت) اور کہاں وہ رب الارباب۔

حکایت صاحبِ کشف المحجوب [داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ] نے لکھا کہ میں ایک دن خلوت میں حضرت شیخ ابو العباس شیبانی قدس سرہٗ کے حضور میں حاضر ہوا انھیں دیکھا کہ وہ یہی آیت پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے بلکہ چیخ رہے تھے۔ مجھے یوں لگتا تھا کہ وہ ابھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ میں نے عرض کی: اے شیخ! یہ کیا؟ فرمانے لگے کہ مجھے ایسے ہی چیختے چلاتے گیارہ سال ہو رہے ہیں اور یہاں سے کہیں گیا بھی نہیں۔ یہ بھی سوچتا ہوں کہ حدوث و قدوم کو کیا نسبت اور ممکن کو واجب سے کیا تعلق۔

ع

نیست با ہست چوں زند پہلو

قطرہ با بحر چوں کند دعوٰے

[ترجمہ: نیست کو ہست سے کیا تعلق، اور قطرہ دریا سے کیا دعویٰ کر سکتا ہے]

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یہ جملہ معترضہ ہے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ اشارہ ہو کہ ہر ایک کو عطا کرنے والا وہی ہے اگرچہ اسباب کیسے بھی ہوں۔ اس معنے پر وہی عبادت کا مستحق ہے نہ کہ وہ بت جو کسی قسم کی قوت و طاقت نہیں رکھتے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ بلکہ مشرکین کے اکثر۔ لیکن یہاں پر تمام مشرکین مراد ہیں۔ یعنی مشرکین عناد و سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کو نہیں جانتے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا: یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونھا واکثرھم الکافرون۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا یہ مضمون سابق کی دوسری مثال ہے۔ اس سے بھی وہی مطلوب ہے جو مثال اول سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ مثال مثال اول سے زیادہ واضح اور زیادہ ظاہر ہے۔ رَجُلَيْنِ الحواشی میں ہے کہ یہ عبارت دراصل مثلاً مثل رجلین تھی۔ اس معنے پر پہلا مثلاً مفعول ہے اور دوسرا مثلاً اس پہلے مثل سے بدل یا عطف بیان ہے۔ پہلا حذف کر کے رجلین اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ اَحَدُهُمَا اَبْكَمُ ابکم مادر زاد گونگے کو کہا جاتا ہے اور گونگے کے لیے لازم ہے کہ وہ بہرہ بھی ہو۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ گونگا مادر زاد نہیں ہوتا بہرہ ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ گونگا ہو جاتا ہے۔

لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وہ اپنی قلتِ فہم کی وجہ سے، اسے نہ اپنے معاملات صحیح اور درست کرنے کا سلیقہ ہوتا ہے نہ کسی دوسرے کا۔ وَهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اور وہ اپنے مولیٰ پر بوجھل ہوتا ہے۔ مولیٰ سے یہاں ہر وہ شخص مراد ہے جس کے ذمہ اس کی تولیت ہے۔ پہلے تو بتا دیا گیا کہ اسے کسی مصلحت اور کسی معاملہ کا علم نہیں ہوتا۔ اب بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے متعلق بھی کسی فائدہ کا نہیں ہو سکتا اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ جہاں بھی اسے بھیجتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے کام کا بھی نہیں ہوتا۔ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ کوئی بھلائی نہیں لاتا اس لیے کہ نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ سمجھا سکتا ہے هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ کیا وہ برابر ہو سکتا ہے یعنی جس کی یہ حالت ہو جو مذکور ہوئی تو کیا وہ کام کا ہو سکتا ہے وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ اور وہ جو فصیح الکلام اور صاحبِ رائے ثاقب

Scanned with CamScanner

اور ذی فہم صاحب ہو اور ہر کام میں ہوشیار اور دوسروں کو بہت بڑے فائدے پہنچانے والا۔ غرضیکہ جامع جمیع الفضائل والمکارم ہو۔ اور بولنے میں سحبان کا ثانی ہو۔

ف: سحبان ایک فصیح و بلیغ مرد تھا کہ کلام فصیح بولنے میں ایک لفظ کی بھی کمی نہیں کرتا تھا اگرچہ اسے دن رات مسلسل بولنا پڑتا۔ وہ ایک لفظ کو دوبارہ بھی نہیں لاتا تھا۔ اگر کسی لفظ کی کسی عبارت میں ضرورت محسوس ہوتی تو اس کا ہم معنی اور لفظ لاتا تھا۔ او دورانِ گفتگو کھنکارتا بھی نہیں تھا۔

حکایت ایک شخص احمق مشہور تھا اس نے کہیں سے گیارہ درم میں ہرنی خریدی۔ کسی نے اس سے اس کی قیمت پوچھی تو اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں کھول دیں اور ادھر منہ سے زبان نکال کر۔ گویا اس نے گیارہ کا اشارہ کیا۔ اس کی اس چال سے ہرنی بھاگ گئی۔ اس کی اس حماقت پر مذکورہ کہاوت بن گئی۔

وَهُوَ ایسا انسان جس کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے یعنی ہر عام و خاص کو فائدہ پہنچانے والا وہ فی نفسہٖ ہو گا **عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ** سیدھے راستے اور اچھی سیرت پر اگر جس کام کے لیے جائے گا با مقصد لوٹے گا۔ ایسے ہی مشرکین کے بتوں کا حال ہے کہ ان کو مادر زاد گونگے سے بدتر سمجھو لیکن انھیں خالقِ کائنات سے کیا نسبت۔ اس میں بت پرستوں کی بے وقوفی کا اظہار مطلوب ہے۔

ف: امام سہیلی "کتاب التعریف والاعلام" میں رقمطراز ہیں کہ قرآن کے مبہمات میں سے ایک مقام یہی ہے کہ الابکم سے مراد ابوجہل ہے۔ اس کا نام عمرو بن ہشام بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخذوم ہے۔ اور من یامر بالعدل سے مراد عمار بن یاسر العنسی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

ف: العنس (بالنون)، مدلج کے ایک قبیلے کا نام ہے اور وہ بنو مخزوم کا حلیف تھا۔ ابوجہل انھیں اسلام کی وجہ سے سخت عذاب دیتا تھا اور ان کی والدہ مکرمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ حضرت سمیہ ابوجہل کی کنیز تھیں اور انھیں ابوجہل نے کہا کہ تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ان کے جمال کی وجہ سے محبت کرتی ہے۔ یہ کہہ کر ان کے منہ پر تیر مارا اور اسی سے بی بی سمیہ کا وصال ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفسِ امارہ کسی نیکی کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے کہ نفس ہمیشہ خواہشِ نفسانی کی اتباع اور اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے اور روح نفس کو طاعت و حسن عبودیت کا حکم فرماتی ہے لیکن الٹا روح کو نفس معاصی اور خواہش نفسانی کا حکم دیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے روح کو توفیقِ ایزدی نصیب ہوتی ہے۔ مومن کے تین دشمن ہیں: (۱) نفس (۲) شیطان (۳) دنیا نفس کا مقابلہ اس کی مخالفت سے اور شیطان کا مقابلہ ذکر سے اور دنیا کا مقابلہ قناعت سے ہو سکتا ہے۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا کہ نفس تیرے دین کا چور ہے اس کی حفاظت کیجئے۔ کیونکہ یہ تیرا دشمن ہے اس کے ساتھ جہاد کیجئے۔ (کذا فی الخالصہ)

Scanned with CamScanner

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ
لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ
السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ
وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ
ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ
بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○
يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ع ۱۲

ترجمہ : اور آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور نہیں قیامت کا معاملہ جیسے آنکھ جھپکنا بلکہ اس سے بھی زودتر ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور اس نے تمھیں کان اور آنکھ اور دل دیے تاکہ تم شکر کرو ۔ کیا انھوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ فضائے آسمانی میں حکم کے پابند ہیں انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں روکتا بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں بسنے کے لیے گھر بنا دیے اور تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے بھی گھر بنائے جنھیں تم سفر اور منازل پر ٹھہرنے کے دنوں میں ہلکا پاتے ہو اور ان کی اُون اور روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک وقت تک کے لیے بنائیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق میں سے تمہارے لیے سائے بنائے اور پہاڑوں میں تمہارے لیے چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کچھ پہناوے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچائیں اور کچھ ایسے پہناوے بنائے جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کریں یونہی تم پر اپنی نعمت پوری کرتا ہے کہ تم مان جاؤ پھر اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ تو صرف واضح طور پیام پہنچا دینا ہے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانتے ہیں لیکن پھر بھی منکر ہوتے ہیں اور ان کے اکثر کافر ہیں ۔

تفسیر عالمانہ

وَلِلّٰہِ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے نہ کسی دوسرے کے لیے نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک ۔

شانِ نزول : کفارِ قریش (مکہ) استہزاءً کے طور پر وقوعِ قیامت کے لیے عجلت کرتے تھے ۔

Scanned with CamScanner

اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی وہ جو آسمانوں اور زمینوں کے پوشیدہ علوم ہیں۔

مسئلہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حضوری ہے کیونکہ غیوب کا تحقق فی نفسہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب ہونا بھی علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وللہ علم غیب السمٰوٰت والارض نہیں فرمایا۔

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ ۔ الساعۃ اس گھڑی کو کہتے ہیں جس میں قیامت قایم ہوگی۔ اور وہ بھی ایک غیب ہے جس کے متعلق کفار مکہ عجلت کرتے تھے۔ اور اسے الساعۃ سے اس لیے بھی تعبیر کرتے ہیں کہ ایک معمولی گھڑی میں ایک عظیم حادثہ واقع ہوگا۔ یعنی نہیں شان قیام ساعۃ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ ، اللمح بمعنے النظر بسرعۃ جلدی سے اوپر نیچے آنکھ کا دیکھنا جیسے آنکھ جھپکنا کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو قیامت کے لانے میں نہایت آسانی ہے جیسے تم آنکھ کو بآسانی جھپکاتے ہو۔ اَوْ هُوَ بلکہ قیامت کا معاملہ جو ابھی مذکور ہوا اَقْرَبُ آنکھ جھپکنے سے قریب تر ہے۔ یعنی قیامت نہایت ہی قریب تر ہے۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ قیامت کو آنکھ جھپکنے سے بھی قریب تر اس لیے فرمایا کہ آنکھ جھپکنے میں دو فعل ہیں:

۱۔ آنکھ کی پلک کا رکھنا

۲۔ اٹھانا

اور وقوعِ قیامت ان دونوں کی نصف حرکت میں ہوگا۔

اس معنے پر لمح البصر سے وقوعِ قیامت کو اقرب کہنا موزوں تر ہوا۔

ف: اَو کا لفظ شک کے لیے آتا ہے لیکن یہاں تخییر کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مخاطبو! چاہو قیامت کو لمح البصر سے تشبیہ دو، چاہو تو اس سے بھی قریب ترین وقت سے۔ باقی رہا کہ وقوعِ قیامت کو لمح البصر او ھو اقرب سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ اس سے کمترین وقت اور کوئی نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے فلہٰذا وہ قیام ساعۃ اور مخلوق کو اس دن زندہ کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہے کیونکہ یہ اس کے مقدورات میں سے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسے تمام مخلوق کو بتدریج زندہ کرنے پر قادر ہے ایسے ہی یکبارگی پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور ان کی ابتدائے آفرینش سے انھیں اس لیے خبر دی ہے تاکہ وہ مرنے کے بعد اٹھنے پر استدلال کر سکیں۔

شانِ نزول: بعض اہلِ مکہ نے کہا کہ قیامت آئے گی لیکن دیر سے۔ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت کا وقوع اگرچہ بعید سہی لیکن اللہ کے نزدیک قریب ہے۔ اسی لیے اس کی تیاری میں غفلت اور سستی نہ کرنی چاہیے۔

محبت و عشق کا صلہ مروی ہے کہ ایک شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

متی الساعۃ۔ یعنی قیامت کب ہے؟

آپ نے فرمایا: ما اعددت لھا۔ تو نے اس کے لیے کیا تیار کیا؟

Scanned with CamScanner

عرض کی: لا شیٔ الا انی احب اللہ ورسولہ۔ کچھ نہیں تیار کر سکا سوائے اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے۔ 46

حضور علیہ السلام نے اسے فرمایا: انت مع من احببت۔ قیامت میں تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہے۔

ف: شرط یہ ہے کہ جسے جس سے محبت ہو، وہ اس کے ساتھ دین میں بھی شریک ہو۔ یعنی محبوب ومحب آپس میں متحد ہوں۔ نیز محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے جملہ مامورات وترک محظورات پر پابندی سے عمل کرے اس لیے کہ محبت کاملہ اس کے سوا نہیں ہو سکتی جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی مخالفت کرتا ہے اس کا محبت کا دعویٰ خالی ہے کیونکہ محبت کے دعوے کے ساتھ مخالفت کیسی۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نظر دوست نادر کند سوئے تو
چو در روئے دشمن بود روئے تو
ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

[ترجمہ: دوست تیری جانب نظر ہرگز نہیں فرمائے گا جب تیری توجہ اس کے دشمن کی طرف ہو۔ تجھے معلوم ہے کہ اس گھر میں دوست نہیں آتا جس میں دشمن کا قیام ہو]

تفسیر صوفیانہ

رجوع النفس الی اللہ ہرگز نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے صفات سے مرمٹ کر صفاتِ الٰہی سے متصف نہ ہو اور نفس کا مارنا صفت جلال کے ساتھ متجلی ہونے سے اور اسے زندہ کرنا صفت جمال کے ساتھ متجلی ہونے سے ہوتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو تجلیات سے نوازتا ہے تو پھر نہ وہ زمان کا محتاج ہوتا ہے نہ مکان کا۔ کیونکہ وہ بندہ اب فانی عن نفسہ ہو کر باقی باللہ ہو گیا ہے۔ ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر شے اولیا کو عطا فرمائی ہے قدیر وہ ایسی عطایا عطا کرنے پر قادر ہے اگرچہ اغبیا ایسے عطیات کو نہیں سمجھ سکتے۔ یعنی وہ کمالات و معارف جنھیں اولیاء کرام جانتے ہیں ان کے سمجھنے اور ادراک کرنے سے کند ذہن لوگ [وہابی، دیوبندی، نجدی وغیرہ] عاجز ہیں بلکہ عقلا اپنی عقول وافہام [عقیدت ومحبت اور عشق ولایت کی برکت کے بغیر صرف عقل] سے بھی اس تحقیق کا ادراک نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ امور اطوار عقول وافہام سے بالاتر ہیں۔ ؎

سیل ضعیف واصل دریا نمیشود

[ترجمہ: ضعیف رفتار والا پانی دریا تک کیسے پہنچ سکتا ہے]

ف: تجلیات تین قسم ہیں:

Scanned with CamScanner

۱ - تجلی علمی

۲ - تجلی عینی

۳ - تجلی حقی

تجلی علمی ـــــ یہ اصحاب برزخ کہلاتے ہیں، ایسے لوگ کسی دُوسرے کی رہبری کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی کی تقلید ہیں۔

تجلی حقی ـــــ یہ ارباب الیقین والوصول کہلاتے ہیں۔ یہ حضرات عوام الناس کی جمیع مراتب میں رہبری کر سکتے ہیں مراتب سے طبیعت، نفس، قلب، رُوح اور طریقت و معرفت و حقیقت مراد ہے۔ اور یہی اہلِ بصیرت ہیں۔ ان کا اشارہ آیت قل ھذہ سبیلی ادعو الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا و من اتبعنی میں ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ وہ ایسے حضرات کی ہی اقتدا کرے۔ ان کے ماسوا سے دُور رہنا لازم ہے۔

سوال: تجلی ثانی و ثالث کے حامل میں کیا فرق ہے؟

جواب: ہر دو قطب ارشاد ہونے میں برابر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تجلی ثانی (عینی) کا حامل قطبیت صغریٰ کا مالک ہے، اور تجلی ثالث (حقی) کا حامل قطبیت کبریٰ کا۔ اور یہی مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک نے اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے تمہیں نکالا۔ امھات، اُم کی جمع ہے۔ ھا اہراق کی ہا کی طرح زائد ہے۔ اھراق دراصل اراق تھا۔ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا تم کسی شے کو نہیں جانتے تھے۔ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی درانحالیکہ تم امورِ دنیا و آخرت کے کسی ایک امر کو نہیں جانتے تھے اور نہ ہی عالمِ ارواح میں تمہاری ارواح کو کچھ خبر تھی اور نہ ہی تمہارے ذرات کا کچھ پتہ تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا الست بربکم اور نہ ہی انھیں اس کے جواب میں بلیٰ کہنے کا علم تھا حالانکہ تمام حیوانات کو پیدائش کے وقت طلبِ غذا اور اپنی ماں اور اس کی طرف رجوع اور پستانوں کے متعلق کچھ خبر ہوتی ہے اور انھیں علم ہوتا ہے کہ پستانوں سے دودھ کا حصول کس طرح ہوتا ہے اور پیدا ہوتے ہی ماں کے پیچھے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور ضروری امور کا انھیں پتہ ہوتا ہے بخلاف انسان کے کہ وہ بوقتِ پیدائش ان جملہ امور سے بے خبر ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد

آدمی بچہ ندارد خبر و عقل و تمیز

[ترجمہ: مُرغی کا بچّہ انڈے سے نکلتے ہی روزی طلب کرنے لگ جاتا ہے لیکن آدمی زادہ کو کوئی عقل تمیز اور خبر نہیں ہوتی]

جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ اور بنائیں تمہاری آنکھیں۔

Scanned with CamScanner

نکتہ : سمع کی تقدیم اس لیے ہے کہ وحی کے حصول کا راستہ یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نابینا تو ہوئے لیکن بہرے نہیں ہوئے یا اس لیے کہ سمع کا ادراک بصر سے پہلے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نومولود بچے کے کان آنکھوں سے پہلے کھلتے ہیں اور سمع کو مفرد اسی لیے لایا گیا ہے کہ یہ دراصل مصدر ہے اور مصدر تثنیہ و جمع نہیں ہوتا۔

وَالْاَبْصَارَ بصر (بفتحتین) کی جمع ہے۔ آنکھ کی حس کو بصر کہا جاتا ہے۔ وَالْاَفْئِدَةَ فواد کی جمع ہے۔ وہ دل کہ جیسے سینہ میں دل۔ یہ بھی ان جمع قلت کے صیغوں سے ہے جو کثرت کے معنے میں مستعمل ہیں۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ افئدۃ اس آیت میں دوسری آیات کی طرح جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جمع مخاطب کے ضمائر اس کے بعد واقع ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے ہم نے افئدۃ کو عام یعنی جمع کثرت کے معنے میں کہا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے یہ اشیاء تمہارے لیے بطور آلات بنائی ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے سے علم و معرفت حاصل کرسکو۔ یعنی مشاعر سے جزئیاتِ اشیاء کو محسوس کرو۔ اور افئدہ سے ان کا ادراک کرسکو اور متنبہ ہوسکو کہ یہ باوجودیکہ من وجہ ایک شے ہیں اور من وجہ ایک دوسرے کے مباین ہیں لیکن ان سے مختلف اعتبار سے علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں جو شخص ان میں غور و فکر کرے گا تو اسے عجیب و غریب علوم و فنون حاصل ہوں گے۔

ف : جَعَلَ کا اَخْرَجَ پر عطف ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پہلے اخراج ہوا تو پھر جعل۔ بلکہ اس سے دونوں کے اجتماع کا اظہار ہے کیونکہ واو مطلق جمع کے لیے آتی ہے۔ ترتیب کے لیے ہوتی تو پھر وہم مذکور پیدا ہوتا۔ ہاں اس کی ترتیب میں یہ اشارہ ضرور ہے کہ جعل کے اثر کا ترتب اخراج کے بعد ہوتا ہے۔ (کذا فی الارشاد)

صوفیانہ تقریر

اللہ تعالیٰ کے ذاتی صفات سات ہیں جن کی ترتیب یہ ہے :

۱۔ حیاۃ	۲۔ علم
۳۔ ارادہ	۴۔ قدرت
۵۔ سمع	۶۔ بصر
۷۔ کلام	

نکتہ : کلام کا طلب کمال ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کلام کمالاتِ الٰہیہ کا آخری کمال ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کا کمال اول بھی کلام ہے اس لیے کہ تعینات الٰہیہ کے پہلے تعین کو ہُویت ذاتیہ کہا جاتا ہے اور ان کا آخری تعین کلام (مطلقاً) ہے اور مظہر انسانی میں بھی یہی تقریر جاری ہوتی ہے۔ مثلاً ماں کے پیٹ میں سب سے پہلے انسان کو حسِ سمع، پھر بصر اور آخر میں حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ : شوہر مُردہ کی عورت حاملہ ہو تو اس کے وضع حمل سے پہلے نکاح حرام ہے۔ اس میں بھی یہی نکتہ ہے۔

مسئلہ : زنا سے نطفہ ٹھہر جائے تو وضع حمل سے پہلے اس کے نکاح میں اختلاف ہے۔ [صحیح یہ ہے کہ نکاح جائز ہے لیکن اس سے وطی نہ کرے۔ ہاں جس کے زنا سے نطفہ ٹھہرا ہے وہ وطی بھی کرسکتا ہے (کتب فقہ احناف)] [1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

Scanned with CamScanner

ف: حمل میں نکاح کی ممانعت کی دلیل حدیث شریف میں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنا پانی غیر کی کھیتی میں نہ ڈالے۔ یعنی غیر کی منکوحہ سے وطی نہ کرے۔

سوال: حمل سے تو رحم بند ہو جاتا ہے پھر غیر کی کھیتی میں پانی ڈالنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: حدیث شریف میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ حمل میں وطی کرنے سے بچے کی سمع وبصر تیز ہو جاتی ہے۔

ف: خلاصہ یہ کہ بچے کی ولادت کے بعد کلام کا آغاز ہوتا ہے اور یہ انسان کی تکمیل کا آخری وقت ہے۔

سوال: قرآن مجید کی آیت ہٰذا سے معلوم ہوتا ہے کہ سمع وبصر کا کمال ولادت کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور تم انھیں پہلے ثابت کر رہے ہو۔

جواب: ہم نے ان اشیا کو بالقوہ ثابت کیا ہے اور شے کا بالقوہ پہلے اور بالفعل بعد کو ہونا مضر نہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس ارادہ پر کہ تم شکر کرو۔ ان آلات (سمع، بصر، کلام) کی ادائیگی شکر کی صورت یوں ہے کہ انھیں ان امور میں استعمال کیا جائے جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔ مثلاً کان کلامِ الٰہی واحادیثِ نبوی وملفوظاتِ اولیا سننے کے لیے اور جن امور سے روکا گیا ہے ان سے باز رہنے کے لیے دیے گئے ہیں، اور آنکھ آیاتِ الٰہی کو دیکھنے اور ذاتِ حق کے مشاہدے اور تمام کائنات کے حدوث اور اللہ تعالیٰ کی وحدت اور اس کے علم وقدرت پر استدلال کے لیے عطا کی گئی۔ جس نے ان آلات کو غیر موضوع امر میں استعمال کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اس کی امانت میں خیانت کی۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گزرگاہ قرآن و پند ست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش
دو چشم از پے صنع باری نکوست
ز عیب برادر فروگیر و دوست

[ترجمہ: قرآن ونصیحت کی گزرگاہ کان ہے اسے بہتان اور بری بات سننے میں استعمال نہ کیجئے۔ اور آنکھیں اللہ تعالیٰ کی صنعت کو دیکھنے کے لیے بنائی گئی ہیں، اپنے دوست اور بھائی کے عیب دیکھنے سے انھیں بند رکھیے]

حضرت صائب رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

ترا گوہر دل کردہ اند امانتدار
ز دزد امانت حق را نگہدار مخسپ

[ترجمہ: تجھے دل کا موتی بطور امانت عطا ہوا اس لیے اسے چور سے محفوظ رکھ اور غفلت نہ کر]

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جعل لکم السمع والبصر والافئدۃ اور تمہارے اجسام میں دوسرے حیوانات کی طرح اللہ تعالیٰ نے سمع وبصر اور دل پیدا فرمائے تاکہ تم وہی دیکھو سنو اور سمجھو جو دوسرے

Scanned with CamScanner

دیکھنے، سُننے اور سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے ارواح میں بھی کان پیدا فرمائے ہیں تاکہ تم وہی سنو جو ملائکہ سنتے ہیں اور تمہارے ارواح میں آنکھیں رکھی ہیں تاکہ تم وہی دیکھو جو ملائکہ دیکھتے ہیں اور تمہارے ارواح میں دل رکھا ہے تاکہ تم وہی سمجھو جو ملائکہ سمجھتے ہیں۔ اور تمہاری خصوصیت یہ ہے کہ تمہارے اسرار میں سمع پیدا فرمائی تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور انوار و تجلیاتِ باہرہ سے سنو اور ان میں بصر رکھی تاکہ اس کے نور سے دیکھو اور فواد رکھا تاکہ اس کے نور سے عرفان حاصل کرو۔ یہ حدیثِ قدسی؎

كنت له سمعا وبصرا ولسانا فبي يسمع وبي يبصر وبي ينطق[1]

میں اس کی آنکھ کان اور زبان ہو جاتا ہوں میرے نور سے سنتا میرے نور سے دیکھتا اور میرے نور سے بولتا ہے۔

کی طرف اشارہ ہے۔

لعلکم تشکرون اس ارادہ پر کہ تم ان آلات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اور ادائیگیٔ شکر کا طریقہ یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا طلب میں ان اعضا کو عبادت میں استعمال کیا جائے بلکہ التفات الی الغیر کو ترک کر کے منعم کی نعمتوں کو ہر وقت مدِ نظر رکھا جائے

تفسیرِ صوفیانہ ۲

آیت میں دُوسرا اشارہ یہ ہے کہ واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم الآیۃ میں بطون امہات سے عدم مراد ہے اس لئے کہ کل موجودات کی حقیقی ماں یہی عدم ہے اور اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر تم کسی شے کو نہیں جانتے تھے۔ وجعل لکم السمع الآیۃ میں اسی وقت کی طرف اشارہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کو الست بربکم کا خطاب فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر اپنی ربوبیت کی تجلی ڈالی تو تمہیں سمع۔ بصر اور فواد نصیب ہوا اس کے نور سے تمہیں بولنے کی طاقت نصیب ہوئی تو تم نے خطاب حق کے جواب میں کہا بلیٰ؛

لعلکم تشکرون اس کا یوں شکر کرو کہ سمع سے سوائے اس کے کلام کے اور کچھ نہ سنو اور بصر سے سوائے اس کے جمال کے اور کسی کو نہ دیکھو اور دل سے سوائے اس کی ذات کے اور کسی سے محبت نہ کرو اور زبان سے اس کے سوا اور کسی سے نہ بولو۔

تفسیرِ عالمانہ

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ جو ان پرندوں کو دیکھتا ہے اور ان سے تعجب کرتا ہے اس کے لئے تقریر ہے الطیر طائر کی جمع ہے اب معنے یہ ہوتے کہ کیا انھوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا تاکہ ان سے وہ قدرتِ الٰہی پر استدلال کر سکیں۔ مُسَخَّرٰتٍ حکم کے بندے یعنے اڑنے پر حکمِ الٰہی کے پابند ہیں اس لئے کہ ان پر پَر پیدا کئے گئے ہیں جہاں اور جس وقت وہ اڑنا چاہیں پَر ان کا ساتھ دیتے ہیں اور دوسرے اسباب بھی ان کے موافق ہیں۔

ف: اس میں مبالغہ ہے اس لئے کہ تسخیر کا معنے یہ ہے کہ ایک شئے کو دوسرے کے قابو میں دے دینا وہ اس کو جیسے

---

[1] اس حدیث شریف کی مکمل تشریح فقیر اویسی غفرلہٗ کے رسالہ "نور الصفا فی البقا بعد الفنا" میں ہے۔

Scanned with CamScanner

چاہے تصرف کرے جیسے دریا اور کشتی میں اور جانوروں میں انسانوں کا تصرف۔ اور یہاں پر یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو پرندے کے قابو میں دے دیا ہے کہ وہ جیسے اور جہاں چاہے اڑے ورنہ پرندے کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ وہ نیچے گر پڑے لیکن ہوا کو اس کا تابع کر دیا ہے تاکہ وہ اسے اڑا کرلے جائے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ پرندے کا اڑنا اس کی اپنی ذاتی منشا اور طبع کے تابع نہیں بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قوت عطا فرمانے سے ہے یہی عقیدہ آگ کے جلانے اور سردی کے مارنے میں ہونا چاہیئے اس لئے ان کا یہ فعل ذاتی نہیں بلکہ تاثیر الٰہی کی وجہ سے ہے۔ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ، آسمانوں کی فضا میں یعنے اڑنے والا پرندہ ہوا میں اڑتا ہوا زمین سے کچھ دور نہیں نکل جاتا بلکہ زمین کے قریب ہوتا ہے۔

سوال: اگر پرندہ زمین کے قریب ہوتا ہے تو پھر اسے جو السماء سے تعبیر کرنے کے کیا معنے؟

جواب: چونکہ دیکھنے والے کو پرندے کا اڑنا آسمان کی طرف معلوم ہوتا ہے اسی لئے اسے جو السماء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف: القاموس میں ہے کہ الجو بمعنے الھوا ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ انہیں فضا میں گرنے سے نہیں روکتا جب کہ وہ اڑتے وقت اپنے پر کبھی سمیٹتے اور کبھی کھولتے اور کبھی اڑنے سے ٹھہرتے ہیں اِلَّا اللّٰهُ مگر اللہ تعالیٰ کے سوا وہی اپنی قدرت کاملہ اور تدبیر واسعہ سے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے کہ بعض کے پر بڑے بنائے اور بعض کے چھوٹے۔ اور پھر وہ آسمان میں اڑتے ہوئے نیچے نہیں گرتے حالانکہ ان کے جسم کے ثقل اور قوام ہوا کی رقت کا تقاضا تو ہے کہ پرندہ اوپر سے نیچے گر جائے اس لئے کہ نہ اوپر کوئی ایسی شے ہے جو پرندے کو سہارا دے سکے اور نہ نیچے کوئی ستون ہے۔ جو پرندے کو روک سکے۔ اسے یوں سمجھو کہ پرندہ ہوا میں ایسے ہی آسانی سے اڑتا ہے جیسے تیرنے والا پانی میں آسانی سے تیرتا ہے اس لئے کہ پانی میں تیرنے والا پانی میں کبھی ہاتھ سمیٹتا اور کبھی پھیلاتا ہے ورنہ اس کے جسم کے ثقل اور پانی کی رقت کا تقاضا تو یونہی ہے کہ تیرنے والا پانی میں ڈوب جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے ڈوبنے نہیں دیتا۔

اعجوبہ: اللہ تعالیٰ کی عجیب ترین قدرت سے ہے کہ فضائے آسمانی میں بعض پرندے گھونسلے بنا کر زندگی بسر کرتے ہیں۔

حکایت عجیبہ ایک دن ہارون الرشید شکار کے لئے گھر سے باہر نکلے تو باز کو آسمانی فضاء میں روانہ کیا۔ باز بہت دور نکل گیا یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا بالآخر باز اڑنے سے تھک کر واپس لوٹا تو اس کے منہ میں ایک مچھلی تھی۔ ہارون الرشید نے علماء کرام کو جمع کر کے اس کے متعلق دریافت کیا تو حضرت مقاتل نے فرمایا: اے بادشاہ! ہمیں آپ کے دادا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ فضائے آسمانی میں بھی مختلف امتیں آباد ہیں اس میں بعض ایسے جانور ہیں جن کا رنگ سفید ہے وہ بچے جنتے ہیں جن کی شکل مچھلی سی ہوتی ہے اور ان کے پر بھی ہوتے ہیں لیکن وہ اڑتے نہیں۔ حضرت مقاتل کا جواب سن کر ہارون الرشید نے انہیں انعام سے نوازا۔

ف: فضائی پرندوں میں ایک ابابیل بھی ہے جنھوں نے اصحاب الفیل پر کنکریاں پھینکی تھیں۔ یہ سیاہ رنگ کا پرندہ ہے ان میں

Scanned with CamScanner

بعض پرندے وہ ہیں جنھیں فارسی میں ہما سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ بھی فضائی پرندہ ہے یہ فضا میں زندگی بسر کرتا ہے وہیں انڈے دیتا اور بچے نکالتا ہے اس کے پاؤں نہیں ہوتے اور جنگلی کتے کے برابر ہے اور سکری الّلون ہے اس کے مرنے کے بعد ہند کے بعض جنگلوں میں اس کا ڈھانچہ ملتا ہے۔

عجیب ترین پرندہ پرندوں میں سے ایک پرندہ نہایت ہی عجیب تر ہے اس کا نام الرُّخ (بالضم) یہ پرندہ چین کے جزائر میں ہوتا ہے اور اس کے ایک پَر کا طول دس ہزار ہاتھ ہے۔

ف: قاموس میں لکھا ہے وہ اتنا بڑا پرندہ ہے کہ وہ گینڈے کو بھی اٹھا کرلے جاتا ہے۔

حکایت مغرب میں ایک ایسا تاجر آیا جس نے جزائر چین کے سفر کئے ہوئے تھے۔ اس نے اپنا حال سنایا کہ ہمیں آندھی ایک بہت بڑے جزیرے میں اڑا کے لے گئی۔ اہل سفینہ (مسافر) کشتی سے نکل کر اسی جزیرے سے پانی اور لکڑیاں لینے گئے۔ آگے بڑھ کر دیکھا کہ اسی جزیرے میں ایک بہت بڑا قبہ ہے جس کا طول ایک سو گز تھا لیکن اس سے نور چمکتا ہوا دکھائی دیتا تھا اس سے متعجب ہوئے آگے چل کر دیکھا تو وہ قبہ دراصل الرُّخ (پرندے) کا انڈہ تھا: اسے مسافروں نے لکڑیوں، پتھروں اور ہتھوڑوں سے توڑا تو معمولی طور پر انڈہ ٹوٹا تو اس سے ایک بچہ نکلا جو گویا ایک پہاڑ ہے۔ تمام مسافروں نے اسی بچے کے ایک پَر کو کھینچا تو سالم پَر تو ہاتھ نہ لگا صرف ایک ٹکڑا ساتھ لے آئے اور وہ بھی ابھی کچا انڈہ توڑا گیا۔ اسی ٹکڑے کا گوشت اتنا تھا کہ وہ ہر ایک اپنی طاقت و وسعت کے مطابق ساتھ لے آیا۔ جب سورج نکلا تو الرُّخ پرندہ دور سے آسمان سے نمودار ہوا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا گویا ایک بہت بڑا بادل امنڈ آیا ہے اس کے پاؤں میں پتھر کا ایک بڑا چٹان تھا جو ان مسافرین کی کشتی کے طول وعرض سے بڑا تھا ایسے معلوم تھا کہ گویا بہت بڑی کوٹھی اکھیڑ لایا ہے۔ ان مسافرین کی کشتی کے بالمقابل اوپر سے وہی پتھر نیچے گرا دیا جو کشتی سے دور گرا۔ اس طرح سے وہ کشتی اور کشتی والے بچ گئے ورنہ الرُّخ (پرندے) نے اپنے انڈے کا بدلہ لینے کے لئے پورا انتظام کر لیا تھا۔ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے وہ لوگ نجات پا گئے ورنہ الرُّخ (پرندہ) انھیں اپنے طور پر فنا کر چکا تھا۔ (کذا فی حیوۃ الحیوان)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بے شک جو مذکور ہوا مثلاً پرندوں کو اڑنے کے لئے ہوا کو مسخر کر دینا اور فضا کو ایسا بنا دینا کہ پرندے آسانی سے اڑسکیں وغیرہ وغیرہ ہیں۔ لَاٰیٰتٍ کھلی نشانیاں ہیں۔ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ ایمان والے لوگوں کے لئے یعنے جن کی شان یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ان کی تخصیص بھی اسی لئے ہے کہ وہ اسی سے نفع حاصل کرتے ہیں کہ جونہی پرندوں کو فضا میں

لہ: غیاث میں ہے یہ ایک بہت بڑا پرندہ ہے جو ہاتھی اور گینڈے کو اٹھا لے جاتا ہے۔ نفائس الفنون میں ہے کہ وہ اونٹ کی طرح کا پرندہ ہے۔ جس کے دو کوہان ہوتے ہیں آگے کی طرف نہایت تیز دو دانت ہوتے ہیں۔ جس جانور کو جھپٹ لگاتا ہے پھر اس کا اس سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اویسی غفرلہ۔

Scanned with CamScanner

اترتا ہوا دیکھ کر معرفتِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں اور اس میں تدبر و تفکر کرتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی جانب سے کرامات نصیب ہوتی ہیں۔ ؎

فکر ازیں خانہ فرازت کشد
سوئے سرا پردۂ رازت کشد

ترجمہ: تجھے فکر بلندی بخشے گا اور راز داری کے خیمہ میں لے جائے گا۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

گر بینی میل خود سوئے سما
پر دولت بر کشا ہمچوں ہما
در بینی میل خود سوئے زمین
نوحہ میکن ہیچ منشیں از حنین

ترجمہ: اگر اپنا میلان سما کی طرف دیکھو تو ہما کی طرف اپنی دولت کے پر کھولئے۔ اگر اپنا میلان زمین کی طرف دیکھو تو اپنی قسمت پر آنسو بہایئے بلکہ تجھے گریہ میں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

حدیث شریف دنیا میں زندگی مہمان ہو کر بسر کرو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ اور اپنے قلوب میں رقت کی عادت ڈالو۔ غور و فکر اور گریہ بکثرت کرو اور اپنے اندر ہوا و ہوس کے مختلف خیالات مت گھسنے دو۔

روحانی نسخے حضرت محمد عبد اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ غور و فکر کے پانچ مقامات پر ہونا چاہیئے اور ان سے پانچ فائدے نصیب ہوں گے۔

(۱) آیاتِ الٰہی میں غور و فکر سے معرفت حق نصیب ہوتی ہے۔

(۲) اللہ تعالےٰ کی نعمتوں اور احسانات میں غور و فکر کرنے سے محبتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالےٰ کے وعدوں اور ثواب میں غور و فکر کرنے سے رغبتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

(۴) اللہ تعالےٰ کی وعیدوں اور سزاؤں میں غور و فکر کرنے سے خوفِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

(۵) اللہ تعالےٰ کے احسانات کے مقابلہ میں نفوس کے ظلم و جفا میں غور و فکر سے ندامت و حیا پیدا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ارواح قلوب کے آسمان کی فضا میں مسخر نہیں انہیں اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں روک سکتا اس لئے کہ ارواح عالم علوی سے ہیں اور وہ اجساد سفلیات میں سوائے اللہ تعالیٰ کی تسخیر کے نہیں رہ سکتے۔

کما قال تعالیٰ؛

وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

اور فرمایا:

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ پھر ہم نے اسفل سافلین کی طرف لوٹایا۔

روح ایک بادشاہ ہے اور بادشاہ خراب اور ویران مقام پر کسی ضرورت کے تحت رہ سکتا ہے ورنہ اس کی شان بلند و عزت ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ ایسے ویرانوں میں رہ سکے۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے معہودہ گھر بنائے ہیں یعنی وہ جنہیں تم پتھروں اور مٹی کے ڈھیلوں (اینٹوں) وغیرہ سے تیار کرتے ہو یہ من بیانیہ ہے اور وہ مجہول جو ان کے لئے بطور ابہام ذکر فرمایا اسے من بیوتکم سے واضح فرما دیا۔ سَكَنًا فعل بمعنے مفعول ہے یعنے وہ جگہ جہاں تم اقامت کے وقت ٹھہرتے ہو یعنے آرام گاہ۔

ف: الکواشی میں ہے کہ وہ ہر جگہ جس میں بندہ سکونت پذیر ہو یا کاروبار کی فراغت کے بعد اسی کی طرف سکونت کے لئے رجوع کرے اسے سکن بمعنے مسکن کہا جاتا ہے۔

سلوک کے شرائط

الواقعات المحمودیہ میں ہے کہ سلوک کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) زمان

(۲) مکان

(۳) اخوان

زمان و مکان اس لئے کہ فراغت کے وقت سکون حاصل کر سکے اور اخوان اس لئے کہ حوائج ضروریہ کا تدارک ان سے ہوگا تاکہ ضروریات میں پھنس کر سلوک سے باز نہ رہے بلکہ ہر تینوں ضروری ہیں تاکہ سالک اپنے سلوک میں تسلسل قائم رکھ سکے ورنہ انقطاع سے اسے فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا۔

ف: ان تینوں میں سے سب سے پہلے مکان ضروری ہے پھر زمان پھر اخوان اس کے بعد تصفیۂ خاطر۔

ف: الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ مسکن سے اصلی غرض یہ ہے کہ انسان گرمیوں میں دھوپ اور بارش سے اور سردیوں میں سردی سے بچ سکے۔ ان سے باقی اغراض معقول نہیں ان سے مزید بڑھائے گا تو اسراف اور فضول خرچی میں داخل ہوگا۔ ویسے گرمیوں میں گرم علاقوں میں مکان میں گذارہ ممکن ہے لیکن سردیوں میں مکان کے بغیر مشکل ہے اس لئے کہ اگر مکان کے بغیر سردی کے ازالہ کی تدبیر نہ کی جائے گی تو انسان کو موت گھیرے گی۔ اسی لئے معمولی سا مکان ضروریات زندگی کے لئے تیار کرنا زہد و تقویٰ کے منافی نہیں۔ اسی طرح گرمیوں میں بھی مکان اس لئے تیار کئے جائیں کہ بیچے مٹی پہ زندگی بسر کرنے میں گرمی نقصان پہنچائے گی یا ضروریات کے مطابق ہوا حاصل نہیں ہوگی یا اولاد یا اہل خانہ کو تکلیف ہوگی یا رات کے وقت مچھر اور کیڑے مکوڑے وغیرہ

Scanned with CamScanner

نیند میں مخل ہوں گے۔ ان سے بچنے کے لیے مکان کے اوپر سونا پڑے گا۔ ایسے مقاصد کے تحت مکان بنانا زہد و تقویٰ کے خلاف نہیں بلکہ ایسی ضروریات کے لئے سردی اور گرمی کے مطابق مکان بنانے میں اجر و ثواب ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مکان بنایا اس کی تعمیر میں نہ کسی پر ظلم کیا اور نہ ہی کسی پر تجاوز۔ تو جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس مکان سے فائدہ اٹھاتی رہے گی مکان بنانے والے کو اجر و ثواب نصیب ہوتا رہے گا

حکایت حضرت بہلول دانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہارون الرشید کے ایک بہت بڑے محل کی دیوار پر لکھا کہ اے ہارون! تو نے گارے، مٹی، کو اونچا اور دین کو نیچا اور چونے گچ وغیرہ کو اونچا اور نصوص قرآن و حدیث کو نیچا کیا اگر تو نے یہ مکان اپنے ذاتی مال سے بنوایا ہے تو اسراف و فضول خرچی کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسراف اور فضول خرچی کو پسند نہیں فرمایا اور اگر تو نے غیروں کے مال سے بنوایا تو تو نے ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ ظالم کو بھی دوست نہیں رکھتا۔

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جانوروں کے چمڑوں سے بنائے ہیں:

انعام نعم (بالفتح) کی جمع ہے اور اس کا اطلاق صرف ان جانوروں پر ہوتا ہے:

(۱) اونٹ

(۲) گائے

(۳) بکری

(۴) بھیڑ

بُيُوْتًا ایسے گھر جو تمہارے ان معہودہ گھروں سے مختلف ہیں مثلاً خیمے، قبے اور شامیانے وغیرہ وغیرہ جو اکثر و بیشتر خانہ بدوش تیار کر کے سروں پر اٹھائے ہوئے مختلف مقامات پر زندگی گذارتے ہیں۔ تَسْتَخِفُّوْنَهَا جنہیں تم ہلکا پاتے ہو یعنی ان کا توڑنا، اٹھانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر لے جانا تمہارے لئے آسان ہو۔ يَوْمَ ظَعْنِكُمْ تمہارے کوچ کرنے اور سفر آخرت کے وقت۔ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ اور تمہارے کہیں جگہ پر ٹھہرنے کے وقت کہ انہیں آسانی سے لگا کر آرام کر سکتے ہو۔ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اصواف۔ صوف کی اور اوبار۔ وبر کی اور اشعار۔ شعر کی جمع ہے اور ضمائر ان جانوروں کی طرف راجع ہیں جن کی تفصیل ابھی ہم نے لکھی ہے یعنے ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے بھیڑوں اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بال بنائے۔ اَثَاثًا گھر کا وہ ساز و سامان جو لباس اور نیچے بچھانے اور بستر وغیرہ کے کام آئے۔ وَّمَتَاعًا اور متاع یعنے وہ شے جس سے مختلف طور طریقے سے منافع حاصل کئے جائیں۔ اِلٰى حِيْنٍ ○ ایک مقررہ مدت تک اس کے بال اور اون سخت اور مضبوط ہونے کی وجہ سے طویل عرصہ تک باقی رہ سکتے ہیں:

ف: حافظ نے فرمایا کہ بھیڑ بکری سے افضل ہے جیسا کہ مسئلہ قربانی سے ثابت ہوتا ہے لیکن دوسری وجوہ سے بکری بھیڑ

Scanned with CamScanner

پر فضیلت رکھتی ہے مثلاً بکری کا دودھ بھیڑ کے دودھ سے بہتر ہے اور بکری کا چمڑہ بھیڑ کے چمڑے سے اچھا ہے اگر بکری کی ران کے گوشت میں کمی ہو تو وہ چربی میں پورا کر لیتی ہے جب اللہ تعالیٰ نے بھیڑ کا چمڑا نرم فرمایا تو اس کی کمی اس کی اون میں پوری فرما دی اور بکری کا چمڑا موٹا پیدا فرمایا تو اس کے بالوں میں کمی فرما دی۔ کذا فی حیوۃ الحیوان۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو پیدا فرمایا تاکہ انسان ان کی چمڑے اور گوشت اور بالوں سے فائدہ اٹھائے۔

مسئلہ: مُردار جانور کی چربی سے انتفاع ناجائز ہے۔

حدیث شریف

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام الفتح فرماتے سنا جب کہ آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کی بیع اور مُردار اور خنزیر اور بتوں کو حرام فرمایا ہے۔ عرض کی گئی کہ مُردار جانوروں کی چربی کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے جب کہ اس سے کشتیوں کے سوراخ بند کئے جاتے ہیں اور چمڑے رنگے جاتے ہیں اور اس سے دیا بنا کر روشنی حاصل کی جاتی ہے آپ نے فرمایا: وہ حرام ہے۔

فائدہ صوفیانہ

جیسے انسان سفر وحضر میں ان جانوروں اور ان کے متعلقات سے نفع حاصل کرتا ہے ایسے ہی سالک قوائے حیوانیہ اور حواس خمسہ سے بھی نفع پاتا ہے کہ ان کے ذریعے سے اسے سیر الی اللہ نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ سالک کے لئے یہی اشیاء بمنزلہ سواریوں کے ہیں اور ان کے ذریعے سے سالک کو سیر الی اللہ کے لئے مدد ملتی ہے۔ کمال خجندی نے فرمایا: ؎

با کرم روئے واقف ایں راہ چنیں گفت

آہستہ کہ ایں رہ بدویدن نتواں یافت

ترجمہ: راہ حق کے چلنے والے واقف کار نے یونہی فرمایا ہے آہستہ چلو اس لئے کہ اس راستہ پر دوڑنا کام نہیں دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمائے جس میں تمہاری کارگزاری کو کوئی دخل نہیں ظِلٰلًا ظل کی جمع ہے ہر وہ شے جس سے سایہ حاصل کیا جائے یعنے وہ اشیاء جن کے ذریعے سے تم گرمی سے بچتے ہو جیسے بادل، درخت اور پہاڑ وغیرہ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کا اس لئے احسان جتلایا کہ اس علاقہ میں گرمی کا غلبہ تھا۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا اور تمہارے لئے پہاڑوں کو اوڑھنیاں بنائیں اکنان، کن کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں انسان چھپ کر بیٹھے جیسے غاریں، گڑھے اور سردابے وغیرہ۔

ف: حضرت عطاؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان معمولی چیزوں سے ان کے لئے احسان جتلایا حالانکہ اس کے ان سے بڑے

Scanned with CamScanner

عظیم اور احسانات بھی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ پہاڑوں میں زندگیاں بسر کرتے ان کے لئے یہی عظیم نعمتیں تھیں ان کی سمجھ کے مطابق ان کا ذکر فرمایا۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ یہ سربال کی جمع ہے بمعنے اوڑھنی یعنے ہر وہ شے جو لباس کے طور پر استعمال کی جائے وہ روئی سے تیار کی جائے یا کتان سے یا صوف وغیرہ سے۔ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وہ تمہیں گرمی کے ضرر سے بچاتی ہیں۔

سوال: البرد (سردی) کا نام کیوں نہیں لیا گیا؟

جواب: اس کا ذکر گرمی کے ضمن میں آگیا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ شئے کی نقیض کا ذکر شئے کے ضمن میں آجاتا ہے یا اس لئے کہ ان کے ہاں گرمی سے بچنے کی اہمیت زیادہ تھی کیونکہ وہ علاقے گرم تھے اس میں سردی چنداں ضرر رساں نہ تھی۔ ہاں! رومی علاقوں میں سردی سخت تر ہوتی ہے اسی لئے مشہور ہے کہ گرمی انسان کو صرف ضرر پہنچاتی ہے اور سردی مار دیتی ہے۔ حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عرب کی سردی معتدل ہے بخلاف ہمارے علاقوں کی سردی کے کہ وہ انسان کو قتل کر دیتی ہے۔

حدیث شریف حدیث میں ہے کہ بہار کی ٹھنڈک کو غنیمت جانو اس لئے کہ وہ تمہارے ابدان کو وہی فائدہ پہنچاتی ہے جو درختوں کو اور خزاں کی سردی سے بچو اس لئے کہ تمہارے ابدان سے وہی کرگزرے گی جو درختوں سے کرتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

آں خزاں نزد خدا نفس و ہواست
عقل و جاں عین بہارست و بقاست
مر ترا عقل است جزئی در جہان!
کامل العقلی بجو اندر جہان!
جزو تو از کل او کلی شود
عقل کل بر نفس خود چوں غلی شود
پس تبادیل ایں بود کانفاس پاک
چوں بہارست و حیات برگ تاک
از حدیث اولیا نرم و درشت!
تن مپوشاں زانکہ دینت است پشت

Scanned with CamScanner

گرم گوید سرد گوید خوش بگیر
تاز گرم و سرد بجہی و از سعیر
گرم و سردش نو بہار زندگیست
مایۂ صدق و یقین بندگیست
زانکہ زاں بستان جانہا زندہ است
زیں جواہر بحر دل آگندہ است

ترجمہ: خزاں سے مُراد نفس و ہوا ہے اور عقل و جان بہار اور بقا ہیں۔ تیرے اندر عقل جزوی ہے۔ جہان میں عقل کلی کی جستجو کیجئے۔ تیرا جز کل سے مل کر عقلِ کلی بنتا ہے عقل نفس پر غلبہ پاتا ہے۔ انجام کار یہ ہے کہ پاک نفوس بہار کی طرح اور پتوں کی بقا ہیں۔ اولیاء کرام کی نرم گرم باتوں سے جسم کو نہ چھپا اس لئے کہ ان کے ملفوظات سے تیرا دین صحیح ہوگا۔ وہ گرم بات فرمائیں یا سرد تو انھیں خوشی سے لے لے تاکہ ان کے ملفوظات گرم و سرد کی برکت سے جہنم کی آگ سے نجات پا سکے ان کی گرمی اور سردی تازہ بہار اور زندگی کا سبب ہے بلکہ بندگی صدق و یقین کا سرمایہ ہے۔ اس لئے کہ اسی باغ سے روح زندہ ہیں انہی جواہر سے دل کا دریا پُر ہے۔

وَسَرَابِيلَ اور لوہے کی زرہیں۔ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ تمہیں باس سے بچاتی ہیں نیزوں اور تلواروں کے حملے جو جنگ کے وقت ہوتے ہیں انھیں باس کہا جاتا ہے نیز جنگ کی شدت اور قتل اور تلوار وغیرہ کے زخموں کو بھی باس کہتے ہیں۔ (کذا فی التبیان)۔

سب سے پہلے زرہیں حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائیں چنانچہ لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح ہو جاتا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ (والنا لہ الحدید)

حکایت حضرت لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں کئی ماہ رہے اور انھیں زرہ بنتے دیکھتے رہے لیکن ان سے سوال نہ کیا، جب آپ نے اسے مکمل کر کے پہنا تو لقمان علیہ السلام نے فرمایا: اب پتہ چلا کہ یہ جنگ کا لباس ہے۔ ؎

چو لقمان دید کاندر دست داؤد
ہمی آہن بمعجز موم گردد
نپرسیدش چہ می سازی کہ دانست
کہ بے پرسیدنش معلوم گردد

ترجمہ: جب لقمان علیہ السلام نے دیکھا کہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم بن جاتا ہے آپ نے ان سے نہ

Scanned with CamScanner

پوچھا کہ آپ کیا بناتے ہیں اس ارادہ پر کہ یہ پوچھے بغیر ہی معلوم ہو جائے گا۔
كَذٰلِكَ ان نعمتوں کے اتمام کی طرف جو ابھی مذکور ہوئی ہیں۔ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ اے قریشیو! اپنی نعمتیں تمہارے لئے مکمل کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ اس ارادہ پر کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ۔ اسلام بمعنے استسلام و انقیاد ہے اسے سبب کی جگہ پر لایا گیا ہے اس کا سبب نظر و فکر ہے اب معنے یہ ہوئے کہ ہم نے اس ارادہ پر مکمل نعمتیں ظاہری، باطنی، انفسی، آفاقی تمہیں عطا فرمائی ہیں تاکہ تم منعم حقیقی کا حق پہچان کر اس پر ایمان لاؤ اور بتوں کی پرستش ترک کر کے صرف ایک معبود حقیقی کے اوامر کے سامنے سر جھکاؤ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ فعل ماضی ہے یعنے اگر یہ لوگ اسلام سے روگردانی کریں اور آپ کی بیان کردہ دلیلیں اور عبرتیں اور نصیحتیں نہ مانیں۔

نکتہ: صیغہ تفعل میں اشارہ ہے کہ انسانی فطرت اولیٰ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو اور غیر اللہ سے روگردانی کرے۔ اور ان امور کے لئے خصوصی ارادہ کی ضرورت ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ تو آپ پر پیام پہنچانا ہے آپ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں سمجھی جائے گی اس لئے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے اور آپنے تبلیغ بطریق اتم کی ہے یہاں بھی سبب کے بجائے مسبب لایا گیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم
روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس
بر رسولاں پیام باشد و بس

ترجمہ: ہم نے فریضہ نصیحت پورا کیا اور زندگی اسی میں بسر کر دی، اگر کسی کو ہماری نصیحت کی طرف توجہ نہیں تو نہ ہو پیغام پہنچانے والوں کا کام ہے پیام پہنچانا اور بس۔

اور فرمایا: ؎

بگوے آنچہ دانی سخن سودمند
وگر ہیچ کس را نیاید پسند
کہ فردا پشیماں بر آرد خروش
کہ اٰوخ چرا حق نکردم بگوش

ترجمہ: تجھے جو شخص سودمند کہا کرتا ہے کہہ ڈال اگرچہ کسی کو وہ ناپسند نہ ہو تو نہ ہو۔ اس لئے کہ قیامت میں وہی پریشان ہو کر فریاد کر کے کہے گا کہ افسوس! میں نے فلاں کی بات کو نہ سنا۔

Scanned with CamScanner

يَعْرِفُوْنَ بعض مشرکین پہچانتے ہیں۔ نِعْمَتَ اللّٰهِ اللہ تعالٰی کی ان نعمتوں کو جو اسی سورت میں مذکور ہوئیں اور وہ مانتے ہیں کہ واقعی یہی نعمتیں اللہ تعالٰی کی عطا کردہ ہیں۔ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا پھر انکار کر دیتے ہیں یعنی ان سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو انکار پر دلالت کرتے ہیں مثلاً بت پرستی کرتے ہیں حالانکہ انھیں اپنے منعم کے سامنے سر جھکانا ہی تھا لیکن انھوں نے اس کے غیر کے سامنے سر جھکا دیا جب کہ اس نے ان کے سامنے سر جھکانے سے روکا اور پھر ان کی پرستش سے یہ سمجھا کہ یہ معبودانِ باطلہ معبودِ برحق کے ہاں ان کی سفارش کریں گے یا ان کی پرستش اور غلط سلط اسباب بتاتے ہیں ثُمَّ اگرچہ بُعدِ مسافت کے لئے آتا ہے یہاں استبعادِ انکار کی مناسبت سے لایا گیا کہ باوجودیکہ منعم کی نعمتوں کو پہچانتے بھی ہیں لیکن پھر بھی غیروں کی پرستش کر کے عملاً نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ اور ان کے اکثر دل سے منکر ہیں اور مذکورہ بالا نعمتوں کا اعتراف کرتے ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے۔ یعرفون نعمت اللہ آپ کو پہچاننے پر اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں۔ واکثرھم الکفرون اور ان میں سے اکثر آپ کا اور اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں جیسے اللہ تعالٰی سے بواسطہ نعمت نصیب ہو تو اس پر بھی شکر واجب ہے اس لئے کہ وہ واسطہ بھی اللہ تعالٰی کا بنایا ہوا ہے اگر غیر کا واسطہ سمجھ کر اسی غیر کا شکریہ ادا کیا یا سرے سے شکریہ نہ کیا گیا تو بہت سی نعمتوں سے محرومی ہوگی۔

؎

چو بیابی تو نعمتے در چند

خرد باشد چو نقطۂ موہوم

شکر آں یافتہ فرو مگداز

کز نا یافتہ شوی محروم

ترجمہ: جب تمھیں بہت سی نعمتیں نصیب ہوں تو وہ تجھے نقطۂ موہوم کی طرح معلوم ہوگا۔ ہر حاصل شدہ نعمت کا شکر ضروری ہے ورنہ نایافتہ نعمت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

ملفوظ سری سقطی رحمہ اللہ تعالٰی حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شکر تین طرح کا ہے:

(۱) شکر القلب

(۲) شکر البدن

(۳) شکر اللسان

قلب کا شکریہ ہے کہ بندہ دل سے یقین کرے کہ کل نعمتیں اللہ تعالٰی کی عطا کردہ ہیں اور بدن کا شکریہ ہے کہ بدن کے ہر عضو کو اللہ تعالٰی کی عبادت میں استعمال کرے اور زبان کا شکریہ ہے کہ حمدِ الٰہی پر مداومت کرے۔ (بقیہ صفحہ ۲۸۸ پر)

Scanned with CamScanner

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَ
إِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ
أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ
فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكٰذِبُونَ ۝ وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ اَلَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَ
جِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰى هٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَّ رَحْمَةً وَّبُشْرٰى
لِلْمُسْلِمِينَ ۝

ترجمہ: اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے پھر کافر لوگوں کو نہ تو ان کو اجازت ہوگی اور نہ ہی اللہ تعالٰے کے راضی کرنے کے لئے منانے کی بات کی جائے گی۔ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو پھر نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ اور جب مشرک اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہی ہیں وہ ہمارے شریک جن کی ہم تیرے سوا پرستش کرتے تھے تو پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوکر کہیں گے کہ بے شک تم جھوٹے ہو۔ اور وہ لوگ اللہ تعالٰے کے حضور عاجزی سے گر پڑیں گے اور ان سے ان کی افترا بازیاں اوجھل ہو جائیں گی۔ اور جنھوں نے کفر کیا اور راہِ حق سے روکا ہم نے ان کا عذاب پر عذاب بڑھایا یہ بدلہ ہوگا ان کے فساد کا جو دنیا میں پھیلاتے تھے۔ اور جس دن کہ ہم ہر امت سے انھیں میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے جو ان پر گواہی دے اور آپ کو ان سب پر شاہد لائیں گے اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جس میں ہر شے کا روشن بیان اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ ۲۸۷)

حکایت: حضرت عیسٰے علیہ السلام کا ایک دولت مند پر گذر ہوا اسے لے کر ایک تنگدست کے ہاں پہنچے اور فرمایا کہ یہ اسلامی بھائی ہے اور تجھے اللہ تعالٰے نے وسعت بخشی ہے تجھے اس پر شکر ادا کرنا لازم ہے اس کے بعد تنگدست کو مریض کے ہاں لے گئے اور فرمایا: بے شک تو تنگدست ہے لیکن بیمار تو نہیں اگر تو تنگدستی کے ساتھ بیمار بھی ہوتا تو تُو اللہ تعالٰے کا کیا کر سکتا تھا اسی لئے تجھے اپنی اسی حالت پر شکرِ حق ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد مریض کو کافر کے ہاں لے گئے اور فرمایا کہ اگر تو تنگدست اور مریض اور کافر بھی ہوتا تو اللہ تعالٰے کا کیا کر سکتا تھا اسی لئے تجھے اللہ تعالٰے کا شکر لازم ہے۔

Scanned with CamScanner

سبق : حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ان سب کو مشاہدہ کرا کر اور اپنے سے کم مرتبہ کا حال دکھا کر شکر کی ہدایت کی اور انھیں متنبہ کیا کہ اللہ تعالےٰ کی ہر دی ہوئی نعمت کا شکر لازم ہے اور غفلت کو دُور کرنا چاہیئے ورنہ غفلت کا شکار ہونا پڑے گا جس سے ناشکری صادر ہوگی تو اسے بہت بڑے وبال میں مبتلا ہونا ہوگا۔

فائدہ : اللہ تعالےٰ کے ساتھ کفر کرنا نعمت الٰہی کے کفر سے سخت تر ہے اسی لئے پہلا کفر ثانی کو لازم ہے لیکن کفرانِ نعمت سے کفر باللہ لازم نہیں اس لئے بہت سے ناشکرے ہیں لیکن ہم انھیں کافر باللہ نہیں کہہ سکتے یہی وجہ ہے کہ کفرانِ نعمت اور ایمان باللہ کا اجتماع نہ صرف ممکن بلکہ بہت سے لوگوں میں موجود ہوتا ہے۔ اسی لئے فرمایا:

وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔

اور ان سے اکثر اللہ تعالےٰ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ اسی میں اشارہ ہے کہ قلیل لوگ ہیں جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لاتے ہیں ان میں سے موحد وہ مومن ہے جو صدقاً وحقاً ایمان لاتے ہیں یہی لوگ مخلص و مصلح ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نَبْعَثُ اور اے افضل الرسل صلے اللہ علیہ وسلم یوم قیامت کو یاد فرمائیں کہ ہم اٹھائیں گے۔ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ہر گروہ سے شَهِيْدًا نبی جو اپنی اپنی امت کے ایمان و اطاعت اور کفر و معصیت کی شہادت دیں گے۔ ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا پھر کافروں کو معذرت کی اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ وہ معذرت کا دن نہیں۔

ف : انسان کی ایسی سوچ بچار کہ جس سے اس کا گناہ محو ہو مثلاً کہے کہ میں نے یہ فعل سرے سے کیا نہیں یا کہے کہ یہ کام اس لئے کیا تھا یا کہے کہ میں نے یہ کام کیا تھا لیکن آئندہ نہیں کروں گا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے امور کو عربی میں العذر کہا جاتا ہے اور ثُمَّ سے ثابت ہوتا ہے کہ معذرت کی اجازت کی نفی میں اشارہ ہے کہ انھیں قیامت میں رحمتِ حق سے بالکل مایوسی اور ناامیدی ہوگی یہ اخسأوا فیھا ولا تکلمون (جاؤ جہنم میں پڑے رہو میرے ساتھ پھر کوئی بات نہ کرنا) کے اعلان کے بعد ہوگا۔ نیز کفار کے لئے سخت ابتلا یہی ہوگا جب کہ انبیاء علیہم السلام ان پر گواہی دیں گے۔ اس کے معنے پر یہ ثُمَّ تراخی مرتبی کے لئے ہوگا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ○ اور نہ ہی ان کو رضامندی کی امید دی جائے گی مثلاً کہا جائے گا کہ جاؤ رب تعالےٰ کو راضی کرلو۔ یہ العتبیٰ بمعنے الرضی سے مشتق ہے اسی معنے پر لا یستعتبون بمعنے لا یطلب منھم ما یوجب العتبیٰ ای الرضی ہے (یعنے ان سے اس فعل کا مطالبہ کیا جائے گا جو رضامندی کا موجب ہو) وہ اس لئے کہ رضامندی ایمان و عمل صالح سے ہوتی ہے اور آخرت میں ایمان و عمل صالح کہاں وہ تو جزا کا گھر ہے وہاں عمل اور تکلیف بالایمان نہ ہوگا۔ اس دنیا کو اسی دارِ آخرت کی کھیتی مقرر کیا گیا تھا جو بیج زمین خراب ہو اور جس میں قبول تربیت کی استعداد بھی باطل ہو وہ انگوری کس کام کی اور

Scanned with CamScanner

کاشتے وقت کھیت کیا فائدہ دے اور کسان کو اس سے کب منافع حاصل ہوں گے جب کھیتی کے اسباب ہی غلط تھے اور بیج ہی خراب تھا تو پھر کھیتی کے پکنے کی امید کیسی ۔ ۔ ایسے ہی ، انہی ارواح کا حال ہے یہ اجسام میں بمنزلہ بیج کے ہیں ان کا اگانا اور ان کی تربیت کرنا اور ثمرہ نکالنا اعمال شرع کا کام ہے جب کہ ایمان باللہ کے ساتھ ہوں اور ان کا فاسد و باطل اور خراب کرنا کفر اور اعمال طبعیہ یعنی خواہش نفسانی کے مطابق اعمال کا کام ہے یاد رہے کہ یہ کھیتی موت کے وقت کاٹی جاتی ہے اور قیامت کے دن صاف کر کے اٹھائی جائے گی ۔

حافظ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت برآورد
روزیکہ رخت جان بجہان دگر کشیم

ترجمہ : ابھی ہم اپنا کام بنالیں ورنہ سخت شرمساری ہوگی جب ہم اس جہاں سے دوسرے جہان سے دوسرے جہان کی طرف سامان لے جائیں گے ۔

وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اور ظالم لوگ کافر لوگ دیکھیں گے ۔ ظَلَمُوا الْعَذَابَ اسی عذاب کو جو ظلم کی وجہ سے ان پر واجب ہوا (اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے) تو چیخیں گے اور جہنم کے داروغے سے تخفیف کا سوال کریں گے لیکن فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ جہنم میں داخل ہونے کے بعد ان کے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی ۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے تاکہ تھوڑی دیر کے لئے دم نکال لیں بلکہ ہر وقت عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔

قاعدہ جس نے ایمان کی بجائے کفر اور اعمال شریعت کے بجائے اعمال طبعیہ کو ترجیح دی تو اس سے اخلاق ذمیمہ کا بوجھ ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ہی اسے اخلاق ذمیمہ کو دور کر کے اخلاق حمیدہ حاصل کرنے کی مہلت نصیب ہوگی ۔

وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ اور جب مشرک لوگ اپنے بتوں کو دیکھیں گے ۔ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا تو کہیں گے کہ اے اللہ یہی ہمارے معبود ہیں جنھیں ہم نے تیرا شریک بنایا تھا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ جن کی ہم پرستش کرتے تھے تیری عبادت سے متجاوز ہو کر ۔

ف : یہاں مشرکین اور کفار اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور چاہیں گے کہ عذاب میں ان کے ساتھ ان کے معبودوں کو شریک کیا جائے ۔

فَاَلْقَوْا اس کا فاعل ان کے معبودان باطلہ ہیں اور کہا جاتا ہے :

القیت الی فلان کذا بمعنے قلت یعنے ان کے بت کافروں کو جواب دیں گے وہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ انھیں بولنے کی توفیق بخشے گا اسی لئے وہ بت اپنے پرستاروں کی تکذیب کرتے ہوئے کہیں گے اِنَّكُمْ بے شک تم اے مشرکو ! لَكٰذِبُوْنَ ○ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہو جب کہ ہمارے متعلق کہتے ہو کہ ہم اللہ تعالےٰ کے شریک ہیں ۔ اس لئے کہ

Scanned with CamScanner

نہ ہم نے تمھیں اپنی پرستش کا حکم دیا بلکہ ہم تو اللہ تعالٰے کی تسبیح و طاعت میں مشغول تھے اور ہمارا تمھارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہی تمھارے احوال سے کوئی شغل رکھتے تھے۔

جس طرح اللہ تعالٰے نے فرمایا:

وان من شیء الا یسبح بحمدہ

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ اور مشرکین اللہ تعالٰے کے سامنے آج کے دن سر جھکا دیں گے اور عرض کریں گے کہ ہم تیرے حکم کے بندے ہیں حالانکہ دنیا میں تو سخت اکڑے رہے۔

شعر
چوں کار ز دست رفت فریاد چہ سود

جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو پھر فریاد کا کیا فائدہ۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ اور ضائع اور باطل ہو جائے گا مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○ وہ جو افترا کرتے تھے مثلاً کہتے کہ اللہ تعالٰے کے شریک نہیں اور وہی ان کی مدد اور سفارش کریں گے۔ یہ انقیاد و استسلام اس وقت ہوگا جب بت اپنے پرستاروں کی تکذیب اور ان سے برأت کا اظہار کریں گے۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جو خود بھی کافر تھے۔ وَصَدُّوْا اور دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالٰے کے راستے سے یعنے دوسروں کو اسلام سے روکتے اور کفر پر ابھارتے تھے زِدْنٰهُمْ عَذَابًا ان کے راہ حق سے روکنے کی وجہ سے ہم ان کا عذاب بڑھائیں۔ فَوْقَ الْعَذَابِ عذاب پر عذاب کیونکہ وہ بوجہ کفر کے ایسے شدید عذاب کے مستحق تھے۔ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ○ یعنے ان کے عذاب کا اضافہ ان کے کفر پر استمرار اور دائمی فساد کی وجہ سے ہوگا۔ فساد سے راہ حق سے روکنا مراد ہے۔

عذاب کی کیفیت

(۱) حضرت ابن جبیر نے فرمایا کہ عذاب کی زیادتی سے مراد یہ ہے کہ جہنم میں ان کے لئے بچھو خچر کے برابر اور سانپ بختی اونٹ کے برابر ہوں گے اس کے ایک ڈنس سے چالیس سال تک بخار رہے گا۔

(۲) مروی ہے کہ ایک ہزار سال تک اللہ تعالٰے سے بارش کا سوال کرتے رہیں گے تاکہ بارش سے ہی دوزخ کی گرمی دُور کر سکیں بالآخر ہزار سال کے بعد بادل نمودار ہوگا اس سے ان کا گمان ہوگا کہ ابھی بارش نصیب ہوگی لیکن جونہی بادل سے سانپ اور بچھو ان پر برسیں گے جس سے ان کے عذاب میں اور اضافہ ہو جائے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں سے خیر کی امید ہو وہاں سے خیر کی بجائے شر حاصل ہو تو انسان پر صدمہ بڑھ جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مقاتل نے فرمایا کہ پگھلے ہوئے تانبے سے آگ کی پانچ نہریں عرش معلٰے کے نیچے سے جو جہنمیوں کے عذاب کے لئے جاری ہوں گی جہنمیوں کو تین نہروں میں دنیا بھر کی راتوں کی مقدار اور دو نہروں میں دنیا بھر کے

Scanned with CamScanner

دونوں کے برابر عذاب میں رکھا جائے گا۔

نکتہ صاحب روح البیان (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ نہروں کے پانچ کے عدد میں نکتہ یہ ہے کہ پانچ ارکان اسلام یا پانچ نمازیں انسان کی تطہیر باطن کے لئے کافی ہیں اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ جس نے ارکان اسلام اور صلوات خمسہ کو ضائع کیا تو انہیں ان پانچ نہروں کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں ہر عمل کی جزاء و سزا مکمل ہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ پہلے یوم نبعث پر عطف ہے اور اس کا تکرار صرف تنبیہ کے لئے ہے۔ فِي كُلِّ أُمَّةٍ اے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن کو یاد کیجئے کہ ہم ہر امت میں کھڑا کریں گے۔ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ ان پر ان کے نبی علیہ السلام کو گواہ بنا کر۔ مِنْ أَنْفُسِهِمْ جو ان کے نفسوں یعنے ان کی جنس سے ہوں گے تاکہ عذر نہ کر سکیں کہ دنیا میں ہمارے ہاں کوئی نبی نہیں آیا حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ہر امت میں نہ صرف ان کی جنس بلکہ اکثر ان کی برادری اور اپنی قوم کا نبی بھیجا مثلاً لوط علیہ السلام یہ اگرچہ باہر سے تشریف لائے لیکن ان لوگوں کے ہاں نکاح کیا اور پھر ان میں زندگی بسر فرمائی اس معنے پر یہ بھی انہی کی جنس اور اسی قوم سے شمار ہوئے۔

ف: لفظ علیہم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان کے سامنے اور ان کی موجودگی میں گواہی دیں گے۔

وَجِئْنَا بِكَ اور اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کو لائیں گے۔ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ گواہ ان امتوں اور ان کے گواہوں (انبیاء علیہم السلام) پر گواہ بنا کر اس طرح کا مضمون اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا میں گذرا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ اور ہم نے آپ پر کامل کتاب نازل فرمائی یعنے وہ کتاب جو کتابت حقیقی میں کامل ہے کہ مطلقاً اگر کوئی کتاب ہے تو یہی ہے اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ تِبْيَانًا اس میں مکمل بیان ہے لِكُلِّ شَيْءٍ ان جملہ امور کا جو دین سے متعلق ہیں اور انہی امور میں سابقہ امتوں اور ان کے انبیاء علیہم السلام کا بیان بھی ہے۔

سوال: قرآن مجید میں تمام مسائل کے بیان کا واضح دعویٰ ہے حالانکہ بہت سے احکام قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئے پھر علے الاطلاق یہ دعوے کیا یہی وجہ ہے کہ بہت سے مسائل میں علماء کا اختلاف ہے اور تا قیامت رہے گا؟

جواب: تبیانا لکل شیء کا مطلب یہ ہے کہ بعض مسائل قرآن مجید میں واضح ہیں اور بعض کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کیا گیا چنانچہ بہت سی آیات میں قرآن مجید نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت کا حکم فرمایا ہے اور واضح طور پر فرمایا ہے کہ قول نبی قول حق ہے۔

کما قال تعالےٰ:

وما ینطق عن الھوی

Scanned with CamScanner

نیز بعض مسائل کو اجماع کے سپرد فرمایا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا چنانچہ اپنی امت سے صحابہ کے لئے فرمایا:

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھدیتم

میرے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں ان میں جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤ گے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین وآئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالے عنہم اجمعین نے مسائل اختلافیہ میں اجتہاد فرمایا اور اجتہاد کے طریقے بتائے اس معنے پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع اور قیاس امت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی تبیانا لکل شئ کے حکم میں داخل ہو کر مستند ہوں گے اسی معنے پر تبیانا لکل شئ کے عموم میں فرق نہیں آتا اگرچہ بعض مسائل پردہ خفا میں ہیں۔ وَهُدًى اور کامل فی الھدایۃ من الضلالۃ یعنے کتاب گمراہی سے بچا کر مکمل طور پر ہدایت بخش ہے۔ وَرَحْمَةً اور کل عالم کے لئے رحمت ہے اور کافروں کا اس سے فائدہ نہ اٹھانا ان کی اپنی کمی ہے اس سے کتاب کے رحمت ہوتے میں فرق نہیں پڑتا۔ وَبُشْرٰى اور بہشت کی بشارت دینے والی کتاب ہے۔ لِلْمُسْلِمِيْنَ مسلمانوں کو۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ کتاب میں سالک کی سیر الی اللہ کے جمیع مایحتاج الیہ کا کامل بیان ہے یہاں تک کہ راہ حق سالک کو مقام کمال تک پہنچاتی ہے اور یہ کتاب ہادی ہے کہ اللہ تعالے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے اپنے ہاں پہنچاتا ہے! اور خوشخبری دینے والی ہے ہر اس بندے کو جو اللہ تعالے کے لئے گردن جھکا دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان کو تو مقام کمال اور حضرت جلال کا راستہ دکھاتی ہے جیسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے ذریعے سے ان مقامات تک پہنچے ایسے ہی ان کے تابع فرمان کو وہی مقامات نصیب ہوتے ہیں اور ایسا شخص لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب کا بیان حاصل کرتا ہے اسے غیر سے سمجھنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل پر جو الہامات ہوتے ہیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت وارشاد کی برکت سے ہوتے ہیں ایسے ہی ہر وہ شخص جو اپنے مربی و محسن کے سامنے سر جھکا دے اور ان کے فرمان پر چلے اور میت کی طرح بن جائے تو وہ آدناس بشریہ سے پاک ہو کر راہ ہدایت پاتا ہے بلکہ عارفین کے درجات سے فائز ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع این مرحلہ با مرغ سلیمان کردم

ترجمہ: میں اپنے محبوب کی منزل تک از خود نہیں پہنچا بلکہ مجھے اپنے رہبر کامل اور مرشد برحق نے وہاں تک

(بقیہ صفحہ ۲۹۵

Scanned with CamScanner

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ
يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ
إِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَتَّخِذُوْا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا
السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا
إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ
بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ
بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
إِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ إِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے اور تمھیں بے حیائی اور بُری بات اور سرکشی سے روکتا ہے تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم نصیحت قبول کرو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرو جب اسے اپنے ذمہ لگا لو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو اور اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنا سوت پختہ کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اپنی قسمیں آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بناتے ہو کہ کہیں ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ نہ ہو اس سے تو اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش فرماتا ہے اور جن باتوں میں جھگڑتے ہو قیامت میں وہ ضرور تم پر ظاہر فرمائے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا لیکن جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور بالضرور تم سے تمھارے کردار کے متعلق سوال کرے گا۔ اور اپنی قسموں کو آپس میں حیلہ بہانہ نہ بناؤ کہ کہیں کوئی قدم جمنے کے بعد پھسل نہ جائے اور تمھیں راہ حق سے روکنے کی سزا میں بُرائی کا مزہ چکھنا نہ پڑے اور تمھیں بڑا عذاب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کے عوض تھوڑے دام نہ لو بے شک وہ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ تمھارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو تمھارے ہاں ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور بے شک صبر کرنے والوں کو

Scanned with CamScanner

ہم ان کے بہتر اعمال کے عوض ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔ جو نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر بخشے گا۔ تو جب تم قرآن مجید پڑھو تو شیطان مردود سے پناہ مانگو۔ بے شک اس کا ان پر تسلط نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ ہاں ان پر اس کا تسلط ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

(بقیہ تفسیر گذشتہ صفحہ ۲۹۳)

پہنچایا ہے۔

— قرآن مجید اہلِ شریعت واہلِ حقیقت ہر دونوں کو کفایت کرتا ہے جو اس کی تصریحات و اشارات پہ چلتا ہے وہ ہر دکھ اور پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے اور جو اس سے ہٹ کر اپنی راہ چلتا اور نفس کا بندہ بن جاتا ہے وہ اللہ تعالےٰ سے دُور بلکہ اس کے رنج اور غضب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ف: حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ دین کے دو ارکان ہیں:

(۱) تمسک بکتاب اللہ

(۲) اقتدار بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف: حضرت ابو یزید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ چھ چیزیں ساتوں اعضاء کی حفاظت کرتی ہیں۔

(۱) علم پر عمل کرنا

(۲) حسنِ ادب

(۳) محاسبۂ نفس

(۴) حفظ لسان

(۵) کثرتِ عبادت

(۶) اتباعِ سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

ف: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالےٰ سے ملنے کے راستے ہر طرف سے بند ہیں سوائے اتباع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے۔

Scanned with CamScanner

(تفسیر آیات گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بے شک اللہ تعالٰے حکم فرماتا ہے قرآن میں۔ بِالْعَدْلِ عدل کا
نہ اپنے نفسوں پر ظلم کرو اور نہ دوسروں کو اپنے ظلم کا نشانہ بناؤ بلکہ آپس میں حقوق کو برابر رکھو اور ہر صاحب حق کا حق ادا کرو یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے تمہیں ہر معاملہ میں میانہ روی کا حکم فرماتا ہے اعتقادیات میں توحید کے متعلق تعطیل و تشرک کے درمیان رہو اور قدر، جبر سے بچ کر کسب و اختیار پر چلو نہ یوں کہو کہ اللہ تعالٰے بندے سے گناہوں کا بدلہ نہ دے گا اور نہ یہ کہو کہ وہ گناہوں کی وجہ سے جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ تمام اعتقادیات میں اہلسنت وجماعت کا مذہب حق اختیار کرو اور عبادات میں بھی میانہ روی پر چلو نہ تو ادائیگی فرائض اور واجبات کا بالکل ترک ہو اور نہ بالکل رہبانیت اختیار کرو۔ اسی طرح عادات میں سخاوت اختیار کرو نہ بخل سے کام لو اور نہ فضول خرچ بنو اسی طرح شجاعت میں نہ ہر ایک پر حملہ آور رہو اور نہ بزدلی اختیار کرو۔ اسی لئے ضروری ہے کہ بندہ ہر معاملہ میں میانہ روی کے مسائل سیکھے اور اس پر عمل کرے یہی وجہ ہے کہ میانہ روی ممدوح اور افراط و تفریط مذموم ہے۔

حدیث شریف

کسی نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو رہبانیت اختیار کروں اور صائم الدہر رہوں اور ساری رات عبادت کروں۔ آپ نے اظہار ناراضگی فرما کر فرمایا کہ تیرے نفس کا اور تیری زوجہ کا اور تیرے ملاقاتیوں کا تیرے اوپر حق ہے اسی لئے چند دن روزے بھی رکھو اور چند دن روزے کے بغیر گذارو۔ رات کو کچھ دیر عبادت کرو اور رات کا کچھ حصہ آرام کرو۔

حدیث شریف

ایک دفعہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جہر سے قرآن مجید پڑھتے سنا تو فرمایا: یہ کیوں؟ انھوں نے عرض کی کہ نیند والوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تھوڑا سا آہستہ پڑھیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ہاں تشریف لے گئے تو انھیں بالکل آہستہ پڑھتے سنا۔ آپ نے ان سے پوچھا یہ کیوں؟ انھوں نے عرض کی کہ جس سے مناجات کر رہا ہوں صرف اسے سنا رہا ہوں آپ نے فرمایا: تھوڑا سا آواز بلند کر کے پڑھیئے۔

مسئلہ

نماز کے امام کو چاہیئے کہ وہ نہ ضرورت سے زیادہ زور سے پڑھے اور نہ ہی اتنا پست آواز سے کہ اس کی تلاوت سے لوگوں کو اشتباہ ہو۔ درمیانی آواز سے تلاوت کرنی چاہیئے۔

فائدہ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عدل یہ ہے کہ آلات جسمانیہ اور روحانیہ اور اموال دنیویہ اور شرائع دین و اعمال صالحہ کو اللہ تعالٰے کی طلب اور اس کے پہچاننے میں صرف کرے اس لئے انھیں غیر اللہ کی طلب میں صرف کرنا ظلم ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

Scanned with CamScanner

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما این قدر نمی آید

ترجمہ: افسوس! کہ عمر و مال کو دوست کے لئے فدا نہ کر سکے افسوس! کہ ہمیں راہ عشق میں اتنا بھی نہ ہو سکا۔

وَالْاِحْسَانِ اور اپنے تمام اعمال میں احسان کا حکم فرماتا ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالے نے ہر شے میں احسان کا حکم فرمایا ہے۔

ف: حضرت فضیل سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی نے ہر ایک کے ساتھ ہر معاملہ میں احسان کیا لیکن معمولی سی خامی ہوئی مثلاً گھر کی مرغی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا تو صوفیاء کے نزدیک وہ شخص محسنین سے نہیں۔

حدیث شریف و حکایت مروی ہے کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جب کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا جس سے وہ بے چاری کھا پی نہ سکی یہاں تک کہ مر گئی۔ اور دوسری ایک عورت پر اللہ تعالے نے رحم فرما کر بخش دیا صرف اسی نیکی کی وجہ سے کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا۔

حکایت حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالے بغداد کے کسی کوچے سے گزرے، دیکھا کہ ایک بلی سردی سے مر رہی ہے آپ نے اسے اپنی آستین میں چھپا لیا۔ اس وجہ سے اللہ تعالے نے انھیں اپنا ولی بنایا اور بہت بڑے مراتب و درجات عطا فرمائے۔

مسئلہ: کسی کے جرائم سے درگذر کرنا اور برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کرنا بھی اسی آیت کے حکم میں ہے۔

ع ہر کہ سنگت دہد ثمر بخشش

ترجمہ: جو تمہیں پتھر مارتا ہے تو اسے ثمر (پھل) عطا فرما۔

مسئلہ: اوامر و نواہی اور ادائے نوافل پر صبر کرنا بھی اسی میں شامل ہے۔ فرض میں کسی قسم کی خامی اور کمی ہوتی ہے تو ان کی تکمیل نوافل سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف (۱) نوافل کو اچھا کر کے پڑھا کرو اس لئے کہ ان سے ہی تمھارے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف (۲) مرفوع روایت ہے کہ نوافل مومن کا ہدیہ ہے جو انھیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے ہدیہ کو اچھا اور بہتر کر کے پیش کرو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

احسان کا صوفیانہ معنی صوفیاء کرام کے نزدیک احسان مشاہدہ کو کہا جاتا ہے چنانچہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احسان یہ ہے کہ عبادت کرتے وقت یقین کرو کہ گویا تم اللہ تعالے کو دیکھ رہے ہو اگر اسے دیکھ نہیں سکتے تو یہ تصور تو ہو

Scanned with CamScanner

کر وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

مشاہدہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا نام نہیں بلکہ وہ ایک کیفیت ہے جو انسان کو اعراض ماسوی اللہ اور

ازالۂ وہم توجہ تام الی حضرۃ اللہ ایسے طور حاصل ہو کہ اس کے قلب ولسان بلکہ ارادہ تک ذات حق کے سوا اور کچھ نہ ہو اور مشاہدہ سے اسے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ کیفیت بصیرۃ کو نصیب ہوتی ہے اور بصیرۃ کو مشاہدہ حق ہوتا ہے اسی مناسبت سے اسے مشاہدہ (بصری) سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ بعض عارفین نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

؎

خيالك في عيني وذكرك في فمي

وحبك في قلبي فاين تغيب

ترجمہ: تیرا خیال میری آنکھ میں اور تیرا ذکر میری زبان پر اور تیرا عشق میرے قلب میں پھر تم مجھ سے کیسے چھپ سکتے ہو۔ (کذا فی الرسالۃ الرومیہ)

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ احسان یہ ہے کہ جیسے تجھے اللہ تعالیٰ نے عطیات سے نوازا اور اپنے لطف وکرم سے تجھے راہ ہدایت دکھائی ایسے ہی تم اس کی مخلوق کو سیدھے راستے پر چلانے کی جد وجہد کرو تاکہ انہیں بھی وصال و وصول نصیب ہو چنانچہ اس معنے پر واحسن کما احسن اللہ الیک دلالت کرتا ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ عدل یعنے اعراض ماسوی اللہ اور احسان یعنے اقبال علی اللہ ہے۔

وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی القربی بمعنے القرابۃ ہے یعنے ذوی القربیٰ کو ضرورت کی چیزیں مال وغیرہ دینے کا حکم فرماتا ہے

مسئلہ: ان کے لئے دعائے خیر کرنا بھی احسان میں شامل ہے۔

سوال: جب احسان کا حکم عام تھا تو پھر ذی القربیٰ کو علیحدہ ذکر کرنے کا کیا معنی؟

جواب: صلہ رحمی کی جلالت شان کے پیش نظر اسے خصوصیت سے علیحدہ ذکر کیا گیا تاکہ اس کی فضیلت پر تنبیہ ہو جیسے تنزل الملائکۃ والروح میں روح کو علیحدہ ذکر کرنے میں اس کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے حالانکہ الروح تو الملائکۃ میں داخل تھا۔

مسئلہ: ذی رحم سے یہاں ہر طرح کا رشتہ مراد ہے محرم ہو یا غیر محرم وارث ہو یا غیر وارث جیسے چچا اور ماموں اور پھوپھی اور ان کی اولاد وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: قطع رحمی حرام ہے اور غضب حق کا موجب ہے اور قطع رحمی کرنے والے کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: صلہ رحمی واجب ہے اس سے رزق و عمر میں بہت اور جلد تر برکت نصیب ہوتی ہے۔

مسئلہ: قطع رحمی کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی ملاقات اور ہدایا دینا اور ان کی قولی و فعلی امداد ترک کی جائے اور انہیں کسی معاملہ میں نہ پوچھے اور صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ ان کو السلام علیکم کہنا اور دور ہو تو سلام بھیجنا انہیں خط لکھنا اور خطوط وغیرہ لکھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں یہ عرف و عادت پر منحصر ہے۔ (کذا فی شرح الطریقہ)

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ توحید و محبت خدا کا نام عدل ہے اور عشق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان پر درود شریف بھیجنے کا نام احسان ہے اور اہل بیت و صحابہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ایتائی ذی القربیٰ ہے۔

(کذا فی فصوص عبدالوہاب)

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کا زیادہ قریبی رشتہ اپنے نفس کا ہے اس کے ساتھ صلہ رحمی کا یہ معنے ہے کہ اسے تباہیوں سے بچا کر مالک الملک کے قریب تر بنا دے۔

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ اور اللہ تعالے فحشاء سے روکتا ہے۔ فحشاء ہر وہ گناہ ہے جو قبح میں مشہور ہے جیسے کذب بہتان، شرعی امور کی اہانت، زنا، لواطت وغیرہ۔

فائدہ صوفیانہ: صوفیاء کرام کے نزدیک فحشاء سے وہ امور مراد ہیں جو سالک کو اللہ تعالے سے حاجب اور اس کی ذات سے منقطع کرنے والے از قسم مال ہوں یا اولاد وغیرہ اسی لئے کہ انقطاع عن اللہ سے اور کوئی قبیح تر فعل نہیں اسی طرح وہ امور جو انقطاع عن اللہ کے اسباب ہوں وہ بھی فحشاء میں داخل ہیں اسی لئے کہ جو شئے قبیح تر فعل کا سبب ہے وہ بھی قبیح تر ہے۔ (العیاذ باللہ) وَالْمُنْكَرِ اور برائی سے روکتا ہے اور ان امور سے بھی روکتا ہے جنہیں نفوس زاکیہ برا اور ناپسند سمجھتے ہیں۔

(کذا فی بحر العلوم)

یا المنکر سے شرک یا وہ افعال مراد ہیں جو شرع و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نہیں اسی سے اصرار علی الذنوب یا وہ امور مراد ہیں جو اللہ تعالے کی ناراضگی کا موجب ہیں۔

فائدہ صوفیانہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ المنکر سے اہل حق کو گمراہ کرنا اور بدعات (سیئہ) کی ایجاد اور فتنہ و فساد پھیلانا مراد ہے جیسے ہمارے دور میں لوگوں نے ہزاروں بدعتیں (سیئہ) اور لاکھوں فتنے اور فسادات پھیلا رکھے ہیں بالخصوص جاہل صوفی ان امور میں اول نمبر ہیں۔[لہ]

(ہم نے بارہا کہا ہے کہ بدعات سے بدعات سیئہ مراد ہیں اور مزید تفصیل فقیر اویسی کی کتاب العصمۃ عن البدعۃ کا مطالعہ کیجئے۔ اور جاہل صوفی سے وہ لوگ مراد ہیں جو تصوف کے پردے میں شریعت مطہرہ کی توہین کرتے اور اپنے جاہل مریدوں کو کہتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت شئے دیگر۔ اسی لئے وہ خود شریعت کے امور کے خلاف کر کے جاہل مریدوں

لہ: ملاحظہ ہو رسالہ "تحقیق البدعۃ" دیکھئے (اویسی غفرلہ)

Scanned with CamScanner

کوتاثر دیتے ہیں کہ وہ جو کچھ خلاف شرع کر رہے ہیں یہی طریقت ہے۔ ایسے جاہل صوفی اور گمراہ پیر خود بھی جہنم کا ایندھن ہیں اور مریدوں کو بھی لے ڈوبیں گے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو محبوب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبوب شریعت سے محبت اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے (آمین) [۱]

وَالْبَغْيِ: اور بغی وظلم اور لوگوں پر حملہ آوری اور ان پر بلا سبب زیادتی اور ان کے عیوب کے تجسس اور ان کی غیبت اور ان پر طعن و تشنیع اور تجاوز عن الحق الی الباطل وغیرہ سے اللہ تعالےٰ روکتا ہے۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "البغی" سے نفس کی صفات کا وہ حملہ مُراد ہے جس سے خلق خدا کو نقصان ضرر اور اذیت پہنچے اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ نفس کو قوتِ ریاضت سے دبائے تاکہ سلوک کے قواعد آسانی سے ادا ہو سکیں اس لئے کہ انسان کا بدترین دشمن اس کا اپنا نفس ہے۔

ے

ایں سگ نفس شوم و بدکارہ
کہ در آغوش تست ہموارہ
بدتر قاصدیست جان ترا!
می خورہ مغز استخوان ترا
پیشتر گر ترا بہ بند و چست
محکمش بند کن کہ دشمن تست

ترجمہ: یہ کتا نفس شوم اور بدکار ہے طرفہ یہ کہ وہ ہر وقت تیری آغوش میں ہے یہ تیری جان کا سب سے بڑا دشمن ہے تیری ہڈیوں کا مغز کھا رہا ہے قبل اس کے کہ وہ تجھے اپنی گرفت میں لے۔ تم ہی اسے مضبوط جکڑ لو کیونکہ یہی تیرا سخت اور بدترین دشمن ہے۔

لطائف التقریر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ ملک کو تین چیزیں مستحکم اور مضبوط رکھتی ہیں اور تین چیزیں برباد اور تباہ کرتی ہیں:

(۱) عدل سے دشمنوں پر فتح و نصرت
(۲) رعایا وغیرہ پر احسان و مروت
(۳) ثنا و مدح اور صلہ رحمی سے انس و الفت نصیب ہوگی اور فشار سے دین کا فساد اور منکر سے دشمن کا حملہ اور بغی

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

Scanned with CamScanner

سے ہر آرزو سے محرومی حاصل ہوگی۔
يَعِظُكُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں ان امور مستحسنہ پر عمل کرنے اور امور مستقبحہ سے بچنے کی نصیحت فرماتا ہے۔ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝** اس ارادہ پر کہ تم نصیحت پکڑو اور اوامر پر عمل کرو اور نواہی سے بچو۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آیت ہٰذا میں تین امور پر عمل کرنے اور تین امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور ان چھ چیزوں میں علوم الاولین والآخرین کو جمع فرما دیا بلکہ جمیع خصائل محمودہ و مذمومہ کو یکجا بیان فرمایا اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں خیر و شر کی جامع ترین آیت یہی ہے۔ اسی لئے اکثر خطباء اس آیت کو خطبات جمعہ کے آخر میں پڑھا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو خیر و شر کے متعلق نصیحت ہو۔ خلاصہ یہ کہ آیت ہٰذا جمیع مامورات و منہیات کی جامع ہے۔ (کذا فی المدارک)

ف: خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خطبات جمعہ میں لعنت کے الفاظ داخل کر لئے تھے۔ اہل سنت نے ان کے مقابلے میں یہ آیت پڑھنی شروع کی جو بعد میں خارجیوں کا زور ٹوٹنے پر لعنت کے الفاظ نکال دیئے گئے اور آیت ہٰذا بدستور پڑھی جانے لگی۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب "الوسائل الی معرفۃ الاوائل" میں لکھا ہے کہ خطبہ میں اس آیت کو سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے شروع فرمایا اور بحمدہ تعالیٰ تاحال خطبات میں یہ آیت پڑھی جارہی ہے۔

ف: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ۹۹ھ کو ہوا۔ ان کی خلافت کا کل زمانہ دو سال پانچ ماہ ہے۔ اور بالاتفاق حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ پہلی صدی کے مجدد برحق ہیں۔

[اس کا نتیجہ نکلا کہ بدعت حسنہ اہل حق کے ہاں رائج رہی اور تا قیامت اہل حق میں ہی رائج رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔[1] لیکن بعض لوگ بدعت حسنہ کو بدعت سیئہ کا درجہ دے کر عوام کو بہکاتے ہیں۔]

ف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ کے آخر میں سورۂ قٓ پڑھا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ میں سورۂ اذا الشمس کورت تا ما احضرت پڑھتے تھے اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سورۃ النساء کی آخری آیت یستفتونک پڑھتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورہ کافرون و اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ (ذکرہ ابن الصلاح)

دیوبندی وہابی کو تنبیہ از صاحب روح البیان

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ غور کیجئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلیفہ رابع سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک کیسے کیسے اطوار بدلے جیسے زمانہ بدلتا دیکھا ویسے ہی الفاظ بدلے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام تبدل زماں سے بدلتے ہیں۔ (اسی لئے فقہاء کرام نے قاعدہ بنایا:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

Scanned with CamScanner

تتبدل الاحکام بتبدل الازمان۔

اور ہم اہلِ سنت نے بعض ضروریات کے پیشِ نظر بدعت حسنہ کا اجرا کیا، لیکن کل بدعة ضلالة کی رٹ لگانے والے اس قاعدہ شرعیہ کو ہڑپ کر جاتے ہیں اگر اس قاعدہ شرعیہ کا جواز نہ ہوتا تو خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کبھی اپنے خطبات میں سوائے سورہ ق کی آخری آیات کے اور آیات نہ پڑھتے کیونکہ وہ ہم سب سے زیادہ عاشق سنت اور قاطع بدعت تھے؟[1]

(فافہم وتدبر ولا تکن من الوہابیین)۔

بدعات ہی بدعات

ہمارے خطبات (جمعہ، عیدین وغیرہ) میں خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر ان کے اسمائے گرامی پر رضی اللہ عنہم اور درود و سلام کے اضافے بھی بدعت حسنہ ہیں جب کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں ایسے خطبات کے الفاظ کہاں اور یہ اضافے بھی محض ضروریات اسلامیہ کے تحت ہوئے مثلاً روافض اور وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے والوں کی تردید کے پیشِ نظر اضافات کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس میں شک نہیں کہ یہ دین کے اہم مقاصد سے ہے۔ اسی لئے ان بدعات حسنہ کا ایجاد کیا گیا۔ اہل حق میں سے کوئی بھی منکر نہیں۔

[وہابیوں دیوبندیوں کا انکار قابلِ اعتبار نہیں لانہم قوم لا یعقلون][2]

بدعاتِ سیئہ

بعض لوگ عوام کو پھنساتے ہیں کہ ہر نیا مسئلہ اگر بدعت حسنہ ہے تو پھر بدعت سیئہ کس جانور کا نام ہے۔ اس کی تفصیل تو فقیر اویسی کی کتاب العصمة عن البدعة میں ہے سردست صاحب روح البیان کی بتائی ہوئی بدعات سیئہ کی تفصیل سنئے:۔

(۱) مؤذنین کا اذان میں ترجیع (شہادتوں کے لئے دو بار لوٹنا) (جیسے وہابی کرتے ہیں)۔

(۲) ائمہ و خطباء کا خطبات لحن یعنی موسیقی کے قوانین کے پیشِ نظر آواز نکالنا کہ جس سے معنے غلط ہو جائے یا فاسد (ایسے ہی حفاظ کا قرآن مجید پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔

ازالۂ وہم

قواعد موسیقی کے مطابق خطبہ، قرآن مجید پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ الفاظ و حروف میں معمولی سے معمولی بھی تغیر و تبدل نہ ہو بلکہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر ان قواعد موسیقی سے بہتر آواز کے ساتھ بلا تبدل و تغیر حروف و الفاظ قرآن مجید پڑھنے سے نفس پر گہرا پڑتا ہے جو اسے رقیق بننے میں مدد ملتی ہے تو کوئی حرج نہیں جیسے اچھی (حسین) صورت دیکھنے سے مخصوص دینی فائدہ ہو تو جائز ہے۔

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

[2] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔ عنہ: ایک فائدہ یہ ہے کہ حسین چہرہ دیکھنے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے۔ (کتب طب) اویسی۔

Scanned with CamScanner

[لیکن یہ جواز صرف اور صرف شیخ اکبر قدس سرہٗ جیسے اسلاف رحمہم اللہ تعالےٰ تک محدود ہو سکتا ہے ورنہ ہمارے جیسے تو صرف آڑ بنا کر ہی نفس کو خوش کریں گے اسی آڑ نے ہمارے دَور میں سلسلہ قدسیہ چشتیہ کے منسلکین کے اکثر حضرات کو دھوکہ دیا ہے۔

ایک اور بدعت حسنہ خطبہ میں آیت ان اللّٰہ وملٰئکتہ سب سے پہلے مہدی عباسی خلیفہ نے پڑھی جو تا حال یہ بدعت رائج ہے[2] ہاں! طویل خطبات میں یہ آیت پڑھی جاتی ہے ورنہ جو لوگ اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہیں وہ آیت ہٰذا کو نہیں پڑھتے۔

[صاحب روح البیان کے دور میں اور ممکن ہے کہ اب بھی کہیں پڑھی جاتی ہو یعنے آیت ہٰذا خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے موذن اس آیت کو پڑھتے تھے۔ (یہ بھی بدعت حسنہ میں شمار ہوگی) اور زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اسے خطیب کے خطبہ سے پہلے پڑھی جائے یہی حضرت شیخ وفا قدس سرہٗ کا مختار مذہب ہے][3]

حدیث شریف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اثنائے خطبہ میں جب تم کسی کو کہو گے کہ خاموش ہو تو تم نے لغو کام کیا خطبہ کو خاموشی سے سنا کرو۔ اللہ تعالےٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

بدعت سیئہ لیکن افسوس کہ بعض جاہلوں نے آیت ہٰذا کو کچھ ایسے طریقے سے پڑھنا شروع کر دیا ہے کہ جس سے موسیقی قواعد کے تحت بہت بڑی غلطیوں کا ارتکاب کر ڈالتے ہیں۔ ان کی اس روش سے دین کی عزت پر دھبا آتا ہے اور اہلِ حق کو ان کے اس فعل سے سخت وحشت ہوتی ہے۔ یہی بدعات سیئہ ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہو رہی ہیں۔

وَاَوْفُوْا اور وفا پر استمرار کرو یہ ایفا سے مشتق ہے بمعنے وفا کرنا۔

شان نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں جنھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ میں عہد کیا تھا لیکن جونہی قریش کا غلبہ اور اہلِ اسلام کا ضعف ظاہر ہوا تو انھوں نے جزع فزع و اضطراب کا اظہار کیا شیطان کو موقعہ مل گیا کہ انھیں فریب دے کر ان کے نقض عہد کرائے اس آیت سے اللہ تعالےٰ نے انھیں وفا پر ثابت قدمی کی تلقین فرمائی۔

بِعَهْدِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے عہد کو۔ اس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیعت اسلام مراد ہے اس لئے کہ

1۔ اضافہ از اویسی غفرلہ

2۔ یہ بھی بدعت حسنہ ہے ۱۲

3۔ اضافہ از اویسی غفرلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت درحقیقت اللہ تعالےٰ کے ساتھ بیعت ہے ۔

کما قال تعالےٰ :

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فنافی اللہ اور باقی باللہ تھے ۔

حدیث شریف حجر اسود زمین پر اللہ تعالےٰ کا دایاں ہاتھ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہیں پاسکا تو وہ حجرِ اسود کو ہاتھ لگائے اس طرح سے اس نے گویا اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرلی۔

بیعت کے معنے بیعت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثواب کا وعدہ فرمارہے ہیں اور جس نے بیعت کی وہ وعدہ کر رہا ہے کہ وہ ان کی اطاعت پر التزام کرے گا اور معاہدہ کو مبالغہ سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ معاہدہ کو معاوضۂ مالی سے مشابہت ہے پھر ہر عہد کو بیعت سے تعبیر کرتے ہیں جو انسان اپنے اختیار سے اپنے اوپر لازم کرے۔ عام معنی ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ سبب خصوصی عام حکم کے منافی نہیں ہوتا۔

اِذَا عَاهَدْتُّمْ جب تم معاہدہ اور پختہ وعدہ کرتے ہو۔ عہد، عقد اور میثاق کا ایک معنے ہے۔ **وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ** اور قسموں کو نہ توڑو یعنے معاہدہ کے وقت جو قسمیں کھاتے ہو انہیں نہ توڑو۔ **بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا** انہیں مؤکد کرنے کے بعد یعنے اثنائے عہد میں جو معہود ہو ذکر الٰہی اور اس کے اسم مبارک سے قسموں کو پختہ کرنا مُراد ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف : سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا اس سے اشیاء محلوف علیہا مُراد ہیں ۔

کما قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم :

من حلف علی یمین الخ

کیونکہ اگر ہم اس سے ذکر یا اسمِ الٰہی مُراد لیں تو تاکید کا غیر ہو گا نہ کہ مؤکد اور یہ مقصد خلاف ہے ۔

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا اور اپنے اوپر اللہ تعالےٰ کو شاہد اور رقیب بناتے ہو ہم نے کفیل کے معنی شاہد و رقیب اس لئے کئے ہیں کہ کفیل مکفول بہ کے حال کی محافظت کرتا ہوا اس کی کفالت کرتا ہے ۔ **اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۞** بے شک اللہ تعالےٰ جانتا ہے وہ جو تم عمل کرتے ہو مثلاً قسموں اور وعدوں کا توڑنا۔ وہی تمہارے اعمال کی جزاء و سزا دے گا ۔

ف : اپنے اوپر واجب کردہ امر کو ادا کرنے کو وفا کہا جاتا ہے جو اپنے طور اپنے اوپر واجب کیا ہو یا منت مان کر ۔

شریعت کی پابندی بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ جب کسی کو دیکھو کہ وہ بڑی کرامات ظاہر کرتا ہے مثلاً ہوا پہ اڑتا اور پانی پہ چلتا ہے تو اس کی ان کرامات سے دھوکہ مت کھاؤ یہاں تک کہ دیکھو کہ وہ حفظ حدود اور وفا بالعہود اور شریعت مقدسہ کی پابندی کرتا ہے یا نہیں ۔

Scanned with CamScanner

کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ مرتے دم تک کس عمل پر پابندی کروں، حکیم نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کی موافقت۔ خلق خدا کو ہر وقت نصیحت اور نفس کے ساتھ مخالفت اور شیطان سے عداوت اور دین کے ساتھ وفاداری کو مرتے دم تک نہ چھوڑو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے، واوفوا بعھد اللہ یعنے اوامر الٰہی کی پابندی اور نواہی حق سے رکنے کے عہد کو پورا کرو۔ اذا عاھدتم جب کہ تم نے یوم میثاق میں اللہ تعالےٰ سے وعدہ کیا تھا۔ ولا تنقضوا الایمان اور تم اللہ تعالےٰ کے ساتھ وعدہ کرتے وقت قسم کھا کر جو وعدہ کیا تھا اسے نہ توڑو۔ بعد توکیدھا اسے پختہ کرنے کے بعد یعنے اپنے نفسوں پر (بلیٰ) سے شہادت دے کر وقد جعلتم اللہ علیکم کفیلاً اور اپنے اوپر تم نے اللہ تعالےٰ کو کفیل بنایا کہ وہ تمہارے اعمال پر تمہیں جزا دے گا اس لئے کہ اس نے تمہارے ساتھ معاہدہ کے وقت تو تمہارے نیک اعمال کی تمہیں نیک جزا دے گا:

کما قال تعالےٰ:

اوفوا بعھدی اوف بعھدکم

اسی معاہدہ کی تشریح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمائی ہے:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے معاذ! تم جانتے ہو کہ بندوں پر اللہ تعالےٰ کے کیا حقوق ہیں انھوں نے عرض کی: اللہ و رسولہ اعلم (اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں)، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں یعنے عبادت صرف اسی کو مطلوب بناؤ اس کی طلب میں کسی دوسرے کو ساتھ نہ ملاؤ پھر فرمایا: اے معاذ! بتاؤ بندوں کا اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم پر کیا حق ہے جب وہ اللہ تعالےٰ کا حق ادا کریں۔ حضرت معاذ نے عرض کی اللہ و رسولہ اعلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کا حق اللہ تعالےٰ پر یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرے یعنے انھیں فراق و ہجر میں نہ رکھے بلکہ انھیں وجدان و وصال کا شرف عطا فرمائے۔

کما قال:

الا من طلبنی وجدنی (خبردار! جو میری تلاش کرتا ہے وہ مجھے ضرور ملے گا)۔

مثنوی شریف میں ہے:

ما درین دہلیز قاضی قضا
بہر دعوے الستم و بلیٰ

Scanned with CamScanner

چونکہ بلے گفتیم آنرا ز امتحان
فعل و قول ما شهود است و بیان
از چہ در دہلیز قاضی تن زدیم
نے کہ ما بہر گواہی آمدیم
تا کہ ندہی ان گواہی اے شہید!
تو ازین دہلیز کے خواہی رہید

---

(۲) فعل و قول آمد گواہان ضمیر
ہر دو پیدا اے کند سر ستیر

---

(۳) جرعہ بر خاک وفا آنکس کہ ریخت
کے تواند صید دولت زو گریخت

---

(۴) پس پیغمبر گفت بہر این طریق
باوفا تر از عمل نبود رفیق
گر بود نیکی ابد یارت شود!
ور بود بد در لحد مارت شود!

[ترجمہ (۱) ہم قاضی کے تضار سے الستم اور بلیٰ کے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اس دنیا میں ہیں جب ہم نے امتحان کے طور پر بلیٰ کہا تھا اس پر ہمارے اقوال و افعال شاہد ہیں۔ ہم اس دنیا میں کس لئے آئے ہیں پس اسی گواہی کے اظہار کے لئے آئے ہیں۔ جب تک تم وہی گواہی نہ دو گے تو اس دنیا سے کس طرح نجات پاسکو گے۔

(۲) قول و فعل ہر دونوں اسی پوشیدہ راز کے گواہ ہیں یہ ہر دونوں اسی پوشیدہ راز کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۳) جس نے خاک وفا پر اس عہد کے ایک قطرہ ڈالا اس سے دولت حق کہیں دور نہیں جائے گی۔

(۴) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس راستہ کا بہتر ساتھی عمل ہے۔

ف: اگر تیرے ہاں نیکی ہے تو وہ تیرا دائمی ساتھی ہے اگر برا عمل ہے تو وہ قبر میں تیرے لئے سانپ بن جائے گا]۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَكُونُوا اے مومنو! عہد شکنی میں نہ ہو جاؤ۔ **كَالَّتِي** اس عورت جیسے **نَقَضَتْ** جس نے توڑا نقض مکانات اور رسی وغیرہ کے توڑنے پر مستعمل ہوتا ہے یہ ابرام کی نقیض ہے۔ **غَزْلَهَا** اپنا کاتا ہوا سوت الغزل بمعنے دھاگہ کاتنا مصدر بمعنے مفعول ہے یعنے وہ دھاگہ جو اون وغیرہ سے کاتا جاتا ہے۔ **مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ** یہ نقضت کے متعلق ہے یعنے بعد اس دھاگہ کے پختہ اور مضبوط ہونے کے پھر اسے کردے۔ **أَنْكَاثًا** یہ غزلها سے حال اور نکث بمعنے منکوث کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جو پختہ کرنے کے بعد کچی کرکے ٹکڑے ٹکڑے کی جاتے اب معنے یہ ہوا کہ وہ مضبوط دھاگے جسے اس عورت نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اس سے عہد شکنی کی قباحت کا اظہار مطلوب ہے عہد شکنی کرنے والے کو اس بیوقوف عورت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس نے بڑی محنت کرکے دھاگہ تیار کیا اور پھر توڑ دیا۔

یہ کوئی مخصوص عورت نہیں تھی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس شئے کے ساتھ تشبیہ دی جائے اس کا وجود خارج میں موجود ہو۔

یہ عورت کون تھی ؟

کلبی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ عورت ربطہ بنت سعد بن تیم قرشیہ مکہ معظمہ میں رہنے والی تھی حد سے زیادہ بیوقوف اور وسواس کے مرض میں مبتلا تھی اس کا تکلا پورا ایک گز اور سنارہ انگلی کے برابر تھا (سنارہ بالکسر وہ لوہا جو تکلے کے سرے میں ہوتا ہے) اسی طرح فلکہ بھی سنارہ کے برابر موٹا تھا۔ صبح سے دوپہر تک اپنی ساتھی ہمسائیوں کے ساتھ چرخہ کاتتی رہتی پھر تمام کاتا ہوا سوت خود ہی توڑ دیتی اور دوسروں کو بھی توڑنے کو کہتی۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰی نے عہد شکنی کو دھاگہ توڑنے سے تشبیہ دے کر فرماتے ہیں کہ جیسے وہ عورت اپنے دھاگہ کو مضبوط کات کر پھر کاٹنے سے ضائع کر دیتی تھی۔ مرد عاقل پر لازم ہے کہ ہر رشتہ الٰہی کو توڑنے کی کوشش نہ کرے تاکہ اوفوا بعہدی اوف بعہدکم کے حکم سے جزا حاصل کرے: ؎

گرت ہوا است کہ دلدار نگسلد پیمان
نگاہ دار سر رشتہ تا نگہدارد

ترجمہ: اگر تمہاری خواہش ہو کہ دوست عہد و پیمان نہ توڑے تم بھی وفا کے دھاگے کو مضبوط رکھو تاکہ وہ اپنے عہد و پیمان نہ توڑے۔

تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ یہ لا تکونوا کی ضمیر سے حال ہے یعنے تم اس عورت کے مشابہ ہو حالانکہ اس کا معاملہ یونہی ہے اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو اور دخل دراصل اسی کو کہا جاتا ہے جو کسی ایسی شے میں داخل ہو جو اس کی جنس سے نہ ہو۔ **أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ** یہ کہ ہو ایک جماعت یعنے قریش مکہ۔ **هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ**، دوسری جماعت اہل ایمان سے گنتی میں زیادہ تر اور مال میں اکثر۔

مسئلہ: اس میں اس شخص کو اس گندی عادت سے منع کیا گیا ہے جو کسی قوم کو اپنا حلیف بنائے پھر جب دیکھے کہ دوسری

Scanned with CamScanner

قوم ان سے تعداد اور مال میں زائد میسر آئے تو پہلی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو حلیف بنا لے۔ ھی اربیٰ محلاً منصوب کان کی خبر ہے اور المدارک میں ہے کہ:

ھی اربیٰ مبتدا و خبر محلاً مرفوع امۃ کی صفت ہے اور امۃ یکون کا فاعل اور یکون تامہ ہے۔

اِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهٖ اس سے اللہ تعالےٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے یعنی عدد و مال والی قوم تمہیں دکھا کر تمہارے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہے جو آزمائش کے طور پر کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ تم اللہ تعالےٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیعت کی وفا کی رسی کو مضبوط کرتے ہو یا قریش مکہ کی کثرت اور ان کی شان و شوکت اور ان کی مال و دولت اور اہل اسلام کی قلت اور ظاہری ضعیفی اور کمزوری کو دیکھ کر دھوکہ کھاتے ہو۔

ف: شے کی کثرت و قلت سے دھوکہ کھانا بیوقوف کا کام ہے ورنہ ایک ہرنی ہزاروں خنزیروں سے بہتر ہے اور ہمارے نزدیک اہلِ حق اگرچہ ایک ہو وہ سوادِ اعظم ہے۔ بے دین اگرچہ کروڑوں کی تعداد میں ہوں انھیں سوادِ اعظم نہ کہا جائے گا۔ دجال کے متعلق ہم سب کو یقین ہے کہ وہ کافر ہے لیکن اسے اسی لئے دجال کہا جاتا ہے کہ وہ کثرت جماعات (لشکر) کی وجہ سے تمام روئے زمین کا چکر لگائے گا۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ وہ حق پر یا تمام روئے زمین کے لوگوں سے افضل ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ظاہری صورتوں اور کثرتِ مال کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کی نگاہ کرم قلوب اور اعمال پر ہے جب کسی قوم کے اعمال اور قلوب صالح ہوں تو وہ قوم اللہ تعالےٰ کے ہاں مطلقاً مقبول ہے انھیں مال کی کثرت اور حسین و جمیل صورتیں حاصل ہوں یا نہ۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رہ راست باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: سیدھا راستہ ضروری ہے قد سیدھا ہو یا نہ ہو اس لئے کہ ظاہری لحاظ سے کافر کی شکل و صورت بھی ہماری جیسی ہے۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ اور قیامت میں تمھیں واضح کرے گا وہ باتیں جن کے متعلق تم دنیا میں اختلاف کرتے تھے یعنی اس وقت تمہارے نیک اعمال پر تمھیں اجر و ثواب عطا فرمائے اور بُرے اعمال پر سزا دے گا۔ اس میں ملتِ اسلام کی مخالفت سے ڈرانا مطلوب ہے اس لئے کہ دین حق اور ملت اسلام کی مخالفت عذابِ ابدی کا سبب ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالےٰ کسی کے مجبور کرنے پر چاہتا۔ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً تو تمھیں ایک ہی گروہ بنا دیتا یعنی تمھیں صرف ملت اسلام پر متحد رکھتا۔ وَّلٰكِنْ لیکن وہ ایسے نہیں چاہتا کیونکہ یہ اس کی حکمتِ ازلی کے خلاف ہے بلکہ وہ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ جس کی گمراہی چاہتا ہے تو اس میں گمراہی پیدا کر دیتا ہے یعنے اس

Scanned with CamScanner

بندے کے اختیارات اسی گمراہی کی طرف پھر جاتے ہیں۔ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اور جس کی ہدایت چاہتا ہے تو اس کے اندر اس کے اپنے اختیار کے مطابق ہدایت حاصل کرنے کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اِضلال و ہدایہ کی تخلیق بندے کے کسب و اختیار کے مطابق ہوتی ہے اس میں عظیم راز ہے جسے صرف اہل علم اور اللہ تعالٰے کے محبوب بندے جانتے ہیں۔ وَ اور بخدا لَتُسْـَٔلُنَّ تم قیامت میں سوال کئے جاؤ یہ سوال زجر و توبیخ اور ان کی تبکیت اور جزاء وسزا سانے کے لئے ہوگا ورنہ اللہ تعالٰے کے سوال کا کیا معنے؛ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اس سے جو تم دنیا میں عمل کرتے تھے یعنی جنھوں نے عہد کی وفا کی انھیں جزا نصیب ہوگی اور جنھوں نے عہد شکنی کی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

ف: عہد و پیمان کے کئی مقامات ہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے جو پیر و مرید کے درمیان ہوتا ہے جسے ہم بیعت سے تعبیر کرتے ہیں مرتے دم تک اس کی پابندی لازمی ہے۔

[لیکن بیعت کا مفہوم وہی ہے جو ہم نے پہلے عرض کیا ورنہ ہمارے دَور میں تو پیری و مریدی کی اکثر رسم رہ گئی ہے یا دنیا ہونا اور بس [۱]]

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب مرید اپنے شیخ کامل کا دامنگیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے کہ اثنائے سلوک میں ہر طرح کی تکالیف اور دکھ درد اور پریشانیاں سر پر رکھوں گا اور ہر ممکن نفس اور خواہشات نفسانی کی مخالفت اور شیخ کامل کی صحبت اور ان کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم اور ہر خدمت کے لئے کمربستہ اور پیر بھائیوں کی ہر میٹھی کڑوی بات پر بُردباری اور حوصلہ اور ان کے ساتھ حسن اخلاق اور ادب سے پیش آؤں گا۔ پھر جب سالک کو اثنائے سلوک تکالیف اور پریشانیاں ستائیں تو نفس کو سخت ملال ہوتا ہے اور اتنا بڑا بوجھ اٹھانے سے کتراتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ شیخ کے معاہدہ (بیعت) کو توڑ دے اور جو وعدہ شیخ سے کیا ہے اسے ختم کر کے اپنے دنیوی کام میں مصروف ہو جاؤں چنانچہ نفس کے اکسانے پر بیعت (سلوک) توڑ کر نفسانی خواہشات پر چلنے لگتا ہے لیکن پھر وہ بدستور سابق مجاہدات و ریاضت میں مصروف ہو جاتا ہے اور شیخ کی صحبت و خدمت میں حاضرباش ہونے لگتا ہے اسے اگر سلوک کی وجہ سے کچھ فتوحات الٰہیہ نصیب ہوں تو وہ ریا و شہرت کو مطمع نظر سمجھتا اور شہوات نفسانی کے تابع ہوتا ہے تو سمجھو اسے اللہ تعالٰے نے آزمائش میں ڈالا ہے ایسے لوگوں کو ہجر و فراق کی جہنم میں ڈالا جائے گا۔

حکایت حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک شخص حضرت مولانا جلال کا پوتا جسے لوگ دیوانہ چلپی کے نام سے پکارتے ہیں وہ خوب کھاتا پیتا ہے اور نفس کی خواہش کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے باوجود حقیقت کا مدعی ہے اور کہتا ہے کہ وہ مظاہر حق سمجھ کر اس طرح کرتا ہے۔ (اللہ تعالٰے ہمیں الحاد سے محفوظ رکھے) جب اس پر نزع طاری ہوئی تو

---

[۱] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

اس وقت تائب ہوا اور کہا افسوس ہے کہ میں نے حقیقی راہ سلوک کو نہ پہچانا وہ اسی حسرت میں مرگیا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے اس ندامت کی وجہ سے بخش دے۔ اس کی ایک کرامت بہت زیادہ مشہور تھی وہ یہ کہ ستر قدموں کی مسافت کو صرف ایک قدم میں لپیٹ لیتا تھا گویا اسے طے الارض حاصل تھا۔ صوفیاء کرام کے نزدیک انہیں کشوف سفلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کشوف سفلیہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نامقبول ہیں اس لئے کہ یہ مرتبہ طبعیہ بلکہ شیطانیہ ہے۔ افسوس ہے کہ عوام ایسے کشف و کرامات طبعیہ شیطانیہ کے ظاہر کرنے والے کو قطب اور غوث سمجھتے ہیں۔

[ہمارے دور کے لوگ تو کشف و کرامت دیکھے بغیر ہی ہر آستانہ عالیہ کے سجادہ نشین اور صاحبزادگان کو غوث قطب سمجھتے ہیں خواہ وہ شریعت مطہرہ سے کوسوں دور بلکہ الٹا شریعت پاک سے تمسخر کرنے والا ہو[1]۔

یہ سب کچھ جہل خالص کی وجہ سے ہے ان بیوقوں کو خیر و شر کی تمیز نہیں اسی مشکل معاملہ کو دیکھ کر مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؂

در مسجد و خانقاہ بے گردیدم
بس شیخ و مرید را کہ پا بوسیدم
نہ یک ساعت از ہستی خود رستم
نہ آنکہ ز خویش رستہ باشد دیدم

ترجمہ: بہت سے خانقاہوں اور مسجدوں میں گھوما ہوں بہت سے مشائخ اور مریدوں کے قدم چومے۔ لیکن ایک لمحہ بھر بھی اپنی ہستی کو نہ مٹا سکا۔ بلکہ ان کو بھی نفسانیت سے بھرپور پایا۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں غلط دعاؤں سے بچائے اور اہل تقویٰ بنائے)۔ آمین۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَیْمَانَکُمْ دَخَلًاۢ بَیْنَکُمْ اور اپنی قسموں کو آپس میں مکر و فریب اور دھوکہ کا سبب مت بناؤ۔ فَتَزِلَّ نہی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ڈگمگا جائیں گے۔ قَدَمٌۢ اے مومنو! حق کی سیدھی سڑک سے تمہارے قدم۔ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا ایمان پر ثابت اور راسخ ہونے کے بعد۔

نکتہ: جمع کی بجائے مفرد اور نکرہ لانے میں اشارہ ہے کہ قدم کیسا کیوں نہ ہو باعزت یا بے عزت اس کے ایک قدم کا ڈگمگانا ایک عظیم خرابی ہے پھر بہت سے قدموں کے ڈگمگانے کا کیا حال ہوگا۔

وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ اور چکھو گے تم دنیوی عذاب کو۔ بِمَا صَدَدْتُّمْ بوجہ تمہارے روکنے اور غیروں کو منع کرنے کے۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے یعنی وہ عہد و ایمان جن کا پورا کرنا ضروری تھا اس لئے کہ جو

---

[1] :- از فقیر اویسی غفرلہ۔

Scanned with CamScanner

بھی بیعت توڑ کر مرتد ہو جاتا ہے تو اس نے غیر کے طریقے پر چلنے کو اختیار کیا۔ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ اور آخرت میں تمہارے لئے بہت بڑا اور سخت عذاب ہے۔ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اور نہ خریدو یعنے اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیعت کے عوض ثَمَنًا قَلِيلًا، تھوڑا ثمن یعنے اللہ تعالےٰ کے عہد (بیعت) کو معمولی عوض میں ضائع نہ کرو۔

شان نزول قریش مکہ کمزور مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کے لئے دنیا کی دولت کی پیشکش کرتے تھے۔

إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ بے شک اللہ تعالےٰ کے ہاں جو کچھ ہے یعنے دشمنوں پر فتح و نصرت اور دنیا میں مال غنیمت عطا کرنا اور آخرت میں ثواب سے نوازنا۔ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ جتنی اشیاء کو تم دنیا میں بہتر و برتر سمجھتے ہو ان سب سے اللہ تعالےٰ کی مدد وغیرہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ اگر تم اہل علم اور اہل تمیز ہو۔ مَا عِنْدَكُمْ وہ جو تمہارے ہاں دنیوی اسباب ہیں اگرچہ کتنے ہی کثیر ہوں۔ يَنْفَدُ ختم ہو کر مٹ جائیں گے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ اور وہ جو اللہ تعالےٰ کے ہاں محض رحمتیں ہیں بَاقٍ باقی رہنے والی ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی اس میں جہمیہ کا رد ہے ان کا عقیدہ ہے کہ بہشت کی نعمتیں متناہی اور ختم ہونے والی ہیں۔ وَلَنَجْزِيَنَّ بخدا ہم عطا کریں گے۔ الَّذِينَ صَبَرُوا ان لوگوں کو جنھوں نے مشرکین کی اذیتوں اور اسلام کی مشقتوں پر صبر کیا منجملہ ان کے ایک یہی یعنے وفا بالعہد ہے أَجْرَهُمْ ان کا اجر خاص جو انھیں امور مذکورہ پر صبر کرنے کی وجہ سے عطا ہوگا۔ یہ لنجزین کا مفعول ثانی ہے۔ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ہم انھیں ان کے احسن اعمال مثلاً صبر مذکور کی وجہ سے پوری اور بہتر جزا دیں گے اور احسن کو صبر کی طرف مضاف کرنے میں اس کی فضیلت و بزرگی کی طرف اشارہ ہے جسے ثواب آخرت کی فضیلت کے اظہار کے لئے حسن ثواب الآخرۃ فرمایا ہے۔

ف: ان آیات سے معلوم ہوا کہ وفاء بالعہد اور اثبات علے الایمان اور مشقتوں پر صبر کرنے کا ثمرہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ تعالےٰ اور علماء با عمل اور صلحاء کاملین کے معاہدوں کو نہیں توڑتا۔

حکایت: ایک عالم دین اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہیں کہ شہر مصیصہ میں تھا کہ اچانک دو مردوں کو گفتگو کرتے پایا کہہ رہے تھے کہ گوشہ نشینی اختیار کرنی چاہیئے جب وہ خلوت میں جانے لگے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ ایک جگہ پر بیٹھ کر آپس میں معاہدہ کرنے لگے کہ اس ظاہری علم سے ہمیں بھی نفع اٹھانا چاہتے تاکہ قیامت میں یہی علم ہمارے اوپر حجت نہ بنے۔ یہاں طے کیا کہ جنگل میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنا چاہیئے لیکن وہ کھانا ہرگز نہ کھانا ہوگا جس میں خلق خدا کا واسطہ ہو۔ میں نے ان کی باتیں سن کر کہا کہ مجھے بھی ساتھ شامل کرو۔ انھوں نے فرمایا: ایک شرط پر آپ ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ میں نے کہا: جو شرط آپ لگائیں مجھے منظور ہے۔ معاہدہ کے بعد مجھے جبل لکام پر لے گئے اور فرمایا فلاں غار میں عبادت میں مشغول ہو جائیے۔

Scanned with CamScanner

(یہی ہماری شفقت ہے) یہ سن کر میں غار میں داخل ہو کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اور روزانہ ان میں سے ایک صاحب میرے ہاں بلا تکلف کھانا لاتا۔ میں ایک عرصہ تک اس معاہدہ پر قائم رہا۔ ایک دن دل میں خیال گزرا کہ یہاں کیوں پڑا رہوں۔ مجھے دین و علم کی خدمت کرنی چاہیے اور اکل حلال پر گزر اوقات کروں۔ اسی خیال سے میں نے غار سے نکل کر شہر طرطوس میں مقیم ہو کر درس و تدریس وغیرہ میں زندگی گزار دی۔ ایک عرصہ کے بعد ان میں سے ایک بزرگ تشریف لایا اور فرمایا: اے فلاں! تو نے ہمارے ساتھ خیانت کی اور معاہدہ توڑ کر پوچھے بغیر چلا آیا اگر تو صبر کرتا تو جو کرامات ہمیں نصیب ہوئیں تجھے بھی نصیب ہوتیں۔ میں نے کہا آپ کو کونسی کرامات ملیں۔ انھوں نے فرمایا: تین کرامات ہیں :۔

(۱) طی الارض یعنے ہم چاہیں تو آنکھ جھپکنے میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جائیں۔

(۲) پانی پر چلنا۔

(۳) جب چاہیں اوجھل ہو جائیں۔

یہ کہہ کر مجھ سے اوجھل ہو گئے۔

سبق اس حکایت سے معاہدہ کے توڑنے کی مذمت واضح ہے اس کی تصریح کی ضرورت نہیں۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ اس عالم دین نے اگرچہ بظاہر نیکی کے کام کے لئے غار کو چھوڑا لیکن معاہدہ توڑنے کا جو نقصان اٹھایا وہ کسی سے مخفی نہیں یعنے بہت بڑی کرامات سے محروم ہو گئے۔ یہ تو امر دین کے لئے معاہدہ توڑنے کا نقصان ہے نامعلوم دنیوی غرض کے لئے معاہدہ توڑنے سے کتنا نقصان ہوگا۔ اے سالک راہ ہدیٰ! سوچ کہ اس عالم دین نے عرصہ تک قرآن مجید بھی پڑھایا اور دین کی بھی بہت بڑی خدمت کی اور یہ امور بھی آخرت سے ہیں لیکن پھر بھی اسے اللہ تعالےٰ نے محروم رکھا۔ اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ دنیا سے انقطاع اور خلق سے لاتعلق اور اسم و رسم سے بھی بچتا رہے اسی لئے صوفیائے نے فرمایا : ع

منصب تعلیم نوع شہوتیست

(تعلیم کا منصب بھی ایک طرح کی شہوت رانی ہے۔ (جس تعلیم میں رضائے الٰہی شامل نہ ہو))۔

اور اس مقام کو صرف اہل علم سمجھتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے :۔

گر نبودے امتحان ہر بدے
ہر مخنث در وغا رستم بدے
خود مخنث را زرہ پوشیدہ گیر
چوں ببیند زخم گردد چوں اسیر

Scanned with CamScanner

(ترجمہ) اگر ہر بڑے آدمی کا امتحان نہ ہوتا تو ہر چھوٹا مخنث رستم ہوتا۔ مخنث کو راہ سے دور سمجھے اگر اسے کوئی راہ مل جائے تو قیدی کی طرح زخم خوردہ ہوگا۔)

اسی لئے عربی مقولہ مشہور ہے کہ بوقت امتحان انسان معزز ہوتا ہے یا ذلیل۔ اور جو امتحان کے وقت غلطی کھا گیا وہ زندگی بھر شرمسار رہے گا۔ بلکہ اسے ہجر و فراق کا مزہ چکھایا جائے گا اور اسے ہر طرح سے حصۂ حق سے محروم کیا جائے گا۔ اور امتحان کے وقت ثابت قدم ہو کر جس نے صبر کیا اور انجام بخیر کی طرف متوجہ ہوا تو وہ مُراد کو پالے گا اور اسے وہ جزا ملے گی جسے صرف رب الارباب جانتا ہے کیونکہ اس نے نیک بندوں کے لئے وہ جزا تیار فرمائی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے تصور میں آسکتا ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا جو نیک عمل کرے اور صالح عمل سے وہ عمل مُراد ہے جو رضائے حق کے لئے ہو جس میں خواہش نفسانی اور ریا کو دخل نہ ہو اور ریا و ہوا میں فرق یہ ہے کہ ہوا کو نفس سے اور ریا کو خلق خدا سے نسبت ہے مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى مرد ہو یا عورت یعنی حالانکہ وہ عامل مرد ہو یا عورت، دونوں مرد و عورت کا ذکر اس لئے فرمایا ہے تاکہ آنے والا وعدہ ہر دونوں کو شامل ہو اور تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ وعدہ صرف مردوں کے لئے ہے اور کسی کو گمان نہ ہو کہ مَنْ کا استعمال اکثر مردوں کے لئے ہوتا ہے اسی لئے صرف مرد ہی مراد ہوں گے اور تصریح کی ضرورت ہوئی کہ اکثر محاورات واحکام میں عورتیں مردوں میں داخل نہیں ہوتیں ہاں تغلیباً و تبعاً عورتیں مردوں میں شامل ہوتی ہیں۔ وَهُوَ اور حال یہ ہے کہ وہ عامل مُؤْمِنٌ ہو یہ قید اس لئے ہے کہ استحقاق ثواب میں کافروں کے ثواب کا کوئی اعتبار نہیں البتہ ان سے تخفیفِ عذاب متوقع ہے۔

حدیث شریف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالے کا فرشتہ کو جہنم کی طرف بھیجے گا تو مالک یعنی جہنم کے خازن کو حکم ہوگا کہ اسے عذاب دو لیکن جو دنیا میں سخاوت کرتا تھا اس کی مقدار پر اس سے عذاب کی تخفیف کی جائے گی۔ (کذا فی تفسیر السمرقندی)۔

حاتم طائی جہنم میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جہنم میں جھانک کر دیکھا تو ایک گوشہ میں حاتم طائی پڑا تھا جسے آگ کا اثر نہیں ہو رہا تھا جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی گئی یہ قبیلہ طے والا حاتم ہے۔ اس کے جود و سخا کی وجہ سے اس سے جہنم کا عذاب ہلکا کیا گیا ہے۔ (کذا فی انیس الوحدۃ)۔

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ پس ہم اُسے دنیا میں بہترین عیش و عشرت کی زندگی کا موقع بخشیں گے وہ اس طرح کہ اگر دولت مند تھا تو عیش و عشرت ظاہری مُراد ہے اگر تنگ دست ہے تو بھی بوجہ قناعت اور تقسیم ربانی پر راضی ہونے اور آخرت میں اجرِ عظیم کی توقع میں زندگی آرام اور اطمینان سے بسر ہوگی جیسے روزہ دار دن کو بھوک و پیاس کے باوجود خوش ہوتا ہے کہ شام کو ٹھنڈا میٹھا اور بہتر غذا کھائے پیئے گا۔ بخلاف فاجر کے کہ اس کی زندگی تنگی و تلخی میں بسر ہوگی وہ تنگدست ہے تو اس کی تنگی و تلخی میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اگر دولت مند ہے تو بھی حرص و ہوا اور مال و دولت کے چھن جانے کے

Scanned with CamScanner

خطرے سے زندگی کا ہر لمحہ تنگ و تلخ ہو کر بسر کرے گا۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ آخرت میں ان کے مخصوص عمل کی وجہ سے ہم انھیں مخصوص اجر و ثواب عطا فرمائیں گے اس لئے کہ ان کے اعمال مخصوصہ یعنے اعمال صالحہ ہوں گے اور انھیں احسن کہنے کی وجہ ہم نے بیان کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں ذکر سے قلب اور انثیٰ سے نفس مراد ہے اور نفس سے عمل صالح کے صدور کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو تقویٰ کے ساتھ شریعت پر چلایا جائے اور صدق کے ساتھ طریقت کے موافق صفات ذمیمہ و افعال طبیعہ سے اس کا تزکیہ کیا جائے۔ اور قلب سے عمل صالح کے صدور کا مطلب یہ ہے کہ طالب حق کے لئے اس کی ہر طرح کی توجہ اللہ تعالےٰ کی طرف اور ماسویٰ اللہ سے بالکل انقطاع ہونے کی وجہ سے اسے صاف و شفاف رکھا جائے۔

فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ اس میں اشارہ ہے کہ عمل صالح اور حسن استعداد قبول حق کی مقدار ہر ایک کی زندگی بسر ہوتی ہے نفس کا حیات طیبہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اپنے صفات سے صاف اور مزکیٰ ہو کر قلب شافی سے مزین اور ذکر الٰہی سے مطمئن اور اپنے رب کی طرف راجع اور اس سے راضیہ و مرضیہ ہو اور قلب کا حیات طیبہ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا یہ معنےٰ ہے کہ وہ متخلق باخلاق اللہ ہو اور اپنی انانیت سے فانی اور ہویت حق سے باقی یعنے ذات حق کی حیات سے زندہ اور دوئی کے گرد و غبار اور حدوث کی آلائش سے پاک و صاف ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے پاک ہے اور وہ اسے قبول کرتا ہے جو ان اوصاف سے پاک ہو۔

ف: بندوں میں اعمال صالحہ کی صلاحیت ان کے صدق فی المعاملات اور فیض الٰہی کی قبولیت میں حسن استعداد کے مطابق ہوتی ہے اور ان کی زندگی بھی اسی کے مطابق بسر ہوتی ہے۔

ولنجزینھم اور ان کے ہر گروہ کو آخرت میں ہم کمل جزا عطا فرمائیں گے جیسا کہ ان کا جزا کے متعلق گمان ہوگا۔ کما قال:

وَان تک حسنۃ یضاعفھا ویؤت من لدنہ اجرًا عظیمًا

اور اگر نیکی کی ہوگی تو اللہ تعالےٰ انھیں دوہرا ثواب اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

حکایات الصالحین (۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ کے بعض شاگردوں نے وصال کے بعد امام موصوف کو خواب میں دیکھا کہ وہ نہایت فخر و ناز سے بہشت میں چل رہے ہیں۔ عرض کی یا حضرت! یہ کیسی چال ہے؟ آپ نے فرمایا: دین کے خدام بہشت میں ایسے ہی چلتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا، اللہ تعالےٰ نے تمھارے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے مجھے بخش دیا اور سونے کے دو جوتے مجھے پہنائے اور فرمایا یہ تیرے اس عقیدہ کی جزا ہے۔ جو تو نے مرتے دم تک اختیار فرمایا۔ وہ عقیدہ یہ تھا کہ قرآن مجید کلام اللہ اور منزل من اللہ اور غیر مخلوق

Scanned with CamScanner

ہے اور فرمایا اے احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ آپ بہشت میں داخل ہو کر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔

(۲) حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں بہشت میں چلتے چلتے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالےٰ سے ملا انھیں دیکھا کہ ان کے دو سبز پر ہیں جن کے ذریعے سے وہ بہشت کے جس مقام پہ جانا چاہتے ہیں اڑ کر وہاں پہنچ جاتے اور وہ میرے سامنے ایک کھجور سے دوسری کھجور پر اڑ کر بیٹھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے:

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ و اورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العالمین

(جملہ محامد اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں جس نے ہمارے ساتھ وعدہ سچا کر کے دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا اور بہشت میں جہاں ہم رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں اور نیک عمل والوں کا اجر کیسا اچھا ہے)۔

(۳) حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے حضرت عبدالواحد الوراق رحمہ اللہ تعالےٰ کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں انھیں ابھی بحر نور میں چھوڑ کر آیا ہوں۔

(۴) حضرت احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے سفیان ثوری سے حضرت بشر بن الحارث رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے ہیں۔ فرمایا: سبحان اللہ! ان کا کیا کہنا وہ بے خوف ہیں اور انھیں ابھی اللہ تعالےٰ کے حضور میں کھڑا دیکھ کر آیا ہوں اور اللہ تعالےٰ ان سے کرم فرما رہا تھا کہ اسے دنیا میں نہ کھانے والے اب بہشت سے خوب کھاؤ اور نہ پینے والو! خوب پی لو اور عیش و عشرت ترک کرنے والو! خوب عیش و عشرت کرو۔

(۵) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ کے وصال کے بعد انھیں خواب میں دیکھا کہ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس ہیں اور ان کے سر پر تاج ہے۔ میں نے پوچھا، آپ کو سفید لباس کیسے ملا؟ فرمایا: طاعتِ الٰہی بجا لانے سے۔ پھر میں نے پوچھا تاج کس طرح ملا؟ فرمایا، علم کی عزت و شرافت کی وجہ سے۔

سبق ان تمام حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کی جزاء لازماً ملتی ہے۔ جس طرح کے عمل ہوں اسی طرح کی جزا نصیب ہوتی ہے۔ مذکورہ حالات کا اختلاف بوجہ اختلاف اعمال کے تھا۔ عاقل پر لازم ہے کہ اعمال صالحہ میں سعی اور طاعات کی مشقتوں پر صبر کرے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے وعدے کو پہنچے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

صبر کن حافظ بسختی روز و شب

عاقبت روزے بیابی کام را

(ترجمہ: اے حافظ! شب و روز کی سختی پر صبر کر اس لئے کہ بالآخر تو اپنے مقصد کو حاصل کرے گا)

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جب تم تلاوت قرآن کا ارادہ کرو۔ ہم نے قرأۃ کو تلاوت کے ارادہ کے معنی میں

Scanned with CamScanner

از قبیل اطلاق اسم المسبب علی السبب کے لیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ قرآت سے ارادہ مراد ہے۔ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ
اللہ تعالیٰ سے سوال کیجئے تاکہ وہ تمہیں پناہ دے اور محفوظ رکھے۔ مِنَ الشَّیْطٰنِ شیطان سے جو بعید عن الخیر ہے
الرَّجِیْمِ ۝ جو مطرود ملعون ہے یعنے شیطان رجیم کے وساوس وخطرات سے پناہ کا سوال کیجئے تاکہ تمہیں تلاوت
قرآن مجید کے وقت وسواس میں مبتلا نہ کرسکے اس لئے کہ مخلوق کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔

مسئلہ: بہتر ہے کہ تلاوت قرآن مجید سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا جائے۔ جن چودہ روایات
میں استعاذہ مروی ہے ان میں سے یہی مختار ہے کہ اعوذ باللہ الخ پڑھا جائے۔ (کذا فی تفسیر خواجہ پارسا قدس سرہٗ)

اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے یا یہ ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے۔ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ شیطان کا کوئی غلبہ
اور تسلط نہیں۔ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ان لوگوں پر جو ایماندار اور اپنے رب تعالیٰ
پر توکل کرتے ہیں ان سے اولیاء کاملین مراد ہیں کیونکہ ان پر شیطان کسی قسم کا اثر نہیں ڈال سکتا۔ یہ آیت سوال مقدر کا جواب
ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تلاوت سے پہلے استعاذہ کا حکم فرمایا تو وہم پیدا ہوا کہ شیطان تمام بنی آدم
پر اثر انداز ہو سکتا ہے اس آیت سے اس وہم کو دور فرمایا کہ شیطان کے اثر سے اولیاء کاملین مستثنیٰ ہیں۔

نکتہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ انسان شیطان کی شرارت سے ایمان کامل اور توکل صادق کے بغیر نہیں بچ سکتا۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ بے شک شیطان کا تسلط وغلبہ اس سے اس کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس کے حکم کی اتباع
مراد ہے کیونکہ شیطان اسی قسم کا تصرف کرتا ہے۔ اس سے انسان کو محکوم کرنا اور اسے اپنے حکم پر مجبور کرنا مراد نہیں کیونکہ
ایسے امور جانبین کے حال کے منافی ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی۔ (اور میرا تمہارے اوپر صرف اتنا تصرف تھا کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اسے قبول کر لیا۔)

اس آیت کی وضاحت آیت ہذا کے اس جملہ میں ہے۔ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ

ان لوگوں پر (شیطان کا تسلط) ہے جو شیطان کو اپنا دوست بناتے اور اس کی دعوت کو قبول کرکے اس کے حکم
کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں یہ تصور اس تصور کے خلاف ہے جو بظاہر سمجھا جائے کہ شیطان انسان کو برائی پر مجبور کرتا ہے
(کذا فی الارشاد)

اس سے سمرقندی کی تفسیر کا رد مطلوب ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ شیطان جب قیامت میں کہے گا:

وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کو ابھی سے رد کرکے اس کی تکذیب ظاہر فرما دی۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جو اللہ تعالٰے کی الوہیت میں شریک ثابت کرتے ہیں بہ کا مرجع یا اللہ تعالٰے ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں لکھا ہے یا اس کا مرجع شیطان ہے اب معنٰے یہ ہوگا کہ وہ شیطان کے سبب سے اللہ تعالٰے کا شریک ثابت کرتے ہیں اور شیطان ان کے لئے بتوں کی پرستش کا سبب بنا کہ اس نے انہیں بت پرستی پر ابھارا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت ہذا میں اگرچہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے امت مُراد ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے بعض افراد ایسے تھے جن کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا تھا اسی لئے ماننا پڑا کہ جب حضور علیہ السلام کے غلاموں کی یہ شان تھی تو آقا کی کیا شان ہوگی۔ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان سرکار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں مسلمان ہوگیا تھا۔ چنانچہ انہ لیس لہ سلطٰن علے الذین امنوا وعلٰی ربھم یتوکلون سے بھی اسی طرح ثابت ہوتا ہے کہ نورایمان اور توکل کا سلطان وسوسۂ شیطان کے سلطان پر غالب ہے یہ امت کا حال ہے کہ ان کا نور ایمان شیطان کے وسوسہ پر غالب ہے تو نبوت کے نور کی کیا کیفیت ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں خطاب امت کو ہے اور حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب اس لئے ہوا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ جب نبی علیہ السلام کو شیطان سے استعاذہ کا حکم ہو رہا ہے تو امت کو کیا مجال کہ وہ شیطان سے پناہ نہ مانگے بلکہ وہ اس معاملہ میں اولی واحق ہے۔

ف: اس شیطان سے ہر شیطان مُراد ہے۔

کما قال:-

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھو قرین	جو اللہ تعالٰے کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں تو وہی اس کا ساتھی ہوتا ہے۔

یہ ہم میں ہے اور حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہی ہے کہ آپ ابلیس سے پناہ مانگیں۔ کیونکہ ہم عوام کو ساتھ رہنے والا شیطان ہی نقصان پہنچاتا ہے وہ شیاطین جو ہم سے دور ہیں وہ ہمیں چنداں ضرر رساں نہیں ہیں۔ اسی لئے ہمیں اپنے قرین سے استعاذہ کرنا ہوگا اور نبی علیہ السلام کا قرین تو مسلمان ہوگیا انہیں ابلیس یا اس کے لشکر کے اکابر سے استعاذہ کرنا ہوگا۔

قبل از تلاوت قرآن استعاذہ کے فوائد

(۱) قرآن کی تلاوت سے جب استعاذہ از شیطان رجیم کرے گا تو تالی قرآن کو شیطان کی داستان ذہن میں آجائے گی کہ وہ باوجودیکہ معلم الملکوت اور بہت بڑے مراتب وکمالات پر فائز تھا لیکن جونہی حق تعالٰے کی نافرمانی کی اور سجود آدم سے انکار کیا تو ملعون ٹھہرا تو پھر ہم تم کون ہیں۔ اسی لئے اسے تدبر و تفکر کا موقع نصیب ہوگا۔ اس طرح سے اسے خلوص نیت حاصل ہوگا اور قرآن مجید کو غور وفکر سے پڑھ کر اوامر الٰہی کی پابندی اور نواہی سے احتراز کر سکے گا جب کہ سمجھے گا کہ شیطان پر

Scanned with CamScanner

پھٹکار، لعن وطعن جاری ہے اور اسے کافر، فاسق کہا جارہا ہے اور پھر وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا ان وجوہ سے تالیٔ قرآن کو شیطانی اوصاف سے بچنے کا موقع نصیب ہوگا۔

(۲) ہر بندے پر نفس کے گندے خیالات اور شیطان کے وساوس کا حملہ ہوتا رہتا ہے حالانکہ قلب کا ان امور سے صاف ہونا ضروری ہے اگر خیالات فاسدہ بھی ہوں اور وساوس شیطان بھی تو پھر کلام الٰہی کی تلاوت سے ذوق نصیب نہ ہوگا۔ اسی لئے اسے حکم ہوا کہ وہ استعاذہ کرے تاکہ نفسانی خیالات اور شیطانی وساوس سے قلب پاک اور نفس کا بھی تزکیہ ہو پھر نور قرآن سے دل منور ہوگا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ قلب کو تصفیہ و تزکیہ کے بعد ہی جلوۂ حق نصیب ہوتا ہے۔

(۳) قرآن مجید کے ہر کلمے اور ہر لفظ اور ہر حرف میں اَن گنت اشارات ومعانی وحقائق ہیں انہیں وہ قلب سمجھ سکتا ہے جو ہواجس و وساوس کی گندگیوں اور غلاظتوں سے پاک کرنا اور اسے انفاس حق کی خوشبو سے معطر ہو اور قلب کو غلاظتوں اور گندگیوں سے پاک کرنا اور اسے انفاس حق سے معطر کرنا استعاذہ سے ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے اس میں یہی طاقت و قوت امانت رکھی ہے اسی لئے اللہ تعالٰے نے تلاوت قرآن سے قبل استعاذہ کا حکم فرمایا ہے۔

حدیث شریف حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور آپ نے نماز میں کلمات پڑھے:

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ

بکرۃ و اصیلا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

من نفخہ ونفثہ وھمزہ

ف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ نفخ شیطان سے اس کا کبر اور نفث سے شعر اور ھمز سے موتہ یعنی جنون مراد ہے۔

ف: انہ لیس لہ سلطان میں اشارہ ہے کہ شیطان کے تصرف وغلبہ سے مراد اس کا اغوا و اضلال (گمراہ کرنا) ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شیطان انسان سے نور ایمان کے انقطاع کی کوشش کرتا ہے اور اس سے توکل کے ارادے ختم کرتا ہے اس لئے کہ جس انسان کا ایمان کامل اور توکل مکمل ہو وہ زاہد عن الدنیا اور راغب الی الآخرۃ بلکہ وہ صرف اللہ تعالٰے کا بن جاتا ہے جب بندہ اس حال کو پہنچتا ہے تو شیطان کو اس پر تصرف وغلبہ کا موقع نہیں رہتا اور نہ ہی ایسے خوش قسمت انسان کو گمراہ کر سکتا ہے البتہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالنے کی جدوجہد ضرور کرتا ہے۔ اس لئے انسان کو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالٰے نے اسے کیسے اپنے قریب لانے کے اسباب بنائے ہیں۔ اور اسے یاد رکھنا لازم ہے کہ قلب کی صفائی اور ذوق اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے قلب کو شیطان کے وساوس اور نفسانی خیالات سے پاک نہ رکھے اور خیالات نفسانی اور وساوس شیطانی کو آپس میں ایک قسم کا تعلق ہے۔ ان دونوں کے ازالہ کے لئے ریاضت، مجاہدہ

Scanned with CamScanner

اور مداومت علی الذکر ضروری ہے۔ ان اعمال کی کثرت سے نفس کے خیالات اور شیطان کے وساوس مٹتے اور ان سے غفلت کرنے سے وہ بڑھتے ہیں۔ سالک پر لازم ہے کہ وہ ان اعمال پر مداومت کرے تاکہ اسے قرب حق اور قوت توکل اور نور ایمان نصیب ہو۔

شیطان کی کہانی

حدیث شریف میں ہے کہ شیطان نے اللہ تعالےٰ سے عرض کی یا رب! تو نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ میرے بندوں پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں۔ وہ کون ہیں؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: جن کے چہرے کا نور میرے عرش سے اور جن کے جسم کی مٹی طین ابراہیم و مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہو، اور ان کے قلوب میرا خزانہ ہیں۔ ابلیس نے عرض کی یا اللہ! ایسے حضرات کون ہیں؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ان کی علامات یہ ہیں:

(۱) وہ اپنے گناہوں پر نادم ہوں۔

(۲) اپنے خاتمہ سے خائف ہوں۔ ایسے لوگوں کے چہرے میرے عرش کے نور سے ہیں۔

(۳) جو لوگوں کو طعام کھلائیں گے۔

(۴) میرے بندوں پر رحم کریں گے ان لوگوں کی مٹی طین ابراہیم و حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوگی۔

(۵) جو میرے حکم پر راضی اور میری رضا کے طالب ہوں ان کے قلوب میرا خزانہ ہیں۔

شیطان کی دوسری کہانی

حدیث شریف میں ہے کہ جب مومن شیطان پر لعنت کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے تو نے لعین پر لعنت کی جب کہتا ہے، اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ تو شیطان کہتا ہے تو نے میری کمر توڑ دی۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے جو شخص دن میں دس دفعہ شیطان سے پناہ مانگتا ہے اللہ تعالےٰ اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس نیک بندے سے شیطان کو دور رکھتا ہے۔

حضرت شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیت

ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

[ترجمہ: عشق کی راہ میں شیطان بہت ہیں، ہوش رکھ اور دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف کر دے۔]

مسئلہ: تلاوت قرآن کے وقت اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے خواہ ابتدائے سورت سے شروع کیا جائے یا درمیان میں کسی آیت سے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: استاذ کے سامنے شاگرد کو تعوذ نہ پڑھنی چاہئے خواہ قرآن مجید کا سبق شروع کرے یا کسی اور کتاب کا۔ (کذا فی مشارق الانوار)

مسئلہ: یہ وجوب جمہور کا مذہب ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف: الفناری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا ہے کہ تلاوت کے وقت استعاذہ کا وجوب جمہور کا مذہب نہیں بلکہ یہ امران کے نزدیک مذب کا ہے (یہی صحیح ہے)۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے کہ وجوب کا قول جمہور کا نہیں اس لئے کہ اس وقت تعوذ پڑھنا جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ البتہ وجوب کا قول بعض اکابر اہلِ اسلام کا ہے۔

ف: تفسیر قرطبی میں لکھا ہے:

تلاوت کے وقت تعوذ کا وجوب صرف حضور علیہ السلام پر تھا اور ہمارے لئے آپ کی اقتدار لازمی ہے اسی لئے ہمارے لئے بوقت تلاوت استعاذہ سنت ہے۔

مسئلہ: آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں بھی استعاذہ واجب ہے لیکن جمہور امت کے اجماع میں اسے سنت قرار دیا گیا ہے۔ (کذا فی الکافی)

قرطبی نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نماز کی صرف پہلی رکعت میں تعوذ کے قائل تھے۔ دوسری رکعتوں میں اس لئے حکم نہیں دیتے تھے کہ ان کے نزدیک تمام نماز میں قرأت ایک ہے اگرچہ رکعات متعدد ہیں۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

ف: قرأت سے پہلے تعوذ سے اصلی غرض وسوسہ کو دور کرنا ہے۔ اسی لئے قرأت سے پہلے تعوذ کا حکم ہوا۔

ف: سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تعوذ سے انسان کا منہ کذب، غیبت اور بہتان سے پاک ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن مجید کی تعلیم کے پیش نظر تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم ہوا۔

زبان آمد از بہر شکر و سپاس
بغیبت نگردد اندیشش حق شناس

[ترجمہ: زبان شکر و سپاس کے لئے پیدا کی گئی ہے حق شناس لوگ اسے غیبت وغیرہ سے ملوث نہیں کرتے۔]

Scanned with CamScanner

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ○ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى
وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ
إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ○ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ
اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ
بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ○
لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ○ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا
مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ○

ترجمہ : اور جب ہم ایک آیت کے بدلے اور آیت تبدیل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے گھڑنے والے ہیں بلکہ ان سے اکثر لاعلم ہیں۔ فرمائیے اسے روح القدس نے آپ کے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدمی بخشے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت ہے۔ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ کافر کہتے ہیں کہ اسے کوئی بشر سکھاتا ہے جس کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور (قرآن) صاف عربی زبان ہے۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ بہتان صرف وہی باندھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ جو ایمان لا کر پھر کفر کرے ہاں! سوائے اس کے کہ کفر پر اسے مجبور کیا جائے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، ہاں! جو دل کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے آخرت کی زندگی کے بجائے دنیوی زندگی سے پیار کیا اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر کر دی ہے اور وہی غافل ہیں۔ یقیناً آخرت میں وہی خسارے میں ہوں گے۔ پھر بے شک تمہارا پروردگار ایسے لوگوں کے لئے جنھوں نے ستائے جانے کے بعد گھر چھوڑے پھر جہاد کیا اور صبر کیا بے شک تمہارا پروردگار اس کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ

شانِ نزول سلطان المفسرین ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ جب قرآن مجید کی کوئی آیت نازل ہوتی تو اگر اس میں کوئی حکم سخت ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو فکر گزرتا کہ اکثر لوگ اس پر عمل نہیں کر سکیں گے تو فرماتے اگر اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر شفقت کرتا تو نرم احکام نازل فرماتا اور جو سخت احکام تھے انھیں منسوخ فرما دیتا۔ اس پر کفارِ مکہ نے کہا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے تمسخر کرتے ہیں کبھی کسی عمل کا حکم دیتے ہیں اور کبھی اسے منسوخ کر دیتے ہیں کبھی سخت حکم پر عمل کرتے ہیں اور کبھی اُسے چھڑا دیتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حکم اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں (معاذ اللہ) کفارِ مکہ کی اس بکواس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: آیت کا معنٰی یہ ہے کہ جب ہم قرآن مجید کی کسی آیت کے بدلے اور آیت نازل فرماتے ہیں یعنے دوسری نازل کردہ آیت کو پہلی آیت کا عوض بناتے ہیں یعنے پہلی آیت کو منسوخ کرتے ہیں۔

وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ یہ جملہ معترضہ شرط اور اس کی جزا یعنے قَالُوْٓا کے درمیان ہے کفارِ مکہ کو زجر و توبیخ کے لئے لایا گیا ہے اور انھیں سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ نازل کرتا ہے اس کے علم میں ہے احکام و شرائع کے اسرار و رموز وہی جانتا ہے مصلحتیں اور حکمتیں اور بہت سے احکام ایک وقت کے لئے مصلحت رکھتے ہیں پھر دوسرے وقت میں ان کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ اس وقت کی نزاکت کے ماتحت فساد کا موجب بن جاتے ہیں اسی لئے وہ بندوں کی مصلحت کے مطابق بعض احکام کو منسوخ کر دیتا ہے اور بعض کو باقی رکھتا ہے۔ اسی کو ہر شے کی حقیقت اور اسی کو اس کے اوّل و آخر کا علم ہے۔ قالوا کفارِ مکہ نے کہا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بے شک تو اللہ تعالےٰ پر افترا کر رہا ہے یہ احکام اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوئے بلکہ تم اے نبی علیہ السلام اپنی طرف سے گھڑ کر بنا رہے ہو۔ (معاذ اللہ)۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ بلکہ ان سے اکثر اللہ تعالےٰ کی حکمت کو نہیں جانتے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی اصلاحِ احوال کے لئے احکام نازل فرماتا ہے البتہ ان سے قلیل ایسے ہیں جو نسخِ احکام کی حکمت کو جانتے بھی ہیں لیکن عناداً انکار کرتے ہیں۔ قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے رد میں فرمائیے، نَزَّلَهٗ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کو نازل کیا۔

سوال: قرآن مجید کا ذکر تو ہے نہیں تم نے کہاں سے قرآن کا معنٰی نکال لیا؟

جواب: آیت مذکورہ قرآن مجید پر دلالت کرتی ہے ہم نے دلالۃً قرآن مجید کا معنٰی نکال لیا۔

رُوْحُ الْقُدُسِ وہ روح جو مقدس اور ادناس بشریہ سے مطہر ہے اس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں

Scanned with CamScanner

اور روح کی اضافت ایسے ہے جیسے حاتم کی جود کی طرف مثلاً کہا جاتا ہے حاتم الجود اس سے اسی وصف کا مبالغہ مطلوب ہوتا ہے گویا وہ صنعت اس کی طبعی ہے۔ اسی تقریر پر روح المقدس اور حاتم الجود کہنا جائز ہوا ورنہ لغوی قاعدہ اس کا انکار کرتا ہے لیکن اس تاویل پر لغوی قاعدہ کے عین مطابق ہوگیا۔

ف: آیاتِ مذکورہ میں نزّل کو ازباب تفصیل لانے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کا تدریجاً اتارنا بھی حکمت الٰہی کے تقاضا پر ہے۔

مِنْ رَّبِّكَ تیرے رب، تیرے آقا اور تیرے جملہ امور کے متولی کی طرف سے **بِالْحَقِّ** یہ محلاً منصوب حال ہے یعنے درآنحالیکہ وہ حق وثابت اور تقاضائے حکمتِ الٰہی کے مواقف ہے یعنے جیسے اس نے چاہا نازل فرمایا اور چاہا تو اسے منسوخ فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ آیات کا منسوخ ہونا حق ہے۔ **لِيُثَبِّتَ** تاکہ اللہ تعالٰے ثابت قدم رکھے یا یہ ضمیر جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اس وقت تثبیت کا اسناد جبریل علیہ السلام کی طرف مجازاً ہوگا۔ **الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** اہل ایمان کو ایمان پر۔ اور وہ یقین کریں کہ واقعی یہ اللہ تعالٰے کا کلام ہے یعنے جب وہ کلام الٰہی سنیں اور بعض آیات دوسری آیات کے لئے ناسخ بن کر اتری ہیں وہ ان میں تدبر کریں اور انہیں سمجھ آجائے کہ یہ آیات بندوں کے حال کے عین مطابق ہیں تو وہ بجائے شک کرنے کے ان کے عقائد مضبوط اور پختہ ہوجائیں اور ان کے دل مطمئن ہوجائیں کہ واقعی اللہ تعالٰے حکیم ہے اور اس کا ہر حکم مبنی برحکمت وصواب ہے۔ **وَهُدًى** اور یہ قرآن مجید گمراہی سے ہدایت دینے والا۔ **وَبُشْرٰى** اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے **لِلْمُسْلِمِيْنَ ○** مسلمانوں کو یعنے وہ لوگ جو اس کے حکم کے سامنے سر جھکانے والے ہیں ان دونوں یعنے ھدًی وبشرٰی کا محلاً لیثبت پر عطف ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی، تثبیتا لھم وھدایۃ وبشارۃ۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح اہل ایمان کو قرآن مجید کے نزول سے تثبیت، ہدایت وبشارت نصیب ہوتی ہے ایسے ہی کفار کو ان کی اضداد حاصل ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالٰے طبیب ہے اور قرآن مجید دوا ہے وہ طبیب مطلق اس قرآن مجید سے مریض قلوب کا علاج کرتا ہے۔ کما قال:

وشفاء لما فی الصدور

پھر جیسے طبیب اپنے مریض کے احوال کی تبدیلی سے دوا کو تبدیل کرتا ہے یا مختلف امزجہ کے پیش نظر دوا بدلتا ہے تاکہ مریض کا مرض زائل ہوجائے مثلاً کبھی شربت پلاتا ہے تو کبھی معجون۔ یہ تبدیلی حکیم کی لاعلمی سے نہیں بلکہ مریض کے مزاج کی وجہ سے ہے ایسے ہی اللہ تعالٰے اپنے بندوں کے قلوب کا علاج کرتا ہے تو کبھی کوئی آیت نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالٰے کو ہی امزجہ اور نزول آیات کا علم ہے وہی ان کی حکمت کو جانتا ہے جو قوانین امراض اور معالجات سے بے خبر ہے وہ

Scanned with CamScanner

اسے جہل پر محمول کرے گا یا نبوت کی طرف سے افترا پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات کی تنزیل پھر ان میں نسخ و تبدیل اہل ایمان کی تثبیت اور ان کے شکوک کے ازالہ کا موجب ہے اس لئے کہ قرآن مجید شفا رحمت دین کے لئے ہدایت اور قلوب کی سلامتی اور اہل ایمان کے لئے بشارت ہے لیکن اس مسلمان کے لئے جو اللہ تعالے کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم قرآن مجید کی آیات سُن کر اس پر عمل کرنے کے درپے ہو جاتے تھے، اور یہ بھی یہی حق کہ قرآن مجید پر عمل کرنا مطلوب ہے نہ صرف تلاوت وغیرہ۔

حکایت و روایت ایک شخص حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی جو کچھ اللہ تعالے نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس سے مجھے بھی کچھ سکھایئے۔ آپ نے اسے ایک صحابی کے سپرد فرمایا جو اُسے قرآن مجید کی آیات سکھائے جب صحابی نے اسے سورۃ اذا زلزلت الارض سکھائی تو جب وہ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ تک پہنچے تو اس شخص نے کہا مجھے اتنا کافی ہے اس کی یہی خبر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو سنائی گئی تو آپ نے فرمایا اسے اپنے حال پر رہنے دو اس لئے کہ اس نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ گیا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چارپائے برو کتابے چند
آں تہی مغز را چہ علم وخبر
کہ بروہیزم است ویا دفتر

[ترجمہ: علم جتنا زائد پڑھو مگر اس پر عمل نہ کرو تو تم نادان ہو۔ وہ نہ محقق ہے نہ دانا بلکہ وہ ایک جانور ہے۔ جس پر چند کتابیں لادی جائیں اس تہی مغز کو کیا خبر کہ اس کے سر پر کتابیں ہیں یا لکڑی کا گٹھڑ]۔

اور فرمایا: ؎

عالم ناپرہیزگار کوریست مشعلہ دار
بے فائدہ ہر کہ عمر درباخت چیزے نخرید و زر بینداخت

[ترجمہ: عالم بدپرہیز کو اس اندھے کی طرح سمجھو جو لالٹین اٹھائے پھرتا ہے اس نے بے فائدہ زندگی بسر کی اس کے پاس زر و دولت تھی لیکن کچھ نہ خرید سکا بلکہ زر و دولت ایسے ہی مٹی میں ڈال دی پہلے اس کا

مال بھی ضائع ہوا اور کچھ حاصل بھی نہ کر سکا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کی توفیق اور ہر زمان و مکان میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی دعا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ نَعْلَمُ لفظ قد تحقیق میں اشارہ ہے کہ وہ واقعی ایسے کہیں گے اور علم کو مؤکد کرنے میں وعدہ و وعید کی طرف اشارہ ہے۔

قاعدہ: ابن حاجب نے کہا کہ قد مضارع پر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے لیکن اسے کبھی تحقیق کے معنے میں نقل کیا جاتا ہے جیسے لفظ ربما مضارع پر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے لیکن کبھی اسے تحقیق کے لئے نقل کیا جاتا ہے۔

اَنَّھُمْ بے شک ہم جانتے ہیں کہ کفار مکہ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ کہیں گے کہ حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کوئی بشر سکھاتا ہے۔

شان نزول امام واحدی نے اسباب النزول میں لکھا ہے کہ عبید بن مسلم نے فرمایا کہ عین التمر[۲] کے باشندے ہمارے غلام تھے۔ ایک کا نام لیسار اور دوسرے کو جبر کہا جاتا تھا، وہ تلواروں کو صیقل کرتے تھے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کے ہاں آنا جانا تھا وہ اپنی کتاب اپنی زبان میں پڑھتے اور حضور علیہ السلام ان سے ان کی کتاب سنتے تھے مشرکین مکہ نے کہا کہ حضور علیہ السلام ان سے کچھ لے کر آتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہی آیت نازل فرمائی اور ان کے غلط گمان کو جھٹلایا۔

ف: یہاں پر بشر سے وہی دو غلام مراد ہیں۔

لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ یہ مبتدا و خبر ہیں اسی طرح اس کا مابعد بھی مبتدا و خبر ہیں یہ ان کے طعن و تشنیع کے ابطال کے لئے ہے۔

حل لغات الالحاد بمعنے الامالۃ۔ الحد القبر سے لیا گیا ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ قبر کا گڑھا استقامۃ سے کسی دوسری طرف ڈھل جائے اور اس طرف سے قبر کو کھودا جائے پھر ہر امالہ عن الاستقامۃ کے لئے استعارہ کیا گیا ہے مثلاً کہا جاتا ہے الحد فلان جب کہ وہ دین کی استقامت سے ہٹ کر بے دینی کی طرف ہو جاتے ملحد بمعنے بے دین اسی سے مشتق ہے وہ اس لئے کہ وہ مقام دینی سے ہٹ کر اپنا ایک علیحدہ مذہب بنا لیا اور جو شخص ایک مذہب سے ہٹ کر دوسرا مذہب اختیار کرے اسے ملحد نہیں کہا جائے گا۔

الاعجمی غیر فصیح کو کہا جاتا ہے اگرچہ عربی ہو اور العجمی منسوب الی العجم کو کہتے ہیں اگرچہ فصیح ہو۔ اب معنے یہ ہوا کہ یہ اس مرد کی بولی ہے جس کا قول استقامت سے ڈھلا ہوا ہے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر فصیح عجمیہ سکھاتا ہے۔

وَهٰذَا اور یہ قرآن کریم لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ○ فصیح عربی زبان میں ہے جب وہ فصیح عربی زبان میں ہے

Scanned with CamScanner

تو پھر غیر فصیح سے ان کا صدور کیسے ہوا۔ اے کافرو! جب تم مانتے ہو کہ قرآن مجید کے تمام الفاظ و معانی ایسے فصیح ہیں کہ جن کے مقابلہ سے تم عجز کا اظہار کرتے ہو اور مانتے ہو کہ اس میں غیبی خبریں ہیں اور یقینی معلومات پر مبنی ہے تو پھر کیوں کہتے ہو کہ انہیں کوئی بشر سکھاتا ہے۔ اگر کوئی بشر انہیں سکھاتا ہے تو کیسے سکھاتا ہے جب یہ کلام معجزہ ہے جس کے مقابلہ سے تمام عالمِ دنیا کے لوگ عاجز ہیں تو تمہارا دعوے غلط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عجمی وہ ہے جو اس کلام کو نہیں سمجھتا جسے اللہ تعالے نے اس کے اندر اپنے اسرار و رموز اور اشارات و معانی و حقائق امانت رکھے ہیں ہاں! وہ اسے نصیب ہوتے ہیں، جسے اللہ تعالے سمجھ عطا فرمائے اور لسان عربی وہ ہے جو اس کے پیارے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک سے بولی گئی اور آپ نے اللہ تعالے کے کلام کے معانی و حقائق بیان فرمائے۔ کما قال تعالے:

فانما یسرناہ بلسانک

اور فرمایا:

فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ

اس سے معلوم ہوا کہ عربی مبین سے وہ قلب سلیم اور لسان مبین مراد ہے جو اللہ تعالے کی طرف سے کسی خوش قسمت کو نصیب ہوئی۔ اسے پورے طور پر سمجھ لو اس لئے کہ یہ اسرار ربانی ہیں۔

تفسیر عالمانہ

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ بے شک وہ لوگ جو آیاتِ الٰہی کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ نہیں مانتے کہ یہ اللہ تعالے کی طرف سے نازل ہوئیں ہیں بلکہ وہ کبھی کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالے پر افترا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ کسی بشر سے سیکھی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ انہیں اللہ تعالے سبیل نجات کی طرف ہدایت نہیں بخشتا تاکہ وہ اس ہدایت کی وجہ سے مطلوب کو پا سکیں کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اپنے برے احوال کی وجہ سے مطلوب تک پہنچنے کے مستحق ہی نہیں۔ وَلَهُمْ اور ان کے لئے آخرت میں عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ دردناک عذاب ہے۔ یہ سزا ان کو قرآن مجید سے کفر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف افترا کے انتساب کی وجہ سے ہے حالانکہ یہ خود مفتری اور کاذب ہیں۔ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ بے شک جھوٹا افترا کرتے ہیں۔

سوال: افترا خود کذب ہے پھر اس کی تصریح کیوں؟

جواب: مبالغہ کے پیش نظر تاکہ اس کے قبح کا مزید اظہار ہو۔ افترا و کذب میں فرق ہے وہ یہ کہ افترا از باب افتعال ہے بمعنے اپنی طرف سے جھوٹی بات گھڑ کر بیان کرنا اور کذب کبھی دوسرے کی تقلید میں اس کا قول نقل کیا جاتا ہے کبھی اپنا جھوٹا قول بیان کیا جاتا ہے گویا افترا خاص ہے اور کذب عام اور یفتری کا فاعل الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ہے اور یہ کفار مکہ کے قول انما انت مفتر کے رد میں ہے یعنی

Scanned with CamScanner

افتراء اسی آدمی کا کام ہے جو اللہ تعالٰی پر ایمان نہیں رکھتا اس لئے کہ اسے عذاب آخرت کا خوف نہیں ہوتا جب آخرت کا خوف اس کے دل میں نہیں تو پھر وہ افتراء سے کس طرح بچ سکتا ہے بہرحال چونکہ مومن آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو احکام قرآن مجید میں ہیں ان کی اس کے دل میں قدر ہے اسی لئے اس سے افتراء کا صدور نہیں ہو سکے گا۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ افتراء کافر سے اس لئے صادر ہوتا ہے کہ افتراء نفس امارہ کے صفات سے ہے اور مطلقاً نفس امارہ کافر کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کی آیات پر مطلقاً ایمان نہیں رکھتا بخلاف مومن کے نفس کے کہ وہ مامون لوامہ۔ ملھمہ من اللہ ہے بلکہ مطمئن بذکر اللہ ہوتا ہے بلکہ یوں کہو کہ ناظر بنور اللہ اور مومن بآیات اللہ ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی آیات نور الٰہی سے ہی نظر آتے ہیں چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

المومن ینظر بنور اللہ

مومن اللہ تعالٰی کے نور سے دیکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مومن افتراء نہیں کر سکتا کیونکہ جب وہ نور الٰہی سے دیکھتا ہے تو پھر وہ جھوٹا افتراء کیسے کر سکتا ہے۔

سبق: غور کیجئے جب مومن کی یہ شان ہے تو پھر اہل ایمان کے آقا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہو گی اور پھر ان سے افتراء کا صدور۔ توبہ، توبہ۔ کیونکہ وہ نور من اللہ اور نور اللہ سے دیکھتے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ اور وہ لوگ جن کا بیان اوپر ہوا یعنے وہ لوگ اللہ تعالٰی کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے **هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝** وہی حقیقۃً جھوٹے لوگ ہیں اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ بخلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ ان کا حال برعکس ہے کہ ان سے جھوٹ کا امکان بھی ختم کر دیا گیا ہے یا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کامل فی الکذب ہیں اس لئے کہ اس سے بڑھ کر کذب اور کیا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالٰی کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ یاد رکھئے کہ آیاتِ الٰہی پر طعن و تشنیع باطل پرستوں کا کام ہے۔ اس معنے پر یہ لام جنس اور حقیقت کی ہے اور اس جنس کو مشار الیہم کے قصر سے مبالغہ مطلوب ہے کہ وہ کذب میں اتنے اونچے ہیں کہ گویا دوسروں کا کذب ان کے مقابلہ میں لاشے ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ کذب ساذج یعنے واقعہ کے خلاف یا شے کے وقوع کے باوجود اس کے عدم وقوع کی خبر دینا بھی اللہ تعالٰی کے پیدا کرنے سے ہوتا ہے

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ مومن چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا، ممکن ہے۔ پھر عرض کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے؟ فرمایا: یہ ممکن نہیں۔

نکتہ: کذب کی قباحت کے لئے اتنا کافی ہے کہ شیطان نے برملا کہہ دیا کہ وہ سب کو گمراہ کرے گا سوائے مخلصین بندوں کے۔ اس نے یہ اس لئے کہا کہ اسے معلوم تھا کہ اس کا وسوسہ کامل بندوں پر اثر انداز نہ ہو گا۔

Scanned with CamScanner

لطیفہ: ارسطالیس نے فرمایا کہ ناطق کو گونگے پر صرف بولنے کی وجہ سے فضیلت ہے اور بولنے کی زینت صدق میں ہے یہی وجہ ہے کہ گونگا اور صامت کاذب سے بہتر ہے۔

ے

بہائم خموشند و گویا بشر
پراگندہ گوے از بہائم بتر

[ترجمہ: جانور خاموش اور انسان بولنے والا ہے بکواس کرنے والا جانوروں سے بھی بدتر ہے۔]

ف: اہل علم نے فرمایا کہ صدق میں نجات اور کذب میں ہلاکت ہے۔

حکایت ایک دفعہ حجاج جمعہ میں تقریر کر رہا تھا تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اس نے کہا: اے امیر الحبشہ! نماز پڑھنے وقت جا رہا ہے۔ اس کی برادری نے سمجھا کہ حق گوئی کی سزا میں حجاج کے ظلم سے مارا جائے گا اس لئے انھوں نے برملا کہا کہ یہ شخص مجنون ہے۔ حجاج نے کہا کہ اگر یہ شخص اپنے جنون کا اعتراف کرے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس شخص نے کہا: مجھے جنون نہیں میں تندرست ہوں اور جو کچھ میں نے کہا سچ اور حق کہا ہے۔ حجاج نے اس شخص کی حق بات کہنے اور سچ بولنے کی وجہ سے اسے معاف کر دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ صدق نجات کا سبب ہے۔

اے اللہ! ہمیں سچے لوگوں سے بنا۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وہ جو کلمہ کفر بولتا ہے۔ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ ایمان کے اظہار کے بعد جیسے ابن حنظل وطعمہ و مقیس وغیرہ وغیرہ۔ من موصولہ محلاً مرفوع علی الابتداء اور خبر محذوف ہے جیسا کہ آنے والی خبر یعنے فعلیھم غضب محذوف خبر پر دلالت کرتی ہے۔ اور کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ان پر غضب ربانی ہو گا اور کاشفی نے من کو شرطیہ بنایا ہے جیسا کہ اس کے ابتدائی ترجمے سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہی ہر دونوں مبتداؤں کی مشترک خبر ہو۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ مگر وہ شخص جو کہ کفریہ کلمہ بولنے پر مجبور کیا جائے مثلاً اسے کہا جائے کہ اگر کلمہ کفریہ نہ بولو گے تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا یا تیرا عضو کاٹ لیا جائے گا۔

ف: یہ حکم غضب و عذاب سے مستثنیٰ متصل ہے اس لئے کہ کفر لغۃً قول و عقد ہر دونوں کو عام ہے اب معنے یہ ہوا کہ جو اجبار و اکراہ کے طور پر کفر کا کلمہ بولے تو وہ اللہ تعالےٰ کے عذاب و غضب سے مستثنیٰ ہے بعض نے کہا کہ یہ مستثنیٰ ہے اس لئے کہ کفر صرف اعتقاد سے متعلق ہے اور اکراہ کا تعلق صرف قول سے ہے اعتقاد سے اسے کسی قسم کا تعلق نہیں اب معنے یہ ہوا کہ جو زبان پر کفریہ کلمہ کے اجراء کے لئے مجبور کیا گیا تو اس پر اللہ تعالےٰ کا عذاب و غضب نہیں۔

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ یہ مستثنیٰ سے حال ہے اب معنے یہ ہوا کہ اس مجبور کا حال یہ ہو کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اس کے اس عقیدے میں کسی قسم کا تغیر نہ آئے۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات دہندہ وہی ایمان ہے جس کی دل تصدیق کرے۔
وَلٰکِنْ مَّنْ لیکن ہر وہ شخص اس طرح نہ ہو۔ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا بلکہ وہ اپنے سینے کو کفر سے کھولے یعنے اس کا وہی اعتقاد ہو اور بخوشی و رضا اظہار کفر کرے۔ فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ پس ان پر بہت بڑا غضب ہے۔
مِّنَ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا دوسرا نام نار جہنم ہے۔
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔ عذاب اس سخت سزا کو کہا جاتا ہے جس میں کسی کو شدید ترین درد پہنچایا جائے۔ اور ان دونوں میں ظرف کی تقدیم اختصاص کے لئے ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ عذاب و غضب کے مستحق بھی صرف اسی لئے تھے کہ ان کا جرم ناقابل معافی تھا یعنے مرتد ہونا۔

شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمار بن یاسر اور ان کی ماں سمیہ اور حضرت صہیب اور حضرت بلال اور حضرت خباب اور حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گرفتار کر کے سخت اذیتیں دیں تاکہ یہ لوگ دین اسلام سے ہٹ کر کفر میں داخل ہوں لیکن عمار کے والدین نے انکار کر دیا کفار نے بی بی سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر خوب چابک مارے یہاں تک کہ بی بی صاحبہ کی فرج میں حربہ گھونپ کر کہا کہ تو مسلمان مردوں کے عشق کی وجہ سے مسلمان ہوئی تھی اب اس کا مزہ چکھ لے۔ بی بی صاحبہ نے استقامت نہ چھوڑی یہاں تک کہ شہید ہو گئیں، اس کے بعد حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا یہ ان حضرات کے حق میں نازل ہوئی۔
ف: یہی دونوں میاں بیوی پہلے اسلامی شہید ہیں۔ اور چونکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ضعیف البدن اور نہایت کمزور تھے اسی لئے وہ کافروں کے عذاب و تکالیف برداشت نہ کر سکے اسی لئے کلمۂ کفر زبان پر جاری کیا یعنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیں اور کافروں کے بتوں کو بھلائی سے یاد کیا۔

علم غیب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ثبوت حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اجرائے کفر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہنا شروع کر دیا کہ عمار کافر ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کلا ان عمارا ملئ ایمانا من قرنه الی قدمه واختلط الایمان بلحمه و دمه — بے شک عمار سراپا ایمان ہے بے شک اس کے رگ و ریشہ میں ایمان ہی ایمان ہے۔

اس کے بعد حضرت عمار رضی اللہ عنہ روتے ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے رسول کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عاشق زار حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمانے لگے۔ کیا ہوا؟ اگر تجھ سے بار بار وہی کلمہ کہلوائیں تو تم کہتے جاؤ (تیرے ایمان میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑتا)۔

Scanned with CamScanner

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکراہ و اجبار کے وقت مجبور، مکرہ کو کلمۂ کفر بولنا جائز ہے اگرچہ افضل یہی ہے کہ کلمۂ کفر بولنے سے اجتناب کرو دکھ درد اور قتل پر صبر کیا جائے جیسے حضرت عمار کے والدین رضی اللہ عنہم نے کیا۔

مسیلمۃ الکذاب اور دو مسلمانوں کی حکایت مروی ہے کہ مسیلمۃ الکذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کرکے ایک سے پوچھا کہ تیرا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ اس نے کہا وہ اللہ تعالے کے سچے رسول ہیں۔ پھر اپنے متعلق پوچھا۔ تو اس نے جواب دیا کہ تو بھی۔ اس نے اپنی مرضی کا جواب سن کر اسے چھوڑ دیا اس کے بعد دوسرے سے سوال کیا کہ تیرا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ اس نے کہا: وہ اللہ تعالٰے کے سچے رسول ہیں۔ اس نے اپنے متعلق پوچھا تو جواب دیا کہ اس سے میں بہرہ ہوں یعنے تیرے متعلق کچھ سننا بھی گوارہ نہیں۔ تین بار سوال ہوا ہر بار اس نے یہی جواب دیا۔ مسیلمۃ الکذاب نے اس سے اپنی مرضی کا جواب نہ پا کر اسے شہید کرا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کا ماجرا سنایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے نے تو رخصت پر عمل کیا اور دوسرے نے حق پر جان دے دی۔ اسے صد مبارک۔

حدیث شریف ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا بہترین جہاد ہے۔

نکتہ یہ افضل الجہاد اس لئے ہے کہ کسی دشمن دین سے لڑنے میں موت و حیات ہر دونوں کا احتمال ہوتا ہے لیکن ظالم بادشاہ کو حق کہتے وقت جان ہتھیلی پہ رکھنی پڑتی ہے اور اس میں موت کا یقین ہوتا ہے اسی لئے جو بھی بادشاہ کو کلمۂ حق اور امر بالمعروف کہے گا تو گویا وہ اپنے منہ اپنی موت خود مانگ رہا ہے۔ اسی لئے یہ افضل الجہاد ہے کہ اس میں موت کا خوف غالب ہے۔ (کذا فی ابکار الافکار فی مشکل الاخبار)

ذٰلِكَ وہ یعنے کفر بعد الایمان **بِاَنَّهُمُ** یہ سبب اس کے کہ انھوں نے **اسْتَحَبُّوا** پسند کیا اور چن لیا۔ استحباب کو علی سے متعدی کرنے میں اشارہ ہے کہ یہاں پر استحباب بمعنے ایثار ہے۔ **الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** حیات دنیا کو **عَلَى الْاٰخِرَةِ** آخرت کی نعمتوں پر **وَاَنَّ اللّٰهَ** اور بے شک اللہ تعالے **لَا يَهْدِي** ایمان کی ہدایت نہیں دیتا اور نہ ہی ان امور کی طرف جو ثبات علے الایمان کے موجب ہیں **الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝** کافر لوگوں کو یعنے اللہ تعالے کے علم محیط میں انھیں زیغ اور ان امور سے نہیں بچائے گا جو دردناک عذاب اور غضب الٰہی کا موجب ہیں وہ یہ کہ انھوں نے آخرت کے بجائے دنیا کو ترجیح دی اور یاد رہے کہ کافروں کو اللہ تعالے کا ہدایت نہ دینا ان کے اپنے غلط کرتوت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ انھوں نے آخرت کی بجائے دنیا کو ترجیح دی چنانچہ اسی کی طرف اللہ تعالے نے فرمایا: **اُولٰٓئِكَ** یعنے وہ لوگ جن کے قبائح ابھی مذکور ہوئے ہیں **الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ** جن پر حق تعالے نے مہر لگائی ہے۔ **عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** ان کے دلوں پر تاکہ قول حق نہ پا سکیں۔ **وَسَمْعِهِمْ** اور ان کے کانوں پر تاکہ حق کو نہ پا سکیں **وَاَبْصَارِهِمْ** اور ان کی آنکھوں پر تاکہ آثار قدرت

Scanned with CamScanner

نہ دیکھ سکیں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ اور ان کی غفلت کی انتہا کا معنے یہ ہے کہ وہ اپنے انجام میں غور و فکر نہیں کرتے۔ لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ بالضرور بے شک وہ لوگ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ آخرت میں خسارے والے ہیں اس لئے کہ انھوں نے اپنی عمریں ضائع کیں اور انھیں دائمی عذاب میں صرف کیا۔

ف: انھیں خسارے والا اس لئے فرمایا کہ دنیا میں سرمایۂ حیات بھی خرچ ہوا لیکن آخرت میں ذرہ بھر بھی میسر نہ آیا بلکہ قیامت میں ان جیسا اور کوئی مفلس اور تنگدست نہ ہوگا اپنی اسی تنگی اور پریشانی سے سخت نادم ہوں گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو دہند
بضاعت بچنداں آنکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری!

(ترجمہ: قیامت میں جو مراتب مقرر ہوں گے وہاں منازل اعمال کے مطابق نصیب ہوں گے۔ جتنے اسباب لائے گا اتنا مرتبہ پائے گا اگر مفلس ہو کر آئے گا تو شرمسار ہوگا۔)

نیز فرمایا: ؎

کہ بازار چندانکہ آگندہ تر
تہی دست را دل پراگندہ تر
کسے را کہ حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت بیشتر

(ترجمہ: وہ بازار پر رونق ہو لیکن خالی ہاتھ انسان سخت پریشان ہوگا جس کے اچھے اعمال زیادہ ہوں گے اس کے مراتب بارگاہ الٰہی میں بلند ہوں گے۔)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دنیا میں جو لوگ غافل ہیں وہی آخرت میں خسارے والے ہوں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عبودیت کے متعلق اعضاء کی غفلت قلب کے لئے مواہب رحمانیہ سے محرومی کا سبب ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ نفس کی اپنے سے جہالت و غفلت ہی اس کا حجاب ہے اگر اس سے اپنی جہالت و غفلت کے پردے اٹھ جائیں تو وہ ہر معاملہ کو ایسے معائنہ و مشاہدہ کرے گا جیسے دوپہر کے وقت سورج کا مشاہدہ و معائنہ کیا جاتا ہے۔

ف: ابن آدم کو غافل پیدا کیا گیا ہے اسی لئے اس کی زندگی ناخوشگوار بسر ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

مثنوی شریف میں ہے : ؎

آستن این عالم اے جان غفلت ست
ہوشیاری ایں جہان آفتست
ہوشیاری زان جہان است و چو آن
غالب آمد پست گردد ایں جہان
ہوشیاری آفتاب و حرص یخ
ہوشیاری آب و این عالم وسخ

(ترجمہ : اس جہان کی بنیاد غفلت پہ ہے اس جہان کے لئے ہوشیاری اس کے لئے آفت ہے ہوشیاری اسی جہان سے متعلق ہے جب ہوشیاری کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ جہان چلا جاتا ہے ہوشیاری سورج اور حرص یخ ہے ہوشیاری پانی اور یہ جہان میل کچیل ہے ۔)

اے اللہ! ہمیں تیقظ و انتباہ والوں سے بنا اور ان لوگوں سے نہ بنا جو اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بناتے ہیں اور ہمیں کاشفین عارفین کے مقامات سے مشرف فرما اور ہمیں حقیقۃً یقین و تحقیق و تمکین تک پہنچا اس لئے کہ مددگار و معین ہے ۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

شان نزول حضرت قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں بتایا گیا کہ جب اللہ تعالےٰ نے حکم نازل فرمایا کہ اہل مکہ کا اسلام قبول نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں اس پر اہل مدینہ نے اپنے دوستوں کو خطوط لکھے کہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجاؤ چنانچہ مسلمان مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو جانے لگے تو کفار مکہ نے انھیں روک لیا ان کے روکنے پر آیت الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون اہل مکہ نے مدینہ والوں کو خطوط لکھے کہ ہمیں مدینہ طیبہ مکہ والے لوگ نہیں آنے دیتے مدینہ والوں نے جواب لکھا کہ اب ہجرت کر کے آؤ اگر کفار مکہ روکیں تو ان کے ساتھ جنگ کریں چنانچہ اہل مکہ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے تیر برسانے شروع کر دیئے ان میں سے بعض شہید ہو گئے اور بعض بچ گئے۔ ان کے واقعہ پر یہی آیت نازل ہوئی۔ (کذا فی اسباب النزول للواحدی)

ثُمَّ ان کے ایک دوسرے کے بعد مرتبہ پر دلالت کرتا ہے چنانچہ حرف استثناء سے معلوم ہوتا ہے لیکن کفار و مشرکین غضب و عذاب الٰہی کے مورد ہیں اور اہل ایمان غضب و عذاب سے مستثنیٰ ہیں اس سے کفار کے مرتبہ بلند پر دلالت نہیں ہو سکتی۔ (کذا فی الارشاد)

Scanned with CamScanner

لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ان لوگوں کے لئے جو دار الاسلام کی طرف ہجرت کر گئے ہیں ان سے حضرت عمار و صہیب و خباب و سالم و بلال وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں اور لام کے جز یعنے عفو کے متعلق ہے اور دوسرا ان پہلے کی تاکید ہے مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا اس کے بعد کہ وہ فتنہ میں پڑے یعنے مرتد ہونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے یعنے مجبوراً زبان پر کلمہ کفر کہا اور وہ اسی کفر پر دل سے بھی راضی ہیں اس سے وہ کافر مراد ہیں جو اپنے کفر سے دل پر مطمئن ہیں۔ ثُمَّ جَاهَدُوْا پھر انھوں نے راہ حق میں جہاد کیا۔ وَصَبَرُوْا اور جہاد کی مشقتوں پر صبر کیا۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک ہجرت و جہاد و صبر کے بعد۔ لَغَفُوْرٌ غفور ہے۔ ان کے ان گناہوں سے جو ان سے پہلے سرزد ہوئے یعنے ان کے گناہوں کو ڈھانپنے والا اور مٹانے والا ہے۔ رَّحِيْمٌ ○ رحیم ہے۔ ان پر انعام کرنے والا ہے یعنے انھیں ان کے اعمال حمیدہ پر بہشت کے علاوہ اور بہتر جزا دے گا۔

ف: المهاجر بروزن مفاعلہ ہے ہجرت سے مشتق ہے یعنے ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف منتقل ہونا اور المجاهد مفاعلہ از جُہد مشتق ہے یعنے اپنی وسعت اور جدوجہد کو کسی کام کے لئے خرچ کرنا۔

صوفیانہ ترجمہ: التعریفات میں ہے المجاهدہ لغت میں یعنے محاربت (جنگ کرنا) ہے اور شرع میں نفس امارہ بالسوء کے ساتھ جنگ کرنا یعنے ان امور کے لئے جو شرعاً محمود ہیں نفس کو مشقت میں ڈالنا۔

مسئلہ: مہاجرت صوریہ و معنویہ اسی طرح مجاہدہ وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔

مسئلہ: جو اپنے علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف اس غرض پر ہجرت کرتا ہے کہ اس کے اپنے علاقہ میں دین کے شعائر کی توہین ہوتی ہے لیکن دوسرے علاقہ میں شعائر دین کی تعظیم و تکریم ہوتی ہے۔ اس نیت سے ہجرت کرنے والے کے لئے جنت واجب ہوتی ہے اگرچہ ایسی ہجرت ایک بالشت کے برابر ہو۔

صوفی کی ہجرت جو شخص نفس کے وطن اور اس کی مالوف و مرغوب چیزوں کو چھوڑے اور باطنی دشمنوں سے جنگ کرے تو اسے قربت اور صدیقین کا مرتبہ نصیب ہو جاتا ہے اور صدیقین کا مرتبہ شہداء سے بہت بلند و بالا ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عمر بن الفارض قدس سرہٗ ایک ولی کامل کے جنازہ پر حاضر ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ جب ہم ان کی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے تو فضائے آسمانی پر سے آتا ہوا ایک بڑا سبز پرندہ دکھائی دیا جس نے اس بزرگ کو لقمہ کے طور پر نگل لیا اور آسمان پر اڑ گیا۔ اس پر میرے ساتھ کھڑا ہوا ایک مرد جو کہ آسمان سے نماز جنازہ کی خاطر نیچے اترا تھا کہا کہ تعجب مت کرو اس لئے کہ شہداء کی ارواح پرندوں کے سبز گھونسلوں میں رکھی جاتی ہیں اور وہ بہشت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔

حیات الاولیاء کی دلیل یہ ان اولیاء کا حال ہے جو دشمن کے مقابلہ میں تلوار سے شہید ہوتے ہیں اور وہ حضرات جو

Scanned with CamScanner

شدید عشق ہوتے ہیں ان کے اجسام ہی ارواح کی طرح بن جاتے ہیں اس لئے کہ ارواح لطیفہ کے آثار ان کے اجسام میں اثر انداز ہوتے ہیں جس سے اجسام کو ارواح کی لطافت حاصل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کے اجسام قبر میں گل سڑ نہیں جاتے بلکہ تا ابد زندہ رہتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ اس مرتبہ کو حاصل کرے تاکہ اسے دائمی حیات نصیب ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان نفس امارہ کی سرکوبی کرے اور اسے بُرے اخلاق اور گندے اوصاف سے پاک وصاف رکھے اور نفس کے لئے بُرے اور گندے اوصاف یہ ہیں:

(۱) کبر
(۲) عجب
(۳) ریاء
(۴) غضب
(۵) حسد
(۶) حب مال
(۷) حب جاہ

ف: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو جہنم کے سات طبقات انہی سات اوصاف سے حاصل ہوں گے ان سات اوصاف سے بچنے سے جہنم سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ ترا شہوت و کبر و حرص و حسد
چون خون در رگند و چون جان در جسد

۲ اگر این دشمنان تقویت یافتند
سر از حکم و رائے تو بر تافتند

۳ تو بر کرّۂ توسنی در کمر!
نگر تا نپیچد ز حکم تو سر

۴ اگر پالہنگ از کفت در گسیخت
تن خویشتن کشت و خون تو ریخت

(ترجمہ (۱) تیرے اندر شہوت وتکبر وحرص وحسد ایسے ہیں جیسے خون رگوں میں اور جان جسم میں۔ (بقیہ صفحہ ۳۳۶ پر)

Scanned with CamScanner

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○
وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ فَكُلُوْا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ
الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا
حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

ترجمہ: جس دن ہر شخص اپنی طرف سے ہی جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر ایک کو اس کے کردار کا پورا بدلہ ملے گا اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالے نے ایک مثال بیان فرمائی ایک بستی کہ امان اور چین میں تھی ہر طرف سے اس کا رزق بکثرت آیا پھر اس نے اللہ تعالے کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ تعالے نے ان کی غلط کاریوں کی سزا میں اسے بھوک اور خوف کے پہناوے کا مزہ چکھایا۔ اور بے شک ان کے ہاں انھیں میں سے ایک پیغمبر تشریف لایا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی تو انھیں عذاب نے پکڑا جب کہ وہ ظالم تھے۔ سو اللہ تعالے کا عطا کردہ حلال پاکیزہ رزق کھاؤ اور نعمت الٰہی کا شکر کرو اگر تم صرف عبادت کرتے ہو۔ تم پر اللہ تعالے نے صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا اور وہ بھی جس کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ پھر جو لاچار ہو اور نہ ہی لذت کے درپے ہو اور نہ ہی حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک اللہ تعالے بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جن چیزوں کو محض تمھاری زبانیں جھوٹ بناتی ہیں انھیں یوں نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ تعالے پر بہتان باندھو بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالے پر بہتان تراشی کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (یہ دنیوی) تھوڑا سا سامان ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور صرف یہودیوں پر ہم نے حرام فرمائیں وہ چیزیں جو ہم نے تمھیں پہلے بیان کیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہی خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ پھر بے شک تمھارا پروردگار ان کے لئے جنھوں نے نادانی سے برائی کی پھر اس کے بعد تائب ہوتے اور اپنی اصلاح کی تو بے شک اس کے بعد تمھارا پروردگار ضرور بخشنے والا

Scanned with CamScanner

مہربان ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۲۲)

(۲) اگر ان دشمنوں نے تقویت پائی تو پھر تیرے حکم سے نکل جائیں گے۔

(۳) تو سرکش گھوڑے پر سوار ہے خیال کرنا کہیں تیرے حکم سے سرتابی نہ کرے۔

(۴) یہ سرکش تیرے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر نہ اس کی اپنی خیر ہے نہ تیری۔

ان اللّٰہ غفور۔ اللہ تعالٰے من حیث الافعال غفور باایں معنی ہے کہ مرتبۂ توحید افعال سے اہل تزکیہ پر تجلی ڈالتا ہے اور من حیث الصفات باایں معنی غفور ہے کہ ان پر مرتبہ الصفات سے جلوہ گر ہوتا ہے اور من حیث الذات مرتبہ توحید الذات سے ان پر تجلی ڈال کر ان کے افعال وصفات وذات کو ڈھانپ لیتا ہے اور اپنے افعال کے آثار اور اپنے صفات کے انوار اور اپنی ذات کے اسرار سے ان پر انعام فرماتا ہے اسی وجہ سے اہلِ تزکیہ فانی وجود سے نجات پاکر باقی باللہ بن جاتے ہیں اسی وقت انھیں مجاہدات کے ثمرات نصیب ہوتے ہیں یعنے مشاہدات سے نوازے جاتے ہیں اور اس وقت انھیں ازل سے تا حال کی مفارقات کے نتائج حاصل ہوتے یعنے اب وہ واصل باللہ ہوتے اور اس وقت انھیں معاقبات کے انجام حاصل ہوئے یعنے جنات عالیہ کی نعمتیں اور مقامات قربات کی شرافتیں نصیب ہوئیں کہ اب کے بعد دائمی استراحت قرب سے نوازے جائیں گے۔

اے اللہ! بسبیل ہجرت وصبر وجہاد کے سلوک میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اہل بغی وفساد کے فتنوں سے محفوظ فرما اور صرف تو ہی اعانت وامداد کا مالک ہے۔

(گزشتہ آیات کی تفسیر)

تفسیر عالمانہ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ۔ یوم کا منصوب ہونا اذکر محذوف کی وجہ سے ہے اور اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنے قیامت میں ہر نفس آئے گا۔ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا اپنے نفس کی طرف سے جھگڑا کرے گا۔

سوال، نفس کا اپنے نفس کی طرف مضاف ہونے کا کیا معنٰے؟

جواب، عین الشئی کو نفس اور اس کی نقیض کو غیر سے تعبیر کرتے ہیں اور نفس بمعنے منجمد کے بھی مستعمل ہوتا ہے اس معنے پر پہلے نفس سے منجمد اور دوسرے سے اس کی اپنی ذات مراد ہے اب معنے یہ ہوا کہ اے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے یا اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جو خطاب کا اہل ہے قیامت میں ہر انسان معذرت کرکے اپنی ذات کی نجات کے لئے جدوجہد

Scanned with CamScanner

کرے گا مثلاً کافروں کے مقولے قرآن مجید میں منقول ہیں کہیں گے ھولاء اضلونا اور کبھی کہیں گے وما کنا مشرکین۔ اسے کسی دوسرے تک کا خیال نہ ہوگا مثلاً قیامت میں ہر ایک کہے گا نفسی نفسی یہ اس وقت کہے گا جب جہنم کو خوب بھڑکایا جائے گا اور وہ جوش سے بھڑک رہی ہوگی اس وقت ہر نبی اور ہر ملک مقرب یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام رب رحمٰن کے سامنے گھٹنوں کے بل گر کر عرض کریں گے۔ رب نفسی اے اللہ تعالیٰ اب میں صرف اپنی ہی نجات چاہتا ہوں۔

ایک بدمذہب کے عذاب جہنم کا منظر

احمد دورقی نے فرمایا کہ ہمارے ہمسائیگاں سے ایک نوجوان فوت ہوا جسے میں نے رات کو خواب میں دیکھا تو بوڑھا نظر آیا میں نے اس سے پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا: ابھی ہمارے گورستان میں بشر مریسی مدفون ہوا ہے۔ اس کے عذاب کی کیفیت دیکھنے سے میرا یہ حال ہوگیا نہ صرف میرا بلکہ میری طرح کے تمام جوانوں کی یہی کیفیت ہے۔

ف: بشر مذکور حضرت قاضی ابو یوسف کا شاگرد تھا لیکن اس نے علم کلام پڑھا تو گمراہ ہوگیا اور خلق قرآن کے عقیدہ کا نہ صرف حامی تھا بلکہ اس عقیدہ پر بغداد کے بے شمار لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس کو مناظرہ میں حضرت عبدالعزیز کتانی نے شکست دی تھی۔ خلاصہ یہ کہ یہی بشر مریسی پکا انسانی شیطان تھا بلکہ یوں کہو کہ بغداد میں ابلیس کا خلیفہ یہی تھا اس لئے کہ جیسے ابلیس کو گمراہ کرنے کا حرص ہے ایسے ہی خلق قرآن کے عقیدہ میں پھنسانے کا اسے حرص تھا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دام سخت ست مگر لطف خدایا شود
ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

[ترجمہ: شیطان کا جال سخت ہے اے اللہ تعالیٰ تیرا ہی لطف چاہیے ورنہ آدم زادے شیطان رجیم سے سامان صحیح سالم نہیں لے جاسکیں گے۔]

اور فرمایا: ؎

سزدم چو ابر بہمن کہ درین چمن بگریم
طرب آشیان بلبل بنگر کہ زاغ دارد

[ترجمہ: میرے لائق ہے کہ ساون کے بادل کی طرح آنسو بہاؤں جب دیکھا کہ بلبل کے آشیانہ پر زاغ قابض ہے۔]

تفسیر صوفیانہ

نفس ہر نفس اپنی بقاء و وجود کی مقدار میں تجادل عن نفسھا اپنے نفس کے لئے جھگڑے گا یا اس لئے کہ اس سے اس کے نقصانات دور ہوں یا اسے اس کے منافع حاصل ہوں وجہ یہ ہے کہ قیامت میں ہر ایک یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی نفسی نفسی پکاریں گے سوائے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد

Scanned with CamScanner

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ چونکہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں اسی لئے آپ امتی امتی پکاریں گے۔علاوہ ازیں آپ سب سے پہلے دنیا میں تشریف لائیں گے اور قیامت میں سب سے پہلے اٹھیں گے اور آپ کو اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اور شب معراج میں بے شمار مراتب وکمالات سے نوازے گئے اور خصوصیت سے انھیں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا خطاب ملا۔ آپ اللہ تعالےٰ کے سلام کی برکت سے اپنے وجود سے فانی اور رحمت حق سے باقی ہوں گے اسی لیے نفسی نفسی کے بجائے امتی امتی پکاریں گے اگرچہ آپ بنفس نفیس رحمۃ مہداۃ تھے اور برکات کا خزینہ بن کر خلق خدا کی ہدایت کے لئے تشریف لائے اسی لئے آپ نے شب معراج اپنے خاص متبعین کو بھی ساتھ ملا کر کہا :

وعلینا علی عباد اللہ الصالحین

یعنے وہ صالحین جنھوں نے طلب مقصود اور حصول جو کی خاطر اپنا وجود بھی راہ حق میں نثار کر دیا۔ اسی لئے ان کے متعلق مجادلہ مخلوق مع الخالق کا سوال ہی نہ رہا اسی لئے حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل قیامت میں تمام لوگ نفسی نفسی کہیں گے اور میں سابق سابق پکاروں گا۔

تفسیر عالمانہ وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ اور ہر نفس کو جو نیک ہو یا بد پوری جزا اور سزا دی جائے گی۔ مَا عَمِلَتْ وہ کیا۔

سوال : جزا و سزا کا معنےٰ تم نے خود نکالا ہے آیت میں تو صرف ما عملت ہے ؟

جواب : چونکہ جزا و سزا کا سبب اعمال ہیں آیت میں سبب اعمال کا ذکر ہے لیکن اس سے مسبب یعنے جزا و سزا مراد ہے نیز یہ بھی ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اعمال اور ان کی جزا و سزا کو آپس میں بہت بڑا اتصال ہے۔

سوال : وتوفی کے بعد کل نفس کا تکرار کیوں؟ یہاں ضمیر لائی جاتی تو کلام مختصر ہوتا۔

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ ان کا قیامت کے دن توفی اور مجادلہ کا وقت مختلف ہوگا۔ یہ دونوں کام بیک وقت نہ ہوں گے اگرچہ دن ہوگا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے یعنے نہ ان کے اجر و ثواب میں کمی جائے گی اور نہ ہی بلا سبب انھیں سزا دی جائے گی اور نہ ہی ان کے گناہوں کی سزا میں جرائم کی مقدار سے زائد سزا ہوگی۔

روح اور جسم کا جھگڑا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہر ایک شے ایک دوسری شے سے جھگڑا کرے گی یہاں تک کہ روح جسم سے جھگڑا کرے گا کہ یا اللہ میرا کوئی قصور نہیں یہ تمام شرارت جسم کی تھی اس لئے کہ نہ میرے ہاتھ تھے نہ پاؤں اور نہ آنکھ کہ جن سے میں غلطیوں کا ارتکاب کرتا یہ تمام اعضاء اسی کے تھے اور اسی ہی نے گناہ کئے۔ جسم عرض کرے گا یا اللہ! میرا کوئی قصور نہیں تمام قصور اسی کا ہے

Scanned with CamScanner

اس لئے کہ میرے تمام اعضاء بے حس و حرکت پڑے تھے اسی نے ان میں روشنی ڈالی تو میرے ہاتھوں اور پاؤں اور آنکھ وغیرہ نے گناہ کئے نہ یہ ہوتا نہ میں گناہ کرتا۔

اندھا اور لنگڑا جسم اور روح ہر دونوں ہی جرائم و معاصی کی سزا پائیں گے جیسے ایک لنجے لنگڑے اور اندھے کی کہانی مشہور ہے اور وہ جسم اور روح کے مذکورہ لنگڑے پر صادق آتی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک لنجو لنگڑا اور اندھا کسی باغ میں داخل ہوئے اس میں بہت زیادہ میوہ جات تھے نابینا ثمرات کو نہیں دیکھ سکتا تھا اور لنجو لنگڑا دیکھ رہا تھا لیکن توڑ نہیں سکتا تھا مشورہ طے ہوا کہ اندھا لنجے لنگڑے کو سر پر اٹھائے چنانچہ اسی حالت میں باغ کے ثمرات توڑے جب دونوں گرفتار ہوئے تو دونوں نے برابر سزا پائی۔ (کذا فی تفسیر السمرقندی)

فائدہ صوفیانہ ہر نفس جو برا کام کرتا ہے اسے سزا ملے گی۔ اہل شرع نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گا اور صوفیا کرام نے فرمایا اسے نار ہجر و فراق کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح جو نیکی کرتا ہے اسے اہل شرع نے بہشت کی نعمتوں کا مژدہ سنایا ہے اور صوفیا کرام نے اس سے دیدار الٰہی مراد لی ہے۔ خلاصہ یہ کہ نہ اہل جنت کو عذاب ہوگا اور نہ اہل نار کو ثواب۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً پہلے زمانہ کی کسی ایک بستی کی اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی اس بستی سے شہر ایکہ مراد ہے۔ (کذا فی الکواشی)

یہ شہر ینبع اور مصر کے درمیان واقع ہے۔ ضرب المثل سے کسی شئے کو مثال کے طور بیان کرنا مراد ہے۔ اسی لئے کاشفی نے اس کا معنے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مثال بتائی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اگر جعل کے معنی کو متضمن ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا۔

سوال: قریۃ کو مثلاً کے بعد کیوں لایا گیا ہے حالانکہ یہ تو مفعول اول ہوگا۔ فلہذا اسے نمبر میں بھی اول آنا چاہئے تھا؟۔

جواب: چونکہ کانت آمنۃ قریۃ کی صفت ہے اگر اسے مقدم کیا جاتا تو موصوف و صفۃ کے درمیان غیر حائل ہو جاتا علاوہ ازیں مقصود کے ترتب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قریہ کو مؤخر کیا جائے تاکہ اس پر مطلوب کا ترتب ہو سکے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایکہ والوں کی مثال اہل مکہ کے لئے بیان فرمائی یا اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے انعامات سے نوازا لیکن وہ نعمتوں کو پہچان سکے بجائے شکر الٰہی بجالانے کے سرکشی اور بغاوت کی اللہ تعالیٰ نے ان کی نعمتوں کو عذاب سے تبدیل کر دیا اس معنے پر حکم میں اہل مکہ وغیرہ سب داخل ہو گئے اور اہل مکہ کا داخل ہونا بطریق اتم و اکمل ہے۔

كَانَتْ اٰمِنَةً تھی وہ بستی ہر خوف اور ڈر سے امن والی۔

Scanned with CamScanner

یکاشفی نے لکھا ہے کہ تھی وہ بستی ہر قیصر یعنے سرکش بادشاہوں کے نزول اور جابروں ظالموں کی دستبرد سے امن و سلامتی میں "

مُطْمَئِنَّةً اطمینان و سکون سے۔ کاشفی نے لکھا کہ وہاں کے باشی ایسے خوشحال تھے کہ وہاں سے وہ قلب مکانی کو گوارہ نہیں کرتے تھے۔ يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا یہ قریہ کی دوسری صفت ہے اس صفت کے اسلوب کی تبدیلی میں اشارہ ہے کہ انھیں رزق موسم کے مناسب حال اور مطابق ملتا تھا خلاصہ یہ کہ اس بستی کے لوگ نہایت خوشحال اور بہت بڑے پُرسکون تھے اور آرام اور چین سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ رَغَدًا وسیع پیمانہ پر۔ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر جگہ سے تمام دریاؤں اور جنگلوں کے جملہ اطراف سے۔ فَكَفَرَتْ پس کافر ہو گئے بستی والے۔ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ اللہ تعالے کی جملہ نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے انعم۔ نعمۃ کی جمع ہے نعمت کی جمع نعم اور انعم ہر دونوں کی طرح ہے۔ جیسے درعۃ کہ اس کی جمع درع و ادرع ہر دونوں طرح مستعمل ہوتی ہے اور اس سے نعمت رزق اور وہ دائمی خوشحالی اور امن و سکون مراد ہے جس کا ابھی ذکر ہوا۔

نکتہ: جمع قلت لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے چند معمولی نعمتوں کی ناشکری کی تو اتنی بڑی سزا پائی پھر ان بدقسمتوں کا کیا حال ہوگا جو بہت بڑی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

اعجوبہ: منقول ہے کہ اہل ایکہ جن کی مثال ابھی گزری ہے وہ ایسے بدبخت تھے کہ روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرتے تھے ان کی سزا پائی جس کا ابھی ذکر آتا ہے۔ (کذا فی الکواشی)

روٹی تمام نعمتوں کی سرتاج ہے

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ روٹی تمام نعمتوں کی اصل ہے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کا حکم ہوا تا کہ مناسبت ظاہر ہو کر جیسے آدم علیہ السلام اصل البشر ہیں ایسے ہی روٹی جملہ نعمتوں کی اصل ہے۔ نتیجہ نکلا کہ جو روٹی جیسی نعمت کو ٹھکراتا ہے وہ گویا تمام نعمتوں کے ساتھ ناشکری کرتا ہے بلکہ اسی کے زوال سے جملہ نعمتیں زوال پذیر ہوں گی۔

نکتہ: اہل سنت و جماعت کے عقائد کی بھی یہی مثال ہے کہ اگر عقائد اہل سنت و جماعت حاصل ہیں تو جملہ اعمال صالحہ قبولِ بارگاہ حق ہیں اگر ان میں خامی ہے یا بالکل ان کے خلاف عقائد ہیں تو دین بھی برباد اور غضب الٰہی بھی قسمت میں۔

؎

بآب زمزم اگر شست خرقہ زاہد شہر
چہ سود ازاں چو ندارد طہارت ازلی

[ترجمہ: زاہد اگر اپنا لباس زاہدانہ آب زمزم سے بھی دھوئے تو کیا فائدہ جب تک اسے طہارت ازلی نصیب نہ ہو۔]

Scanned with CamScanner

ف : اصل مقصود یہی ہے کہ وجود و قلب کو انانیت اور تعلق بغیر اللہ تعالےٰ سے پاک رکھا جائے ۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ تو اللہ تعالےٰ نے بستی والوں کو مزہ چکھایا ۔

حل لغات : ذوق بمعنے شئے کو منہ سے چکھنا ۔ پھر اسے ابتلاء و آزمائش کے معنے میں استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے ۔ (کذا فی تفسیر ابی الیث) ۔

لِبَاسَ الْجُوْعِ بھوک کا لباس یہاں تک کہ بھوک سے مٹی پاخانہ کھاتے تھے اس لئے کہ اعمال کے مطابق سزا ملتی ہے ۔

نکتہ : الاسئلۃ المقحمۃ فی الاجوبۃ المفحمۃ میں ہے کہ جوع (بھوک) کو لباس سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ تنگدستی اور کمزوری بھوک سے نڈھال ہونے اور رنگ کی تبدیلی کے وقت لباس کی طرح ظاہر ہوتی ہے ۔

وَالْخَوْفِ اور خوف کا لباس ۔

ف : الارشاد میں لکھا ہے کہ جوع و خوف اور ان کے ضرر کو لباس سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ جس طرح لباس انسان کے جسم کو محیط ہوتا ہے اور اس کا احساس جسم کو ہوتا ہے اسی طرح بھوک جسم اور خوف جسم کو محیط ہو جاتا ہے تو انسان سے واضح طور پر اس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں ۔

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ بسبب اس کے جو وہ کردار ادا کرتے تھے یعنے کفران نعمت ۔

ربط : اگرچہ عقل کے تقاضے کے مطابق اس طرح کی سزاؤں سے انسان کی ہدایت کا سبب کافی تھا لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک اور اعلیٰ سبب بنایا جس سے قیامت میں انھیں انکار کی گنجائش نہ ہو وہ اعلیٰ سبب ہیں انبیاء علیہم السلام ۔ کما قال تعالےٰ :

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ بے شک بستی والوں کے ہاں ان کی جنس سے رسول تشریف لائے ۔

فَكَذَّبُوْهُ تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی حالانکہ وہ اپنے رسول کے حسب و نسب اور ان کے خاندان کو پوری طرح جانتے پہچانتے تھے اور اس رسول علیہ السلام نے انھیں نعمتوں کے شکر کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ نعمتوں کی ادائیگی پر شکر واجب ہے اور بتایا کہ کفران نعمت سے انجام بدنصیب ہوگا ۔ باوجود اس کے فکذبوہ انھوں نے اپنے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی ۔ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ پس انھیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا گیا جس نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی یہ عذاب اس کے علاوہ ہے انھیں بھوک اور خوف وغیرہ میں مبتلا کیا گیا ۔ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ درآں حالیکہ وہ کفران نعمت اور تکذیب کی وجہ سے ظالم تھے ۔ بارہا ہم نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو ظالم اس لئے کہا گیا کہ انھوں نے شکر کے بجائے ناشکری اور تصدیق کے بجائے تکذیب کی ۔ ور قاعدہ ہے کہ وضع الشئ علی غیر محلہ کا نام ظلم ہے اسی معنے پر یہ لوگ ظالم رہتے اور پھر قاعدۂ الٰہی ہے کہ تکذیب کے بعد عذاب مرتب ہوتا ہے ۔

Scanned with CamScanner

کما قال :

وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ یہ مثال اہل مکہ کے لئے دی گئی ہے اس لئے کہ وہ حرم شریف میں پرامن تھے۔ حرم کے احاطہ کے باہر کے لوگوں پر دھاڑ مار تھی لیکن اندر کے لوگ محفوظ تھے ان کو بال برابر بھی کسی قسم کا خوف نہیں تھا بلکہ ہر علاقہ کے پھل فروٹ، سبزیاں یہاں پہنچتے لیکن جونہی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی تکذیب کی اور اللہ تعالے کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے قحط سالی میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی دعا یوں ہے :

اللھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف

اے اللہ! انھیں یوسف علیہ السلام کے قحط جیسے قحط میں مبتلا فرما۔

چنانچہ مشرکین عرب قحط اور تنگدستی اور بھوک میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار اور مردے کتے اور چمڑے اور گلی سڑی ہڈیاں اور خون آلود گوبر آگ پر بھون کر کھائیں اور بھوک کی وجہ سے ان کے منہ سے نکلے ہوئے سانسوں کا دھواں آسمان میں نظر آتا تھا باوجودیکہ بہت خوشحال تھے لیکن حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد لوگوں کو لوٹنے مارنے اور ان کے قافلے در قافلے چھیننے اور دیگر خرابیوں پر تل آئے اور اہلِ اسلام کو ہر طرح کی اذیت پہنچائی ایسی قحط سالی میں مبتلا ہونے کے بعد بالآخر غزوہ بدر میں ان کا انجام بُرا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس امّارہ جب انسانی جسم کی بستی میں اللہ تعالے کی دی ہوئی طاعت و توفیق کی ناشکری اور خواہش نفسانی کی اتباع اور شہوات کے درپے ہوتا ہے تو حق سے دوری اور دنیا اور لذات کے مردار کے کھانے اور خوف عذاب میں مبتلا ہوتا ہے بوجہ اپنی بدکرداری کے۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ خاطر روحانی کے رسول (جو کہ الہام ربانی سے مؤید ہے) کی اتباع کرے اور نفس و شیطان کی اقتدا ترک کرے کیونکہ یہ دونوں انسان کو اخلاق ذمیمہ کی طرف کھینچتے ہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق حمیدہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے۔

کما قال :

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

(میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق حمیدہ کی تکمیل کروں۔)

المکارم المکرمہ کی جمع ہے جیسے معلوۃ کی جمع مصالح آتی ہے اور اس کی اخلاق کی طرف اضافہ، اضافۃ الصفۃ الی الموصوف کے باب سے ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

Scanned with CamScanner

بعثت لاتمم الاخلاق الکریمۃ والشیم الحسنۃ

اور یاد رہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی بعثت مبارکہ کا راز بھی یہی ہے کہ وہ شریعت کے قانون کے مطابق بشری تکمیل کریں اور انسانی اخلاق کو حسین بنائیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضور پر نور شافع یوم النشور صلے اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت مطہرہ لائے ہیں جو جمیع جہات حسن کی جامع ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا:

لا نبی بعدی۔

تردید مرزا قادیانی

حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جب بدبخت نے نبوت کا دعوٰے کیا در اصل اسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان وقدر معلوم نہ تھی ورنہ وہ ایسی جرأت نہ کرتا بلکہ اس نے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء کی فضیلت سے بھی بے خبر تھی ورنہ نبوت تو کجا امت مصطفویہ کے علماء کے علم کو بھی وہ حاصل نہ کر سکا (جیسے قادیانی مرزا بدبخت نبوت کا دعوٰے کر بیٹھا جسے علمائے امت کے علوم سے بھی ناواقفیت تھی)۔

تفسیر عالمانہ

فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ اے اہل مکہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ جو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرے تو تم نے ان کا انجام برباد ملاحظہ کیا تو اب تمہارے لئے لازم اور ضروری ہے کہ تم سمجھ لو اور تمہارے اندر بھی وہی کرتوت موجود ہیں کہ نعمت الٰہی کے ساتھ ناشکری میں تم ان سے کم نہیں اور نہ ہی تکذیب رسول میں تم ان سے پیچھے ہو تو پھر کون سی دیر ہے کہ تمہارے اوپر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جو ان پر نازل ہوا تھا۔ اسی لئے اب وقت ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو پہچانو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوامر ونواہی میں فرمانبرداری کرو اور اللہ تعالےٰ کا رزق مثلاً کھیتی جانور وغیرہ کھاؤ۔ دراں حالیکہ حَلٰلًا طَیِّبًا حلال اور وہ لذیذ غذا جس سے روح کو تسکین نصیب ہو اور تحریم البحائر (جو تمہارے اپنے افترا کردہ اقوال ہیں) پرہیز کرو۔ ما رزقکم اللہ سے حلالا حال ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ کلوا کا مفعول بہ ہو۔

فائدہ صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ عاشق صادق کے لئے انوار شریعت اور اسرار حقیقت معنوی رزق ہیں جسے شریعت وحقیقت قبول کرے وہ حلال طیب ہے اور جسے شریعت وحقیقت رد کرے وہ حرام اور خبیث ہے۔

اسی لئے کسی نے خوب فرمایا؎

علم دین فقہ است وتفسیر حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

[ترجمہ: علم صرف فقہ حدیث اور تفسیر ہے ان کے سوا اور علوم وفنون جو بھی پڑھتا ہے وہ خبیث ہوگا۔
یعنے مقبول اور منافع صرف یہی تین علوم ہیں اس لئے کہ ان کے ظاہر اور باطن سے ہر طرح انسان کو قبول حق

Scanned with CamScanner

نصیب ہوگا۔

وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اور اللہ تعالٰے کی نعمتوں کا شکر اور ان کے حقوق پہچانو اور ناشکری نہ کرو۔

نکتہ: دراصل امر بالشکر پر داخل ہونی تھی لیکن اسے اکل پر اس لئے داخل کی گئی ہے تاکہ اشارہ ہو کہ کھانا پینا شکر الٰہی بجالانے کا سبب اور ذریعہ ہے گویا دراصل یہ عبارت یوں تھی:

فاشکروا نعمۃ اللہ الخ

یعنے کھانے پینے کے بعد اللہ تعالٰے کی نعمتوں کا شکر کرو۔

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ یعنے اگر صرف اللہ تعالٰے کی رضا جوئی پر عبادت ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے حلال کو حلال کر کے کھاؤ اور اس کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھو۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ بے شک اللہ تعالٰے نے تمہارے اوپر میتۃ کو حرام کیا ہے۔ المیتۃ ہر وہ حلال جانور جسے شرعی ضابطہ کے مطابق ذبح نہ کیا جا سکے جسے ہم مُردار کہتے ہیں

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ وہ باسی گوشت جو رومی لوگ کہیں سے لاتے ہیں حرام ہے اس لئے کہ اسے ذبح شرعی کے بغیر حاصل کیا جاتا ہے۔

[ایسے ہی ہمارے دور ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء کا مشینی اور ڈبہ بند گوشت کو سمجھئے][1]

وَالدَّمَ اور وہ خون جو رگوں سے بہ کر نکلتا ہے۔

مسئلہ: وہ خون جو رگوں کو لگا ہوتا ہے وہ معاف ہے لیکن اسے بھی دھونا افضل ہے۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ اور خنزیر کا گوشت وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ[2] اور وہ جو بتوں کے لئے مشہور کیا جائے مثلاً اہل جاہلیت ذبح کے وقت کہتے: باللات والعزیٰ۔

ف: گویا اللہ تعالٰے نے جاہلیت والوں کو فرمایا کہ حرام صرف یہی اشیاء ہیں نہ کہ وہ جو تم نے اپنے خیال سے حرام کر دی ہیں جیسے بحائر وسوائب وغیرہ (ان کی تفصیل گذر چکی ہے) اور اللہ تعالٰے کی حرام کردہ اشیاء صرف یہی ہیں یا وہ جنہیں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں جیسے گدھا اور تمام درندے وغیرہ۔ اس سے منکرین حدیث کا رد ہوا کہ وہ احادیث کو نہیں مانتے تو کھائیں گدھے اور درندے وغیرہ۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درندے پرندوں یعنے وہ جو جنگل سے شکار کرتے ہیں اور درندے

---

[1] ۔ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے۔

[2] ۔ اس آیت کی تفسیر میں ہمارے دور کے معتزلہ غلط معنے کر کے عوام کو بہکاتے ہیں۔ ہم نے تفسیر اویسی میں اسے تفصیل سے لکھا۔

Scanned with CamScanner

جانوروں یعنے وہ جو پنجہ سے شکار کرتے ہیں کے کھانے سے روکا۔

حدیث شریف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے روکا ہے۔

ف: اس سے امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالےٰ کے مذہب کی تردید ہوئی جب کہ وہ گھوڑے کے گوشت کی حلت کا حکم دیتے ہیں۔ ایسے ہی غیر مقلدین کے نزدیک بھی گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔

سوال: حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کا گوشت کھانے سے روکا لیکن گھوڑے کے گوشت کی اجازت فرما دی تھی اس حدیث سے تو گھوڑے کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے؟

جواب: جب دو حدیثیں متعارض ہوں تو حلت و حرمت میں حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ہم نے اوپر حرمت کی حدیث روایت کی ہے۔ لہٰذا ہمارے قول کو ترجیح ہوگی۔ (کذا فی حواشی الفاضل سنان چلپی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں میتۃ میں جیفۂ دنیا کی طرف اشارہ ہے اور حیوان میں آخرت کی طرف۔ اس لئے کہ حقیقی حیات آخرت میں نصیب ہوگی۔ اسی طرح جس کی زندگی آخرت کے لئے نہ ہو تو سمجھو کہ اس کی زندگی بھی مردار ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آں جہاں چوں ذرہ ذرہ زندہ اند
نکتہ دانند و سخن گویندہ اند

در جہان مردہ شان آرام نیست
کیں علف جز لائق انعام نیست

ہر کرا گلشن بود بزم وطن!
کے خورد او بادہ اندر گولخن

جائے روح پاک علیین بود
کرم باشد کش وطن سرگین بود

[ترجمہ: اس جہان کا ذرہ ذرہ زندہ ہے وہ سخن دان بھی ہیں اور سخن گو بھی، اس جہان میں ان کے مردہ کو آرام نہیں اس گھاس کے لائق صرف جانور ہیں جس کا بزم وطن گلشن ہو، وہ بادہ خانہ میں کب شراب پیئے گا، پاک روح کی جگہ اعلےٰ علیین ہے۔ اس کیڑے کا وطن ہی گوبر ہے جو گندا کیڑا ہے۔]

اور الدم سے شہوات دنیا اور لحم الخنزیر سے غیبت، حسد اور ظلم مراد ہے اور ما اھل لغیر اللہ بہٖ سے ہر وہ

عمل جو مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ نفس کی خواہش کے مطابق کیا جائے اور اس میں صرف نفسانی خواہش کارفرما ہو اور بس۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ فَمَنِ اضْطُرَّ

حل لغات: الاضطرار بمعنے کسی شے کا محتاج ہونا اہل عرب کہتے ہیں اضطر الیہ بمعنے فلاں کو فلاں شے کا محتاج کیا یہاں پر اضطر کو بضم الطاء پڑھا جاتا ہے یہ الضرورۃ سے مشتق ہے بمعنے الحاجۃ۔

(کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ پس وہ شخص جو حرام کھانے پر مجبور کیا گیا اور وہ اسی مجبوری کے تحت کوئی حرام شے کھا لے۔) دراں حالیکہ وہ غَيْرَ بَاغٍ نہ ہو کسی دوسرے پر ظلم کرنے والا اس لئے کہ اپنی ہلاکت دوسرے کی ہلاکت سے بہتر ہے اس معنے پر یہ فعل مقدر سے حال ہے۔ الباغی۔ البغی سے ہے بمعنے ظلم اور زیادتی۔ اہل عرب کہتے ہیں:

"بغی علیہ بمعنے علا وظلم ولا عاد"

اور نہ ہی حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو یعنے مجبوری کے وقت اتنا کھائے کہ صرف بھوک دفع ہو سکے یہ بلا واسطہ اور بواسطہ عن متعدی ہوتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

عدا الامر وعنہ بمعنے جاوزہ۔

فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنے مجبور سے مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فمن اضطر پس وہ شخص جو ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے مجبور ہو تو کسب حلال سے زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی طور پر کام چلا سکتا ہے۔ اس لئے نسل انسانی کو باقی رکھنے کے لئے نکاح کر سکتا ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی نیت پر خلق خدا کے ساتھ نشست و برخاست کر سکتا ہے اسی طرح جملہ امور دنیا میں اتنا کام چلا جتنا ضرورت ہے لیکن طلب حق میں کمی نہ کرنے پائے اور نہ ہی حد طریقت سے تجاوز کرے۔ فان اللہ غفور بے شک اللہ تعالیٰ مجبور کے لئے غفور ہے۔ رحیم طالبین راہ ہدیٰ کو اپنے مقاصد تک پہنچانے کے لئے رحیم ہے۔

مسائل شرعیہ

(۱) التہذیب میں ہے کہ بیمار کو دوا کے لئے پیشاب اور خون پینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان طبیب اجازت دے اور فرمائے کہ اس بیماری کی شفا سوائے بول اور خون کے اور کسی دوا میں نہیں اور نہ ہی کوئی اور حلال دوا اس بیماری کو شفا دے سکتی ہے۔

مسئلہ: غیر مسلم سے طبی مشورے جائز ہیں بشرطیکہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ اس فن میں ماہر اور حاذق ہو اور اس کے سوا اور کوئی مسلم طبیب نہ ہو۔ (انسان العیون)

Scanned with CamScanner

مسئلہ: غیر مسلم سے طبی مشورے سے احتراز اولیٰ ہے اس لئے کہ مومن اللہ تعالیٰ کا دوست اور کافر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ کے دوست کی بھلائی اللہ تعالیٰ کے دشمن سے نہیں ہو سکتی۔

ف: مریض پر لازم ہے کہ اپنی بیماری کا علاج اپنے ہم مذہب اور تجربہ کار اور حاذق و ماہر سے کرائے حضرت صائب نے فرمایا:

شعر

زبے دردان علاج درد خود جستن آن ماند
کہ خار از پا برون آرد کسے با نیشِ عقربہا

(ترجمہ: بے دردوں سے درد کا دوا طلب کرنا ایسے ہے جیسے پاؤں سے کانٹا نکالنے کے لئے پاؤں میں بچھو کا نیشں دبا دیا جائے۔)

مسئلہ: ایک قول میں ہے کہ مریض کو نجاسات جیسے پیشاب اور شراب سے علاج کرنا جائز ہے۔ لیکن قاضی خان نے اس کے خلاف کو مختار فرمایا ہے۔

مسئلہ: اگر لقمہ حلق میں پھنس جائے اور اسے نیچے اتارنے کے لئے پانی نہ ملے تو شراب کا گھونٹ پینا جائز ہے۔

مسئلہ: بوقت ضرورت طبیب کو غیر محرم یہاں تک کہ غیر کے فرج وغیرہ کو دیکھنا جائز ہے۔

ف: فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ انسان کو بقدر ضرورت طب پڑھنی چاہیئے تاکہ اپنی طبع کے موافق اور غیر موافق اشیاء سے نفع و نقصان کا پتہ کر سکے۔

ف: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ گائے بھینس کا گوشت بیماری اور ان کا دودھ شفاء اور مکھن اور گھی دوا ہیں اور یہ بھی صحیح احادیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے قربانی کے لئے گائے ذبح فرمائی تھی۔

ف: حلیمی نے فرمایا کہ خطہ حجاز خشک علاقہ ہے اسی لئے انہیں گائے کا گوشت نقصان دہ ہے اس لئے کہ اس کا گوشت خشک ہے اور گائے کا دودھ اور مکھن تر ہیں اسی لئے خشک مزاجوں کے لئے دودھ اور مکھن شفاء اور دوا ہے۔ گویا حلیمی نے گائے کا گوشت مضر ہونا مخصوص علاقوں اور مخصوص مزاجوں کے لئے ثابت کیا ہے۔ اور یہی تاویل مستحسن ہے ورنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گائے کو قربانی میں ذبح نہ فرماتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لئے بیماری بھری شئے پیش کرتے اگرچہ خود حضور سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گائے کا دودھ اور مکھن خوب کھاؤ پیو لیکن اس کے گوشت سے بچو۔ اس کے اس کے دودھ اور مکھن میں دوا و شفاء ہے لیکن اس کے گوشت میں بیماری ہے۔ اس کی تاویل بھی یہی ہوگی کہ خشک مزاجوں کے لئے گائے کا گوشت نقصان دہ ہے۔

ف: اس کے متعلق ایک اور جواب بھی ہے وہ یہ کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیانِ جواز کے لئے قربانی میں گائے

ذبح فرمائی یا یہ کہ اس وقت سوائے گائے کے اور کوئی شے میسر نہ ہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ یہ خطاب اہل مکہ کو ہے اور لما تصف کا ما موصولہ ہے اور لام لا تقولوا کے صلہ کی ہے جیسے آیت ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات میں لام صلہ کی ہے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے اہل مکہ نہ کہو وہ جو تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں مثلاً بعض جانوروں کی حلت وحرمت کے متعلق تم کہتے ہو کہ ان جانوروں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے حلال اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ تمہارا یہ نظریہ عقل وفکر سے کوسوں دور ہے چہ جائیکہ وحی الٰہی سے تعلق ہو یا اس کے کسی احکام پر قیاس کیا جاسکے۔ اَلْکَذِبَ یہ لا تقولوا کا مفعول ہے۔ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ کو بدل بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے اور لام صلہ کی ہے جیسے لا تقل بنبیذ انہ حرام میں لام صلہ کی ہے یعنے اس کی شان میں کہو کہ وہ حرام ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ زبانی باتوں سے احکام کا ترتب نہیں ہوتا۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

ف: اس میں قاضیوں مفتیوں کو تنبیہ ہے کہ وہ کوئی قول دلیل کے بغیر نہ کہیں۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

لِتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افترا کرو اس لئے حلت وحرمت کا دارو مدار صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے اس لئے جو بھی حلت وحرمت کا حکم سنائے گا وہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا حالانکہ وہ اس کا حکم نہیں جس سے نتیجہ نکلا کہ تم حلت وحرمت کا حکم سنا کر اللہ تعالیٰ پر افترا کر رہے ہو اس معنے پر لام عاقبت کی ہے علت کی نہیں اس لئے کہ افترا ان کی غرض نہیں تھی۔

جھوٹے صوفیوں کا رد

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جو لوگ محض اپنے غلط گمان پر نفس کا دھوکہ کھا کر کہتے ہیں کہ اب ہم ایسے مراتب وکمالات کو پہنچ چکے ہیں کہ ہمارے لئے بعض محرمات شرعیہ حلال اور بعض حلال شرعی حرام ہیں ان کے متعلق یقین جانئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا افترا کر رہے ہیں ورنہ حلال و حرام اپنے مقام پر کسی کے لئے مباح نہیں ہو سکتے لیکن اہل اباحہ (جھوٹے صوفی) اس طرح کے افترا کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا بھی جھوٹا افترا کرتے ہیں۔ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ وہ اپنے مقصد جس میں انھوں نے جھوٹے افترا کا ارتکاب کیا ہے ایس کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے منفعتهم فیما هم علیه الخ یعنے جاہلیت کا ارتکاب کرکے جن منافع سے پرامید ہیں ان کے وہ منافع بالکل قلیل ہیں جو چند روز کے بعد منقطع ہو جائیں گے۔ وَلَهُمْ اور آخرت میں انھیں عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ایسا دردناک عذاب ہوگا کہ جس کی کُنہ کو کوئی نہیں جانتا۔ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا اور بالخصوص صرف یہودیوں پر ان کے اگلے پچھلے مقام پر حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَیْکَ حرام کیا وہ جو ہم نے آپ کو بیان کیا وہ بیان کردہ حکم یہ ہے:

Scanned with CamScanner

حرمنا کل ذی ظفر و من البقر و الغنم حرمنا علیھم شحومھما۔ — اور ان پر تمام ناخن والے جانور ہم نے حرام کئے اور بکری اور گائے کی چربی بھی۔

مِنْ قَبْلُ جو آیت کے نزول سے پہلے یہ قصصنا کے متعلق ہے یا اس من قبل کا مضاف الیہ التحریم ہے یعنے یہ تحریم امت مصطفویہ کی پیدائش سے پہلے، اس معنے پر یہ حرمنا کے متعلق ہوگا۔

ف: اس میں قرآن کریم کی حرام کردہ اشیاء مذکورہ بالا کی تحقیق اور یہود کے نظریات کی مخالفت و تکذیب مطلوب ہے۔ یہودیوں کا نظریہ تھا کہ ہمارے اوپر جو اشیاء حرام ہیں یہ صرف ہمارے لئے حرام نہیں بلکہ ہم سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر حرام تھیں یعنے نوح علیہ السلام اسی طرح ابراہیم علیہ السلام و دیگر اکابر انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر، یہاں تک کہ ان کے بعد ہم پر بھی حرام ہوئیں۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ اور یہ چیزیں حرام کرکے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ انھیں ان کے اپنے اعمال کی سزا ملی۔ کما قال:

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبات احلت لھم — یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر طیبات حرام کردیں۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین۔ — تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے صرف وہ جو اسرائیل نے یعنے یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اپنے لئے حرام کئے یہ تورات کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ فرمایئے لاؤ تورات لے پڑھو اگر تم سچے ہو۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالٰے نے ان کا رد فرمایا کہ یہود جو کچھ کہتے ہیں غلط ہے۔

یہود کا منہ کالا مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہود کو یہی آیت سنائی تو مبہوت ہوگئے پھر انھیں جرأت نہ ہو سکی کہ وہ تورات لاکر کوئی دلیل دے سکیں اور وے بھی کیسے سکتے تھے جب کہ خود ان کی کتاب میں مرقوم تھا کہ ان پر یہ اشیاء حرام ہوئیں صرف ان کی اپنی شامت اعمال و بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے اور یہ بھی ان پر سزا ہے۔

ف: اس سے اور واضح ثبوت ان کے لئے اور کیا ہوگا جب کہ ان کے اقوال کی تردید ان کی اپنی کتاب میں موجود تھی نیز

سلہ: پارہ نمبر ۴ رکوع نمبر ۱ ، ۲ ، اویسی غفرلہٗ۔

Scanned with CamScanner

اس سے ثابت ہوا کہ ان کی تحریم اور ان کے غیروں کی تحریم میں بہت بڑا فرق تھا۔
ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ بجہالت سے غفلت و نادانی اور امور کے عواقب پر غور و فکر نہ کرنا مراد ہے یعنے جو لوگ برُے عمل نادانی و غفلت سے کرتے ہیں۔
ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ جو بھی بُرا عمل کرتا ہے جاہل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ السوء سے اللہ تعالٰے یا کسی اور پر جھوٹا افترا کرنا مراد ہو اور لام اِنَّ کی خبر یعنے غفور کے متعلق ہے اور اِنَّ ثانیہ محض تاکید اور کلام کو طویل کرنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ ثم ان ربک للذین ھاجروا میں گزرا۔
ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اس کے بعد وہ تائب ہوئے یعنے برائی کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لی۔ بعد کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ لفظ ثم اس معنے پر دلالت کرتا ہے لیکن تاکید و مبالغہ کی وجہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے۔
وَاَصْلَحُوْٓا اور توبہ کے بعد اپنے اعمال سنوار لئے یا اپنے اعمال صلاح وغیرہ میں داخل کر لئے۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا بے شک تیرا رب ان کی توبہ کے بعد۔
سوال : ضمیر ھا کا مرجع تم نے توبہ بتایا ہے حالانکہ توبہ کا ذکر پہلے نہیں؟
جواب : اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی میں جیسے ضمیر عدل کی طرف راجع ہے ایسے ہی تابوا میں توبہ کی طرف راجع ہے۔
ف : سعدی المفتی مرحوم نے فرمایا کہ توبہ کی تصریح کے ساتھ اصلاح کا ذکر بھی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ توبہ کی تکمیل اصلاح میں ہے اس لئے کہ معصیت پر عزم بالجزم سے ندامت ظاہر کرنا اور عزم کا معنے یہ ہے کہ جس فعل سے توبہ کی جا رہی ہے پھر اسے بالکل ہاتھ نہ لگانا اس عدم عود اور اصلاح سے عزم کی تحقیق ہوتی ہے اسی لئے اصلاح کا ذکر نہیں کیا گیا۔
لَغَفُوْرٌ اسی برائی کو بخشنے والا اور اس کے گناہ ڈھانپنے والا اور مٹانے والا۔ رَّحِيْمٌ ۝ رحیم ہے بایں معنے کہ بندہ کو طاعت کا ثواب دیتا ہے۔
نکتہ : اِنَّ رَبَّكَ تکرار میں اشارہ ہے کہ وہ کریم ہے کہ اپنے ہر وعدہ کا ایفاء اور اپنے بندوں پر لطف و کرم کرتا ہے۔
سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اعراض عن اللہ سے روگردانی کر کے صدق طلب اور اخلاص عمل کی طرف متوجہ ہو۔ یاد رکھئے! توبہ بمنزلہ صابون کے ہے جیسے صابن ظاہری میل کچیل کو دور کرتی ہے ایسے ہی توبہ باطنی میل کچیل کو ہٹاتی ہے۔
باطنی میل کچیل سے گناہ مراد ہیں۔
مثنوی شریف میں ہے :

ع

گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش
توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش

Scanned with CamScanner

عمر اگر بگذشت بخشش این دم است
آب توبہ اش ده اگر او بے نم است
بیخ عمرت را بده آب حیات
تا درخت عمر گردد با ثبات
جملہ ماضیہا ازین نیکو شوند
زہر پارینہ ازاین گردد چو قند

[ترجمہ: اگر تو نے زندگی بھر اپنے نامۂ اعمال سیاہ رکھا تو تمام سابقہ گناہوں سے توبہ کیجئے۔ اگرچہ زندگی گزر گئی اور غلطی میں گزری تو اسے توبہ سے اچھا کیجئے۔ اپنی عمر کو آبِ حیات (توبہ) سے سرسبز رکھ اس سے ہی تیری عمر کا درخت پھلدار بلکہ دائم و قائم رہے گا۔ بلکہ زمانہ ماضی کے جملہ افعال نیکی سے بدل جائیں اور زہر کو مصری سے تبدیل کر دیا جائے گا۔]

تفسیر صوفیانہ عوام گناہوں سے اور خواص اپنی غلطیوں اور غفلتوں سے اور اکابر رویت حسنات اور التفات الی الطاعات سے توبہ کرتے ہیں جب بندہ اپنے گناہوں سے ہٹ کر اعمال کی اصلاح کرتا ہے تو اللہ تعالٰے اس کی شان بلند کرتا ہے سب سے بڑھ کر افضل عمل یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفسانی کے خلاف جد و جہد کرے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر مداومت کرے۔

حدیث شریف اللہ تعالٰے کے ہاں یاقوت سرخ کا ایک ستون ہے جس کا سر عرش کے نیچے اور نیچے کا سر تحت الثریٰ والی مچھلی کے اوپر ہے جب بندہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سچی نیت سے کہتا ہے تو عرش الٰہی کانپ جاتا ہے اور مچھلی اور خود ستون کو زلزلہ آ جاتا ہے۔ اللہ تعالٰے عرش سے فرماتا ہے کہ اے میرا عرش! ٹھہر جا۔ عرش عرض کرتا ہے میں کیسے ٹھہروں جب تو اس کلمہ کے قائل کو نہیں بخشتا۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:

اے عرش کے مکینو! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کے قائل کے صغیرہ و کبیرہ اور پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہ بخش دیئے۔

سبق: اللہ تعالٰے کے ذکر سے بندہ گناہوں سے نجات پا جاتا ہے اور اسی سے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ قلوب نصیب ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَ
هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اُدْعُ
اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ
بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ
هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

ترجمہ: بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک امام اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور سب سے جدا تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شاکر تھے اللہ تعالیٰ نے انھیں برگزیدہ بنایا اور سیدھی راہ دکھائی۔ اور انھیں ہم نے دنیا میں بھلائی بخشی اور بے شک وہ آخرت میں بھی مقرب لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے آپ کو وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کریں وہ ہر باطل سے الگ تھے اور مشرک نہ تھے۔ بے شک ہفتہ تو ان پر لازم کیا گیا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بے شک تمھارا رب قیامت کے دن ان کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت و نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے ایسے طریقہ سے بحث فرمائیے جو سب سے بہتر ہو بے شک تمھارا پروردگار اسے خوب جانتا ہے جو سیدھی راہ سے بھٹکا ہے اور انھیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اور اگر تم انھیں سزا دو تو ویسی کہ جیسی انھوں نے تمھیں تکلیف پہنچائی اور اگر صبر کرو تو صبر والوں کے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور صبر فرمائیے اور آپ کا صبر تو اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور ان کا غم نہ کیجئے اور وہ جو غلط تدبیر بتاتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ جو پرہیزگار اور نیک کردار ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً بے شک ابراہیم علیہ السلام مستقل ایک گروہ تھے اس لئے کہ آپ کے اندر وہ فضائل و کمالات تھے جو ایک گروہ میں مجموعی طور پر ہوں۔ ؎

لیس علی اللہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

(ترجمہ: اللہ تعالے پر کوئی مشکل نہیں کہ وہ جملہ عالم کے اوصاف صرف ایک میں جمع فرما دے۔)

؎

جانا تو یگانۂ ولے ذات ہست
مجموعۂ آثار کمالات ہمہ

ترجمہ: اے محبوب تو یگانۂ روزگار ہے تیری ذات میں جملہ کمالات موجود ہیں۔

حسین سبط من الاسباط کی شرح

حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ ایک مستقل سبط ہیں۔ (کذا فی المصابیح) یعنے حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ وہ صاحب کمالات ہیں جو ایک بہت بڑے گروہ میں کمالات ہوں وہ تمام آپ میں پائے جاتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نسل سے ہی سادات کا خاندان بڑھے گا اور اس معنے کی تصدیق آج ہر شخص مشاہدہ سے کرسکتا ہے کہ ہر خطہ اور علاقہ میں سادات کرام پائے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر کا سلسلہ نسب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ازالہ وہم اور مسئلہ ختم نبوت

یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نبی تھے جیسا کہ بعض (روافض) نے ان پر نبوت کا افترا کیا ہے۔ (نعوذ باللہ) اور شریعت کا متفقہ فیصلہ ہے:

من قال بعد نبینا نبی یکفر — جو بھی ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی نبوت کا اقرار کرے وہ کافر ہے۔ (کذا فی البحر العلوم)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ امۃ بمعنے ماموم ہے یعنے ہر وہ شخص جسے لوگ اپنا امام سمجھیں اور اسی کو اپنا مقصود و مطلوب مانیں تا کہ اس سے خیر و برکت حاصل کرسکیں۔

اہلسنت کے نزدیک امام کا مفہوم

ہمارے نزدیک ہر معلم الخیر اور دین کے مقتدا کو امام کہا جاتا ہے۔ (اخلاقاً شیق) حضرت ابراہیم علیہ السلام رئیس الموحدین وقدوۃ المحققین تھے۔ آپ نے مشرکین سے بڑے مناظرے و مجادلے کئے اور ان کو لاجواب کر کے گویا ان کے منہ میں پتھر دبا دیئے کہ انھوں نے آپ کے دلائل قاہرہ و براہین باہرہ کے سامنے سر جھکا دیئے یہ آپ کا کمال تھا کہ بڑے زوردار دلائل سے بد مذاہب کو ملیا میٹ فرمائیں۔

قَانِتًا لِّلّٰهِ اللہ تعالے کے مطیع اور اس کے ہر حکم کے پابند تھے۔ **حَنِيفًا** ہر باطل سے روگردان اور دین حق کی طرف مائل تھے۔ **وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ** ○ وہ مشرکین کے مذہب کے کسی فروعی و اصولی مسئلہ پر نہیں تھے۔

ف: اس میں کفار مکہ کا رد ہے اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ: یہ نعمت کی جمع ہے اور امۃ کی تیسری صفت ہے۔

Scanned with CamScanner

ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام طعام نہیں کھاتے تھے جب تک کوئی مہمان نہ آتا اور آپ اس کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ ایک دن کوئی بھی مہمان نہ آیا اور آپ نے بھی طعام نہ کھایا یہاں تک کہ فرشتوں کا ایک گروہ انسانی شکلوں میں مہمانوں کی صورت میں حاضر ہوا معذرت کی اور تاثر پیدا کیا کہ گویا وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہیں تاکہ ابراہیم علیہ السلام مرض سے نفرت کر کے طعام اٹھا لیں گے لیکن آپ نے فرمایا، اگر تم کوڑھی ہو تو اب میرے لئے فرض ہو گیا ہے کہ میں تمہیں لازماً طعام کھلاؤں تاکہ اللہ تعالٰے کے شکر کی ادائیگی ہو اس لئے کہ اس نے مجھے عافیت و صحت بخشی اور تمہیں بیماری میں مبتلا کیا۔

نمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمانی ہے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالٰے کو آرزو پیش کی کہ وہ حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام امت کو اپنی مہمانی پیش کریں لیکن ان کا زمانہ کہاں اور وہ کہاں اسی لئے عرض کی یا اللہ میں بندہ عاجز اور تو قادر مطلق ہے اس لئے میری یہی آرزو پوری فرما دے۔ آپ کی دعا قبول ہوئی کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کافوری ایک مٹھی بہشت سے ساتھ لائے اے ابراہیم علیہ السلام لے کر جبل ابو قبیس پر چڑھے اور وہی مٹھی عالم دنیا میں پھینک دی جسے اللہ تعالٰے نے دنیا کے ہر علاقہ میں پہنچا دیا جہاں بھی وہ قطرہ کافوری گرا نمک کی کان پیدا ہو گئی۔ اس معنے پر نمک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمانی ہے جو ہمیں نصیب ہوئی۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خور و پوش و بخشائی و راحت رساں
نگہ می چہ داری ز بہر کساں
غم و شادمانی نماند و لیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

[ترجمہ: کھاؤ اور دوسروں کو دے اور راحت پہنچا لوگوں کے لئے اپنی دولت کو کیوں چھپا رکھا ہے۔ غم و راحت سب ختم ہو جائیں گے صرف اعمال کی جزا باقی رہے گی اور نام نیک۔]

اِجْتَبٰهُ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالٰے نے نبوت کے لئے چن لیا۔ **وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ** اور انہیں صراط مستقیم چلایا۔ صراط مستقیم سے وہ راہ مراد ہے جو اللہ تعالٰی تک پہنچانے والی ہو۔ اس سے ملت اسلام مراد ہے اس لئے کہ یہی دین تسلیم پر مشتمل ہے اور ابراہیم علیہ السلام بطریق اتم تسلیم عطا کئے گئے۔ **وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً** اور ہم نے انہیں دنیا میں اچھی حالت بخشی مثلاً تمام لوگوں میں ان کا ذکر جمیل اور ثنائے بے عدیل اور نیک اولاد اور عمر طویل اور رزق فراخ اور طاعت کی توفیق بالخصوص سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نسل سے ظہور پذیر ہوئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر

Scanned with CamScanner

درود وسلام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر مثلاً :

کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم۔

وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ○ اور بے شک آخرت میں صالحین سے ہوں گے یعنے ان لوگوں سے جن کے بہشت میں درجات بلند ہوں گے یعنے انبیاء علیہم السلام کیونکہ یہی حضرات کامل فی الصلاح اور واصل الیٰ غایۃ الکمال ہوں گے۔ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ پھر ہم نے آپ کے ہاں وحی بھیجی اگرچہ آپ کا مرتبہ بلند اور شان اونچی تھی لیکن وحی سے بھی نوازے گئے اور ثم۔ تراخی فی المرتبہ کے لئے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سب سے بڑی فضیلت یہی نصیب ہوئی کہ حضور تاجدار انبیاء علیہم السلام کو ان کی اتباع کا حکم ہوا۔ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ یہ کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کیجئے۔ ملۃ ہر اس راہ کو کہا جاتا ہے جس پر اللہ تعالےٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اپنے بندوں کو چلنے کا حکم فرماتے یہ املت الکتاب ملت اور دین ایک شئے ہے۔ فرق یہ ہے کہ امور مشروعیہ کی طاعت کا نام دین ہے اس سے ملت اسلام مراد ہے جسے صراط مستقیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حَنِيفًا یہ مضاف الیہ سے حال ہے۔ کمال اتصال کی وجہ سے مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے یہ رایت وجہ ھند قائمۃ کے قبیل سے ہے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ وہ مشرکین سے نہیں بلکہ وہ قدوۃ الموحدین تھے اس کا تکرار اس لئے ہے تاکہ تنبیہ ہو جن عقائد و اعمال پر ابراہیم علیہ السلام تھے وہ شرک سے کوسوں دور تھے مشرکین نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے انہیں اپنا جیسا مشرک مشہور کر رکھا تھا۔

ف : علماء کرام نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کو ابراہیم کی اتباع کا حکم اصول کے بارے میں تھا ورنہ ان کے فروع اور حضور علیہ السلام میں بہت بڑا فرق ہے اور نہ ہی ان کی اتباع کا آپ کو حکم تھا نہ ان کے مامور تھے اس لئے کہ تبدل الازمنہ والاعصار سے فروع میں تبدل ہوتا رہا۔

ازالۂ وہم اس سے یہ خیال نہ ہو کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے آقا و مولےٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو گئے اس لئے کہ اتباع کے حکم سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی[1] اور اتباع کا حکم صرف اس لئے ہوا کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے[2] ورنہ آپ تو اکرم الاولین والآخرین ہیں ؎

تو اصل و باقی طفیل تو اند
تو شاہی و مجموع خیل تو اند

---

[1] : تفصیل تفسیر اویسی میں پڑھئے۔

[2] : اس کی بھی ایک وجہ تھی جسے ہم نے تفسیر اویسی میں تفصیل سے لکھا ہے۔

Scanned with CamScanner

ترجمہ : اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم آپ اصل ہیں باقی جملہ کائنات آپ کے طفیل ہے آپ بادشاہ ہیں تمام موجودات آپ کے غلام ہیں۔

مسئلہ : اعلان نبوت سے پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے دین کی اتباع کرتے ہیں اور آپ کی قوم کا دین ملت دین ملتہ ابراہیم علیہ السلام تھا جو کہ بوراثت اسماعیل علیہ السلام انہیں ملا یعنے مسائل حج و مناسک و بیوع وغیرہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دین کے مطابق عمل کرتے تھے البتہ قریش مکہ توحید کے عقائد میں غلط ہو گئے تھے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خالص توحید پر تھے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کے مسلک کی اتباع کی اور اللہ تعالے کے حضور میں گردن جھکائی تاکہ اللہ تعالے کے ہاں پہنچ جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام کو بارگاہ حق کی حاضری نصیب ہوئی۔

کما قال :

وانی ذاهب الی ربی سیهدین۔

اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالے کی جانب سے حضور علیہ السلام کو ندا آئی کہ ابراہیم علیہ السلام میرا خلیل تھا آپ میرے حبیب ہیں۔ آپ کے اور ابراہیم علیہ السلام کے مابین فرق یہ ہے کہ خلیل میرے ہاں خود چل کر آیا اور آپ کے لئے براق بھیجا گیا یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام شب اسریٰ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو عرض کی گئی یہی خلیل کا مقام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس سے آگے کے مراتب و مقامات طے کرائے جائیں چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ تجلی حق نے سدرۃ کو ڈھانپ لیا پھر یہ حبیب علیہ السلام کا کام تھا کہ ان جلوؤں کو دیکھ کر نہ آنکھ پھیری نہ راہ سے بہکے اس کے بعد دنیٰ فتدلیٰ کا مقام طے فرمایا اور قاب قوسین کی منزل پر پہنچے اور یہی حبیب کا مقام ہے جہاں معیت حق اس طرح نصیب ہوئی کہ جس میں غیریت کا وہم بھی ختم ہو گیا۔

کما قال :

لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب۔ مجھے اللہ تعالے کے ساتھ ایک ایسا وقت نصیب ہوتا ہے وہاں ملک مقرب یعنے جبرائیل علیہ السلام کو بھی رسائی نصیب نہیں۔

ولا نبی مرسل اور نہ ہی کسی نبی مرسل کو۔

یہی حقیقت محمدیہ کا مقام ہے۔ جب متابعت کی منزل طے فرمالی تو آپ کو متبوع کی صفت نصیب ہوئی یہی نکتہ ہے کہ دنیا میں آپ کو اتباع خلیل کا حکم تھا آخرت میں خلیل آپ کے محتاج ہوں گے۔ چنانچہ خود حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

الناس محتاجون الی شفاعتی یوم القیمة تمام لوگ میری شفاعت کے محتاج ہوں گے یہاں تک کہ

Scanned with CamScanner

حتی ابراھیم - ابراہیم علیہ السلام -

وسیدنا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

- وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی لہ)

مسئلہ آیت سے اتباع رسول کی فضیلت ثابت ہوئی اس لئے کہ اس کی کچھ فضیلت نہ ہوتی تو اللہ تعالےٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خلیل کی اتباع کا حکم نہ فرماتا۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی اتباع اور صلحائے امت کی صحبت کو غنیمت جانے کیونکہ اتباع و صحبت میں سعادت دارین ہے -

عجوبہ : دس جانور بہشت میں جائیں گے تو وہ بھی اسی صحبت کی برکت سے - ان دس جانوروں میں سے چند یہ ہیں :

(١) ناقۂ صالح

(٢) دنبۂ اسماعیل

(٣) نملۂ سلیمان

(٤) سگِ اصحاب کہف

؎

سگ اصحاب کہف روزے چند
پے مردم گرفت مردم شد

ترجمہ : کتے نے اصحاب کہف کے قدم پکڑے تو انسانوں جیسا ہوگیا -

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بندہ افلاس کی تنگی سے متحیر ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تو فلاں بندے یا میرے عارف کو پہچانتا ہے وہ عرض کرتا ہے ہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میں نے تجھے ہبہ کیا (یعنے اس کا مرتبہ تجھے بخشا) -

ولی اللہ کی شان شیخ بہاؤ الدین فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا ایک خادم مغربی تھا اس کے سامنے نکیرین کی حدیث کا ذکر ہوا کہ قبر میں نکیرین کا سوال ہوگا - اس خادم شیخ بایزید قدس سرہٗ نے کہا کہ دیکھ لینا کہ میں انہیں کیا معقول جواب دوں گا لوگوں نے کہا ہمیں کیسے معلوم ہوگا - اس نے کہا میری قبر پر بیٹھ کر سن لینا - چنانچہ

لہ : اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ -

جب وہ فوت ہوا تو نکیرین نے سوال کیا تو اس نے کہا کہ مجھ سے بھی سوال کرتے ہو میں نے بیس سال بایزید قدس سرہ کی پوستین کاندھے پر رکھی ہے نکیرین اس کا یہ جواب سن کر خاموشی سے چلے گئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ بے شک یوم ہفتہ کی تعظیم اور اسے صرف عبادت کے لئے فارغ رکھنا اور اسی دن شکار نہ کرنا فرض ہے۔

سوال، تم نے فرض کا معنے کہاں سے لے لیا؟

جواب: جعل کا صلہ جب لفظ علے واقع ہو تو جعل بمعنے فرض مستعمل ہوتا ہے۔

حل لغات: السبت ہفتہ کے ایک دن کا نام بمعنے القطع والمروحۃ اور اس یوم کو اس لئے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ اسی دن ہفتہ کے ایام منقطع ہوتے ہیں کیونکہ ہفتہ کا یہی آخری دن ہے اور اسے اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسی دن میں آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے فراغت پائی یا اس لئے کہ یہودی اسی دن دنیوی کام سے فارغ البال ہو کر آرام کرتے ہیں یا یہ اسبتت الیہود سے مشتق ہے بمعنے عظمت سبتہا وہ اس لئے کہ یہودیوں کا دعوے تھا کہ ہفتہ کا دن شعائر اسلام سے ہے اور ابراہیم علیہ السلام اس کے محافظ و نگران تھے اب معنے یہ ہوا کہ اے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کا دن نہ شعائر اسلام سے ہے اور نہ ہی آپ اس کی تعظیم کے مامور ہیں۔ ہاں بنی اسرائیل پر اس کی تعظیم فرض ہوئی وہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بہت بڑے عرصے بعد۔

حکایت کاشفی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کو دیکھا کہ وہ ہفتہ کے دن سامان اٹھا کر کسی اور جگہ لے جا رہا تھا آپ نے فرمایا کہ اس کی گردن اڑا دو اور اسے ایسی جگہ پر چھوڑو جہاں چالیس دن تک پرندے اس کے ڈھانچے کو کھاتے رہیں۔ (کذا فی زاد المیسر)

ف: یہ صرف اس لئے کہ ہفتہ کے دن کی تعظیم ان کی شریعت میں فرض تھی اور وہ شخص اس دن کی توہین اور گستاخی کر رہا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اسے قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔

کرا شرع فتوے دہد بر ہلاک
الا تا نداری ز کشتنش باک

ترجمہ: جس کے قتل کر دینے کا فتوے شریعت دے اس کے قتل کرنے کے متعلق کوئی خطرہ نہ کرنا۔

عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط ان لوگوں پر جنہوں نے ہفتہ کے دن کے متعلق اختلاف کیا۔ اصل اختلاف حق کے انتخاب میں ہوا وہ اس طرح کہ موسےٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو فرمایا کہ ہفتہ میں صرف ایک دن عبادت کے لئے فارغ کرلو اور وہ جمعہ کا دن ہونا چاہئے۔ لیکن یہودیوں نے کہا کہ ہم تو ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں گے اور اسی دن میں عبادت میں مشغول رہیں گے اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فراغت پائی سوائے چند مخصوص لوگوں کے سب ہفتہ کے دن پر اڑ گئے

Scanned with CamScanner

اللہ تعالٰی نے انھیں ہفتہ کے دن کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس دن مچھلی کا شکار بھی نہ کرنا۔ اس حکم کی پابندی صرف ان لوگوں سے ہو سکی جو جمعہ کے دن کی عبادت کے لئے راضی تھے۔ باقی سب کے سب مخالف حکم ربانی ہوتے اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالٰی نے انھیں بندر بنا دیا۔ اور اس عذاب سے وہی محفوظ رہے جو مطیع تھے۔

فائدہ صوفیانہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ جو لوگ نجات پا گئے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انھوں نے اللہ تعالٰی کے ارادے کے سامنے اپنے ارادوں کو فنا کر دیا بخلاف نافرمانوں کے وہ تباہ و برباد اس لئے ہوئے کہ انھوں نے حکم الٰہی کے سامنے سر نہ جھکائے کیونکہ ان کے نفوس امارہ کی سرکشی باقی تھی اور قاعدہ ہے جو اللہ تعالٰی کے سامنے سر تسلیم خم کرے اسے اللہ تعالٰی نیکی کی توفیق بخشتا ہے اور جو اپنے ارادہ پر چلتا ہے اسے اللہ تعالٰی نفس سرکش کے سپرد کر دیتا ہے اسی لئے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ تاکہ فیصلہ فرمائے ان دونوں فریقوں یعنے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ قیامت کے دن جس میں وہ اختلاف کرتے تھے یعنی ان کے اختلاف کی تفصیل بتائے گا جس سے موافق کو ثواب اور مخالف کو سزا دے گا۔

ف اس میں اشارہ ہے کہ مخالفین کو جو دنیا میں سزائیں ملیں ان کے علاوہ اور سزائیں آخرت میں پائیں گے اسی طرح نیکوں کو جو دنیا میں نیک صلہ ملتا ہے آخرت کی نیک جزا اس کے علاوہ ہوگی۔

حدیث شریف حضور تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہم آخر میں آئے لیکن قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے اور ہمیں دنیوی ایام میں سے آخری دن ملا ہے اس سے جمعہ کا دن مراد ہے۔ اس لئے کہ سابقہ امتوں کو اسی دن عبادت کا حکم ملا لیکن انھوں نے اختلاف کیا۔ اللہ تعالٰی نے ہمیں ہدایت بخشی ہمارے لئے جمعہ کا دن ہے اور یہودیوں کے لئے ہفتہ اور نصاریٰ کو اتوار نصیب ہوا۔

ف آیت میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالٰی کے اوامر و نواہی کے متعلق اختلاف کر کے صراط مستقیم سے ہٹے تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے کر بدعت کی بنیاد ڈالی اور یہ بھی ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوا پھر اس پر شدت سے کاربند ہوئے تو الٹا وہی عمل ان کے لئے وبال جان ثابت ہوا اور راہ مستقیم سے بالکل بھٹک گئے۔

سبق بندوں پر لازم ہے کہ وہ عبادت و طاعات و مجاہدات و طلب حق میں جد و جہد کریں اور بدعت (سیئہ) کو ترک کر دیں۔

حدیث شریف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میری اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی کرو اور اسے مضبوطی سے پکڑو اور بدعات (سیئہ) سے بالکل دور رہو اس لئے کہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

حکایت ایک شخص حضرت الشیخ ابو محمد عبدالسلام بن بشیش قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضرت جی!

Scanned with CamScanner

مجھے اوراد و وظائف بتایئے حضرت شیخ کو سنتے ہی غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں کہ تجھے کوئی نیا وظیفہ یا ورد بتاؤں ورنہ واجبات و فرائض معلوم ہیں اور معاصی و جرائم بھی کسی سے مخفی نہیں اس لئے تم فرائض و واجبات پر پابندی کرو اور معاصی و جرائم سے بچو اور دنیوی خواہشات سے قلب کو محفوظ کرو اور اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی قسمت پر قناعت کرو جب تجھ سے رضائے الٰہی کے مطابق کام ہوں تو تم اللہ تعالےٰ کا شکر کرو اور جب تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو صبر کرو۔

ف: و ان سبحانہ بحکم الخ میں اشارہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالےٰ اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور کہے گا کہ اہلسنت میرے فضل و کرم سے بہشت میں جائیں اور اہلِ بدعت دوزخ میں۔ یہ میرا عدل ہے اور اس کی مجھے کوئی پرواہ بھی نہیں۔

ف: اہلِ بدعت کے بہتر فرقے ہیں یہ اہلِ ظواہر سے ہیں اور اہلِ بواطن کے گیارہ ہیں یہ سب کے سب اعتقاداً حق کے مخالف ہیں اور سب کے سب جہنم میں جائیں گے اور صوفیاء کرام کا ناجی فرقہ وہی ہے جن کا طریقہ اور عقیدہ اور عمل کتاب و سنت کے موافق ہے ہم اللہ تعالےٰ سے زیغ و ضلال سے حفاظت کی دعا کرتے ہیں۔

سبق صحبت کے لئے ناصح فی الدین کامل فی طریق الیقین اور مرشد الی الحق المتین کا ہونا ضروری ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا: ؎

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہئ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: اس راہ کو کسی رہبر کے بغیر طے نہ کر یہاں بڑی تاریکیاں ہیں گمراہ ہونے کا خطرہ کیجئے۔

تفسیر عالمانہ اُدْعُ اے محبوب افضل الرسل صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شیطان کی راہ سے بچاکر۔ دعوت دیجئے اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ اپنے رب تعالےٰ کے راستہ کی طرف۔ اس سے دینِ اسلام مُراد ہے جو جنّت اور قربِ الٰہی کا موصل ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ؎

نورِ او چون اصل موجودات بود
ذات او چون معطیٔ ہر ذات بود
واجب آمد دعوت ہر دو جہانش
دعوت ذرات پیدا و نہانش

ترجمہ: نورِ الٰہی تمام موجودات کی اصل ہیں وہ ذات پاک ہر ہر ذرہ کو عطا فرماتی ہے اس سے اس کی ذات کے لئے دعوت ضروری ہے ہر ظاہری و باطنی ذرات کو اس کی دعوت ضروری ہے۔

Scanned with CamScanner

ف: اعیان موجودہ کا ہر عین اسمائے الٰہیہ کے کسی ایک اسم کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے وہی عین اسی اسم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا ہے کیونکہ وہی جمیع اسمار کا جامع ہے۔

سوال: پھر دعوت کا کیا فائدہ جب ہر عین اپنے اسم کے ذریعے اس کی طرف خود بخود پہنچ سکتا ہے؟

جواب: چونکہ دعوت سے یہ فائدہ ہو جاتا ہے کہ اسم مضل ہادی سے اور جائر عدل سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

بِالْحِكْمَةِ اس سے حجۃ قاطعہ مراد ہے کہ عقائد کے لئے مفید اور منکرین کے شبہات کو مٹانے کے لئے داعیٔ حق کو تائید بخشے یہ طالبین حقائق جیسے خواص امت کے لئے ہوتی ہے۔ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اس سے دلائل اقناعیہ و حکایات نافعہ مراد ہیں یہ عوام کی دعوت کے لئے ہوتے ہیں۔

حل لغات: موعظة مصدر ہے اہل عرب کہتے ہیں۔ وعظہ ۔ یعظہ وعظاً وعظۃ وموعظۃ ہر وہ ذکر جس سے دل نرم پڑ جائے وہ ذکر ثواب سے یا عذاب سے متعلق ہو۔ جب کوئی شخص کسی نصیحت کو قبول کرے تو کہا جاتا ہے: اتعظ۔ یعنی فلاں نے نصیحت کو قبول کیا۔ (کذا فی القاموس)

وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اور معاندین مخالفین سے مناظرہ کیجئے! اور یہی طریقہ مناظرہ نرمی اور حسن خلق سے بہتر ہے اور یہی طریقہ مناظرہ اور مقدمات مشہورہ پیش کر کے مخالف کے شبہات مٹانا اور اس کے جوش مذہبی کو ٹھنڈا کرنا دوسرے تمام طریقوں سے بہتر ہے۔ یہی طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا۔ [اور بحمد اللہ تعالیٰ بہت کامیاب ہوئے۔ افسوس کہ دور حاضرہ میں علماء و مشائخ اس طریقہ سے سخت نفرت کرتے ہیں اور جان چھڑانے کے لئے آیت کا پہلا جملہ ادع الی سبیل ربك بالحكمة پڑھ کر اپنی برتری کا دم بھرتے ہیں۔ انہیں ہم صلح کلی سے تعبیر کرتے ہیں جو نہایت گھٹیا درجہ ہے۔ ۱؎]

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اظہار حق کے لئے مناظرہ و مجادلہ فی العلم جائز ہے۔

ف: تفسیر سمرقندی میں ہے کہ مدعو الی الحق کے تین گروہ ہیں:

(۱) مدعو الی اللہ خاص لوگ ہوں تو ان کو حکمت سے دعوت دینا مفید ہے۔

(۲) مدعو الیہ عوام ہوں تو ان کو موعظہ (پند و نصیحت) فائدہ دے گی۔

(۳) مدعو الیہ بدمذاہب ہیں تو ان سے مناظرہ و مجادلہ کرنا بہتر ہے۔

یہ بدمذاہب بھی عوام میں شامل ہیں اگرچہ اپنے آپ کو بڑے علماء کہلوائیں بلکہ عوام سے بھی بدتر اس لئے کہ عوام کے عقائد صحیح ہوتے ہیں اور ان کے عقائد فاسد ہونے کے علاوہ ان میں ردی صفات مثلاً ضد، ہٹ دھرمی، عناد، سرکشی، تعصب اور اپنے

۱؎ اضافہ از مترجم۔

Scanned with CamScanner

گرو گمشدگان کی تقلید وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ادراک حق سے محروم ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے عقائد فاسدہ اور صفات کاسدہ کی وجہ سے پرلے درجے کے بیوقوف ہوتے ہیں اگرچہ وہ عوام اہل حق کو بیوقوف سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خود بیوقوف اور احمق ترین ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:

الا انھم ھم السفھاء ۔۔۔ اور جنھیں وہ بیوقوف اور احمق سمجھتے ہیں وہ درحقیقت بہشتی ہوتے ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے لئے فرمایا کہ بہشتی بھولے بھالے لوگ ہیں۔

سبق: تفصیل مذکور کے بعد جس طرح کا انسان ہو اسی طرح کی افہام و تفہیم کی جائے عوام کو حکمت (اشاروں کنایوں) سے سمجھایا جائے تو وہ کیا سمجھیں گے کیونکہ ان بیچاروں کو تو ۔۔۔ اور ساری باتیں چاہئیں اس لئے کہ وہ موٹے عقل والے اور سادہ لوح ہیں: ؎

نکتہ گفتن پیش کنز حکمت بے گمان
جواہر چند از جواہر ریختن پیش خر است

ترجمہ: موٹے عقل والوں کے سامنے نکتہ سنجی ایسے ہے جیسے گدھا کے سامنے جوہر ڈالے جائیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

کہ توان با شیعہ گفتن از عمر
کہ توان بربط زدن در پیش کر

ترجمہ: شیعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ملفوظ سنانے کا کیا فائدہ ایسے ہی بہرے کے سامنے سارنگی بجانا بے سود۔

اسی طرح اہل حکمت کے سامنے مناظرے مجادلے کی باتیں کی جائیں تو وہ متکلم سے ایسے نفرت کرے گا جیسے نوجوان کو عورت کے دودھ سے۔

تفسیر صوفیانہ: ادع الی سبیل ربک الخ میں اشارہ ہے کہ عوام کو دعوت اسلام دی جائے تو بہشت کے مژدہ جات سے اس کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں خوفناک کہانیاں سنائی جائیں اور رحمت حق پر امید کی باتیں بتائی جائیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالٰی کی عبادت کرتے ہیں تو بہشت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے انھیں موعظہ حسنہ سے سمجھایا جائے اور یہ نرمی، مدارات، خوش خلقی اشارے کنایے خلوت میں بکھلم کھلا تصریح سے ہٹ کر کیونکہ کھلم کھلا تو اسے مفید ہے جو حق سے کوسوں دور ہو۔

گر نصیحت کنی بخلوت کن
کہ جز این شیوۂ نصیحت نیست
ہر نصیحت کہ برملا باشد!
آن نصیحت بجز فضیحت نیست

ترجمہ: اگر کسی کو نصیحت کرنی ہو تو خلوت میں کرو کہ اس کے سوا اور کوئی نصیحت کا طریقہ نہیں۔ ہر وہ نصیحت جو کھلم کھلا ہو اس نصیحت سے سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور خواص کو حکمت و موعظ و نصیحت سے دعوت اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالٰے کی محبت کی باتیں سنائیں جائیں اور جو طلب حق میں اسباب کام دیں ان کی انہیں ترغیب و تحریص دلائی جائے اور اللہ تعالٰے کے ملنے کے راستے کی رہبری اور ہدایت دی جائے بلکہ ہو سکے تو وہ راستہ انہیں ایسا دکھایا جائے کہ گویا تمہاری نصیحت ان کے لئے رہبر کامل اور سراج منیر ہے یہاں تک کہ وہ تمہاری اتباع اور تمہارے تزکیہ سے مقربین کے مراتب کو پہنچ جائیں۔

وجادلهم بالتی هی احسن یہ طریقہ ہر قسم کے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن اہل نفاق کو بہت زیادہ مفید ہے جب ان پر سختی کی جائے اور اہل وفاق سے لطف و کرم اور خوش اخلاقی سے کام لیا جائے اور اہل ایمان تواضع و انکسار مفید ہے۔ اور ان سے درگذر کرنا اور ان کی غلطیاں معاف کرنا وغیرہ۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہما کی تقریر دلپذیر فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی کتاب مسمی بہ اللائحات الباقیات میں فرمایا کہ حکمۃ سے بصیرت مراد ہے یعنے مقتضیات کے مطابق دعوت دیجائے مثلاً بعض مقامات پر نرمی اور تخفیف و تعریض فائدہ دیتی ہے اور بعض مواقع تشدید و تغلیظ مفید ہوتی ہے اسی طرح بعض مواقع جلب مصالح فائدہ دیتے ہیں اور بعض موقعہ سلب مفاسد۔ اسی طرح الموعظة الحسنة سے وہ پند و نصائح مراد ہیں جو حسنات کو متضمن اور ترغیبات پر مشتمل اور ترہیبات پر حاوی ہوں اور قلوب کو محبوبات کی طرف کھینچنے والے اور نفوس کو مقبوحات سے بچانے والے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح مناسب اور لائق ہو ویسے ہی افہام و تفہیم کی جائے۔ خلاصہ یہ کہ پند و نصائح کے وقت حق اور علم کامل اور عقل تام پیش نظر ہو اس میں نفس، جہل اور حماقت کو کسی قسم کا دخل نہ ہو کیونکہ حق و علم و عقل کی نصیحت بصیرۃ صحیحہ سے اور نفس و جہل و حماقت کی نصیحت غفلت فاسدہ سے ہوتی ہے۔

ف: الموعظة الحسنة کا لفظ ایک جامع کلام ہے جو جمیع کلم کا جامع ہے۔

وجادلهم بالتی هی احسن اور مجادلہ سے مجادلہ حقانیہ مراد ہے وہ یہ کہ رفق، نرمی، درگذر، معاف کرنے اور چشم پوشی اور کلام بقدر عقول اور نظر بہ انجام کار اور صبر کسی کی سزا پر عجلت نہ کرنا اور کسی کے دکھ درد پہنچانے پر حوصلہ اور مصائب و تکالیف

Scanned with CamScanner

قدرتی پر تحمل سے ہو اور امور مذکورہ بالا اظہار حق کے لئے ضروری ہیں اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے احسن فرمایا ہے اور جو شخص حق کی مخالفت کرے اس کے سامنے حق کی صداقت کا اظہار ضروری ہے اور جو صداقت اسلام کا قائل ہے تو اسے جمیع اغراض و اعراض سے روگردانی کی تلقین کی جائے غرضیکہ جہاں تک ہو سکے مخالفین معاندین راہ حق سے بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں اور جاہلین و غافلین اور باطل کی طرف رجوع کرنے والوں وغیرہ کے حال پر رحم کرم کر کے سیدھے راستہ پر لانا چاہئے اور اس کا طریقہ کار کچھ ہو کسی کو دعا سے کسی کو نصیحت سے کسی کو مارنے سے غرضیکہ جس طرح بن پڑے امت مصطفویہ کو رہ راست پر لانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ بے شک تیرا رب تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو راہ حق سے بھٹک گیا، اس سے دین اسلام مراد ہے یا گمراہ سے مراد وہ شخص ہے جو حکمتیں و مواعظ و عبرتیں دیکھنے کے باوجود قبول حق سے اعراض کرتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور بس باقی ہدایت اور گمراہی کی تخلیق اور ان کی جزا و سزا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو جزا اور گمراہوں کو سزا دے گا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ مجھے ان کے حالات معلوم ہیں جس کی فطرت نیک ہے وہ تھوڑے سے وعظ اور معمولی سی نصیحت سن کر ہدایت حاصل کر لیتا ہے اور جس کی ازل سے بدقسمتی ہے اسے ہزاروں حیلے اور لاکھوں دلائل کام نہیں دیتے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: آئینہ سے زنگ دور کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر کو آئینہ نہیں بنایا جا سکتا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجان نشود

ترجمہ: پاک گوہر تو فیض کے قابل ہو سکتا ہے ورنہ ہر پتھر اور گل لؤلؤ و مرجان نہیں ہو سکتا۔

لوگ تین قسم کے ہیں:

(۱) جن کا حسن خاتمہ قطعی اور یقینی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور عشرہ مبشرہ یعنے دس صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

(۱) ابوبکر صدیق (۲) عمر فاروق (۳) عثمان غنی (۴) علی المرتضیٰ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

Scanned with CamScanner

(۲) جن کا انجام برباد اور اس پر یقین اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے جیسے فرعون، ابوجہل، قارون، ہامان وغیرہم۔

(۳) جن کا نہ نیک خاتمہ یقینی ہے نہ بُرا جیسے عام مومنین اور ابرار متقین اور عام کفار و مشرکین۔

ازالۂ وہم اگرچہ ابرار و متقین شرعاً ممدوح ہیں اس لئے کہ ان کے عقائد فاسدہ و اعمال صالحہ پاکیزہ تھے اور فجار و کفار بوجہ عقائد فاسدہ و اعمال قبیحہ کے ظاہراً مذموم ہیں لیکن سب کے انجام کو وہی جانتا ہے اس لئے کہ اسی کی طرف سپرد کیا جائے وہی نیک اور بد کو جانتا ہے اور آخرت میں سب کو علیحدہ علیحدہ کر کے دکھائے گا بہت سے ایسے ہوتے ہیں جنہیں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نیک ہیں حالانکہ درحقیقت وہ اللہ تعالٰی کے دشمن اور شیطان کے پکے دوست ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔ اس کا نیک ہونا عارضی تھا جسے ہم نے نیک سمجھ رکھا تھا۔ لیکن درحقیقت اس کی بُرائی چھپی ہوئی تھی جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی جیسے رات کے آتے ہی سورج کی روشنی چھپ جاتی ہے یا جیسے دن کے آنے سے رات کی تاریکی پوشیدہ ہوجاتی ہے ایسے ہی مرنے کے بعد اس کی اصلی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ ظاہری نیکی مٹتے ہی اصلی کفر و فسق ظاہر ہوگیا اسی طرح عارضی کفر و فسق مرنے کے بعد مٹ جاتا ہے اور اصلی ایمان کا نور ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابو اسحاق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایک شخص ہمارے ہاں بار بار حاضر ہوتا لیکن اس کا نصف چہرہ ڈھکا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ ہمارے ہاں اکثر حاضر ہوتا ہے لیکن تیرا نصف چہرہ چھپا کیوں رہتا ہے۔ اس نے کہا، اگر آپ مجھے امان دیں تو بتاؤں۔ میں نے کہا: تجھے امان ہے۔ اس نے کہا: میں قبریں کھود کر مردوں کے کفن چراتا تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت مدفون ہوئی میں نے اس کی قبر کھودی اور اس کے کفن میں سے بڑی چادر اور لفافہ کو پکڑ کر کھینچنے لگا لیکن وہ عورت اپنے کفن پر قابو پائے ہوئے تھی گویا وہ اپنی طرف کھینچتی تھی اور میں اپنی طرف۔ میں نے اسے کہا کہ تو مجھ پر غلبہ نہیں پا سکتی میرا یہی کہنا تھا کہ میں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا اس پر میں نے کفن چھوڑا تو اس عورت نے زور سے میرے چہرے پر تھپڑ مارا۔ جونہی اس نے چہرہ دکھایا تو واقعی اس کے چہرہ پر پانچ انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ میں نے پوچھا پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا: پھر میں ڈر کا مارا قبر سے باہر نکلا اور قبر پر مٹی ڈال کر چلا آیا اور سچی توبہ کرلی کہ آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا۔ حضرت ابو اسحاق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہی واقعہ میں نے امام اوزاعی کو لکھا۔ آپ نے جواب بھجوایا کہ اس سے پوچھ لینا تھا کہ اتنا عرصہ تو مردوں کے کفن چراتا رہا ان کے چہروں کا رُخ کس طرف پایا۔ ہم نے اس شخص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا: بعض مردوں کے چہرے قبلہ رُخ ہوتے اور بعض کے قبلہ سے پھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ میں نے یہی کیفیت امام اوزاعی کو لکھی تو انھوں نے تین بار پڑھا:

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم نے وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا: جن لوگوں کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے وہ ایسے تھے جن کی زندگی کتاب و سنت کے خلاف بسر ہوئی! ورقاعدہ ہے کہ معاصی و جرائم کی کثرت بُرے خاتمہ کا سبب بنتے ہیں بلکہ بسا اوقات جرائم

Scanned with CamScanner

کثیرہ و معاصی کبیرہ کفر کی موت کا موجب ہوتے ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

عروسی بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزے بودے خاتمت

ترجمہ: موت کے وقت تجھے خوشی ہوگی اگر خاتمہ ایمان پہ ہوا۔

ہم اللہ تعالٰے سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے نور ایمان کو مٹانے والی آندھی سے ہماری شمع اعتقاد کو محفوظ فرمائے اور ہر وقت اور ہر حال میں ہمیں قول ثابت پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ اور اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو، ہم نے ارادہ کا معنے اسلئے کیا ہے کہ ایسے محاورات میں لفظ ارادہ محذوف ہوتا ہے مثلاً بخار والے کو طبیب کہتا ہے: ان اکلت فکل قلیلاً یعنے اگر تم کچھ کھانا چاہتے ہو تو تھوڑا سا کھاؤ۔ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ تو اتنا بدلہ لو جتنا اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ اسے معاقبۃ سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ مسبب کا سبب پر اطلاق عام ہے یہ کما تدین تدان کی طرح ہے یعنے جیسے کروگے ویسے ہی جزا دیئے جاؤگے۔ مجازی علیہ کو جزا سے تعبیر کرنا اطلاق السبب علی السبب کے قبیل سے ہے یا مشاکلت و مزاوجہ کی وجہ سے اسے عقاب کہا گیا ہے۔ ورنہ معاقبۃ تو دوسرے کے فعل صادر کرنے کے بعد آتا ہے اور یہاں ابتدائی فعل کو معاقبۃ کہا گیا ہے تو اس کی وجہ وہی ہے کہ مشاکلت یا عرف کی وجہ سے ہے کہ جو بھی کسی کو کچھ سزا دے خواہ وہ کسی فعل کا بدلہ ہو یا نہ ہو اسے معاقبۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

شان نزول (۱) حضرت قرطبی نے لکھا ہے کہ جمہور اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مدنیہ ہے اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰے کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اور ان کا واقعہ مشہور ہے کہ مشرکین نے بہت سے اہل اسلام کا غزوہ احد میں مثلہ کیا بعض حضرات کے پیٹ چاک کئے اور بعض کے کان اور ناک کاٹ ڈالے بعض کے ذکر غرضیکہ سوائے حضرت حنظلہ بن الراہب کے تمام شہداء کے ساتھ ایسی ہتک آمیز حرکتیں کیں اور حضرت حنظلہ بھی اس لئے بچ گئے کہ ان کے والد عامر الراہب اس وقت ابوسفیان کے ساتھ تھے۔ ان کے والد کی وجہ سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کیا جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد سے فراغت پاکر شہداء کی دیکھ بھال کی تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰے کو زبوں حال میں دیکھا کہ آپ کا پیٹ چاک کیا گیا ہے اور ناک اور دونوں کان کاٹے گئے ہیں۔ آپ کو ان کی شہادت سے قلبی دکھ ہوا اسی لئے آپ نے فرمایا:

رحمة الله عليك كنت وصولا للرحم فعالا للخير ولولا ان تحزن النساء او يكون سنة بعدى

اللہ تعالٰے آپ پر رحم فرمائے آپ بہت بڑے صلہ رحمی کرنے اور ہر نیکی میں بہت بڑا حصہ لینے والے تھے اگر عورتوں کا

Scanned with CamScanner

لترکتک حتی یبعثک الله من بطون السباع والطیر اما واللہ لئن اظفرنی الله بهم لامثلن بسبعین مکانک ۔

غم نہ ہوتا یعنے میرے بعد اس طریقہ کے جاری رہنے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تجھے ایسے چھوڑ دیتا یہاں تک کہ آپ درندوں و پرندوں کے پیٹ سے اٹھتے ۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے ان پر فتح و نصرت بخشی تو میں آپ کے عوض ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا ۔

صحابہ کرام ؓ نے کہا، اگر اللہ تعالےٰ نے ہمیں فتح و نصرت بخشی تو ہم ان کے ساتھ وہ کریں گے جو عرب میں کسی نے نہ کیا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے ایک چادر منگوائی اور حضرت حمزہ کے چہرے پر ڈال دی لیکن چادر اتنی چھوٹی تھی کہ ان کے پاؤں ننگے رہ گئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: انھیں اذخر سے ڈھانپ دو پھر انھیں آگے رکھ کر دس تکبیریں پڑھیں اس کے بعد ہر شہید کو لایا جاتا اس پر نماز پڑھی جاتی لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنی جگہ سے نہ اٹھایا گیا یہاں تک کہ ستر شہیدوں کی نماز جنازہ ہوئی اس طرح سے حضرت حمزہ ؓ کی ستر بار نماز جنازہ ہوئی ۔

ف : تبیان میں ہے کہ حضرت حمزہ پر ستر بار نمازیں پڑھی گئیں یا ستر تکبیریں ۔

بی بی فاطمہ ؓ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر ؓ نے پڑھائی مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں ۔

اس سے شیعہ رافضیوں کا رد ہوگیا۔ وہ کہتے ہیں کہ بی بی فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق سے ناراض تھیں۔ اگر ان کا غلط نظریہ صحیح مان لیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کس طرح پڑھائی وغیرہ وغیرہ ۔

رد غیر مقلدین و شیعہ اس سے فقہاء احناف نے استدلال کیا ہے نماز جنازہ کی کل تکبیریں چار ہیں۔ (کذا فی مشارق الانوار) اور شیعہ پانچ کے قائل ہیں اور غیر مقلدین ان سے بھی کچھ آگے۔ ہر دونوں کی اسی حدیث سے تردید ہوئی ۔

شانِ نزول (۲) اسباب نزول میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو وحشی حبشی (یہ بعد میں مسلمان ہوگئے تھے) نے شہید کیا۔ یہ (حضرت) وحشی حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل کے غلام تھے۔ جبیر کا چچا طعیمہ بن عدی بدر میں مارا گیا تھا۔ غزوہ احد کی طرف روانگی کے وقت (حضرت) وحشی کو کہا کہ اگر میرے چچا کے عوض (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کردو گے تو تم آزاد ہوگے۔ اس جوش سے (حضرت) وحشی نے تیر مارا تو ٹھیک نشانہ پر لگا۔ حبشی تیر اندازی میں ضرب المثل تھے۔ اس طرح سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ شہید ہوگئے پھر ان کے ساتھ ہوا جو کچھ ہوا۔ اس کے بعد حضرت وحشی (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) مسلمان ہوگئے۔ اسے حضور سرور عالم

Scanned with CamScanner

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھل تستطیع ان تغیب عنی وجھك — اے وحشی! اپنا چہرہ چھپا سکتے ہو تو مجھ سے اُوجھل ہوا کرو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لئے فرمایا کہ وحشی کو دیکھ کر آپ کو حضرت حمزہ یاد آجایا کرتے تھے اس طرح سے حضرت وحشی سے آپ کو طبعی کراہت ہوتی تھی۔

مسیلمۃ الکذاب کا قاتل بھی حضرت وحشی تھا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، آپ کی مسند پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بٹھایا گیا تو مسیلمۃ الکذاب کے ساتھ جنگ کی ٹھہری، حضرت وحشی نے کہا کہ اس بدبخت مسیلمۃ الکذاب کو میں ماروں گا تاکہ حضرت حمزہ کا بدلہ پورا کرسکوں۔ یہ کہہ کر جنگ پر روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت وحشی کو مسیلمۃ الکذاب کے قتل کرنے کی توفیق بخشی۔ خلاصہ

المرام، غزوۂ احد کے شہداء کے دفنانے کے بعد یہی آیت نازل ہوئی چونکہ آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت کو دیکھ کر قسم کھائی تھی اور اس سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ اسی لئے آپ نے قسم کا کفارہ دے کر کفار سے مذکورہ بالا بدلہ لینے کا ارادہ ترک فرمالیا۔

سوال: فعاقبوا امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اس کا معنے یہ ہوا کہ کفار کا مثلہ کرنا اہل اسلام پر فرض تھا اور تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ نے مثلہ سے روک دیا تھا؟

جواب: یہ امر اباحت کا ہے۔

سوال: اباحت پر کفارہ کیسا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے امر فرما کر تعریضاً یعنے ان عاقبتم کے جملہ سے ان کے مثلہ سے روک دیا۔

مسئلہ: تحریم مثلہ کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں اس لئے کہ احادیث مبارکہ میں اس کی ممانعت میں بہت بڑی تاکید آئی ہے یہاں تک فرمایا کہ باولے کتے کا بھی مثلہ نہ کرو۔[1]

وَلَئِن صَبَرْتُمْ اگر بدلہ لینے پر صبر کرو اور انھیں معاف کردو۔

ف: پہلے جس کو تعریضاً بیان فرمایا اب اس کی تصریح فرمادی یعنے مخالف کے مثلہ سے درگذر فرمانا۔

لَهُوَ بے شک تمہارا صبر کرنا **خَيْرٌ** بدلہ لینے سے بہتر ہے یعنے معاف کرنا بدلہ لینے سے اولیٰ ہے۔

لِّلصَّابِرِينَ ۝ صبر کرنے والوں کے لئے۔

سوال: صرف صابرین کے لئے کیوں حالانکہ یہ تو ہر ایک کے لئے بہتر ہے؟

---

[1] افسوس کہ لوگ اپنی داڑھی مونچھیں مونڈ واکر اپنا مثلہ خود کر رہے ہیں۔ تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ نعمۃ المنعم فی لحیۃ المسلم دیکھئے (اویسی)۔

Scanned with CamScanner

ان کی مدح مطلوب ہے تاکہ صبر کی فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کی طرف رغبت ہو۔ اسی لئے اس آیت کے نزول کے بعد حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بل نصبر یا رب۔ اے اللہ تعالےٰ! ہم صبر کریں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کو کہے یا خبیث۔ دوسرے کو لائق ہے کہ صبر کرے اور اسے کوئی جواب نہ دے اگر اسے جواباً خبیث کہہ دے تو کوئی جرم نہیں اگر یہی شخص اپنے بالمقابل پر قاضی (حکم وقت) کے ہاں دعوےٰ کرے کہ اسے یا خبیث کہنے کی سزا دی جائے تاکہ آئندہ میں ایسی غلطی نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ (کذا فی الخلاصہ)

مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر کوئی کسی کو کہے یا خبیث۔ اور وہ اسے جواباً یا خبیث کہہ دے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ قائل نے یا خبیث کہہ کر اس پر ظلم کیا اور ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے۔

کما قال:

ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولٰئک ما علیہم من سبیل۔ اور وہ جو ظلم کے بعد بدلہ لے تو اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے کوئی سزا وغیرہ نہیں لیکن اسے معاف کرنا افضل ہے۔

کما قال تعالےٰ:

فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ۔ جو معاف کرکے صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ تعالےٰ کے ہاں ہے۔

مسئلہ: اگر قائل ایسا کلمہ کہے جو اس پر حدِ شرعی لازم کرے، تو اسے جواب نہ دے تاکہ اپنے اوپر حد قائم نہ کرائے۔

مسئلہ: تنویر الابصار میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کو ناحق مارا پھر اس نے بدلہ لیتے ہوئے مارنے والے کو مارا تو دونوں پر سزا شرعی واجب ہے۔ پہلے ابتدا کرنے والے کو سزا دی جائے پھر جواب دینے والے کو۔

ربط: اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم فرمایا۔ اس لئے کہ صبر کرنا عزائم سے ہے اور عزائم پر عمل کرنا اولیٰ ہے کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی شانوں کو زیادہ جانتے اور آپ کو اللہ تعالےٰ کے احکام پر زیادہ اعتماد ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وَاصْبِرْ کفار و مشرکین سے جتنی آپ کو اذیتیں تکلیفیں، مشقتیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کیجئے بالخصوص آپ کو ان کے اعراض عن الحق سے جو تکلیف پہنچتی ہے اگرچہ وہ ناقابل برداشت ہیں لیکن آپ میرے فرمان کے مطابق صبر کیجئے۔

مسئلہ: آپ کا صبر کرنا امت کے لئے واجب الاقتدار ہے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کسی نے کہا کہ آپ صبر کریں گے تو ہم بھی صبر کرسکیں گے اس لئے کہ مقتدی کا صبر امام کے صبر پر موقوف ہے۔

وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ اور آپ کا صبر نہیں مگر اللہ تعالےٰ کی توفیق و اعانت سے وہ اس لئے کہ صبر

Scanned with CamScanner

اللہ تعالٰے کی صفت ہے اور اس کی صفت سے وہی موصوف ہو سکتا ہے جسے وہ اپنے جلووں سے نوازے ۔

ف: حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے انبیاء علیہم السلام کو صبر کا حکم دیا لیکن اس صبر کا بہت بڑا ذوق اور اعلیٰ مرتبہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا چنانچہ وما صبرك الا بالله میں حضور علیہ السلام کے صبر کو اپنی توفیق و اعانت سے منسوب فرمایا۔

[ردِ شیعہ: شیعہ روافض حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس ارشادِ گرامی کو غور سے پڑھیں جب کہ وہ ماتم کو اپنے لئے بہت بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور صبر کے خلاف ہنگامے برپا کرتے ہیں ۔]

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور کفار کے ایمان سے مایوس ہو کر غم نہ کھایئے ۔ اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

فلا تأس على القوم الكافرين

وَلَا تَكُ یہ دراصل لا تکن تھا نون کو کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے چونکہ لم یعن ولم یخن کثیر الاستعمال نہیں اسی لئے وہاں نون محذوف نہیں ہوا ۔ اور اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے ظاہر ہے کہ اہل عرب اپنے اکثر افعال میں کان یکون کو ساتھ ملاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں ۔ کان زید یقوی وکان زید یجلس ۔

قاعدہ: اگر کان کے ایسے افعال کے ساتھ حرف شرط واقع ہو تو نون کو ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً ومن یکن الشیطان قرینا فساء قرینا ۔ اور فرمایا: ولم یکن الذین الآیۃ

فِىْ ضَيْقٍ یعنی ان کے مکر و فریب سے آپ تنگدل نہ ہوں ۔ یہ مقلوب کلام ہے کلام کو مسجع کرنے کے لئے کلام کو مقلوب کیا گیا ہے اور جب التباس نہ ہو تو کلام کو مقلوب کرنا جائز ہے وہ اس لئے کہ تنگی ایک صفت ہے جو انسان میں پائی جاتی ہے انسان اس میں نہیں پایا جاتا البتہ کوئی شئے بہت زیادہ اور قوی تر ہو جائے تو وہ ایسے محسوس ہوتی ہے کہ گویا محیط ہو گئی ہے ۔ **مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○** اس سے جو آپ کے ساتھ آئندہ چل کر مکر و فریب کریں گے اس نہی میں دو فعل ہیں ایک تو کفار کے ایمان نہ لانے سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا اور وہ کفار سے ہو چکا ہے فلہٰذا اللہ تعالٰے نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو روکا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غم نہ فرمایئے ۔ دوسرا وہ فعل جو کفار نے آگے چل کر کرنا ہے یعنی مکر و فریب ان کے اس آنے والے فعل سے غمگین ہونے سے منع کیا گیا ہے ۔ **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا** بے شک اللہ تعالٰے ان لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے معاصی سے اجتناب کیا ۔

ف: اللہ تعالٰے کی معیت کا معنے ہے ولایت (دوستی) اور فضل و کرم ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ○ اور وہ لوگ نیک اعمال کرنے والے ہیں ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الذین

لہ: اضافہ از فقیر اویسی

Scanned with CamScanner

اتقوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو بُرے کے ساتھ برائی نہیں کرتے اور ھم محسنون سے وہ لوگ مراد ہیں جو دشمنی کرنے والے کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ پہلی تقریر پر احسان بمعنے کسی شے کو جمیل اور حسین بنانا اور دوسرے معنے پر اساءۃ کی نقیض ہے۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ محسن کی تین علامات ہیں:

① طاعتِ الٰہی میں جلدی کرتا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء سے بچتا ہے۔

③ جو اس کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ اس کے ساتھ احسان کرتا ہے۔

سہ

ز احسان خاطر مردم شود شاد
بتقوے خانۂ دین گردد آباد
بسوئے این صفت ہا گر شتابی
رضائے خلق و خالق ہر دو یابی

ترجمہ: احسان سے لوگوں کے دل خوش ہوتے ہیں تقویٰ سے دین کا گھر آباد ہوتا ہے۔ اگر ان صفتوں کو اپنا لو تو خالق و مخلوق ہر دو راضی ہوں گے۔

ممشاد دینوری اور فرشتے کی گفتگو حضرت ممشاد دینوری رحمہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک فرشتے کی زیارت کی اس نے فرمایا: جو اللہ تعالے کے ساتھ ہے وہ تباہ و برباد نہ ہوگا ہاں وہ شاد و آباد ہوگا جس کے ساتھ اللہ تعالے ہوگا۔ کما قال تعالے:

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ محبوب کا محب کے ساتھ ہونا اس لئے کہ اس سے محب ہر وقت اپنے محبوب کی رضا کا طالب ہوگا اگر محب محبوب کے ساتھ ہوگا تو اس وقت محبوب کی ناراضگی اور اس کا روگردان ہونا ممکن ہے اور یہ محب کے لئے نقصان دہ ہے۔

بزرگوں کی وصیتیں ① حضرتِ ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ کو بوقت وفات عرض کی گئی کہ کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ہاں تو مال ہی نہیں اس لئے مال کی وصیت نہیں کرتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ تم سورہ نحل کی آخری آیات پر عمل کرو۔ وہ آیات یہ ہیں: ادع الی سبیل ربک الخ۔

② فقیر (اویسی) کہتا ہے کہ وفات سے ایک دن پہلے میرے پیر و مرشد اور شیخ کامل قدس سرہٗ نے اپنے مخصوص مریدین کو جمع کر کے فرمایا: اے میرے عزیزو! تمہیں معلوم ہے کہ میرے ہاں مال و دولت جمع نہیں کہ اس کے متعلق میں تمہیں وصیت کروں البتہ میرے ہاں مذہب اہلسنت کے مطابق شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے اصول ہیں۔ میں تمہیں

Scanned with CamScanner

ان پر کاربند ہونے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں اسی مذہب اہلسنت پر فوت ہو رہا ہوں اور آخرت میں اسی مذہب پر اٹھنا چاہتا ہوں یہی میری وصیت ہے اور تم اسی پر زندگی بسر کرو اور اسی پر مرو۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے شیخ کا مقصد یہ تھا کہ مذہب اہلسنت ٹیڑھا پن اور الحاد نہیں ہے نہ اعتقادیات میں نہ فروعات میں۔

صوفیوں کے گمراہ فرقے

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اہل تصوف کے بارہ فرقے ہیں۔ ایک ان میں سنی ہے باقی اہل بدعت (ملحد)۔ اور سنی فرقہ یہی ہے جو فقہ اسلامی کے مطابق اپنے تصوف کو ڈھالتا ہے۔ جو فقہ اسلامی سے ہٹ کر اپنے اجتہادی راستے گھڑتے ہیں وہ تمام بدعتی (ملحد) ہیں۔

سُنّی کی پہچان

سنی صوفی کی پہچان دو علامتیں ہیں :

۱- ظاہر

۲- باطن

ظاہر یہ کہ شریعت مصطفویہ کی پابندی۔ اور باطن یہ کہ طریقت پر چلنا لیکن علی سبیل البصیرۃ والیقظہ والعلم یعنے طریقت پر جہالت غفلت اور اندھاپن سے طریقت کی راہ پہ چلے۔

سبق

سورۂ نحل کی آخری آیات سے موصوف ہونے کی جدوجہد کرنی لازم ہے اس لئے کہ ان آیات میں عفو و صبر وحلم اور خوشی وغمی میں ہشاش بشاش ہونے اور شئے کے فوت ہونے اور آنے والے غم وحزن کا ترک اور تقویٰ واحسان کے جملہ اقسام پر پابند ہونے کا سبق ملتا ہے اسی کو اللہ تعالےٰ نے اپنی معیت وولایت اور ایمان کامل اور حسن خاتمہ اور بہتر انجام کی علامت بتائی ہے۔ اے اللہ ! ہمیں سیدھے راہ کاملان اور اپنے غیر سے روگردانی کی توفیق عطا فرما اور ہمارے خاتمے ایمان پر فرما۔ (آمین)

(صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) سورہ نحل کی تفسیر شواہد عقل ونقل کے ساتھ ہفتہ کے دن ۱۹ شعبان المبارک ۱۱۱۵ھ کو ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے شب ہفتہ قبل نماز عشاء ۲۲ رجادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ اس کے ترجمہ سے فراغت پائی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

فقط والسلام

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ

مسجد سیرانی شریف دارالعلوم جامعہ اویسیہ۔

بہاولپور ۲۳ھ

Scanned with CamScanner

فہرست

تفسیر عالمانہ ربما الخ ۳
آیت کا خلاصہ ۴
علامت گر ۵
تفسیر صوفیانہ ۵
صاحب روح البیان کا محققانہ فیصلہ ۵
تفسیر عالمانہ ذرھم الخ ۶
تفسیر صوفیانہ ۷
تفسیر عالمانہ وما الخ ۸
سلمان سو برس کا پل کی خبر نہیں ۱۰
تفسیر عالمانہ وقالوا الخ ۱۰
شان نزول ۱۰
جس کو ملا ان سے ملا اور شان ولایت و نبوت ۱۱
مجنون مقبول لیئے عشق ۱۱
تفسیر عالمانہ لوما الخ ۱۲
مجددین کی پہچان ۱۵
حکایت حافظ فرزوق شاعر ۱۶
حکایت دیگر ۱۶
فرزوق کے واقعہ کا بقایا حصہ ۱۷
حکایت امام زفر ۱۷
تفسیر عالمانہ ولقد الخ ۱۸
تفسیر صوفیانہ ۲۰
تفسیر عالمانہ وقد خلت الخ ۲۰
تفسیر عالمانہ ولقد الخ ۲۳
راکٹ بروج میں نہیں پہنچا ۲۵
شان نبی ۲۷
شیطان کی سخت شرارت سے پناہ ۲۷
شان حبیب ۲۸
ایک عجیب دلیل در بارہ شان نبوت ۲۸
نکتہ وہابیت سوز ۲۸
اعجوبہ برائے افہام مسئلہ حاضر و ناظر ۲۹
فرق مابین اتباع و تتبع ۳۰
ردّ وہابیہ ۳۲
تفسیر صوفیانہ ۳۳
تفسیر عالمانہ والارض ۳۳
تخلیق سماوات ۳۴
تفسیر عالمانہ وانبتنا فیہا ۳۶
تفسیر عالمانہ وارسلنا الخ ۳۸
حضرت ابن العربی قدس سرہ کی وصیت ۴۱
تفسیر عالمانہ ولقد الخ ۴۳
شان نزول نمبر ۱ ۴۴
حدیث شریف در تائید مذہب احناف ۴۷
شرح الحدیث المذکور ۴۸
دلیل از احناف ۴۸
مسائل فقہانہ ۴۸

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ ولقد خلقنا الخ ۵۰
ردّ وہابیہ ۵۲
اسرار صوفیانہ ۵۷
صاحب روح البیان کی تحقیق ۵۸
تفسیر عالمانہ فسجد الخ ۶۰
تفسیر عالمانہ قال الخ ۶۵
نکتہ برائے صدق ۶۲
نکتہ در تخلیق ابلیس ۶۳
تفسیر عالمانہ قال الخ ۷۵
شیطان کی کہانی اس کی اپنی زبانی ۷۵
ولی کامل شیطان سے بے خبر ۷۵
وسوسۂ شیطانی ایمان کی علامت ۷۶
صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر دل پذیر ۷۷
رمز صاحب روح البیان برائے شیخ اکبر قدس سرہ ۷۹
تفسیر عالمانہ ان المتقین الخ ۸۲
شیعہ کا رد ۸۳
شان نزول ۸۴
تفسیر عالمانہ نبیٔ عبادی الخ ۸۶
عشق کا مرتبہ ۸۷
تفسیر عالمانہ ونبئھم الخ ۸۸
تفسیر عالمانہ قال الخ ۹۲
تفسیر عالمانہ فلما جاء الخ ۹۴
شان مصطفےٰ ۱۰۱
شان حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۲
تفسیر عالمانہ فاخذتھم الخ ۱۰۳
فضائل فراست ۱۰۶
خواجہ عبدالخالق عجدوانی قدس سرہ کا قصہ ۱۰۶
حکایت یحییٰ علیہ السلام ۱۰۷
رد شیعہ ۱۰۸
قصہ قوم شعیبؑ ۱۰۸
تفسیر عالمانہ ولقد کذب الخ ۱۱۱
شان حبیب الرحمان صلے اللہ علیہ وسلم ۱۱۷
حضرت امام مالک کی عجیب کہانی ۱۱۸
تفسیر عالمانہ ولقد اتینٰک الخ ۱۱۹
سورۃ فاتحہ کے فضائل ۱۲۳
تفسیر عالمانہ ۱۲۴
تفسیر عالمانہ فاصدع بما الخ ۱۲۹
تفسیر صوفیانہ اور ازالہ اوہام وہابیہ ۱۲۹
تفسیر عالمانہ واعرض الخ ۱۳۰
اختیار مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ۱۳۰
دشمنان مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا بد انجام ۱۳۱
حکایت مثنوی ۱۳۳
تفسیر عالمانہ ولقد نعلم الخ ۱۳۴
دکھوں کا مداوا - نماز ۱۳۵
حکایت ایک عاشق زار کی ۱۳۵
تفسیر عالمانہ واعبد الخ ۱۳۶
تفسیر عالمانہ اتٰی امر اللہ الخ ۱۳۹
شان نزول ۱۳۹
تفسیر عالمانہ سبحانہ وتعالیٰ الخ ۱۴۲

Scanned with CamScanner

اسرافیل کے حامل وحی ہونے متعلق عجیب نکتہ	۱۴۲
خالد بن سنان کی وحی کے حامل شاذن نار	۱۴۲
نبوت خالد بن سنان کا ثبوت	۱۴۳
ذی القرنین کے ہاں زیاقیل فرشتہ کی حاضری	۱۴۳
صاحب روح البیان کے پیرو مرشد کی تقریر	۱۴۵
تفسیر عالمانہ خلق السموات الخ	۱۴۶
تفسیر عالمانہ تعالیٰ الخ	۱۴۷
تفسیر عالمانہ خلق الانسان الخ	۱۴۷
شان نزول	۱۴۷
فضلات مبارکہ طیب و طاہر تھے	۱۴۸
رد وہابیہ دیوبندیہ	۱۴۹
تفسیر عالمانہ	۱۵۰
ناقۂ رسول کی تفصیل	۱۵۲
ناقۂ رسول کے عجائبات	۱۵۳
اونٹ کے عادات	۱۵۴
اونٹ کے خواص	۱۵۴
بقر کے فوائد	۱۵۴
بچھو مار دوا	۱۵۴
فائدہ طبیہ	۱۵۵
حضور کی بکریاں چرانے والی بی بی	۱۵۶
گھوڑوں سے محبت	۱۵۷
حضور کے گھوڑوں کی تعداد	۱۵۷
عسر ولادت کا علاج	۱۵۸
گستاخ نبوت کا انجام	۱۵۹
عاشق رسول کے عشق کی داستان	۱۶۰
امام ابوحنیفہ کا انوکھا استدلال	۱۶۱
تفسیر عالمانہ وعلی اللہ الخ	۱۶۳
حکایت حلاج گستاخی کی سزا	۱۶۵
تفسیر عالمانہ ھوالذی الخ	۱۶۷
حدیث عکرمہ	۱۶۸
آدم علیہ السلام نے کھیتی کا کام شروع کیا	۱۶۹
التجربہ	۱۶۹
تفسیر عالمانہ وسخرلکم الخ	۱۷۲
عقل کیا شے ہے	۱۷۳
تفسیر صوفیانہ	۱۷۴
نسخہ روحانیہ	۱۷۵
حدیث شریف	۱۷۵
تفسیر عالمانہ وھوالذی الخ	۱۷۵
تفسیر عالمانہ والقی الخ	۱۷۹
فرمان عمر رضی اللہ عنہ	۱۸۱
صوفیاء کا مسلک	۱۸۳
تفسیر عالمانہ افمن الخ	۱۸۴
رد وہابیہ	۱۸۶
تفسیر عالمانہ الٰھکم و الخ	۱۸۸
تحقیق لا جرم	۱۸۹
شان نزول	۱۹۱
تفسیر عالمانہ قد مکرالذین الخ	۱۹۶
تکبر کے اقسام	۱۹۹
التجربہ تصوف	۱۹۹
نوح علیہ السلام کی وصیت	۲۰۰
تفسیر عالمانہ ھل ینظرون الخ	۲۰۵

Scanned with CamScanner

تفسیر عالمانہ: وقال الذین	۲۰۷
تفسیر عالمانہ: وقسموا	۲۱۰
صاحب روح البیان کے مرشد کی تقریر دلپذیر	۲۱۳
تفسیر عالمانہ: والذین جاهدوا	۲۱۴
حب کا سکر	۲۱۶
تفسیر عالمانہ: وما ارسلنا	۲۱۷
نسخہ جات برائے اجلاء القلوب	۲۱۹
تفسیر عالمانہ: وقال الله	۲۲۹
حکایت کرامت	۲۳۰
تفسیر عالمانہ: ویحبون	۲۳۱
تفسیر عالمانہ: ویحبونهم	۲۳۲
شانِ نزول	۲۳۳
تعبیرِ خواب	۲۳۴
مسئلہ [illegible]	۲۳۴
تفسیر عالمانہ: ولو	۲۳۶
عمر کی قوت	۲۳۸
کافر عذاب	۲۳۸
[illegible]	۲۳۹
[illegible]	۲۳۹
[illegible]	۲۳۹
تفسیر صوفیانہ	۲۴۱
تفسیر عالمانہ: ولئن	۲۴۳
[illegible] کے بعد کی دعا	۲۴۴
[illegible] کے بعد کی دعا	۲۴۴
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۲۴۶
[illegible]	۲۴۶
[illegible]	۲۴۸
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۲۴۸
[illegible]	۲۴۹
[illegible]	۲۵۲
[illegible]	۲۵۲
[illegible]	۲۵۳
[illegible]	۲۵۳
[illegible]	۲۵۴
[illegible]	۲۵۴
[illegible]	۲۵۴
[illegible]	۲۵۴
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۲۵۸
زندگی کے [illegible]	۲۵۸
[illegible]	۲۵۹
[illegible] کی شان	۲۵۹
کمالات قرآن پاک کی برکت	۲۵۹
انبیاء و اولیاء کی شان	۲۵۹
[illegible] کی سزا	۲۵۹
[illegible]	۲۵۹

تفسیر عالمانہ: والله	۲۶۲
تفسیر عالمانہ: فما الذین	۲۶۲
قرآت قرآن شریف کے احکام مبارکہ	۲۶۳
وحدۃ الوجود کی جھلک	۲۶۶
تفسیر عالمانہ: والله	۲۸۱
محبت و عشق کا علاج	۲۸۲
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۲۸۳
تفسیر عالمانہ: ان یریدوا	۲۸۸
عجیب ترین پرندہ	۲۸۹
تفسیر عالمانہ: وجعل	۲۹۱
سلوک کے [illegible]	۲۹۱
تفسیر عالمانہ: والله	۲۹۳
[illegible]	۲۹۴
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۲۹۵
عذاب کی کیفیت	۲۹۱
تفسیر عالمانہ: ان الله	۲۹۹
احسان کا صوفیانہ معنیٰ	۲۹۸
[illegible] صاحب روح البیان	۳۰۱
بدعات [illegible]	۳۰۲
بدعات سیئہ	۳۰۲
ایک اور بدعات حسنہ [illegible]	۳۰۳
بدعات سیئہ	۳۰۳
شانِ نزول	۳۰۳
بیعت کے معنے	۳۰۴
شریعت کی پابندی	۳۰۴
تفسیر عالمانہ: ولا تکونوا	۳۰۷
یہ عورت کون تھی	۳۰۷
شانِ نزول	۳۱۱
[illegible]	۳۱۳
حکایات [illegible]	۳۱۴
قبل از تلاوت قرآن استعاذہ کے فوائد	۳۱۸
شیطان کی [illegible]	۳۱۹
تفسیر عالمانہ: واذا بدلنا	۳۲۲
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۲۵
شانِ نزول	۳۲۵
تفسیر عالمانہ: ان الذین	۳۲۶
[illegible]	۳۲۹
[illegible] کی خلوت	۳۳۰
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۳۲
صوفی کی ہجرت	۳۳۳
[illegible] اولیاء کی دلیل	۳۳۴
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۳۶
[illegible]	۳۳۸
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۳۸
[illegible]	۳۳۸

[illegible]	۳۳۹
تفسیر عالمانہ: وضرب الله	۳۳۹
[illegible] تمام فتنوں کی سرتاج ہے	۳۴۰
[illegible]	۳۴۳
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۴۳
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۴۴
تفسیر عالمانہ: فمن اضطر	۳۴۹
تفسیر صوفیانہ	۳۴۹
مسائل شرعیہ	۳۴۹
جھوٹے صوفیوں کا رد	۳۴۹
تفسیر عالمانہ: ان الذین	۳۴۹
[illegible]	۳۴۹
تفسیر صوفیانہ	۳۵۱
حدیث شریف	۳۵۱
تفسیر عالمانہ: ان ابراهیم	۳۵۲
[illegible] کی شرح	۳۵۲
[illegible]	۳۵۳
[illegible]	۳۵۳
ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی	۳۵۴
[illegible] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی [illegible]	۳۵۴
[illegible]	۳۵۵
تفسیر صوفیانہ	۳۵۰
ولی اللہ کی شان	۳۵۸
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۵۸
تفسیر عالمانہ: [illegible]	۳۶۰
تفسیر صوفیانہ	۳۶۲
صاحب روح البیان کے پیر و مرشد کی [illegible]	۳۶۳
[illegible]	۳۶۵
حکایت	۳۶۵
تفسیر صوفیانہ	۳۶۶
شانِ نزول	۳۶۶
[illegible] حضرت [illegible]	۳۶۸
[illegible]	۳۶۸
شانِ نزول	۳۶۸
[illegible]	۳۶۹
[illegible]	۳۷۰
حدیث شریف	۳۷۱
[illegible]	۳۷۱
بزرگوں کی [illegible]	۳۷۱
صوفیوں کے [illegible]	۳۷۲
[illegible]	۳۷۲

Scanned with CamScanner